اِنگا



انوار صدیقی



''کل بدری نرائن جاپ میں کامیاب ہو جائے گا۔'' میں نے کچھ توقف کے بعد بجھی ہوئی آواز میں کہا۔

''یہی نظر آتا ہے مگر جمیل۔ تم سے بچھڑ کر مجھے شدید صدمہ ہوگا۔'' انکا نے بسورتے ہوئے کہا۔ ''اگر میں اپنے وجود پر قادر ہوتی تو خودکشی کر لیتی لیکن تمہاری جدائی گوارا نہ کرتی۔''

''وقت کا کھیل ہے انکا۔ ہم سب بے بس ہیں۔ تقدیر میں یہی لکھا تھا جو پورا ہوا۔''

''جمیل۔ تم خوش قسمت ہو کہ مالا رانی تمہیں مل گئی۔ تم اپنی دلبستگی کا سامان کر سکتے ہو۔ میں کس سے بات کروں گی؟ میری زندگی صرف اس کے لئے وقف ہے جو میرا مالک ہو۔ مجھے خود پر کوئی اختیار نہیں، ان پنڈتوں میں بہت کم مرتے ہیں کہ میں آزاد ہوتی ہوں۔''

''انکا میری جان۔ کیا تم میرا ایک آخری کام کر سکتی ہو؟'' میں نے جذباتی لہجے میں کہا۔

''کہو جمیل۔ کاش میں تم پر اپنا وجود نچھاور کر سکتی۔ اگر تمہاری انکا کے بس میں ہوا تو ضرور پورا ہوگا۔''

''مجھے مار ڈالو انکا۔ اپنے پنجے اتنی زور سے میرے سر میں چبھاؤ کہ ہر احساس فنا ہو جائے۔ یہ زندگی تمہارے بغیر بیکار ہے۔''

''میں یہ نہیں کر سکتی۔ مایوس کیوں ہوتے ہو؟'' انکا تڑپ کر بولی۔ ''تم نے بڑی بڑی مشکلات کا سامنا کیا ہے۔ وقت کا انتظار کرو۔ مجھے یقین ہے تم ضرور کامیاب ہو گے۔''

آہ وہ دلخراش گفتگو، وہ جدائی کے لمحے، انکا مجھے بچوں کی طرح دلاسے دیتی رہی۔ میری آنکھوں کے پیچھے چھپا ہوا آنسوؤں کا سیلاب پھوٹ پڑا۔ میری انکا جا رہی تھی۔ ان کربناک لمحات کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ وہ لمحہ آ گیا جب انکا نے مجھ سے اجازت مانگی، الوداع کہا اور مجھے بدری نرائن کی کامیابی کا

مژدہ سنا کر حسرت و یاس سے میرے سر سے رینگ گئی۔ وہ کیا گئی میرا دل پہلو سے نکلنے کو بے تاب ہوا۔ اس روز میں کن کن کیفیتوں سے دو چار رہا۔ کیسے کیسے دیوانگی کے دورے پڑے، اس کا احوال مجھے ان ملازمین سے معلوم ہوا جو میری نگرانی پر مامور تھے۔ میں انکا کی جدائی کے غم میں دیوانہ ہوگیا۔ میں نے اپنا سر دیواروں سے ٹکرایا۔ اگر اس جنون کے عالم میں محافظ دستے کے سپاہی مجھے جیل سے بروقت نہ نکالتے یا نہیں کچھ دیر ہو جاتی تو یہ تاریک کوٹھری مجھے اندھیروں میں ایسے سمیٹ لیتی کہ پھر کبھی میں روشنی میں نہ آ سکتا۔ جیل کے ہسپتال میں مجھے ہوش آیا تو انکا کی یاد بے تابانہ آئی۔ مجبوراً ڈاکٹروں کو مجھے بے ہوشی کا انجکشن لگانا پڑا۔

ہسپتال میں میری حالت سنبھلتے سنبھلتے پندرہ دن لگ گئے۔ اس دوران ڈاکٹر اور نرسوں نے کئی بار مجھ سے میرے عزیز و اقارب کے بارے میں دریافت کیا مگر میں ہر بار ایک سرد آہ بھر کر چپ ہوگیا۔ اب کسی سے ملنے اور کسی کو دیکھنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ میں نے ان سے کہہ دیا کہ میں تنہا ہوں۔ ایک ماہ بعد مجھے ہسپتال سے جیل بھیج دیا گیا لیکن اس بار ڈاکٹر کی سفارش پر مجھ سے زیادہ محنت کا کام نہیں لیا گیا۔ میں دن رات اپنے انجام کے بارے میں سوچتا رہتا۔ سادھو جگدیو کی ناراضی نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ پنڈت بدری نرائن اب مجھ سے گن گن کر بدلے لے گا۔ اب ہر سو اندھیرا تھا۔

میری رہائی میں پانچ روز رہ گئے۔ مجھے اپنی بربادی صاف نظر آنے لگی۔ آزادی میری بربادی کی ابتدا ہوگی۔ ویرانیاں، مایوسیاں، ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ چار روز قبل میں ایک درخت کے نیچے بیٹھا تھا کہ ایک سپاہی نے مجھے آکر بتایا کہ جیلر نے بلایا ہے۔ میں خاموشی سے اٹھا اور محافظ کے ساتھ ہولیا۔ جب میں جیلر کے کمرے میں پہنچا تو برقع میں چھپی ہوئی مالا کو دیکھ کر میرے قدم لرزنے لگے اور مالا نے میری ناگفتہ بہ حالت دیکھی تو دہائی دینے لگی۔ نہ جانے کیوں مجھے مالا کی آمد ناگوار گزری۔ میں نے نگاہیں پھیر لیں۔ جیلر کی موجودگی میں مالا سے کوئی گفتگو مناسب نہیں تھی۔ البتہ اسے دیکھ کر جگدیو اور پریتم لال کا ایک سلسلہ یاد آ گیا۔ ان لوگوں سے مجھے شدید نفرت ہوئی تھی۔ میں کچھ دیر چپ کھڑا رہا۔ جیلر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''تم اپنی بیوی سے اسی کمرے میں بات کر سکتے ہو۔ میں تمہیں دس منٹ کی مہلت دیتا ہوں۔''

جیلر اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا تو مالا بڑی تیزی سے میرے قریب آئی اور گلوگیر آواز میں بولی۔ ''آپ کی یہ کیا حالت ہوگئی؟ ہم لوگوں کو اطلاع تک نہ دی؟''

''اب کیوں آئی ہو؟ جاؤ چلی جاؤ۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ تمہارے جگدیو مہاراج نے مجھے اس حال تک پہنچایا ہے اور تمہیں میرا تماشا دیکھنے کی اطلاع تک نہ دی۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''بھگوان کی سوگند، مجھے آپ کے بارے میں آج ہی اطلاع ملی ہے۔ بڑی مشکل سے جیلر سے

بنتی کر کے آپ کو بلوایا۔'' وہ آنسوؤں سے بولی۔

''اور کون آیا ہے تمہارے ساتھ؟'' میں نے بے رخی سے پوچھا۔

''میں اکیلی آئی ہوں۔ ابھی تک چچا جان یا کسی اور کو کوئی خبر نہیں۔'' مالا نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ ''جیلر کہہ رہا تھا۔ آپ چار روز میں رہا ہونے والے ہیں۔''

''اب رہائی میں کیا رکھا ہے؟ جگدیو مہاراج کی کرپا سے انکا میرے دشمن بدری نرائن کے قبضے میں جا چکی ہے۔ تمہارے بابا کی آتما نے بھی میری کوئی مدد نہیں کی۔ جو کچھ مجھ پر گزر رہی ہے وہ میں ہی جانتا ہوں۔ تم نے روانگی کے وقت غلط توقع قائم کی تھی کہ یہ گیانی دھیانی لوگ میری مدد کریں گے۔ اب کیا لینے آئی ہو؟ میں برباد ہوگیا ہوں۔ تمہیں میرے پاس نہیں آنا چاہیے تھا۔ جاؤ گھر جا کر میری بربادی کا سوگ مناؤ۔ سمجھ لو کہ میں ختم ہوگیا ہوں۔''

''آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں کچھ نہیں سمجھ رہی۔'' مالا نے حیرت سے دریافت کیا۔ مجھے اور غصہ آیا۔ اس نے کہا۔ ''آپ مجھے کیا سمجھ رہے ہیں؟ بھگوان کی سوگند میں آپ کے کارن جان بھی دے سکتی ہوں۔''

''انکا کی جدائی سے میرا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ تم میرے پاس سے چلی جاؤ۔ میرا کسی سے کوئی سمبندھ نہیں۔ گھر جاؤ۔ اب جو بھی مجھ سے اپنائیت کی باتیں کرتا ہے۔ مجھے اس سے نفرت ہو جاتی ہے۔ تم اس وقت یہاں نہ ٹھہرو ورنہ میرے منہ سے کچھ نکل جائے گا۔''

مالا کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ اس کا نقاب گیلا ہوگیا مگر میں خود سے بیزار تھا۔ مالا کی اشکباری سے کیا متاثر ہوتا۔ مجھے در و دیوار سے نفرت محسوس ہو رہی تھی، اپنے وجود سے گھن آ رہی تھی۔ ہر رشتہ بے اعتبار معلوم ہو رہا تھا۔ جیلر جب کمرے میں داخل ہوا تو روتی ہوئی مالا حسرت ناک نظروں سے مجھے دیکھتی ہوئی رخصت ہوگئی۔ مالا کے آنے سے میرے زخم دوبارہ ہرے ہوگئے۔ چار روز محض وحشت، جنون اور کرب میں گزرے، جب رہائی کا فیصلہ سنایا گیا تو میری آنکھیں جلنے لگیں۔ جیلر نے باہر نکلتے وقت مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''مجھے وشواش ہے کہ اب تم اپنی اوقات پہچان چکے ہو۔ تمہارے لیے یہی بہتر ہوگا کہ لکھنؤ سے باہر چلے جاؤ۔''

میں نمناک آنکھوں پر پلکوں کا پردہ ڈالے جیل کے بڑے پھاٹک سے باہر نکلا۔ باہر کی دنیا مجھے اجنبی لگ رہی تھی۔ کھلی فضا میں حبس کی کیفیت تھی۔ ایک موہوم سی امید تھی کہ مالا مجھے لینے آئے گی لیکن ایسا نہیں ہوا۔ مالا کی غیر موجودگی سے دل پر اور چوٹ لگی۔ میں کدھر جاؤں؟ میری کوئی بھی منزل نہیں تھی۔ ہر جگہ مقتل ہر جگہ مذبح نظر آتی تھی۔ خاموشی سے ایک ایک طرف قدم بڑھانے لگا۔ بے سمت، بے ارادہ کہ اچانک کسی نے میرا نام لے کر پکارا۔

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ سادھو جگد یو میری پشت پر کھڑا معنی خیز نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں گہرائی اور چمک دیکھ کر میرا جسم غصے اور نفرت سے مرتعش ہونے لگا۔ اسے دیکھ کر سارا جسم درد کرنے لگا اور جیل کی تمام مشقتیں، صعوبتیں نظروں میں گھوم گئیں۔ اب وہ پھر سنجیدگی، ٹھہراؤ اور سکون سے میرے سامنے کھڑا تھا۔ میں نے ایک خطرناک فیصلہ کیا اور اپنی مٹھیاں بھینچتا ہوا اس کی طرف بڑھنے لگا۔ میرا اور اس کا درمیانی فیصلہ زیادہ نہیں تھا۔

میرے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ اب جب کہ سب کچھ لٹ چکا تھا۔ ہر مسرت میرے لیے ممنوع قرار دی جا چکی تھی اور میرے چاروں طرف تاریکیوں کا تسلط تھا میں کب تک زندگی کی آس لگائے بیٹھا رہتا۔ اس سے پہلے بھی کئی ایسے لمحات آئے جب میں نے اپنا وجود ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ میرا خیال ہے، زندگی میں کئی بار آدمی موت کے فیصلے کرتا ہے پھر جب وہ لمحۂ مرگ آجاتا ہے تو آدمی کو احساس ہوتا ہے کہ زندگی کس قدر قیمتی اور دلفریب ہے۔ جس شخص کی زندگی بار بار سخت حوادث سے دوچار ہوئی ہو اور قسمت نے اس کے ساتھ ہولناک مذاق کیے ہوں، وہ تو بار بار موت کی آرزو کرے گا۔ میں اپنی زندگی میں نہ جانے کتنی مرتبہ مر چکا تھا اور جب میں عرصہ مرگ میں ہوتا تھا تو سامنے کی کوئی چیز مجھے نظر نہیں آتی تھی۔ چنانچہ اس وقت سادھو جگد یو بھی مجھے نظر نہیں آیا۔ میں نے اس کے وجود میں اپنے سامنے ایک شیطان، ایک عفریت کھڑا ہوا دیکھا۔ میں نے سوچ لیا کہ چاہے کچھ بھی ہو۔ مجھے اس شخص سے ضرور انتقام لینا ہے جس نے انکا کو مجھ سے چھنوا دیا ہے، میں آگے بڑھا میرا اور اس کا درمیانی فاصلہ بہت کم ہو گیا لیکن اس سے قبل کہ میرا ہاتھ جگد یو کے گریبان تک پہنچتا اور میں اس بوڑھے کے ٹینٹوے سے خون پیتا، مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرے قدم زمین میں گڑ گئے ہوں۔ میں نے آگے بڑھنے کی بہت کوشش کی لیکن میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکا۔ بظاہر میں آزاد نظر آ رہا تھا لیکن بباطن مجھے بہت سے ہاتھوں اور بہت سے جسموں نے جکڑ رکھا تھا۔ میری بے بسی دیکھ کر سادھو جگد یو کے چہرے پر حقارت کے آثار نمودار ہوئے۔ ''پاپی! تیرے من کا کھوٹ تجھے نشٹ کر دے گا۔ دیوتا تجھے کبھی شما نہیں کریں گے۔ تو نے جگد یو پر ہاتھ اٹھانے کا خیال کر کے اپنے لیے اور دکھ سمیٹ لیے ہیں۔''

''ہونہہ'' میں نے زمین پر تھوک کر کہا۔ ''جمیل احمد خان کو اب کسی دیوی دیوتا کی پروا نہیں، اگر تو کچھ دیر کے لئے اپنے پلید بیروں کو مجھ سے دور کر دے تو میں تجھے بتاؤں کہ میں کتنی دیر میں تجھے نشٹ کر سکتا ہوں۔''

''تو پاگل ہو گیا ہے۔'' جگد یو نے غضب ناک آواز میں کہا۔ ''تو اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا ہے۔ میں کہتا ہوں سنبھل جا۔ اپنی زبان قابو میں رکھو۔ اب تیرے پاس کون سی شکتی ہے، جس پر تو گھمنڈ کرتا ہے؟''

''تو سمجھتا ہے کہ شکتی وکتی کا نام لے کر اب مجھے مرعوب کر سکے گا کمینے۔ جس نے اس زندگی کا راز پا لیا ہو اور جو موت کے لیے تیار بیٹھا ہو، وہ تیری گیدڑ بھبکیوں میں کیوں آئے گا؟ میرے پاس ابھی تک میرے شریر کی شکتی ہے جو تیرا جیون مٹی میں ملانے کے لئے بہت کافی ہے۔'' میں نے شرربار لہجے میں کہا۔ ''میں اگر زندہ رہا تو تجھے تیری عیاری و مکاری کی سزا ضرور دوں گا۔''

''تو...... تو......'' یک لخت جگد یو کی آنکھوں سے شعلے پھوٹنے لگے۔ ''اپرادھی! تو نے بہت زبان چلالی۔ اگر مجھے مالا اور سورگباشی پریتم لال کا دھیان نہ ہوتا تو میں تجھے بتاتا کہ جگد یو کی نظروں سے نظریں ملا کر بات کرنے والے کا انجام کیسا ہوتا ہے۔ تیرے من کے کھوٹ نے تیرے وچار بھی پلید کر دیے ہیں، تو کالے اور سفید کی پہچان کھو چکا ہے۔ تو نے مالا کا من دکھا کر پریتم لال کی آتما کو بھی دکھ دیا ہے۔ تو نے سادھو جگد یو کو ابھی تک نہیں پہچانا۔ تو نے انکا کو دیوی دیوتاؤں سے زیادہ مہان سمجھ کر بھول کی ہے۔ تجھے اس بھول کی سزا اوش بھگتنا پڑے گی۔''

''میں اب ہر بربادی برداشت کر سکتا ہوں جگد یو، میں ایک پٹھان بھی تو ہوں۔ چاہے حالات اور قسمت نے مجھے کتنا ہی بگاڑ دیا ہو لیکن میں ایک آدمی بھی تو ہوں۔'' میں نے جگد یو کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''تو مجھے بددعائیں دے رہا ہے۔ دے لے مجھے اس کی پروا نہیں ہے بدبخت، یہ کیوں نہیں سوچتا کہ میرے پاس اب باقی کیا بچا ہے؟ اور جو کچھ ہے۔ میں اسے بھی ختم کرنے کے درپے ہوں۔ میں تیری شکتی سے اب کیا خوفزدہ ہوں گا؟ اب تو میری زندگی کا ایک ہی مقصد ہے کہ جس طرح تو نے مجھے برباد کیا ہے اور جس طرح تو میرے راستے کا پتھر بنا ہے اسی طرح میں تجھے موت کے گھاٹ اتار کر تیری لاش پر قہقہے لگاؤں۔ میری گردن اب تیرے سامنے نہیں جھکے گی۔ تو اگر مہان شکتی کا مالک ہے تو اپنے بیروں کو حکم دے وہ مجھے جلا کر بھسم کر دیں لیکن اگر میں زندہ رہا تو تیرا کریا کرم اپنے ہاتھ سے کروں گا۔''

میں جو منہ میں آیا، بکتا رہا۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے اور کیا کچھ کہا۔ بہر حال جتنا غبار میں نکال سکتا تھا، نکال لیا۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ جب میری آتش نوائی سادھو جگد یو کی برداشت سے تجاوز کر گئی تو اس کی خوفناک آنکھوں میں بجلیاں سی کوندنے لگیں۔ نہ جانے کیوں، وہ اب تک صبر و تحمل سے میرا ہذیان سنتا رہا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ کسی ذہنی خلفشار میں مبتلا ہے۔ آخر اس نے قہر اگلتے ہوئے کہا۔ ''پاپی! کیا تیری انکا نے تجھے میرے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟ تو کس سے بات کر رہا ہے، یہ تو نہیں جانتا۔''

''انکا نے مجھے تیرے بارے میں جو بتایا تھا وہ مجھے یاد ہے لیکن اب میں تجھے اس سے زیادہ سمجھ چکا ہوں۔ تم سادھو پنڈت لوگ اپنے لوگوں سے کیسے جھگڑا کر سکتے ہو؟ تو نے بدری نرائن کا ساتھ دیا اور اپنے متر پریتم لال کی آتما کا بھی خیال نہ کیا'' میں نے تلملا کر کہا۔ ''تو نے بگلا بھگت بن کر مجھے فریب دیا ہے۔ اگر تو کلکتے جاتے وقت میرے درمیان نہ آجاتا تو حالات کچھ اور ہوتے۔ نہ میں جیل میں صعوبتیں

جھیلتا، نہ انکا بدری نرائن کے قبضے میں جاتی یا تو میں بدری نرائن کو مار دیتا یا خود مر جاتا مگر مجھے یہ دن نہ دیکھنے پڑتے۔ تو نے میرے ساتھ دغا کی ہے۔''

''بکواس مت کر مورکھ، اپنی اوقات پہچان۔'' جگد یو گرج کر بولا۔ اس بار اس کی آواز میں کچھ ایسی گھن گرج تھی کہ تمام ہرزہ سرائی اور یاوہ گوئی کے باوجود میں سرتاپا مرتعش ہوگیا۔ میرا دل کسی اداس شام کی طرح اندھیرے میں ڈوبنے لگا۔ جگد یو کا قہر آلود لہجہ شعلے اگل رہا تھا۔ ''تو نے خود کو کھو دیا، اپرادھی! تو نہیں جانتا کہ میں اس سمے تیرے پاس کیوں آیا تھا۔ تو کبھی نہیں جان سکتا۔ تو آدمی نہیں، جانور ہے۔ تیری آنکھیں اندھی، تیرے کان بہرے اور تیرا دماغ بے گودے کا ہے۔ میں جا رہا ہوں مورکھ، تجھے ابھی اور سزا ملنی چاہیے۔ سمے تجھے خود بتا دے گا کہ تو نے سادھو جگد یو کا اپمان کر کے کتنا برا کیا تھا۔ تو نے مجھ پر شبہ کیا ہے۔ مالا رانی کا دھیان مجھے روک رہا ہے۔ نہیں تو میرا ایک اشارہ تجھے نشٹ کر سکتا ہے۔ جا میری نظروں سے دور ہو جا۔''

جگد یو اپنا جملہ مکمل کر کے خود کسی چھلاوے کی طرح میری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی میرا جکڑا ہوا جسم آزاد ہوگیا۔ کسی نے مجھے شکنجے سے آزاد کر دیا۔ میں اپنی جگہ گم صم کھڑا خلاؤں میں گھو رہا تھا۔ دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ جگد یو کے غضب ناک جملے میرے کانوں میں صدائے بازگشت بن کر گونج رہے تھے۔ انکا نے مجھے کئی بار بتایا تھا کہ جگد یو بے پناہ پُراسرار طاقتوں کا مالک ہے۔ میں خود اس کے کچھ کرشمے اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ جب مجھے ایک جگہ کھڑے کھڑے خاصی دیر ہوگئی اور میرے حواس واپس آئے اور میں کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہوا تو میں نے قدم آگے بڑھائے۔ میری کوئی منزل نہیں تھی۔ ذہن الجھ رہا تھا۔ آخر جگد یو نے مجھے گستاخی کی سزا کیوں نہیں دی؟ اس نے مجھے مار کیوں نہیں دیا؟ وہ اگر چاہتا تو مجھے اپنے پیروں کی مدد سے کسی چیونٹی کی طرح مسل سکتا تھا پھر بھی اس نے مجھے چھوڑ دیا؟ اور اس نے یہ تماشا کیوں کھیلا کہ ایک طرف مجھے کلکتے جانے سے روک کر پولیس کے مظالم کا نشانہ بنایا، دوسری طرف انکا کو بڑی آسانی سے میرے تصرف سے نکل جانے دیا اور مالا رانی کی طرف سے میرا دل میلا کر دیا۔ پریتم لال کی مہان شکتی کا بھی اس نے خیال نہیں کیا؟ پھر وہ جیل کے باہر میری بے بسی کا مذاق اڑانے چلا آیا۔ آخر ان باتوں کا کیا مقصد ہے؟ جگد یو نے یہ سب کچھ کیوں کیا؟ شاید اس لیے کہ اس نے مجھے دل سے مالا رانی کا شوہر تسلیم نہیں کیا ہے۔ بھلا ایک ہندو لڑکی میرے گھر میں کیوں ہے، شاید وہ درپردہ میری بربادی کے درپے ہے، ورنہ وہ میری مدد ضرور کرتا۔

مگر ان باتوں پر غور کرنے سے کیا حاصل ہے؟ سادھو جگد یو کے جانے کے بعد بھی میرے ذہن کی سرکشی میں کمی نہیں آئی۔ میں اپنے دل میں اسے جتنا برا بھلا کہہ سکتا تھا، کہتا رہا اور اپنی قسمت پر آنسو بہاتا کسی نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہوگیا۔ میں دو روز تک لکھنؤ کی سڑکوں پر فقیروں کی طرح بھٹکتا

رہا۔ قدم بار بار چچا جان کے گھر کی طرف اٹھ جاتے تھے لیکن اب مجھ میں وہاں جانے کی ہمت نہیں تھی۔ بالا کی یاد آئی تو سینے پر ایک گھونسا سا لگا۔ میری حالت ایسی ابتر تھی کہ بیان کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ سر اور داڑھی کے بال اتنے بڑھے ہوئے تھے کہ میں خود اپنے لیے اجنبی بن گیا تھا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ کسی نے مجھے پہچانا نہیں ورنہ وہاں میرا جینا دوبھر ہو جاتا۔ جیب میں ایک پیسہ نہیں تھا۔ دن بھر گلیوں اور سڑکوں پر مارا مارا پھرتا۔ کوئی ترس کھا کر چند پیسے دے دیتا تو میری آنکھوں سے زاروقطار آنسو بہنے لگتے۔ بعض رحم دل لوگ کچھ زیادہ ہی غم زدہ جان کر میرے پاس کچھ اور پیسے پھینک جاتے۔ کیا ستم ظریفی تھی۔ انہی شاہراہوں پر جو شخص کل تک شان و شوکت اور جاہ و جلال سے گامزن ہوتا تھا، آج وہ مفلس تھا۔ اب یہی گلیاں اس کے لئے تنگ ہوگئی تھیں۔ رات آتی تو کسی فٹ پاتھ پر یا کسی دکان کے تختے پر پڑ رہتا۔ دل ہی بجھ گیا تو آرام و تکلیف کا کیا احساس ہوتا؟ صرف سانس باقی تھی۔ ہر چیز بے رونق، ہر شے بے جان نظر آتی تھی۔ انسان چلتے پھرتے لاشے تھے۔ کوئی میرا پُرسان حال نہ تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ پولیس والوں کی دوستی اچھی نہیں ہوتی۔ اس سے کبھی نہ کبھی ضرور نقصان پہنچتا ہے۔ میں کہتا ہوں، یہ ماورائی طاقتوں کے چکر، یہ نادیدہ قوتوں کے حصول کی طمع، ان معاملات میں پڑ کر آدمی کہیں کا نہیں رہتا۔ راحتیں جتنی تیزی سے آتی ہیں، اسی تیزی سے رخصت ہو جاتی ہیں اور جب رخصت ہو جاتی ہیں تو بڑا کرب ہوتا ہے۔ سادہ زندگی بڑی نعمت ہے۔ یہ لہو و لعب، خود غرضی، ہوس، اس دلدل میں جب کوئی پھنستا ہے تو پھر اس کا نکلنا محال ہو جاتا ہے۔ میری حالت پر غور کیجیے۔ میں زندگی سے فرار چاہتا تھا مگر میرے لیے فرار کے تمام راستے بند ہو چکے تھے۔

تیسرے روز میں نے فیصلہ کیا کہ لکھنؤ چھوڑ کر کسی اور طرف منہ کالا کروں۔ لکھنؤ میں رہ کر چچا جان، بہنوں اور مالا رانی کی یادیں پریشان کرتی تھیں۔ اتنے قریب رہ کر میں ان سے کتنا دور تھا۔ تیسرے روز میں نے رات اسٹیشن پر گزاری۔ میرا خیال تھا کہ صبح پہلی گاڑی سے روانہ ہو جاؤں گا اور جہاں قسمت لے جائے گی، چلا جاؤں گا۔ اس روز میں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ نقاہت کی وجہ سے میرا برا حال تھا۔ بار بار چکر آ رہے تھے۔ پیٹ ہاتھ پھیلانے پر مجبور کرتا تھا۔ ضمیر اس سے روکتا تھا۔ میں اپنی تقدیر پر شاکر ہو کر ایک سائبان کے نیچے اندھیرے میں پڑ رہا۔ کچھ دیر تک بھوک کی شدت نے پریشان کیا پھر میری آنکھ لگ گئی۔

میں سوتا رہا کیونکہ میری قسمت سو رہی تھی۔ اٹھا اس وقت، جب میرے پاؤں پر کسی نے زور سے ٹھوکر ماری۔ میں نے آنکھ کھول کر دیکھا، کوئی شخص میرے قریب کھڑا تھا۔ اندھیرے اور غنودگی کے باعث میں اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا لیکن اس کے جسم پر محض ایک دھوتی دیکھ کر خیال گزرا کہ شاید وہ بھی میری طرح کوئی بدنصیب ہے جو رات اسی سائبان کے نیچے گزارتا ہے۔ ممکن ہے میں نے اس کی جگہ پر قبضہ

جمالیا ہو۔ اس خیال سے میں آہستہ سے اٹھا اور سائبان کے باہر چلا گیا لیکن ابھی میں کچھ ہی دور گیا تھا کہ تعاقب کرتے ہوئے قدموں کی آہٹ نے پھر مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا۔ پلٹ کر دیکھا تو وہی شخص میرے پیچھے چلا آ رہا تھا۔ میں رک گیا۔ مجھے حیرت تھی کہ آخر وہ میرا پیچھا کیوں کر رہا ہے؟ نووارد میرے قریب آ کر دو قدم کے فاصلے پر رکا تو مجھے غصہ آ گیا۔ میں نے بیزاری اور درشتی سے اسے مخاطب کیا۔

''کون ہو تم؟ اور کیوں میرے پیچھے لگے ہو؟''

''تمہیں پہچاننے میں ذرا دیر لگے گی۔ میں تمہارا پرانا واقف کار ہوں، جمیل احمد خان! بہت پرانا۔'' نووارد نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

اس کی آواز کچھ مانوس ضرور تھی لیکن اس وقت میں چونکہ کچی نیند سے بیدار ہوا تھا اس لیے اسے پہچاننے سے قاصر تھا۔ یوں بھی میں اس حالت میں اپنی شناخت کرانے پر تیار نہیں تھا۔ میں نے اسے ٹالنے کے لئے کہا۔ ''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے بھائی۔ میرا نام جمیل احمد خان نہیں ہے۔''

''اچھا، تو پھر کیا نام ہے تمہارا؟'' نووارد نے ڈھٹائی سے پوچھا۔ مجھے بے چینی محسوس ہوئی۔ میں نے بگڑ کر کہا۔

''اپنی راہ لو، میاں! کیوں مجھے غریب کو تنگ کرتے ہو؟''

''خان صاحب! اپنے پرانے متروں کو بھی نہیں پہچانتے؟ بہت دنوں کے بعد آج تمہارے درشن ہوئے ہیں مگر تم کچھ بیاکل نظر آتے ہو، کہو تو کچھ سہائتا کروں۔ میں تمہارا متر ہوں خان صاحب!'' نووارد کے لہجے میں طنز کی آمیزش تھی۔ وہ میری باتیں یکسر نظر انداز کر گیا تھا۔

''میں کہتا ہوں، میں تمہیں نہیں جانتا'' میں نے جھلا کر کہا۔ ''میرا کوئی دوست نہیں۔ مجھے کسی کی مدد نہیں چاہیے۔ جاؤ دفع ہو جاؤ اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔''

''کیا کہتے ہو خان صاحب! تمہارے حال پر چھوڑ دوں؟ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ بہت دنوں کے بعد تو یہ دن آیا ہے مہاراج!'' اس بار اجنبی نے تلخی سے کہا۔ ''تم نے بھی تو مجھے میرے حال پر نہیں چھوڑا تھا۔ تم نے کون سی کسر چھوڑ دی تھی۔''

''تم...... تم؟'' الفاظ میرے حلق میں پھنسنے لگے۔ مجھے وہ آواز بدری نرائن کی لگی۔ بدری نرائن جو میرا سب سے بڑا دشمن تھا۔ جس نے مجھے اس حال کو پہنچا دیا تھا۔ وہ اب ایک عرصے کی تگ و دو کے بعد فتح مند ہو کر میرے سامنے کھڑا تھا اور مجھے تضحیک آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے حیرت سے سر اٹھایا پھر خوفزدہ لہجے میں اپنے شبہے کی تصدیق کے لئے پوچھا۔ ''کیا پنڈت بدری نرائن ہو؟''

''بڑی کرپا ہے تمہاری جمیل احمد خان! جو تم نے مجھ ابھاگی کو پہچان لیا۔'' بدری نرائن نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''میرا تو خیال تھا کہ مجھے خود کو پہچنوانے کے لئے کچھ بیتی کہانیاں دہرانی پڑیں گی۔''

بدری نرائن کا جواب سن کر مجھ پر ایک لمحے کے لئے دہشت کا دورہ پڑا۔ وہ اپنے تمام حسابات چکانے کے لئے آخر میرے پاس آ گیا تھا۔ میرا دشمن میرے سامنے کھڑا تھا لیکن میں اس پر حملہ کرنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ انکا اس کے قبضے میں تھی۔ میں ایک بے دست و پا مجرم کی طرح اس کے قدموں میں پڑا تھا۔ اب مجھے اپنی موت کا یقین ہو چلا تھا۔ اس یقین سے مجھے کچھ سکون سا محسوس ہوا۔ اب صرف یہ اندیشہ لاحق تھا کہ وہ کم بخت مجھے ایک اشارے میں ہلاک کرتا ہے یا اذیتیں دے دے کر مارنا چاہتا ہے؟ بدری نرائن سے کسی رعایت کی توقع فضول تھی۔ میں آنے والے لمحوں کے بارے میں تیزی سے سوچ رہا تھا کہ اچانک بدری نرائن نے کہا۔ ''کس وچار میں گم ہو جمیل احمد خان؟ کچھ بولو، کچھ چہکو، خاموش کیوں ہو گئے؟''

''میرے پاس اب کہنے سننے کے لئے کچھ باقی نہیں رہا بدری نرائن!'' میں نے شکست خوردگی سے کہا۔ ''قسمت کا پانسا اب تمہارے حق میں پلٹا ہے۔ آج اپنے دل کے ارمان نکال لو۔ میں تمہارے سامنے موجود ہوں۔ مجھے معلوم ہے تم میرے ساتھ کیا سلوک کرو گے۔ دیر نہ کرو، چلو اپنی حسرتیں پوری کر لو۔''

''چچ۔ چچ......'' بدری نرائن نے مضحکہ خیز انداز میں کہا۔ ''بہت نراش ہو گئے خان صاحب؟ ٹوٹ سے گئے ہو۔ وہ تمہاری تیزی، وہ سینہ تان کر چلنے والی ادا کہاں گئی؟ تم تو بہت بڑھ چڑھ کر باتیں کیا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے، ایک بار تم نے کالی کے پوتر مندر کے تہ خانے میں گھس کر مجھے بھسم کرنے کی کوشش کی تھی۔ تمہیں بھی یاد ہو گا۔ کیوں؟''

بدری نرائن کے تیر و نشتر برداشت کرنے اور خون کے گھونٹ پی کر چپ ہو جانے کے سوا میرے پاس کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں نے گردن جھکا کر اسے زبان کے ذریعے دل کی بھڑاس نکالنے کا خوب موقع دیا۔ وہ مجھے مطعون و ذلیل کرتا رہا۔ میں خود کو ایک ایسا بوڑھا شخص لگ رہا تھا، جس کی ساری توانائی زائل ہو چکی ہو۔

''تم نے بڑی مہان شکتی حاصل کی تھی جمیل احمد خان۔ مالا رانی جیسی سندر ناری تمہارے پاس تھی اور ہاں...... وہ انکا بھی تو تھی، یاد ہے تمہیں؟ تم نے مجھے وچن دیا تھا کہ اگر میں بنتی کروں گا تو تم انکا کی شکتی میرے حوالے کر دو گے، پرنتو تمہیں اپنے وچن کا پاس نہیں رہا تھا۔ تم مکر گئے تھے۔'' بدری نرائن نے گزری ہوئی باتیں ایک ایک کر کے دہرانی شروع کر دیں۔ ''تمہاری انکا دیوی آج کل کہاں ہے؟ جس پر تمہیں بڑا ناز تھا۔''

''انکا کے بارے میں پوچھ کر کیوں میرا مذاق اڑاتے ہو بدری نرائن؟'' میں نے بجھی ہوئی آواز میں کہا۔

"ناراض مت ہو بالک، انکا کا کیا ہے، وہ آج یہاں، کل وہاں، کہو تو میں ابھی اسے کچھ دیر کے لئے تمہارے سر پر بھیج دوں۔" بدری نرائن زہر خند سے بولا "مجھے تمہاری حالت دیکھ کر دکھ ہو رہا ہے۔"

بدری نرائن شاید طے کر کے آیا تھا کہ وہ مدتوں کا سارا کینہ آج ہی نکال کر رہے گا۔ کافی دیر تک میں اس کی زہریلی باتیں برداشت کرتا رہا۔ میں نے سوچا کہ جمیل احمد خان! یہ کمینہ اپنے ارادوں سے باز نہیں آئے گا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ خوف کے بجائے ہمت اور حوصلے سے کام لینا چاہیے۔ چنانچہ تمام احتیاط بالائے طاق رکھ کر میں نے بدری نرائن کو قہر آلود نظروں سے گھورا اور گرج کر کہا۔ "بدری نرائن! تم انکا کی شکتی پراپت کر کے اور مہان شکتی کے مالک بن چکے ہو لیکن تمہارے اندر شکتی پوروک لوگوں کا انداز نہیں آیا۔ جن کم ظرفوں کو تھوڑی بہت چیز مل جاتی ہے، وہ اپنے آپے میں نہیں رہتے۔ یہ لونڈھیار پنے کی باتیں بند کرو۔ تم بھول رہے ہو کہ اس سمے تم جمیل احمد خان سے بات کر رہے ہو جس کی زندگی میں بڑے نشیب و فراز آئے ہیں۔ میں ان باتوں کا عادی ہو چکا ہوں۔ سب کچھ چلا گیا تو کیا ہوا؟ غیرت تو ابھی باقی ہے۔ اس زنانہ پن سے باز آؤ۔ جو کرنا ہے کرو۔ بکا وقت ضائع نہ کرو۔"

"ارے مہاراج! ناراض ہو گئے؟ شما کر دو۔ میں بھول گیا تھا کہ تم ایک بیوقوف آدمی بھی ہو۔" بدری نرائن نے ہنس کر کہا۔

"او کمینے پنڈت، اپنی زبان کو لگام دے۔ نہیں تو میں تیری چٹیا پکڑ کر تیرا سر زمین سے رگڑ دوں گا۔" میں نے غضب ناک لہجے میں کہا۔ جس کی زندگی کا چراغ ٹمٹما رہا ہو، وہ ایسی ہی باتیں کرتا ہے۔ میں نے سوچا، اس آخری وقت میں ذلت کی موت کیوں مرا جائے۔

بدری نرائن میرا جواب سن کر ہکا بکا رہ گیا۔ اس کی آنکھیں ایک لمحے کو پٹ پٹائیں، پھر ان میں غصے کی سرخی چھا گئی۔ اس نے حقارت سے مجھے دیکھا اور سرد آواز میں بولا۔ "جمیل احمد خان! میں تمہیں اتنی آسانی سے نہیں ماروں گا۔ میں تمہیں تڑپا تڑپا کر کتوں سے بدتر موت ماروں گا۔ ابھی تمہارا ایک ہاتھ ٹوٹا ہے۔ میں دوسرا بھی توڑ ڈالوں گا پھر تم لنگڑے ہو گے اس کے بعد تمہاری آنکھوں کی روشنی بھی اندھیاروں میں بدل دوں گا۔ تم دربدر کی خاک چھانتے پھرو گے۔ گندی نالیوں میں لوٹ لگاتے نظر آؤ گے، دیوی دیوتاؤں کی یہی اچھا (مرضی) ہے۔"

"میں تیرے دیوی دیوتاؤں سے نہیں ڈرتا۔" میں اس کی طرف کسی پاگل کتے کی طرح لپکا اور جتنی گالیاں اسے دے سکتا تھا، میں نے دے ڈالیں۔ میں نے جنون کی حالت میں اس کے گلے میں پڑی ہوئی ایک مالا کھینچ کر دانے دانے کر دی لیکن میرے ہاتھ اچانک رک گئے۔ اس سے پہلے کہ میں بدری نرائن کے جسم پر چڑھ بیٹھتا، میرے سر پر شدید چبھن ہوئی۔ وہی مانوس چبھن۔ میرے قدم منجمد ہو گئے اور ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے میرے خون کی گردش روک دی ہو۔ میں نے ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ

دیئے اور میرا ذہن بتدریج پرسکون ہونے لگا۔ میں نے عالم تصور میں اپنے سر پر نظر ڈالی، وہاں انکا موجود تھی۔ انکا کے انداز میں اجنبیت تھی۔ جیسے وہ مجھے بالکل نہ جانتی ہو۔ وہ انکا جو کبھی میرے اشارے پر اپنا خون بہا دیتی تھی۔ اس وقت مجھے بڑی خطرناک اور کینہ توز نظروں سے گھور رہی تھی۔ اس کی نگاہوں میں نفرت اور انتقام کے جذبے نمایاں تھے۔ اس کا چہرہ خون کی تمازت سے سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے میرے سر میں اپنے نکیلے پنجے پوری شدت سے گڑو رکھے تھے۔ میں نے جو انکا کو اس عالم میں دیکھا تو سابقہ تعلق کی رعایت چاہی۔ میں نے دل ہی دل میں حسرت سے کہا۔ "انکا۔ تم؟" انکا نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔

"انکا! مجھے اس کمینے سے بچاؤ" میں نے اس سے التجا کی۔

وہ قہر بھرے لہجے میں بولی "تو نے میرے آقا بدری نرائن کا اپمان کیا ہے۔ میں تیرا خون پی جاؤں گی، اگر مکتی چاہتا ہے تو ہاتھ باندھ کر شما کی بھکشا مانگ۔"

"انکا! یہ تم کہہ رہی ہو؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"آگے بڑھ اور میرے آقا کو ڈنڈوت کر۔"

انکا کا لہجہ اس قدر خوفناک تھا کہ میں اسے دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔ مجھے احساس ہوا کہ اب انکا سے کوئی امید رکھنا حماقت ہے۔ ایک بار پہلے بھی میں اس منزل سے گزر چکا تھا۔ اس بار بھی انکا میرے لیے بالکل اجنبی ہو گئی تھی پھر بھی اس وقت مجھے انکا کا رویہ بہت جارحانہ لگا۔ میں پھٹی پھٹی نظروں سے یکسر بدلی ہوئی انکا کو دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً انکا نے پہلے سے بھی زیادہ شدت سے اپنے جملے دہرائے اور میں نے غیر ارادی طور پر بدری نرائن کے سامنے ہاتھ پھیلا دیا۔ بدری نرائن کے مکروہ چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ ابھری۔ وہ حقارت سے بولا۔ "ابھی تو کھیل شروع ہوا ہے۔ جمیل احمد خان! پرنتو تمہاری بدھی (عقل) میں جلدی بات آ گئی۔ تم نے اپنے آپ کو پہچان لیا کہ تم کتنے حقیر ہو۔"

اس کے بعد بدری نرائن کے چہرے کے تاثرات زیادہ تیکھے اور خوفناک ہو گئے۔ اس نے میرے سر کی جانب دیکھ کر ہونٹ ہلائے۔ اس کی آواز مطلق بلند نہیں ہوئی لیکن میں سمجھ گیا کہ وہ میرے بارے میں انکا کو کچھ ہدایت دے رہا ہے۔ میرا اندازہ ٹھیک نکلا۔ ادھر بدری کے ہونٹ ہلنے بند ہوئے ادھر انکا کے نکیلے پنجوں کی چبھن پہلے سے کہیں شدید ہو گئی پھر انکا کا تلخ لہجہ میرے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کے مانند اترتا چلا گیا۔ "جمیل احمد خان! میرے مہان شکتی کے مالک، آقا بدری نرائن کی اچھا ہے کہ تم اس سمے پرانے قبرستان کی طرف چلو۔"

میں نے انکا کی طرف حسرت بھری نظروں سے دیکھا۔ اس کے تلخ لہجے اور دل آزار رویے کی شکایت کرنا چاہی لیکن قوت گویائی نے ساتھ نہیں دیا۔ میرے قدم خود بخود پرانے قبرستان کی جانب اٹھنے

لگے۔ میرے ارادے کو اس میں کوئی دخل نہیں تھا۔ انکا کی پُراسرار قوت مجھے قدم اٹھانے پر مجبور کر رہی تھی۔ میری رفتار آہستہ آہستہ تیز ہوتی جا رہی تھی۔ بدری نرائن کسی فاتح کی طرح میرے ساتھ سینہ تانے چل رہا تھا۔ ڈیڑھ گھنٹے بعد میں پرانے قبرستان کے ویران اور سنسان علاقے میں تھا۔ انکا کے پنجوں کی چبھن کم ہوئی تو میں رک گیا۔

اس اندھیری رات میں قبرستان کا منظر ایک عام آدمی کے دل کی حرکت بند کر دینے کے لئے کافی تھا۔ تاحدِ نظر قبریں اور گہرا سناٹا۔ درختوں کے کسی جھنڈ میں رات کو بولنے والے جانور۔

''جمیل احمد خان! کیا تم جانتے ہو کہ میں یہاں تمہیں کیوں لایا ہوں؟'' بدری نرائن نے نفرت سے دریافت کیا۔

''مجھے کچھ نہیں معلوم، تم نہ جانے کیا چاہتے ہو۔ تم مہربانی کر کے میرا کام جلد از جلد تمام کر دو۔'' میں نے غیر اختیاری طور پر جواب دیا۔

''کیا تم جانتے ہو کہ یہاں ایک پرانا کنواں ہے جو جیودھاری کے نام سے مشہور ہے؟''

''ہاں۔'' میرے منہ سے نکلا۔

''تم میرے حکم پر ایک اچھے سیوک کی طرح اس کنوئیں میں چھلانگ لگاؤ گے۔'' بدری نرائن کے لہجے میں حقارت اور نفرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ''میں نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے۔ تمہارے پلید شریر کا بوجھ اس پوتر دھرتی پر زیادہ دیر کچھ اچھا نہیں رہے گا۔ اس کنوئیں سے تم باہر نہیں آ سکو گے اور جلد مر بھی نہیں سکو گے۔ اس کنوئیں کی بلائیں تمہیں سراپ دے کر، ایسا سراپ دے کر جس سے تمہاری آتما بھی بیاکل رہے۔ تمہیں مار دیں گی۔''

بدری نرائن نے جو کچھ کہا، مجھ پر اس کا زیادہ اثر نہیں ہوا۔ غالباً انکا کی پُراسرار قوت نے میرے سوچنے سمجھنے کی قوت سلب کر دی تھی۔ میری کسی حرکت یا جنبش میں میرے ارادے کو کوئی دخل نہیں تھا۔ میں گنگ سا کھڑا بدری نرائن کو دیکھ رہا تھا کہ میرے اوپر ایک بار پھر انکا خون اگلتی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ ہماری نظریں چار ہوئیں تو انکا نے سرد آواز میں کہا۔

''بائیں جانب گھوم کر آگے بڑھو۔ جیودھاری کنواں تمہاری زندگی کا قصہ تمام کرنے کا منتظر ہے۔''

میں نے کسی فرماں بردار بچے کی طرح اپنا رخ بائیں جانب کیا اور آگے قدم بڑھا دیے، ابھی مشکل سو گز دور گیا تھا کہ اس کنوئیں کے نزدیک پہنچ گیا جس کے بارے میں بدری نرائن نے حکم دیا تھا۔ لکھنؤ میں قیام کے دوران بھی میں نے چچا جان سے اس کنوئیں کے بارے میں سن رکھا تھا۔ اگر میں عام حالات میں یہاں آتا تو اس کنوئیں کے اسرار جاننے کی کوشش ضرور کرتا لیکن اس وقت تو میں خود اسرار میں گرفتار ہو چکا تھا۔ میں نے ایک بار پھر اس فتنہ ساماں انکا کے ننھے مگر بھیانک وجود کو فریادی نظروں

سے دیکھا مگر اس نے میری کسی التجا، کسی آہ کا کوئی اثر قبول نہیں کیا۔ کرختگی سے بولی۔ ''جمیل احمد خان! آگے بڑھو اور اس کنوئیں میں چھلانگ لگا دو۔''

میں انکا کے حکم پر خاموشی سے آگے بڑھا اور کنوئیں کے قریب پہنچ کر اس کی منڈیر پر چڑھ گیا۔ کنوئیں میں اتنی تاریکی تھی کہ اندر کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ یوں بھی باہر ہر طرف گہرا اندھیرا تھا۔ میں نے کنوئیں کے گھپ اندھیروں میں اپنی موت کی پرچھائیاں دیکھیں اور انکا کے حکم پر اپنا جسم آگے کی جانب جھکانا چاہا بس ایک لمحے کی دیر تھی کہ اچانک کسی نادیدہ طاقت نے میرے شانے پکڑ لیے۔ منڈیر پر اس طرح میرا جسم متحرک ہونے سے میرا توازن بگڑ گیا لیکن میں جلد سنبھل گیا۔ ایک مدھم مترنم نسوانی آواز میرے کانوں میں گونجی۔ ''جمیل کیا کرتے ہو؟ آگے موت ہے، رک جاؤ۔''

اس آواز میں معلوم نہیں کیا جادو تھا کہ میں دفعتاً ہوش میں آ گیا۔ وہ کس کی آواز تھی؟ مجھے کچھ معلوم نہ ہو سکا لیکن میرے اعصاب پر انکا اور بدری نرائن کا جو سحر طاری تھا وہ ضرور ٹوٹ گیا۔ میں نے بوکھلا کر چھلانگ لگائی اور کنوئیں کی منڈیر سے نیچے آ گیا۔ اسی وقت انکا نے سفاکانہ انداز میں مجھے دوبارہ حکم دیا۔

''جمیل! میرے آقا کے حکم کی تعمیل کرنا تمہارے لیے لازمی ہے اگر تم نے انکار کیا تو میں تمہارے جسم کا سارا خون پی جاؤں گی۔ تمہارا جسم دیکھتے ہی دیکھتے ہڈیوں کے پنجر میں بدل جائے گا۔''

میں انکا کی آواز بخوبی سن رہا تھا لیکن اس پر عمل کرنا نہ کرنا اب میرے امکان میں تھا۔ اس بار مجھے انکا کی آواز سے خوف نہیں آیا۔ مجھے یقین ہو چلا تھا کہ نزع کے اس عالم میں کوئی غیر معمولی قوت میری مدد کر رہی ہے۔ بدری نرائن مجھے کنوئیں کی منڈیر سے اترتا دیکھ کر بری طرح جھلا گیا تھا۔ اس نے بیزاری سے میرے سر کی جانب دیکھا پھر طنزاً بولا۔ ''انکا! کیا ابھی تک تیرے من میں پرانے آقا کا پریم باقی ہے؟''

''نہیں مہاراج'' انکا نے سہمی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''پھر؟ یہ مٹا جگت سے نیچے کیوں آ گیا۔'' بدری نرائن غرا کر بولا۔ ''کیا اس کے لئے مجھے کچھ اور اپائے کرنا ہوگا؟''

انکا کوئی جواب دینے کے بجائے مجھے حقارت سے گھورتی ہوئی میرے سر سے رینگ گئی۔ میں نے اس کے چہرے کے متغیر تاثرات سے یہ اندازہ لگا لیا کہ وہ کسی وجہ سے بے بس ہو گئی ہے، اب میں بدری نرائن کے کسی دوسرے عمل کا منتظر تھا۔ انکا کے میرے سر سے اترنے کے بعد وہ بری طرح بوکھلایا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس کے ہونٹ بار بار ہلنے لگے۔ وہ انکا سے مخاطب تھا لیکن میں اس کی آواز سننے سے قاصر تھا۔ کچھ دیر تک وہ غصے میں کھڑا پیچ و تاب کھاتا رہا پھر اس نے اپنی شیطانی نظریں میرے چہرے پر جما دیں اور وہ شدت سے سر ہلانے لگا۔ میں اپنی جگہ خاموش کھڑا اس کی ہر حرکت اور دیوانے پن کا جائزہ

لیتا رہا۔ غالباً وہ میرے لیے کوئی جاپ کر رہا تھا۔ کچھ دیر تک اس کی وحشت اور سر ہلانے کا یہی عالم رہا پھر اس نے ہاتھ اٹھا کر زور سے تالی بجائی۔ تاریک فضا میں اوٹنگے بوٹنگے انسان نما جانور شور مچاتے ہوئے میرے سامنے اچھل کود کرنے لگے۔ ان کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ میں نے اس سے پہلے کبھی ایسی مخلوق نہیں دیکھی تھی۔ لیکن ابھی وہ نمودار ہی ہوئے تھے کہ اچانک غائب ہو گئے۔ میں بری طرح سہما کھڑا تھا۔ بدری نرائن نے اپنا پہلا وار خالی جاتے محسوس کیا تو جھنجلا کر رہ گیا۔ اس بار میری نظروں نے جو منظر دیکھا وہ انتہائی بھیانک تھا۔ جس جگہ میں کھڑا تھا وہاں چاروں طرف روشن آگ کی لپٹیں میرا جسم چھونے لگیں۔ شدید گرمی اور دھوئیں نے میری سانس روکنی شروع کر دی۔ دہشت کے مارے میں پسینے پسینے ہو گیا۔ زندگی کی جو امید ابھی قائم ہوئی تھی۔ وہ دم توڑنے لگی۔ میں نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن ہر طرف آگ کے شعلے نظر آ رہے تھے، میرے حلق سے ایک خوفناک چیخ بلند ہوئی۔ میں نے دہشت سے آنکھیں بند کر لیں لیکن پھر جب میری آنکھ کھلی تو وہاں آگ یا شعلے کا نام و نشان نہ تھا۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ جو کچھ پیش آ رہا تھا وہ میری فہم سے بالاتر تھا۔ بدری نرائن کا طیش قابل دید تھا۔ اس کا جسم غصے کی شدت سے لرز رہا تھا۔ اس کے ہونٹ پھر تیزی سے بُدبدا رہے تھے۔ وہ مردود پھر کوئی خطرناک حملہ کرنا چاہتا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کوئی اور ستم توڑتا' میرے کانوں میں اس نسوانی آواز نے سرگوشی کی جس نے مجھے انکا کے قہر سے بچایا تھا۔ ''جمیل، اب تمہارے لیے بچاؤ کا ایک ہی راستہ ہے، آگے بڑھو اور اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگا دو۔''

اس آواز میں ایسی کشش تھی، ایسا سحر تھا کہ میرا ذہن دوبارہ غنودگی کا شکار ہو گیا۔ میں کچھ غور کئے بغیر کنوئیں کی سمت قدم بڑھانے لگا۔ ہاں مجھے احساس تھا کہ کنوئیں کے اندر اذیت ناک موت میرے انتظار میں ہے۔ اس کے باوجود میں اس ہمدرد آواز کے ایما پر اپنی موت کو خوش دلی سے گلے لگانے کے لئے بے چین ہونے لگا۔

''جمیل احمد خان! رک جا۔'' بدری نرائن نے مجھے کنوئیں کی سمت جاتا ہوا دیکھ کر اپنا منتر ادھورا چھوڑ دیا۔ ''تو نے جب میری مرضی کا پالن نہیں کیا تو اب تو اپنی مرضی سے نہیں مر سکتا۔ میں تجھے زندہ رکھوں گا اور آہستہ آہستہ تڑپا تڑپا کر ماروں گا۔''

بدری کے رعب دار حکمیہ لہجے کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ میں خاموشی سے کنوئیں کے قریب آ گیا اور اچھل کر منڈیر پر چڑھ گیا اور کچھ سوچے سمجھے بغیر میں نے گہری تاریکی میں اپنا جسم دوسری طرف گرا دیا۔ میرا جسم فضا میں تیرتا ہوا تیزی سے نیچے کی سمت جا رہا تھا۔ نہ جانے موت کا وہ اعصاب شکن تصور تھا یا کسی طاقت کا کرشمہ؟ یا خوف یا کوئی اعصابی دباؤ کہ میں بے ہوش ہو گیا۔ میرے سارے احساسات اور تمام جذبے تاریکیوں میں ضم ہو گئے۔ ہر شے اندھیروں کا جزو بن گئی، مجھے معلوم نہیں کہ میں نے نیچے کی

سمت کتنی دور تک سفر کیا۔ میں اپنے حواس کھو چکا تھا۔ ہاں اس وقت مجھے ایک آخری کربناک خیال آیا تھا کہ میں مر رہا ہوں۔

☆......☆......☆

مگر میں نہیں مرا۔ میں وہ سخت جان شخص ہوں جو اس پُراسرار کنوئیں، اندھیری رات اور قبرستان کے ہولناک ماحول میں بھی سانس کی ڈوری قائم رکھنے میں کامیاب رہا۔ موت جس شخص کے اتنے قریب سے گزری ہو اور جس کی زندگی میں ایسے جاں گسل لمحے آئے ہوں، وہی اس تحریر کا تاثر محسوس کر سکے گا۔ مجھے خوب یاد تھا کہ میں نے اس اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگائی تھی جس کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ وہ ہر سال نہ جانے کتنی جانیں نگل جاتا ہے، مجھے سکھایا گیا تھا اور یہ میرا عقیدہ تھا کہ مرنے کے بعد جسم خاک میں مل جاتا ہے لیکن روح روز قیامت تک زندہ رہتی ہے۔ چنانچہ جب ایک حسین آواز میرے تارِ ساعت سے ہم کنار ہوئی تو میں سمجھا کہ کوئی حور مجھ سے مخاطب ہے۔ مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ عجیب کیفیت طاری ہو گئی، آہ، وہ کیا نظارہ تھا کہ ایک گل بدن، سیمیں بدن، ایک گل رعنا، سراپا تمکنت اور سراپا عشق میرے پہلو میں ہے۔ اس کے زانو پر میرا سر رکھا ہے، اس کی سانسوں کی خوشگوار مہک، میری روح کے دروازے میں در آئی اور مجھے محسوس ہوا کہ میں نے حیات کا وہ لطیف، وہ سب سے خوب صورت گوہر پا لیا ہے جس کے لئے حیات سرگرداں رہتی ہے، کیا میں زندہ ہوں؟ اسے دیکھا تو زندگی پر اعتبار آیا۔ جمیل احمد خان بدبخت مرا نہیں تھا، زندہ تھا۔ آہ اس کے مقدر میں ابھی اور تماشے لکھے تھے۔

میں بت کی طرح ساکت ہو کر اس کے گداز پہلو میں لیٹا رہا۔ میری نظریں اس کے حسین و جمیل چہرے پر مرکوز تھیں۔ وہ مجھ پر اپنی دراز زلفیں بکھرائے اپنی شبنمی آنکھیں وا کئے مجھے معصومانہ انداز سے دیکھ رہی تھی۔ میں نے اپنی زندگی میں بے شمار حسین چہرے دیکھے ہیں۔ میں کہنا چاہتا ہوں کہ وہ ان چند حسین لڑکیوں میں ایک اضافہ تھی جنہیں میری حسن شناس نگاہوں نے سندِ حسن دی تھی۔ اس کا ایک ایک انداز زندگی کی سرمستیوں سے معمور تھا۔ میں اس کے نظارے میں کھویا رہا اور میرا ذہن گزشتہ واقعات کی کڑیاں ملانے لگا۔ بدری نرائن انکا کے ذریعے مجھے پرانے قبرستان میں لے گیا تھا۔ اس نے مجھ پر جان لیوا حملے کئے تھے لیکن کوئی اَن دیکھی قوت مجھے بچاتی رہی، پھر اس کے اشارے پر میں نے خود کو اندھے کنوئیں کی نذر کر دیا تھا اور بیدار بختی کی بنا پر اب میں ایک حسین لڑکی کی آغوش میں موجود تھا۔ میں زندہ تھا اور اپنے دل کی دھڑکنیں سن رہا تھا۔ میری سانس اس کی زلفیں اڑا رہی تھی مگر یہ سب کچھ کیوں اور کیسے ممکن ہوا؟ یہ راز عجیب اور حیرت انگیز تھا۔ میں ابھی انہی پریشان خیالیوں میں الجھا ہوا تھا کہ اس نے اپنے شیریں لبوں کو جنبش دی۔

"بھگوان کی بڑی کرپا ہے جو تم بچ گئے ورنہ جیودھاری کنواں اب تک نہ جانے کتنے منشوں بھینٹ لے چکا ہے۔"

"تم کون ہو؟" میں نے لڑکی کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میرے بارے میں نہ پوچھو، اپنا جی ہلکان نہ کرو۔ دیوتاؤں کی مرضی یہی تھی کہ تم ابھی زن رہو۔" اس نے کہا۔ میں نے قرب وجوار کا جائزہ لیا۔ اس وقت میں پرانے قبرستان کے قریب ہی ایک غیر آباد حصے میں پڑا ہوا تھا۔ وہاں ایک شکستہ جھونپڑی موجود تھی، اس کے سوا دور ونزدیک کوئی دوسر عمارت نہیں تھی، میں نے لڑکی کے بارے میں سوچا۔ تعجب ہے میں اس پُر اسرار اندھے کنوئیں سے کیا کر نکل آیا؟ میرے جسم پر ایک معمولی خراش تک نہیں تھی، نہ ہی میرے کپڑے بھیگے ہوئے یا گرد آل تھے، یہ لڑکی کون ہے جو اس ویرانے میں دھرنا دیے بیٹھی ہے۔ بظاہر وہ بھولی بھالی معصوم سی لڑکی نظر آ ر تھی۔

"وہ تمہاری جان کے پیچھے پڑ گیا تھا۔ وہ کون تھا؟" لڑکی نے معصومیت سے سوال کیا۔

"مجھے معلوم نہیں کہ وہ کون تھا۔ پر وہ میرا دشمن تھا۔" میں نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا ا پوچھا۔ "کیا تم اسی جھونپڑی میں رہتی ہو؟"

"ہاں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"اور کون رہتا ہے تمہارے ساتھ؟"

"میرے ساتھ؟" لڑکی نے چونک کر دیکھا، پھر مسکرا کر بولی۔ "میں اکیلی رہتی ہو بابو!"

"کیا تم نے تنہا مجھے کنوئیں سے نکالا تھا؟"

"نہیں بابو! بھلا میں اکیلی تمہیں کیسے نکال سکتی تھی؟" اس نے میرا تجسس محسوس کر کے سادگی ے جواب دیا۔ "تمہاری قسمت اچھی تھی کہ ایک یاتری ادھر آنکلا۔ میں نے اس سے بنتی کی تھی، وہی تمہیں کنوئیں سے نکال کر میری جھونپڑی تک پہنچا گیا تھا۔"

"یعنی تم تنہا اس جھونپڑی میں رہتی ہو؟" میں نے اپنا سوال دہرایا۔ یہ لڑکی مجھے بہت پُر اسرار نظر رہی تھی۔ ایک جوان اور حسین لڑکی کا کسی ویرانے میں تن تنہا رہنا بڑی تعجب خیز بات تھی۔

"ہاں بابو۔" لڑکی نے اپنی خوب صورت آنکھیں جھپکاتے ہوئے کہا۔ "تمہیں اچنبھا کیوں ہو ر ہے؟"

"یوں ہی۔" میں نے کہا اور خلا میں گھورنے لگا، بیتی ہوئی رات کے بھیانک لمحات اب پریشان کرنے لگے تھے۔

میری خاموشی پر لڑکی بھی خاموش رہی، پھر اس نے سکوت توڑا۔

"بابو۔ تمہارا نام کیا ہے؟"

"میرا نام۔ میرا نام جمیل احمد خان ہے۔"

"سندر نام۔" لڑکی نے شوخی سے کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ جھونپڑی کے اندر گئی اور جب واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں کچھ تازہ پھل تھے۔ میں کئی دنوں کا بھوکا تھا اس لیے ندیدوں کی طرح پھلوں پر ٹوٹ پڑا۔ لڑکی میرے قریب بیٹھی دلچسپی سے مجھے دیکھتی رہی۔ جب میں سیر ہو کر پھل کھا چکا اور کچھ جان آئی تو میں نے لڑکی سے اس کی مہربانیوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے پوچھا۔

"تم نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا؟"

"میرا نام کلپنا ہے۔" لڑکی نے شرما کر جواب دیا۔

میں موت کے منہ سے بچ آیا تھا لیکن مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ یہ سکون، یہ زندگی عارضی ہے۔ بدری نرائن کو انکا کے ذریعے کسی وقت بھی یہ معلوم ہو سکتا تھا کہ میں زندہ ہوں، ایسی صورت میں ظاہر ہے وہ مجھ پر ظلم توڑنے کے لئے دوبارہ آمادہ ہو جائے گا۔ پیٹ میں کچھ غذا پڑی تو مجھے اپنے پیچیدہ حالات پر سنجیدگی اور سکون سے غور کرنے کا سلیقہ آیا۔ جگدیو کی یاد آئی، مالا یاد آئی اور انکا کا خیال آیا۔ انکا نے گزشتہ رات جس ڈھٹائی اور بے وفائی کا برتاؤ کیا تھا، وہ یاد آیا تو کلیجا پھٹنے لگا پھر اس نسوانی آواز کا خیال آیا جو اندھیروں میں میری نجات دہندہ بنی تھی، وہ آواز کس کی تھی؟ معاً میرے ذہن میں ایک خیال تیر کی طرح پیوست ہو گیا کہ کہیں کلپنا ہی تو وہ عورت نہیں ہے؟ میں نے گھبرا کر اس کی جانب دیکھا۔ وہ معصومانہ اور والہانہ انداز سے میرے چہرے کے ادلتے بدلتے رنگ دیکھ رہی تھی۔ میری اور اس کی نظریں ملیں تو وہ سمٹ کر بولی۔ "کیا سوچ رہے ہو بابو؟ بہت دکھی معلوم ہوتے ہو؟ کیا بپتا آ پڑی ہے؟"

"ہاں کلپنا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "ایک بپتا ہو تو کہوں، سارا جیون کٹھنائیوں میں گزر رہا ہے۔"

"جس بھگوان نے تمہیں جیوت (زندہ) رکھا ہے وہی تمہاری کٹھنائیوں کا بھی کوئی اپائے پیدا کر دے گا۔" کلپنا نے اپنائیت سے جواب دیا پھر مجھے سہارا دے کر کٹی کے اندر لے گئی۔ یہاں دو ایک برتنوں اور چٹائی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ میں کچھ دیر کلپنا سے باتیں کرتا رہا پھر مجھے نیند آنے لگی اور میری آنکھ لگ گئی۔

کہیں شام کو میری آنکھ کھلی، کٹی میں ایک چراغ ٹمٹما رہا تھا۔ میں نے اٹھ کر ادھر ادھر دیکھا۔ کلپنا وہاں نہیں تھی، اس خیال سے کہ ممکن ہے کہ وہ کسی کام سے باہر گئی ہوگی میں اٹھ کر کٹی سے باہر آ گیا لیکن دوسرے ہی لمحے ٹھٹک کر رک گیا۔ سادھو جگدیو تمام قہر سامانیوں کے ساتھ وہاں موجود تھا۔ اس کے تیور اب بھی ویسے ہی اشتعال انگیز تھے۔ آنکھوں میں وہی غصہ، چہرے پر وہی کھنچاؤ تھا، وہی بیزاری تھی،

اسے دیکھ کر میرا خون تیزی سے گردش کرنے لگا۔ وہ شخص پھر رعونت کے ساتھ میرے سامنے کھڑا تھا جس نے مجھے برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی، اس پر بھروسا کر کے میں نے نقصان ہی اٹھایا تھا لیکن میں اس کا کیا کر سکتا تھا؟

''مجھے وشواش تھا اپرادھی کہ تو بدری نرائن کے ہاتھوں نہیں مر سکتا۔'' جگدیو نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''تمہیں تو مجھے زندہ دیکھ کر دکھ ہوا ہوگا جگدیو؟''

''تیرے من کا کھوٹ ابھی دور نہیں ہوا؟ بدری نرائن نے تجھے کوئی سراپ نہیں دیا۔'' جگدیو تیزی سے بولا۔ ''مجھے دشمن سمجھتا ہے ابھاگی؟''

''اور تم مجھے کیا سمجھانے آئے ہو؟ کیا میں تمہیں اپنا متر سمجھوں؟'' میں نے تلخ آواز میں کہا۔

جگدیو کا چہرہ گھمبیر ہو گیا۔ ''تجھے تیری بساط سے زیادہ مل گیا ہے۔'' وہ نفرت سے بولا۔ ''پر تو نے ابھی جیون میں دیکھا کیا ہے؟ تو ابھی تک بالک ہے۔ ایک انکا کو اپنا کر تو یہ سمجھا تھا کہ مہان شکتی کا مالک بن گیا، تو سنسار میں سب سے زیادہ بلوان ہے۔''

''اب تم کیا کہنے آئے ہو، سادھو جگدیو؟'' میں نے چڑ کر کہا۔

''میں تجھ سے پہلے بھی کچھ کہنے آیا تھا لیکن تو نے میری بات سننے کے بجائے مجھ پر شبہ کیا۔ میں اپنے متر پریتم لال اور اس کی بیٹی مالا رانی کے کارن مجبور ہوں جو تیرے پاس دوبارہ آنا پڑا۔'' جگدیو نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''اپرادھی میں تجھے کیول یہ بتانے آیا ہوں کہ ابھی تیرے برے دن سماپت نہیں ہوئے۔ جب تک تو اپنا من صاف نہیں کرے گا، دیوی دیوتا تجھ سے ناراض رہیں گے۔ تو کچھ نہیں کر پائے گا۔''

''تم سدا برے دن کی پیش گوئیاں کرنے آتے ہو۔''

''تو اپنی ہٹ، بچپن سے اپنے لیے خود کانٹے بوتا ہے۔''

سادھو جگدیو کی باتیں بڑی تلخ اور زہر میں بجھی ہوئی تھیں لیکن اب میرے ذہن کی وہ حالت نہیں تھی جو قید و بند کی صعوبتیں جھیلتے جھیلتے ہوگئی تھی۔ میں یہ سوچنے پر ضرور مجبور ہوا کہ سادھو جگدیو اگر میرا دشمن ہے تو میرا قصہ تمام کیوں نہیں کر دیتا۔ وہ بدری نرائن سے زیادہ بڑا اپجاری، بڑا سادھو ہے۔ وہ پریتم لال کے مقابلے کا آدمی ہے، پھر یہ کیوں بار بار آتا ہے، مجھے تنبیہ کرتا ہے۔ آخر وہ مجھ سے کیا چاہتا ہے؟ میں نے کچھ سوچ کر نرم لہجے میں کہا۔ ''مہاراج! حالات نے مجھے بزدل بنا دیا ہے، میری عقل خبط ہو چکی ہے۔ مجھے کچھ سجھائی نہیں دیتا۔''

''ابھی سے بیاکل ہو رہا ہے مورکھ! ابھی تو تیرا کچھ بھی نہیں بگڑا۔'' جگدیو کے لہجے میں تبدیلی پیدا

ہوئی۔ ''آگے آگے دیکھ کیا ہوتا ہے اور تجھ پر کیا گزرتی ہے۔''

''مہاراج، میں سمجھتا ہوں اس دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے، سب میرے دشمن ہیں، مجھے شما کر دو مہاراج!'' نہ جانے کس جذبے کے تحت میں آگے بڑھ کر اس کے سینے سے لگ گیا اور زار و قطار رونے لگا۔ میں نے ہچکیوں کے درمیان کہا۔ ''میرا سب کچھ چھن چکا ہے مہاراج! مالا رانی بھی مجھ سے جدا ہوگئی۔ میں گھر سے بے گھر ہوگیا اور دربدر کی خاک چھان رہا ہوں۔ میرا دشمن بدری نرائن میرے تعاقب میں ہے، میں ایک سادہ زندگی گزارنا چاہتا ہوں لیکن مجھے چین نہیں ملتا۔ تم میری سہائتا کرو مہاراج یا پھر میرا گلا گھونٹ دو، کچھ تو کرو۔''

جگدیو میری ندامت اور رقت سے متاثر ہوا۔ ''اب تیرے لیے کیول ایک ہی راستہ ہے، مرد بن کر حالات کا مقابلہ کرنا ہے۔'' جگدیو نے رکھائی سے کہا۔ ''اگر تو نے پہلے میرا کہا مان لیا ہوتا تو میں تیری سہائتا کر سکتا تھا۔ پرنتو اب بات آگے بڑھ چکی ہے، اب میری شکتی بھی آڑے نہیں آسکتی۔''

''ایسا نہ کہو مہاراج! میں ہاتھ جوڑ کر تمہارے آگے پرارتھنا کرتا ہوں، مجھے شما کر دو، میری سہائتا سے منہ نہ موڑو۔''

''پاگل، جانور!'' جگدیو تلملا کر بولا۔ ''کیا تجھے اس بات کا پتا نہیں تھا کہ جب تک بدری نرائن کالی کے مندر میں اس کے چرنوں میں بیٹھا ہے۔ کوئی شکتی اس کا بال بیکا نہیں کر سکتی۔ تیری اچھا یہی تھی کہ تو بدری نرائن کا کریا کرم کرے۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ مندر سے باہر آئے، مالا رانی نے مجھ سے بنتی کی تھی مورکھ کہ میں تیری سہائتا کروں۔ میں نے تجھے کلکتے جانے سے اس کارن روکا تھا کہ اگر تو کالی کے مندر میں دوبارہ جاتا تو دیوی کا سراپ تجھے نشٹ کر دیتا۔ میں چاہتا تھا کہ انکا کی شکتی تیرے سر سے چلی جائے کیونکہ مجھے وشواش تھا کہ بدری نرائن انکا کی شکتی پراپت کر کے گھمنڈ میں کالی کے مندر سے باہر آجائے گا۔ اس کے بعد تو اسے مار سکتا تھا۔ پرنتو تو اندھا ہو رہا تھا۔ تو نے میرے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دیا۔ تو نے انکا کی شکتی کے آگے میری باتوں میں بھی کھوٹ سمجھا۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ میں تیری کوئی سہائتا نہیں کر سکتا۔ تو نے صرف میرا ہی نہیں، دیوی دیوتاؤں کا بھی اپمان کیا ہے۔ اب تو کوئی اور ہی شکتی تیری سہائتا کر سکتی ہے۔''

''مجھے راستہ دکھاؤ مہاراج!'' میں نے تڑپ کر کہا۔ ''مجھ سے بھول ہوگئی تھی، میرا ذہن پلٹ گیا تھا۔ مجھے شما کر دو۔ میں جانتا ہوں کہ تم مہان شکتی کے مالک ہو، تم ضرور کوئی اپائے کر سکتے ہو۔''

''میں اس سے اسی کارن آیا ہوں۔'' جگدیو نے اکھڑی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ ''میری باتیں دھیان سے سن، کل رات تجھے بدری نرائن کے کشٹ سے بھی کسی مہان شکتی نے بچایا تھا۔ وہی اب تیری سہائتا کرے گی، میں تجھے اس شکتی کا شبھ نام نہیں بتا سکتا، پرنتو اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اگر اب بھی تو نے اپنی

بُدھی (عقل) استعمال نہیں کی تو سارا جیون روتا رہے گا۔"

یہ کہہ کر اس نے مجھ پر ایک طائرانہ نظر ڈالی اور کھڑے کھڑے کہیں غائب ہو گیا۔ جگد یو چلا گیا لیکن مجھے اپنی بدقسمتی پر اور آنسو بہانے کے لئے چھوڑ گیا۔ اس کا ایک ایک لفظ آہنی ہتھوڑے کے مانند میرے دماغ پر ضربیں لگا رہا تھا۔ مجھے اپنی ضد، اپنی نادانی اور عجلت پر افسوس ہو رہا تھا۔ میں نے اپنے دوستوں پر شک کر کے اپنے لیے خود مصیبتیں بوئی تھیں، مجھے یہ خیال بھی نہ رہا تھا کہ جگد یو اور پریتم لال میرے دوست ہیں۔ انہوں نے دنیا چھوڑ کر ویرانوں میں عرصے تک تپسیا کی ہے، ان کے آگے انکا کی شکتی بے بس ہو جاتی ہے۔ میں پریتم لال کے استھان پر انکا کی بے بسی کا واقعہ بھول گیا تھا۔ میں نے تز ئین کے معاملے میں انکا کی طاقت معدوم ہوتے دیکھی تھی اور ناظم علی کے سر پر جا کر وہ بے اثر ہو گئی تھی۔ گزشتہ رات بھی انکا کی پُراسرار قوت مجھے اپنے اشاروں پر نہیں چلا سکی تھی۔ یقیناً کوئی بہت بڑی طاقت میری پشت پناہی کر رہی تھی۔ جگد یو کا منصوبہ کس قدر سیدھا اور صاف تھا کہ وہ کسی صورت سے بدری نرائن کو کالی کے مندر سے باہر نکالنا چاہتا تھا اور یہ اسی وقت ممکن تھا کہ انکا اس کے سر پر چلی جائے اور وہ طاقت کے نشے میں سرشار ہو کر کالی کے مندر سے باہر نکل آئے، اس کے بعد بازی میرے حق میں ہوتی کیوں کہ پریتم لال اور جگد یو میرے ساتھ تھے لیکن میں نے اپنی حماقتوں سے بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا۔ اب پچھتاوے کے سوا اور کیا باقی رہ گیا تھا۔

اسی شدید جھنجلاہٹ اور کرب کے عالم میں کلپنا کی آواز آئی۔ "بابو! کیا سوچ رہے ہو؟" وہ سامنے سے میری طرف آ رہی تھی۔

اس کی آواز پر میرے خیالوں کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ وہ مجھے اور پُراسرار لگی۔ جگد یو نے کہیں اسی عورت کے بارے میں تو اشارہ نہیں کیا تھا؟ یہ سوچ کر میرے جسم میں سنسنی پیدا ہو گئی۔ میں نے لرزتے ہوئے اس ماہ جبیں کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر معصومیت تھی اور وہ سچ مچ کوئی دیوی نظر آ رہی تھی۔

"کلپنا۔" میں نے بڑی عقیدت سے اسے مخاطب کیا۔ "تم نے میرے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا ہے۔ اگر رات مجھے اس اندھے کنوئیں سے نہ نکلواتیں تو کسی کو میری موت پر دو آنسو بہانے کا خیال بھی نہ آتا۔"

"نہیں بابو۔ مجھے شرمندہ نہ کرو۔" کلپنا نے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر دیوتاؤں کو منظور نہ ہوتا تو تم رات ہی مر چکے ہوتے۔"

"دیوتاؤں کی کرپا اپنی جگہ ہے مگر تم نے مجھ پر جو دیا کی ہے میں اسے کبھی نہ بھلا سکوں گا۔"

"میں تو تمہاری داسی ہوں بابو!" کلپنا نے نظریں جھکا کر جواب دیا۔

نہ جانے کیوں مجھے ایسا لگا جیسے میں اسے برسوں سے جانتا ہوں۔ اس خیال نے مجھے اور پریشان کر دیا۔ میں نے ٹوہ لینے کی غرض سے کہا۔ "کلپنا، میرے کچھ دشمن میرا پیچھا کر رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ میرے تعاقب میں یہاں بھی آ جائیں اور میری وجہ سے تمہیں بھی پریشان ہونا پڑے۔"

"میری چنتا مت کرو جمیل بابو، مجھ ابھاگن کو بھلا کون پریشان کرے گا۔" کلپنا نے درد بھرے لہجے میں جواب دیا۔

"تم میرے حالات سے ناواقف ہو، جو ایسی باتیں کر رہی ہو۔ میرا یہاں سے چلا جانا ہی مناسب ہے۔" میں نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ "یوں بھی مجھے تم پر بوجھ بن کے رہنا کچھ اچھا نہیں لگتا ہے۔"

ایک لمحے کے لئے کلپنا کی آنکھوں کا رنگ بدلا پھر وہ سادگی سے بولی۔ "اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو میں منع نہیں کروں گی۔"

ایک اور سخت اور کربناک رات گزر گئی۔ اس رات کسی نے مجھے نہیں چھیڑا۔ میں کٹی کے فرش پر اوندھا پڑا اپنی عقل اور قسمت کا ماتم کرتا رہا۔ دوسری صبح جب بیدار ہوا تو کلپنا نے میرے آگے پھل لا کر رکھ دیے تھے۔ کلپنا رات دیر تک میرے پاس بیٹھی رہی تھی۔ میں اپنی محسنہ کے ساتھ کسی قسم کے ہوسناک جذبے کو اپنے دل میں محسوس نہیں کر سکا۔ رات کو وہ کٹی کے باہر سوئی۔ میں نے اس سے لاکھ کہا کہ تم اندر آ جاؤ، میں کٹی کے باہر سو جاتا ہوں لیکن وہ نہیں مانی۔ اب صبح ہی صبح وہ ایک طرف خاموش بیٹھی مجھے پھل کھاتے دیکھ رہی تھی، اس [illegible] بات کا غماز تھا کہ صرف ایک دن میں وہ مجھ سے بہت زیادہ مانوس ہو گئی ہے۔ ناشتے سے فراعت پا کر میں نے کلپنا سے اجازت چاہی اور کٹی سے باہر آیا تو وہ میرے ساتھ تھی۔ مجھے اس سے دور ہوتے ہوئے ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی قریبی عزیز چھوٹ رہا ہو، دل اندر ہی اندر بیٹھا جا رہا تھا۔ میں نے الوداعی نظروں سے اسے دیکھا تو وہ مسکرانے لگی اور میں گردن جھکائے عجیب کیفیتوں میں اس سے رخصت ہو گیا۔ میں نے کلپنا کو کرید نے کے لئے طرح طرح کی گفتگو کی تھی لیکن وہ مجھے ایک حسین اور معصوم لڑکی سے زیادہ کچھ نظر نہیں آئی۔ میں نے اس سے جانے کی اجازت بھی طلب کی تھی کہ اگر سادھو جگد یو کے کہنے کے مطابق کلپنا ہی وہ پُراسرار قوت ہوتی جس نے مجھے موت کے منہ سے نکالا تھا تو یقیناً مجھے روکنے کی کوشش ضرور کرتی اور باور کراتی کہ اس کے ہوتے ہوئے کوئی طاقت مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتی مگر جب اس نے سادگی سے مجھے جانے کی اجازت دے دی تو میرا دل ٹوٹ گیا۔ میں دل پر جبر کر کے کٹی سے باہر نکلا۔ ہر چند کہ میری کوئی منزل نہیں تھی اور اندھیروں میں کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی تاہم میری رفتار ہر لمحے تیز ہوتی جا رہی تھی۔ کل رات جگد یو سے گفتگو کے بعد اب احساس شکست اتنا نہیں تھا جتنا پہلے تھا۔ یہ صبح کچھ بھلی لگ رہی تھی۔

آبادی کے قریب پہنچ کر میں نے سوچا کیوں نہ مالا رانی کے پاس جاؤں اور اس کے سامنے اپنی غلط کاریوں کا اعتراف کرلوں۔ میں نے غلط فہمی میں اسے سخت سست کہہ ڈالا تھا۔ مالا رانی کے خیال سے دل کو کچھ سکون سا ملا۔ میں نے عجیب وغریب ہیئت کے باوجود طے کرلیا تھا کہ اسی وقت چچا جان کے گھر جاؤں گا۔ وہ جب میرا یہ حلیہ دیکھیں گے تو حیران ہوں گے لیکن میں کوئی بہانہ بنادوں گا۔ میں روٹھی ہوئی مالا کی گداز آغوش میں گم ہو جاؤں گا۔

میں نے اپنا رخ چچا جان کے گھر کی طرف موڑ دیا لیکن ابھی میں چند قدم ہی آگے گیا تھا کہ پشت سے کسی نے آواز دے کر پکارا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو حیرت زدہ رہ گیا۔ بدری نرائن کسی درندے کی طرح خوں خوار نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ ''اتنے تیز تیز کہاں جارہے ہو جمیل احمد خان!'' بدری نرائن نے تلخی سے کہا۔ ''کیا مالا رانی کے خیال نے تمہیں بیاکل کر دیا ہے؟ لیکن جانے سے پہلے میرا حساب تو چکاتے جاؤ۔''

''تم کیا کہنا چاہتے ہو؟'' میں نے قدرے درشت لہجے میں پوچھا۔ جگدیو کی ملاقات نے میرے حوصلوں کو توانائی بخش دی تھی۔ اس اعتماد میں کہ کوئی پُراسرار قوت میری مدد پر کمربستہ ہے، میرا بدری نرائن سے خوف زدہ ہونا حماقت تھی۔

''میرا نام بدری نرائن ہے۔ تم نے مجھے شاید پہچانا نہیں؟ میں نے تم جیسے دشٹوں کو اس سنسار سے ختم کرنے کے لئے کالی کے مندر میں برسوں جاپ کیا ہے۔ میں نے اپنے جیون کا بڑا حصہ اس کام میں گزارا ہے۔ میں نے تمہاری چھوکری انکا پر ادھیکار حاصل کرنے کے لئے چالیس دن کڑی تپسیا کی ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں اتنی آسانی سے تمہیں چھوڑ دوں گا'' بدری نرائن نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

''تم اب بھی اپنا وقت ضائع کر رہے ہو پنڈت! میں تمہیں خوب پہچانتا ہوں لیکن تم نے مجھے پہچاننے میں غلطی سے کام لیا ہے۔'' میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ ''کیا تم بھول گئے کہ میں نے رات تمہارے سامنے اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگادی تھی لیکن وہ جیودھاری کنواں میرا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ میری راہ سے ہٹ جاؤ نہیں تو یہ سارا گیان دھیان، یہ تپسیا نشٹ ہو جائے گی۔''

''میں دیکھ چکا ہوں مسلے ننٹے۔ تو مجھے کیا سمجھتا ہے۔'' بدری نرائن گرج کر بولا ''اس رات میرے بیروں سے چوک ہوگئی لیکن اب کوئی شکتی تجھے میرے ہاتھوں سے نہیں بچاسکتی۔ یاد رکھ میں کالی کا سیوک ہوں۔''

''سنو بدری نرائن! تم نے نرگس کو مارا، میں خون کے گھونٹ پی کر چپ ہوگیا۔ تم اپنی بزدلی سے کالی کے مندر میں چھپ کر جابیٹھے۔ تم نے مالا رانی پر اپنے گندے بیروں سے حملہ کرایا، میں چپ رہا۔ تم نے انکا کو حاصل کرلیا، تم نے شروع سے اب تک مجھ پر ظلم توڑے، میرے ساتھ زیادتیاں کیں جب کہ

میں تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکا لیکن اب شاید تمہیں کوئی سبق دینا پڑے۔ اپنی اوقات مت بھولو پنڈت۔ تم حد سے گزر چکے ہو۔ برداشت کی ایک حد ہوتی ہے۔'' میں نے اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے بدری نرائن پر اس طرح اثر ڈالنے کی کوشش کی۔

''اچ...... چھا؟'' بدری نرائن زہرخند سے بولا ''کیا تیرا دماغ خراب ہوگیا ہے ننٹے؟''

''سمے کی قدر کرو بدری نرائن اور پلٹ جاؤ۔ جاؤ میں نے تمہیں شما کیا، اگر مجھے جلال آگیا تو تمہیں بھاگنے کو بھی راستہ نہ ملے گا۔'' میں نے دل کڑا کر کے دبنگ لہجے میں کہا۔

بدری نرائن مسکرا دیا۔ دوسرے ہی لمحے اس کے تیور اچانک خطرناک ہوگئے۔ اس کی سرخ آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ ''کمینے! موت سے پہلے تجھے کم از کم اتنی آگیا دے رہا ہوں کہ تو جو منہ میں آئے بک سکتا ہے، یہ زبان ابھی بند ہوئی جاتی ہے۔ اپنا من پرسن کرلے۔'' بدری نرائن کی آواز میں غصے کے سبب لرزش تھی پھر اس کے ہونٹ ہلنے لگے۔ وہ کوئی منتر پڑھ رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میرا اگلا قدم کیا ہونا چاہیے۔ میں اسی ادھیڑبن میں تھا کہ بدری نرائن نے منتر ختم کر کے اپنا سیدھا ہاتھ فضا میں بلند کیا مگر اس کا ہاتھ اٹھا کا اٹھا رہ گیا۔ وہ اپنا معلق ہاتھ میری جانب جھٹکنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ اس کے چہرے پر شدید قسم کی الجھن نمودار ہوئی۔ ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں پھر اس نے چونک کر میری پشت پر کسی چیز کو حیرت سے گھورنا شروع کر دیا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ کسی غیر متوقع حادثے سے بوکھلا گیا ہو۔

اس کا اٹھا ہوا ہاتھ فضا میں جیسے جکڑ کر رہ گیا۔ جس انداز سے اس کینہ پرور شخص پنڈت بدری نرائن نے اپنا ہاتھ فضا میں بلند کیا تھا، اس سے مجھے یہ یقین ہو چلا تھا کہ وہ اس بار کوئی خطرناک اور آخری وار کر رہا ہے۔ میرے قدم زمین پر لرزنے لگے تھے کہ میری محسنہ کلپنا نمودار ہوئی، وہی کلپنا جس نے مجھے جیودھاری کنوئیں سے نکال کر نئی زندگی بخشی تھی، وہ اب بدری نرائن کے سامنے سنجیدگی سے کھڑی اس کی کشمکش اور جنوں خیزیاں دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور چہرہ تمتما رہا تھا۔ وہ اس وقت کوئی معصوم، نوخیز دوشیزہ کے روپ میں نہیں تھی۔

مجھے اس کے حسن کی تمام رعنائیوں کے باوجود اس کا وجود بہت بھیانک لگا۔ وقت کی رفتار اس قدر مدھم پڑ گئی تھی کہ مجھے سینے میں اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔ کلپنا کا اچانک وہاں نمودار ہو جانا کسی بڑے ہنگامے کا پیش خیمہ تھا۔ بدری نرائن کا اٹھا ہوا ہاتھ کلپنا کو دیکھ کر کیوں رک گیا؟ میں اس شش و پنج میں چند لمحے ساکت و جامد کھڑا اپنے دل کی دھڑکنیں شمار کرتا رہا پھر مجھے خیال آیا کہ یہ خوب صورت لڑکی کوئی بڑی غلطی کر رہی ہے۔ شاید یہ بدری نرائن سے واقف نہیں ہے۔ بدری نرائن کے سامنے کلپنا کا نرم و نازک بدن ایک تنکے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ بدری نرائن کا ایک اشارہ اس کے گرد موت کا جال بُن سکتا

ہے۔ یہ آگ کی نذر ہو سکتی ہے۔ بدری نرائن کے بیر اسے لمحوں میں ہڈیوں کے پنجر میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ وہ میرے لیے اس وقت زبردست ایثار کر رہی ہے اور شاید یہ نہیں جانتی کہ وہ کس موذی کے سامنے کھڑی ہے۔ میرا دل دکھنے لگا اور ضمیر نے مجھے ملامت کی کہ میں نے کلپنا اور بدری نرائن کے درمیان سے ہٹ کر بزدلی کا ثبوت دیا ہے۔ مجھے خود بدری نرائن سے نمٹنا چاہیے۔ اگر میں زندہ رہا تو کلپنا کی قبل از وقت موت ہمیشہ مجھے ملامت کے آنسو رلاتی رہے گی۔ مجھے اسے ہر قیمت پر بدری نرائن کے شر سے بچانا چاہیے۔ یہ سوچ کر میں آگے بڑھنا ہی چاہتا تھا کہ بدری نرائن کی آواز سے فضا کا سکوت متزلزل ہو گیا۔ وہ کلپنا سے مخاطب تھا۔ ''سندری! تو کون ہے؟ یہاں اس سمے کیا کر رہی ہے؟''

کلپنا نے کوئی جواب نہیں دیا اور نہ اس کے قہر و غضب کے انداز میں کوئی فرق آیا۔

بدری نرائن جز بز سا ہوا اور پہلو بدل کر بولا۔ ''میں کیا پوچھتا ہوں سندر ناری! تو کون ہے؟ تیری آنکھوں میں پریم کے بجائے نفرت کیوں ہے۔ کہیں تیرا سمبندھ اس ننگے اپرادھی سے تو نہیں جو اپنا جیون بچانے کے کارن میرے سامنے سے بھاگ رہا ہے؟''

بدری نرائن کا لہجہ سنبھلا ہوا تھا لیکن بے حد تلخ تھا۔ اس کا اٹھا ہوا ہاتھ اب نیچے آ گیا تھا۔ کلپنا کے بدن نے ایک جھرجھری سی لی اور وہ پرسکون نظر آنے لگی پھر اس کے چہرے پر ایک ملکوتی مسکراہٹ چھا گئی اور وہ نرم و دلکش لہجے میں بولی۔ ''مہاراج! تم نے اس بے چارے کو پہلے بھی موت کے قریب کر دیا تھا۔ کیا بگاڑا ہے اس کمزور اور غریب منش نے؟''

''کمزور اور غریب!'' بدری نرائن زہرخند سے بولا۔ ''میرے پاس اتنا سمے نہیں سندری کہ تجھے اس مُسلے کے کرموں کی کتھا سناؤں...... پر تو نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ تو کون ہے اور کیا تو اسے جانتی ہے؟''

''ہاں مہاراج!'' کلپنا نے سادگی اور معصومیت سے کہا۔ ''میں جمیل احمد خان کو جانتی ہوں۔ میں نے اسے بہت قریب سے دیکھا ہے۔''

''ہاں ہاں۔ سندر ناریاں جمیل احمد خان کو سدا قریب سے دیکھتی ہیں۔'' بدی نرائن نے طنز سے کہا۔ ''پر اب سمے گیا۔ کیا تو اسے میرے چنگل سے بچانے کے لئے آئی ہے، کیوں؟''

''ہاں مہاراج! میں تم سے بنتی کرنے آئی ہوں کہ تم اسے شما کر دو۔'' کلپنا نے انکسار سے کہا۔

''شما اور اس اپرادھی کو؟'' بدری نرائن گرج کر بولا۔ ''پر تو کون ہے اور تجھے یہ ادھیکار کس نے دیا کہ تو میرے سامنے اس جرأت سے آئی ہے؟''

''میرا نام کلپنا ہے، مجھے معلوم ہے کہ حالات نے جمیل احمد خان کے ساتھ بڑا مذاق کیا ہے۔ پر مہاراج اس میں اس منش کا دوش کم ہے اور حالات کا زیادہ دوش ہے۔ یہ کوئی برا آدمی نہیں ہے۔ تم اسے

شما کر دو گے تو یہ تمہاری بڑائی ہو گی۔'' کلپنا نے جسارت سے کہا۔

''سندری۔ مجھے تیرے کومل شریر اور تیری عمر پر رحم آتا ہے۔ اس منش نے مجھے بہت دکھ دیے ہیں۔ میں تجھ سے کہتا ہوں کہ تو اس کا خیال چھوڑ دے۔ یہ بہت بڑا دشٹ ہے، دھرتی کو ایسے منشوں سے پاک کر دینا ہی پُن ہے۔ جا تو اپنی راہ لے۔'' بدری نرائن نے نخوت سے کہا۔

''مہاراج، یہ انیائے ہے، کسی پر انیائے کرنا پُن نہیں ہے۔'' کلپنا کے لہجے میں اب تلخی آ گئی تھی۔

''اگر تم مہان شکتی کے مالک ہو تو تمہیں سب کچھ بھول کر اسے شما کر دینا چاہیے۔''

''میں اس پاپی کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ ناممکن۔'' بدری نرائن نے غصے سے کہا۔ ''سندری! جا، میری نظروں سے دور ہو جا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے تیرے لیے بھی کوئی اپائے کرنا پڑے۔ یہ مسلمان ہے اور تو ایک ہندو ناری، تیرا دھرم یہ نہیں، جا اپنے گھر جا کر رام رام کر۔''

کلپنا کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ ابھری۔ اس نے ایک نظر میری سمت دیکھا پھر دوبارہ بدری نرائن کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔ ''مہاراج! میں اس سمے تک نہیں جاؤں گی جب تک تم اسے شما نہیں کر دو گے۔ میں وچن دیتی ہوں کہ یہ پھر کبھی تمہارے راستے میں نہیں آئے گا۔''

''پاپن......'' بدری نرائن غضب ناک لہجے میں بولا۔ ''تو ایک ہندو استری ہو کر کسی مُسلے کے لیے ہاتھ باندھ رہی ہے۔ تجھے لاج نہیں آتی؟ اس شخص کے پاس اب کیا رکھا ہے، جو تو آس لگائے ہوئے ہے۔ اسے تو کوئی اب بھیک دینا بھی پسند نہیں کرے گا۔''

''شاید تم نے کبھی کسی سے پریم نہیں کیا پنڈت! پریم ذات پات اور دھرم سے اونچا ہوتا ہے۔'' کلپنا نے بے باکی سے کہا۔ ''پریم کا سمبندھ من سے ہوتا ہے اور من اگر پوتر ہو تو کوئی چیز پاپ نہیں ہوتی۔''

''کلپنا، تو میرے سامنے اتنی ڈھٹائی سے باتیں کر رہی ہے۔ کیا مجھے بتانا ہی پڑے گا کہ میں کیا ہوں؟'' بدری نرائن تلملا کر بولا۔ ''میں تجھ سے آخری بار کہہ رہا ہوں کہ مجھے ایک استری پر ہاتھ اٹھانے کے پاپ پر مجبور نہ کر..... نہیں تو میرا اکشٹ تیرا جیون بھی نشٹ کر دے گا۔''

''پریم پر تو دیوی دیوتاؤں کا بھی بس نہیں۔ تم بھلا اسے کیا نشٹ کرو گے؟ پریم امر ہوتا ہے مہاراج! تم میرا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔'' کلپنا نے بھی ترکی بہ ترکی کہا۔

''اب بہت ہو گیا۔'' بدری نرائن کسمسا کر بولا۔ پھر مزید کچھ کہے بغیر اس کے قدم حرکت میں آ گئے۔ وہ خبیث کلپنا کی سمت کسی خطرناک ارادے سے آگے بڑھا۔ اس کے چہرے پر رعونت اور غضب تھا۔ میں دخل دینا چاہتا تھا لیکن میرے قدم جواب دے گئے تھے۔ بدری نرائن ایک مہان پجاری تھا جسے کالی نے پناہ دے رکھی تھی اور جس نے انکا کو بھی اپنے قبضے میں کر لیا تھا اور جو پہلے ہی ایک بڑے

پنڈت کی حیثیت سے خاصا مشہور ہو چکا تھا۔ جس نے شیو چرن کو مارنے کے لئے میری سہائتا کی تھی اور مجھے برکاتی شاہ کا پتا بتایا تھا۔ مجھے وحشت ہو رہی تھی کہ اب کلپنا کا انجام کیا ہوگا؟ یہ خوب صورت لڑکی جو میرے پریم میں اتنی بے باکی کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ بدری نرائن جیسے کمینے اور عیار شخص کی زد میں آ گئی ہے۔ وہ کلپنا کو اپنی ایک جنبش لب سے تہس نہس کر سکتا ہے۔ میرا دل چاہا کہ لپک کر بدری نرائن سے الجھ پڑوں لیکن میں اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ میں اپنی جگہ سے ایک انچ بھی جنبش کرنے سے قاصر تھا۔ میں نے کلپنا کی جانب گھبرا کر دیکھا۔ اس کے چہرے پر بدستور معصومیت طاری تھی۔ ایک سکون تھا جسے میں اس کی نادانی پر محمول کر رہا تھا۔ بدری نرائن لحظہ بہ لحظہ اس کے قریب ہوتا جا رہا تھا لیکن وہ اس کے قریب پہنچ کر اچانک ٹھٹک کر رک گیا جیسے کسی تیز رفتار گاڑی کو اچانک بریک لگا جائیں۔ اس کے ساتھ ہی بدری نرائن کے چہرے کے تاثرات حیرت انگیز طور پر بدل گئے۔ آنکھوں میں الجھن اور انداز میں جھنجلاہٹ نظر آنے لگی۔ وہ کلپنا کو گھور کر دیکھنے لگا۔

”رک کیوں گئے مہاراج!“ کلپنا نے سپاٹ آواز میں کہا۔ ”کیا تم نے مجھ پاپن کو کشٹ دینے کا خیال اتنی جلدی من سے نکال دیا ہے؟“

بدری نرائن نے اس طنزیہ جملے کے جواب میں غیر معمولی ردعمل کا اظہار کیا۔ اس نے بڑی بے چینی سے ہاتھ پاؤں چلانے شروع کر دیے جیسے وہ خود کو کسی مصیبت سے نجات دلانے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا ہو اور جیسے اسے کسی نے جکڑ لیا ہو۔ یہ نظارہ میرے لیے ناقابل فہم تھا۔ میں کلپنا کو خوف زدہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ اچانک مجھے سادھو جگدیو کا خیال آیا۔ اس نے کہا تھا کہ کوئی اور طاقت میری پشت پناہی کر رہی ہے، تو کیا وہ طاقت کلپنا ہے؟ میں اسی ادھیڑ بن میں مبتلا تھا کہ کلپنا نے بدری نرائن کو مخاطب کیا۔

”مہاراج! تم نے میری بنتی کو ٹھکرا دیا، بھول کی۔ کس نے کس کو غلط سمجھا، یہ اب تمہیں معلوم ہو گیا ہوگا۔ تم اس سے کتنے بیاکل نظر آ رہے ہو حالانکہ تم نے ابھی کہا تھا کہ تم مہان شکتی والے ہو۔ کہیں مجھے نشٹ کرنے کے لئے تو یہ انوکھا ناٹک نہیں رچا رہے؟“

”مورکھ نار، تو بہت پچھتائے گی۔“ بدری نرائن تڑپ کر بولا۔ ”مجھے کالی کا آشیرباد پراپت ہوا ہے، دیوی تجھے جلا کر بھسم کر دے گی۔“ وہ عجیب مضحکہ خیز انداز میں اپنے جسم کو حرکت دے رہا تھا۔

”یہ بھی تمہاری بھول ہے مہاراج! کالی صرف تمہارے ساتھ نہیں ہے، اوروں کو بھی اس کا آشیرباد پراپت ہوا ہے۔ تم یہ کیوں سمجھتے ہو کہ صرف تمہی اس کے قریب ہو گئے ہو۔ کالی کو معلوم ہے کہ اسے کس سے کس کی سہائتا کرنی چاہیے۔ من کا کالا پن دور کرو بدری نرائن!“ کلپنا سرد آواز میں بولی۔ اس کا لہجہ بہت بدل گیا تھا اور گمبھیر ہو گیا تھا۔

بدری نرائن نے جھلا کر جواب دینا چاہا۔ اس کے اور کلپنا کے درمیان چند تلخ و ترش جملوں کا تبادلہ بھی ہوا لیکن وہ ہونٹ ہلا کر رہ گیا۔ اس کی آواز نہیں نکل سکی پھر میں نے اسے تیزی سے پلٹتے دیکھا۔ وہ لمبے لمبے قدم اٹھاتا واپس جا رہا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات اس امر کی غمازی کر رہے تھے کہ اس وقت وہ شدید ذہنی الجھن اور کرب سے دوچار ہے۔ میری نظریں اس کا تعاقب کرتی رہیں۔ وہ نظروں سے اوجھل ہوا تو میں نے پلٹ کر کلپنا کی سمت نظر ڈالی لیکن وہ مجھے قرب و جوار میں کہیں نظر نہیں آئی۔ میں نے اضطرابی کیفیت میں ادھر ادھر بھاگنا شروع کر دیا لیکن نہ جانے وہ کس کھوہ میں غائب ہو گئی تھی۔ میرا شبہ اب یقین میں بدل گیا۔ اب کلپنا کے بارے میں ساری باتیں خود بخود صاف ہو گئی تھیں، کلپنا یقیناً وہی طاقت تھی جس کی نشان دہی سادھو جگدیو نے کی تھی۔ اس خیال نے مجھے بے چین کر دیا۔ میں تیزی سے گھوما اور بے تحاشا پرانے قبرستان کی جانب دوڑنے لگا۔ میرا خیال تھا کہ کلپنا کو اس کی کٹیا میں پالوں گا۔ رفتار کے ساتھ ساتھ میرا ذہن بھی بڑی تیزی سے سوچ رہا تھا۔ میں نے کلپنا کو زندگی میں دوسری بار دیکھا تھا۔ وہ میرے لیے قطعی اجنبی تھی۔ اس کے باوجود اس نے میری غیر معمولی مدد کی۔ آخر کیوں؟ مجھ بد نصیب کا اتنا بڑا ہمدرد کہاں سے پیدا ہو گیا؟

میری رفتار اتنی تیز تھی کہ بھاگنے کا گمان ہوتا تھا۔ میں جلد ہی پرانے قبرستان کی اس جھونپڑی تک پہنچ گیا جہاں پہلی بار میں نے کلپنا کو دیکھا تھا۔ میرا سانس بری طرح پھول رہا تھا۔ میں تیزی سے جھونپڑی کے دروازے سے اندر داخل ہوا لیکن وہاں ویرانی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ کوٹھری بھائیں بھائیں کر رہی تھی، اس کے اندر ایک عجیب سی بو پھیلی ہوئی تھی۔ ایسی بو جو ایک عرصے تک ویران پڑے رہنے والے مکانوں میں ہوا کرتی ہے۔ کلپنا کو میں کہاں تلاش کروں؟ وہ تو ایک چھلاوا ہے۔ کیا ضروری ہے کہ اس کا مسکن یہی جھونپڑی ہو۔ یہ اس کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ مجھ سے کہاں ملے، کب ملے یا نہ ملے۔ اس لیے کہ وہ کوئی عام عورت نہیں ہے۔ میں نے اپنے دل کو سمجھایا۔ جمیل احمد خان! تم اسے کہاں تلاش کرو گے؟ مگر میں اب کہاں جاؤں؟ چچا جان کے گھر جاتا ہوں تو اس حالت میں کون مجھے پہچانے گا؟ وہ جمیل احمد خان جو ہمیشہ خوش پوش رہتا تھا اور جس نے روپیہ پانی کی طرح بہایا تھا، وہ اب ان پھٹے پرانے کپڑوں میں بڑھی ہوئی داڑھی شکستہ حالی کے ساتھ کیسے چچا جان کے گھر میں داخل ہوگا۔ نہ جیب میں کھانے کو کچھ تھا، نہ کوئی شخص دور دور تک ہمدرد نظر آتا تھا۔ زندگی میں جب کوئی امید نہ ہو اور شب و روز مقصد سے عاری ہوں تو جسم میں اینٹھن ہونے لگتی ہے۔ میں نڈھال ہو کر قبرستان میں گر گیا۔ اب صرف ایک امید تھی کہ اس پُراسرار عورت کلپنا کو جب میرا حال معلوم ہوگا تو وہ یقیناً اس طرف کا رخ کرے گی۔ جگدیو بھی کسی لمحے آ سکتا ہے۔ پیروں نے آگے چلنے سے انکار کر دیا تھا۔ میں خود کو ایک نحیف و ناتواں شخص محسوس کر رہا تھا۔ عجب عجب حادثے پیش آ رہے تھے۔ ایک رات میں نے اسی قبرستان میں گزار

دی۔ نہ جگد یو آیا نہ کلپنا۔ بھوک نے بے حال کر رکھا تھا۔ صبح ہونے سے پہلے میں بیدار ہو گیا۔ اب مزید بھوکا رہنا میرے بس میں نہیں تھا۔ میں کھانے کی تلاش میں قبرستان سے نیم مردہ انداز میں اٹھا۔ بار بار یہ بیان کرتے ہوئے شرم آتی ہے کہ میں نے کس طرح اپنے پیٹ کا جہنم سرد کیا۔ پیٹ میں کچھ پڑا تو آنکھوں میں روشنی پیدا ہو گئی اور میں پھر قبرستان کی جانب ہو لیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو دوپہر کا وقت تھا۔ جھونپڑی میں اب بھی کوئی نہیں تھا، جب میں نامراد واپس جا رہا تھا تو قبرستان سے ہٹ کر ایک کھلی زمین پر میں نے ایک شخص کو منڈل میں آلتی پالتی مارے کسی جاپ میں مگن دیکھا۔ وہ مجھے کوئی شناسا چہرہ لگا۔ میں تیزی سے اس کی طرف گیا اور اگلے چند قدم چلنے کے بعد ٹھٹک کر رک گیا۔ سادھو جگد یو آنکھیں بند کیے اپنے جاپ میں بڑی طرح منہمک تھا۔ اس کے اردگرد چونے سے ایک دائرہ بنا ہوا تھا۔

میں حیرت سے دور کھڑا اس کا انہماک دیکھتا رہا۔ کچھ توقف کے بعد میں نے اپنی سانسوں پر قابو پاتے ہوئے اسے مخاطب کرنے کی کوشش کی لیکن میری آواز صدا بہ صحرا ہو کر رہ گئی۔ جگد یو نے میری چیخ پکار کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے نرم و گرم لہجے میں اسے اپنی جانب متوجہ کرنے کے لئے گلا پھاڑ پھاڑ کر آوازیں دیں لیکن بے سود۔ جگد یو کے استغراق میں کوئی خلل پیدا نہیں ہوا پھر میں نے سوچا کہ قریب جا کر اسے جھنجوڑوں لیکن میری نظروں میں چونے کی لکیر کسی دیوار کی طرح پھر گئی۔ یہ منڈل، یہ گیان دھیان، یہ جاپ اور یہ پُراسرار منظر میرے لیے نیا نہیں تھا۔ پہلے بھی دو بار میں تربنی داس اور شیو چرن کو اسی طرح کے منڈل میں بیٹھا ہوا دیکھ چکا تھا، مجھے معلوم تھا کہ اگر جگد یو کسی جاپ میں مصروف ہے تو میرا منڈل میں گھسنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ چنانچہ میں آگے بڑھنے سے باز رہا اور تھک ہار کر منڈل کے باہر بیٹھ گیا کہ شاید جگد یو اپنا جاپ ختم کر لے۔ شاید اس کی مدت بہت کم ہو۔ ممکن ہے وہ شام تک منڈل سے باہر آ جائے۔

بہر حال اب یہی جگہ سب سے زیادہ عافیت کی تھی۔ میں جھونپڑی کے قریب دھوپ میں آ کر لیٹ گیا۔ ان واقعات نے میری عقل خبط کر دی تھی۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی، آخر جگد یو کس قسم کے جاپ میں مصروف ہو گیا؟ کلپنا کہیں جگد یو ہی کا تو دوسرا روپ نہیں ہے؟ کوئی بھی بات ممکن ہے۔ میں جگد یو سے حالات معلوم کرنے کے لئے بے حد مضطرب تھا۔ اس کی ہدایت کے مطابق ہی میں کوئی قدم اٹھا سکتا تھا۔ وہ رات گزر گئی پھر دوسرا دن گزر گیا پھر تیسرا دن گزر گیا۔ میں جھونپڑی میں پڑا رہتا۔ کبھی منڈل کے قریب جگد یو کو تکنے لگتا، کبھی کھانے کے لئے قبرستان سے باہر چلا جاتا اور چند روٹیاں زہر مار کر کے پھر واپس آ جاتا۔ جگد یو کا جاپ ختم نہیں ہوا۔

چوتھے روز تنگ آ کر میں نے ایک فیصلہ کیا کہ مجھے اسی شکستہ حال کے ساتھ چچا جان کے گھر چلنا چاہیے۔ وہ گھر میرا اپنا گھر ہے اور اپنے گھر میں یہ جھجک کیسی؟ چنانچہ جگد یو سے ملنے کا ارادہ ملتوی کر کے

میں اس راستے پر ہو لیا جو چچا جان کے گھر جاتا تھا۔ لکھنؤ کی شناسا سڑکوں پر میں کسی اجنبی کی طرح سر جھکائے چل رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ مجھے کوئی پہچان نہیں پائے گا۔ جب محلے کی گلیاں آئیں تو میں نے لوگوں سے کترا کر نکلنا چاہا۔ میں حالات کے الجھے ہوئے تانے بانے جس قدر سلجھانے کی کوشش کرتا۔ وہ اسی قدر الجھ جاتے۔ جب اس گلی میں داخل ہوا جہاں چچا جان کا گھر تھا تو دل کا عجب عالم ہو گیا۔ قدم لڑکھڑانے لگے۔ جی چاہا کہ واپس ہو جاؤں۔ بدن پر میل کی تہیں جمی ہوئی تھیں، سر اور داڑھی کے بال جھاڑ جھنکاڑ کی طرح اگے ہوئے تھے۔ جسم کے سارے کپڑے پھٹ رہے تھے اور سیاہ ہو گئے تھے۔ گھر کے قریب پہنچ کر گزری ہوئی باتیں ایک ایک کر کے یاد آنے لگیں، میں ابھی گھر سے چند قدم کے فاصلے پر تھا کہ یکلخت مجھے اپنے سر پر چبھن محسوس ہوئی۔ وہی مانوس چبھن جو انکا کی آمد کا اعلان تھی۔ میں نے گھر جانے کے بجائے اچانک واپس ہونے کا ارادہ کیا اور تیزی سے دوسری گلی میں چلا آیا پھر میں نے بے چینی سے عالم تصور میں سر پر نظر ڈالی تو انکا میرے سر پر موجود تھی۔ اس کی نظروں میں بے گانگی اور بیزاری تھی۔ انکا کو اس حالت میں دیکھ کر میرے دل کو ہمیشہ گہرا صدمہ ہوتا تھا۔ میں نے ایک سرد آہ بھر کر اس سے پوچھا۔

''اب کیا حکم دینے آئی ہو؟''

''جمیل احمد خان۔'' انکا نے سرد لہجے میں کہا ''تم مجھے پہچانتے ہو کہ میں کون ہوں؟''

''انکا!'' میں نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ ''دل پر نشتر مت چلاؤ۔ صاف صاف بات کرو، کیا کہنا ہے؟''

''تم میری طاقت سے واقف ہو؟'' انکا نے رعونت سے کہا۔

''میں تمہارے ہر روپ سے واقف ہوں، کاش تمہیں مرنا بھی آتا، کاش تم محسوس بھی کر سکتیں۔''

''باتیں بنانے کی ضرورت نہیں۔ تم میرے آقا پنڈت بدری نرائن کو بھی خوب جانتے ہو۔ وہ ایک مہان پنڈت ہے۔ اس کی شکتی سے ٹکرانے والے کا حشر بہت برا ہوتا ہے۔ تم کبھی پنڈت بدری نرائن کے کشٹ سے نہیں بچ سکتے۔'' انکا نے اجنبیت سے کہا۔

''مجھے معلوم ہے مگر تم کیا کہنا چاہتی ہو؟''

''تم بدری نرائن کے کشٹ سے بچ سکتے ہو لیکن ایک شرط پر۔'' انکا نے درشتی سے کہا۔

''وہ کیا ہے؟'' میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

''تمہیں مجھے کلپنا کی حیثیت سے آگاہ کرنا ہو گا۔''

''کلپنا......'' میں نے دہرایا۔ ''میں نہیں جانتا وہ کون ہے؟''

''مجھ سے کوئی بات چھپائی نہیں جا سکتی۔ یہ بات تم جانتے ہو۔'' انکا نے غضب ناک آواز میں

کہا۔"اگر زندگی عزیز ہے تو کلپنا کی حیثیت اور اس کے ٹھکانے سے آگاہ کر دو ورنہ مجھے اپنے آقا کو خو
کرنے کیلئے تمہارے خون سے اپنا وجود سیراب کرنا پڑے گا۔"

"خوب......"میں نے سنبھل کر کہا۔"جب تم سے کوئی بات نہیں چھپائی جاسکتی تو پھر تم اپنی طاقت
سے معلوم کیوں نہیں کر لیتیں۔ میں تمہاری دھمکیوں کی تاب نہ لاسکوں گا، تمہیں جو کرنا ہے کر لو۔"

"جمیل احمد خان۔"انکا نے تیز لہجے میں کہا۔"مجھے بتاؤ کہ کلپنا کون ہے؟ وقت ضائع مت کرو۔"

"میں نے کہہ دیا کہ مجھے نہیں معلوم لیکن انکا؟ کیا تمہاری پُراسرار قوت کلپنا کا راز معلوم کرنے میں ناکام ہوگئی ہے؟ کیا اس مردود پنڈت کی مہان شکتی بھی کلپنا کے سامنے بے بس ہو رہی ہے؟"میں نے جرأت سے کہا۔"میری جان انکا! اب تمہاری کوئی دھمکی کارگر نہیں ہوگی۔ ساری بات میری سمجھ میں آگئی ہے۔ مجھے تمہاری بے بسی سے پہلی بار بہت خوشی ہوئی۔ تم کلپنا کو کبھی نہیں جان سکتیں کیونکہ اسے بدری نرائن سے بڑی شکتی پراپت ہے۔"

اب میرے کچھ کہنے کا وقت تھا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ انکا مایوس ہو کر مجھ سے کلپنا کا راز جاننے آئی ہے اور میں بالکل محفوظ ہوں لیکن انکا نے چلتے چلتے اپنے پنجوں کی شدید چبھن سے مجھے بے حال کر دیا۔ میرے اعصاب متزلزل ہوگئے۔ ظاہر ہے میرے پاس کلپنا کا کوئی راز نہیں تھا۔ اس لیے اس نے اپنی تمام تر کوشش کی کہ مجھے کسی طرح بے بس کر دے مگر اچانک وہ خود ہی پھدک کر خوف زدہ انداز میں میرے سر سے اتر گئی۔ انکا کے اس اچانک رویے پر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ جگد یو کی ہر بات درست ثابت ہو رہی تھی۔ کوئی پُراسرار قوت بد بخت جمیل احمد خان کی پشت پناہ تھی۔ کوئی ایسی عظیم طاقت جس کے آگے انکا کی شیطانی قوتیں بھی بے اثر ہوگئی تھیں۔ بہر حال مجھے یقین ہو چلا تھا کہ اب کچھ دنوں کے لئے بدری نرائن سے بھی چھٹکارا مل جائے گا۔ وہ میرے سامنے آنے سے کترا رہا تھا لیکن اس کا مطلب قطعاً یہ نہیں تھا کہ وہ مجھ سے انتقام لینے کے خیال سے اتنی آسانی سے دستبردار ہوگیا ہے۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ ذلیل و ظالم شخص اپنے اتنے پرانے دشمن سے یوں سرسری گزر جاتا۔

اس آنکھ مچولی کے دن ابھی ختم نہیں ہوئے تھے۔ انکا کو اس نے اسی غرض سے میرے سر پر بھیجا تھا کہ وہ کلپنا کی حقیقت دریافت کر سکے۔

میں اپنے مکان کی پچھلی گلی میں اس واقعے سے سہما کھڑا تھا اور اپنے ہوش و حواس درست کر رہا تھا پھر میں کسی قدر حوصلے کے ساتھ چچا جان کے مکان والی گلی میں آیا اور مکان کے دروازے پر پہنچ کر دوبارہ رک گیا۔ مجھے اندر جاتے ہوئے جھجک ہو رہی تھی۔ پتا نہیں مجھے اس حُلیے میں دیکھ کر میرے ساتھ ان کا برتاؤ کیا ہوگا؟ میں چند لمحے دروازے پر خود سے الجھتا رہا اور اپنے اندر ہمت پیدا کرتا رہا پھر میں نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی۔ فرزانہ، میری بہن نے دروازے کی آڑ سے میرا چہرہ دیکھ کر تیزی

سے دروازہ بند کر لیا۔ وہ یقیناً مجھے نہیں پہچانی تھی۔

"ٹھہرو۔"اندر سے اس کی سہمی ہوئی آواز آئی۔

میرے اندر کے غیرت مند انسان نے کہا واپس چلو لیکن ذرا دیر بعد جب میں واپس جانے نہ جانے کے تذبذب میں دروازے پر کھڑا تھا کہ فرزانہ کا ہاتھ دروازے سے باہر نکلا۔ اس کے ہاتھ میں روٹی اور اس پر سالن رکھا تھا۔ یہ دیکھ کر میرے جسم پر رعشہ طاری ہوگیا۔ میں نے سوچا کہ مجھے واپس چلا جانا چاہیے۔ اب اگر میں اندر گیا تو فرزانہ شرمندگی سے آنکھ نہ اٹھا سکے گی۔ میں نے فرزانہ کے بڑھے ہوئے ہاتھ سے روٹی لے لی اور واپس ہونا چاہا لیکن دروازے پر آکر اور گھر کے اندر سے آنے والی مانوس آوازیں سن کر واپسی کے لئے قدم نہیں ہلے۔ فرزانہ چلی گئی تھی۔ میں نے دوبارہ دستک دی۔ اس بار مالا نے دروازہ کھولا اور مجھ پر ایک اچٹتی نظر ڈال کر اندر ہی سے بولی۔"اب کیا چاہیے؟"

"مالا۔ یہ میں ہوں جمیل۔ دروازہ کھولو۔"

"آپ......آپ......"مالا ایک دم سامنے آگئی۔"آ......آپ؟"

"ہاں میں، میں آگیا ہوں۔"میں نے آہستگی سے کہا۔

مالا نے حیران نظروں سے مجھے دیکھا پھر جھٹ دروازہ کھول دیا اور ڈیوڑھی میں وہ بے تابانہ میرے سینے سے چمٹ گئی۔ آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ میں اسے سنبھالا دیتا ہوا اندر لے گیا۔ وہاں دونوں بہنیں تھیں اور بھائی موجود تھا۔ انہوں نے سراسیمگی کی نظروں سے مجھے دیکھا کہ یہ کون پاگل مالا کے کاندھے پر ہاتھ رکھے درانہ گھر میں گھسا چلا آرہا ہے۔ میں نے فرزانہ کی ندامت دور کرنے کے لئے سب سے پہلے اسے گلے لگایا۔ انہیں مجھے پہچاننے میں دیر نہیں لگی اور پھر ان پر رقت طاری ہوگئی اور انہوں نے مجھ سے طرح طرح کے سوال کرنے شروع کر دیے۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں ایک مصیبت میں گرفتار ہوگیا تھا اور یہ ایک لمبی کہانی ہے پھر کسی وقت سن لینا۔ میرے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ قوت گویائی جیسے سلب ہوگئی تھی۔ صرف آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ سب مجھ سے لپٹے ہوئے تھے اور میں انہیں دلاسے دے رہا تھا۔ اب میں آگیا ہوں، برے دن گزر گئے۔ میرے امتحان کا وقت گزر گیا۔

مالا رانی نے اسی وقت میرے چچا زاد بھائی کو دوڑایا تاکہ وہ چچا جان کو بلا لائے۔ غرضیکہ میری واپسی پر گھر میں خوشیوں کا سیلاب امنڈ آیا۔ مالا نے اسی وقت میرے غسل کا اہتمام کیا۔ میں نے نہا دھو کر حلیہ درست کیا اور شیو بنایا تو ایسا معلوم ہوا جیسے میرا جسم بے وزن ہوگیا ہے۔

دن بھر چچا جان، بھائی اور بہنوں میں گھرا رہا اور انہیں اپنی خود ساختہ روداد سناتا رہا۔ دن میں انہوں نے طرح طرح کے پکوان بنائے۔ فرزانہ نے کوئی دس بار میرے آگے ہاتھ جوڑے کہ اس نے مجھے کوئی فقیر سمجھ کر روٹی دے دی تھی۔

رات آئی اور آخر تنہائی کا موقع ملا تو میں نے مالا کا سراپا اپنی آغوش میں پوری طاقت سے سمیٹ لیا۔ میرے دل میں اس وقت اس کے لئے شدید محبت پیدا ہوئی اور میں نے اس سے اپنے ذلیل رویے کی معافی مانگی۔ ساری رات ہم دونوں جاگتے رہے۔ ہمارے جذبات نے کچھ ایسا زور باندھا جیسے ہم پہلی بار ملے ہوں۔ مجھے مالا ایسی تازہ نظر آئی جیسے وہ پریتم لال کے استھان پر ایک جھرنے میں غسل کرتے وقت نظر آئی تھی اور جس طرح پہلی رات کو اس کا حسین ترین چہرہ میرے لیے نیا تھا، اسی طرح اس وقت بھی کھلا ہوا تھا۔ وہ رات میں نے اس کی پلکوں کے سائے میں گزار دی اور اس نے میرے بازوؤں میں۔ جب اتنی مشقتوں اور مصیبتوں کے بعد مالا کی قربت کا یہ دل نشیں موقع ملا تو پھر میرے جذبات کا کیا عالم ہوگا؟ ہم دونوں ایک دوسرے میں تحلیل ہو گئے، جیسے ہم کوئی علیحدہ جسم رکھتے ہو۔ ہماری سانسیں ایک، ہماری روحیں ایک، ہمارے جذبے ایک۔ ہمارے ردِ عمل ایک جیسے۔ ایسی اکائی ہوں جو دو جسموں کے ارتباط کے بعد وجود میں آئی ہو۔ یہ اکائی زبردست شدتوں کے بعد کہیں پیدا ہوئی ہے۔ مالا نے محسوس کر لیا تھا کہ میں نے چچا جان کو جو روداد سنائی ہے، وہ غلط ہے۔ چنانچہ اس نے اصلیت معلوم کرنے کے لئے ضد شروع کر دی۔ میں نے تھکن کا بہانہ کر کے اسے ٹال دیا اور علی الصباح اس کی آغوش میں سمٹ کر سو گیا۔

چار روز تک میں نے باہر قدم نہیں نکالا۔ مالا نے ان چار دنوں میں متعدد بار مجھ سے واقعات معلوم کرنے کی خاطر اصرار کیا لیکن میں اسے ٹالتا رہا مگر پانچویں دن جب مالا کا اصرار حد سے زیادہ بڑھا تو میں نے شروع سے آخر تک تمام حالات سے اسے باخبر کر دیا۔ البتہ کلپنا کا ذکر میں دانستہ درمیان میں نہیں لایا۔ مالا بڑی توجہ سے یہ الم ناک روداد سنتی رہی۔ جب میں خاموش ہوا تو بولی۔ ''اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟''

''کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔'' میں نے مایوسی سے کہا۔ ''جب تک بدری نرائن زندہ ہے، میری زندگی کو ہر لمحے خطرہ لاحق ہے۔ جگدیو مہاراج اگر جاپ میں مصروف نہ ہوتے تو میں ان سے کوئی مشورہ کرتا۔''

مالا میرے حالات سن کر آبدیدہ ہو گئی۔ اسے فکرمند دیکھ کر خود میرا دل بھی ڈوبنے لگتا تھا۔ کچھ دیر خاموشی مسلط رہی پھر مالا چونک کر بولی۔ ''ایک بات سمجھ میں آتی ہے، اگر آپ میرا مشورہ مانیں تو میسور کی پہاڑیوں میں جا کر کلدیپ کو تلاش کریں۔ بابا نے اسے اپنی داسی بنایا تھا۔ مجھے وشواش ہے کہ کلدیپ آپ کی مدد ضرور کرے گی۔ بابا نے اسے بہت کچھ دان کیا تھا۔''

''کلدیپ!'' میں نے چونکتے ہوئے کہا۔ ایک عرصے بعد کلدیپ کا نام سن کر مجھے خوشی بھی ہوئی اور خود پر غصہ بھی آیا۔ کلدیپ کو میں کتنی جلدی بھول گیا تھا۔ اس کلدیپ کو جس نے مجھ سے شدید محبت کی تھی۔ جس نے قدم قدم پر مجھے سہارا دیا تھا اور بدترین مصائب میں بھی میرا ساتھ نہیں چھوڑا تھا۔

میری خاطر خود جوگن بن گئی تھی اور مالا کو میری جھولی میں ڈال دیا تھا۔ میں اسے بالکل ہی فراموش کر بیٹھا تھا؟ نہ جانے وہ کس عالم میں ہوگی؟ وہ اتنے مضبوط ارادے کی لڑکی تھی کہ اس نے میری خاطر اپنے ماں باپ کو چھوڑ دیا تھا۔ یقیناً وہ اب بھی پریتم لال کے استھان پر اس کی ہدایت کے مطابق تنہا رہ رہی ہوگی اور اس نے اب تک بہت کچھ حاصل کر لیا ہوگا۔ کلدیپ کے نام سے دل کو ایک ڈھارس سی بندھی۔

''کیا سوچ رہے ہیں آپ؟'' مالا نے مجھے سوچوں میں مستغرق دیکھ کر پوچھا، پھر بولی۔ ''میرا من گواہی دیتا ہے کہ کلدیپ نے بابا کے استھان سے بہت کچھ پالیا ہوگا۔ آپ اس سے ملیں، مجھے وشواش ہے کہ دکھ کے دن بیت جائیں گے۔ ہوسکتا ہے بدری نرائن کے سلسلے میں کلدیپ کوئی اپائے ڈھونڈ نکالے۔ یوں بھی وہ ایک محفوظ جگہ ہے، وہاں بدری نرائن کے گندے بیر نہیں پہنچ سکتے۔''

مالا نے اس اندھیرے میں روشنی کی ایک کرن دکھائی تھی۔ اس کے بعد میں کلدیپ ہی کے بارے میں سوچتا رہا۔ پونا کلب میں اس سے ملاقات، ہوٹل میں اس کا ایثار، کشمیر میں اس کا اضطراب۔ وہ سرتاپا عشق تھی۔ اب یاد آئی تو مجھے احساس ہوا کہ میں کتنا کمینہ، خود غرض اور مادہ پرست شخص ہوں۔ میں اسے بھول گیا جس نے اپنی زندگی مجھ پر، اپنے محبوب پر قربان کر دی تھی۔ میں نے اس سے ملنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

لیکن رات کو مجھے تزئین کی یاد آئی۔ اس کے بارے میں ابھی تک مجھے کچھ معلوم نہیں ہوا تھا۔ اشرفی بیگم کے بالا خانے جا کر تحقیق کرنے میں اندیشے تھے پھر بھی رات کو سیاہ شیروانی پہن کر گھر سے نکلا اور چھپ چھپاتے بازارِ حسن میں داخل ہو گیا۔ وہاں وہی رونقیں، وہی جھمگھٹے، وہی آوازیں اور خوشبوئیں تھیں۔ میں ان سب سے بے نیاز ایک اوسط درجے کے بالا خانے کے قریب جا کر رک گیا۔ اندر سے نغمہ سرائی کی آوازیں آ رہی تھیں اور مجھے یقین تھا کہ یہاں لکھنؤ کے نوابین اور اعلیٰ افسران نہیں پھٹکیں گے۔ ایک زمانہ تھا، جب میں یہاں انکا کی معیت میں دندناتا ہوا آیا کرتا تھا۔ اندر داخل ہوا تو میری پذیرائی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی گئی۔ مغنیہ نے میرے روپے کی دھن پر خوب گایا اور سماں باندھ دیا لیکن اس دن مجھے عیش و طرب، نغمہ و سرور کے ان ہنگاموں سے زیادہ تزئین کی فکر تھی۔ رات کو جب محفل کا رنگ اترنے لگا اور فانوسوں کی روشنی جھلملانے لگی اور سب لوگ آنکھوں میں موسیقی اور حسن و مستی اور رندی کا سرور لیے اٹھ کھڑے ہوئے تو میں بیٹھا رہا۔ اس عرصے میں، میں اپنی شخصیت کا اظہار بخوبی کر چکا تھا۔ جب دیوان عام برخاست ہو گیا تو میرے لیے ایک خاص محفل سجی۔ میں نے اسی لمحے باتوں باتوں میں اشرفی بیگم کا تذکرہ چھیڑ دیا اور مجھے معلوم ہوا کہ تزئین اب تک لاپتا ہے اور نواب جبن علی خان اپنے اثر و رسوخ کی وجہ سے رہا ہو گیا ہے اور اشرفی بیگم کے بالا خانے کا اب وہ رنگ نہیں رہا جو تزئین کے زمانے میں تھا۔ تزئین کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے بعد اب وہاں میرے رکنے کا کوئی

محل نہ تھا۔ میں رات گئے وہاں سے چلا آیا اور دوسرے دن میسور کے سفر کی تیاری کرنے لگا۔ مالا کے مشورے پر یہ بات میں نے چچا جان کو نہیں بتائی۔ ان سے یہ بہانہ کیا کہ میں اپنے کاروبار کی جانچ پڑتال کے لئے کچھ دن کے دورے پر لکھنؤ سے باہر جا رہا ہوں۔

جانے سے پہلے میں نے جیودھاری کنوئیں والے قبرستان میں ایک بار پھر جگدیو سے ملنے کا ارادہ کیا لیکن آٹھ روز گزر جانے کے بعد بھی وہ اسی طرح اپنے منڈل میں دھونی رمائے بیٹھا جاپ میں منہمک تھا۔ میں مایوس ہو کر واپس ہو گیا۔ چلتے وقت میں نے مالا کو اور مالا نے مجھے دزدیدہ نگاہوں سے دیکھا۔ مالا کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیل رواں تھا۔ چلتے وقت اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ میں نے اسے سمجھایا کہ پگلی! میں جلد واپس آ جاؤں گا لیکن نہ جانے کیا بات تھی کہ خود میرا دل بھی میرے قابو میں نہیں تھا۔ مالا کو چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا تھا مگر سفر ضروری تھا۔ قسمت میں ابھی اور گردشیں لکھی تھیں۔ بے بس انسان اپنے حالات کا غلام ہے، آخر اسے اشک بار چھوڑ کر لکھنؤ سے روانہ ہو گیا اور میرا دل دھڑکتا رہا۔

☆......☆......☆

میسور کی پہاڑیوں تک پہنچنے میں مجھے کوئی دشواری نہیں ہوئی البتہ جب میں اس خاص مقام تک پہنچ گیا جہاں پریتم لال کا استھان ملنے کی توقع تھی تو راستہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ کئی روز تک میں پہاڑیوں پر بھٹکتا رہا۔ جس جگہ بھی جاتا وہاں کوئی کٹیا نظر نہیں آتی تھی، کوئی جھرنا دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اس سے یہ گمان بھی گزرا کہ کہیں اس ویرانی اور تنہائی سے اکتا کر کلدیپ واپس شہروں کی فضا میں نہ چلی گئی ہو۔ حالانکہ کلدیپ جیسی مستقل مزاج لڑکی سے اس بات کی امید نہیں تھی لیکن دور دور تک اس کا نام ونشان نہ تھا۔ میری آس دم توڑ رہی تھی۔ شک اور وسوسوں میں یہ کرب ناک خیال آیا کہ ہو سکتا ہے کلدیپ زندہ نہ ہو۔ جتنے دن گزرتے جاتے تھے، امید ٹمٹمائے جاتی تھی۔ ان دشوار گزار راستوں پر اس کا مسکن تلاش کرتے ہوئے مجھے آٹھ روز گزر گئے لیکن میں نے اپنا سفر جاری رکھا۔ نویں روز صبح کے وقت میں ایک ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں سے جھرنے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ جگہ مجھے کچھ مانوس سی لگی۔ مجھے یاد آیا کہ مالا رانی سے یہیں میری ملاقات ہوئی تھی۔ میں درخت وغیرہ پار کر کے جھرنے کے قریب پہنچ گیا۔

اس میں کسی شبے کا امکان نہیں تھا کہ وہ وہی خوب صورت منظر تھا۔ میری مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اب مجھے امید ہو چلی تھی کہ میں بہت جلد پریتم لال کی کٹیا بھی تلاش کر لوں گا۔ میں نے غور سے قرب وجوار کا جائزہ لیا پھر ایک اندازے کے مطابق جھرنے کا راستہ چھوڑ کر اوپر کی جانب چڑھنے لگا۔ کچھ بلندی پر جانے کے بعد ایک لڑکی پر میری نظر پڑی۔ وہ پہاڑی سے نیچے جھرنے کی طرف آ رہی تھی۔

فاصلہ چونکہ زیادہ تھا اس لیے میں واضح طور پر اسے نہ دیکھ سکا۔ البتہ دور ہی سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ اسی جنگل کی باسی ہے۔ اس کا بدن صرف ایک ساڑھی میں لپٹا ہوا تھا جس کے ذریعے اس نے اپنے بدن کا اوپری حصہ بھی چھپا رکھا تھا۔ میں نے اس کے قریب پہنچنے کے لئے تیزی سے اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔ مجھے یقین تھا کہ اگر پریتم لال کی کٹیا اب تک آباد ہے تو یہ لڑکی ضرور میری رہنمائی کرے گی۔ منزل پانے کی خوشی نے آٹھ روز کی تھکن کا احساس مٹا دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں ہمارا درمیانی فاصلہ کم ہو گیا۔ لڑکی کبھی درختوں کی اوٹ میں ہو جاتی، کبھی بل کھاتے راستوں پر آ جاتی اور جب وہ واضح طور پر سامنے آئی تو مجھے سکتہ سا ہو گیا۔ میں نے حیرت سے اپنی آنکھیں ملنی شروع کر دیں اور پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ اس کے خدوخال اور واضح ہو گئے تھے۔ مجھ پر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہوئی، میں نے اسے شناخت کر لیا۔ لکھنؤ سے ہزاروں میل دور اس ویران جنگل میں وہ اشرفی بیگم کی لڑکی تزئین تھی۔ اسے یہاں دیکھ کر میرا کیا عالم ہوا ہوگا؟ اسے بیان کرنے کی قدرت مجھ میں نہیں ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میری آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی ہیں وہ حقیقت ہے یا میرے مضطرب ذہن نے میری نگاہوں کی آسودگی کے لیے کوئی خیالی ہیولا تراش لیا ہے۔ وہ تزئین تھی، کون تزئین؟ وہ پری جمال لڑکی جس کے لئے لکھنؤ کے زندہ دل نوابین بے چین تھے، وہ تزئین جس نے لکھنؤ میں ہلچل مچا دی تھی۔ جس کے لئے مجھے اذیت ناک مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔ قتل ہوئے، لوگوں کی برطرفیاں ہوئیں، اغوا ہوئے، تزئین انتظامیہ اور امرائے لکھنؤ کے درمیان ہمیشہ ایک لاینحل عقدہ بنی رہی۔ وہ تزئین وہ سراپا تمکنت لڑکی باد بہار کی طرح پہاڑی سے نیچے اتر رہی تھی۔ میرے اوسان خطا ہو گئے اور دل بری طرح دھڑکنے لگا۔ مجھے اپنی نرگس یاد آئی جو ساڑھی میں ملبوس بالکل اسی طرح، اسی انداز میں چلتی تھی۔ تزئین میں نرگس کی شباہت دیکھ کر ہی میرا دل اس کی جانب کھنچا تھا۔ اسے یہاں دیکھ کر میرے اندر کچھ بے نام سے جذبے پیدا ہوئے، وہ جذبے جو صرف تزئین کے لئے مخصوص تھے، میرا ذہن صرف تزئین کی ذات تک محدود ہو کر رہ گیا۔ میں میسور کی پہاڑیوں میں آنے کا مقصد بھی بھول گیا۔ میری بے قرار نظریں تزئین کے سراپا پر جمی ہوئی تھیں اور دل اسے گلے لگانے کے لئے بے چین ہو رہا تھا۔ وہ سنبھل سنبھل کر بے خیالی میں نیچے اتر رہی تھی۔ ابھی تک اس نے مجھے نہیں دیکھا تھا۔ پھر جب اس کی نظر مجھ پر پڑی تو وہ ایک لمحے کے لئے ششدر رہ گئی۔ دوسرے ہی لمحے وہ تیزی سے بھاگتی ہوئی میرے قریب آئی اور اکھڑی اکھڑی سانسوں کے درمیان حیرت زدہ لہجے میں بولی۔ ”آپ...... آپ یہاں؟“

”اور تم...... تم یہاں کیسے؟“ میں نے تعجب سے دریافت کیا۔

وہ پٹ پٹاتی آنکھوں سے بولی۔ ”مجھے نہیں معلوم کہ میں کس طرح یہاں پہنچی۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ اس رات میں اپنی خواب گاہ میں غنودہ حالت میں تھی اور جب میری آنکھ کھلی تو میں نے خود کو ان

ویران پہاڑیوں پر پڑا پایا۔ اس وقت میری حالت کیا تھی۔ شاید میں اسے بیان نہ کرسکوں، بے شمار وسوسوں نے مجھے گھیر رکھا تھا۔ آخر اسی سیاہ رات میں ایک عورت نے مجھے سہارا دیا نہیں تو میں یقیناً گھٹ گھٹ کر مر جاتی۔ اب بھی جب میں اس دن کے واقعے پر غور کرتی ہوں تو یہ تمام باتیں مجھے خواب کی باتیں لگتی ہیں، آج تک میں اس راز کی تہ نہ پاسکی کہ میں اتنی طویل بے ہوشی کی حالت میں کیسے زندہ رہی؟'' وہ ایک ہی سانس میں رقت بھرے لہجے میں بولی۔

''تزئین! خدا نے تمہیں بچالیا۔'' میں نے اس کی معصوم باتیں سنیں تو بے اختیار ہوکر اسے سینے سے لگالیا۔

تزئین میری اس وارفتگی پر کچھ جھجکی لیکن شاید جلد ہی اسے احساس ہوگیا کہ میرے جذبوں میں کوئی آلائش نہیں ہے۔ وہ تمامتر محبت سے میرے سینے میں جذب ہوگئی اور اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ ''مجھے آپ کا انتظار تھا۔'' اس نے روتے ہوئے کہا۔ ''مگر آپ کو میرا پتا کیسے چلا؟''

''میری جان! میری بیٹی! میں تمہاری عدم موجودگی میں بہت پریشان رہا۔ میں نے طے کرلیا تھا کہ تمہیں اس جہنم سے نکال کر رہوں گا۔ اس دن جب وہ لوگ تمہارا سودا کررہے تھے تو میں تمہارے گھر پہنچا تھا۔ وہاں مجھے معلوم ہوا کہ مجھ سے پہلے ہی کسی اور نے تمہاری عزت بچانے کی ٹھان لی ہے۔ تمہاری پُراسرار گمشدگی سے لکھنؤ میں ایک طوفان مچا ہوا ہے۔ تمہاری ماں نے جسے میں ناگن سمجھتا ہوں، میرے ساتھ بدترین سلوک کیا۔ مجھے جیل میں تمہارے، اپنی بیٹی کے اغوا کے سلسلے میں سزا کاٹنی پڑی۔'' میں نے تزئین کو ان تمام حالات سے آگاہ کیا جن کا میں شکار تھا۔ تزئین میرے پہلو سے لگی میری باتیں سن رہی تھی اور اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ جب میں اسے پوری داستان سنا چکا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ میں نے بڑی مشکلوں سے اسے دلاسا دیا۔

''پھر آپ یہاں کیسے آئے؟'' اس نے تجسس سے پوچھا۔

''یہ نہ پوچھو۔ بس قسمت میری حالت زار پر مہربان ہوگئی۔ تم سے ملنا مقدر تھا۔ تمہیں نہیں معلوم تزئین کہ تمہارے لئے میں نے کیا کیا خواب دیکھے تھے؟'' میں نے جذبات سے مغلوب ہوکر کہا۔

''قدرت نے مجھے جن حالات سے دوچار کیا ہے اسی میں بہتری ہے۔ اب میں لکھنؤ کی صورت بھی دیکھنا گوارا نہیں کروں گی۔ اس ویرانے میں بڑا سکون ہے۔ یہاں آکر مجھے اندازہ ہوا کہ کھلی فضا کتنی دلکش اور حسین ہوتی ہے۔''

تزئین کے اوسان بہت دیر میں درست ہوئے بہت دیر تک تو ہم ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھتے رہے اور مختلف قسم کے سوالات کرتے رہے شاید ہم دونوں کو یقین نہیں تھا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہیں۔ باتوں کی کوئی ایک سمت نہیں تھی۔ وہ شوق سے میرا چہرہ دیکھتی

اور میری باتوں کو سنتی رہی اور میں مسرت سے اس کے خوب صورت چہرے میں اپنی نرگس کو دیکھتا رہا۔ باتوں باتوں میں میں نے نرگس کے بارے میں بتایا تو وہ پھر آبدیدہ ہوگئی۔ وہ بچوں کی طرح مجھ سے ضد کرنے لگی کہ اب میں اسے اپنے ساتھ ہی رکھوں۔ جب دل کی ان کیفیات کا خوب اظہار ہوچکا تو مجھے کچھ ہوش آیا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ ''تم کہاں رہتی ہو؟''

''یہاں سے کچھ فاصلے پر اوپر کی جانب ایک جھونپڑی ہے جہاں میں اور وہ عورت رہتی ہے جس نے مجھے اس ویرانے میں سہارا دیا تھا۔ پہاڑی کا یہ حصہ بالکل ویران رہتا ہے حالانکہ یہاں ہر جگہ سبزہ ہے، پانی ہے مگر کوئی ادھر نہیں پھٹکتا۔ صرف وہ عورت یہاں رہتی ہے اور اب اس کے ساتھ میں بھی ہوں۔ قدرت نے شاید اس دیوی کو میری نگہداشت کے لئے مقرر کیا تھا۔'' تزئین اس عورت سے اپنی وابستگی کا شدید اظہار کرتے ہوئے بولی۔

''دیوی؟'' میں نے چونک کر کہا۔

''جی ہاں۔ وہ ایک دیوی ہے۔ وہ ہمیشہ مجھے دیوی ہی نظر آئی۔ میں نے اس کے ساتھ یہ دن گزار کر زندہ رہنے کا سبق حاصل کیا ہے۔ وہ صبح و شام عبادات میں مصروف رہتی ہے۔'' تزئین نے اس کا تذکرہ احترام اور اشتیاق سے کیا۔

''کیا وہ عورت کوئی ہندو ہے؟'' میں کلدیپ کی موجودگی کا یقین کرلینا چاہتا تھا۔

''ہاں۔'' تزئین نے میرا ہاتھ تھام کر اوپر کی جانب بڑھتے ہوئے کہا۔ ''مگر وہ ایک عظیم عورت ہے۔ آیئے میں اس دیوی [illegible] آپ کو ملواتی ہوں۔''

اب بہت سے اسر[illegible] مجھ پر آشکار ہو رہے تھے۔ کلدیپ کی عظمت کا خیال کرکے میرے خون میں غیر معمولی جوش پیدا ہوا۔ میں اسے دیکھنے کے لئے بڑی بے چینی سے اوپر چڑھ رہا تھا۔ کلدیپ نے ہزاروں میل دور رہ کر بھی میرا خیال رکھا اور یہ بات طے ہے کہ کلدیپ ہی کی پُراسرار قوت نے تزئین کی مدد کی تھی، میرے خیال کے زاویے پھیلتے اور سمٹتے رہے۔ مجھے ایک طمانیت حاصل ہورہی تھی کہ اب مجھے کلدیپ کا قرب حاصل ہے۔ کلدیب جو پریتم لال جیسے بڑے پجاری کی جانشین ہے۔ میں نے اس پہلو پر پہلے کیوں غور نہیں کیا تھا؟ اس کا مجھے بہت افسوس تھا۔ بہرحال اب میں کلدیپ کے پاس بے تابانہ جا رہا تھا۔ ہم پہاڑی راستوں سے گزرتے ہوئے اوپر کی جانب ایک مسطح حصے پر پہنچے تو وہ جھونپڑی دیکھ کر قلب کی حالت غیر ہوگی۔ یہ ساری جگہ میری جانی پہچانی تھی۔

''وہ سامنے رہا میرا خوب صورت گھر۔'' تزئین نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''ہرچند کہ دو کمروں پر مشتمل اس ٹوٹے پھوٹے مکان میں لکھنؤ کی پختہ حویلیوں جیسی شان و شوکت نہیں لیکن یہاں ایک سکون ہے، ٹھہراؤ ہے۔''

''میں سمجھ رہا ہوں تزئین! تم نے نفس کی پاکیزگی کا عرفان حاصل کرلیا ہے۔ جو ترنم یہاں کے جھرنوں کے گرتے ہوئے پانی میں ہے، وہ لکھنؤ کی کثیف اور آلودہ فضا میں کہاں؟ یہاں آکر تم نے دیکھا ہوگا کہ شہر کے لوگ اپنے اردگرد نمائش سجائے ہوئے ہیں اور اپنی ان نمائش گاہوں میں مضطرب رہتے ہیں۔'' پھر میں نے اس سے پوچھا۔ ''تزئین تم نے اس عورت کا نام نہیں بتایا؟''

''اس کا نام کلدیپ ہے۔ ہے نا خوبصورت نام؟'' تزئین نے آگے قدم بڑھاتے ہوئے میری طرف دیکھ کر کہا۔

''بہت خوب صورت، مگر اس نے تمہاری نگہداشت میں کوئی کمی تو نہیں کی؟'' میں نے شوخی سے پوچھا۔

''کمی؟'' تزئین نے حیرت سے کہا۔ ''وہ ہر اعتبار سے عظیم ہے، پہلے تو مجھے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے جھجک ہوئی لیکن بعد میں پتا چلا کہ اس کے دل میں کتنی پاکیزگی ہے۔''

میں نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔ میں عجیب ذہنی کیفیتوں سے دوچار آگے بڑھا اور جھونپڑی میں داخل ہوگیا۔ کلدیپ مرگ چھالا پہ آنکھیں بند کئے ساکت و جامد حالت میں بیٹھی تھی۔ میں نے ایک عرصے بعد اسے دیکھا تھا، اس لئے بے حد محبت سے اس کے سراپا کا جائزہ لینے لگا۔ میرے دل میں لطیف احساسات پیدا ہو رہے تھے۔ کلدیپ آج بھی نہایت حسین اور جاذب نظر تھی بلکہ پہلے سے زیادہ نکھر گئی تھی۔ اس کا چہرہ تنفس کی مشق سے سرخ ہو رہا تھا۔ گیروے رنگ کے لباس میں وہ آسمان کی کوئی پری یا حور معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے شعلہ رنگ بدن میں وہی پہلے جیسی برق سامانیاں تھیں۔ البتہ چہرے پر ایک تقدس، جلال اور کیفیت تھی۔ یہ غالباً اس کی مسلسل ریاضت کا نتیجہ تھا۔ میں دنیا و مافیہا سے بے خبر کھڑا کلدیپ کا چہرہ تکتا رہا۔ ماضی کی کتنی ہی حسین یادیں ابھر کر ذہن کے پردے پر عریاں ہوئیں۔ یہ پونا کے ایک دولت مند تاجر کی بیٹی کلدیپ تھی جو مجھے ریس کورس اور پونا کلب میں ملی تھی اور وہیں اپنا سب کچھ مجھ پر لٹا چکی تھی۔ اس نے پہلی بار محبت کا عہد کیا تھا اور اب تک نبھا رہی تھی۔ پونا کے بڑے بڑے دولت مند تاجر اس کی رفاقت کے لئے منصوبے باندھتے تھے، مجھے رقص کرتی ہوئی، مہذب، تعلیم یافتہ کلدیپ کی یاد آئی جس کی گفتگو میں بلا کی شائستگی تھی اور جو گھڑ دوڑ کی شائق تھی۔ وہ الٹرا موڈرن لڑکی میسور کی دور افتادہ پہاڑیوں میں دیوی کا روپ دھارے برداشت اور ضبط کی مشق کر کے ماورائی قوتوں کی امین ہوگئی تھی۔ میں نے عقیدت سے اسے دیکھا۔ کلدیپ کے چہرے پر ملکوتی مسکراہٹ ابھر کر گہری ہونے لگی۔ اس نے آہستہ سے آنکھیں کھول کر میری جانب نظر کی۔ اس کی آنکھوں میں مقناطیسی کشش تھی۔ میرا دل چاہا کہ میں اسے مرگ چھالا سے اٹھالوں لیکن تزئین کی موجودگی کے باعث میں ضبط کئے رہا۔ اسی لمحے کلدیپ نے ہونٹوں کو جنبش دی اور اس کی مترنم آواز میرے کانوں میں رس گھول

گئی۔ ''آؤ جمیل خان! پدھارو۔''

میں نے ایک نظر تزئین پر ڈالی پھر آگے بڑھ کر کلدیپ کے قریب بیٹھ گیا۔ تزئین نے میرا تعارف کرانے کی کوشش کی تو کلدیپ نے اسے ٹوکتے ہوئے پیار سے کہا۔ ''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ تم بھول گئیں تزئین، جب تم یہاں آئی تھیں تو میں نے تمہیں بھی تمہارے نام سے پکارا تھا۔''

''میں اپنی غلطی پر شرمسار ہوں دیدی۔'' تزئین نے جلدی سے کہا۔

''منش اگر غلطی نہ کرے تو دیوتا ہو جاتا ہے۔'' کلدیپ نے مسکراتے ہوئے کہا پھر میری جانب اشارہ کر کے بولی۔ ''آج ہماری کٹیا میں ایک مہمان کے چرن آئے ہیں۔ تزئین تم ان کا سواگت کرو، ان کے لئے کچھ کھانے کو لاؤ جب تک میں ان سے باتیں کرتی ہوں۔''

تزئین الٹے قدموں باہر نکل گئی۔ اب کمرے میں، کلدیپ اور میں تنہا رہ گئے۔ میں مسکراتے ہوئے کلدیپ کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ بات کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ آگے بڑھ کر اس کی آغوش میں اپنا سر رکھ دوں لیکن ایک جھجک سی تھی پھر بھی میں نے شدت جذبات میں اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''کلدیپ! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کہاں سے گفتگو کا آغاز کروں۔ تمہیں دیوی کہوں، تمہاری عظمت کے گیت گاؤں یا تمہیں اپنی پہلی جیسی کلدیپ سمجھوں؟ شاید تم مجھے بھولی نہیں ہوگی۔''

''مجھ گناہ گار کو شرمندہ نہ کرو جمیل! کلدیپ تمہارے لئے صرف کلدیپ ہے۔ میں تمہیں کیسے بھول سکتی ہوں۔'' کلدیپ نے مسکرا کر کہا۔

''میں تمہارا مجرم ہوں۔ تم سے معافی کا خواستگار ہوں۔ جب سے تم سے رخصت ہوا، بہت کم سکون ملا۔ میں تمہیں بھول گیا تھا۔'' میں نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

کلدیپ معنی خیز لہجے میں بولی۔ ''کیا تم اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کرنے یہاں آئے ہو۔''

''نہیں، لیکن جب سے تمہارا نام ذہن میں آیا، مجھے احساس ہوا کہ میں کتنی بڑی غلطی کا مرتکب ہو رہا ہوں۔ ویسے تمہارے پاس آنے میں میری غرض کو دخل ہے۔ میں کسی طرح تمہارے لائق نہ تھا۔ تمہاری محبتوں کا جواب دینا میرے امکان سے باہر تھا۔'' میں نے جذباتی لہجے میں کہا۔

کلدیپ نے میری بات کاٹ دی۔ ''مجھے سب معلوم ہے، میں جانتی ہوں جمیل! تم یہاں کس غرض سے آئے ہو۔ مجھے یہ بھی خبر ہے کہ تمہیں میرے پاس آنے کا مشورہ مالا رانی نے دیا تھا۔'' کلدیپ نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''تم حالات کے جنگل میں پھنس کر کلدیپ کو بھول گئے لیکن وشواس کرو جمیل! کلدیپ نے تمہیں ایک پل کو بھی فراموش نہیں کیا۔''

کلدیپ کا جواب سن کر میرا چہرہ ندامت سے جھک گیا۔ میں نے گفتگو کا رخ بدل کر کلدیپ کو

اپنی بپتا سنانی شروع کی لیکن میں بھول گیا کہ کلدیپ کو سب کچھ معلوم ہے۔ بہرحال وہ خاموشی سے میری داستان سنتی رہی۔ اس طرح شاید وہ میرا دل رکھنا چاہتی تھی۔ جب میں خاموش ہوا تو اس نے اپنے مخصوص، دھیمے اور شیریں لہجے میں پوچھا۔ ''تم نے مجھے جو کچھ بتایا ہے میں اس سے زیادہ جانتی ہوں۔ کیا تزئین کی یہاں موجودگی اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ میں تم سے کبھی غافل نہیں رہی؟''

''حیرت ہے، مجھے شبہ تک نہیں ہوا کہ تم نے اس کی مدد کی ہوگی لیکن کلدیپ یہ کس طرح ممکن ہوا کہ تم تزئین کو لکھنؤ سے یہاں تک لے آئیں اور کسی کو مطلق خبر نہ ہو سکی۔'' میں نے تعجب سے پوچھا۔

''ان چکروں میں نہ پڑو جمیل! مقام حاصل کرنے کے لئے من مارنا پڑتا ہے۔ مجھے جو کچھ پراپت ہوا ہے۔ وہ صرف تمہاری اور پریتم لال مہاراج کی کرپا سے حاصل ہوا ہے۔ تم نے مجھے یہاں تک لانے کا احسان کیا اور میں ایک دھرماتما پریتم لال سے مل لی۔'' کلدیپ نے محبت سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''لیکن کلدیپ یہاں تمہارا دل اکتاتا تو ہوگا؟ باہر کی باتیں یاد تو آتی ہوں گی۔ کبھی کبھی من چٹکیاں تو لیتا ہوگا؟'' میں اب اس سے کھل کر باتیں کر رہا تھا۔

''من ہمیشہ فریب کھاتا ہے۔ میں نے جو کچھ پایا ہے، وہ بہت بڑا انعام ہے۔'' کلدیپ اپنے لہجے میں چھپی ہوئی حسرت نہ چھپا سکی۔

تزئین کے واپس آجانے سے ہماری گفتگو کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ تزئین میرے لئے ابلی ہوئی سبزیاں اور پھل لے کر آئی تھی۔ میں نے سیر ہو کر کھایا اور ہم تینوں ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ تزئین نے مجھے دوسرا کمرا دکھایا جہاں اس کا قیام تھا۔ یہاں پیال کے فرش کے سوا کوئی اور چیز نہیں تھی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ تزئین جیسی لڑکی جو نرم و نازک بستروں کی عادی ہو، وہ کیسے اس کھردری زمین پر جاتی ہے۔ میں اس پیال پر دراز ہوگیا۔ تزئین میرے پاس بیٹھی ہوئی کلدیپ اور اس کی شفقتوں کے بارے میں بتاتی رہی۔ اس غریب کو کیا معلوم تھا کہ کلدیپ کبھی میرے دل کی دھڑکنوں کا نام تھی یا یوں کہئے کہ کبھی میں کلدیپ کے دل کی دھڑکن تھا۔ میں دل ہی دل میں مسکرا کر ہوں، ہاں کرتا رہا پھر تزئین کے جانے کے بعد سو گیا۔ آٹھ روز کی مسلسل تھکن نے مجھے خوب سلایا۔ بہت دنوں بعد میں نے سکون سے ایک رات گزاری۔

دو روز پلک جھپکتے بیت گئے۔ تزئین اور کلدیپ ہمہ وقت میری پذیرائی میں لگی رہتیں۔ میں تزئین کے ساتھ دور جنگل میں نکل جاتا اور واپسی پر ہم تینوں ساتھ مل کر کھانا کھاتے۔ کلدیپ کا زیادہ وقت اپنے گیان دھیان میں صرف ہوتا۔ کلدیپ سے تنہائی میں بات کرنے کا کوئی موقع نہیں مل رہا تھا۔ تیسرے روز جب تزئین جھرنے کی طرف گئی تو میں نے کلدیپ سے بدری نرائن کا ذکر چھیڑ دیا۔

نے اسے بتایا کہ جب تک وہ منحوس پنڈت زندہ ہے، میری زندگی تلخ رہے گی۔

کلدیپ نے میری باتیں سننے کے بعد سنجیدگی سے کہا۔ ''جمیل، مجھے معلوم ہے کہ اس کے من میں تمہاری طرف سے کتنا کھوٹ بھرا ہے اور اس کے وچار کیا ہیں۔ پرنتو ہر بات وقت پر ٹھیک ہوتی ہے۔ وقت ابھی دور ہے۔ تمہیں انتظار کرنا ہوگا لیکن اگر تم نے جگدیو مہاراج کا کہا مان لیا ہوتا تو اس وقت حالات کچھ اور ہوتے۔''

''غلطیاں تو زندگی بھر ہوتی رہی ہیں کلدیپ! یہ بتاؤ اب کیا، کیا جائے۔ کیا اب کچھ نہیں ہو سکتا؟'' میں نے مضطرب ہو کر پوچھا۔

''مایوس ہو مت جمیل! مجھے معلوم ہے کہ تم نے کتنے دکھ اٹھائے ہیں۔ تمہاری اور مالا رانی کی حفاظت کرنا میرا دھرم ہے لیکن ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ بدری نرائن اپنی سزا کو پہنچے۔'' کلدیپ نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''تمہیں اتنا حواس باختہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو ہونا ہے وہ تو ہو کر ہی رہے گا۔''

''کلدیپ، شاید تم یہ بات محسوس نہ کرو مگر سچ تو یہ ہے کہ جب سے انکا گئی ہے، میں ذہنی عدم توازن کا مریض ہو گیا ہوں۔ انکا میری ضرورت بن گئی تھی۔ اب میں خود کو بے دست و پا محسوس کرتا ہوں۔ کیا تم میرے لئے ایک کام نہیں کر سکتیں؟ تم مجھے کسی طور پر انکا واپس لا دو۔ اگر تم کوئی ایسا جاپ شروع کر دو تو چالیس دن کے اندر اندر تم انکا کو حاصل کر سکتی ہو۔ تمہارے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔''

''انکا سے بہت پیار ہے تمہیں؟ مگر انکا تو بڑی ہرجائی ہے۔ وہ طوطا چشم ہے۔'' کلدیپ نے شوخی سے کہا۔

''ہاں وہ ہرجائی ہے مگر مجبور بھی تو ہو جاتی ہے، وہ جس کی غلام ہو جاتی ہے پھر اسی کی ہو جاتی ہے۔'' میں نے کہا۔

''مگر جمیل، میں انکا کا جاپ نہیں کر سکتی۔ اس لئے کہ میری نگاہیں اگر پابند ہو جائیں تو بڑا غضب ہو جائے گا۔ میں خود کو محصور کر کے اپنی ذمہ داریوں سے کیسے کنارہ کشی کر لوں؟'' کلدیپ نے الجھتے ہوئے کہا۔

''میری سمجھ میں تمہاری بات نہیں آ رہی ہے۔ میرا خیال ہے تم آج ہی انکا کے حصول کا جاپ شروع کر سکتی ہو اور اس طرح بدری نرائن کا غرور توڑ سکتی ہو۔'' میں نے زور دے کر کہا۔

''اس وقت یہ ممکن نہیں ہے کہ انکا تمہیں مل جائے۔ میں نے تم سے کہا نا کہ وقت سے پہلے بہت سی باتوں کے لئے مت اصرار کرو۔''

میں کلدیپ کے لہجے سے سہم سا گیا اور خاموش ہو گیا پھر کچھ دیر بعد میں نے خود ہی سکوت توڑا۔ ''انکا کی موجودگی سے ڈھارس بندھی رہتی تھی۔ اب میں خود کو خالی خالی محسوس کرتا ہوں۔ یہ انکا ہی کا کرم تھا کہ اس نے مجھے تم سے ملوایا تھا۔ یاد ہے تمہیں؟''

''مجھے سب کچھ یاد ہے جمیل! ایسی باتیں بھول کون سکتا ہے؟'' کلدیپ جذباتی لہجے میں بولی۔ ''مگر وہ باتیں ایک خوب صورت خواب کے سوا اور کچھ نہیں تھیں۔ تم بھی وہ باتیں بھول جاؤ۔ میں نے اپنی ایک اور دنیا بنالی ہے۔ دنیا سے میرا رشتہ صرف اتنا ہے کہ تم اس دنیا میں رہتے ہو۔ تم نے مالا رانی کو جیون ساتھی بنالیا ہے۔ اب ان باتوں کی تکرار سے کیا حاصل!''

بیتی باتوں کا ذکر چلا نکلا تو فضا بوجھل سی ہو گئی۔ کلدیپ شاید ماضی میں کھو گئی تھی لیکن فوراً ہی اس نے خود پر قابو پایا اور کہنے لگی۔ ''انکا کسی نہ کسی صورت سے تمہارے پاس آجائے گی۔''

کلدیپ کی اس یقین دہانی کا یقیناً کوئی مطلب تھا، میں سمجھ گیا کہ وہ اس سلسلے میں جلد ہی کوئی مثبت قدم اٹھائے گی پھر میں نے کلپنا کا ذکر چھیڑا تو کلدیپ بولی۔ ''تم اسے اپنی انکا کا نعم البدل سمجھو۔ مہان شکتیوں نے اسے تمہاری سہائتا کے لئے جنم دیا ہے۔ جب تمہارے دکھ کے دن بیت جائیں گے تو کلپنا کا کام بھی ختم ہو جائے گا۔''

''مگر کلدیپ وہ وقت کب آئے گا جب بدری نرائن کے عتاب سے مجھے نجات ملے گی۔ میں اب تھک چکا ہوں۔'' میں کسی نہ کسی طرح بار بار بدری نرائن کا ذکر درمیان میں لے آتا تھا۔

''جمیل! کالی کی بھگتی نے اسے مغرور بنا دیا ہے لیکن اسے ایک دن پچھتانا پڑے گا۔ حالات ضرور بدلیں گے۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ اتنی جلد پلک جھپکتے ہی یہ تماشا ختم ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا ممکن ہوتا تو کیا کلدیپ تمہاری مدد سے گریز کرتی۔''

''آج کل وہ کہاں ہے؟'' میں نے دریافت کیا۔ ''کلپنا سے آمنا سامنا ہونے کے بعد وہ مجھے نظر نہیں آیا۔''

''وہ بدبخت کلپنا کا راز جاننے کے لئے بیاکل ہے اسی لئے اس نے انکا کو تمہارے سر پر بھیجا تھا مگر اسے مایوسی ہوئی۔''

''تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بدری نرائن کلپنا کی شکتیوں کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔''

''نہیں...... تم غلط سمجھ رہے ہو۔ پُراسرار قوتیں ایک دوسرے کے ساتھ الجھنے سے گریز کرتی ہیں۔ تاوقتیکہ انہیں دیوتاؤں کی تائید حاصل نہ ہو جائے۔ کلپنا نے اپنے متعلق اتنی احتیاط کر لی تھی کہ اس کی حیثیت بدری نرائن کی نظروں سے روپوش رہے۔ اس لئے انکا اور بدری نرائن دونوں اس سے لاعلم رہے۔''

''کہیں کلپنا اور جگدیو مہاراج ایک ہی شریر کے دو روپ تو نہیں ہیں۔'' میں نے اپنے شبہے کی تصدیق چاہی۔

کلدیپ نے ٹالتے ہوئے کہا۔ ''میں اتنی ساری باتیں نہیں بتا سکتی۔ سمے آنے دو۔''

''صرف ایک بات اور، کیا کلپنا مجھے دوبارہ مل سکے گی؟''

''ہاں اگر تم پر بھگوان نہ چاہے، کوئی بپتا نہ پڑی تو وہ ضرور تمہاری مدد کرے گی۔''

''کلدیپ۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ میں کلپنا سے خود بھی کسی تپسیا کے بغیر مل لیا کروں۔''

''کیوں؟'' کلدیپ نے تیزی سے پوچھا۔

''یوں ہی۔'' میں نے شرارت سے کہا۔ ''وہ بہت حسین ہے، اسے دیکھنے اور اس سے باتیں کرنے کو دل تڑپتا ہے۔''

''تمہارا من ابھی تک سندر ناریوں سے بھرا نہیں؟'' میں نے ایک ایسی بات کہہ دی تھی کہ کلدیپ اپنے تمام جوگ تپسیا کے باوجود ہنس پڑی۔

''کبھی کبھی اچھی چیزیں دیکھنے اور اچھی صورتوں سے ملنے کو جی چاہتا ہے۔''

''اب ان شرارتوں سے باز آجاؤ!'' کلدیپ نے مجھے پیار سے گھورتے ہوئے کہا۔ ''مالا رانی جیسی سندر پتنی کے ہوتے تمہیں دوسری عورتوں کے بارے میں نہیں سوچنا چاہئے۔''

''یہ تم کہہ رہی ہو؟'' میں بدستور شوخی سے بولا۔ ''کیا تمہیں یاد نہیں کہ تم نے نرگس کے ہوتے ہوئے بھی میری داسی بننے کی خواہش ظاہر کی تھی۔'' میں کلدیپ کو اور قریب کرنے کے لئے پچھلی باتوں کا اعادہ کرنا چاہتا تھا۔

اس وقت مجھے اتنی سوجھ بوجھ کہاں تھی؟'' کلدیپ نے کسی قدر شرما کر کہا۔

حیا کی سرخی نے اس کا پنڈا گلنار کر دیا تھا، میری محبوبہ کلدیپ میرے ساتھ رہتی تھی اور میں اس کے قریب دوسرے کمرے میں سوتا تھا۔ اس کی شیریں باتیں سن کر اور اس کا حسین چہرہ دیکھ کر مجھے وہ دن یاد آجاتے تھے جب کلدیپ میرے ساتھ رہا کرتی تھی۔ یہاں آکر شروع شروع میں تو میں اس کٹیا اور یہاں کے ماحول کے خوف سے لئے دیئے رہا لیکن جب کلدیپ سے بہت سی باتیں ہوئیں اور اس نے اپنے جاہ و جلال کے باوجود میری پذیرائی میں کوئی کمی نہ کی تو میرے اندر کی جھجک ختم ہو گئی۔ اس عرصے میں کئی بار میرے بازو اسے آغوش میں لینے کے لئے تڑپے اور اب جب کہ گفتگو ایسے مرحلے میں داخل ہو گئی جہاں کلدیپ جھجکنے اور شرمانے لگی تو میں اٹھا اور پھر میں نے کسی بات کا خیال نہیں کیا اور بڑھ کر کلدیپ کو سینے سے لگا لیا۔ کلدیپ کسمسانے لگی۔ ''یہ پاپ ہے۔ جمیل! مجھ سے دور ہٹو۔''

''نہیں کلدیپ۔ یہ پاپ نہیں ہے، پریم ہے، پاپ نہیں ہے۔'' میں نے اس کے کسمسانے اور

تڑپنے کے باوجود اس کے یاقوتی ہونٹوں پر اپنی شدتوں کی مہر ثبت کردی۔ کلدیپ کسی زخمی ہرنی کی طرح تڑپتی رہی اور میں اپنے بے ربط جملوں اور اپنی بے ہنگم حرکتوں کے ساتھ اس سے اظہار محبت کرتا رہا۔ کلدیپ مہان شکتی ہونے کے باوجود ایک عورت تھی، گوشت پوست کی عورت۔ میں نے اس کے اندر کی چھپی ہوئی دوشیزہ کو آواز دی تو اس کے جذبات میں ہلچل مچ گئی۔ وہ گوشت پوست کی عورت اپنے محبوب کے لمس کی گرمی سے پگھلنے لگی۔ وہ منع کرتی رہی لیکن میں نے اسے بولنے کا موقع نہیں دیا۔ میں نے اس کے ہونٹوں پر پہرے بٹھا دیئے۔ میں نے اس کے مچلتے بازوؤں کو اپنے سخت بازوؤں سے شکست دے دی اور جب وہ پوری طرح میرے سینے سے لگ گئی اور مجھے اس کا سانس اکھڑتا ہوا محسوس ہوا تو میں نے نرمی اور شگفتگی سے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرا اور اپنے وحشی انداز میں ملائمت پیدا کردی۔ کلدیپ میرے سینے سے نہیں ہٹی۔ شاید اسے احساس ہو گیا تھا کہ میرا مقصد اس کنیا کو آلودہ کرنا نہیں بلکہ صرف مجھے اپنے جذبات کا اظہار مقصود ہے۔ میرے نرم اور شیریں رویئے سے اس کے چہرے پر ایک سکون سا پیدا ہوا اور اس نے اپنا سر میرے سینے سے ٹکا دیا۔ اس کی خود سپردگی کے انداز میں ایک وقار تھا۔

اس کے لبوں کی چاشنی میرے جسم میں گھلی تو مجھے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا دوبھر ہو گیا۔ کلدیپ کے اندر جو آتش فشاں موجود تھا، وہ میری حرارت پا کر بھڑکنے کے لئے بے چین تھا۔ اس نے بے خودی کے عالم میں میرے بال پکڑ لئے۔ میں نے اس کی سرشاری دیکھ کر اسے خود سے اور قریب کر لیا لیکن اس مز... اور سرشاری میں وہ اچانک تڑپ کر بجلی کی طرح میرے پاس سے ہٹ گئی، اس کی آنکھیں شعلے اگلنے لگیں۔ وہ اپنا نچلا ہونٹ شدت سے چبانے لگی۔ اس کے چہرے پر شدید غم و غصے کے آثار تھے۔ میں ایک لمحے کے لئے سہم گیا۔ اس کے انداز میں وحشت تھی۔ مجھے گمان ہوا کہ کلدیپ میری جذباتی حرکات سے ناراض ہو گئی ہے۔ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور میں نے دبی زبان سے کہا۔ ''کلدیپ تمہیں دیکھ کر خود پر قابو نہ رہا۔ میں ماضی میں گم ہو گیا تھا۔''

کلدیپ نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے تھے۔ وہ نڈھال سی ہو کر گر پڑی اور اس نے اپنا سر تھام لیا۔ اس کیفیت سے میں اور نادم ہوا اور میں نے نرم لہجے میں کہا۔ ''آئندہ ایسی غلطی کا اعادہ نہیں ہو گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔''

''جمیل! ان باتوں سے کیا فائدہ؟'' کلدیپ نے رندھی ہوئی آواز میں جواب دیا اور پھر دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا کر سسکنے لگی۔

''کلدیپ، کلدیپ!'' میں نے تڑپ کر کہا۔ ''تمہیں دیوی دیوتاؤں کا واسطہ۔ مجھے معاف کردو۔ میری نیت بری نہیں تھی۔ اپنے آنسو پونچھ ڈالو۔ یہ میرے دل میں نشتر بن کر چبھ رہے ہیں۔''

میری التجا کے جواب میں کلدیپ کی سسکیاں اور تیز ہو گئیں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ

اچانک اس پر یہ کس قسم کا دورہ پڑ گیا ہے؟ کیا اسے پریتم لال کی آتما نے سرزنش کی ہے؟ آخر کیا بات ہے؟ میں نے بجھی ہوئی آواز میں کہا۔ ''میں ہاتھ جوڑتا ہوں، کلدیپ اپنے آنسو روک لو۔ میں نے تمہارا پوتر شریر چھو کر بھول کی ہے۔ تم اس کے عوض جو چاہو سزا دے لو لیکن مجھ سے روٹھو نہیں۔ مجھے معاف کردو۔ تمہیں مالا رانی کی سوگند۔''

میرا یہ جملہ اثر کر گیا۔ کلدیپ نے مالا رانی کا نام سن کر جلدی سے آنسو پونچھ ڈالے لیکن اس کا چہرہ بدستور غضب ناک رہا۔ چند ثانیوں تک وہ خود سے الجھتی رہی اور مجھے گھورتی رہی۔ ابھی میں اس سے مزید کچھ کہنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اس نے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ ''بدری نرائن کی بربادی کا سمے آ گیا جمیل! میں تمہیں بتا دوں گی کہ اس کا انجام کتنا بھیانک اور عبرت ناک ہو گا۔ میں اسے ایسا شراپ دوں گی کہ اس کی آتما تک بیاکل رہے گی۔''

کلدیپ کے منہ سے اس وقت بدری نرائن کا نام سن کر میرا ماتھا ٹھنکا۔ کوئی اندرونی خوف میرے دل کو کچوکے لگانے لگا۔ میں نے کلدیپ سے پوچھا۔ ''تمہیں اس وقت وہ منحوس پنڈت کیسے یاد آ گیا۔''

''جمیل! صرف چند لمحوں کی چوک ہو گئی۔ مجھے زندگی بھر اس کا قلق رہے گا۔ مجھے اپنے نفس کے فریب کی اچھی سزا ملی۔'' کلدیپ نے قہر آلود لہجے میں کہا۔ ''وہ ہماری بھول سے فائدہ اٹھا گیا۔ ہم نے اسے موقع فراہم کر دیا کہ وہ اپنا وار کر سکے۔ تمہاری بانہوں میں سمٹ کر میں اپنے ماضی میں چلی گئی تھی۔ بس اسی ایک پل کا وہ دشٹ منتظر تھا۔ وہ پاپی اسی لمحے وار کر گیا۔ اس کے گندے بیر مالا رانی کی تاک میں بیٹھے تھے۔ میری نظر اوجھل ہوئی تو انہوں نے اپنا کام کر دیا۔''

''کیا! کلدیپ کیا۔'' میں چیخ پڑا۔ کلدیپ کے آخری جملے کا مفہوم سمجھ کر مجھے ایسا لگا جیسے زمین میرے پیروں تلے سے نکل گئی۔ میرا سارا وجود لرز کر رہ گیا۔ ذہن میں بھونچال سا آ گیا۔ آنکھوں کے نیچے گھپ اندھیرے لپک اٹھے۔ میں نے کلدیپ کو ایک ہاتھ سے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ ''تم کیا کہہ رہی ہو کلدیپ۔ اس موذی شخص نے میری مالا رانی کو بھی مجھ سے جدا کر دیا۔''

''ہاں جمیل! وہ ہماری غفلت سے اپنا وار کر گیا۔''

''مالا!'' میں نے ایک فلک شگاف چیخ ماری اور دیوانوں کی طرح اٹھ کر باہر کی طرف بھاگا۔ مالا کے مرنے کی اندوہناک اطلاع نے مجھ پر جنون طاری کر دیا تھا۔ مجھے کچھ ہوش نہیں تھا کہ میں کس سمت جا رہا ہوں۔ اس ناقابل برداشت سانحے کی خبر نے میرے دل و دماغ معطل کر دیئے تھے۔ میں اپنے آپ میں نہیں تھا۔ میری زندگی میں اب باقی کیا بچا تھا جو میرے حواس برقرار رہتے۔ میری دنیا لٹ چکی تھی۔ میں پاگلوں کی طرح بھاگتا ہوا نیچے اتر رہا تھا کہ اچانک مجھے ٹھوکر لگی اور میں پتھروں پر الٹ گیا۔ نہ جانے وہ کسی چوٹ کا اثر تھا یا میرے صبر کی قوتیں جواب دے گئی تھیں، میرے حواس سے میرا رشتہ ٹوٹ

گیا۔

مجھے مطلق علم نہیں کہ میں کس طرح اپنے چچا جان کے مکان پر پہنچا۔ جب میری آنکھیں دیکھنے کے قابل ہوئیں تو میں نے خود کو چچا جان کے گھر میں اپنی بہنوں اور بھائی کے درمیان گھ دیکھا۔ ہوش آنے پر میں نے مالا کا نام لے کر چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ پھر مجھ پر وحشت کا دورہ پڑا او دوبارہ بے ہوش ہو گیا۔ ایک ہفتے تک میری یہی حالت رہی۔ گھر والے میری مخدوش حالت پریشان تھے اور مجھے طرح طرح کے حکیموں اور ڈاکٹروں کو دکھا رہے تھے۔ میں جب بھی ہوش میں چچا جان اور بہنوں کو قریب پاتا اور جب چچا جان مجھے صبر کی تقلین کرتے تو زخم اور ہرے ہو جاتے۔ کی یاد میں پہروں آنسو بہانے کے سوا مجھے کوئی کام نہ تھا۔ میں اپنی بدقسمتی پر جتنا بھی ماتم کرتا کم تھا۔ دس بارہ روز بعد میری حالت کچھ سدھری۔ میں پہلی فرصت میں کلدیپ کے پاس واپس جانا تھا تاکہ بدری نرائن کو کتے کی موت ماروں۔

چلنے پھرنے کے قابل ہونے کے بعد سب سے پہلے میں چچا جان کے ہمراہ قبرستان گیا ج میرے ارمانوں کی لاش، میری مالا دفن کی گئی تھی۔ فاتحہ پڑھنے کے بعد پھر گریہ طاری ہو گیا۔ میں کا تعویذ پکڑ کر اس سے اپنا سر ٹکرانا شروع کر دیا اور چیخنے لگا۔ ''تمہارا خون رائگاں نہیں جائے گا۔ تمہارا خون رائگاں نہیں جائے گا۔'' چچا جان نے مجھے اپنے ناتواں جسم کے پورے زور سے ہٹا کوشش کی تو میں نے انہیں بھی دھکا دے دیا۔ آخری بڑی مصیبت سے وہ مجھے گھر لانے میں کام ہو سکے۔

لکھنؤ سے میرا دل اچاٹ ہو گیا تھا۔ میں نے واپس میسور جانے کی ٹھان لی، اب یہی ارادہ تھ بدری نرائن کو ختم کر کے اپنی زندگی کے آخری دن کلدیپ کی پہاڑی پر گزار دوں۔ چچا جان اور بہ نے روکنے کے لئے بہت اصرار کیا مگر آخر میری ضد کے آگے انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ آخر مجھے سے وعدہ کرنا پڑا کہ میں جلد ہی ان کے پاس واپس گھر آؤں گا۔ گھر سے نکل کر میں سیدھا اسٹیشن جانب چل پڑا۔ لکھنؤ کی دیواریں، دکانیں، سڑکیں اور مکانات ان سب سے مجھے نفرت ہو رہی تھی میرا دل چاہتا تھا کہ ان سب کو مسمار کر دوں۔ اسٹیشن کے قریب جب میں تانگے سے اتر رہا تھا تو دفعتاً نے میرا نام لے کر پکارا۔ آواز مانوس تھی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو سادھو جگدیو میری پشت پر موجود اس کے چہرے کے اداس تاثرات دیکھ کر میں نے اندازہ لگایا کہ اسے حالات کا علم ہو چکا ہے۔ اندازہ غلط نہیں تھا۔ جگدیو نے میرے قریب آتے ہی کہا۔ ''بالک! تیرے اوپر جو بیتی ہے، اس کا افسوس ہے۔ میں منڈل میں بیٹھا ہوا تھا اس لئے باہر نہیں آ سکتا تھا۔ میری موجودگی میں وہ یہ جرات کر سکتا تھا۔ مالا رانی میرے منتر پر تیم لال کی نشانی تھی۔ اس کا دکھ مجھے کم نہیں ہوا۔ پرنتو یہ سب بھاگیہ

کھیل ہیں۔ تمہیں اب صبر و ہمت سے کام لینا ہوگا۔''

''مہاراج!'' میں نے جگدیو کے لہجے کا تاثر محسوس کر کے کہا۔ ''اس کا قاتل تو میں ہوں۔ تم منڈل میں بیٹھے ہوئے تھے اور دوسری طرف کلدیپ کو میں نے غافل کر دیا۔ اب میرے اندر صبر کا یارا نہیں ہے، مجھے اس کا خون چاہئے۔ اس کمینے نے پہلے نرگس کو اپنے ستم کا نشانہ بنایا پھر انکا کو چھینا اور اب مالا کو مار ڈالا۔ مہاراج! اب تو میری سہائتا کرو۔''

''بالک! تیرے من میں جو جوالا مکھی سلگ رہا ہے، میں اسے دیکھ رہا ہوں۔ بدری نرائن نے مجھے بھی للکارا ہے۔ میں تیری سہائتا کرنے پر تیار ہوں پرنتو تجھے ابھی انتظار کرنا ہوگا۔'' جگدیو نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔ ''بدری نرائن نے کالی کے مندر سے باہر آتے سمے دیوی سے دو موسموں کی رکشا دان مانگی تھی جسے دیوی نے بدری نرائن کے جاپ سے خوش ہو کر منظور کر لیا تھا۔ جب تک یہ مدت پوری نہ ہو لے، ہم اسے کشٹ نہیں دے سکتے۔''

جگدیو کی زبانی یہ احوال سن کر میرا چہرہ لٹک گیا۔ کلدیپ نے بھی مجھ سے یہی کہا تھا کہ ابھی بدری نرائن سے انتقام لینے کا وقت نہیں آیا ہے۔ گویا ابھی مالا رانی اور نرگس کے قاتل کو ایک بڑی مدت تک کھلی چھٹی حاصل تھی۔ میں چند لمحے پیچ و تاب کھاتا رہا پھر کچھ سوچ کر بولا۔ ''مہاراج! اگر وہ دیوی کی دان کی ہوئی مہلت ختم ہونے سے پہلے ہی دوبارہ مندر میں جا چھپا تو کیا ہوگا؟''

''اس کی چنتا مت کر بالک! اس کا اپائے بھی ہو جائے گا۔ بدری نرائن اب کالی کے مندر میں نہیں چھپ سکے گا۔'' جگدیو نے پُریقین لہجے میں کہا۔ ''اور میں تمہیں وشواس دلاتا ہوں کہ اس عرصے میں وہ تمہیں کوئی نقصان بھی نہیں پہنچائے گا۔''

میں جگدیو کی بات سن کر خاموش ہو گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ مجھے رہ رہ کر اپنی اس نادانی کا خیال آ رہا تھا جو میں نے کلدیپ کے ساتھ کی تھی۔

''جو کچھ بیت چکا اسے بھول جاؤ بالک! منش بنو اور اپنے شریر میں حوصلہ برقرار رکھو۔'' جگدیو نے مجھے شفقت آمیز لہجے میں کہا۔ ''میری بات مانو تو سمندر پار کسی جگہ چلے جاؤ۔ وہاں تمہارا غم بھی غلط ہو جائے گا اور تمہارے ٹوٹے ہوئے ہاتھ کا علاج بھی ہو جائے گا۔''

''اب ٹوٹے ہوئے ہاتھ کا علاج کرا کے کیا کروں گا مہاراج؟'' میں نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

''جیون سے نراش ہونا پاپ ہے میرے بچے!'' جگدیو نے مجھے پیار سے مخاطب کیا۔ ''کون جانے آج کے اندھیرے کل پھر روشنی میں بدل جائیں۔ تم نے پہلے میری بات مانی ہوتی تو آج یہ حالات نہ ہوتے۔''

جگدیو دیر تک مجھے نصیحتیں کرتا رہا۔ اس کے لہجے میں پہلی بار میں نے شفقت اور نرمی دیکھی تھی میں روتا رہا اور مجھے وہ سمجھاتا رہا۔ اس کا مشورہ نہ مان کر میں اس حالت کو پہنچ گیا تھا۔ جب جگدیو نے مجھے دوسری بار ملک سے باہر جانے کا مشورہ دیا تو میں انکار کی جرات نہ کرسکا۔ یوں بھی میرے لئے سارے علاقے ایک جیسے تھے۔ آدمی کا دل دکھا ہوا ہو تو علاقوں کی تبدیلی کیا حیثیت رکھتی ہے؟ یہاں قدم قدم پر ٹھوکریں نصیب ہوئی تھیں پھر میں نے بجھے دل سے اپنی رضامندی کا اظہار کیا تو جگدیو مجھے آشیرباد دیتے ہوئے بولا۔ ''سدا سکھی رہو بالک! تم نے میری بات رکھ کر میرا مان بڑھایا ہے۔ میں اس سے تمہیں کچھ دان کرنا چاہتا ہوں۔''

میں نے وضاحت طلب نظروں سے جگدیو کی طرف دیکھا تو ایک لمحے کے لئے اس کے چہرے پر مسکراہٹ چھا گئی لیکن دوسرے ہی لمحے ہی وہ پُرسکون اور پُروقار انداز میں مخاطب ہوا۔ ''بالک! تم نے یہ نہیں پوچھا کہ جب تم کلپنا کی تلاش میں اس کی کٹیا تک گئے تھے تو میں وہاں کس جاپ میں مگن تھا؟ میں نے بدری نرائن سے انکا کو چھین لیا ہے۔ میں تمہاری انکا رانی کو حاصل کرنے کے لئے جاپ کررہا تھا۔ دیوی دیوتاؤں کی مرضی یہی تھی کہ میں ایسا کروں۔''

''مہاراج!'' میں نے وفور مسرت سے کہا۔ انکا کا نام سن کر میری حالت متغیر ہوگئی۔ میں نے سادھو جگدیو سے پوچھا کہ انکا اب کہاں ہے؟ لیکن اس سے پہلے کہ میں اپنے دل کی بات زبان پر لاتا مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے انکا میرے سر پر واپس آ گئی ہے۔ میں نے سر کی جانب نظر اٹھائی تو انکا واقعی وہاں موجود تھی۔

''میں نے اسے بدری نرائن سے چھین لیا ہے میرے بچے!'' جگدیو کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔ ''اب یہ کھلونا سنبھال کر رکھنا۔ یہ مالا رانی کا غم بڑی حد تک دور کردے گی۔''

میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں کس زبان سے سادھو جگدیو کے احسان کا شکریہ ادا کروں۔ اس نے تو حد ہی کردی تھی۔ اس نے انکا جیسی انمول طاقت اس طرح میری جھولی میں ڈال دی تھی جیسے کوئی بہت معمولی چیز ہو لیکن اس نے مجھے شکرگزاری کے الفاظ ادا کرنے کا موقع نہیں دیا۔ وہ فوراً ہی میری نظروں سے اوجھل ہوگیا اور میں اسے چہار سمت آواز دیتا رہا۔

''وہ جاچکا ہے۔'' انکا نے مجھ سے کہا۔ میں نے اپنے سر کی جانب نظر کی۔ وہاں انکا بیٹھی ہوئی تھی۔ سادھو جگدیو میری نظروں سے اوجھل ہوچکا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ اس نے چالیس روز تک ایک کٹھن جاپ کرکے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی اور پھر انکا جیسی پُراسرار طاقت کو یوں میری جھولی میں ڈال دیا جیسے وہ اس کے لئے کوئی معمولی چیز ہو۔ یہ اتنا بڑا احسان تھا جس کی توقع میں نے کبھی سادھو جگدیو سے نہیں کی تھی۔ میں نے جب انکا کو اپنے سر پر محسوس کیا تو میری مسرت کی انتہا نہ رہی۔ میرے

محسن نے مجھے شکریئے کا موقع بھی نہیں دیا اور بڑی بے نیازی سے کہیں روپوش ہوگیا۔ زمانے کے جبر اور ستم کے اتنے مشکل دن گزارنے کے بعد انکا پھر میرے سر پر آ گئی تھی۔ اس سے اس وقت باتیں کرتے ہوئے کچھ جھجک سے محسوس ہورہی تھی۔ شکووں شکایتوں کا ایک دفتر تھا لیکن یہ پرانی بات ہوگئی تھی۔ انکا کے چہرے پر سنجیدگی مسلط تھی۔ میں نے نگاہ اوپر اٹھا کر دیکھا تو اس نے اپنی نظریں جھکا لیں۔ شرمندگی اور ندامت کا احساس اس کے چہرے پر نمایاں تھا۔ کچھ دیر یوں خاموش رہی پھر میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے سکوت توڑا۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ ''انکا کیسی ہو؟''

''وہ کسمسا کر بولی۔ ''ٹھیک ہوں۔''

''اس قدر خاموش کیوں ہو؟ کیا تمہیں دوبارہ میرے پاس آنے کی خوشی نہیں ہوئی؟''

''جمیل!'' انکا نے نظریں نے اٹھائیں۔ اس کی دراز پلکوں کے گوشے نم تھے۔ اس کے نرم و نازک ہونٹ کچھ کہنے کے لئے کپکپا رہے تھے۔ اس کی آواز میں بڑا درد تھا۔ میں نے اس کی مجبوری سمجھتے ہوئے آزردہ لہجے میں کہا۔

''نہیں نہیں، مجھے احساس ہے کہ تم کتنی مجبور تھیں۔ تم حالات کی غلام ہو لیکن تمہاری جدائی نے مجھ پر کیا ستم توڑے، کیا ظلم ڈھائے، یہ داستان بہت دردناک اور طویل ہے۔''

''مجھے معلوم ہے جمیل! مجھے مت بتاؤ۔'' انکا نے سرد آہ بھر کر کہا۔ ''کاش دوسروں کے سر پر جانے کے بعد میرے بس میں کچھ ہوتا۔''

''کتنے بڑے انقلابات آئے ہیں میری زندگی میں۔ مالا رانی کی موت نے میری کمر توڑ دی ہے۔ وہ معصوم لڑکی خواہ مخواہ قربان ہوگئی۔ اس کا خون میری گردن پر ہے۔ آخر یہ ظالم بدری نرائن میرے گھر کے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے؟'' میں نے کرب سے کہا۔

''بدری نرائن نے نرگس کو اس لئے ختم کیا تھا کہ تم نے وعدے کے مطابق مجھے اس کے حوالے کرنے سے انکار کردیا تھا اور مالا رانی کو اس وجہ سے ختم کیا ہے کہ وہ سمجھتا تھا پریتم لال کی شکتی کی امان میں تم اسی وقت تک رہ سکتے ہو جب تک مالا زندہ ہے۔ پریتم لال کی شکتی کا مضحکہ اڑانے اور اسے خوفزدہ کرنے کا اس سے بہتر اور کون سا موقع مل سکتا تھا مگر جمیل! میرا وعدہ ہے کہ تم بدری نرائن کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھو گے۔ اس کا حشر تمہاری توقعات سے کہیں زیادہ بھیانک ہوگا۔ کچھ دن کی بات اور ہے۔''

انکا کی ہمدردی نے دل کا غبار کسی حد تک دور کردیا۔ میں نے اس سے اپنے دل کا احوال ایک بچے کی طرح بیان کیا اور انکا مجھے تسلیاں دیتی رہی۔ جگدیو کا خیال درست تھا کہ انکا مالا رانی کا غم بڑی حد تک دور کردے گی۔ میں اسٹیشن کے قریب کھڑا دیر تک انکا سے باتیں کرتا رہا۔ ہم دونوں اس طرح ملے جیسے

برسوں کے بچھڑے ہوئے عزیز ہوں۔ گفتگو نہ جانے کہاں سے کہاں تک ہوئی۔ جب میں سب کچھ کہہ سن چکا تو انکا نے پوچھا۔ ''اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟ اس وقت تم کہاں جا رہے ہو؟''

''کہاں جاتا۔ لکھنو سے دور چلا جانا چاہتا تھا۔ اس شہر نے بڑے دکھ درد دئے ہیں۔'' میں نے افسردگی سے کہا۔ ''یہاں کے گلی کوچوں سے نفرت ہوگئی ہے۔ میرے بس میں ہوتا تو میں اس شہر کو آگ لگا دیتا۔ اب یہاں کے در و بام کاٹنے کو دوڑتے ہیں۔ ہر طرف مالا رانی کا چہرہ نظر آتا ہے۔ ہوائیں قریب سے گزرتی ہیں تو مالا رانی کی سسکیوں کی آواز سنائی دیتی ہے۔ مجھے جگد یو مہاراج نے مشورہ دیا ہے کہ میں اس شہر سے دور چلا جاؤں، اس ملک سے دور، سمندر پار۔''

''تمہارے دل پر جو گزری ہے اس کا مجھے احساس ہے مگر میں تمہارے پاس آ چکی ہوں۔ تمہاری کنیز انکا، تمہاری غلام انکا، تمہاری محبوب انکا۔ میری جان اپنے دل سے تکدر دور کر دو۔ میری طرف دیکھو۔'' انکا نے جذباتی لہجے میں کہا۔ ''تمہیں ابھی لکھنو نہیں چھوڑنا چاہئے۔ نہ معلوم کہ پھر کبھی یہاں آنا ہو یا نہ ہو۔ پھر اس شہر رنگ و بو کو تم یاد کیا کرو گے۔ اس وقت تم اپنے گھر میں اپنے عزیزوں کے درمیان رہو گے تو خوش رہو گے۔ گھر سے زیادہ سکون اور تمہیں کہیں نہیں مل سکتا۔''

''مگر وہاں ہر وقت مالا رانی کی یاد آتی ہے۔'' میں نے بے تابی سے کہا۔

''جمیل، مالا رانی اب ایسی جگہ جا چکی ہے جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔ تمہیں اسے بھولنا ہوگا۔ اس کی عمر اتنی ہی تھی۔ تقدیر کا لکھا پورا ہوا۔ تم اسے یاد کر کے اس کی روح کو مضطرب کرو گے۔ چلو گھر چلو۔'' انکا نے اصرار کیا۔

''گھر؟ کس کا گھر انکا! اب وہاں وحشت برستی ہے۔ میں جتنے دنوں وہاں رہا، کانٹوں پر لوٹتا رہا۔'' میں نے بے دلی سے کہا۔

''تم نہیں مانتے تو نہ مانو لیکن جمیل، اس شہر نامراد کو اس طرح چھوڑ کر نہ جاؤ۔ تم اپنے وعدے بھی بھول گئے؟ تم اپنے اگلے پچھلے حساب بے باق کرنے کے بعد یہاں سے روانہ ہو تو تم کہیں بھی سکون سے رہ سکو گے۔ جب تمہیں یہاں کے لوگ اور ان کے ستم یاد آئیں گے تو تمہارا کیا حال ہوگا۔ یہاں کے زخم تمہارے ساتھ رہے تو پھر بے چینی محسوس کرو گے۔''

میں انکا کے چہرے پر چھائی ہوئی سنجیدگی کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کی سرخ آنکھیں اس بات کی غماز تھیں کہ وہ اس وقت شدید غصے اور رنج کی کیفیت سے دوچار ہے۔ میں اتنا مرجھایا ہوا تھا کہ اس کی باتوں کا مفہوم نہ سمجھ سکا۔ وضاحت کی خاطر دریافت کیا۔ ''تمہارے کیا ارادے ہیں؟ کھل کر بات کرو۔''

''جمیل! میرے ارادے تمہارے ارادوں کے تابع ہیں لیکن میں دیکھ رہی ہوں کہ اس بار تم بالکل

ٹوٹ چکے ہو۔ مالا رانی کی اچانک موت کے صدمے نے تمہارے دل و دماغ پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ تمہاری توانائی، شوخی اور شرارت سب کچھ رخصت ہو گیا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ تم اس طرح اداس نہ رہو۔ تم اشرفی بیگم جیسی بدکردار عورت کو کس پر چھوڑ کر جا رہے ہو؟ تم نواب بجن علی کو کس طرح بھول گئے ہو؟ تم نے اس کے سامنے جو کچھ وعدے کئے تھے۔ بجن علی کے شب و روز وہی ہیں۔ وہ اب بھی اپنی حویلی میں حسن و نشاط کا بازار گرم کئے ہوئے ہے۔ کیا تم لکھنو سے یوں ہی چلے جاؤ گے؟ اپنے ان دشمنوں کو کھلی چھٹی دے کر۔ ناظم علی بھی اسی شہر میں موجود ہے۔ یاد ہے تمہیں، اس نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟ یہاں لکھنو میں تمہارے چچا اور بہن بھائی رہتے ہیں۔ تم انہیں کس کے پاس چھوڑ کر جا رہے ہو؟ یہاں سے جانا ہے تو دل ٹھنڈا کر کے جاؤ۔ بجن علی کا سرخ و سپید چہرہ دیکھ کر میرے منہ میں پانی بھر آتا ہے۔'' انکا نے سفاکی سے کہا۔

''انکا، میں ان سب کا خون پینے کے لئے تڑپتا ہوں لیکن پھر سوچتا ہوں کہ ان باتوں سے کیا حاصل ہوگا؟ میرا سب سے بڑا دشمن بدری نرائن زندہ ہے۔ اب میں تھک چکا ہوں، مجھے سکون چاہئے۔'' میں نے بے زاری سے کہا۔

''یہ بات تمہارے سکون ہی کے لئے کہہ رہی ہوں۔ سب کا حساب صاف کرتے جاؤ۔ یہ قرض اتار دو گے تو دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ اپنے آپ کو ہنگاموں کا عادی بناؤ۔ زندگی اس طرح نہیں گزرتی جس طرح تم سوچ رہے ہو۔ میری مانو تو گھر چلو...... وہاں بہت سے لوگ تمہارے منتظر ہیں۔''

انکا نے کچھ اس انداز سے میری غیرت کو جھنجوڑا کہ مجھے محسوس ہوا جیسے میں گہری نیند سے بیدار ہو گیا۔ ماضی کی تلخ یادوں کے زخم پر انکا کی باتوں کا نشتر اتنا کاری ثابت ہوا کہ میرا خون تیزی سے گردش کرنے لگا۔ مالا کے مرنے کے بعد ایک بے مقصدیت سی طاری ہوگئی تھی۔ انکا نے انتقام کے شعلے بھڑکا کر میرے سرد جذبات میں گرمی پیدا کر دی۔ میرے سینے میں جلن سی ہونے لگی۔ وہ مجھے پرانی باتیں یاد دلا رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا۔ جمیل احمد خان! زندگی کا کیا بھروسہ، کل بہت بے اعتبار چیز ہے۔ جو آج ہے وہ کل نہیں۔ جو کل ہوگا ضروری نہیں کہ اس کا تعلق آج سے ہو۔ اب انکا موجود ہے اس لئے ان لوگوں کو ٹھکانے لگاتے چلو جنہوں نے کبھی تمہارا جینا حرام کر دیا تھا۔ جنہوں نے تمہاری عزت پر ہاتھ ڈالا تھا۔ اصولاً مجھے جگد یو کے مشورے کے مطابق یہاں سے چلا جانا چاہئے تھا لیکن کچھ دنوں کے قیام کے بعد بھی کہیں جایا جا سکتا تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ بیرون ملک روانگی سے پہلے ترنین اور کلدیپ سے مل لوں۔ میرے پاس جو کچھ سرمایہ تھا وہ کب تک رہتا؟ ختم ہو چکا تھا۔ چچا جان کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہوئے شرم آتی تھی۔ کلدیپ کی کٹیا پر زر و دولت کی حیثیت بے معنی تھی لیکن انکا کی آمد کے بعد سارے مسئلے خود بخود حل ہو گئے تھے۔ انکا سونے کی کان نہیں جس میں ہاتھ ڈال کر جتنا چاہیں سونا نکال لیں۔ روپے

حاصل کرنے کے لئے انکا کو فعال ہونا پڑتا تھا۔ میں نے ایک فیصلہ کیا اور جذبات انگیز لہجے میں انکا سے بولا۔ ''انکا! تمہارا خیال صحیح ہے کہ مجھے یہاں سے اس طرح نہیں جانا چاہئے۔ اب تم نے اس آگ کو ہوا دی ہے تو پھر یہ قصہ نمٹا کر ہی کہیں چلیں گے۔''

''مجھے یقین تھا جمیل! تم میری بات رد نہیں کرو گے۔'' انکا میرا جواب پا کر خوشی سے بولی۔ ''میرے علاوہ جگدیو کا آشیرباد بھی تمہارے ساتھ ہے۔ جہاں جہاں تمہارے قدم پڑیں گے وہاں کی زمین خوف و دہشت سے تھرا جائے گی۔''

''جگدیو مہاراج نے بڑا کرم کیا جو تمہیں حاصل کر کے میرے حوالے کر دیا۔ میں ان کا یہ احسان تازندگی نہیں بھول سکتا۔ البتہ اس بات سے جی ڈرتا ہے کہ کہیں تم مجھ سے روٹھ کر......''

''اب ایسا ناممکن ہے میرے آقا!'' انکا نے میرا جملہ کاٹتے ہوئے کہا۔ ''جگدیو کی شکتی کا کیا ٹھکانا۔ اس نے جاپ کر کے مجھے پنڈت بدری نرائن سے حاصل کیا اور پھر تمہیں دان کر دیا۔ ایک بات یاد رکھو کہ میرا ماہر منتر والا پجاری جاپ کرنے سے پہلے یہ اطمینان ضرور حاصل کر لیتا ہے کہ میں کس شکتی کے پاس ہوں۔ اگر وہ شکتی اس سے بڑھ کر ہے تو وہ ایسی حماقت نہیں کرتا۔ تربینی داس کوئی بڑا پنڈت نہیں تھا۔ اس نے جب مجھے تمہارے پاس دیکھا تو آسانی سے جاپ شروع کر دیا اور مجھے حاصل کر لیا۔ بدری نرائن نے بھی یہی کیا۔ بدری نرائن سے سادھو جگدیو یا اس کے برابر کی کوئی شکتی ہی مجھے حاصل کر سکتی تھی۔ اب سادھو جگدیو نے مجھے حاصل کر لیا ہے تو یہ بات آسان نہیں رہی، اس سے بڑی یا کم سے کم اس کے برابر کی شکتی ہی میرے بارے میں سوچ سکتی ہے اور اسے میرے حصول کی کیا ضرورت پڑی ہے اس لئے کہ اس کے پاس خود اپنی شکتی کیا کم ہوتی ہے، سمجھے!''

''سمجھا۔'' میں نے اطمینان کا سانس لے کر کہا۔ ''لیکن انکا، اب آرام سے گزر بسر ہو جائے تو ٹھیک ہے۔ تقدیر کی ان گردشوں کا سلسلہ ختم ہو جانا چاہئے...... کسی جگہ جا کر تو ہمیں ٹھہرنا پڑے گا؟ یہ سلسلہ کب تک چلتا رہے گا؟''

''اطمینان رکھو۔ میں اب تمہارے ساتھ ہوں، تمہارے لئے یہی احساس کافی ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم ہیں۔ نہ تمہیں میرے بغیر چین آتا ہے، نہ مجھے تمہارے بغیر۔ تمہاری ذات میری عدم موجودگی میں ادھوری ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ میری تخلیق تمہاری وجہ سے ہوئی تھی۔''

انکا کی باتیں اتنی جاں فزا اور پُراسرار تھیں کہ میں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ میں گھر کی طرف واپس چل پڑا۔ اس ارادے میں بھی انکا کے مشورے کو دخل تھا ورنہ میں اس لمحے نواب بن علی کی حویلی کا رخ کرتا۔ میرے چچا اور بھائی بہن میری واپسی پر بے حد خوش ہوئے اور اسی لمحے آؤ بھگت میں مصروف ہو گئے جیسے میں بہت دنوں بعد آیا ہوں۔ میں نے پھر اپنے لئے وہی کمرا منتخب کیا جس میں مالا اور میں نے

اپنی زندگی کے سب سے دلکش دن گزارے تھے۔ در و دیوار میں مالا کے جسم کی مہک اور اس کے قہقہے رچے بسے تھے۔ میں نے الماری کھولی اور اس کے کپڑوں پر نظر ڈالی تو بے اختیار دل بھر آیا اور میں ہچکیوں سے رونے لگا۔ اس کے کپڑے سونگھے تو میری حالت غیر ہو گئی۔ انکا مجھے تسلی اور دلاسے دیتی رہی۔ جب میری حالت بہت زیادہ خراب ہو گئی تو رخسانہ اور دوسرے بھائی بہن کمرے میں آ گئے۔ انہوں نے مجھے سنبھالا دیا۔ سارا دن اداسی میں گزر گیا۔ رات آ گئی، مالا کی یاد دل سے نہ گئی۔ انکا نے بہت باتوں میں لگایا۔ جھجکتے جھجکتے بازار حسن چلنے کی ترغیب دی۔ مجھے اپنا ہوش کہاں تھا؟ جب میں نے انکا سے دریافت کیا کہ بدری نرائن نے میری امنگیں کس طرح روندی تھیں تو انکا ٹال گئی۔ میرا اصرار حد سے بڑھا تو اس نے مجھے اداس لہجے میں بتایا۔ ''جمیل، شاید میں نے تمہیں یہاں لا کر غلطی کی ہے۔ تم اتنی آسانی سے مالا کو نہیں بھول سکتے۔ مجھ سے مت پوچھو کہ بدری نرائن نے کس طرح تمہاری خوشیوں کا گلا گھونٹا ہے۔ اب یہ ذکر چھوڑو۔''

''نہیں، مجھے بتاؤ انکا! کیا تم اس میں شریک تھیں؟'' میں نے ہذیانی انداز میں پوچھا۔

''میں اس وقت محض مجبور و بے بس تھی میرے آقا! بدری نرائن کسی چالاک چیتے کی طرح مالا رانی کی گھات میں لگا بیٹھا تھا۔ اس نے اپنی شکتی کے زور سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ کچھ پُراسرار قوتوں نے مالا رانی کے گرد حفاظتی جال بن دیا ہے جسے توڑنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس کے باوجود وہ ایک لمحے کے لئے بھی غافل نہیں ہوا۔ جس روز مالا کو اس نے ظلم کا نشانہ بنایا، اس روز وہ صبح ہی سے بے چین تھا۔ وہ بار بار منتر پڑھتا اور پُراسرار طاقتوں کو آواز دیتا۔ پھر اس کے بیروں نے اسے ایک لمحے یہ اطلاع دی کہ مالا رانی کے گرد وہ پُراسرار دھند غائب چھٹ چکی ہے۔ اس نے فوراً اپنی کالی طاقتوں کی مدد سے ایسا بھرپور وار کیا کہ تمہاری خوشیوں کا چراغ پل بھر میں بجھ گیا۔''

انکا کی زبانی ان حالات کی تفصیل سن کر میرا دل تڑپ اٹھا، آنکھوں سے ساون بھادوں کی جھڑی لگ گئی۔ میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس عالم میں، میں نے انکا کو مخاطب کیا۔ ''انکا! مجھے اندازہ ہے کہ تمہاری حیثیت کیا تھی لیکن کیا مالا کو اپنے جور و ستم کا نشانہ بناتے وقت تمہارے دل کو دھچکا نہیں لگا؟''

''جمیل!'' انکا بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''وہ کمینہ پنڈت بڑا چالاک اور عیار واقع ہوا ہے۔ مالا رانی کے سلسلے میں اس نے میرے بجائے اپنے بیروں کی شکتی سے کام لیا تھا۔ اسے خدشہ تھا کہ شاید میں اس کے حکم کی تعمیل نہ کر سکوں۔ حالانکہ یہ اس کا وہم تھا، وہ مجھے جو بھی حکم دیتا میرے لئے اس سے انکار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔''

''یعنی تم مالا کو مار ڈالتیں؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں مجھے ایسا کرنا پڑتا۔'' انکا نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

''اف!'' تم اپنے محبوب کی امانت ختم کر دیتیں؟'' میں نے رندھی آواز میں کہا۔

''میں اور کیا کرتی؟ مگر اب ان باتوں سے کیا حاصل؟ جمیل! میری خاطر صبر کرو۔'' انکا نے ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔

☆......☆......☆

ممکن ہے میری سرگزشت کے یہ حصے مضبوط اعصاب کے لوگوں کو گراں گزریں لیکن جنہوں نے مصیبتیں جھیلی ہیں اور دکھ درد اٹھائے ہیں، انہیں میرے کرب کا احساس ہوگا۔ میرا کرب، میری ذات، درد، میری گردشیں، میرے گناہ اور میرے مصائب ایسے نہیں ہیں کہ عام انسان تصور کر سکیں۔ ایک کے بعد ایک حادثہ، یکے بعد دیگرے امتحان اور آزمائش کا سلسلہ، عجیب و غریب واقعات۔ انسان کے اند شکست و ریخت کے یہ مرحلے، اہل دل انہیں محسوس کریں گے۔ حادثات نے جنہیں گھیر رکھا ہے، ان دل اس میں دھڑکتا ہوگا۔ میں انکا کے مشورے پر دوبارہ اپنے چچا جان کے گھر چلا آیا، وہاں پہنچ کر میر سکون کا ایک پل بھی نہیں گزار سکا۔ دن بھر خالی خالی سا اپنی بہنوں کے درمیان رہتا۔ انکا نے لاکھ اصرا کیا کہ میں باہر نکلوں لیکن مالا رانی کے چالیسویں کے بعد ہی میں نے کہیں باہر جانے کے لئے سوچا، اس عرصے میں انکا بھی مضمحل سی رہی۔ بار بار مجھے سمجھاتی رہی، جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں، میرے پاس روپے کی کمی تھی۔ جب تک گھر میں رہا، خاموش پڑا رہا۔ چچا جان کا کاروبار خاصا چل رہا تھا۔ چالیسویں کے بعد میں باہر نکلا، میں یہ قصہ مختصر کر رہا ہوں۔ انکا نے دو تین ہی دن میں میرے لئے ایسے اسباب پیدا کر دئے کہ روپے کی کمی نہ رہی۔ انکا کے لئے کوئی بات مشکل نہ تھی۔ وہ مجھے آسودہ رکھنے کیلئے ایسے علاقوں میں لے گئی جہاں روپے کا الٹ پھیر ہوتا تھا۔ میں ہر بازی جیت گیا۔ جب میں رات کو لدا پھندا گھر واپس آتا تو مجھے روپے گننے میں زحمت ہوتی تھی۔ میں انہیں بے نیازی سے الماری میں ڈال دیتا۔ کسی بھی قمار خانے میں انکا میرے سر سے اتر جاتی اور میں بازیاں لگاتا۔ لوگ مجھے رشک و حسد کی نگاہوں سے دیکھتے اور میں مسکراتا ہوا وہاں سے چلا آتا۔ اتنے حادثات کے بعد مجھے اپنے چہرے پر درشتی محسوس ہوتی تھی۔ میں بہت چڑچڑا اور بدمزاج ہوگیا تھا۔ ذرا ذرا سی بات پر الجھ پڑتا۔ نرمی اور حلاوت مجھے متاثر نہیں کرتی تھی۔ سارے انسان مجھے ایک جیسے نظر آتے تھے۔ ظالم، بے رحم اور درندے۔ صرف گھر کے لوگ اچھے لگتے تھے اور ان سے اکثر رسمی باتیں ہوا کرتی تھیں۔ روپے کی اتنی افراط کے بعد میں نے ایک ہفتے کے اندر اندر چچا جان کا مکان بیچ کر ان کے لئے ایک خوب صورت علاقے میں جدید طرز کی ایک کوٹھی خریدی۔ گھر پر چند ملازم بھی رکھے۔ مالی، باورچی، دربان، چھوٹے موٹے کام کرنے والے دو لڑکے، ایک نوکرانی...... نوکرانی کا ذکر بطور خاص کروں گا کہ اس کے ہاں صرف اچھے لباس کی کمی تھی۔ ناک نقشے میں خوب، عادت و اطوار میں یکتا اور زبان کی بڑی شیریں تھی۔

نام نفیس تھا، اسم بامسمیٰ تھا۔ میں اس ہفتے بہت مصروف رہا۔ نئے مکان کی خرید...... فرنیچر کی ترتیب، ملازمین کا تقرر، ایک ہفتے بعد کوٹھی کا رنگ بدل گیا۔ بہنوں کا مسرت سے برا حال تھا۔ چچا جان خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے اور حیرت سے یہ انقلاب دیکھ رہے تھے۔ اس کے علاوہ میں نے چچا جان کو ایک خاصی معقول رقم کاروبار میں اضافے کے لئے دے دی تاکہ وہ اس بڑی کوٹھی کا بار پوری طرح اٹھا سکیں۔ ان کاموں کی طرف سے اطمینان ہونے کے بعد کہ میری زندگی کا کیا بھروسا، میرے بعد یہ لوگ خوش رہیں اور پھلیں پھولیں میں نے ایک صبح بن علی کی حویلی کی طرف جانے کا ارادہ کیا لیکن انکا نے یہ مشورہ دیا کہ مجھے اپنے انتقام کی ابتدا ناظم علی سے کرنی چاہئے۔ اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ پہلے ناظم علی کو بھگتا جائے یا بن علی کو۔ انکا ایک منصوبے کے تحت ایسا سوچ رہی تھی۔ گھر والوں کے اصرار پر میں نے تھوڑا سا ناشتہ کیا اور کپڑے تبدیل کر کے مکان سے باہر آ گیا۔

جس وقت میں ناظم علی کے دفتر پہنچا، اس وقت وہ کسی فائل کے مطالعے میں غرق تھا۔ اس کے دفتر کے سنتری نے مجھے روکنے کی کوشش کی لیکن انکا نے اسے بے بس کر دیا۔ میں کسی مزاحمت کے بغیر اندر چلا گیا۔ ناظم علی خواب میں بھی یہ گمان نہیں کر سکتا تھا کہ میں اس انداز میں سینہ تانے اس کے سامنے پہنچ سکوں گا۔ چنانچہ خلاف توقع مجھے اپنے سامنے دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لئے ششدر رہ گیا۔ مگر دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ وہ مجھے نفرت بھری نظروں سے سرتاپا گھور کر رعونت سے بولا۔

''تم یہاں کس لئے آئے ہو؟''

''ناظم علی! مجھے خوشی ہے کہ تم نے مجھے جلد شناخت کر لیا، مجھے اپنا تعارف کرانے کی زحمت نہیں کرنا پڑی۔'' میں زہرخند سے بولا۔

ناظم علی کی پیشانی شکن آلود ہوگئی، کرخت آواز میں بولا۔ ''تمہیں میرے کمرے میں آنے کی جرات کیسے ہوئی؟ دفع ہو جاؤ، گیٹ آؤٹ۔''

''وقت وقت کا کھیل ہے ناظم علی! وہ وقت گزر گیا۔ اب تمہاری گردش کا وقت ہے۔ میں تمہارے لئے قہر بن کر آیا ہوں۔ میں نے معاف کرنا نہیں سیکھا ہے۔ تمہاری بدقسمتی سے میری یادداشت بہت تیز ہے۔'' میں نے بڑے اطمینان سے کہا۔ ''تم نے میرے آنے کا مقصد پوچھا ہے۔ سنو، تم نے اپنی طاقت اور عہدے کے نشے میں میری عزت و ناموس پر نگاہ اٹھائی تھی۔ میں قید و بند کی مشقتیں جھیل کر اب پھر تمہارے روبرو ہوں۔ اس زعم میں نہ رہنا کہ تم اس وقت مجھ پر حاوی ہوئے تھے، تم نے مجھے بے بس دیکھ کر ظلم و ستم توڑے تھے۔ میں لکھنؤ سے جا رہا تھا مگر پھر خیال آیا کہ اگر تمہارا حساب بے باق کئے بغیر لکھنؤ سے چلا جاؤں گا تو تمہیں شکایت ہوگی۔''

ناظم علی نے میرے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر خطرے کی اہمیت کا اندازہ لگا لیا۔ ایک پل کے لئے

اس نے مجھے گھورا پھر بڑی پھرتی سے اپنا سروس ریوالور نکال کر میرے سینے کا نشانہ لے کر بولا۔ ''تم نے اچھا کیا کہ خود ہی میرے پاس آ گئے۔ تمہیں تلاش کرنے کی زحمت مجھے نہیں اٹھانا پڑی۔ میرا خیال ہے تمہیں جیل کی آب و ہوا راس آ گئی ہے۔ یوں بھی تم جیسے خطرناک مجرموں اور شورہ پشت غنڈوں کو باہر کھلی ہوا میں زیادہ دن نہیں رہنا چاہئے۔''

میرے چہرے پر مسکراہٹ چھا گئی۔ انکا اس لمحے تیزی سے رینگ کر میرے سر سے اتر گئی۔ میں سمجھ گیا کہ اب ناظم علی کا برا وقت آ گیا ہے۔ میں ناظم علی کے اور قریب گیا اور زور سے اس کے ہاتھ پر اپنا واحد ہاتھ مارا، ریوالور اچھل کر دور جا گرا۔ ناظم علی کو کونے میں پڑا ہوا ریوالور اٹھانے کی جرات نہ ہو سکی۔ میرے بلاوے پر دوسرے ہی لمحے انکا میرے سر پر آ گئی۔ میں نے اسے دل ہی دل میں سمجھا دیا کہ میں کچھ دیر کے لئے خود ہی ناظم علی سے زور آزمائی کرنا چاہتا ہوں۔ انکا جز بز ہو کر خاموش ہو گئی۔ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، ایک زنانے دار تھپڑ ناظم علی کے گال پر رسید کر دیا۔ ناظم علی کو اس اچانک حملے کی توقع نہیں تھی۔ وہ بوکھلا گیا۔ اس کے ہاتھ پاؤں چلانے سے پہلے میں نے ایک اور زوردار طمانچہ رسید کیا جس سے خون کی ایک باریک لکیر اس کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔ ''کرسی پر بیٹھ جاؤ ناظم علی! زیادہ تیزی دکھانے کی کوشش مت کرو۔'' میں نے رعونت سے کہا۔ ''تمہارا برا وقت آ چکا ہے۔''

ناظم علی فوراً کرسی پر بیٹھ گیا اور اپنا منہ رومال سے صاف کرنے لگا۔ اس کے بیٹھتے ہی میں بھی اس کے سامنے والی کرسی پر دراز ہو گیا۔ میں نے اپنے لہجے کی کاٹ قائم رکھی۔ ''ناظم علی! ایک بار تم نے مجھ پر ظلم کی انتہا کر دی تھی، مجھے سوچنے کا موقع نہیں دیا تھا مگر میں اتنا ظالم نہیں ہوں۔ میں تمہیں وقت دیتا ہوں۔ اگر تم اپنے عزیز و اقارب کے لئے کوئی آخری پیغام دینا چاہو تو دے سکتے ہو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارا پیغام مطلوبہ شخص کو پہنچا دیا جائے گا مگر جلدی کرو۔ مجھے لکھنؤ سے جلدی جانا ہے۔ ابھی مجھے تمہاری والدہ اشرفی بیگم اور تمہارے باپ بن علی سے بھی ملنا ہے۔''

ناظم علی جو چند لمحے پہلے بڑا خونخوار نظر آ رہا تھا، اچانک ٹھنڈا پڑ گیا۔ اس کی آنکھوں میں سے خوف و دہشت کے آثار جھلک رہے تھے۔ اس کے چہرے کی رنگت پل بھر میں ہلدی کی مانند زرد ہو گئی۔ اس نے رحم طلب نظروں سے میری طرف دیکھا اور کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''خان صاحب! میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں نے تم پر ظلم کیا لیکن خدا گواہ ہے، اس میں میرے ارادے کو دخل نہیں تھا۔ اوپر سے مجھے حکم ہی ایسے ملے تھے۔''

''اوپر کے احکام؟ فضول باتوں سے پرہیز کرو ناظم علی! میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ تم اپنی آخری خواہش کا اظہار کرو۔'' میں نے حقارت سے جواب دیا۔ ناظم علی کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ اس کے چہرے پر موت کے سائے لرزنے لگے۔ اس نے ایک نظر ریوالور کی طرف دیکھا، اسے اٹھانے کی اس

میں جرات نہیں تھی۔ اس نے دروازے کی طرف نگاہ ڈالی تو میں نے ہنس کر کہا۔ ''اب کوئی تمہارے کام نہیں آ سکتا۔''

''مجھے معاف کر دو خان صاحب!'' اچانک وہ گڑگڑانے لگا۔ ''میں تمہارا گناہ گار ہوں، مجھ پر رحم کرو۔''

''رحم اور آپ پر ناظم علی صاحب! آپ جیسے بڑے عہدے دار پر؟'' میں نے نفرت سے کہا۔ ''وہ عیاری کے دن یاد ہیں، وہ ظلم یاد ہیں جو تم نے مظلوموں اور معصوم لوگوں کے ساتھ روا رکھے تھے؟''

ناظم علی کے چہرے کا رنگ ہر لمحے بدل رہا تھا۔ میں اس کی حالت سے لطف اٹھا رہا تھا۔ اس وقت میرے دل میں رحم کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ میں نے اس ظالم و جابر شخص کی رحم طلب نظروں کا پیغام سختی سے ٹھکرا دیا۔ ایک اٹل ارادے سے اٹھا اور فیصلہ کن انداز میں بولا۔ ''میں جا رہا ہوں ناظم علی! زیادہ باتیں کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ میرا دوسرا حکم تمہیں میرے جانے کے بعد ملے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری خودکشی کے گواہ سینکڑوں کی تعداد میں ہوں۔ حالات نے مجھے محتاط رہنے کا درس دیا ہے۔''

میں اتنا کہہ کر تیزی سے نکل گیا۔ مجھے قوی امید تھی کہ انکا کے پُراسرار وجود نے میرے دل میں ابھرنے والا ارادہ سمجھ لیا ہوگا۔ میرا اندازہ غلط ثابت نہیں ہوا۔ انکا میرے سر سے اتر گئی تھی۔ میں تھانے سے نکل کر سڑک کے دوسرے کنارے پر پہنچ گیا اور ہجوم میں گم ہو گیا۔ ابھی مجھے وہاں کھڑے ہوئے دس منٹ ہی گزرے تھے کہ میں نے ناظم علی کو تھانے کی عمارت سے پریشان، گریباں چاک، حواس باختہ باہر نکلتے دیکھا۔ سروس ریوالور ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس کے پیچھے دو پولیس والے بھی تھے جو غالباً اس کی مجنونانہ حالت سمجھنے کے لئے اس کے پیچھے پیچھے آ گئے تھے۔ سڑک پر ناظم علی نے حلق پھاڑ پھاڑ کر چلانا شروع کر دیا۔ وہ اپنے جرائم کا اعتراف اپنے اردگرد کھڑے ہوئے لوگوں کے سامنے کر رہا تھا وہ کہہ رہا تھا۔

''لوگو میں خود کو ختم کر رہا ہوں۔ میں نے متعدد بے گناہوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے ہیں۔ میں ایک مجرم ہوں، میرا نامہ اعمال سیاہ ہے۔ لاوارث بچوں کی کراہوں، معصوم لڑکیوں کی آہوں اور بے سہارا عورتوں کی فریادوں نے آج مجھے دیوانہ کر دیا ہے۔ میں تمہارے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ میں نے اپنے لئے سزا تجویز کر لی ہے۔ میں نے اپنے لئے سزا تجویز کر لی ہے۔ میں نے اپنے لئے سزا تجویز کر لی ہے۔ میں مر رہا ہوں، دیکھو...... یارو، میں مر رہا ہوں۔ تم گواہ رہنا دوستو! میں اپنے ضمیر کا فیصلہ تسلیم کرتا ہوں۔''

راہ گیروں کی اچھی خاصی تعداد ہکا بکا کھڑی سراسیمہ نظروں سے ناظم علی کو گھور رہی تھی۔ دونوں پولیس والے بھی دم بخود کھڑے تھے پھر اس سے پہلے کہ کوئی عام حالات کا اندازہ کر سکتا، ناظم علی نے

ریوالور کی نال کنپٹی پر رکھی اور لبلبی دبا دی۔ فضا میں ایک دھماکے کی آواز گونجی اور ناظم علی خون میں لت پت ہو کر سڑک پر ڈھیر ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک اس کی لاش تڑپتی رہی۔ ناظم علی کیفر کردار کو پہنچ گیا تھا۔ مجھے اس کے مرنے کا کوئی افسوس نہیں ہوا بلکہ ایک سکون سا محسوس ہوا۔ مجھے بے حس کہہ کر یاد کرنے والے حضرات سے صرف اتنی گزارش ہے کہ میں نے اپنے واقعات بے کم وکاست بیان کر دیئے ہیں۔ میرا خیال ہے شدید ظلم وتشدد سہنے کے بعد ایک ایسی منزل بھی آتی ہے جب انسان اتنا بے حس ہو جاتا ہے۔

چند لمحوں میں انکا میرے سر پر آ گئی۔ ''مجھے خوشی ہے جمیل کہ تم نے اس بار دوراندیشی سے کام لیا۔'' انکا نے سنجیدگی سے کہا۔ ''اگر تم تھانے کے اندر کوئی جذباتی قدم اٹھاتے تو حالات مختلف ہوتے۔ اب ناظم علی کے سلسلے میں تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔''

میں نے ایک پھیکی مسکراہٹ ہونٹوں پر بکھیر کر انکا کو دیکھا اور اپنی رفتار تیز کر دی۔ اب میرا رخ نواب بن علی کی حویلی کی طرف تھا۔ راستے میں، میں نے انکا سے کہا۔ ''انکا! ناظم علی کی موت سے کچھ لطف نہیں آیا۔''

''کیا مطلب؟'' انکا نے دیدے پھاڑ کر کہا۔ ''پھر تم کیا چاہتے ہو؟''

''میں جو چاہتا تھا وہی ہوا لیکن موت ہی تو انتقام نہیں ہے۔ یہ تو بہت آسان اور ہلکا سا نسخہ ہے۔ لمحوں میں اذیت ختم ہو جاتی ہے۔ موت تو آدمی کی اس وقت ہوتی ہے جب وہ خود اپنی نظروں سے گر جائے۔ جب اس سماج میں اس کے لئے کوئی جگہ نہ رہے۔ وہ اپنی زندگی میں رسوائیوں کا مزہ چکھے۔ میرا خیال ہے ناظم علی کو ہم نے سستا چھوڑ دیا۔'' میں نے بیزاری سے کہا۔

''تم بہت دلچسپ باتیں کر رہے ہو۔ چلو تمہیں بولنا تو آیا اسی لئے میں کہتی تھی کہ گھر سے نکل کر دیکھو۔ بہرحال بن علی کے سلسلے میں اس کا خیال رکھے جائے گا۔'' انکا نے چہک کر کہا۔

ہم نے راستے میں بن علی سے اس وقت مڈھ بھیڑ کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ دن دہاڑے بن علی کے گھر پر جانا مناسب نہیں تھا۔ یہ کام رات ہی میں ہو سکتا تھا۔ رات تک کا وقفہ گزارنا مشکل ہو گیا۔ سر پر خون سوار تھا۔ جیسے تیسے رات آئی اور میں بن علی کی حویلی کی طرف روانہ ہو گیا۔ بن علی مردود نے رخسانہ کو اغواء کرایا تھا۔ اشرفی بیگم سے ساز باز کر کے مجھے مروانے کی کوشش کی تھی۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ اس کی بہنوں درخشاں اور زرافشاں کو کوٹھے کی زینت بنا کر اپنی بہن کا انتقام لوں گا مگر اس کے بعد مجھے اتنی فرصت نہیں مل سکی تھی کہ انتقام لے سکتا۔ البتہ بن علی کی موت کا سامان میں نے پیدا کر لیا تھا۔ اس نے زمرد کے قتل کا اقبال جرم بھی کر لیا تھا مگر پھر حالات میرے قابو میں نہ رہے۔ وہ نواب کا بچہ اپنے اثر ورسوخ سے قتل جیسے سنگین الزام سے بچ گیا اور آج پھر لکھنؤ کی طرب گاہوں میں اس کا چرچا ہے۔ جتنا وقت گزرتا جا رہا تھا میں بن علی سے اتنا ہی متنفر ہوتا جا رہا تھا۔ بن علی کی حویلی قریب آتی گئی اور میری

رفتار تیز ہوتی گئی۔ میری نفرت کا جذبہ شدید ہوتا جا رہا تھا۔ ایک بار پہلے بھی میں ایک خفیہ راستے سے اس کی خواب گاہ تک پہنچ گیا۔ حویلی روشن تھی اور مجھے انکا نے بتا دیا تھا کہ بن علی اندر مست مئے ناب ہے اور عیش ونشاط میں مصروف ہے۔ اسی طرح ہر روز اس کے ہاں یا کسی اور نواب کے ہاں بزم طرب سجتی تھی یا پھر نواب کسی طوائف کے ہاں شب گزارتے تھے۔ سرشام نوابوں کے دل ڈولنے لگتے تھے اور نازنینیں گھنگھرو باندھے انہیں داد عیش دیتی رہتی تھیں۔ میں نے پرانا راستہ اختیار کیا۔ بن علی کے ایوان خاص تک پہنچنے میں مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ میں دیر کر کے اس لئے آیا تھا کہ سازندوں اور مہمانوں کی موجودگی کا امکان نہ رہے اور میں بن علی سے اس کی خواب گاہ میں ملاقات کروں، میرے ذہن میں گزرے ہوئے لمحات ابھر رہے تھے۔ اندر اندر سلگنے والی چنگاریاں جذبات مشتعل کر رہی تھیں۔ خواب گاہ کا دروازہ بند تھا لیکن وہ ایک جھٹکے سے کھل گیا، راستے میں ایک خاص ملازم نے مجھے دیکھ کر شور کیا لیکن انکا نے بروقت میرے سر سے اتر کر اسے دوسری جانب روانہ کر دیا۔ میں جب اس روشن کمرے میں داخل ہوا تو بن علی کی آغوش میں ایک بجلی تڑپ رہی تھی اور ناز وادا کے نشتر آزما رہی تھی۔ بن علی کا بھاری بھرکم تن وتوش اس گل بدن کے غمزوں سے ادھر ادھر تھرک رہا تھا۔ سامنے صراحی رکھی تھی، وہ مدہوش سا تھا۔ نیم عریاں لڑکی کا آدھا بدن بن علی کی گود میں سما سا جاتا اور نکل نکل جاتا۔ ان دونوں میں دلچسپ نوک وجھوک جاری تھی۔ میں اسے بیان نہیں کر رہا، بس وہی نوک جھوک جو ایسے موقعوں پر ہوتی ہے۔ بن علی کو اس طرح مدہوش دیکھ کر میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ میں نے اسے للکارا تو وہ دونوں چونک کر ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔ بن علی کی نظر مجھ پر پڑی تو وہ کسی زہریلے ناگ کی طرح بل کھا کر اٹھ کھڑا ہوا اور کرخت لہجے میں بولا۔ ''تم...... تم جمیل احمد خان! تم ابھی تک یہاں موجود ہو؟''

''ہاں نواب صاحب! جمیل احمد خان۔ آپ کا خادم ابھی تک یہیں ٹھوکریں کھا رہا ہے۔'' میں نے نیازمندی سے کہا۔ ''طبع شاہانہ پر میری آمد گراں تو نہیں گزری؟''

''بدبخت...... اب یہاں کیا لینے آیا ہے؟'' نواب نے تمکنت سے کہا۔

''ناراض نہ ہوں نواب صاحب قبلہ! میں مبارک باد دینے کی غرض سے آیا ہوں کہ آپ زمرد کے قتل کے الزام سے صاف بری ہو گئے۔ بڑے لوگوں کی بڑی باتیں۔ آپ کا اقبال بلند رہے۔'' میں نے عجز سے کہا۔ ''یہ لڑکی یقیناً زمرد سے زیادہ حسین اور جان دار ہے۔ میں آپ کے حسن انتخاب کی داد دیتا ہوں۔''

''جمیل احمد خان۔ تم جس راستے سے آئے ہو، اسی سے واپس چلے جاؤ'' نواب کے لہجے میں خوف کا عنصر شامل تھا۔ ''تمہارے لئے یہی بہتر ہے۔''

''ورنہ پھر نواب صاحب کیا سزا تجویز کریں گے؟'' میں نے مسکرا کر پوچھا۔

''پھر......پھر......ہم تو تم جیسے حرام زادوں کو کتے کے آگے ڈال دیتے ہیں۔'' نواب نے لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا جو سہمی ہوئی کھڑی تھی۔

''میں بھی اس وقت اسی مقصد سے یہاں آیا ہوں۔'' میں نے بہت نرمی سے کہا۔

''میں کہتا ہوں یہاں سے نکل جاؤ۔'' نواب کا سانس اکھڑ گیا تھا۔

''تم مجھے جانتے ہو۔ پھر ایسے لہجے میں کیوں باتیں کر رہے ہو؟'' میں نے اپنا لہجہ بدل کر کہا۔ ''تم نے زمرد کو میرے سامنے قتل کیا اور پھر تھانے میں اقبال جرم بھی کیا۔ تمہاری زندگی کے دن باقی تھے، لئے تم یہاں نظر آ رہے ہو۔''

''تم کوئی جادوگر ہو یا بہت بڑے حرام زادے۔ زمرد کا قتل تم نے مجھ سے کرایا تھا۔ تم نے مجھے پاگل کر دیا تھا کہ میں تھانے میں اول فول بکنے لگا۔ اشرفی بیگم کے ہاں بھی تم نے اپنے شعبدے دکھائے تھے، تزئین کو تمہی نے غائب کرا دیا تھا۔'' نواب کی وضاحت میں خوف بری طرح شامل تھا۔

''تم نے مجھے پہچاننے میں کس قدر ہوش مندی کا ثبوت دیا ہے نواب! مگر میں اس وقت اپنی تعریف سننے نہیں آیا ہوں۔ نہ میں تمہیں مارنے کے ارادے سے آیا ہوں۔ اشرفی بیگم کے بالا خانے کی رونقیں تزئین کی گمشدگی کے بعد سے ماند پڑ گئی ہیں۔ تم اگر چاہو تو درخشاں اور زرافشاں بیگم کی بگڑی ہوئی ساکھ کو بحال کر سکتی ہیں۔ تم نے جب میری بہن کو اس مقصد کے لئے استعمال کرنا چاہا تھا، اسی وقت سے میں نے طے کر لیا تھا کہ ایسا کیا جائے تو کتنا دلچسپ رہے گا کہ ایک بڑے نواب کی ناموس کے پیروں میں گھنگھرو بندھیں۔ نواب بن علی! یہ لڑکیاں جو تمہارے نشاط کدے میں آتی ہیں، یہ بھی کسی نہ کسی بھائی کی بہنیں ہوتی ہیں؟ پھر بھلا تمہیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔''

''جمیل احمد خان! ہم تیرا خون پی جائیں گے۔ اپنی زبان کو لگام دے۔ یہاں تیری کوئی شعبدہ بازی نہیں چلے گی۔ ہم تجھے اسی وقت جہنم رسید کریں گے۔'' نواب بن علی غصے سے دیوانا ہو گیا۔ اس کے منہ سے مغلظات کا طوفان جاری ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں جو چیز آئی، مجھ پر اٹھا کر پھینکنے لگا۔ اس کے پاگل پن کا یہ تماشا میری دلچسپی کا باعث تھا۔ وہ لڑکی جس کا نام نوشابہ تھا، ایک طرف کھڑی تھی۔

بن علی کا قہر و غضب قابل دید تھا۔ جب وہ حد سے بڑھنے لگا تو نوشابہ، بن علی کا ہاتھ روکنے لگی لیکن بن علی نے اس کے سر پر بھی ایک شمع دان اٹھا کر دے ماری۔ نوشابہ وہیں لہرا گئی۔ پھر بن علی میری طرف بڑھا اور میں نے اس لحیم شحیم آدمی کو ہاتھ بڑھا کر بڑے اعتماد سے روک لیا ''بن علی!'' میں نے کہا۔ ''میں تو تمہیں یہ بتانے آیا تھا کہ میں یہاں آ گیا ہوں۔ پہلے میرا ارادہ تمہارے قدموں سے یہ زمین پاک کرنے کا ارادہ تھا لیکن میں نے سوچا کہ تمہیں اپنے اعمال کی سزا یہیں بھگت لینی چاہئے۔ درخشاں اور زرافشاں کو میرے حوالے کر دو۔ فی الحال ان میں سے کوئی بھی۔ مجھے خالی ہاتھ نہ لوٹانا۔

نواب کے گھر میں آ کر کوئی واپس نہیں جاتا۔''

''جمیل احمد خان!'' بن علی نے دانت پیس کر کہا اور بڑھ کر اپنی بندوق اٹھا لی۔ اس نے تیزی سے نشانہ باندھنا چاہا لیکن ظاہر ہے انکا کی موجودگی میں وہ جمیل احمد خان پر یہ کاری وار کس طرح کر سکتا تھا۔ انکا میرے سر سے چھلاوے کی طرف غائب ہو گئی اور میں نے آگے بڑھ کر بن علی کے ہاتھ سے بندوق چھین لی۔ بن علی حیرت زدہ نظروں سے میرا اطمینان اور اعتماد دیکھ رہا تھا۔ پھر میں نے ایک بھرپور ضرب بندوق کے کندے کی بن علی کے سر پر ماری اور یہ کہتا ہوا رخصت ہو گیا۔ ''بن علی! میں تمہاری بہنوں کے پاس جا رہا ہوں۔'' اس کے سر سے خون جاری ہو گیا تھا اور وہ لڑکھڑا کر گر پڑا تھا مگر مجھے یقین تھا کہ وہ سخت جان اتنی آسانی سے نہیں مر سکتا۔ اسے بے ہوش چھوڑ کر میں اس کی خواب گاہ سے باہر آ گیا۔ انکا پھرتی سے میرے سر پر آ گئی اور میرے باہر نکلتے ہی اس نے مجھ سے سوال کیا۔ ''جمیل! کیا ارادہ ہے؟''

''میں بن علی کی دونوں بہنوں کو یا فی الحال ایک کو یہاں سے لے جانا چاہتا ہوں۔'' میں نے سرد لہجے میں جواب دیا۔

''میں تمہارے ہر حکم کی تعمیل کی پابند ہوں لیکن......''

''لیکن کیا؟'' میں نے انکا کو جملہ ادھورا چھوڑنے پر کریدتے ہوئے پوچھا۔ ''تم نے اپنا جملہ پورا نہیں کیا۔ کیوں انکا، ہم آخر یہاں کس لئے آئے تھے، تم کیا کہنا چاہتی ہو؟''

''میری درخواست ہے جمیل! تم لڑکیوں کے سلسلے میں اپنا ارادہ بدل دو۔'' انکا نے دبی آواز میں کہا۔ ''میں سمجھتی ہوں اس میں تمہارے لئے کچھ خطرے موجود ہیں، یوں بھی وہ بے چاریاں بے قصور ہیں۔''

''تعجب ہے، یہ بات تم کہہ رہو؟ حالانکہ تمہی نے مجھ دشمنوں سے نمٹنے کے لئے اکسایا تھا۔ کیا تم بھول گئیں کہ میری بہن رخسانہ کو کس نے اغوا کرایا تھا؟ کیا رخسانہ بے گناہ نہیں تھی؟''

''میں تمہارے احساسات سے واقف ہوں جمیل! مگر مجھے اس کام میں کچھ اچھے آثار نظر نہیں آ رہے ہیں۔ اگر ہم انہیں معاف کرتے ہیں تو بن علی سے انتقام لینے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

''مگر میں انہیں دیکھنا چاہتا ہوں وہ کیسی ہیں؟ انکا! کیا بن علی کے لئے اس سے بڑی سزا کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ اس کی بہنیں کوٹھے پر بیٹھیں؟''

''تم انہیں دیکھ سکتے ہو، وہ اوپری منزل پر رہتی ہیں لیکن بن علی کو اس سے زیادہ بھیانک سزا مل سکتی ہے۔ ابھی تو ابتدا ہوئی ہے۔'' انکا مصر رہی۔

''ٹھیک ہے...... آؤ اوپری منزل پر چلتے ہیں۔ یہ موقع پھر نہیں آئے گا۔ تم ان میں سے ایک لڑکی

کے سر پر چلی جانا، اس طرح ہم اسے آسانی سے یہاں سے لے جائیں گے۔''

''مگر.... مگر جمیل!'' انکا نے جھجک کا اظہار کیا۔

''مگر کیا؟ انکا.... مجھے وہاں لے چلو۔ میں ان حسیناؤں کو دیکھنا چاہتا ہوں۔'' یہ کہہ کر میں او منزل کی طرف جانے لگا۔ انکا کے انکار پر میرا جنون اور بڑھ گیا۔ مجھے انہیں دیکھنے کا اشتیاق تھا او عبد مجھے اکسا رہا تھا کہ میں اس کی تکمیل کروں۔ ابھی میں نے چند ہی قدم اٹھائے ہوں کہ انکا کے پنج کی چبھن مجھے اپنے سر پر محسوس ہوئی۔ وہ مجھے روک رہی تھی۔ ''ٹھہر جاؤ جمیل! آگے راستہ بند ہے۔''

''راستہ کہاں بند ہے انکا؟ سامنے نظر آ رہا ہے۔ کیا تمہیں کچھ نظر نہیں آ رہا۔'' میں نے برہمی کہا اور ایک دو سیڑھیاں اور پار کر لیں۔

''رک جاؤ۔'' ایک بھاری بھرکم مردانہ آواز مجھے سنائی دی، میں نے چونک کر ادھر ادھر دیکھ وہاں کوئی نہیں تھا۔ ''کون ہے انکا! یہ آواز کس کی ہے؟'' میں نے جز بز ہو کر کہا۔

''چلو جمیل واپس چلتے ہیں۔'' انکا نے مجھے پچکارتے ہوئے کہا۔

''مگر کیوں؟ تم مجھے کچھ بتاتی کیوں نہیں ہو؟''

''راستہ بند ہے۔ راستہ کھل سکتا ہے مگر تمہارے لئے یہ بہتر نہ ہوگا۔'' انکا نے پہلو بدل کر کہا۔

''تم کیسی بھول بھلیوں والی باتیں کر رہی ہو۔'' میں نے ناراضی سے کہا۔

پھر اچانک اوپر کی سیڑھیوں میں مجھے ایک سایہ نظر آیا۔ ایک مرد کا سایہ.... جو ایک لمحے میں ا شکیل و وجیہہ مرد کی صورت میں واضح ہو گیا۔ اس کے انداز میں شاہانہ جلال تھا اور وہ کوئی قدیم لبا زیب تن کئے ہوئے تھا۔ اس کا چہرہ اتنا پُر وقار اور خوب صورت تھا کہ اس پر کسی شہزادے کا گمان ہوتا جیسے کتابوں میں کسی مسلمان شہزادے کا حلیہ ہوتا ہے۔ اسے دیکھ کر میں ٹھٹکا لیکن.... دوسرے ہی میرے اندر کا ضدی آدمی جاگ اٹھا۔ میں نے اوپر کی ایک سیڑھی پھلانگ لی۔

''رک جائیے۔'' اس نے نہایت مہذب لہجے میں کہا۔

''میں اوپر جانا چاہتا ہوں۔'' میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''آپ اوپر نہیں جا سکتے۔ ادھر زنان خانہ ہے۔'' اس کی شیریں زبانی نے مجھے متاثر کیا۔

''میں زنان خانے ہی میں جانا چاہتا ہوں۔ میرے راستے سے ہٹ جائیے۔'' میں نے سختی کہا۔

''ہم یہاں نگہبانی کرتے ہیں۔ آپ میری موجودگی میں اندر نہیں جا سکتے۔'' اس نے کہا۔

''آپ مجھ سے واقف نہیں ہیں۔ میں ایک ذلیل شخص کو اس کے کرتوت کا مزہ چکھانے آیا ہوں نیچے بن علی بے ہوش پڑا ہوا ہے، اس کا انجام دیکھ لیجئے اور میرے راستے سے ہٹ جائیے۔''

''بن علی سے آپ جو چاہیں انتقام لے سکتے ہیں مگر اس کی بہنیں بے قصور ہیں اور پھر ہم ان کے نگہبان ہیں، ہم ایک عرصے سے یہاں رہتے ہیں۔''

''آپ کون ہیں؟'' میں نے اس سے متاثر ہو کر پوچھا۔

''ہم درخشاں اور زر افشاں کے امین ہیں۔ ہمارا سایہ ان پر موجود ہے۔ ہم آپ کے کسی معاملے میں دخل اندازی پسند نہیں کرتے لیکن یہاں ہم آپ کے راستے میں حارج ہوں گے۔ بہتر ہے آپ چلے جائیں۔''

''ورنہ پھر آپ کیا کریں گے؟'' میں نے درشتی سے پوچھا۔

''ہمیں معلوم ہے کہ آپ بھی تنہا نہیں ہیں مگر ہم مزاحمت کریں گے۔ ممکن ہے آپ کو اس سے نقصان پہنچے۔ ممکن ہے ہمیں اپنے رفیقوں کو بلانا پڑے۔'' اس نے بے جھجک ہو کر کہا۔

''یہ کون ہیں؟'' میں نے انکا سے پوچھا تو وہ ایک ثانئے کے لئے خاموش ہو گئی پھر کہنے لگی۔

''جمیل! یہاں سے چلے چلو۔ بن علی کی حویلی ایک قدیم حویلی ہے۔ زنان خانے کے اس حصے پر جہاں درخشاں اور زر افشاں رہتی ہیں، وہاں اس مسلمان جن کا تسلط ہے۔ تم اس کی موجودگی میں وہاں نہیں جا سکتے۔''

''جن!'' میں نے حیرت سے کہا۔ ''کیا واقعی یہ نوجوان شخص کوئی جن ہے؟ مگر تم کس مرض کی دوا ہو، کیا تم اسے زیر نہیں کر سکتیں؟''

''تمہیں چاہئے کہ مجھے ایسے حالات میں نہ ڈالو جہاں خود مجھے کسی آزمائش میں پڑنے کا احتمال ہو۔ ماورائی قوتیں آپس میں اس طرح کی چپقلش سے گریز کرتی ہیں۔ پھر ہو سکتا ہے کہ اس جن کا ایک پرا یہاں موجود ہو۔ ہمیں کچھ اور کرنا پڑے گا۔ کوئی اور ترکیب سوچنی ہوگی۔ یہ جن پورے طور پر اپنے قدموں پر جما ہوا ہے۔ مجھے کچھ سوچنے کا موقع دو۔'' انکا نے اضطراب سے کہا۔

''آپ جانتے ہیں بن علی نے میرے ساتھ کیا، کیا ہے؟'' میں نے اس نوجوان کو مخاطب کیا جو مسکرا کر مجھے دیکھ رہا تھا۔

''ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔ ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ درخشاں اور زر افشاں بالکل سادہ و معصوم ہیں۔''

''میری بہن بھی سادہ و معصوم تھی۔ بن علی نے اسے اغواء کرایا تھا'' میں نے زچ ہو کر کہا۔

''لیکن ہم وہاں موجود نہیں تھے۔ ہمارا مسکن یہاں ہے۔''

''کیا آپ یہ نکتہ سمجھ رہے ہیں کہ میں عام لوگوں سے مختلف شخص ہوں۔''

''ہمیں معلوم ہے اسی لئے آپ سے درخواست کر رہے ہیں۔''

"مگر میں آپ سے ایک بات کہہ دوں، اس وقت تو میں چلا جاتا ہوں لیکن میں اپنے عہد کی ت
کے لئے بے قرار رہوں گا۔"

"جب تک ہم اس حویلی میں موجود ہیں، ہم مزاحم ہوتے رہیں گے۔"

"بہتر ہے کہ آپ راستے سے ہٹ جائیں، جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں، میرے پاس اس
زیادہ ہے۔"

"بخدا جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں، وہ بھی کم ہے۔ ہمیں اپنی برتری کا اظہار نہیں آتا، تاہم آپ
محسوس کر سکتے ہیں۔"

"شاید آپ غلطی کر رہے ہیں۔ آپ اس شخص سے مخاطب ہیں جو برسوں سے انہی ہنگامو
عادی ہے۔ یقین کیجئے کہ آپ کے مخاطب نے ان ہنگاموں سے بہت کچھ سیکھا ہے۔" میں نے
دے کر کہا۔

"لیکن آپ کی آنکھوں پر ایک غلاف چڑھا ہوا ہے۔"

"جمیل! بات نہ بڑھاؤ۔ یہاں سے چلے چلو۔ نیچے بن علی کی خواب گاہ میں ایک ہجوم جمع ہو
ہے۔" انکا نے مجھے ٹوکتے ہوئے کہا۔

"آپ کو صحیح مشورہ دیا جا رہا ہے۔" شہزادے نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لیکن یہ ایک چیلنج ہے، یہ ایک دھمکی ہے، مجھے دھمکیاں پسند نہیں ہیں۔ میں دوبارہ آؤں گ
میں نے تلملا کر کہا۔

"ہم آپ کے استقبال کے لئے موجود ہوں گے۔" یہ کہہ کر وہ وہاں سے غائب ہو گیا۔ میں
پھر اوپر چڑھنا چاہا لیکن انکا نے بڑی سختی سے روک دیا۔ بہت بے بسی کی حالت میں مجھے نیچے آنا
یہاں شور ہو رہا تھا۔ میں خواب گاہ سے بچتا بچاتا، انکا پر پیچ و تاب کھاتا حویلی سے باہر آنے میں کامیاب
ہو گیا۔ راستے میں انکا خاموش رہی۔ میں نے بھی اس سے بات کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ رات خا
گزر گئی تھی۔ میں گھر جا کر بستر پر دراز ہو گیا اور جب مجھ پر غنودگی سی طاری ہونے لگی تو انکا نے سرگو
کی۔

"جمیل! تم نے اچھا کیا جو وہاں سے چلے آئے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ کہنے لگی۔ "تمہارے بے قرار دل کو سکون پہنچانے کے لئے ا
بن علی باقی ہے۔ ہمارے لئے کسی طور یہ مناسب نہیں تھا کہ ہم ایسے واقعات میں جنات سے کوئی جھ
مول لیتے۔ ان جنات میں بعض بہت پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ جہاں رہتے ہیں وہاں کے مکینوں کے
محافظ ہوتے ہیں اور ان کے لئے آفت جاں بھی۔ یہ جن بن علی کی بہنوں سے شدید وابستگی رکھتا تھ

چنانچہ وہ اپنی ہر طاقت بروئے کار لاتا۔ ہم ایک معمولی کام کے لئے اتنا بڑا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔"

"مگر میں ہر حالت میں اپنے عہد کی تکمیل چاہتا ہوں۔" میں نے غصے میں کہا۔

"میں نے اس پر خوب سوچا ہے۔ بن علی کا زوال قریب ہے۔ تم اسے لکھنؤ کی سڑکوں پر رسوا ہوتے ہوئے دیکھ لینا۔ کل رات میں تمہیں اشرفی بیگم کے ہاں لے چلوں گی۔ وہاں تزئین کی جگہ پر کرنے کے لئے دل نشین نامی ایک قتالہ آئی ہوئی ہے۔ تم دل نشین کو دیکھو گے تو تمہارا برا حال ہو جائے گا۔ ہر حسین لڑکی نوابین کو مطلوب ہے۔ جس طرح تزئین کے لئے خون خرابا ہوا تھا اسی طرح دل نشین کے لئے ہو سکتا ہے۔" انکا نے کہا۔

"انکا، کیا ہم بن علی کی حویلی خرید نہیں سکتے؟" اچانک میرے ذہن میں یہ خیال آیا۔

"حویلی؟ ہم بن علی کو خرید سکتے ہیں مگر یہ کام چٹکی بجاتے نہیں ہو سکتا اس کے لئے ہمیں ایک طویل راستہ سے چلنا ہوگا۔ ہمیں بازار حسن کی حرافہ اشرفی بیگم کو اعتماد میں لے کر بن علی کی تباہی کے اسباب پیدا کرنے ہوں گے۔"

انکا نے مجھے تفصیل سے بن علی کی عادتوں کے متعلق بتانا شروع کیا لیکن اس جن کی موجودگی میں سارا منصوبہ بگڑ گیا تھا، مجھے خدشہ تھا کہ جب بن علی کو ہوش آیا ہوگا تو اس نے اپنی چوٹ کے متعلق یقیناً میرا نام لیا ہوگا۔ وہاں ایک گواہ نوشابہ بھی موجود تھی جس نے زمرد کے قتل کا پورا واقعہ سن لیا تھا۔ مجھے احساس ہوا جیسے آنے والی صبح پولیس میرے دروازے پر موجود ہو سکتی ہے۔ میں نے انکا سے اپنے اس خدشے کا ذکر کیا تو اس نے ہنس کر ٹال دیا۔ اس کا خیال تھا کہ بن علی میرے حویلی میں اس طرح دیدہ و دلیری سے دندناتے ہوئے گھس جانے کے باعث اب محتاط ہو گیا ہوگا۔ وہ خواہ مخواہ جھگڑے کو طول دینے سے گریز کرے گا۔ دوسرے اس نے نوشابہ کے سامنے اقبال جرم کیا تھا اس لئے وہ سب سے پہلے اس کا منہ بند کرنے کے لئے اسے قتل کرنے کی کوشش کرے گا۔

"بن علی اس بات سے واقف ہے کہ تم کوئی معمولی آدمی نہیں ہو۔ وہ تمہیں عمر قید نہیں کرا سکتا۔ جیل میں بھیجے گا تو بہت سی باتیں کھل کر سامنے آئیں گی اور پھر رہا ہونے کے بعد تم پہلے سے زیادہ مشتعل ہو گے۔" میں انکا کی ذہانت کی داد دئے بغیر نہ رہ سکا لیکن ایک عجیب الجھن سی ذہن و دل پر طاری تھی۔ اس بر خود غلط جن کی تادیب کی خواہش بھی دل میں ابھر رہی تھی۔ ہم دونوں آدھی رات تک اس موضوع پر گفتگو کرتے رہے اور جب کسی ایک نتیجے پر پہنچ گئے تو مجھے نیند آ گئی۔

صبح میں دیر سے اٹھا اور وہ بھی اس وقت جب میری بہن رخسانہ نے مجھے جھنجوڑ کر اٹھایا۔ برآمدے میں سارا گھر چائے کی میز پر موجود تھا۔ ملازمین کی چہل پہل تھی۔ نفیس آڑا پاجامہ پہنے، دوپٹا

سر پر اوڑھے، ادھر ادھر بھاگتی پھر رہی تھی۔ میں نے جلدی سے ہاتھ منہ دھویا اور میز پر آ کر بیٹھ گیا۔ چھوٹی بہن نے چائے بنائی۔ چچا جان نے جھجکتے ہوئے پھر وہی بات چھیڑ دی جس کا تذکرہ وہ کئی بار کر چکے تھے۔ رخسانہ بھی میرے کولھے سے لگ کر بیٹھ گئی اور کہنے لگی۔ ''ابا جان، اگر آپ اجازت دیں تو میں جمیل بھائی سے بات کرلوں؟''

میں نے یہ تذکرہ درمیان سے ختم کر دیا، میں نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ ''رخسانہ! ابھی وقت نہیں آیا ہے۔ ابھی یہ کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔''

''ہمیں اتنی جلدی نہیں ہے بیٹے لیکن......''

''میں بتاتی ہوں جمیل بھائی!'' رخسانہ نے چچا جان کی بات درمیان میں اچک لی۔ ''بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے پڑوس میں بنارس کا ایک خاندان آباد ہے۔ ابھی ابھی ہم لوگوں سے اس خاندان کے تعلقات قائم ہوئے ہیں۔ کل فرزانہ وہاں ملنے کی غرض سے گئی تھیں۔ اور آپ کے لئے ایک دلہن، چاند سی دلہن پسند کر آئیں۔ سچ جمیل بھائی! لڑکی چندے آفتاب چندے ماہتاب ہے۔ نام بھی بڑا خوبصورت ہے۔ روحی۔''

''رخسانہ، تم کتنی سنگدل ہو، ابھی تمہاری بھابی کا کفن بھی میلا نہیں ہوا ہوگا۔ کوئی اور بات کرو۔'' میں نے رخسانہ سے براہ راست بات کہی۔ وہ ہونٹ چبا کر خاموش ہوگئی۔ چچا جان نے میرے چہرے پر غم کی چھائیاں دیکھیں تو موضوع بدل دیا اور کاروبار کی بات کرنے لگے، بڑی مشکل سے ان لوگوں سے چھٹکارا ملا۔ چائے جلدی جلدی ختم کر کے میں نے غسل کیا اور کپڑے تبدیل کئے۔ انکا بیدار ہوچکی تھی اور سر پر چہل قدمی کرنے میں مصروف تھی۔ وہ خاصی چاق و چوبند نظر آ رہی تھی۔ میں باہر جانے کے ارادے سے نکلا تو رخسانہ میری منتظر تھی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں مچلتے ہوئے آنسوؤں کی نمی محسوس کر لی۔ وہ مجھ سے معافی مانگ رہی تھی۔ اس کی آواز شدت جذبات سے لرز رہی تھی۔ میں نے اسے خوش کرنے کے لئے مسکرا کر کہا۔ ''تمہیں اس شرارت کی سزا ضرور ملے گی۔ میں کل ہی کسی وقت چچا جان سے بات کروں گا کہ اب تمہاری ڈولی اٹھانے کا بندوبست کریں۔''

''بھائی جان!'' رخسانہ نے شرمیلی نظروں سے مجھے گھورا، پھر چہرے پر ہاتھ رکھ کر بھاگ گئی۔ میں ایک دلکش موڈ میں گھر سے باہر نکلا اور حضرت گنج کے ایک کافی ہاؤس میں تنہائی کا ایک کونا ڈھونڈ کر انکا سے باتیں کرنے لگا۔ مجھے آج تزئین اور کلدیپ یاد آ رہی تھیں۔ انکا کو ابھی میں نے ان کے متعلق نہیں بتایا تھا۔ میرا ارادہ جلد سے جلد یہاں سے جانے کا تھا لیکن درمیان میں ناظم علی، بن علی اور اشرفی بیگم کی تثلیث آ گئی۔ دوپہر کو میں نے ہوٹل ہی میں کھانا کھایا اور انکا نے مجھے اس جگہ پہنچا دیا جہاں بازار حسن کے نامی گرامی دلال رہتے تھے۔ مجھے ان کی زبانی عجیب عجیب باتیں معلوم ہوئیں اور یہ بھی پتا چلا کہ دل

نشیں کو اشرفی بیگم نے ایک بڑی رقم کے عوض کسی کشمیری خاندان سے خریدا ہے، بہر حال میں نے ان کی جیب خاصی گرم کر دی، شام کو میں گھر چلا آیا۔

مجھے رات کا انتظا تھا۔ آفتاب غروب ہوا تو میں نے ایک شیروانی نکالی۔ عطر لگایا اور نوابوں کی طرح سج بن کر اس کوچہ دلبراں کا رخ کیا جہاں سر شام حسن کے چاند جلوہ گر ہو جاتے ہیں۔ بالا خانوں سے رقص و موسیقی چھن چھن کر باہر آ رہی تھی، خوشبوئیں بکھر رہی تھیں۔ پان کی دکانوں پر بانکے سجیلے نوجوان کھڑے گلوریاں بنوا رہے تھے۔ غرض ہر سمت زندگی شباب پر تھی۔ انکا ایک ایک چیز کو آنکھیں مٹکا مٹکا کر دیکھ رہی تھی۔ اس وقت ہم دونوں کا موڈ خوشگوار تھا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا کر بولی۔ ''جمیل یہاں ان منچلوں کو کیا لطف آتا ہے؟ یہاں تو ایک انار سو بیمار والا حساب ہوتا ہے۔''

''یہ سب اس وجہ سے ہے کہ عورت نایاب ہے۔ عورت اگر عام ہو جائے تو اس بازار کی یہ رونق نہ رہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''بہر حال تم پر بہت کچھ انحصار ہے۔ تم مستعد رہنا۔''

''میں آج بہت تر و تازہ ہوں۔''

''تمہیں خون کی ضرورت تو محسوس ہوتی ہوگی؟''

''ہاں، کل ناظم علی کا کچھ خون میرے حلق میں منتقل ہو گیا تھا۔''

''اوہ، تو یہ وجہ ہے تمہاری شادابی کی؟''

''مگر میرے لئے تمہیں کوئی انتظام کرنا پڑے گا جمیل!'' انکا اٹھلا کر بولی۔

''جب تک دنیا میں برے لوگوں کی بہتات ہے، اس وقت تک تمہاری غذا کی بھی بہتات ہے۔ بن علی کے متعلق کیا خیال ہے؟''

''وہ......!'' انکا نے مزے لے کر کہا۔ ''مگر اس میں ابھی بہت دیر ہے۔''

لوگوں کی بھیڑ سے گزرتا ہوا میں اشرفی بیگم کے بالا خانے پر پہنچ گیا۔ اوپر سے کسی مغنیہ کے گانے کی آواز آ رہی تھی۔ میں نے سیڑھیوں کی جانب قدم بڑھا دئے۔ اوپر پہنچا تو محفل گرم تھی۔ اشرفی بیگم سازندوں کے قریب بڑے ٹھسے سے بیٹھی اس نوخیز مغنیہ کو دیکھ رہی تھی جس کے گلے میں سوز تھا۔ وہ بلا شبہ ایک حسین لڑکی تھی۔ کمرے میں آٹھ دس افراد گاؤ تکیوں سے لگے بیٹھے تھے اور مغنیہ کو ہوس کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ میں چونکہ دروازے کی اوٹ میں تھا اس لئے اشرفی بیگم اور سازندوں کی نظر مجھ پر نہ پڑ سکی۔ چند ایک تماش بینوں نے مجھے دیکھ لیا لیکن وہ مغنیہ میں اتنے الجھے ہوئے تھے کہ مجھ پر چنتی نظر ڈال کر پھر ادھر مصروف ہو گئے۔ انکا نے مجھے اس نوخیز مغنیہ کے بارے میں بتانا شروع کیا۔ 'جمیل! اشرفی بیگم نے اپنی دکان سجانے کے لئے بڑے انمول موتی کا انتخاب کیا ہے۔ یہی دل نشین ہے۔ تین چار دن پہلے یہ اس کوچے میں جے پور سے آئی ہے۔ کشمیری ہے۔ جے پور میں رقص و موسیقی

کی تعلیم حاصل کر رہی تھی، اشرفی بیگم نے اسے بڑی معقول رقم دے کر خریدا ہے۔ یہ سودا پھر بھی
تھا۔ اب اس کا نیلام ہوگا اور لکھنؤ کے نوابین میں کھلبلی مچ جائے گی۔ لکھنؤ میں ابھی دل نشیں کے جلوے
خوشبو نوابین کی حویلیوں تک نہیں پہنچی ہے۔ اشرفی بیگم نے اس کے حسن کے چرچے عام کرنے کے لئے
چند دلال چھوڑ رکھے ہیں لیکن یہ کام اب میرے اور تمہارے ذمے ہوگا۔ ہم اس کی قیمت بڑھا
گے۔ یہاں اگلے چند دنوں میں تل دھرنے کی جگہ نہ ہوگی۔ لاکھوں روپے اشرفی بیگم اس کی تھ
وصول کر سکتی ہے۔"

میں نے دل نشین کو غور سے دیکھا، اس میں لوگوں کو دیوانہ بنانے کی تمام ادائیں موجود تھیں۔
نشین تو کوئی قیامت تھی۔ میں دروازے کی اوٹ سے نکل کر سامنے آیا پھر بے دھڑک اندر جا کر ایک
تکئے سے ٹک گیا۔ اشرفی بیگم کی نظر مجھ پر پڑی تو اس کی حالت دگرگوں ہوگئی۔ غصے سے اس کا چہرہ
سرخ ہوگیا۔ سازندوں نے مجھے دیکھا تو ان کے چہروں کے رنگ پھیکے پڑ گئے۔ میں نے جیبوں
ہاتھ ڈالے اور روپے نچھاور کرنے شروع کر دئے۔ جب میں نے پہلا بڑا نوٹ نکالا تو محفل کے آ
کے مطابق دل نشیں اٹھ کر میرے پاس آ گئی اور میرے سامنے بیٹھ کر مصرع دہرانے لگی۔ میں نے
کے اس کے قدموں پر نچھاور کر دیا۔ پھر دوسرا نوٹ اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا، دل نشیں نے ایک
نواز تبسم کے ساتھ میرا شکریہ ادا کیا۔ اس کی یہ ادا دل کو بہت بھائی۔ نوٹ تھام کر وہ جانے کے ارا
سے اٹھی تو میں نے دوسرا نوٹ نکال لیا پھر یہ سلسلہ جاری رہا تاکہ دل نشین میرے سامنے بیٹھی
اور کسی اور کے سامنے نہ جا سکے۔ اشرفی بیگم کانٹوں پر لوٹ رہی تھی۔ دل نشیں ان باتوں سے بے
میرے سامنے بیٹھی دل نشیں انداز سے نغمہ سرائی کر رہی تھی۔ میں اس سے فرمائش کرتا رہا اور روپے
رہا، حاضرین محفل کے چہرے لٹکے ہوئے تھے۔ انہوں نے یہ رنگ دیکھا تو بد دل ہو کر اٹھنے لگے
ایک گھنٹے میں ہزاروں روپے لٹا چکا تھا اور اب وہاں میرے سوا کوئی اور تماش بین نہیں رہ گیا تھا۔
اشرفی بیگم کو کن انکھیوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس وقت ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کے مصداق بنی بیٹھی
لیکن تا بکے؟ جب دل نشیں نے غزل ختم کی اور دوسری غزل شروع کرنے سے پیشتر میری آنکھوں
آنکھیں ڈال کر گنگنانا شروع کیا تو اشرفی بیگم چپ نہ رہ سکی۔ جہاں بیٹھی تھی وہیں سے بولی۔ "دلبر
دل نشیں۔ تمہاری طبیعت نصیب دشمناں پہلے سے ناساز ہے، اب خواب گاہ میں جا کر آرام کرو۔ ڈ
تمہاری کمی پوری کرنے کی کوشش کرے گی۔"

دل نشیں نے تعجب سے اشرفی بیگم کو دیکھا۔ آنکھوں آنکھوں میں کچھ اشارے ہوئے
بڑے ادب سے اپنا حنائی ہاتھ پیشانی تک لے جا کر مجھے تسلیم کہتی ہوئی اٹھنے لگی۔ میں نے اس
تھام لیا۔ "اگر آپ کے مزاج ناساز ہیں تو نغمہ سرائی کی زحمت نہیں دوں گا۔ آپ سے گفتگو بھی تو شعر

سے کم نہیں، آپ تو خود ایک غزل ہیں۔"

"آپ کی ذرہ نوازی ہے۔ کنیز حکم کی تعمیل کرے گی۔" دل نشیں نے اپنے تیکھے انداز میں کہا پھر
میرے قریب ہو کر بیٹھ گئی۔ اشرفی بیگم ہاتھ مل رہی تھی۔ سازندے خاموش بیٹھے دزدیدہ نظروں مجھے گھور
رہے تھے۔ میں نے ان سب کو نظر انداز کر دیا اور دل نشیں کو والہانہ نظروں سے دیکھ کر کہا۔ "آپ غالباً
اس کوچہ عشرت میں نئی آئی ہیں؟"

"جی ہاں، کنیز کا یہ تیسرا دن ہے جو شرفا کے سامنے بیٹھنے کی جرات کر رہی ہے۔" دل نشیں نے
شرماتے ہوئے کہا۔

"زہے نصیب۔ ہم بھی ان خوش نصیبوں میں شامل ہو گئے جنہوں نے آغاز شب میں آپ کا
دیدار کر لیا۔"

دل نشیں کا چہرہ حیا سے گلنار ہو گیا۔ میں نے کہا۔ "یقین کیجئے، جو عرض کیا گیا ہے وہ دل کی آواز
ہے۔"

دل نشیں نے ایک نظر مجھے دیکھا پھر لجا کر بولی۔ "قدر افزائی کا شکریہ۔"

اشرفی بیگم جو ابھی تک دور ہی دور بیٹھی تھی، تیزی سے اپنا بھاری غرارہ سنبھالتی ہوئی میرے قریب
آ گئی اور دل نشیں سے بولی۔ "دل نشیں جان من! تمہیں آرام کی ضرورت ہے، خواب گاہ تمہاری منتظر
ہے۔"

دل نشیں نے سہم کر اشرفی بیگم کے چہرے پر نگاہ کی پھر کن انکھیوں سے میری جانب دیکھ کر
معذرت طلب کی۔ تسلیم کرتی ہوئی اٹھی اور اندر چلی گئی۔ اشرفی بیگم کھڑی پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ میں نے
مسکراتے ہوئے کہا۔ "تشریف رکھئے اشرفی بیگم! آپ کا قدیم نیازمند بارگاہ حسن میں حاضر ہے۔ کیا
آپ نے مجھے پہچانا نہیں؟"

"جمیل میاں!" اشرفی بیگم الفاظ چباتے ہوئے بولی۔ "میں ایک ماہ پہلے بھی آپ سے دست
بستہ عرض کر چکی ہوں کہ آپ مجھ سے کوئی تعلق نہ رکھیں۔ از راہ کرم آپ یہاں آنے سے گریز کیا
کریں۔ میرا کاروبار یہی ہے۔ آپ کیوں ہم لوگوں کو پریشان کرنے آ جاتے ہیں؟"

"بہت خوب!" میں نے اشرفی بیگم کی جھلاہٹ سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔ "گویا آپ
کو اب میرا یہاں آنا بھی گوارا نہیں۔ میں یہاں آتا ہوں تو خالی ہاتھ نہیں آتا۔ یہ دروازہ تو سب کے
لئے کھلا ہوتا ہے۔ ویسے میں عرض کروں کہ میں پہلے بھی آپ کو پریشان کرنے نہیں آیا تھا حالانکہ آپ
نے مجھے رسوا کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ وہ باتیں تو خیر بعد میں ہوں گی، آپ مجھے دیکھ چکی ہیں۔
میں آپ کو برت چکا ہوں۔ میرا خیال ہے اب آپ کو محتاط رہنا چاہئے۔ اپنے مہمانوں سے ایسا سلوک نہ

کیجیے کہ وہ گستاخی کی جرات کر سکیں۔"

"دیکھئے جمیل میاں! اب بہت ہو چکا ہے۔ تزئین کا اب تک پتا نہیں ہے۔ قید خانہ، قتل، گویا ہم ان جھگڑوں میں نہیں پڑتے۔ آپ جب بھی آتے ہیں، کوئی نہ کوئی قیامت آتی ہے۔ خدا کے ہمیں معاف کیجیے۔"

"ارے رے، آپ تو بہت خوف زدہ ہیں مجھ سے۔ میں تو حسن کا پجاری ہوں۔ سنا تھا کہ کے یہاں ایک نادر چیز موجود ہے۔ سودا کرنے چلا آیا۔"

"اگر آپ کا اشارہ دل نشیں کی طرف ہے تو میں معذرت چاہوں گی۔ تزئین کے بعد بڑی مشـ سے میں نے لکھنو کے امراء کے لئے یہ قیمتی لڑکی تلاش کی ہے۔"

"سچ، آپ کو حسن کا انتخاب آتا ہے۔ آپ کے کمالات کا میں دل سے قائل ہوں۔ سارا شہر آ کی مٹھی میں ہے۔ عہدے دار آپ کے قدموں میں رہتے ہیں۔ نوابین آپ کی ایک نظر التفات کے ہیں۔ آپ حسین ہونے کے ساتھ سنگدل بھی ہیں۔ میں نے آپ سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ بہر حال، دل نشیں کی تعریف سن کر چلا آیا۔ اس کلی کو شگفتگی دینے کے لئے آپ نے کیا نذرانہ مقرر کیا ہے؟"

"نذرانہ آدمی دیکھ کر مقرر کیا جاتا ہے۔"

"آپ پھر میری توہین کر رہی ہیں۔" میں نے طنز کیا۔

"نہیں، ایسی بات نہیں ہے۔" اشرفی بیگم سنبھل کر بولی۔ "خان صاحب! آپ اس نیلام بولی لگا سکتے ہیں لیکن میرا خیال ہے آپ کو مایوسی ہوگی۔"

"آپ موقع تو دیجئے مجھ پر ستم تو نہ کیجیے۔"

"آپ سے ڈر لگتا ہے۔" اشرفی بیگم نے اچانک کہا۔

"میں اتنا بد صورت تو نہیں ہوں۔ آپ کی نظر فریب خوردہ ہے۔" میں نے شوخی میں کہا۔

"آپ کوئی جن ہیں، یا دیو ہیں خان صاحب۔ آپ نے پنڈت مرلی دھر کو زچ کیا۔ جیل صاف نکل آئے، پُر اسرار طور پر تزئین غائب ہوگئی۔ آپ نے پورے شہر میں ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ ناظم نے حیرت انگیز طور پر خودکشی کر لی۔ یہ سب اتنے تواتر اور تسلسل سے ہو رہا ہے کہ آپ سے دور رہـ میں عافیت نظر آتی ہے۔" اشرفی بیگم کے لہجے میں خوف نمایاں تھا۔

"میں ایک سیدھا سادا سا آدمی ہوں، حسن کا دلدادہ ہوں، غیرت مند ہوں۔ آپ نے شر سے مجھے غلط سمجھا اور تکلیفیں اٹھائیں، آپ یکے بعد دیگرے غلطیاں کرتی رہیں یہاں تک کہ آپ بن علی کو میری بہن کو اغوا کرنے پر اکسایا۔ بہر حال میں یہ باتیں تفصیل سے دہرانا نہیں چاہتا۔ یہ تو بد باتیں ہیں، میں دل نشیں کی محبت رنگیں کا طلب گار ہوں۔ مجھے حکم دیجئے کہ کتنا نذرانہ پیش کر دیا جائے۔"

"خان صاحب! میں فی الحال اس کا سودا کرنے پر تیار نہیں ہوں۔ ابھی مجھے اس کی قیمت کا اندازہ کرنا ہے۔"

"وہ بھی کر لیجیے اور میری بھی سن لیجئے۔ میں ایک لاکھ روپے نذر کرنے پر آمادہ ہوں۔"

اشرفی بیگم نے حیرت سے مجھے دیکھا لیکن پھر فوراً ہی سنبھل گئی۔ "ایک لاکھ روپے! خان صاحب! آپ کو ہیرے کی پہچان ہے پھر بھی ایسی باتیں کر رہے ہیں۔ یہ نگینہ جب نوابین اودھ کی آغوش میں جگمگائے گا تو آپ کو اس کی صحیح قیمت کا اندازہ ہوگا۔"

"میں رقم بڑھا سکتا ہوں۔ سودے بازی مجھے اچھی نہیں لگتی۔ دو لاکھ روپے۔"

"مجھے سوچنے کا موقع دیجئے۔" اشرفی بیگم نے دیدے پھاڑ کر کہا۔

"میں یہاں آتا رہوں گا۔ آپ سوچ لیجئے اور کوئی اچھی سی غزل سنوا دیجئے۔ آپ خود بھی تو اچھا گاتی ہوں گی؟ اب بھی آپ کے تیوروں میں ان گنت حسیناؤں کا تیکھا پن ہے۔ کاٹ ہے۔" میں نے تفریحاً کہا۔

"جمیل صاحب! میں اب کہاں رہی؟ تزئین کے جانے کے بعد تو میری کمر ٹوٹ گئی۔ آپ میرا مذاق نہ اڑائیں۔"

"توبہ کیجیے۔ لیکن آپ مجھے اچھی لگتی ہیں۔"

"خدا کرے ایسا ہی رہے۔"

اشرفی بیگم فوراً اٹھ کر چلی گئی۔ دبلے پتلے نقش و نگار کی ایک لڑکی خورشید وہاں آئی اور اس نے گانا شروع کر دیا۔ میں کچھ دیر وہاں رہا اور اپنے پہلے دن کا کام نمٹا کر چلا آیا۔ دوسرے دن صبح میں دلالوں کے اس ہوٹل میں گیا جہاں عموماً ان کی بھیڑ رہتی تھی۔ میں نے ان کے کانوں میں یہ بات ڈال دی کہ میں دل نشیں کے لئے دو لاکھ روپے کی پیشکش کر آیا ہوں۔ مجھے معلوم تھا کہ رات تک یہ خبر تمام نوابین تک پہنچ جائے گی اور پھر رات کو اشرفی بیگم کے ہاں بہت ہجوم ہوگا اور یہی ہوا، دوسری رات جب میں وہاں پہنچا تو امرائے شہر خاصی تعداد میں وہاں موجود تھے۔ اشرفی بیگم مسرت سے کھلی جا رہی تھی اور دل نشیں کی آواز پر شباب آ گیا تھا۔ میں نے اس دن بھی روپے لٹائے لیکن احتیاط کے ساتھ۔ اس رات مجھے تنہائی کا موقع نہیں ملا۔ رات گئے تک مختلف امرا اشرفی بیگم سے دل نشیں کی باتیں کرتے رہے۔ انکا پھدک پھدک کر ان کے سروں پر جاتی رہی۔ ٹوہ لیتی رہی اور ان کا اشتیاق بڑھاتی رہی۔ بمبئی کے ایک من چلے سیٹھ داؤد بھائی نے اسی دن تین لاکھ روپے دل نشیں کے لئے طے کئے لیکن وہ مسکرا کر ٹال گئی۔ اس نے بری طرح اس سے بھی کچھ سوچنے کا وقت مانگا۔ گویا کشمیر کی ایک پری چہرہ لڑکی کی دوشیزگی کا نرخ ایک رات میں تین لاکھ روپے ہو گیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ حاسد نوابین ایک دوسرے کو زیر کرنے اور اپنی انا کا

سکہ بٹھانے کے لئے کس قدر بڑھ چڑھ کر بولیاں لگائیں گے اور وہ کم بخت بن علی...... اس کے سر پر
بندھی ہوئی تھی مگر یہ کس طرح ممکن تھا کہ اس کے گرگے اسے اشرفی بیگم کے ہاں بولی لگنے کی خبر نہ پہنچا
اور وہ ملعون بوالہوس یہ کیسے برداشت کرسکتا تھا کہ کوئی حسین لڑکی لکھنو کے دوسرے نوابین کی آغوش میں
چلی جاتی۔ میں جو چاہتا تھا وہ بہت خوش اسلوبی سے ہو رہا تھا۔ ہر روز رات کو میں دیوانہ وار اشرفی
کے کوٹھے پر جاتا۔ وہاں دل نشیں کا پُرشباب رقص ہوتا۔ یہاں میں شمار تفصیلات، دانستہ حذف کررہا ہوں
حالانکہ جی یہی چاہتا ہے کہ ہر اس رات کا احوال لکھا جائے جو اشرفی بیگم کے بالا خانے پر گزری مگر
ہے آپ حسن و جمال کا تذکرہ بیان کی طوالت پر محمول کریں۔ تاہم حسن کے ذکر میں بخل سے کام
میرے نزدیک گناہ ہے۔ اشرفی بیگم کے بالا خانے پر حسن کا اجتماع تھا، ایک سے ایک نادر لڑکی موجود
تھی۔ ایک ہفتے بعد صورت حال یہ ہوئی کہ دل نشیں بہت سے لوگوں کے لئے چیلنج بن گئی۔ اشرفی
دونوں ہاتھوں سے نقدی اور تحائف لوٹ رہی تھی اور دل نشیں کی قیمت میں روز افزوں اضافہ ہو رہا تھا
دل نشیں کے مشتاقان دید کا ہجوم بڑھتا جا رہا تھا۔ میرے لئے یہ سب سے دلچسپ اور انوکھا مشغلہ تھا
انکا بھی بہت خوش خوش نظر آتی تھی، ایک دن یہ بھی سنا کہ نواب بن علی نے دل نشیں کی یہ شہرت سن کر
اپنا خاص نمائندہ اشرفی بیگم کے پاس تحائف سے مالا مال کر کے بھیجا تھا اور غالباً اشرفی بیگم کو تو
بڑھانے کے لئے نواب بن علی جیسے صاحب ذوق ہی کا انتظار تھا۔ کوئی دس دن بعد، ایک رات دو
پشت، وہ کمینہ نواب سج دھج کر اپنے مصاحبین کے جلو میں اشرفی بیگم کے بالا خانے پر طلوع ہوا، اس
سر پر دستار بندھی ہوئی تھی، اس نے مجھے دیکھا تو تلملا کر رہ گیا۔ میں نے حسب معمول اس رات پھر
نشیں پر روپے کی برسات کی اور دوسرے نوابین نے بھی دل کھول کر اسے نوازا۔ بن علی نے اپنے گلے
مالا اتار کر دے دی۔ پھر میں نے اشرفی بیگم کو بلا کر پوچھا۔ ''اب کیا ارادہ ہے اشرفی بیگم؟ اب مجھ
برداشت نہیں ہوتا۔''

''دیکھئے خان صاحب! بات چند دنوں میں لاکھوں روپے تک جا پہنچی ہے۔''

''مجھے معلوم ہے۔ بہرحال آپ کب تک تڑپاتی رہیں گی؟ ان لوگوں سے مجھے رقابت محسوس
ہے۔''

اشرفی بیگم نے ماہرانہ ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔ ''مجھے کچھ کما لینے دیجئے۔ آپ نے دیکھا بولی دس
سے اوپر پہنچ گئی ہے۔''

''جن لوگوں کے پاس پیسہ محنت کے بغیر آ جاتا ہے، ان کے لئے دس لاکھ کیا حیثیت رکھتے ہیں
میں نے چٹکی لی۔ ''میری پیش کش کو اولیت حاصل ہے۔ میں نے سب سے پہلے بولی لگائی تھی۔ اس
زیادہ دینے کو تیار ہوں۔''

''آپ مجھے مہلت دیجئے۔'' اشرفی بیگم نے درخواست کی۔

''آپ کی یہ مہلت تو میری حرکت قلب بند کر کے رہے گی۔''

بن علی نے اشرفی بیگم کو راز دارانہ انداز میں مجھ سے باتیں کرتے دیکھا تو منہ پھیر لیا۔ اشرفی بیگم
میرے پاس سے اٹھ کر اس کے پاس چلی گئی۔ انکا بن علی کے سر پر پہنچ گئی۔ ان کے درمیان دل نشیں کے
سودے کی بات ہوئی اور بن علی نے اس سے زیادہ کی پیش کش کر دی۔

پھر یہی سلسلہ چلتا رہا اور ایک مہینے کی مدت میں رقابت اور حسد کا ایسا بازو بندھا کہ کئی چھوٹے
موٹے نوابوں نے ادھر جانے سے توبہ کر لی۔ بن علی روز آتا اور روپے لٹا کر چلا جاتا۔ اس عرصے
میں اسے چند گاؤں بیچنے پڑے۔ میں خاموش تماشائی بنا یہ دلچسپ ترین تماشا دیکھ رہا تھا۔ یہ دنیا کا سب
سے سنسنی خیز نیلام تھا۔ اشرفی بیگم لاکھوں میں کھیل رہی تھی۔ گاتے گاتے دل نشیں کا گلا بیٹھ جاتا تھا۔ وہ
نوابین جو اپنے نام کی خاطر اپنی مونچھ اونچی رکھنے کے لئے اپنا سب کچھ لٹانے اور اپنے آپ کو داؤ پر
لگانے سے بھی دریغ نہیں کرتے، وہ ایک خوب صورت دوشیزہ کے لئے ایک دوسرے سے مقابلہ کر
رہے تھے، کوئی تنگ دل بولی لگانے میں بخل سے کام لیتا تو میں انکا کو اس کے سر پر بھیج دیتا۔ اس میدان
میں جیت اسی شخص کی ہوتی تھی جو پیسے کے لحاظ سے سب سے طاقت ور ہو۔ مجھے دل نشیں کے حصول
کی کوئی تمنا نہ تھی، میرا مقصد تو کچھ اور تھا۔ میں دن بھر انکا کے ذریعے روپے اکٹھے کرتا اور رات کو اشرفی
بیگم کے بالا خانے پر برسا دیتا۔ اب اشرفی بیگم کے تیور بدل گئے تھے۔ وہ میری عزت کرنے لگی تھی۔
اس کے ہاں کی دوسری لڑکیاں میرے سامنے بچھی بچھی جاتی تھیں۔ ایک لڑکی شمیم، جسے ایک رات
گومتی کے کنارے لے گیا تھا، مجھے بڑی حسرت کی نگاہ سے دیکھتی تھی لیکن میں دانستہ دل نشیں میں دلچسپی
لے رہا تھا۔ اشرفی بیگم کی ہوس روز بروز بڑھتی جا رہی تھی اور وہ جان بوجھ کر سودے کو طول دے رہی تھی۔
مجھے دو موسم گزارنے تھے تاکہ بدری نرائن کالی کے تحفظ سے باہر نکل آئے۔ وقت آہستہ آہستہ گزرنے
لگا اور دو ماہ گزر گئے۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کتنی دولت صرف کی لیکن بن علی کو میں نے دیوانہ بنا دیا تھا۔
اب اس کے پاس نقدی اور زیورات ختم ہو چکے تھے۔ پیسہ تیزی سے جا رہا تھا، کبھی وہ خود دیتا، کبھی انکا اس
کے سر پر جا کر دولت لٹواتی۔ اس طرح وہ دوسرے امراء اور نوابین کے سامنے سرخ رو ہوتا اور دوسرے
دن اس کے گرگے بڑھ چڑھ کر اس کے نام کے تذکرے کرتے، شہر میں بن علی کی دھوم مچی ہوئی تھی۔
دل نشیں ابھی تک اشرفی بیگم کے پاس تھی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ بن علی سب کچھ لٹا بیٹھا اب لے
دے کے ایک حویلی رہ گئی تھی۔ وہ حویلی جس پر میری نظر تھی۔ آخر ایک دن میں منظر سے غائب ہو گیا اور
دوسرے نوابین بھی رفتہ رفتہ رخصت ہو گئے۔ بن علی کو دل نشیں کی نتھ بہت مہنگی پڑی لیکن وہ ضد کا پکا اڑا
رہا اور اشرفی بیگم نے اس کی حویلی کے عوض دل نشیں کا سودا کر دیا۔ اس کے سوا بن علی کے پاس کچھ نہیں

رہا تھا۔ بن علی کی حویلی اشرفی بیگم کے حوالے ہو گئی اور لوگوں نے دیکھا کہ بن علی نے آخری رات نشیں کے گداز جسم کی چھاؤں میں گزار دی۔ دل نشیں کی یہ قیمت اسے سستی پڑی اس لئے کہ لوگوں بڑی بڑی بولیاں لگائی تھیں مگر وہ سب غائب ہو گئے۔ اشرفی بیگم کی آنکھ میں پرانے تعلق کی حیا بہر حال اتنی مروت ضرورت تھی کہ اس نے دل نشیں کو بن علی کے حوالے کر دیا۔ وہ رات آخری ر تھی۔ ایک ہفتے تک وہ اس مست ناز کے ساتھ سرمست رہا۔ پھر اگلے ہفتے اسے اشرفی بیگم کے غنڈ نے اسے حویلی سے باہر نکلنے پر مجبور کر دیا۔ یہ ایک نواب کا حیرت انگیز زوال تھا۔ حویلی سے سامان نک بازاروں میں آیا اور بن علی نے اسے بیچ کر اپنے لئے کرائے کا ایک مکان حاصل کیا۔ اس کی دو بہنیں اور دو وفادار ملازم ساتھ تھے۔ وہ لکھنو کے ایک محلے میں منتقل ہو گئے۔ بن علی کی زندگی ہی میں ا کی موت واقع ہو گئی۔ وہ ہذیانی انداز میں اشرفی بیگم کے ہاں جاتا اور اشرفی بیگم میرے سامنے اس نظریں پھیر لیتی۔

میں بن علی کی داستان عبرت کے ساتھ زیادتی کر رہا ہوں۔ اس کی بہنیں درخشاں اور زرافشا تو کوٹھے پر نہ بیٹھ سکیں لیکن میں نے ایسی صورت پیدا کر دی کہ خود بن علی اشرفی بیگم کے ہاں چلم بھرنے لگا۔

یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس کے تمام اعزا اس سے دور ہو گئے تھے۔ وہ ایک بدنام ا بے عزت شخص کی طرح سے ہر طرف مشہور ہو گیا تھا اور آخر اس ڈرامے کا ڈراپ سین اس طرح ہوا بن علی محض اشرفی بیگم کے بالا خانے کا ہو رہا۔ وہاں کسی مروت اور قدیم تعلق کی رعایت کی امید میں جا تھا۔ وہ اپنے گھر واپس نہیں آنا چاہتا تھا۔ درخشاں اور زرافشاں کی حفاظت اس کے دونوں وفادار ملازم رہے تھے۔ بن علی مستقل طور پر اشرفی بیگم کی ڈیوڑھی پر ٹک گیا۔ اس کی حالت دیوانوں کی سی تھی۔ اسے اپنا ہوش نہیں رہتا تھا۔ مجرے کے دوران وہ ایک کم تر کی حیثیت سے الگ تھلگ بیٹھا رہتا اور ایک ایک منہ تکتا رہتا۔

زرافشاں اور درخشاں کو دیکھنے کو جی چاہتا تھا۔ ایک دن میں ان کے مکان پر پہنچا۔ وہ ایک متوسط درجے کا مکان تھا۔ میں نے خود کو بن علی کا دوست ظاہر کیا لیکن مجھے اندر جانے کی اجازت نہیں ملی۔ دروازے پر وہی شہزادہ نظر آیا جو بن علی کی حویلی میں ملا تھا۔ اس نے میرا راستہ روک لیا۔

''آپ یہاں بھی ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں، ان لوگوں کو نگہبانی کی ضرورت تھی ہم یہاں چلے آئے۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''میں زرافشاں اور درخشاں کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے اندر جانے دیجئے۔'' میں نے کہا۔

''خوب! اب آپ ان کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ بخدا اگر ہمیں روک نہ دیا جاتا تو ہم آپ کو دیکھ لیتے۔'' اس نے غصے میں کہا۔

''آپ کا مقصد کیا ہے؟'' میں نے تیور بدل لیا۔

''وقتی طور پر ہم مجبور ہو گئے تھے لیکن آپ اسے ہمیشہ کی مجبوری نہ سمجھیں۔'' اس نے نخوت سے کہا۔

''شاید آپ کوئی معرکہ چاہتے ہیں۔'' میں نے صاف گفتگو کی۔

''ہاں! لیکن اس وقت جب ہمیں اس کی اجازت مل جائے گی، آپ جا سکتے ہیں۔''

انکا نے پھر حسب سابق مجھے واپس چلنے کی تاکید کی۔ میں بپھر رہا تھا لیکن جب انکا ہی نے کچھ آگے کہنے سننے سے انکار کر دیا تھا تو مجھے بے نیل مرام واپس آنا پڑا۔ البتہ ایک بات واضح ہو گئی تھی کہ وہ شہزادہ مجھ سے سخت برافروختہ تھا مگر کوئی طاقت اسے روکے ہوئے تھی۔ وہ طاقت کون تھی؟ میں نے انکا سے دریافت کرنا چاہا۔ انکا نے موضوع بدلنے کی کوشش کی لیکن میرے دل میں اس کی یہ مزاحمت پھانس بن کر اٹک گئی، میں چلا آیا۔ یوں بھی بن علی کو اس عبرت ناک حالت میں دیکھ کر میری انتقامی شدت میں خاصی کمی آ گئی تھی۔ بلکہ مجھے اس پر کسی قدر ترس بھی آنے لگا تھا۔ ہاں زرافشاں اور درخشاں کو دیکھنے کی تمنا دل ہی میں رہ گئی۔ اب میرا کام ختم ہو گیا تھا۔ اب مجھے صرف اشرفی بیگم سے نمٹنا تھا۔ اسے میں نے اب تک ڈھیل دے رکھی تھی۔ تین مہینے سے زیادہ ہو گئے تھے۔ اسی طرح ایک موسم بھی گزر گیا اور سردیاں شروع ہو گئیں۔ دل نشیں سے اب مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ آخر ایک رات اشرفی بیگم کے بالا خانے پر میں سارا حساب کتاب چکانے کی غرض سے پہنچا۔ رنگ جما ہوا تھا۔ بن علی ایک کونے میں وحشت زدہ سا بیٹھا تھا۔ میں نے اس پر حقارت کی نظر ڈالی اور بیٹھ گیا۔ جب سب لوگ چھٹ گئے، دل نشیں گا چکی، خورشید گا چکی تو فانوس ٹمٹمانے لگے۔ اشرفی بیگم کو یہ جرأت نہیں تھی کہ وہ مجھ سے اجازت مانگے۔ آخر میں نے اسے قریب بلایا اور سختی سے کہا۔ ''اشرفی بیگم! اب تمہیں یہ پیشہ چھوڑ دینا چاہئے۔ گزشتہ دنوں تم نے بہت کما لیا۔ جانتی ہو یہ سب کچھ کس کی وجہ سے ہوا؟'' میں نے رازداری سے پوچھا۔

''خان صاحب! کمایا کیا خاک؟ ان لڑکیوں کی تربیت پر اتنا صرف ہو جاتا ہے کہ بچتا بچاتا کچھ نہیں ہے۔ مگر آپ یہ کیسے سمجھ رہے ہیں کہ سب کچھ آپ کی وجہ سے ہوا؟ میں عرض کروں کہ یہ سب کچھ دل نشیں کے حسن کے سبب ممکن ہوا۔''

''بھول گئیں کہ ہم نے دل نشیں کی اوقات سے بڑھ کر اس کی بولی لگائی تھی؟ کیا گوشت پوست کے اس پنجر کی اتنی قیمت لگ سکتی تھی؟ لاکھ روپے، دس لاکھ روپے۔ لاکھوں روپے اشرفی بیگم کبھی تم نے سنا ہے کہ دوشیزگی کی اتنی مہنگی قیمت ہوتی ہے؟ تمہیں نہیں معلوم یہ سب کچھ میں نے کیا تھا اور میں نے

اپنے ایک بڑے مقصد سے کیا تھا۔ اب میں تم سے ایک چیز مانگ رہا ہوں، وہ مجھے دے دو۔ بن علی حویلی کے کاغذات۔'' میرے لہجے میں تندی و ترشی تھی۔

مجھے معلوم تھا کہ اشرفی بیگم بے حد مغرور ہوگئی ہے۔ وہ اتنی دولت کا تصور بھی نہیں کرسکتی تھی۔ اس مزاج آسمان پر رہتا تھا پھر اس عرصے میں میری سادہ دلی سے اس کا وہ خوف بھی دور ہوگیا تھا جو شروع میں اسے مجھ سے تھا۔ وہ میرے متعلق مشہور ہونے والے افسانوں کو ایک وہم سمجھ رہی تھی اس لئے اس وقت میرے مطالبے پر وہ ہتھے سے اکھڑ گئی چیخ کر کہنے لگی۔ ''ارے واہ، آپ بھی کمال کرتے ہیں خان صاحب! آپ نے اپنا حق خوب جتایا ہے، آپ نشے میں تو نہیں ہیں؟''

''اشرفی بیگم! میں جس حالت میں ہوں اس کا اندازہ تمہیں ہو جائے گا۔ تم میرا مطالبہ پورا ورنہ نقصان اٹھاؤ گی۔ اس سے قبل کہ میں تم سے کچھ اور مطالبہ کروں اور تم سے وہ تمام نقدی اور زیور طلب کروں جو تم نے حاصل کئے ہیں، بہتر ہے کہ تم خود سمجھ جاؤ۔'' میں نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

''آپ بہک رہے ہیں خان صاحب۔ ایسے لوگوں سے بنے خان نمٹتا ہے۔ میں آپ سے کہ ہوں کہ آپ از راہ کرم یہاں سے چلے جائیں۔ اشرفی بیگم کا بالا خانہ کوئی چڑیا گھر نہیں ہے جہاں بھانت بھانت کے جانور اپنی بولیاں بولیں۔'' اشرفی بیگم نے بھی سختی سے جواب دیا۔

''تم حد سے بڑھ رہی ہو۔ میں تمہاری موت بن کر آیا ہوں۔'' میں نے مشتعل ہو کر کہا۔

سازندے اٹھ گئے تھے۔ صرف بنے خان طبلچی موجود تھا۔ بن علی بھی ایک کونے میں سمٹا ہوا ہماری باتیں سن رہا تھا۔ جب بات زیادہ گرم ہوئی اور تو تڑاخ تک نوبت پہنچی تو اشرفی بیگم نے سختی سے ساتھ مجھے بالا خانے سے نکل جانے کا حکم دیا۔

''اشرفی بیگم! میں آج کے بعد یہاں نہیں آؤں گا مگر آج میں تمہیں تمہارے گناہوں اور کمینگی کی سزا دینے آیا ہوں۔ آج میرے آنے کا مقصد وہ نہیں ہے جو روز ہوتا تھا۔''

''بنے خان!'' اشرفی بیگم نے دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔ ''جمیل احمد خان شاید زیادہ بہک گئے ہیں تمہیں انہیں راستہ دکھانے کی ضرورت پڑے گی۔''

بنے خان اشرفی بیگم کا پرانا نمک خوار تھا۔ بازار حسن میں اس کا طوطی بولتا تھا۔ آدمی جسامت خصلت دونوں اعتبار سے خطرناک تھا۔ اشرفی بیگم کا حکم سنتے ہی وہ آستین چڑھاتا ہوا اٹھا اور مونچھوں تاؤ دیتے ہوئے بولا۔ ''جمیل میاں! عزت عزیز ہے تو چلتے پھرتے نظر آؤ۔ بنے خان کی دشمنی مول لکھنؤ کی زمین تم پر تنگ ہو جائے گی۔ پھر یہاں کا آسمان بھی تم کو پناہ نہیں دے سکے گا۔''

بنے خان کا تضحیک آمیز جملہ سن کر میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ میں تیزی سے درواز جانب بڑھا۔ بنے خان کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ ابھر آئی۔ اس عرصے میں بن علی کمر

کھسک گیا تھا۔ اشرفی بیگم نے کھنکھار کر تھوکا۔ ان دونوں کا خیال تھا کہ میں ڈر کر جا رہا ہوں لیکن جب میں نے دروازہ بند کیا اور پلٹ کر ان دونوں پر نظر ڈالی تو اشرفی بیگم کو جھرجھری آ گئی۔ البتہ بنے خان اس وقت بھی بگڑے ہوئے تیوروں سے مجھے گھور رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ''تم نے دروازہ بند کر کے خود اپنے لئے راہ فرار مسدود کر لی ہے جمیل احمد خان!'' بنے خان نے کہا۔ ''یہ آج تم پر منکشف ہو جائے گا۔''

بنے خان آگے بڑھنے لگا۔ وہاں تین نفر تھے۔ اشرفی بیگم اپنی جگہ کھڑی مجھے گھور رہی تھی۔ میرے لئے حالات پر قابو پانا کچھ مشکل نہ تھا چنانچہ میں نے انکا کو اشارہ کیا کہ وہ بنے خان کے سر پر پہنچے۔ جب انکا میرے سر سے اتر گئی میں تو میں نے بنے خان کو مخاطب کر کے سرد آواز میں کہا۔ ''بنے خان! مجھے معلوم ہے کہ تم کون ہو لیکن آج تمہارا واسطہ کسی اور سے پڑا ہے۔ میرے سلسلے میں تمہیں خفت اٹھانی پڑے گی۔ بہتر ہے جہاں ہو وہیں رک جاؤ اور اپنی اوقات نہ بھولو۔''

بنے خان جو اس وقت انکا کی پُراسرار قوت کے زیر اثر تھا، میرا حکم پاتے ہی رک گیا اور اس کا رویہ اچانک بدل گیا۔ اشرفی بیگم نے اسے رکتے دیکھا تو چلا کر بولی۔ ''نمک حرام۔ تو ایک ننھے کی گیدڑ بھبکی سے رک گیا۔ آگے بڑھ اور اس کی انتڑیاں پیٹ سے نکال دے۔''

مجھے اسی لمحے کا انتظار تھا چنانچہ میں نے دل ہی دل میں انکا سے رابطہ قائم کر کے اسے ضروری ہدایتیں دیں اور اس تماشے کا انتظار کرنے لگا جو کچھ دیر بعد شروع ہونے والا تھا۔

''ذلیل، نطفہ ناتحقیق! کیا تو نے میرا حکم نہیں سنا؟'' اشرفی بیگم نے جھلا کر بنے خان کو دوبارہ مخاطب کیا۔

بنے خان نے پلٹ کر کہا۔ ''خانم! تمہارے حکم پر میں پورے لکھنؤ کی انتڑیاں باہر نکال سکتا ہوں لیکن اس کے عوض تمہیں میرا منہ مانگا انعام دینا ہوگا۔''

''دوں گی حرام زادے، دوں گی۔ تو ایک لاکھ بھی مانگے گا تو دوں گی لیکن شرط یہ ہے کہ آج اس ننھے کا صفایا کر دے۔'' اشرفی بیگم غصے سے سرتاپا لرز کر بولی۔

''اگر تم جان بھی مانگو گی تو بنے خان انکار نہیں کرے گا۔ خانم، میں مدت سے تمہارا آرزومند ہوں بس وصال کا شربت درکار ہے، اپنے اس خادم خاص سے وعدہ کر لو۔''

''کمینے تیری یہ مجال!'' اشرفی بیگم آپے سے باہر ہوگئی۔ اس نے فرش پر رکھا ہوا گلدان اٹھا کر بنے خان کو مارنا چاہا لیکن اتنی مہلت نہ مل سکی۔ بنے خان نے ٹھوکر ماری اور گلدان اچھل کر دور جا پڑا۔ اشرفی بیگم نے سنبھلنے کی کوشش کی لیکن بنے خان نے اسے اس کا موقع نہیں دیا اور تھپڑوں اور لاتوں سے اس کی تواضع کرنے لگا۔

بنے خان اشرفی بیگم کو فرش پر گرا کر رگید رہا تھا اور اشرفی بیگم اسے مغلظات سنا رہی تھی لیکن بنے

خان گویا بہرا ہو گیا تھا۔ اس نے ایک ہی جھٹکے میں اشرفی بیگم کا جمپر درمیان سے چاک کر دیا اور اش
بیگم کا سینہ عریاں کر کے اس پر دانت جما دیے۔ اشرفی بیگم کی کربناک چیخیں آس پاس کے بالاخا
سے آنے والی موسیقی کی تیز آواز تلے دب کر رہ گئیں۔ وہ بڑا خونیں اور دہشت ناک منظر تھا۔ اشرفی
کا سینہ لہولہان تھا۔ ببنے خان نے بڑی بے دردی کے ساتھ اسے جگہ جگہ سے کاٹا تھا۔ ببنے خان درند
گیا تھا۔ وہ اسے نوچ رہا تھا، بھنبھوڑ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر درندگی کا راج تھا۔ اس خیال سے کہ
اندر سے کوئی آ نہ جائے، میں تیزی سے لپک کر اندر گیا۔ اندر کے تمام کمرے دیکھ ڈالے لیکن سار
کمرے سنسان پڑے تھے۔ معاً مجھے پچھلے راستے کا خیال آیا۔ میں دوڑتا ہوا اس طرف گیا تو میرے
کی تصدیق ہو گئی۔

وہ لوگ بیرونی کمرے میں کھیلے جانے والا خونیں ڈراما دیکھ کر چپکے سے فرار ہو چکے تھے۔ ببن
بھی کہیں موجود نہ تھا۔ زیورات کی الماری کھلی پڑی تھی۔ میں نے جلدی سے پچھلا دروازہ بند کر کے
لگا دی پھر باہر آ گیا۔ اشرفی بیگم کے جسم پر نظر پڑی تو ایک لمحے کے لئے میرے رونگٹے کھڑ
ہو گئے۔ اشرفی بیگم عریاں حالت میں فرش پر پڑی تھی، اس کے سینے کے دونوں طرف کا گوشت غائ
ہو چکا تھا۔ پیٹ درمیان سے چاک تھا۔ چہرہ لہولہان تھا۔ آنکھوں کے دونوں حلقوں سے خون ابل
تھا۔ گال پر جگہ جگہ خراشیں موجود تھیں۔ ببنے خان اشرفی بیگم کے برابر چت پڑا تھا اور ایک خنجر دستے
اس کے دل کے مقام پر پیوست نظر آ رہا تھا۔ ابھی میں یہ لرزہ خیز منظر دیکھ ہی رہا تھا کہ انکا میرے
آ گئی اور پریشان لہجے میں بولی۔ ''جمیل! گھر کے تمام افراد فرار ہو گئے ہیں۔ ببن علی بھی حویلی
کاغذات، نقدی اور زیورات لے کر فرار ہو گیا ہے۔ اب میرا اس کے سر پر جانا ضروری ہے۔ سازند
اس وقت پولیس چوکی پر اپنا بیان لکھوا رہے ہیں۔ پولیس چند منٹوں میں یہاں پہنچنے والی ہے۔ ببن
ابھی دور نہیں گیا ہو گا۔ میں اسے لے کر آتی ہوں۔''

''ببن علی کو فوراً پکڑو۔ وہ پچھلے راستے سے فرار ہو گیا ہے۔'' میں نے انکا سے پریشانی سے کہا۔

''ہاں، مجھے فوراً جانا چاہئے۔ میں ببن علی کو واپس لاتی ہوں۔ ابھی لمحوں میں آ جاؤں گی۔ تمہیں
اسی وقت کسی طرح یہاں سے نکلنا ہے۔'' انکا نے دوبارہ پریشانی کا احساس دلایا۔

میں نے کہا۔ ''تمہیں دیر نہیں لگنی چاہئے، فوراً آنا ہو گا۔''

''حالات سمجھنے کی کوشش کرو جمیل! جو کھیل یہاں شروع ہوا تھا، اس کی اطلاع نیچے پہنچ گئی ہے۔
ببن علی پھر خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ میں جا رہی ہوں اور تم یہاں سے نکلنے اور فرار ہونے کی کو
کرو۔''

انکا فوراً چلی گئی۔ میں نے جھری سے جھانک کر باہر کی صورت حال کا جائزہ لیا۔ یہ دیکھ کر مجھ

سینہ آ گیا کہ باہر ایک ہجوم جمع ہو رہا تھا۔ لوگ دروازے پر جمع تھے۔ گویا ابھی ابھی پولیس پہنچنے والی
ہو گی۔ باہر نکلنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ مجھے غصہ آنے لگا کہ اس وقت انکا کیوں چلی گئی لیکن ببن علی کا
ناقب بھی ضروری تھا۔ اب میرے لئے سارے راستے بند ہو چکے تھے۔ ہر چند کہ اشرفی بیگم کا قتل
ببنے خان کی خودکشی کے واقعات مجھے پھانسی کے تختے سے دور رکھنے کے لئے کافی تھے لیکن لڑکیوں
ر سازندوں کا بیان مجھے پھنسوا سکتا تھا۔ ببن علی کا فرار بھی رکاوٹیں ڈال سکتا تھا۔ وہ موقع غنیمت سمجھ کر اپنا
ام کر گیا تھا۔ میں عجیب الجھن میں گرفتار تھا۔ میرے اردگرد خطرے کے دائرے تنگ ہوتے جا رہے
تھے۔ میں نے سوچا، فرار کے لئے کیوں نہ پچھلا راستہ آزمایا جائے۔ میں تیزی سے پلٹ کر پچھلے
وازے پر پہنچا تو وہاں بھی نیچے سے لوگوں کی چیخ پکار کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اشرفی بیگم کا بالاخانہ اب
رے لئے چوہے دان کی حیثیت رکھتا تھا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ میں ناچار اس کمرے
ے پہنچا جہاں اشرفی بیگم اور ببنے خان کی لاشیں ایک بھیانک منظر پیش کر رہی تھیں۔ اس وقت نیچے
اروں کا مجمع موجود تھا۔ اگر میں انکا کے ذریعے نکل بھی جاتا تو بھی انصاف اور قانون کی ساری مشینری
کت میں آ جاتی۔ حالات نے بہت تیزی سے سنگین صورت حال اختیار کر لی تھی۔ انکا تو چلی گئی تھی لیکن
ے اس عذاب میں تنہا چھوڑ گئی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر وہ ہوتی تو میں کیا کرتا؟ اتنے بڑے ہجوم میں
ازہ کھول کر باہر نکلنا آسان ہوتا۔ مجمع میں کس طرح میرا جسم نکلتا؟ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، کیا کروں؟
ں میں کسی آخری فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا کہ بیرونی سیڑھیوں پر متعدد قدموں کی آہٹیں ابھریں
پھر کسی نے زور و شور سے دروازہ پیٹنا شروع کر دیا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

''جمیل احمد خان! دروازہ کھول دو ورنہ ہم دروازہ توڑ دیں گے۔ پولیس تمہیں چاروں طرف سے
چکی ہے۔'' باہر کسی نے کرخت آواز میں کہا۔

میں پلٹ کر پچھلے دروازے پر جا پہنچا۔ جھری سے جھانک کر دیکھا تو اس طرف بھی مسلح پولیس کا
میری گھات میں تھا۔ نیچے تپلی گلی میں لاتعداد افراد اکٹھا تھے۔ کیا میں دروازہ کھول دوں؟ میں نے
آپ سے سوال کیا مگر اس طرح پولیس اور بیانات اور سزا کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ تو
ں کیا کروں؟ کیا میں خاموش رہوں، ہاں مجھے خاموش رہنا چاہئے۔ انکا کا انتظار کرنا چاہئے۔ میں
رونی کمرے میں آ گیا۔ سامنے والے دروازے پر پھر ایک کرخت آواز ابھری۔ ''جمیل احمد خان!
ہیں آخری وارننگ دے رہا ہوں۔ دروازہ کھول دو اور خود کو ہمارے حوالے کر دو۔ اگر تم نے
لنے کی کوشش کی تو بھون کر رکھ دیے جاؤ گے۔ میں تمہیں پانچ منٹ کی مہلت دیتا ہوں۔''

میں نے انکا کو یاد کیا، کلدیپ کو یاد کیا، جگدیو کو یاد کیا۔ پولیس کی ایک اور وارننگ مجھے مل گئی تھی
یکے بعد دیگرے اعلانات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ انکا ابھی تک غائب تھی۔ میں بہت پریشان تھا۔

سخت پریشان۔ میں نے انکا آواز دی کہ وہ جہاں بھی ہو فوراً آ جائے۔

ابھی میرا جملہ ختم نہ ہوا تھا کہ بیرونی دروازہ چرچرانے لگا اور میری وحشت حد سے سوا ہو گ دوسرے کمرے میں چلا آیا اور میں نے اندر سے دروازہ بند کرلیا اور زور سے پھر انکا کو آواز بیرونی دروازہ توڑ کر اندر آ گئے تھے۔ میں دوسرے کمرے میں بند ہو گیا تھا۔

باہر ایک شور برپا تھا۔ گلیاں تماش بینوں سے بھر چکی تھیں۔ دونوں دروازے بند تھے غیبی مدد کی آمد کا منتظر تھا اور اس انتظار میں کہ شاید انکا آ جائے، مجھے کچھ وقت لینا تھا۔ کچھ مہلت تھی اس لئے میں دوسرے کمرے میں چلا آیا اور جھلا کر انکا کو آوازیں دیں۔ بیرونی کمرے میں والے وزنی قدموں کی آوازیں دل پر ضربیں لگا رہی تھیں۔ پولیس کے سنگین بردار سپاہی ا دروازہ توڑ کر اندر آ چکے تھے۔ میرے لئے ایک ایک لمحہ جاں گسل تھا۔ انکا اس خطرناک موقع کہاں غائب ہو گئی تھی۔ انکا جواب میرے تصرف میں تھی، اس نازک موقع پر میری دسترس سے میں نے دل کی تمام گہرائیوں سے اسے پکارا۔ ''انکا مجھے اس وقت تمہاری ضرورت ہے، تمام کر آ جاؤ۔ بن علی کو جہنم میں ڈالو، میری مدد کرو۔'' مگر میری آواز حلق کے اندر گھٹ کر رہ گئی۔ باہر سے ایک کرخت آواز ابھری۔ ''جمیل احمد خان! اب تمہارے لئے بچ نکلنا محال ہے۔ ا نظروں سے بھاگ کر تم کہیں نہ جا سکو گے۔ خیریت چاہتے ہو تو دروازہ کھول دو ورنہ ہم اسے تو گے۔''

میرے دل میں آیا کہ انہیں کوئی منہ توڑ جواب دوں کیونکہ میں ان کے ہاتھ کہاں آ اگر میں خود کو تنہا سمجھتا تو اشرفی بیگم کے کوٹھے پر یہ خون ریزی کیوں ہوتی؟ میں جس کے بھر وہی مجھ سے دور تھی۔ میں نے دروازے کی جھری سے باہر جھانک کر دیکھنے کی کوشش کی۔ باہر مچی ہوئی تھی۔ پولیس کے آدمی ان لوگوں کو سامنے سے ہٹانے کی کوشش کر رہے تھے جو اندر آ میں چاروں طرف سے پھنس گیا تھا، تلملانے اور اپنے اوپر لعنت بھیجنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا جھری آ گئی۔ میں نے جھری سے نگاہیں ہٹالیں اور پھر کمرے کے اندر اپنے چھپنے کے ا غور کرنے لگا۔ یہ ایک مرصع کمرا تھا۔ قدیم طرز کے فرنیچر سے آراستہ، ایک شاندار مسہری د اشرفی بیگم دراز ہوا کرتی تھی۔ میں اس کے نیچے چھپ سکتا تھا۔ الماریاں ملبوسات سے بھری بار بار احمقانہ ترکیبیں میرے ذہن میں آتیں اور میں جھنجلا کر انہیں مسترد کر دیتا۔ وہ اب د لگے تھے۔ یکا یک ایک شور بلند ہوا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے مجمع میں کوئی شخص چیختا چنگھاڑتا آ گیا یہ آواز مجھے مانوس سی معلوم ہوئی، میں نے ایک کرسی قریب کر کے دروازے کے اوپری کی کوشش کی اور مجھ پر حیرتیں ٹوٹ پڑیں، میں صرف ایک دائرے میں دیکھ سکا مگر مجھے وہ نظ

مردود اور ملعون شخص بدری نرائن کمرے میں ہجوم کو چیرتا ہوا آگے بڑھا۔ ''مجھے راستہ دو۔ مجھے راستہ دو۔'' وہ چیخ رہا تھا۔

وہ لوگ حیرت سے اس کی طرف متوجہ ہو کر دیکھنے لگے۔ ''تم کون ہو مہاراج! یہاں کیسے؟'' ایک پولیس افسر نے اس کا راستہ روک کر کہا۔ ''شاید تم غلط جگہ آ گئے ہو۔''

''ہٹو۔ مجھے راستہ دو۔ میں ٹھیک وقت اور ٹھیک جگہ پر آیا ہوں۔ وہ تمہارے قابو میں نہیں آئے گا۔ میں تمہاری مدد کرنے آیا ہوں۔ ایک عرصے بعد مجھے موقع ملا ہے، میں اسے تمہارے حوالے کر دوں گا۔ تم نہیں جانتے کہ تمہارا واسطہ کتنے بڑے شیطان سے پڑا ہے۔'' بدری نرائن نے گرجدار آواز میں کہا۔

''کیا تم اسے جانتے ہو؟'' پولیس افسر نے نخوت سے پوچھا۔

''میں کیسے نہیں جانتا'' بدری نرائن نے لہرا کر کہا۔ ''وقت کم ہے، دیر نہ کرو۔ باقی باتیں بعد میں پوچھنا۔ وہ بڑی مشکل سے قابو میں آیا ہے۔ اس وقت اس کی پری انکا بھی اس کے ساتھ نہیں ہے، یہ موقع غنیمت ہے، وہ اندر موجود ہے۔ دروازہ توڑ کر اندر داخل ہو جاؤ۔'' بدری نرائن نے جیسے اسے حکم دیا۔

''وہ اندر موجود ہے مگر تمہارا اس سے کیا تعلق ہے؟'' پولیس افسر نے تشویش سے پوچھا۔

''میری اس کی پرانی دوستی ہے۔ آج میں دوستی کا حق نبھانے آیا ہوں'' بدری نرائن نے طنز سے جواب دیا۔ ''ٹھہرو۔ دروازہ توڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ آؤ میں اسے کھولتا ہوں، میں اسے ابھی کھولے دیتا ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے آنکھیں بند کرلیں اور بدبدانے لگا۔ پولیس کے لوگ سراسیمہ اور متوحش نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے، وہ بڑے متذبذب نظر آ رہے تھے کہ آیا بدری نرائن کی باتوں کا یقین کرلیں یا اسے عام لوگوں کی طرح دھتکار کر نیچے پھینک دیں۔ مجمع پر سکوت طاری ہو چکا تھا، بدری نرائن پورے انہماک سے کچھ پڑھ رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ دروازہ لمحوں میں کھل جائے گا اور وہ لوگ بدری نرائن کی عظمت کے قائل ہو جائیں گے۔ اتنی چھوٹی سی بات بدری نرائن کے لئے کیا اہمیت رکھتی تھی، میں نے جھری پر پردہ گرا دیا اور غیر اختیاری طور پر کرسی ہٹا کر چھپنے کی ناکام کوشش کرنے لگا۔ میں کمرے میں ادھر ادھر بھاگ رہا تھا، مجھے اپنا انجام صاف نظر آ رہا تھا، یقیناً بدری نرائن نے انکا کی آمد کے راستے اپنے کسی جاپ سے مسدود کر دئے ہوں گے۔ وہ میری تاک میں تھا، میں اپنے سینے میں ڈوبنے لگا۔ لمحوں کی بات تھی، اس کے بعد میں پولیس کے چنگل میں پھنسنے والا تھا پھر وہی گرفتاریاں، پھر وہی ایذا رسانیاں۔ تھانہ، کچہری، پولیس، جیل خانہ۔ انکا کے آنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ مجھے مایوسیوں نے گھیر لیا اور میرا سانس اکھڑنے لگا۔ پھر میں نے دل کو دلاسا دیا۔ ٹھیک ہے وہ مجھے گرفتار کرلیں مگر یہ گرفتاری عارضی ہو گی کیونکہ انکا کسی نہ کسی طور پر میرے سر پر آ ہی جائے گی۔ اس جگہ نہ سہی، کسی اور جگہ سہی۔ اس وقت نہ سہی، کچھ دیر بعد سہی، لیکن تھوڑی دیر بعد پولیس کے ہاتھوں میری جو درگت بننے والی

تھی اس نے مجھے دہشت زدہ کر دیا تھا۔ جتنی دیر گزرتی جا رہی تھی، پولیس کی شدت اور شور میں اضا
موجب ہو رہی تھی۔ میں سہمے ہوئے انداز میں دیواروں میں چھپنے کی کوشش کرنے لگا۔ میری نظ
دروازے پر مرکوز تھیں۔ وہ اب چرمرانے لگا تھا۔ پشت کی دیوار نے میرا راستہ روکا تو میں چونکا، مـ
پلٹ کر پچھلی گلی میں کھلنے والی کھڑکی کی اوٹ سے نیچے جھانکا۔ ہجوم دیکھ کر میرے رہے سہے اوسان
ہو گئے، گلی میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ وہ سب سنگ دل جمیل احمد خان کی رسوائی کا تماشا دیکھنے کے
بے تاب تھے۔ دروازہ پل بھر کا مہمان نظر آ رہا تھا۔ در و دیوار میری حالت پر مسکرا رہے تھے۔ پھر اچا
ایک ضرب کے ساتھ دروازہ کھل گیا۔ سب سے پہلے ایک باوردی پولیس افسر تیزی سے اندر داخل ہو
میرا جسم سمٹ گیا۔ اسی لمحے ایک مانوس آواز نے میرے کانوں میں سرگوشی کی۔ ''جمیل! کوئی آواز
نکالنا، جس جگہ کھڑے ہو، وہاں سے ذرا بھی جنبش نہ کرنا، پولیس تمہارا بال بیکا نہ کر سکے گی۔''

کلپنا! یہ آواز کلپنا کی تھی۔ دوسرے ہی لمحے پولیس دندناتی ہوئی کمرے میں داخل ہو گئی۔ وہ لمحا
آج بھی میرے تصور میں محفوظ ہیں جب میں پولیس کی نگاہوں کے سامنے کھڑا تھا لیکن قانون
بپھرے ہوئے نگہبان مجھے دیکھنے سے قاصر تھے۔ کمرے میں اپنے مخصوص لباس میں حسین و جمیل
جلوہ گر تھی۔ ایک پولیس افسر نے آگے بڑھ کر درشت لہجے میں اس سے پوچھا۔ ''تم کون ہو؟ وہ کہا
ہے؟''

''وہ کون؟ وہ تو کب کے چلے گئے۔'' کلپنا نے معصومیت سے جواب دیا۔

''لڑکی! وہ یہیں موجود ہے۔ ہمیں اس کا پتا بتا دو۔ وہ مجرم ہے اور زیادہ دیر تک ہمیں فریب
دے سکتا۔'' پولیس افسر نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

''کون مجرم؟ کس کی بات کر رہے ہیں آپ؟ جمیل احمد خان تو کب کے چلے گئے۔'' کلپنا
اسی سادگی سے کہا۔

میں بالکل خاموش ایک کونے میں کھڑا تھا اور حیران نظروں سے کبھی کلپنا کو اور کبھی پولیس کو دیکھ
تھا۔ پولیس افسر بھنایا ہوا کلپنا کے قریب پہنچ گیا پھر اس نے رعونت سے پوچھا۔ ''وہ کب گیا؟''

''بہت دیر ہو گئی۔ نہ جانے کتنی دیر ہوئی۔'' کلپنا نے بچوں کی طرح کہا۔

''اور تم ..... تم کون ہو اور کیا کرتی ہو؟ تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ تم نے یہاں کیا کیا دیکھا؟''
پولیس افسر نے بدحواسی سے پوچھا۔

''میں ..... میں جناب، کلپنا ہوں۔ ایک داسی، میں نے یہاں کچھ نہیں دیکھا۔ میں تو دیر سے
تھی۔'' کلپنا نے فلسفیانہ انداز سے جواب دیا۔

''داسی!'' پولیس افسر نے زیر لب دہرایا پھر گرج کر بولا۔ ''لڑکی! تمہارے سامنے پولیس ہے؟

ہمیں صاف صاف بتاؤ، تم نے بار بار پکارنے پر بھی دروازہ نہیں کھولا۔ تم نے مجرم کو یقیناً کہیں چھپا دیا ہے،
وہ یہاں سے کہیں نہیں جا سکتا۔ خیر ہم تم سے بعد میں نمٹ لیں گے۔ تم اس وقت خود کو گرفتار سمجھو۔
مہاراج!'' اس نے پشت کی طرف گھوم کر کہا۔ ''مہاراج کہاں گئے؟'' شاید وہ بدری نرائن کے دروازہ
کھولنے کے معجزے سے متاثر ہو گیا تھا اور اپنی مدد کے لئے اسے طلب کرنا چاہتا تھا۔

بدری نرائن اس کی آواز سن کر مسکراتا ہوا اندر داخل ہوا مگر دوسرے ہی لمحے کلپنا کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔
کلپنا اور اس کے درمیان تیز تیز نظروں کا تبادلہ ہوا اور بدری نرائن بے پروائی سے پولیس افسر سے مخاطب
ہوا۔ ''کیا ہے؟ تم نے مجھے پکارا مہاشے!''

''مہاراج! دروازہ کھولنے پر ہمیں یہ لڑکی نظر آئی۔ غالباً اس کا تعلق بھی اشرفی بیگم کی طوائفوں
سے ہے۔ یہ کہتی ہے کہ ملزم جمیل احمد خان یہاں سے جا چکا ہے۔'' پولیس افسر نے بدری نرائن کو رپورٹ
دیتے ہوئے کہا۔

''جا چکا ہے؟'' بدری نرائن نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ ''جا چکا ہے؟ مہاشے، کیا تم سب اندھے ہو
گئے ہو؟ وہ تمہارے سامنے موجود ہے، دیکھو وہ سامنے کھڑا ہے۔ وہ کون بدمعاش دیوار سے چپکا، خوف
زدہ کھڑا ہے، اسے پکڑ لو۔ آج اس کا کام تمام ہوا۔''

''کون مہاراج؟ آپ کیا کہہ رہے ہیں، یہاں تو اس لڑکی کے سوا کوئی نہیں ہے۔'' پولیس افسر
نے عجیب سی نظروں سے بدری نرائن کو دیکھا۔

''کیا؟ کیا واقعی وہ تمہیں نظر نہیں آ رہا ہے؟ وہ سامنے دیکھو، ارے تمہارے بالکل سامنے۔ یہ ٹنٹا
سیکڑوں جرائم میں ملوث ہے، نہ جانے کتنے انسانوں کا خون کر چکا ہے، کھڑکی کے قریب سہما ہوا کون کھڑا
ہے؟'' بدری نرائن نے زچ ہو کر کہا۔

''مہاراج!'' پولیس افسر نے آنکھیں ملتے ہوئے اکتا کر کہا۔ ''کھڑکی کے قریب ..... کیا مذاق
کر رہے ہیں؟ آپ خواب دیکھ رہے ہیں، کیا آپ ..... آپ پاگل ہو گئے ہیں؟''

''اوہ ..... ہو .....'' بدری نرائن جیسے کچھ سمجھ کر بولا۔ ''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ یہ سب اس کی
شرارت ہے۔ اس سندر ناری کی ..... یہ لڑکی ..... تم اسے گرفتار کر لو۔ اس نے تمہاری آنکھوں پر پردہ ڈال
دیا ہے۔ تمہیں کچھ نظر نہیں آئے گا۔'' پھر تلملاتے ہوئے بولا۔ ''ٹھہرو ..... میں اس کا توڑ کرتا ہوں۔'' یہ
کہہ کر اس نے اپنی رانوں پر ایک زور کا ہاتھ مارا۔

اسی وقت کلپنا نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور بدری نرائن کی طرف جھٹک دیا۔ کلپنا اب تک پولیس اور بدری
نرائن کی بدحواسی، دلچسپی اور سادگی سے دیکھ رہی تھی لیکن اب اس کا خاموش رہنا مناسب نہیں تھا۔ وہ مبہم
انداز میں بولی۔ ''بدری نرائن! یہ حربے پرانے ہیں، تم بار بار زک اٹھانے کے بعد بھی باز نہیں آئے؟

تمہاری شکتی نے انکا کا راستہ تھوڑے عرصے کے لئے روک دیا لیکن کلپنا کو بھول گئے۔ جاؤ، ہمارے را
سے ہٹ جاؤ۔ اسی میں تمہاری مکتی ہے۔''

''دیوی۔ آج تمہارا کوئی جادو نہیں چلے گا۔ جمیل احمد خان نے دو قتل کئے ہیں۔ تم کب تک ا
بچاؤ گی۔ وہ پاپی جرم کرتا رہے اور ایک نہ ایک دن اپنی سزا کو پہنچ جائے گا۔ آج وہ دن آ گیا ہے۔
اسے کوئی نہیں بچا سکتا۔'' بدری نرائن نے دبنگ لہجے میں کہا۔

''بدری نرائن!'' کلپنا کی آواز میں نرمی تھی۔ ''جمیل احمد خان پر اس وقت تک کوئی ہاتھ نہیں
سکتا جب تک میں موجود ہوں۔ تم ایک معمولی پنڈت ہو...... اتنا بھی نہیں جان سکتے کہ میں کون ہوں۔''

کلپنا کی دیدہ دلیری دیکھ کر پولیس کا تمام عملہ چوکنا ہو گیا اور پولیس افسر نے سختی سے کہا۔ ''
زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ سیدھی طرح ہمیں اس کا پتا بتاؤ۔''

''اپنے مہاراج سے اس کا پتا پوچھو۔'' کلپنا نے طنز سے کہا۔

''وہ ابھی گرفتار ہوا جاتا ہے، میں کچھ سوچ سمجھ کر یہاں آیا ہوں دیوی! میں یہ موقع ہاتھ سے
جانے دوں گا۔'' بدری نرائن نے بپھر کر کہا۔

''بدری نرائن! تمہارا وقت بھی قریب آ رہا ہے۔ یہ دو ماہ بھی ختم ہو جائیں گے۔ مالا رانی اور
کا خون تمہاری گردن پر ہے۔ مجھے طیش مت دلاؤ۔ تم یہاں سے چلے جاؤ، میں تم سے آخری
ہوں۔''

''کیوں دیوی! کیا مجھ سے ڈر لگنے لگا ہے؟ مجھ پر مالا رانی اور نرگس کا خون ہے۔ مگر جمیل احمد
تمہارے اس پریمی کی گردن پر انیک منشوں کا خون ہے۔'' بدری نرائن نے غصے سے کانپتے ہوئے
پھر اس نے چھت کی طرف دیکھ کر کچھ پڑھا اور اپنے ہاتھوں کو مضحکہ خیز انداز میں جنبش دی اور
طرف انگلی کر دی۔ قریب تھا کہ میں لرز جاتا لیکن مجھے کلپنا کی نصیحت کا خیال آ گیا اور میں سانس
کھڑا رہا، بدری نرائن کے اس عمل پر کلپنا نے بھی اپنی انگلی سے دائرے بنانے شروع کر دئے اور
بدری نرائن کی طرف کر دیا۔ ان دونوں کے درمیان یہ حیرت انگیز نوک جھوک تھوڑی دیر اور جاری

''دیوی۔ تم اسے یہاں سے نہیں لے جا سکتیں۔'' بدری نرائن نے مضطرب ہو کر کہا۔ ''
کو ساری باتیں معلوم ہو گئی ہیں۔ اب جمیل احمد خان کا بچنا مشکل ہے۔ میرے آنے کا مقصد بھی
میں اصل مجرم کا پتا پولیس کو بتاؤں اور میرا کام بڑی حد تک پورا ہو گیا ہے۔''

''میرے آنے کا بھی یہی مقصد تھا کہ میں جمیل احمد خان کی مدد کروں۔'' کلپنا نے دو ٹوک
دیا۔

''سن لیا...... سن لیا تم نے پولیس کے گرگو!'' بدری نرائن نے پولیس سے مخاطب ہو کر کہا۔

تمہیں یقین نہیں آیا کہ یہی وہ عورت ہے جس نے جمیل احمد خان کو اس کمرے میں موجود ہونے کے باوجود تمہاری نظروں سے اوجھل کر دیا ہے اور کیا اب تمہیں یقین آیا کہ وہ دشٹ اب تک کیوں بچتا رہا ہے۔''

''ان باتوں سے کوئی فائدہ نہیں ہے بدری نرائن!'' کلپنا نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ''تم نے دیکھ لیا کہ تم ناکام ہو چکے ہو مگر ان کے سامنے تم مزید رسوائی سے بچنا چاہتے ہو تو یہاں سے چلے جاؤ۔''

''دیوی، تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔'' بدری نرائن کا لہجہ دفاعی ہو گیا تھا۔

''میں جانتی ہوں مگر دیوی کب تک تجھے اپنے شرن میں رکھے گی؟''

پولیس افسر اب اکتانے لگے تھے۔ وہ کلپنا اور بدری نرائن کی پُراسرار اور معنی خیز گفتگو سمجھنے سے قاصر تھے۔ ایک پولیس افسر کے اشارے پر دو کانسٹیبلوں نے پلنگ کے نیچے، الماریوں، میزوں اور قد آدم آئینے کے پیچھے مجھے تلاش کرنا شروع کیا۔ انہوں نے تمام اشیا بے دردی سے الٹ پلٹ ڈالیں، اس عرصے میں دو کانسٹیبل خوف زدہ دل نشیں، غزالہ، شمیم اور خورشید کو پکڑ کر اندر لائے۔ ان میں اشرفی بیگم کے ملازم بھی شامل تھے۔ شمیم کانپ رہی تھی اور دل نشیں تصویر یاس بنی ہوئی مجرموں کی طرح پولیس کے سامنے کھڑی تھی۔

''کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ یہاں موجود تھا؟'' پولیس افسر نے ان سے پوچھا۔

''جی ہاں۔ ہم اسے یہیں چھوڑ کر گئے تھے۔''

''مگر ممکن ہے وہ آخر میں فرار ہو گیا ہو۔'' شمیم نے ڈرتے ڈرتے زبان کھولی۔

''وہ کہاں فرار ہو سکتا ہے، تم سارا گھر دکھاؤ۔'' پولیس افسر نے شمیم کو حکم دیا۔ دو کانسٹیبل اسے دھکا دیتے ہوئے کمرے سے باہر لے گئے۔

''یہ کون ہے؟'' پولیس افسر نے کلپنا کی طرف اشارہ کر کے دل نشیں سے پوچھا۔

''یہ...... ؟ مجھے نہیں معلوم۔'' دل نشیں نے لرزتے ہوئے جواب دیا۔

''کیا مطلب؟ کیا یہ یہاں نہیں رہتی؟''

''جی نہیں۔ میں نے انہیں پہلی بار دیکھا ہے۔'' دل نشیں نے خوف زدگی سے جواب دیا۔

''مہاشے! کیوں سمے برباد کر رہے ہو؟ یہ ناریاں تمہیں کیا بتائیں گی، جو پوچھنا ہے اس ناری سے پوچھو۔'' بدری نرائن نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

''بدری نرائن!'' کلپنا نے اسے گھور کر دیکھا۔ ''انہیں کیوں مجبور کرتے ہو، کیا تم نے اپنی ناکامی قبول کر لی؟''

''تم اسے قابو میں کر لو تو میں جمیل احمد خان کو ابھی تمہارے حوالے کر دوں گا۔'' بدری نرائن نے

پولیس افسر کو حکم دیا۔ وہ خود کلپنا کے پاس جاتے ہوئے جھجک رہا تھا۔ پھر بدری نرائن نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ ''جمیل احمد خان۔ میں اندھا نہیں ہوں۔ بہتر ہے اپنی جگہ سے چل کر خود آ جاؤ ورنہ تم وہیں اگنی میں جل کر بھسم ہو جاؤ گے۔'' یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا۔

''رک جاؤ بدری نرائن!'' کلپنا نے دہاڑ کر کہا۔ اسی وقت ایک کانسٹیبل نے اس کی کلائی پکڑ لی دوسرے ہی لمحے وہ چیخ کر دور جا گرا۔ اس کا یہ حشر دیکھ کر دوسرا کانسٹیبل آگے بڑھا۔ اس نے کلپنا کو قابو میں کرنا چاہا مگر معاً اس کا بھی یہی حشر ہوا۔ نتیجتاً پولیس افسر کو اپنے پستول کا رخ کلپنا کی طرف کرنا پڑا۔ بدری نرائن آنکھیں پھاڑے دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کی رفتار بہت دھیمی تھی، چیونٹی سی، یکایک بدری نرائن کسی چیز سے ٹکرا کر گرا حالانکہ اس کے سامنے کوئی چیز نہیں تھی، مڑ کر اس نے کلپنا کی طرف دیکھا۔ کلپنا کی آنکھیں سرخ تھیں۔ پنڈت بدری نرائن نے تیزی سے اٹھ کر زمین پر تحاشا ٹھوکریں مارنا شروع کر دیں اور پاگلوں کی طرح زور زور سے کوئی جاپ پڑھنے لگا۔

''یہ شخص پاگل معلوم ہوتا ہے۔'' ایک کانسٹیبل نے اپنے افسر کے کان میں کہا۔

''چپ رہو۔ کیا تم نے اسے دروازہ کھولتے نہیں دیکھا تھا؟''

بدری نرائن جب اٹھ کر کھڑا ہوا تو کلپنا تڑپ رہی تھی اور مچل رہی تھی جیسے کوئی قوت اسے شدید اذیت پہنچا رہی ہو۔ بدری نرائن کے چہرے پر مسکراہٹ چھا گئی لیکن کلپنا ایک لمحے میں سنبھل گئی۔ بدری نرائن جو میرے قریب آ گیا تھا، الٹے قدموں پیچھے کی طرف ہو گیا۔ ''یہ کیا ہو رہا ہے مہاراج'' پولیس افسر نے جھنجلا کر پوچھا۔

''کچھ نہیں۔ یہ ناری ایک مہان پنڈت سے الجھ رہی ہے، اسے نہیں معلوم کہ وہ آگ سے کھیل رہی ہے، تم دیکھتے رہو۔'' بدری نرائن نے اسے حکم دے کر زمین پر گر گیا اور ماتھے سے زمین رگڑنے لگا۔

پولیس افسر نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں کلپنا کی طرف دیکھا۔ کلپنا اس وقت مضطرب نظر آ رہی تھی۔ یکایک اس کی انگلیوں میں تناؤ پیدا ہوا اور وہ بھی پھرتی کے ساتھ زمین پر اکڑوں بیٹھ گئی۔ اس نے زمین پر اپنی انگلی سے ایک مثلث بنایا اور اس میں ٹھوکے مارنے لگی۔ اس آواز نے کمرے میں گرج پیدا کر دی اور ایسا محسوس ہوا جیسے در و دیوار لرزنے لگے ہیں، پولیس دہشت سے پیچھے ہٹ گئی۔ دل نشیں، غزالہ اور خورشید چیخیں مار کر پیچھے ہٹ گئیں۔ بدری نرائن اپنے جاپ میں مصروف تھا۔ جب اس نے سر اٹھایا تو اس کا چہرہ غضب ناک ہو رہا تھا۔ سارا کمرا چیخوں سے گونجنے لگا جیسے ایک معرکہ کارزار گرم ہو۔ بدری نرائن کے چہرے پر ایک رنگ آتا اور ایک رنگ جاتا تھا۔ اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہونے لگے۔ تھوڑی دیر میں کمرے میں چند پولیس والے، میں، بدری نرائن اور کلپنا موجود تھے باقی سب بھاگ گئے تھے۔ مجھ پر جاں کنی کا عالم طاری تھا۔ مجھے خوف تھا کہ کہیں کلپنا ناکام نہ ہو جائے

آج بدری نرائن ہر وار کرے گا۔ اپنے کمان کا ہر ترکش آزمائے گا۔ نازک اندام کلپنا کالی کے اس سیوک سے کب تک لڑے گی؟ وقت گزر رہا تھا کمرے میں بھیانک قسم کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ میرے قدم لرز رہے تھے اور دل ڈول رہا تھا۔ میں اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کر سکتا تھا۔ کھانس اور کھنکھار بھی نہیں سکتا تھا۔ کمرے میں شور و غل کی آوازیں دیر تک گونجتی رہیں۔

''بدری نرائن!'' کلپنا کی آواز شور میں گونجی۔ ''مجھے مجبور نہ کرو کہ میں کالی کی پناہ میں آئے ہوئے ایک سیوک کو نشٹ کر دوں۔ یہ جاپ بند کرو، کالی دیکھ رہی ہے...... وہ یقیناً مجھے شما کر دے گی۔ وہ دیکھ رہی ہے کہ تم غلطی کر رہے ہو۔ میں تم سے آخری بار کہہ رہی ہوں کہ ان جاپوں سے باز آ جاؤ۔ میں یہاں سے کسی وقت بھی جا سکتی ہوں۔ میں پہلے ہی چلی جاتی لیکن تمہیں یہ بتانا ضروری تھا کہ اب جمیل احمد خان کا خیال تمہیں چھوڑ دینا چاہئے۔ اس کے ساتھ دیوی کے سیوک موجود ہیں۔ تم آج پھر بہک گئے بدری نرائن!'' کلپنا کی آواز میں نہ جانے کہاں سے اتنی طاقت آ گئی تھی کہ وہ بے ہنگم شور اس آواز کے نیچے دب گیا تھا۔

جب وہ خاموش ہو گئی تو بدری نرائن نے ایک ہذیانی قہقہہ لگایا۔ ''پانچ مر گئے ہیں، اب صرف تیرہ باقی ہیں۔''

''وہ پانچ مرے نہیں ہیں، انہیں ہٹا لیا گیا ہے۔ یہ تیرہ کافی ہیں۔'' کلپنا نے چھت کی طرف گھور کر کہا۔ ''کیا میں ان پانچوں کو دوبارہ بلاؤں؟ تمہارے پاس تو تیس ہیں مگر وہ ان پر بھاری ہیں۔''

''میں اور بلا سکتا ہوں۔''

''تمہیں شرمندگی ہو گی۔''

''میں آج فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔''

''فیصلے کا وقت ابھی نہیں آیا۔ فیصلہ بھی جلد ہو جائے گا۔ وقت اب کم ہی رہ گیا ہے۔'' کلپنا نے پُر اعتماد لہجے میں جواب دیا۔ ''میں جا رہی ہوں۔ میری یہاں موجودگی ضروری نہیں، اور سنو...... وہ بھی میرے ساتھ ہے۔'' کلپنا نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''میں نے ان کی تعداد بڑھا دی ہے۔ تم اسے یہاں سے نہیں لے جا سکتیں۔ اس کے ساتھ ...ے ہو گا۔''

''کیا تم گنتی کر سکتے ہو؟ لو دیکھو۔'' کلپنا کی آواز گونجی۔

بدری نرائن نے سراسیمہ ہو کر، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا۔ چیخ پکار اور تیز ہو گئی ...نا۔ پولیس افسر بدری نرائن کو گھورنے لگا۔ بدری نرائن نے اسے دور پھینک دیا۔ پسینے سے اس کا جسم شرابور ہو گیا تھا۔ اسی وقت کمرے میں لوبان کی خوشبو مہکنے لگی اور لوبان کے دھوئیں نے سارے کمرے کا

احاطہ کرلیا۔ وہ دھواں اتنا بڑھا کہ سامنے کی چیزیں نظروں سے اوجھل ہونے لگیں۔ بدری نرائن اور پولیس کے لوگ، سب کے سب دھوئیں میں اٹ گئے۔ عود و عنبر اور کئی قسم کی خوشبوؤں سے کمرہ رہا تھا اور ہر طرف شور برپا تھا۔ کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ایسے لرزہ خیز وقت میں کلپنا مجھے پکارا۔ ''جمیل! اب تم اس کھڑکی کے پاس سے ہٹ جاؤ۔ خیال رہے کہ تمہارا جسم ان میں کے جسم سے مس نہ ہو۔''

میں نے اس کی ہدایت اور اپنے اندازے کے مطابق کمرے کے مشرقی کونے کی طرف آہستہ کھسکنا شروع کر دیا۔ ابھی میں کھڑکی کے پاس سے ہٹا ہی تھا کہ بدری نرائن کی آواز گونجی۔ ''وہ جا رہا ہے۔ وہ اسے لے جا رہی ہے۔ پھر وہ تمہارے ہاتھ نہیں آئے گا۔ تم اسے پھر کھو رہے ہو۔ چلاؤ۔''

''تمہارا اس شہر میں رہنا مناسب نہیں ہے۔ اپنی آنکھیں بند کرلو۔'' میں نے اس کے حکم سے عمل کیا اور آنکھیں بند کرلیں۔ کمرے میں اندھا دھند فائرنگ ہو رہی تھی۔ بدری نرائن چیخ رہا ہر سمت نشانہ باندھو۔'' آنکھیں میچتے ہی مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرے پاؤں فضا میں معلق ہو چکے ہواؤں کی سنسناہٹ اور لوگوں کی چیخ و پکار میری سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔ رفتہ رفتہ یہ آوازیں گئیں اور میں اپنے حواس کھونے لگا۔ پتا نہیں کتنی دیر گزری۔ کتنے دن گزرے...... کتنے عالم گزرے وقت میری زندگی میں شامل نہیں ہوتا۔ جب مجھے اپنے زندہ ہونے کا احساس ہوا تو میں ایک ویرانے پڑا ہوا تھا۔ دور دور تک کسی آدمی کا نام و نشان نہ تھا البتہ وہ ایک سرسبز جگہ تھی۔ میں نے نظریں دیکھا۔ میری پشت پر کلپنا موجود تھی۔ وہ سرتاپا حسن کلپنا، ہری ساڑھی میں کھلی جا رہی تھی۔ اس کا بدن میری نظروں میں چکاچوند پیدا کر رہا تھا۔ اس وقت وہ بڑی معصوم اور بھولی بھالی نظر آ رہی تھی نے اس کا مسکراتا ہوا چہرہ دیکھا تو تمام پریشانیاں بھول کر محو نظارہ ہو گیا۔ کلپنا کے چہرے پر ایک دل نواز تبسم پھیلا ہوا تھا۔ اس نے مجھے محو نظارہ دیکھا تو شرمگیں نگاہوں سے بولی۔ ''تم ایک بڑی میں پھنس گئے تھے۔''

''ہاں، اگر تم نہ آتیں اور میری مدد نہ کرتیں تو میں آج کہیں کا نہ رہتا۔ میں تمہارا احسان ہوں۔'' میں نے عقیدت سے کہا۔

''مجھے وہاں پہنچنے میں ذرا دیر ہو گئی، وہ تمہاری تاک میں تھا۔ آج ہی اس نے تمام انتظام تھا۔''

''مگر کلپنا دیوی! تم تو حیرت انگیز طاقتوں کی مالک ہو۔ تم نے مجھے کبھی اپنے بارے میں نہیں آخر تم ہو کون؟ اور کیسے میری مدد کو آ جاتی ہو؟'' میں نے سراپا اشتیاق بن کر پوچھا۔

''میں ایک داسی ہوں، مجھے حکم ملا تھا، میں حاضر ہو گئی۔''

''کلدیپ نے کہا ہوگا۔ مجھے گمان ہے کہ تم کلدیپ کا کوئی روپ ہو۔ کلدیپ نے مجھ سے کہا تھا کہ تم انتہائی خطرناک حالتوں میری مدد کرو گی۔''

وہ شرما سی گئی۔ ''میں کون ہوں، یہ بات چھوڑ دو۔ بہت سی باتیں پوچھی نہیں جاتیں۔''

''مگر یہ کیا ستم ہے۔ تم میری مدد کرتی ہو اور مجھے اس پاپی سے نجات دلاتی ہو جو میری جان کے پیچھے پڑا ہوا پھر بھی مجھے تمہارا اتا پتا بھی نہیں معلوم۔''

''میں تمہارے قریب ہی رہتی ہوں اور جب تمہارے قریب نہیں رہتی تو تمہارے متعلق سوچتی رہتی ہوں۔'' کلپنا نے شیریں لہجے میں کہا۔

''مجھے اندازہ ہے لیکن اس سے سوا کی خواہش کو جی چاہتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ تم ہمیشہ پاس رہو۔ اتنی حسین لڑکی کی قربت زندہ رہنے کا احساس جوان رکھتی ہے۔''

میری باتوں کو جواب جن نظروں سے دیا گیا، ان میں خلوص تھا، انانیت تھی، خمار تھا۔ میرا دل چاہا کہ وقت کی رفتار تھم جائے۔ میں اس کے سراپا میں ڈوبا ہوا تھا کہ وہ سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولی۔ ''میں جا رہی ہوں۔ تم ایسے گمبھیر حالات میں نہ پڑا کرو۔ تمہارے دشمن بہت ہیں۔''

''تم کہاں جا رہی ہو؟'' میں نے اداسی سے کہا۔ ''میں کہاں ہوں؟''

''تم اپنی کلدیپ کے قریب ہو۔ یہ راستہ اوپر کلدیپ کی کٹیا تک جاتا ہے۔ تزئین بھی وہیں ہے۔''

''مگر تم کیوں جا رہی ہو؟ تم میرے ساتھ کیوں نہیں چلتیں؟''

''کام ختم ہو چکا ہے۔ میں تم سے ملتی رہوں گی، یہ میرا وچن ہے۔''

''میں تمہارے احسان تا زندگی فراموش نہیں کر سکتا۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میری دعا ہے کہ تم سدا سکھی رہو۔''

''تمہاری باتوں سے کلدیپ کی خوشبو آتی ہے۔ کہیں تم کلدیپ ہی تو نہیں ہو؟ مجھے بتاؤ نا کہ تم کون ہو؟'' مگر مجھے اس کا کوئی جواب نہیں ملا۔ وہ چشم زدن غائب ہو گئی۔ میں اس سے انکا کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا لیکن وہ کسی چھلاوے کی طرح فضاؤں میں تحلیل ہو گئی۔ میں دیر تک گم صم بیٹھا اس کے ہوش ربا نظارے اور اس کے ملکوتی حسن میں کھویا رہا۔ پھر آخر تھکے ہوئے انداز میں اٹھا۔ میرے سامنے ایک پگڈنڈی تھی، میں نے اوپر نگاہ کی اور اونچے نیچے راستوں پر پڑھنے لگا۔ مجھے احساس ہوا کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ تھک گیا ہوں، میں کہیں بھی گر پڑوں گا۔ کیا میں اتنے محیر العقول، لرزہ خیز ہنگاموں کا متحمل ہو سکوں گا؟ میں کب تک زندہ رہوں گا؟ زندگی کا یہ نازک تار تو ان حوادث میں کسی

وقت بھی ٹوٹ جائے گا۔ میں اوپر چڑھنے لگا۔

☆......☆......☆

دنیا میں یہی ایک جگہ میرے لئے سب سے محفوظ تھی۔ اوپر کے راستوں پر چلتے چلتے میں پھسل پڑا۔ بارش ہو چکی تھی لیکن اس کے تاثرات ابھی تک باقی تھے۔ سارا علاقہ سبزہ زار بنا ہوا تھا۔ پریشان تھا اور اشرفی بیگم کا واقعہ بار بار یاد آ جاتا تھا۔ درختوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ سنبھلتا سنبھلتا گنت فکریں اور یادیں تازہ کئے میں جھرنے کے قریب پہنچ گیا۔ جھرنے کی آواز سے مالا بے اختیار آ گئی۔ بہت ضبط کیا مگر دل قابو میں نہ رہا۔ آنکھیں جلنے لگیں، ایک لمحے کو رک کر میں نے جھرنے پانی پیا اور دو چلو اپنے منہ پر ڈال لئے۔ میرے آنسو پانی میں بہہ گئے اور میں اپنا شکستہ دل لئے سے آگے بڑھ گیا۔ میرے ذہن میں آنے والے دنوں کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ میں اپنی زندگی کا ایک مقصد سمجھتا تھا اور وہ تھا، بدری نرائن کی بربادی۔ جس طرح میں نے تربینی سے انتقام لیا تھا اور تمام لوگوں کو تہ خاک کر دیا تھا جنہوں نے مجھ پر مظالم کے پہاڑ توڑے تھے۔ اسی طرح میں اس پنڈت بھی بلکتا، تڑپتا اور معذور و مفلوج دیکھنا چاہتا تھا۔ میں اس بار کلدیپ سے صاف صاف کہہ دینا تھا کہ اب مجھے انتظار گوارا نہیں ہے۔ یہ دن گزر جائیں گے تو پھر نہ جانے کیا ہو جائے گا۔ وہ پنڈت طاقت بڑھانے اور تحفظ کے خیال سے کالی کے قرب کے لئے یقیناً ریاضت میں مصروف ہوگا۔ جتنے دن گزر رہے ہیں وہ میرے حق میں ہلاکت کا سبب بن رہے ہیں۔

میری رفتار میں تیزی آ گئی اونچے نیچے راستے طے کرتا ہوا جب اپنی محبوبہ، اپنی محسنہ کلدیپ حدود میں پہنچا تو وہ اور ترزئین مجھے کٹیا کی منڈیر پر نظر آئیں۔ ترزئین ایک سادہ سی ساڑھی میں ملبوس تھی وہ بے اختیار آ کر مجھ سے لپٹ گئی۔ وہ میری آغوش میں مچلنے لگی۔ میں اس کی کمر پر تھپکیاں دیتا کلدیپ کی طرف بڑھا۔ میں بے اختیار اس سے چمٹ جانا چاہتا تھا لیکن ترزئین کی موجودگی میں جذباتی مظاہرے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ ہم دونوں میں زبانی طور پر رسمی گفتگو اور نگاہوں نگاہوں میں رسمی گفتگو ہوئی۔ وہ دونوں اس حیات آفریں اور سرسبز و شاداب خطے میں نوخیز پھولوں کی طرح شاداب تھیں بلکہ پہلے سے زیادہ نکھر گئی تھیں۔ کٹیا کے اندر داخل ہونے کے بعد ترزئین نے لکھنؤ کے بارے بے شمار سوال کر ڈالے۔ میں نے اشرفی بیگم کے قتل کا واقعہ اسے نہیں بتایا کیونکہ اسے یقیناً ملال ہو بہرحال ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ترزئین نے میرے اور اپنے رشتے کا احترام دل میں خوب بٹھا لیا ہے۔ بڑی اپنائیت کا اظہار کر رہی تھی اور مجھے ایک بھولی بھالی بچی کی طرح نظر آ رہی تھی۔ بے حد سادہ اور معصوم لڑکی۔ میں اپنی بچی کے حسن کی تعریف خود کیسے کروں؟ خدا نے ایک پری زمین پر اتاری تھی۔ اس کا نازک، احساسات لطیف اور انداز بیان شیریں تھا۔ اس سے باتیں کرنے میں دل پر ایک عجیب

خوشگوار کیفیت طاری ہوتی تھی۔ وہ میرے بارے میں بہت کم جانتی تھی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ وہ یہ احترام کس شخص کے لئے دل میں لئے ہوئے ہے۔ میں اس سے باہر کی دنیا کے بارے میں دلچسپ باتیں کرتا رہا اور کلدیپ خاموشی سے سب کچھ سنتی رہی۔ وہ ضد کرنے لگی کہ اب اسے اس طرح چھوڑ کر مجھے کہیں نہیں جانا چاہئے۔ بہت دیر بعد اس کی طولانی گفتگو ختم ہوئی اور وہ میرے لئے کھانے کا انتظام کرنے کے لئے باہر چلی گئی۔ کلدیپ اور میں تنہا رہ گئے۔ میں نے اسے اور اس نے مجھے پاس سے دیکھا۔ پھر مجھے نہ جانے کیا ہوا کہ میں بیتابانہ اٹھا اور لپک کر کلدیپ کو گود میں اٹھا لیا۔ اسے اس حرکت کی توقع نہیں تھی۔ سفید ساڑھی میں ملبوس میری محبوبہ گلاب کے مانند شگفتہ تھی۔ اس کے چہرے پر تقدس تھا۔ وہ بری طرح کسمسانے اور تلملانے لگی۔ ''مجھے چھوڑ دو۔'' اس نے کسی قدر برہمی سے کہا۔ ''یہ کیا کرتے ہو؟ وہ کسی بھی وقت اندر آ سکتی ہے۔''

''آنے دو۔ میں اس سے کب تک چھپاؤں گا۔'' میں نے جذباتی لہجے میں کہا۔ ''مجھے تمہارا قرب درکار ہے۔ اس وقت مجھے منع مت کرو۔ میرا دل بہت بھرا ہوا ہے۔'' میں نے اسے نہیں چھوڑا اور اسے سینے سے لگانا چاہا۔

وہ تڑپ کر میری آغوش سے گر پڑی اور اپنی ساڑھی درست کرنے لگی۔ ''ہوش میں آؤ جمیل! ایک بار پہلے بھی ہم اس جذباتی غلطی سے نقصان اٹھا چکے ہیں۔ میرے لئے یہ باتیں کسی طرح مناسب نہیں ہیں۔ اب میں ماضی سے تمام رشتے توڑ چکی ہوں۔''

''میرا تعلق بھی تو ماضی سے ہے کلدیپ! اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے مجھ سے بھی تعلق توڑ دیا۔'' میں نے برہم ہو کر کہا۔ ''کیا تم مجھے اپنے جذبات کا اظہار بھی نہیں کرنے دو گی؟''

''میں اپنا نفس مار چکی ہوں۔'' اس نے اداسی سے کہا۔ ''ضروری نہیں کہ جذبات کے اظہار کا یہی طریقہ ہو۔ یہ تمہارے لئے بھی نقصان دہ ہے۔ تمہارا اور میرا تعلق ان مظاہروں کے بغیر بھی قائم رہ سکتا ہے۔ میں نے جو کچھ حاصل کیا ہے وہ اپنے نفس کی قربانی دے کر حاصل کیا ہے۔ تمہیں میری ضرورت ہے۔ چاروں طرف تمہارے دشمن ہیں۔ تمہارے کام آنے کے لئے میرا پاک باز رہنا ضروری ہے۔''

''تم میرے لئے اتنا ایثار مت کرو۔ میں بہت برا آدمی ہوں۔ مجھے موت کیوں نہیں آ جاتی۔ آخر میں کب مروں گا۔'' میں نے مضطرب ہو کر کہا۔ اس نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا اور اپنا چہرہ اس کے سیاہ دراز بالوں میں چھپا لیا۔ پھر میرا سر ڈھلکتے ڈھلکتے اس کے سینے تک آ گیا اور ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا۔ میں زندگی میں پہلی بار اتنا رویا، اتنا رویا کہ میرا سانس اکھڑنے لگا۔ کلدیپ کا سارا بلاؤز میرے آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ وہ اس عرصے میں ساکت و جامد کھڑی رہی۔ میں ہچکیوں سے روتا رہا۔ ایک سیلاب بہہ پڑا جو مدت سے رکا ہوا تھا۔ آنسو زبان رکھتے ہیں۔

میری زبان بند تھی مگر آنکھیں گفتار پر آمادہ تھیں۔ آنسو زندگی ہیں، اگر یہ نہ ہوں تو آدمی اپنے ان
جائے۔ میرا غم بہہ رہا تھا۔ میرا اضطراب بہہ رہا تھا۔ کلدیپ کے سوا کون تھا جسے میں اتنے قریب
اپنی زخم دکھا سکتا۔ کہاں کہاں کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ میرے آنسوؤں نے ایسا اثر کیا کہ کلدیپ
بازو وا ہوئے اس نے زور سے مجھے بھینچ لیا۔ پھر اچانک اس کے ہاتھ مجھ سے جدا ہو گئے۔ اس
ساڑھی کے پلو سے میرے آنسو پونچھے۔ میں نے سر اٹھا کر رحم طلب نظروں سے اس کی طرف
اس کی آنکھیں نم تھیں۔

''سنبھلو جمیل!'' اس کی آواز میں درد تھا۔ ''تم تو بالکل بچے بن گئے؟ دیکھو تزئین آتی ہو گی
تمہیں اس حالت میں دیکھے گی تو کیا کہے گی؟''

میں اس بات کی وضاحت نہیں کر سکتا کہ میں اس سے کیا کہنا چاہتا تھا۔ بس میرا دل رو
لئے بے تاب تھا چنانچہ میں جی بھر کے رویا، زار و قطار رویا۔ پھر کلدیپ نے تزئین کے آنے
مجھے قابو میں کر لیا۔ تزئین نے آتے ہی کٹیا کا سوگوار ماحول تبدیل کر دیا اور شگفتہ و شوخ باتیں کر
۔ یہ میرا گھر تھا، کلدیپ مجھ سے دور دور رہتی تھی لیکن وہ ہر وقت میرے قریب رہتی تھی۔ جی ذرا
ہر چیز اچھی لگنے لگی اور میں نے سوچا کہ اب ساری عمر یہیں گزاروں گا لیکن تزئین...... مجھے اس
انتظام کرنا تھا۔ تزئین کی وجہ سے مجھے باہر دنیا میں جانا پڑتا اور اسے کسی اچھے گھر کے سپرد کر دینے
ہی دنیا کے ہنگاموں سے نمٹ سکتا تھا۔ زندگی میں دو ہی تمنائیں رہ گئی تھیں، لیکن یہ یہاں کی بات
باہر کی دنیا میں آدمی کو خود پر اختیار نہیں ہوتا۔ ہر طرف ترغیب اور طمع کا جال پھیلا ہوا ہے، کوئی
دامن بچا سکتا ہے۔ پہلا دن یوں ہی گزر گیا۔ دوسرے دن میں حسب سابق تزئین کو لے کر جنگل
چلا گیا۔ کلدیپ اپنے جاپ میں منہمک تھی۔ دوبارہ تخلیے کا موقع فراہم ہونے میں مجھے خاصا دن
گیا۔ مجھے اس سے بے حد ضروری باتیں کرنی تھیں۔ انکا اب تک غائب تھی۔ اس کے بارے میں
چاہتا تھا، چچا جان کی خیریت دریافت کرنی تھی۔ آخر تین دن گزرنے کے بعد کہیں اس کا موقع
تزئین جھرنے پر پانی بھرنے گئی ہوئی تھی۔ میں نے کلدیپ سے کلپنا کے پُراسرار وجود کا تذکرہ
اس کے بارے میں استفسار کیا تو وہ مسکرا کر ٹال گئی۔ میرے اس شبہے نے اور تقویت پکڑ لی
یقیناً کلدیپ کا پہرہ تو ہے۔ کلدیپ سے کچھ بعید نہیں تھا۔ اس لئے کہ وہ ایک بہت بڑے پجاری
لال کی جانشین تھی۔ اس نے مختصر سی مدت میں کامل، انہماک اور پیہم استغراق سے بہت کچھ حا
تھا۔ جب تزئین کا ذکر آیا تو کلدیپ نے سنجیدگی سے کہا۔ ''تم نے اچھا کیا جو اسے اشرفی
بارے میں نہیں بتایا۔ ویسے وہ اس کی حقیقی ماں نہیں تھی۔''

''کیا مطلب؟...... یعنی......'' میں کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

کلدیپ بولی۔ ''وہ آگرے کے ایک بڑے خاندان سے تعلق رکھتی ہے لیکن حوادث اور سوئے اتفاق نے اسے بہت بچپن ہی میں اشرفی بیگم کے ہاں لا ڈالا تھا۔''

''سچ......؟ کیا اس کے والدین زندہ ہیں؟'' میں نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

''نہیں۔ وہ مر چکے ہیں۔ اشرفی بیگم نے ان دونوں کو زہر دے کر تزئین کو اغوا کر لیا تھا۔''

''تمہیں کیسے معلوم ہوا؟'' میں نے بے خیالی میں پوچھا۔ حالانکہ یہ سوال غلط تھا۔ کلدیپ جواب میں صرف مسکرا کر رہ گئی۔ میں نے کہا۔ ''یہ تو دلچسپ انکشاف ہے۔''

''مگر وہ ایک طوائف ہی کی لڑکی ہے۔ اس لئے کہ تزئین کی ماں اشرفی بیگم کی سگی بہن تھی۔ اس نے اشرفی بیگم کو چھوڑ کر ایک نواب سے شادی کر کے پیشہ ترک کر دیا تھا اور جب اس کے بطن سے لڑکی ہوئی تو اشرفی بیگم اپنی بہن سے انتقام لینے کے لئے اس کے گھر پہنچ گئی اور اس نے نہایت مہارت سے دونوں میاں بیوی کو قتل کر کے لڑکی ہتھیا لی۔ بہر حال اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ وہ کس کی بیٹی ہے۔ وہ ایک بہت ذہین اور شریف لڑکی ہے۔ سوچتی ہوں اگر وہ نہ ہوتی تو کیا میں اتنی دیر تک یہاں اکیلی رہ سکتی تھی؟''

''تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اشرفی بیگم اپنے انجام کو پہنچ گئی؟''

''ہاں یہ تو ہوا مگر وہ مرتے مرتے تمہارے لئے ایک مصیبت کھڑی کر گئی ہے۔ ویسے اپنے بہت سے مصائب کا سبب تم خود ہو۔''

''کیا تم بھی ایسی باتیں کرو گی؟ میں خود اپنی نظروں میں مجرم ہوں۔ تم تو میری خطا معاف کر دیتی ہو۔ تم نے تو بھگتی کی حد کر دی ہے۔'' میں نے شکایتاً کہا۔

''مجھے معلوم ہے کہ تم ایک شرارتی بچے ہو۔ تم بڑے ضدی ہو۔ میری بات دوسری ہے۔ اگر میں ہی تمہاری باتیں نظر انداز نہیں کروں گی تو پھر کون کرے گا؟'' کلدیپ نے یاسیت سے کہا۔

''کاش، میں تمہیں کچھ دے سکتا مگر میں ایک تہی دست شخص ہوں۔ ہمیشہ میرا ہاتھ تمہارے سامنے دراز رہتا ہے۔ تم اتنے بڑے منصب پر پہنچنے کے بعد بھی مجھ جیسے گناہ گار شخص کی مدد کرتی ہو۔ یہ تمہارے ایثار اور عظمت کی دلیل ہے۔''

''تم یہ باتیں کر کے مجھے دکھ پہنچا رہے ہو۔ میں نے اپنی زندگی میں صرف تمہی کو عزیز رکھا ہے۔ تمہارا خیال کر کے مجھے ایک سکون ملتا ہے۔''

''تم عشق کی دیوی ہو۔ میں جب اپنے متعلق سوچتا ہوں تو مجھے شرم آنے لگتی ہے۔ میں اپنی نظروں سے گر جاتا ہوں۔''

''مجھے اس کی پروا نہیں ہے کہ تم میری عقیدتوں کا جواب کس طرح دیتے ہو۔ میں تو صرف تمہاری

یاد سے ایک لذت محسوس کرتی ہوں۔ تم جواب دیتے ہو، یہ میری خوش بختی ہے۔"

کلد یپ پر جذبات غالب تھے۔ اس کے بیان میں تاثر تھا۔ میں نے موقع غنیمت جان
سے بدری نرائن کا ذکر چھیڑ دیا۔

میری باتیں سنتے سنتے اچانک کلد یپ کے چہرے پر تناؤ پیدا ہو گیا۔ "کیا تمہیں معلوم
بد بخت نے پنڈت پریتم لال کے اس علاقے پر بھی حملہ کرنے کی جرأت کی تھی۔ اس نے کئی
طاقت آزمانا چاہی مگر وہ ہر بار ناکام ہو گیا پھر آخر تھک کر اس نے تم سے زور آزمائی کا ارادہ ترک
تھا لیکن اشرفی بیگم کے بالا خانے پر جب تم مصیبت میں گھر گئے تو اس نے ایک کوشش اور کر ڈالی
کے ذہن و دل سے تم نہیں نکل سکے تھے۔ اس نے اپنا کام خوب کیا۔ کم بخت نے تمام راستے بند کر
تھے۔ کلپنا کو بھی اس کا حصار توڑنے میں مشکل پیش آئی تھی۔ انکا بھی وہاں پہنچنا چاہتی تھی مگر وہ
بروقت نہ توڑ سکی۔ وہ اس میں کامیاب ہو جاتی مگر کچھ وقت لگتا۔ انکا پُر اسرار طاقتوں کی جنگ
ہے کیوں کہ اسے جو طاقتیں ودیعت کی گئی ہیں وہ کچھ اور ہیں۔ وہ بہت مجبور ہو کر اور اپنے لئے خطرہ
لے کر کوئی انتہائی کام سرانجام دیتی ہے۔ تم نے ایک عرصہ انکا کے ساتھ گزارا ہے تمہیں معلوم ہے
کی صلاحیتیں کتنی محدود اور کتنی وسیع ہیں؟ انکا کو جب یہ معلوم ہو گیا تھا کہ کلپنا تمہاری مدد کو پہنچ چکی
مطمئن ہو کر اپنے دوسرے کاموں میں لگ گئی تھی۔"

"مگر وہ اب تک غائب کہاں ہے؟"

"وہ تمہاری وجہ سے اب تک نہیں آئی لیکن بس وہ آیا ہی چاہتی ہے۔ اسے تمہارے بغیر چین
آتا۔"

"تم رقابت کی باتیں کر رہی ہو۔" میں نے شوخی سے کہا۔

"ہاں میں سوچتی ہوں کاش میں انکا ہوتی۔ انکا تمہیں بہت عزیز ہے نا؟"

"مگر تمہیں معلوم ہے کلد یپ، میں اس زندگی سے تنگ آ چکا ہوں۔ میرے دن ضائع ہوئے
سے کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ یہ زندگی میں نے خود اختیار نہیں کی تھی۔ اسی شریر انکا نے مجھے
راستے پر چلنے کے لئے مجبور کیا تھا۔ پھر میں اس میں گلے گلے پھنس گیا۔ انکا نے دنیا کے لطف کی
چاٹ لگائی کہ میں اس کا عادی ہو گیا۔ میرے منہ کو خون لگ گیا لیکن اب مجھے خود سے ہول
لگا ہے۔ بڑی بھول ہو گئی مگر میرے اختیار میں کیا تھا؟"

"میں وضاحت طلب نہیں کر رہی ہوں۔" کلد یپ نے ایک ادا سے کہا۔

رات کو ہم تینوں اس کٹیا میں سوتے تھے۔ رات کو جب سناٹا چھا جاتا اور میں کٹیا کے دوسرے
میں چلا جاتا تو میرا دل بے اختیار کلد یپ کی طرف کھنچنے لگتا۔ مجھے اس کی حالت پر ترس آتا تھا

سوچتا، کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ میں کلد یپ کو اداس اور تنہا زندگی سے کہیں دور لے جاؤں؟ اس کا شباب
کڑی تپسیا اور ریاضت کی نذر ہو رہا تھا۔ ایک گل بدن اور تعلیم یافتہ لڑکی میری وجہ سے کتنی زبردست
آزمائش میں پڑ گئی تھی۔ میں اس سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ رات کو دیر تک مرگ چھالا پر بیٹھی
کچھ نہ کچھ پڑھتی رہتی تھی۔ کوئی تصور کر سکتا ہے کہ ایک لڑکی نے اپنے ہرجائی اور سنگ دل محبوب کے لئے
کتنی بڑی قربانی دی ہو گی؟ میں اسے وہاں سے لے جانا چاہتا تھا۔ صرف وقت کا انتظار تھا۔ وقت جو
میرے قابو میں نہیں تھا۔ باہر ہر طرف موت کے پہرے تھے۔ میں ایک رسوائے زمانہ شخص تھا۔ پولیس کو
مطلوب، ایک منتظر شخص۔ شہر جسے کاٹ کھانے کو دوڑتے تھے۔ اس کے دشمن زمینوں سے اگتے تھے۔
حادثے ہمیشہ جس کے تعاقب میں رواں رہتے تھے۔ شروع شروع میں تو میری حالت سنبھلی رہی، دن کسی
طرح کٹ جاتا۔ میں تزئین کو لے کر آس پاس کے سبزہ زاروں میں گھوم آتا۔ رات مشکل سے بسر
ہوتی۔ کلد یپ نے جگد یو کی طرح اس دوران کئی بار مجھے مجبور کیا کہ میں ملک چھوڑ کر دنیا کی سیاحت کے
لئے چلا جاؤں تاکہ میری وحشت کسی حد تک کم ہو جائے اور میں اپنا ٹوٹا ہوا ہاتھ درست کروالوں مگر فی
الحال مجھے اپنے ٹوٹے ہاتھ کا کوئی غم نہیں تھا۔ انسان پر مختلف اوقات میں مختلف جذبے غالب رہتے
ہیں۔ میں یہاں ہر طرح سے آرام میں تھا لیکن دل بے قرار تھا۔ سکون عنقا ہو گیا تھا۔ کلد یپ کو سامنے
دیکھ کر دل و دماغ پر ایک عجیب طرح کا بوجھ ہوتا تھا۔ تزئین کو کھلکھلاتا دیکھ کر نظر جھک جاتی۔ کچھ کر
گزرنے کو جی چاہتا تھا۔ جی چاہتا تھا کہ اس منحوس بدری نرائن کو کچا چبا جاؤں جس نے میری زندگی میں
زہر بھر دیا ہے۔ اس کے لئے مختلف سزائیں تجویز کرتا اور زچ ہو کر تلملانے لگتا۔ کاش میں پُراسرار
قوتوں کا مالک ہوتا۔ میں نے کئی بار سوچا کہ میں کلد یپ کی روش اختیار کروں اور اس کے ساتھ ماورائی
قوتوں کے حصول کی ریاضت میں لگ جاؤں۔ وہ علوم سیکھ لوں جو انسانوں کو انسانوں پر فوقیت دیتے
ہیں۔ پُراسرار واقعات اب مجھ پر زیادہ چونکا دینے والا تاثر نہیں چھوڑتے تھے۔ لیکن میں کوئی ایسا شخص
نہیں تھا جو کلد یپ، جگد یو، بدری نرائن اور دوسرے سادھوؤں اور پنڈتوں کی طرح ایک طویل مدت
دنیا سے کنارہ کشی کر کے تپسیا میں وقت گزارے۔ مجھے اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ یہ
واقعات کیوں رونما ہوتے ہیں۔ اس معاملے پر سوچنا بے کار تھا۔ یہ شروع شروع کی بات تھی جب ذہن
پریشان ہوا کرتا تھا۔ اب میرے خیال میں ہر لمحے یہ بات ممکن تھی۔ میں صرف یہ چاہتا تھا کہ مجھے کسی
طرح کوئی ایسی قوت حاصل ہو جائے کہ میں ایک بار آزادی سے من مانیاں، سرشوریاں کر سکوں۔ انکا
کی طرف سے مجھے یوں ہی مل گئی تھی۔ صرف ایک دفعہ میں نے رام پور کے ایک ویران قبرستان میں بیٹھ کر
کسی عمل کے حصول کے لئے چالیس روز کی کٹھن ریاضت کی تھی اور مجھے اندازہ تھا کہ کچھ حاصل کرنے کے
لئے کتنی بڑی جہد و جہد کرنی پڑتی ہے۔ اب عمر کا بڑا حصہ گزر چکا تھا۔ میں بدری نرائن کو مردہ دیکھنے کا

خواہش مند تھا۔ جب تک وہ زندہ تھا، میری زندگی عذاب تھی۔ جب تک میں زندہ تھا، وہ مشکل
ہم دونوں میں سے ایک کو مر جانا چاہئے تھا۔ نہ مجھے موت آتی تھی نہ اسے۔ اس آنکھ مچولی
شل ہو گئے تھے۔ کلدیپ اور انکا کے باوجود میں پریشان تھا۔

سات دن بعد جب میں جھرنے کے ٹھنڈے اور شفاف پانی سے نہا رہا تھا تو انکا میرا
آ گئی۔ اس کی آنکھیں جل رہی تھیں جیسے وہ مدتوں سے نہ سوئی ہو۔ چہرے پر وحشت برس رہی
نیم مردہ سی معلوم ہوتی تھی۔ مجھے اس پر بہت غصہ تھا لیکن اس کی حالت دیکھ کر میں نے نرمی سے

''تم اتنے دنوں کہاں رہیں؟''

''مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ تم بخیریت کلدیپ کے ہاں پہنچ گئے ہو، اس لئے میں وہاں رک گئی
نے اداسی سے کہا۔

''خبر ہے، اس دن میں نے کتنی آوازیں دیں؟ اس دن تم نے مجھے تباہ کر کے رکھ دیا۔ اس
تصور کر کے اب بھی میرا رواں رواں لرز جاتا ہے۔''

''مجھے احساس ہے جمیل! لیکن میں جلدی میں بدری نرائن کو بھول گئی تھی۔ اس نے گو بہت
وقت کے لئے سہی مگر میرا راستہ بند کر دیا تھا۔ یقین کرو جمیل، میں مجبور تھی، میں کیا کرتی؟''

''مجھے سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔ انکا! تم ایک پنڈت کے جاپ سے زیر ہو گئیں؟ ہر بار
سامنے کوئی نہ کوئی ایسی مجبوری آ جاتی ہے، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک معمولی پنڈت کیسے تمہیں
روک سکتا ہے۔ ایک سادھو تمہیں کس طرح معطل کر سکتا ہے۔ کوئی بھی تمہیں حاصل کر سکتا ہے
ان حدود نے میری زندگی حرام کر رکھی ہے۔''

''جمیل!'' انکا نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا۔ ''تعجب ہے کہ میرے بارے میں تم
کر رہے ہو۔ میں تمہارے لئے ماری ماری پھرتی رہی، اب تم میری مجبوریوں پر حرف زنی
جب کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں کیا ہوں، تمہیں کیا معلوم کہ اس نے کیا جاپ کیا تھا۔''

''جاپ کیا تھا، جاپ کیا تھا......'' میں نے بگڑ کر کہا۔ ''کیا تمہارے پاس اس کا کوئی توڑ
کلپنا کیسے اندر داخل ہو گئی تھی؟ تم تو بعض اوقات بہت مایوس کرتی ہو۔''

''کلپنا اور مجھ میں فرق ہے، بہرحال میں تم سے لڑنا نہیں چاہتی۔ تم میری خیریت کے
بھی نہیں پوچھ رہے ہو، مجھ پر کیا گزر گئی، یہ بھی تم نے نہیں پوچھا۔'' انکا نے ڈوبتے لہجے میں کہا۔

''کیا تم اسے ایک معمولی واقعہ سمجھتی ہو؟''

''اس واقعے کی سنگینی ہی کی وجہ سے میں اتنی دیر تم سے دور رہی، سارا شہر تمہاری فکر
تمہارے متعلق عجیب و غریب افواہیں اڑ رہی ہیں۔ پولیس نے کئی مرتبہ چچا جان کے گھر

تمہارے اچانک غائب ہونے پر شہر بھر میں ہنگامہ مچا ہوا ہے۔ جب میں تم سے دور ہو کر بن علی کی تلاش
میں گئی تھی تو وہ اپنے گھر پہنچنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اس نے زیورات، نقدی اور کاغذات اپنی دونوں
بہنوں کے حوالے کر دئے تھے۔ میں نے اس گھر میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی لیکن اسی جن نے میرا
راستہ روک لیا جو تمہارے آڑے آیا تھا۔ بن علی اپنے گھر میں محفوظ ہو گیا تھا اور سارا الزام تم پر عائد کیا
جا رہا تھا۔ دلنشیں، غزالہ اور دوسری لڑکیوں نے تمہارے خلاف گواہی دی تھی۔ میں کبھی اشرفی بیگم کے
بالا خانے جاتی تھی اور کبھی بن علی کے گھر۔ میرے لئے دونوں گھر بند ہو چکے تھے۔ پھر جب مجھے یہ معلوم
ہوا کہ تم کلپنا کی حفاظت میں ہو تو میں بن علی کے گھر کے قریب دھرنا دے کر بیٹھ گئی اور میں نے ایک
پولیس افسر کے سر پر جا کر بن علی کو گرفتار کرا دیا۔''

''اچھا، بن علی گرفتار ہو گیا؟'' میں نے اشتیاق سے پوچھا۔ ''پھر کیا ہوا؟''

''پھر کیا ہوا؟ اب تم کیسے مچل رہے ہو۔ تم بڑے خود غرض ہو۔''

''میری جان! ناراض ہو گئیں؟ مذاق بعد میں کرنا۔ جلدی جلدی بتاؤ کہ پھر کیا ہوا؟'' میں نے انکا
سے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے۔ تمہیں میرا تو کوئی خیال ہے نہیں، کتنے دن ہو گئے میں بھوکی ہوں۔ تم نے مجھے
پوچھا تک نہیں۔'' انکا نے اٹھلا کر کہا۔

''میں تمہارا انتظام ابھی کرتا ہوں۔ یہ میرا سر حاضر ہے۔ اس جگہ ایک بار پہلے بھی تم نے میرا خون
پیا تھا مگر مجھے تڑپاؤ نہیں۔ بتاؤ آگے کیا ہوا؟''

''آگے کیا ہوتا، بن علی گرفتار ہو گیا۔ لاشوں کے معائنے سے پتہ چلا کہ بن علی نے قتل نہیں کیا ہے
لیکن اس کے بھاگنے اور اشرفی بیگم سے اس کے پرانے تعلقات نے مقدمہ پیچیدہ بنانے میں مدد دی۔
اب انہیں تمہاری تلاش ہے۔ دل نشیں نے تمہارے خلاف بہت زہر اگلا ہے۔ پولیس تمہارے نام سے
خوف زدہ ہے۔ بدری نرائن بھی غائب ہو گیا ہے۔ پولیس اس کی بھی تلاش میں ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ بن علی کے دوبارہ بچنے کے امکانات زیادہ ہیں۔''

''نہ صرف بچنے کے بلکہ کاغذات اس کی بہنوں کے پاس ہیں اور بہنیں جن کی پناہ میں ہیں۔ میں
نے گھر میں گھسنے کی کئی مرتبہ کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ ادھر چچا جان کے گھر پر پولیس نے مصیبت
ڈالی تھی اس لئے میرا وہاں موجود رہنا ضروری تھا۔ وہ سب لوگ ہراساں ہیں لیکن خیریت سے ہیں۔''

''تم بن علی کے سر پر کیوں نہیں گئیں؟''

''اس سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ مجھے یہاں آنا تھا۔ میں کب تک اس کے سر پر رہتی۔ وہ ویسے بھی
مشکوک ہے۔''

''لیکن وہ میرے متعلق پولیس کو حیرت انگیز باتیں بتا رہا ہوگا۔''

''مگر اب تم وہاں کیوں جاؤ گے لکھنؤ تم سے چھوٹ گیا۔''

''اور چچا جان بھی چھوٹ گئے؟ آہ وہ کتنا یاد کرتے ہوں گے۔ کیا کیا سوچتے ہوں گے؟''

''تم انہیں کہیں بھی بلا سکتے ہو اور اب وہ آسودہ حال ہیں۔ بہر حال یہ بتاؤ کہ تم یہاں کیس گزار رہے ہو؟''

''بس وقت کاٹ رہا ہوں۔ وقت کاٹے نہیں کٹتا ہے۔ تم بہت یاد آتی تھیں۔ تم سے باتیں کی عادت جو پڑ گئی ہے۔''

''جھوٹ بولتے ہو۔ تم تزئین اور کلدیپ کے ساتھ مزے کر رہے تھے۔ تمہیں میری کیا'' انکا نے ایک اور ادا کے ساتھ کہا۔

انکا کے آنے سے جی بہت بہل گیا تھا۔ میں شام تک اس سے باتیں کرتا رہا اور جب کلد کٹیا میں داخل ہوا تو انکا میرے سر سے اتر گئی۔ میں نے اسے اجازت دے دی کہ وہ رات بھر اس علاقے سے باہر چلی جائے اور اپنی بھوک مٹا لے۔ انکا واپس چلی گئی۔ تزئین اور کلدیپ میر تھیں۔ ہم تینوں نے سادہ سا کھانا کھایا۔ تزئین میری خاطر مدارت میں لگی ہوئی تھی۔ کلدیپ چہرے پر وہی مسکراہٹ تھی جو اس علاقے میں آنے کے بعد عموماً اس کے چہرے پر نظر آتی تھی۔ اس نے ارادہ کیا کہ میں ہر حالت میں کلدیپ سے ملنے کی کوشش کروں گا۔ تزئین، کلدیپ کے سوتی تھی۔

آدھی رات کے وقت جب وہ دونوں سو چکی تھیں، میں اپنی جگہ سے اٹھا۔ یہ اطمینان کرنے بعد کہ تزئین غافل سو رہی ہے، میں نے بہت آہستہ سے کلدیپ کے پاؤں سہلائے۔ وہ جاگ تھی۔ اچانک اٹھ بیٹھی، اس نے مجھے ہاتھ کے اشارے سے منع کیا لیکن میں کھڑا رہا اور اش اشاروں میں اصرار کرتا رہا۔ کلدیپ جھجکتی رہی۔ میں نے اسے باہر آنے کا اشارہ کیا۔ اس تزئین کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے اسے اطمینان دلانا چاہا لیکن وہ انکار کرتی رہی۔ آخر مجھے اپنی ہوا دیکھ کر اسے اٹھنا ہی پڑا۔ مشکل یہ تھی کہ وہ مجھ سے بول ہی نہیں سکتی تھی۔ وہ بادل ناخواستہ اٹھی۔ نے انگلی کے اشارے سے تزئین کے گرد ایک دائرہ بنایا اور میرے ساتھ باہر آ گئی۔ باہر آ کر کے پہلو سے لگ گیا اور میں نے اس کی زلفوں کا بوسہ لیا۔ ''کلدیپ!'' میں نے جذبات میں ڈ کہا۔ ''میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہاری حرمت پر کوئی حرف نہیں آنے دوں گا لیکن تم مجھ سے میں باتیں تو کر سکتی ہو۔''

''یہ باتیں مجھے اور تمہیں دونوں کو مشتعل کر سکتی ہیں۔'' اس نے آہستگی سے کہا۔

''یہ میری برداشت سے باہر ہے کہ تم اتنے قریب ہو اور میں تم سے گفتگو بھی نہ کر سکوں۔ سنو کلدیپ! میں......اب تمہیں یہاں سے لے چلنا چاہتا ہوں۔'' میں نے ایک عزم کے ساتھ کہا۔

''تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ اب بہت دیر ہو چکی ہے۔''

''کچھ نہیں۔ کوئی دیر نہیں ہوئی۔ مجھ سے تمہاری تنہائی اور اداسی نہیں دیکھی جاتی۔''

''میں تنہا اور اداس نہیں ہوں۔'' کلدیپ نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تم اپنے آپ کو فریب دے رہی ہو۔'' میں نے اس کے سامنے ہو کر اسے بازوؤں میں سمیٹ کر کہا۔ وہ میرے اس عمل پر کسمسانے لگی۔

''تم نے وعدہ کیا تھا۔'' وہ اکھڑے اکھڑے لہجے میں بولی۔

''مجھے وعدہ یاد ہے لیکن میں تم سے ایک قربانی چاہتا ہوں۔''

''تم پر جان بھی قربان کر سکتی ہوں۔ مجھے حکم دو۔''

''تم یہ سب چھوڑ کر میری ہو جاؤ۔ تم ایک عورت ہو۔ تمہیں ایک مرد کی ضرورت ہے۔ کیا تم یہ طرز زندگی نہیں چھوڑ سکتیں؟''

''چھوڑ سکتی ہوں لیکن باہر کی دنیا میں کیا رکھا ہے؟''

''وہاں سب کچھ ہے۔ وہاں میں ہوں۔'' میں نے زور دے کر کہا۔

''وہاں تمہارے دشمن ہیں جو کبھی تمہیں چین سے نہیں رہنے دیں گے۔ تمہارے لئے میرا یہاں رہنا ضروری ہے۔ تم آج کیسی باتیں کر رہے ہو۔''

''میں نے اس ہفتے میں تمہارے متعلق بہت سوچا ہے۔ کیا وقت سے پہلے کوئی ایسی صورت پیدا نہیں ہو سکتی کہ بدری نرائن ختم ہو جائے؟''

''ہو سکتی ہے۔'' کلدیپ نے مختصر جواب دیا۔

''وہ کیا؟'' میں نے چونک کر کہا۔

''اس کے لئے کالی کے چرنوں میں ایک جیون بلیدان کرنا ہوگا۔'' کلدیپ نے میری خوشی محسوس کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''مجھے بتاؤ یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ کس کی قربانی دی جائے؟''

''کوئی بڑا پجاری اپنا بلیدان دے کر کالی کے فیصلے بدل سکتا ہے۔ پھر بدری نرائن تمہاری خواہش کے مطابق برباد ہو جائے گا۔''

کلدیپ کا لہجہ عجیب تھا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''بڑا پجاری!''

''ہاں۔'' کلدیپ نے دردناک آواز میں جواب دیا۔ ''تمہیں دیوی کو خوش کرنے کے لئے اس

کے چرنوں میں مجھے قربان کرنا ہوگا۔"

"کلدیپ......!" میں نے بے اختیار ہو کر اس کا بازو تھام لیا اور جذباتی انداز میں بولا۔ "دیوی اور مالا کے بعد اب تمہی میرا سہارا ہو۔ میں اتنا سنگدل نہیں ہوں کہ تمہیں قربان کر دوں۔ یہ ناممکن ہے۔ میں انتظار کروں گا، تم نے یہ کیا کہہ دیا؟"

"میری زندگی تمہارے کام آ جائے تو یہ میری خوش قسمتی ہے۔"

میں نے اسے پورے زور سے اپنے سینے میں چھپا لیا۔ پھر میں نے اس سے کوئی بات نہیں کی۔ دونوں دیر تک اسی طرح گم صم کھڑے رہے۔ وہ رات اس نے میری آغوش میں گزاری لیکن اس قرب میں کتنی پاکیزگی تھی۔ میں اس کی زلفیں چومتا رہا اور وہ نمناک آنکھوں سے میرا چہرہ دیکھتی رہی۔

دوسری صبح میں نے ارادہ کر لیا کہ میں کلدیپ کی ہدایت پر لندن روانہ ہو جاؤں گا۔ انکا الصباح واپس آ گئی تھی اور سرخ و شاداب نظر آ رہی تھی۔ تزئین نے بہت ضد کی کہ وہ بھی میرے ساتھ چلے گی لیکن کلدیپ نے اسے روک دیا۔ تیسرے دن میں تزئین کو روتا ہوا اور کلدیپ کو سوگوار چھوڑ کر بمبئی کے لئے روانہ ہو گیا۔ میں نے رات میں سفر کرنا مناسب سمجھا۔ انکا میرے سر پر تھی اس لئے مجھے کوئی خاص فکر نہیں تھی۔ میرے پاس کوئی سامان نہیں تھا۔ ایک عرصے بعد میں بمبئی آیا تھا۔ یہاں آ کر میں نے ایک اعلیٰ درجے کے ہوٹل میں قیام کیا۔ انکا کی موجودگی میں روپے کی کوئی فکر نہیں تھی۔ بمبئی آ کر چند گھنٹوں میں معقول رقم فراہم ہو گئی، پاسپورٹ کا حصول مشکل تھا۔ انکا نے یہ کام بھی آسان کر دیا۔ اس نے ہوٹل ہی میں ایک پاسپورٹ ایجنٹ کو میرے پاس بھیج دیا۔ بمبئی میں صرف رات کے وقت ہوٹل سے نکلتا تھا۔ وہ بھی ہوٹل کی گاڑی میں، ہوٹل میں میرا نام دولت علی خان درج تھا۔ پاسپورٹ ایجنٹ نے بھاری معاوضے کے تحت ہوٹل میں بیٹھے بیٹھے میرا کام کر دیا۔ مجھے زرمبادلہ کی ضرورت نہیں تھی اس لئے کہ انکا میرے ساتھ تھی اور جب انکا تھی تو دولت بھی تھی۔ کپڑے، سوٹ کیس دیگر سامان سابق جمیل احمد خان حال دولت علی خان کے ہاں ان چیزوں کی کیا حیثیت تھی۔ مجھے خیال تھا کہ میرے بارے میں بمبئی کی پولیس یقیناً باخبر ہو گی اس لئے میں نے ہر ممکن احتیاط رکھی۔ فوٹو شیروانی اور ٹوپی میں کھنچوایا۔ بمبئی سے میری بہت سی ہنگامہ خیز یادیں وابستہ تھیں اور وہاں میرے کئی شناسا موجود تھے۔ بعض پولیس افسروں کے لئے میرا چہرہ اور نام نیا نہیں تھا۔ وہاں ایک زمانے میں میرا کاروبار، گھر اور بہت کچھ موجود تھا۔ میں نے ان سڑکوں سے گریز کیا جہاں کسی کے ملنے کا امکان تھا۔ ہوٹل کے بیرے حسب معمول مجھ پر دیوانہ وار نثار تھے۔ ہر چیز ہوٹل ہی میں فراہم ہو جاتی تھی۔ تیسرے دن، رات کی پرواز سے میں لندن کے لئے روانہ ہو گیا۔ میں نے وہ ملک چھوڑ دیا جہاں کے لوگوں نے میرے ساتھ اور جہاں کے لوگوں کے ساتھ میں نے کچھ اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔ طیارے میں بیٹھ کر مجھے

کچھ سکون ملا۔ ہندوستانی باشندوں کی تعداد بہت کم تھی۔ یہ میرا پہلا ہوائی سفر تھا۔ تھوڑی دیر بعد جہاز اندھیروں میں گم ہو گیا اور میری یادیں مجھ سے دور ہوتی گئیں۔ زمان و مکاں کی تبدیلی بھی کیا اہمیت رکھتی ہے؟ آدمی اپنے گردوپیش اور اپنے وقت کا تابع ہے۔ جب وقت گزر جاتا ہے اور ماحول بدل جاتا ہے تو یادیں بھی دور معلوم ہونے لگتی ہیں۔ ہوائی جہاز میں کئی دلچسپ واقعے پیش آئے۔ انکا خاموشی سے پائلٹ کے سر پر بیٹھ گئی۔ وہ ادھر ادھر پھدکتی رہی۔ کبھی ایئر ہوسٹس کے سر پر بیٹھ جاتی کبھی کسی مسافر کے سر پر۔ رات خاصی گزر گئی تھی لیکن سفر کی یہ رات طویل تھی اس لئے کہ لندن اور ہندوستان کے وقت میں ساڑھے پانچ گھنٹے کا فرق تھا۔ جہاز بڑھتا رہا اور رات طویل ہوتی گئی۔ جہاز کے تقریباً تمام مسافر اونگھ رہے تھے۔ البتہ کچھ لوگ مشروبات میں ڈوبے ہوئے تھے۔ وہاں صرف دو نوجوان حسینائیں تھیں۔ میں نے مختلف ضروریات کے بہانے سے جا جا کر انہیں اچھی طرح دیکھ لیا تھا۔ ان سے بات کرنے کو جی چاہتا تھا۔ ان کے قریب ایک نوجوان بیٹھا ہوا تھا۔ اس جہاز میں تین تین نشستیں ایک ساتھ تھیں۔ نوجوان کو اٹھانے کے لئے مجھے انکا کی مدد لینی پڑی۔ وہ اس کے سر پر گئی اور نوجوان اپنی نشست سے اٹھ کر میرے پاس آیا اور مجھ سے میری سیٹ پر بیٹھنے کی درخواست کی۔ میں نے بخوشی اجازت دے دی اور خود اٹھ کر اس کی سیٹ پر آ گیا۔ تھوڑی دیر میں انکا اسے بے تحاشا شراب کے نشے میں دھت چھوڑ کر میرے پاس آ گئی۔ اس عرصے میں، میں نے اپنے قریب بیٹھی ہوئی حسین لڑکی سے رابطہ پیدا کر لیا تھا۔ اس کا نام سارا تھا۔ چست اسکرٹ بلاؤز میں اس کا کسا ہوا بدن اپنی تمام جولانیوں کے ساتھ نمایاں تھا مگر وہ ایک محتاط اور مشکل لڑکی تھی۔ چنانچہ مجھے بات آگے بڑھانے میں خاصی دشواری پیش آئی۔ بعد میں انکا نے مجھے بتایا کہ وہ کسی انگریز لارڈ کی مغرور لڑکی ہے جو ہندوستان اور مشرق بعید کے کئی ملکوں کی سیاحت کے بعد اپنے وطن واپس جا رہی ہے۔ اسے متاثر کرنے کے لئے میں نے انکا سے پوچھ کر اس کے باپ کا نام لیا تو وہ حیرت میں پڑ گئی۔ میں نے کہا۔ "میں ایک بہت اچھا دست شناس ہوں اور پُراسرار علوم کا ماہر ہوں۔ دل کی بات بتا دیتا ہوں۔ لندن میں سنا ہے بہت مانے ہوئے پروفیسر ہیں، ان سے ملاقات کرنے اور کچھ سیکھنے جا رہا ہوں۔" پُراسرار علوم کا تذکرہ ہی ایسا ہے کہ محتاط سے محتاط آدمی بھی جلد اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اس نے فوراً اپنا ہاتھ میرے سامنے کر دیا اور میں نے نشست کے اوپر لگا ہوا بٹن دبا کر روشنی میں پوری توجہ سے اس کا ہاتھ دیکھنا شروع کر دیا۔ اس کا نرم، ملائم اور سرخ و سپید ہاتھ میرے ہاتھ میں آیا تو خون کی گردش تیز ہو گئی۔ میں پورے انہماک سے اسے دیکھنے لگا۔ اس عرصے میں انکا اپنا کام کرتی رہی اور مجھے اس لڑکی کے ماضی، اس کی دلچسپیوں، اس کے پروگراموں اور اس کے دوستوں کے متعلق بتاتی رہی۔ میں نے ایک سرد آہ بھری۔ "آہ خاتون۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کو سفر ادھورا چھوڑ کر وطن واپس جانا پڑ رہا ہے۔ آپ کی پیاری ماں کا انتقال ہو گیا ہے۔"

"ہاں، یہ صحیح ہے۔" وہ حیرت سے بولی۔ "آپ تو بہت ماہر معلوم ہوتے ہیں۔"

میں نے اس کی بات پر کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا بلکہ سنجیدگی اختیار کر لی۔ اس کا اشتیاق دوچند ہو گیا۔ "اور بتایئے۔" اس نے بے چینی سے کہا۔

میرے لئے بتانا کیا مشکل تھا۔ میرے پاس ایک فتنہ موجود تھا جس کی حیثیت جام جہاں نما کی تھی۔ میں نے بالکل صحیح صحیح، تمام معلومات اسے فراہم کر دیں۔ وہ ہکا بکا، حیران و ششدر میرا منہ دیکھنے لگی۔ "آپ عظیم ہیں۔ میں نے ہندوستانی نجومیوں سے بھی اتنی مکمل معلومات حاصل نہیں کیں۔ آپ نے میرے بارے میں جو باتیں بتائی ہیں وہ سو فیصد درست ہیں۔" اس کے لہجے میں حیرت اور عقیدت تھی۔

میں نے خفیف سی مسکراہٹ پر اکتفا کیا اور اٹھنے کی اجازت چاہی۔ اس نے مجھے روک لیا اور پوچھنے لگی۔ "لندن میں آپ کا قیام کہاں ہو گا؟"

"میرا قیام؟" میں نے کہا۔ "مجھے معلوم نہیں، کوئی معقول ہوٹل تلاش کروں گا۔"

"آپ ہمارے گھر ٹھہریئے۔ ہم لندن سے چودہ پندرہ میل دور رہتے ہیں۔ وہ نیم شہری، دیہاتی علاقہ ہے۔" اس نے دعوت دی۔

"مجھے افسوس ہے۔ میں ہوٹل میں ٹھہرنا زیادہ پسند کرتا ہوں، مجھے مطالعے، یوگا اور دوسری مشغولیات کے لئے تنہائی کی ضرورت پڑتی ہے۔ آپ کی میزبانی مجھے پابند کر کے رکھ دے گی۔ آپ کی عنایت کا بہت بہت شکریہ۔" میں نے بے نیازی سے کہا۔

"کیا میں آپ کے پاس آ سکتی ہوں؟ اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو۔"

"شوق سے..... لندن میں مجھے کسی ساتھی کی ضرورت پڑے گی۔ آپ کرم فرمائیں گی تو وہ اس شہر میں اچھی طرح دیکھ سکوں گا۔"

"میری خوش قسمتی ہو گی۔" اس نے مسرت سے کہا۔ "یہ میرا فون نمبر ہے، آپ ہوٹل میں قیام کرنے کے بعد مجھے فون کر لیجئے گا۔"

گویا سفر کا آغاز ہی دلچسپ ہوا تھا۔ میں اپنی نشست پر آ گیا اور دوسروں مسافروں کی طرح اونگھنے لگا۔ پھر مجھے نیند آ گئی اور میں صبح سوا نو بجے لندن ائر پورٹ پر اترا۔ لندن، یورپ کا بادشاہ شہر انسانوں کا جنگل۔ وہاں کہر چھائی ہوئی تھی۔ یہ دنیا ہی عجیب تھی۔ ہوائی اڈے پر اترتے ہی اندازہ ہوتا کہ میں کسی دوسری دنیا میں آ گیا ہوں۔ چہل پہل، بھاگتے ہوئے لوگ۔ بھاگتی ہوئی گاڑیاں۔ ریل پیل۔ انکا بھی دلچسپ نظروں سے لندن کا اولین تماشا دیکھ رہی تھی۔ "یہ انگلستان ہے انکا! انگریزوں کا ہمارے آقاؤں کا ملک۔"

"میرے آقا تو تم ہو۔" انکا بولی۔

"کیا کچھ اچھا لگ رہا ہے؟ یہ سرخ سرخ چہرے دیکھ کر تو تمہارے منہ میں پانی آ گیا ہو گا۔" میں نے اسے چھیڑا۔

"اور تم ان سرخ و شاداب لڑکیوں کو کیسی ہوس ناک نظروں سے دیکھ رہے ہو۔ یہاں تمہاری دل لگی کا بھی پورا سامان موجود ہے۔"

ہم نے ائر پورٹ سے ایک ٹیکسی پکڑی اور لندن کے ایک شاندار ہوٹل میں قیام کیا۔ اس ہوٹل کا کرایہ بہت زیادہ تھا اور میرے پاس گنتی کے چند پاؤنڈ تھے جو میں نے پیشگی کے طور پر جمع کرا دیئے۔ یہ ہوٹل قدیم طرز کی ایک پُر شکوہ عمارت میں قائم تھا۔ رقص گاہ، نائٹ کلب اور سوئمنگ پول، اس میں جدید ہوٹل کے تمام لوازمات تھے۔ غسل کرنے کے بعد میں نے انکا کو اپنے سر سے جدا کر دیا تا کہ وہ میرے لئے رقم کی فراہمی کا بندوبست کرے۔ انکا کے اشارے پر مجھے نیچے جانے کی زحمت کرنا پڑی۔ میری سرگزشت پڑھنے والے حضرات یقیناً بڑی آسانی سے اندازہ لگا لیں گے کہ مجھے کیا کرنا پڑا ہو گا اور انکا کہاں گئی ہو گی۔ بہر حال مجھے معلوم تھا کہ انکا کے اترنے کے بعد خزانچی میرے پاس رقم کی طلبی کے لئے نہیں آئے۔ لندن میں مہمانوں کے ساتھ ایسا سلوک کم از کم نہیں کیا جانا چاہئے۔ لندن جیسے شہر میں اس اسے بہت کچھ بنا سکتا تھا۔ یہ ابتدائی سرمایہ تھا۔ اس دن تو میں شام تک بستر پر آرام کرتا رہا اور شام کو نے سارا کے پتے پر فون کیا اور اسے اپنے ہوٹل کا نام اور کمرے کا نمبر بتایا۔ اس نے اپنی ماں کے کی وجہ سے اس دن نہ آنے کی معذرت طلب کر لی لیکن دوسرے دن صبح آنے کا وعدہ کیا۔ لندن کے بڑے بڑے اخبارات میرے کمرے میں موجود تھے اور میں دن بھر اس شہر اور اس ملک کی روزمرہ گی اپنے ذہن میں منتقل کرتا رہا۔ شام کو میں ہوٹل سے نکل پڑا اور یوں ہی بے مقصد گھومتا گھامتا جوئے خانے میں داخل ہو گیا۔ انکا کی موجودگی میں روپے بڑھانے کا یہ سب سے بہترین ذریعہ ۔ وہاں رات جاگ رہی تھی۔ خوب صورت لڑکیاں ساقی گری کے فرائض انجام دے رہی تھیں۔ سب سے پہلے میں نے جوئے کے اس نئے طریقے کا معائنہ کیا۔ وہاں صرف میں کالا تھا۔ ان لوگوں نے کھلے سے مجھے پیش کش کی۔ ان کا انداز بڑا مہذب تھا۔ میں نے جھجکتے جھجکتے بازی لگائی۔ مجھے دانستہ ہارنا ۔ میں خندہ پیشانی سے ہار گیا۔ دوسری بار بھی ایسا ہی ہوا، تیسری بار بھی لیکن چوتھی بار بازی پلٹ گئی۔ نے جیتنا شروع کیا۔ اٹھتے اٹھتے میری جیب میں آٹھ سو پاؤنڈ موجود تھے۔ میں زیادہ جیتنا بھی نہیں تا تھا ورنہ میرے لئے مسائل کھڑے ہو جاتے۔ انکا نے مجھے روک دیا۔ رقم جیبوں میں ٹھونس کر اس ہنگامے اور شور کی جگہ سے واپس چلا آیا۔ باہر شدید سردی تھی اور دور دور تک ٹیکسی دکھائی نہیں رہی تھی۔ میں گلیوں سے ناواقف تھا لیکن انکا کی مدد سے ہوٹل کے راستے کی طرف جا رہا تھا کہ مجھے

یوں محسوس ہوا جیسے کوئی میرا تعاقب کر رہا ہے۔ وہ ایک چھوٹی سی سیاہ رنگ کی کار تھی۔ میرے قریب وہ رک گئی۔ میں سمجھا شاید وہ مجھے لفٹ دے رہے ہیں۔ انگریزوں کے اخلاق کی بڑی تعریف کار میں سے دونو جوان مہذب انداز میں باہر نکلے، انہوں نے سلام شب کہا اور جب قریب آ میں سے ایک کے ہاتھ میں پستول تھا۔ دوسرے نے تیزی سے میرا واحد ہاتھ پکڑ لیا۔ انہوں آہستگی سے رقم کا مطالبہ کیا، میں نے بہت اخلاق سے منع کر دیا۔ اس شارع عام پر...... کسی قتل نہیں تھا۔ میرے انکار پر انہوں نے مجھے کار میں زبردستی بٹھانے کی دھمکی دی۔ ناچار میں نے طرف دیکھا جو بڑے غور سے یہ تماشا دیکھ رہی تھی۔ وہ کسمسا کر اٹھی اور اس نے مجھے ان کے ساتھ اشارہ کر دیا۔ میں ان کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گیا۔ ظاہر ہے انکا میرے ساتھ نہیں تھی۔ دوسرا میرے قریب بیٹھا ہوا تھا اور میرا ہاتھ تھامے ہوئے تھا۔ میں نے اس سے عام انداز میں گفتگو کر دی۔ لندن کے بارے میں، انگریزوں کے اخلاق کے بارے میں، وہ مجھ سے شٹ اپ شٹ اپ کہتا رہا۔ جب اس نے گاڑی اپنے اندازے کے خلاف دوسرے راستے پر چلتے دیکھی تو غصہ آواز میں اپنے ساتھی کو پکارا لیکن اس کے ساتھی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یوں مجھے بھی کہ ضرورت تھی۔ میرے ہوٹل کے سامنے گاڑی رک گئی۔ اسٹیرنگ پر بیٹھے ہوئے نوجوان نے آ کر ادب سے دروازہ کھولا، مجھے باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔ اس واقعے پر وہ نوجوان مشتعل ہو گیا ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ یہ بات اس کی سمجھ سے بالاتر تھی کہ اس کا ساتھی ویران راستوں کے بجائے سڑک پر کیوں آیا ہے۔ اس نے سخت برہمی کا اظہار کیا۔ میں اکیلا اس کے لئے کافی تھا۔ میں ہاتھ چھڑا کر اس کی گردن کے گرد زور سے لپٹا۔ اس کی چیخ نکل گئی۔ اب بھی میرے اعصاب طاقت تھی۔ اس چھوکرے کو راستے سے ہٹا کر میں باہر آ گیا۔ میرے باہر نکلتے ہی دوسرے نوجوان گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ انکا انہیں دور تک چھوڑنے گئی اور جب میں کمرے میں واپس آ گیا تو لمحوں میں اپنی قیام گاہ پر پہنچ گئی۔ لندن میں پہلے دن شاہانہ انداز سے میری پذیرائی ہوئی۔

دوسرے دن صبح توقع کے مطابق سارا ہوٹل پہنچ گئی۔ وہ نفیس قسم کا لباس پہنے ہوئے تھی۔ انگریزوں کی روایتی سنجیدگی اور تمکنت تھی لیکن میرے لئے وہ ایک حسین لڑکی تھی۔ اس کا قد دراز چمکتے ہوئے، ہونٹ گلابی، رنگ شہابی تھا۔ انکا بھی اسے خاص نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ پہلی بھرم قائم تھا۔ سارا بہت وارفتہ وشیدا نظر آتی تھی۔ اس کے ساتھ میں ہوٹل سے باہر نکلا۔ اس سیاہ گاڑی مجھے لندن کی سیر کراتی رہی۔ دوپہر کو ہم نے ایک چینی ریستوران میں کھانا کھایا۔ اس کی عظیم الشان کوٹھی میں تھا۔ اس کا باپ لارڈ رالف اسمتھ ایک بہت بردبار، تعلیم یافتہ اور شخص تھا۔ اس نے میری ذات میں گہری دلچسپی لی۔ علوم نجوم کے بارے میں آ جاتا جاتا بالکل

لیکن میں نے عام طرز کی گفتگو کے بجائے بالکل تجریدی انداز میں لکیروں کے اسرار کے بارے میں اول فول بتانا شروع کیا۔ میں نے کیرو کی پامسٹری بالکل رد کر دی اور قدیم سنسکرتی پامسٹری کو ترجیح دی اور نہ جانے کتنے پنڈتوں کا نام لے لیا۔ لارڈ نے اپنا ہاتھ دکھانے کی خواہش ظاہر کی۔ میں نے تخلیے کی اجازت چاہی، سارا وہاں سے چلی گئی۔ پھر میں نے شروع تا آخر لارڈ کے ماضی کے واقعات بتانے شروع کر دئے۔ اس کی آنکھیں پھٹنے لگیں اور وہ سنجیدہ و متین شخص ایک گھنٹے کے اندر اندر میرے سامنے بچہ بن گیا۔ تھوڑی دیر میں سارا کو آواز دی گئی۔ لارڈ نے میری تعریف میں غیر معمولی فصاحت سے کام لیا۔ اس نے اصرار کیا کہ میں اس کے ساتھ اس کے محل میں قیام کروں لیکن میں نے انکار کر دیا۔

مؤدب ملازموں کی فوج نے رات کا کھانا لگایا۔ تمام وقت لارڈ بولتا رہا۔ رات کو مجھے سارا ہوٹل چھوڑنے آئی۔ میں نے کمرے تک پہنچتے پہنچتے اس کا نرم و نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ میں اسے رات بھر روکنا چاہتا تھا۔ صرف ایک پیگ حلق میں انڈیلنے کے بعد اس نے اجازت چاہی، چلتے وقت اس نے کل آنے کا وعدہ کیا۔ اس کی نظروں میں احترام تھا۔ حسین لڑکی کی آنکھوں میں احترام ہو، شوق نہ ہو تو بڑی عذاب ناک بات ہے، احترام شوق کا قاطع ہے۔ میں نے طے کر لیا کہ دوسرے دن میں یہ کیفیت بدلوں گا۔ لندن کی دوسری رات تنہا گزر رہی تھی۔

لارڈ رالف اسمتھ کے ساتھ اتنی دماغ ریزی بے مقصد نہیں تھی۔ اس اجنبی شہر میں مجھے بااثر لوگوں کا حلقہ پیدا کر کے اپنے علاج کا بندوبست کرنا تھا اور وقت پوری تفریح کے ساتھ گزارنا تھا۔ سارا دوسرے دن بھی مجھے لندن گھماتی رہی۔ اس نے مجھے کئی ڈاکٹروں کو دکھایا۔ پھر رالف اسمتھ کے مشورے پر یہ طے ہوا کہ اس کا خاندانی سرجن براؤن میرے ہاتھ کا معائنہ کرے گا۔ ایک عرصہ گزر گیا لہٰذا یہ بات ناممکن تھی کہ میرا ہاتھ بدل دیا جاتا، اب صرف یہی صورت تھی کہ میرا ٹوٹا ہوا ہاتھ اس طرح بنایا جائے کہ نقل پر اصل کا گمان ہو اور یہ بدہیئتی دور ہو جو مجھے بعض موقعوں پر شدید احساس کمتری میں مبتلا کرتی تھی۔ میں اس ہاتھ کو اٹھا سکتا تھا لیکن اس کی انگلیوں میں کوئی چیز پکڑنے کی قوت موجود نہ ہوتی۔ یہ اہم کام کرانے سے پہلے میں اس خاندان کو اور اعتماد میں لینا چاہتا تھا۔

میں نے سارا سے غیر رسمی باتیں شروع کر دیں اور اس کے ساتھ سینما، کلب، تھیٹر وغیرہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ سارا بہت مضبوط ارادے کی لڑکی تھی۔ انکا کے ذریعے میں اس کا خوب صورت بدن کسی وقت بھی اپنے ارادے کے تابع کر سکتا تھا لیکن دھیمے تعلقات اور بتدریج بڑھتے ہوئے مراسم میں جو لطف آ رہا تھا، وہ ختم ہو جاتا۔ ہاں مجھے انکا کے ذریعے سارا کے سامنے کچھ حیرت انگیز کرشمے، چٹکلے دکھانے پڑے۔ کلدیپ بھی پونا کلب میں اسی طرح مجھ سے متاثر ہوئی تھی۔ ایک تھیٹر میں جب ہم

دونوں ساتھ بیٹھے ہوئے تھے تو سارا نے ایک اداکارہ کی بڑی تعریف کی۔ میں نے کہا۔ ''لو تمہیں
کرشمہ دکھاتے ہیں۔ یہ اداکارہ اسٹیج سے اداکاری کرتے ہوئے تمہارے پاس آ جائے گی۔''

''یہ کس طرح ہو سکتا ہے، یہ ناممکن ہے۔''

''اور اگر یہ ممکن ہوا تو؟''

''شرط رکھ لیجئے......''

''جو میں مانگوں گا تم دوگی؟ یقیناً میں کوئی ایسی چیز مانگوں گا جو تمہارے لئے مشکل کا سبب نہ ہو''
میں نے جرأت سے کہا۔

''اگر یہ بات ہے تو مجھے منظور ہے۔'' اس نے کہا۔

''تو پھر کان ادھر لے آئیے۔'' میں نے اس کے کان میں ایک ایسی خواہش کا اظہار کر دیا ج
سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ میری خواہش بہت معمولی تھی لیکن یہ اسے قریب لانے اور بے تکلف کر
کی ابتدا کا درجہ رکھتی تھی۔ اس نے شرما کر اپنے لبوں کی حلاوت منتقل کرنے کی اجازت دے دی او
وقت بری طرح خوف زدہ ہو گئی جب سارے تماش بینوں کے سامنے وہ اداکارہ، اداکاری کرتے ہو
اسٹیج سے اتر کر سارا کے پاس آ گئی اور اس نے اس سے مصافحہ کیا، خیریت پوچھی، سارا کی زبان م
لکنت آ گئی تھی۔ یہ ایک بہت عجیب واقعہ تھا۔ سب لوگ دم بخود تھے۔ سارا میری صورت دیکھ رہی تھی
میں بے نیازی سے اپنی نشست پر مسکرا رہا تھا۔ ''کیا میں خواب دیکھ رہی ہوں؟'' اس نے اٹک اٹک
کہا۔

''نہیں۔ تم میرے ساتھ بیٹھی ہو اور میں خود پر ناز کر رہا ہوں کہ میرے پہلو میں ایک نازک بد
دوشیزہ فرنگ موجود ہے۔'' میں نے شوخی سے کہا۔

''تم کوئی جادوگر ہو۔ بخدا یہ سب کچھ حیرت انگیز ہے۔''

''یہ تو کچھ بھی نہیں، کچھ اور شرط رکھو گی؟ کیا خیال ہے؟''

''تم سے ڈر لگتا ہے۔'' اس نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر مشرقی انداز میں مجھ سے کہا۔

''نہیں۔ یہ تو مذاق تھا۔ ایک چھوٹا سا شعبدہ۔ میں ایک معمولی آدمی ہوں۔ تم کوئی خواہش کرو
مجھے اس کی تعمیل میں خوشی ہوگی۔''

اس رات کا ذکر کر دیا جائے جب شرط کے مطابق اسے میرے قریب آنا تھا۔ وہ اپنی شرط پوری
کرنے کے لئے تیار تھی۔ رخصت ہوتے وقت میں نے اسے معاف کر دیا اس نے میری فراخ دلی
اچھا اثر لیا ہوگا۔ چنانچہ پھر یہ ہوا کہ میں اور سارا لندن میں ایک ساتھ دیکھے جانے لگے۔ وہ مجھ سے ہاتھ
کے علاج کے لئے اصرار کرتی رہی اور میں اسے ٹالتا رہا کہ چلتے وقت درست کرا لوں گا۔ میں بظاہر ہوٹل

مقیم تھا لیکن میں اصل میں لارڈ رالف اسمتھ کا مہمان تھا۔ اس کی چراگاہوں میں میری کار دوڑتی
تی۔ میں اس کے ساتھ شکار کھیلتا تھا۔ انکا مجھے سرخرو کرتی رہی اور میں سارا کے قریب آتا رہا۔ لندن
ے نائٹ کلب جہاں عورتیں لباس کی ضرورت محسوس نہیں کرتیں، ان دھیمی روشنیوں میں ان کے بدن
بشہ مضطرب رہتے ہیں، کارخانے، موسیقی کی محفلیں، عورت وہاں عام تھی۔ ہر ایک کا تیور منفرد تھا۔ یہ
ل شاید بہت تھک گئے تھے اور جدت کی تلاش میں نہ جانے کہاں سے کہاں چلے گئے تھے۔ سارے
گلستان میں دنیا کی دولت جمع ہو کر آتی تھی اور اس کی نو آبادیوں کے کم تر درجے کے لوگ انگریزوں
ے اعلیٰ درجے کے ہوٹلوں میں ٹھہرتے ہوئے گھبراتے تھے۔ صرف میں یا چند اور لوگ ایسے تھے جو
گریزوں کے لئے مسئلہ بن گئے تھے۔ لارڈ رالف اسمتھ جیسے متکبر، سخت مزاج شخص کو میری رفاقت
طلوب تھی، سارا جیسی لڑکی میرے ساتھ تھی۔ لندن میں قدیم طرز کی میلی کچیلی عمارتیں، کہر دھند، چند
دگار چیزیں، برٹش میوزیم، ہائیڈ پارک، 10 ڈاؤننگ اسٹریٹ، برطانیہ کا شاہی محل اور نائٹ کلب۔
ن کے علاوہ کیا تھا مگر میری طبیعت یہاں بہت لگی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے گزشتہ چند برسوں میں
ہایت دردناک زندگی گزاری تھی۔ یہاں نہ بدری نرائن کا اشتعال تھا اور نہ پرانے سلسلے۔ میں ایک نیا
دمی تھا، ایک آزاد آدمی۔ جہاں چاہتا، گھومتا۔ دولت جب چاہتا حاصل کر لیتا، لٹا دیتا۔ میں نے سب
چھ بھلا دینا چاہا۔ انکا بھی مگن تھی۔ وہ میرے سر پر بیٹھی نئی نئی چیزیں، نئے نئے چہرے دیکھتی رہتی اور
قید کرتی رہتی۔ لارڈ رالف اسمتھ کے قریبی دوست اور عزیز مجھ سے واقف ہو گئے تھے۔ میں نے
ہیں انگشت بدنداں کر دیا تھا، لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ ہندوستان جیسے غلام ملک کے ایک آدمی کے
ساتھ، اس اخلاق اور مروت سے پیش نہیں آتے جو میزبانوں کا مہمانوں کے ساتھ ہونا چاہئے، میرے
لالات پر ان کا داد دینے کا لہجہ مدبرانہ، مفکرانہ، سرپرستانہ اور تحکمانہ ہوتا تھا۔ ان کے قہقہوں میں اقتدار
ر برتری کا غرور تھا۔ مجھے یہ بات بہت بری لگتی تھی حالانکہ میں نے مختلف موقعوں اور بحثوں کے
رمیان انہیں قائل کر دیا تھا لیکن جب وہ اٹھتے تو ایک شان سے۔ یہ دبدبہ اور طنطنہ میں نے نوابین اودھ
ل بھی نہیں دیکھا تھا۔ لارڈ رالف اسمتھ کے سوا تمام لارڈ مجھ سے ایک طرح کی دوری برقرار رکھتے تھے
رانہیں سارا کا میرے ساتھ گھومنا پھرنا پسند نہیں تھا۔ یہ بات سارا نے مجھے بتائی اور میں نے خود بھی
سوس کی۔ ان میں لارڈ جارج فیدر کا فرزند رابرٹ فیدر سب سے نمایاں تھا۔ انکا نے مجھے بتایا کہ وہ اکثر
ارا کے ساتھ گھوما پھرا کرتا تھا اور سارا کا محبوب اول تھا۔ لندن میں سارا کی عمر تک پہنچتے پہنچتے لڑکیاں کئی
بوب بدل لیتی ہیں، میرے آنے کے بعد نوجوان رابرٹ کی شامیں تنہا گزرنے لگیں۔ جب پہلی مرتبہ
الف اسمتھ کے ہاں اس سے میرا تعارف ہوا تو اس نے مجھے طنز اور استہزا کا نشانہ بنایا۔ میں خوب
ورتی سے نجا گیا اس لئے کہ میں لندن میں کوئی جھگڑا مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ میں یکسوئی، تفریح

اور علاج کے لئے آیا تھا۔ ایک شام رابرٹ نے مجھے اور سارا کو مدعو کیا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ اس نوجوان کسی طرح سارا کے سامنے میری توہین کرنا چاہتا ہے مگر مجبوراً مجھے یہ دعوت قبول کرنی پڑی کا کھانا ہم نے ایک عالی شان ہوٹل میں کھایا جہاں صرف ممبر جاسکتے تھے۔ وہاں رقص کا پروگرام اپنے ٹوٹے ہوئے ہاتھ سے رقص کرنے میں مشکل محسوس کرتا تھا۔ سارا، رابرٹ کے ساتھ میں تنہا انکا سے الجھنے لگا۔

جب موسیقی کا شور ختم ہوا وہ دونوں مسکراتے ہوئے میز پر آ گئے۔ رابرٹ نے کچھ دل شروع کر دیں، اس نے ہندوستان کے لوگوں کی حماقتوں کے لطیفے سنائے اور انہیں گندے بو نے کہا۔ وہ نجوم اور دیگر پُراسرار علوم کا مذاق اڑانے لگا اور کہنے لگا کہ قیافے، تکنیک، فن سے بڑے بڑے شعبدے ممکن ہو سکتے ہیں، سارا اس شام کی بے رونقی محسوس کر رہی تھی، میں نے کی تمام باتیں نہایت اطمینان سے سنیں اور سر ہلاتا رہا۔ وہاں سے مجھے ترکی کے ایک شعبدہ باز کے مظاہرے میں لے گیا۔ سارا ہم دونوں کے درمیان بیٹھی تھی، سارا نے تھیٹر والا واقعہ رابرٹ دہرایا۔ رابرٹ اس پر قہقہے لگانے لگا اور اس نے سارا کی سادہ دلی پر محمول کیا اور مجھ سے کہا۔ "مسٹر علی! اس جادوگر کے کمالات کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟"

میں نے کہا۔ "خوب ہے۔ مجھے لطف آ رہا ہے۔"

"کیا آپ ایسا کوئی مظاہرہ دکھا سکتے ہیں؟" اس نے اچانک کہا۔

"میں نے ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا۔" میں نے کہا۔ "لیکن یہ سب کیا ہے؟"

"یہ مہارت ہے..... سارا یہ فن ہے۔ اس میں اسرار نہیں ہے۔"

"ممکن ہے۔" میں نے کسی طرح بحث سے پہلو تہی کی۔ "لیکن آپ پُراسرار واقعات نہیں کر سکتے۔"

اس عرصے میں جادوگر نے ہال میں کسی ایک شخص کو آواز دی کہ وہ اسٹیج پر آئے اور معمول بنے اس لمحے رابرٹ بولا۔ "مسٹر دولت علی۔ آپ چلے جائیے۔ میرے خیال میں یہ دلچسپ رہے گا۔"

انکا نے مجھے ٹھوکا دیا۔ "یہ بڑھ رہا ہے۔ اسے قابو میں کرو۔"

میں نے ہاتھ اٹھا دیا۔ ہم اگلی صف میں تھے۔ میں اٹھ کر اسٹیج پر پہنچ گیا۔ ترکی کے جادوگر نظر غور سے مجھے دیکھا اور مسکرا کر مجھے خوش آمدید کہا۔

"آپ کا نام؟" اس نے پوچھا۔

"دولت علی خان!" میں نے جواب دیا۔

"آپ کمزور اعصاب کے آدمی تو نہیں ہیں؟ میں آپ کو معمول بناؤں گا۔"

"میں اپنے اعصاب پر قابو پانے کی کوشش کروں گا۔" میں نے مؤدب جواب دیا۔

"خوب.....!" اس نے کہا اور میری آنکھوں میں جھانکنا شروع کر دیا۔ وہ ایک عامل تھا اور تنویمی ل کا ماہر تھا، مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس کی صلاحیتیں عام جادوگروں سے کہیں زیادہ ہیں۔ اس نے نچ منٹ کا وعدہ کیا تھا۔ وہ میری آنکھوں میں آنکھیں گاڑے پانچ منٹ تک کوشش کرتا رہا، میں بہت دگی اور بے پروائی سے کھڑا رہا۔ وہ مجھے معمول نہیں بنا سکا۔ ہال میں سرگوشیاں ابھرنے لگیں۔ انکا مجھے بو میں کئے ہوئے تھی۔ اس نے حاضرین سے معذرت چاہی اور پانچ منٹ اور مانگے۔ حاضرین کے یے یہ وقت تکلیف دہ تھا۔ وہ جھنجلا رہا تھا اور اس کے ماتھے پر شکنیں نمودار ہو گئی تھیں۔ نتیجتاً اس نے ایک روار کیا۔ اس نے جادو کی مدد سے کوئی ایسا عمل کیا ہے جس سے میں پاگل پنے کی حرکتیں کرنے لگتا۔ وہ میں بھی ناکام ہو گا ہو گیا۔ پھر وہ میرے قریب آیا اور اس نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "یہ ری زندگی کا پہلا واقعہ ہے۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ میری عزت رکھ لیجئے۔ آپ مجھ پر رحم یجئے۔ میں آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔"

میں عام حالات میں اس کی درخواست منظور کر لیتا لیکن یہاں معاملہ ہی دوسرا تھا۔ میں نے اس کا ھ تھاما اور بہ بلند آواز میں کہا۔

"حاضرین! میرے معمول نہ بننے میں ترکی جادوگر کا کوئی قصور نہیں ہے۔ دراصل میں خود تنویمی ل کا ماہر ہوں اس لئے اس کا معمول نہیں بن سکتا۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کا خاصا قیمتی وقت ضائع ا۔" یہ کہہ کر میں چلنے لگا۔

ترکی جادوگر نے مجھے لپک لیا۔ "میں اپنے معزز مہمان دولت علی خان سے درخواست کروں گا کہ نویمی عمل کا کوئی مظاہرہ کریں۔"

ہال میں تالیاں بجنے لگیں۔ میں نے بہت ردوقدح کے بعد آخر ہامی بھر لی اور ایک شخص کو اسٹیج پر ب کیا۔ وہ رابرٹ کی طرح کا ایک نوجوان تھا۔ ترکی جادوگر ایک کونے میں کھڑا ہو گیا۔ میں نے ھا۔ "کتنے منٹ میں؟"

آوازیں آئیں۔ "پانچ منٹ میں۔"

میں نے کہا۔ "یہ زیادہ ہے۔"

کوئی دو منٹ کی خاموشی کے بعد میں نے انکا کو اشارہ کیا اور وہ نوجوان دوسرے ہی لمحے بے بس چکا تھا اور میری ہدایات پر کسی مشین کی طرح عمل کر رہا تھا۔ وہ پوری طرح میرے احکام کا تابع تھا۔ بھی اسے رقص کرنے کا حکم دیتا، کبھی کسی شخص کا ہیٹ اور چشمے لانے کا اور کبھی کچھ کبھی کچھ۔ یہ دلچسپ اہر چند منٹ میں ختم ہو گیا اور ترکی جادوگر کی تالیاں ہال کی پُرشور تالیوں میں ڈوب گئیں۔

اپنی نشست پر آنے کے بعد میرے لئے بڑی مشکل ہوگئی۔ ہجوم نے مجھے گھیرلیا۔ … سے راستہ بناتے بناتے میں وہاں سے آیا۔ شو اسی وقت ختم ہوگیا تھا اور ہال میں افراتفری مچ … سارا بہت جوشیلی نظروں سے میرا چہرہ تک رہی تھی۔ اس دن کے بعد سے بے چارہ ترک کی … میں کوئی شو نہ کرسکا۔ اس کی ساکھ اور آمدنی یکلخت ختم ہوکر رہ گئی تھی۔ اس نے کئی بار مجھ سے … کی لیکن میں نے اس سے ملنا مناسب نہیں سمجھا۔ میں ہمیشہ بڑی خوب صورتی سے اسے ٹال دیتا …

مختصر یہ کہ صرف یہی ایک واقعہ نہیں، اس قسم کے کئی چھوٹے موٹے دلچسپ واقعات … پیش آئے۔ یہ ایک دلچسپ زندگی تھی جس کا تصور میں نے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ یہاں نہ کوئی … تھانہ پولیس، میں تنہا اپنی انکا کو ساتھ لئے انہیں حیرت زدہ کررہا تھا۔ وہ مجھے کوئی جن یا بھوت … تھے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ ابھی میری انکا نے ان کے سامنے صرف دو چار ہاتھ دکھائے ہیں … ہے، سارا کے سامنے میں عمداً یہ کوشش کرتا کہ انکا کوئی ہنگامہ برپا نہ کرے اور میں ایک عام آدمی … اس سے ملتا رہوں ورنہ وہ مجھ سے خوف زدہ ہوجاتی اور سارا لطف کرکرا ہوجاتا لیکن یہ واقعات … رونما ہوجاتے۔ کچھ سارا کی رفاقت کو طول دینے کے لئے، کچھ اسے محظوظ کرنے کے لئے بعض … کرنے ہی پڑتے تھے۔ میں اپنے پُراسرار واقعات کی توجیہہ کرتے ہوئے عجب مضحکہ خیز دلیلیں … تھا۔ سارا میرے کمالات کا ایک مظاہرہ دیکھنا چاہتی تھی۔ میں نے اسے سختی سے منع کردیا کہ … ناپسند ہے۔ میں یہ حصہ حذف کررہا ہوں حالانکہ یہ ایک منفرد سفرنامہ ہے۔ ان پے در پے واقعات … اور میری حد سے زیادہ چاہت کے بعد سارا مجھ میں شامل ہوتی گئی اور میں اس میں کھوتا گیا۔ … خوش گوار گزر رہا تھا۔ میں لندن میں ایک شاہانہ زندگی بسر کررہا تھا، ایک حسین لڑکی میرے دام … گرفتار۔ روز بروز میں اس خاندان سے قریب ہورہا تھا۔ اس ذی حشم اور نامور خاندان میں … ملک کا شخص، ٹوٹے ہوئے ہاتھ کا ایک ایسا شخص داخل ہورہا تھا جو بیش سے بیش قیمت نوادرات … میں سارا کو پیش کردیتا تھا لیکن خوشیاں جمیل احمد خان کو راس نہیں آتیں۔ میری تمام تر احتیاط … سے کم نعالی کے باوجود حادثے میرے منتظر تھے۔

میں اس رات لارڈ الف اسمتھ کے ہال میں مہمان تھا۔ وہ مجھ سے حسب معمول بہت … کررہا تھا اور تنہائی میں اپنے ماضی کے عشقیہ واقعات سنا رہا تھا۔ لارڈ کو شیمپین سے شغف تھا … اس سے باتیں کررہا ہوتا تو سارا اس طول بیانی سے اکتا کر وہاں سے چلی جاتی اور جاتے جا … وہاں سے کھسک آنے کا اشارہ کردیتی۔ اس رات بھی یہی ہوا۔ لارڈ کی باتیں ختم ہونے میں … تھیں، سارا جھنجلا کر چلی گئی تھی۔ آخر خدا خدا کرکے بہت دیر بعد لارڈ نے مجھے جانے کی … اور میں نیچے ہی سے سارا کو لئے ہوئے اپنے ہوٹل کی طرف چل پڑا۔ سارا کچھ دیر میرے …

قریب میرے ساتھ رہی، پھر چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد میں بستر پر دراز ہوگیا اور انکا سے نوک جھونک کرنے لگا پھر مجھے جلد ہی نیند آگئی۔ لیکن ابھی مجھے سوئے ہوئے کوئی آدھا گھنٹا ہوا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی نے چونکا دیا۔ سارا وحشت زدہ انداز میں کہہ رہی تھی۔ ''دولت علی! پاپا اپنے کمرے میں مردہ حالت میں پائے گئے۔''

☆......☆......☆

سارا کی دی ہوئی اطلاع تعجب خیز تھی۔

میں چند گھنٹے پیشتر اس کے باپ کے ساتھ بیٹھا تھا۔ کسے معلوم تھا کہ میری اور اس کی یہ آخری ملاقات ہے۔ اس حیرت انگیز اطلاع پر مجھے سکتہ سا ہوگیا۔ میں اس سے تعزیتی جملے بھی نہ کہہ سکا اور نہ حیرت کا اظہار کرسکا۔ اس نے فون بند کردیا۔ لارڈ الف اسمتھ بہت بردبار، ملنسار اور دلچسپ شخصیت کا مالک تھا۔ اتنی مختصر مدت میں وہ مجھ سے بہت قریب ہوچکا تھا۔ اس کی اچانک ہلاکت سے مجھے بڑا صدمہ پہنچا۔ میری نیند اڑ گئی۔ اور جب میں نے فون پر سارا کے ادا کئے ہوئے جملے پر غور کیا تو ایک سنسنی سی میرے جسم میں دوڑ گئی..... کیا لارڈ کی موت میں کسی سازش کا ہاتھ ہے؟ کیا اتنی دور آجانے کے بعد بھی گردشوں نے جمیل احمد خان کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ قاتل نے باقاعدہ منصوبہ بندی کی ہے اور اس نے ایسے وقت کا انتخاب کیا جب قتل کا سارا الزام آسانی سے مجھ پر عائد ہوجائے مگر لارڈ کو قتل کیوں کردیا گیا؟ وہ تو ایک منکسر المزاج، ہمدرد اور خوش اخلاق شخص تھا۔ پھر کوئی خاندانی رنجش؟ حصول دولت کا چکر؟ کوئی پرانی رقابت؟ یا پھر سارا؟ انکا آرام سے سو رہی تھی۔ لندن میں یوں بھی وہ کچھ بے فکر سی ہوگئی تھی۔ گھٹنوں پاؤں پسار کر سوتی رہتی۔ یا ٹک ٹک انگریزوں کا شہر دیکھتی رہتی۔ اسے سارا کے فون کی خبر بھی نہ ہوسکی۔ ہندوستان میں تو وہ بہت محتاط ہر وقت ہوشیار اور مستعد رہتی تھی لیکن یہاں آکر اسے نہ کسی حریف کا خطرہ تھا نہ کسی عتاب کا خوف۔ لارڈ کے قتل کی اطلاع سن کر میرا ذہن بہت تیزی سے سوچ رہا تھا۔ میں جس بات سے گھبراتا تھا وہی پھر میرے آڑے آرہی تھی۔ وہی پولیس، تفتیش، سراغ رسانی، گرفتاری، سزا مقدمہ وغیرہ۔ لندن میں بھی یہ بلائیں میرے پیچھے لگنے والی تھیں۔ لندن سے کہیں بھاگنے کا سوال نہیں تھا۔ مجھے بہرطور وہاں جاکر اپنی وضاحت کرنی تھی۔ میں نے جھلاہٹ کے عالم میں اپنا لباس تبدیل کیا اور انکا کو جگانے کی کوشش کی۔

انکا کی موجودگی میں قتل کے اصل سبب کا سراغ لگانا مشکل نہیں تھا۔ میں نے اسے دو چار آوازیں دیں تو اس نے ایک توبہ شکن انگڑائی لی اور آنکھیں کھولتے ہوئے بولی۔ ''کیا وحشت ہے جمیل! میں اس وقت بڑے مزے کی نیند سو رہی تھی۔''

''سونے کے دن گئے میری جان، اب جاگ جاؤ۔''

"کیوں؟ کیا یہاں بھی وہ منحوس بدری نرائن آ گیا؟"

"بدری نرائن سے تم بہت خوف زدہ ہو؟" میں نے طنزاً کہا پھر اداسی سے بولا۔ "انکا ... نرائن تو ہر جگہ موجود ہیں۔"

"کیوں کہ جمیل احمد خان بھی ہر جگہ موجود ہیں۔" انکا نے تیزی سے کہا۔

"یہ چھیڑ خانیاں پھر کرنا۔ میں تمہیں ایک اہم خبر سنانا چاہتا ہوں۔" میں نے انکا کی شوخی نظر... کرتے ہوئے کہا۔ "سارا کا فون ابھی ابھی آیا تھا۔ اس نے اطلاع دی کہ لارڈ رالف اسمتھ اپنی ... گاہ میں مردہ حالت میں پائے گئے ہیں۔ میں اصل واقعات جاننا چاہتا ہوں۔"

انکا میری بات سن کر اچانک کھڑی ہوگئی۔ چند ثانیوں تک وہ خلا میں گھورتی رہی۔ اس کی آ... میں چمک پیدا ہوگئی اور اس نے کہنا شروع کیا۔

"لارڈ کی موت میں رابرٹ کا ہاتھ ہے۔ اس خوب صورت نوجوان نے پوری مہارت... تمہارے گرد خوب صورت جال پھیلا دیا ہے۔ تمام ثبوت تمہارے خلاف ہیں۔ سارا کی قربت... لائی۔ رابرٹ نے تمہیں پھانسی کے پھندے تک لے جانے کی عمدہ منصوبہ بندی کی ہے۔"

"میری زندگی کے دن بہت ہیں۔ یہ انگریز کا بچہ مجھے کیا مارے گا۔ مجھے تفصیلات درکار ہیں" میں نے ناراضی سے کہا۔ "رابرٹ کے پھیلائے ہوئے جال کی فکر اس وقت ہوتی جب تم میرے... نہ ہوتیں اور جب تم نہ ہوتیں تو سارا کیوں ملتی؟ لارڈ کے گھر میں میرا اتنا عمل دخل ہی کیوں ہوتا... لندن میں کیسے آتا۔ میں کسی خستہ شکستہ دفتر میں کلرک کی میز پر بیٹھا فائلوں میں سر کھپا رہا ہوتا اور... چھوٹے بچے چیتھڑے لگائے گلی میں کھیل رہے ہوتے۔"

"کیا تم اس وقت بہت اداس ہو؟ سارا کے باپ کی موت کا صدمہ کچھ زیادہ معلوم ہوتا ہے... سارا تم سے قریب بھی تو آ گئی تھی۔"

انکا اس واقعے کو زیادہ اہمیت نہیں دے رہی تھی۔

"میں اداس اس لئے ہوں انکا کہ میں یہاں آرام سے کچھ دن گزارنا چاہتا ہوں۔ ... معاملے میں نہیں پڑنا چاہتا۔"

"اس کی فکر بے کار ہے لیکن تمہیں سارا کے گھر اس وقت جانا ضرور ہوگا۔ جمیل تم بہت ... ہوگئے ہو۔"

"میں اس وقت تفصیل جاننا چاہتا ہوں۔" میں نے زچ ہو کر کہا۔

انکا مجھے اسمتھ کے قتل اور رابرٹ کی سازش کی تفصیل بتانے لگی۔ اس کے منصوبے کی ... اس کی ذہانت پر دلالت کرتی تھیں۔ مجھ سے اسے سخت نفرت تھی۔ اس پہلو کا ذکر سن کر میرا ...

ہونے لگے اور میں نے طے کرلیا کہ یہ معاملہ اتنی آسانی سے ختم نہیں کیا جائے گا۔ ہوٹل سے باہر آ کر اور ٹیکسی پکڑ کر میں سارا کے مکان کی جانب روانہ ہوگیا۔ انکا راستے بھر مجھے تفصیلات بتاتی رہی۔ میں سنجیدگی سے اس کی ایک ایک بات ذہن نشین کر رہا تھا۔ اچانک انکا کے چہرے پر غصے اور حقارت کے تاثرات ابھرے، وہ تلملائی۔ "جمیل! تم سارا کے گھر پہنچو۔ میں رابرٹ کی طرف جا رہی ہوں۔ اسے سارا کا فون مل چکا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے گھر سے روانہ ہو، میرا وہاں پہنچنا بے حد ضروری ہے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو بات خواہ مخواہ طوالانی ہو جائے گی اور بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔"

"کیا وہ بدبخت کوئی اور گل کھلانے کی سوچ رہا ہے؟" میں نے نفرت سے پوچھا۔

"وقت کم ہے جمیل! اس وقت ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ میں واپس آ کر تمہیں سب کچھ بتا دوں گی۔" انکا یہ کہہ کر پھدکتی ہوئی میرے سر سے اتر گئی اور میں خود کو سارا کے گھر پیش آنے والے واقعات سے نمٹنے کے لئے تیار کرنے لگا۔ ٹیکسی میری ہدایت پر برق رفتاری سے فاصلہ کم کر رہی تھی۔

رالف اسمتھ کے محل نما مکان کے باہر پولیس کی کاروں کی قطار دیکھ کر ماتھا ٹھنکا۔ لندن کے مشہور زمانہ سراغ رسانوں اور پولیس کے لوگوں نے پہلے ہی وہاں کارروائی شروع کردی تھی۔ میں ٹیکسی والے کا کرایہ ادا کر کے عمارت کا احاطہ عبور کرنے لگا۔ اندر پہنچا تو میرا اندیشہ درست ثابت ہوا۔ لارڈ رالف اسمتھ کی لاش اس کی خواب گاہ میں مسہری کے قریب فرش پر پڑی تھی۔ بستر کی بے داغ چادر آدھی مسہری پر تھی اور آدھی نیچے جھول رہی تھی۔ مجھے اس کرب کا اندازہ ہوا جس سے دوچار ہونے کے بعد اس زندہ دل بوڑھے نے موت سے شکست کھائی ہوگی۔ پولیس کے فوٹو گرافر اور انگلیوں کے نشانات کے ماہرین بڑی سرگرمی سے اپنا کام کر رہے تھے۔ ایک پولیس افسر کمرے میں ایک جانب کھڑا سارا سے باتیں کر رہا تھا۔ میں نے سارا کے چہرے کا جائزہ لیا۔ اس کی حالت الم ناک تھی۔ اس کے چہرے کی ساری شگفتگی اور رعنائی ماند پڑ چکی تھی۔ اس کی خوب صورت آنکھوں میں ویرانیاں رقص کر رہی تھیں۔ میں اس سے نگاہیں نہ ملا سکا۔ تعزیت کرتے ہوئے مجھے ایک پشیمانی سی ہوتی ہے۔ نہ جانے کیوں میرا جی قدرت کی ستم ظریفی پر مسکرانے کو چاہتا ہے۔ جب میں کسی سے تعزیت کے جملے کہتا ہوں تو مجھے خود پر جبر کرنا پڑتا ہے۔ الفاظ منہ سے ادا نہیں ہوتے اور سارا اظہار غم مصنوعی معلوم ہوتا ہے۔ موت کا غم جسے ہوتا ہے اسے پرسا دینے والے ہمیشہ اپنے بیان میں ایک کمی محسوس کرتے ہیں۔ میری حیثیت مشکوک تھی۔ میں سارا کو کیا پرسا دیتا، پولیس کے دوسرے ماہرین اور سراغ رساں مختلف زاویوں سے لاش کا معائنہ کر رہے تھے۔ یہاں کی پولیس اور ہندوستان کی پولیس میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہ لوگ بہت شائستہ انداز میں، بہت انہماک اور سنجیدگی سے کوئی گالی دیے بغیر اپنا کام کر رہے تھے۔ میں نے معاً اس میز کی جانب نظر اٹھائی جو لارڈ کی مسہری کے سرہانے موجود تھی۔ میز پر رکھے ہوئے گلاس میں کچھ دودھ اب بھی موجود

تھا۔ انکا نے مجھے بتایا تھا کہ لارڈ کی موت یہ دودھ پینے سے واقع ہوئی ہے۔ اس میں مہلک آمیزش تھی۔ میں ابھی دودھ کا گلاس بغور دیکھ رہا تھا کہ انکا میرے سر پر واپس آ گئی۔ میں نے ا جانب دیکھا۔ وہ سنجیدگی سے بولی۔ ''جمیل، اب تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ م ایسے حالات پیدا کر دیئے ہیں کہ پولیس آسانی سے اصل مجرم تک پہنچ جائے گی۔'' پھر انکا نے جو تفر مجھے بتائی اسے سن کر میرا دل چاہا کہ اسے گود میں اٹھا کر سینے سے لگا لوں۔ اس نے مجھے بچانے کی خ جو اقدام کیا تھا وہ انتہائی جامع اور دلچسپ تھا۔ اچانک سارا کی نظر مجھ پر پڑی، وہ کسی وحشت زدہ ہرن طرح دوڑتی ہوئی میرے قریب آئی اور میرے سینے سے لپٹ کر روتے ہوئے بولی۔ ''دولت علی ہو گیا؟ میرے پاپا مجھ سے کیوں ناراض ہو گئے؟ کیا میں اتنی بری تھی؟''

''ہمت سے کام لو سارا۔'' میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ''سارے انسانوں کا مقدر ہے، پہلے یا بعد کی بات ہے۔ قدرت کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں۔ انسان صبر کے سوا اور کیا کر سکتا ہے۔''

سارا میرے سینے سے لگی بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہی تھی۔ مجھ سے ضبط نہیں ہوا، م آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ کمرے میں موجود ماہرین میں سے کچھ نے ایک لمحے کے لئے م جانب غور سے دیکھا پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ وہ پولیس افسر آگے بڑھا جو سارا سے بات ک تھا۔ پھر اس نے مجھے اشارے سے ہدایت کی کہ میں سارا کو جائے حادثہ سے الگ لے جاؤں۔ میں اثبات میں سر کو جنبش دی اور سارا کو دوسرے کمرے میں لے گیا۔ وہ بری طرح بین کر رہی تھی۔ میر لئے یہ لمحے بڑے صبر آزما تھا۔ اس کا غم دیکھ کر مجھے اپنی ماں اور نرگس کی موتیں یاد آ گئیں، ملال کا زخم ہرا ہو گیا۔ میں اسے صبر کی تلقین کر رہا تھا حالانکہ میں خود بھی نڈھال ہو گیا تھا۔ اسی وقت رابرٹ تیز قد سے کمرے میں داخل ہوا۔ ہم دونوں میں معنی خیز نظروں کا تبادلہ ہوا۔ ایک بار جی میں آئی کہ اس کم ب کو ابھی زیر زمین کر دوں۔ رابرٹ نے مجھے دیکھ کر رعونت سے منہ پھیر لیا پھر لپک کر قریب آیا اور سے مخاطب ہوا۔ ''یہ سب اچانک کیسے ہو گیا سارا؟ انکل شام تک تو ٹھیک تھے۔ میری ان سے فون بات ہوئی تھی۔ تمہارا فون آیا تو مجھے یقین نہیں آیا۔ میرا خیال تھا کہ تم نے مجھے پریشان کرنے کے خطرناک مذاق کیا ہے لیکن یہاں آ کر معلوم ہوا ہے کہ بساط واقعی الٹ گئی ہے۔ مجھے شدید صدمہ میں تمہارا غم محسوس کر رہا ہوں۔''

سارا نے رابرٹ کی بات کا جواب نہیں دیا۔ رحم طلب نظروں سے اسے دیکھ کر دوبارہ میرے میں منہ چھپا کر رونے لگی۔ اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ مجھے احساس تھا کہ سارا کو میرے سینے سے لگ کر رابرٹ پر کیا گزری ہوگی۔ اس لمحے انکا نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ ''جمیل! دیکھ رہے حسین نوجوان کی دیدہ دلیری؟ اجازت ہو تو لمحوں میں اس کا بھرم خاک میں ملا دوں؟ میری مانو تو

زیادہ ڈھیل دینا مناسب نہیں ہے۔''

''جلد بازی سے کام مت لو انکا۔'' میں نے دل ہی دل میں اسے مخاطب کیا۔ ''اسے اس طرح نہیں چھوڑا جا سکتا۔ اس کی رسوائی کا تماشا سب کو دیکھنا چاہئے۔ یہ بچ کر کہاں جائے گا لیکن اسے عبرت انگیز انجام سے دو چار کرنا ضروری ہے۔''

کچھ دیر بعد پولیس کے دو افسر کمرے میں آ گئے۔ رابرٹ نے پریشانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''کیوں آفیسر! انکل اسمتھ کی افسوس ناک موت کا سبب معلوم ہوا؟''

''ہاں۔ ڈاکٹر کا خیال ہے کہ لارڈ نے کوئی زہر پیا تھا لیکن پوسٹ مارٹم رپورٹ آنے سے پہلے کوئی قطعی بات نہیں کہی جا سکتی۔''

''زہر؟ نہیں نہیں آفیسر۔ میں نہیں مان سکتا۔'' رابرٹ نے جذباتی لہجے میں کہا۔ ''انکل بڑے مضبوط اعصاب کے مالک تھے۔ ان کا شمار ایسے لوگوں میں کیا نہیں جا سکتا جو کسی نازک لمحے میں تنگ آ کر موت کا فیصلہ کر بیٹھیں۔ میرا خیال ہے..... انکل یقیناً کسی سازش کا شکار ہوئے ہیں مگر ان کا دشمن کون ہو سکتا ہے۔'' رابرٹ نے سوچتے ہوئے کہا۔

''آپ کی تعریف؟'' پولیس افسر نے رابرٹ سے سوال کیا۔

''میرا نام رابرٹ ہے۔ انکل اسمتھ سے ہمارا خاندانی رابطہ ہے۔ کچھ اور رابطے ہونے والے تھے مگر آہ.....'' رابرٹ نے سارا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مجھے اس دردناک حادثے کی اطلاع سارا نے دی تھی۔''

''ہو سکتا ہے آپ کا اندیشہ درست ہو۔'' پولیس افسر نے متانت سے جواب دیا۔ ''پوسٹ مارٹم اور نشانات کے ماہرین کی رپورٹ ملنے کے بعد ہی کوئی فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔''

سارا نے جیسے طے کر لیا تھا کہ اسے صرف میرے سینے میں سکون ملے گا۔ وہ سسک رہی تھی اور میں رابرٹ اور پولیس افسر کے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہا تھا۔ رابرٹ بار بار اس شبہے کا اظہار کر رہا تھا کہ لارڈ اسمتھ کی موت میں کسی گہری سازش کا ہاتھ ہے۔ اس کی گفتگو کا انداز بڑا جذباتی تھا۔ وہ بار بار طیش میں ہاتھ ملنے لگا۔ اسمتھ خاندان سے اپنے رشتوں اور رابطوں کا ذکر وہ ایسے لہجے میں کر رہا تھا جیسے لارڈ کی موت کا دکھ عرصے تک محسوس کرتا رہے گا۔ رابرٹ کے بعد پولیس افسر نے سارا سے سوال کرنے شروع کر دیئے۔ میں اس تمام عرصے میں خاموش تماشائی کی طرح کھڑا رہا۔ سارا نے کسی سازش کے امکان پر لاعلمی کا اظہار کیا۔ ایک اور سوال کے جواب میں اس نے پولیس کو میرا اور رابرٹ کا نام بتایا۔ سارا کے بیان کے مطابق اس روز میرے اور رابرٹ کے سوا کسی نے مرحوم سے ملاقات نہیں کی تھی۔ پولیس افسر نے اپنے ایک ماتحت کو حکم دیا کہ گھر کے تمام ملازمین کی انگلیوں کے نشانات لئے جائیں۔

ماتحت کے جانے کے بعد رابرٹ نے ایثار پسندانہ انداز میں اپنی انگلیاں بھی پولیس کے سامنے پیش کر دیں۔ پولیس افسر بھی یہی چاہتا تھا۔ اس نے پہلے رابرٹ کی انگلیوں کے نشانات لئے پھر جانب دیکھا انکا تمام کارروائی دیکھ رہی تھی، وہ دخل دیتے ہوئی بولی۔ ''جمیل! اب برداشت نہیں ہو یہ وقت خاموشی کا نہیں ہے۔ اگر اب بھی تم نے بساط نہ پلٹی تو حالات بگڑ جائیں گے۔''

میرے لئے اب خاموش رہنا مناسب نہیں تھا۔ پولیس افسر نے میری انگلیوں کے نشان لینے خواہش ظاہر کی تو میں نے خاموشی سے اس کی بات مان لی۔ جس وقت میں اپنی انگلیوں کے نشانات پر منتقل کر رہا تھا، رابرٹ کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں۔ پولیس افسر جب میرے نشان لے رابرٹ نے کہا۔

''مسٹر دولت علی! آپ تو علم نجوم کے ماہر ہیں اور تنویمی عمل میں آپ کی مہارت میں خود آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں۔ سنا ہے آپ بہت سے باطنی علوم سے بھی واقف ہیں۔ کیا آپ انکل کی موت کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتے؟''

''جمیل!'' انکا غرا کر بولی۔ ''بس کرو۔ یہ شخص اپنے آپے میں نہیں ہے، اسے بڑی خوشی ہو رہی ہے کہ یہ پوری طرح محفوظ ہے۔''

''مسٹر دولت علی!'' پولیس افسر نے میرا تعارف سننے کے بعد مضحکہ خیز لہجے میں کہا۔ ہندوستانیوں کے بارے میں ایسی باتیں کتابوں میں ہیں، کیا آپ ہم سے تعاون نہیں کریں گے؟''

میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ پولیس افسر جس کا نام ہارڈی تھا، وہ رابرٹ کی شہ پا کر میری ہندوستانیوں کی تضحیک کر رہا تھا۔ یہ تضحیک یوں تو ہر انگریز ہندوستانی کو دیکھ کر کرتا تھا جیسے ہم نیچ نسل لوگ ہیں۔ یہاں آ کر میرے ذہن میں اس پوری اونچی نسل سے انتقام لینے کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ ان کی نگاہیں پہچانتا تھا جن میں غرور اور تکبر ہمیشہ موجود رہتا تھا۔ میں نے ایک نظر سارا پر ڈالی سر جھکائے بیٹھی سسک رہی تھی۔ رابرٹ پولیس افسر کے قریب فخر سے گردن اکڑائے کھڑا تھا۔ میں ہارڈی کو مخاطب کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ ''آفیسر! میں پولیس سے تعاون کرنا اپنا فرض سمجھتا لیکن یہ موقع میری باطنی صلاحیتوں کے آزمانے کا نہیں۔ کیا لندن کے تجربے کار پولیس افسر میری درخور اعتنا سمجھیں گے؟''

''یقیناً!'' ہارڈی نے الفاظ چباتے ہوئے شانے اچکا کر جواب دیا۔ ''اگر آپ کا علم قانون کو ٹھوس ثبوت فراہم کر سکے تو اسے نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔ ویسے یہ تجربہ ہم سب کے لئے دلچسپ ہو

''لیکن ایک شرط ہے۔ میں واقعے کی تشہیر پسند نہیں کروں گا۔ اگر لندن کی معزز پولیس یہ کرے کہ وہ میری شہادتوں کی غیر ضروری تشہیر نہیں کرے گی تو میں کسی قدر معاون ہو سکتا ہوں۔

یہاں تفریح کے لئے آیا ہوں۔ اپنے پیچھے ہجوم لگانے نہیں آیا۔ یوں بھی میں ایک گوشہ نشین شخص ہوں۔'' میں نے انکسار سے کہا۔

''ہمیں آپ کی ذات میں دلچسپی ہو رہی ہے۔'' ہارڈی نے طنز آمیز لہجے میں کہا۔ ''آپ کی شرط ہمیں قبول ہے۔ یہ گفتگو آف دی ریکارڈ ہے۔ آپ اعتماد رکھئے۔''

میں نے ہارڈی کو گھور کر آنکھیں بند کر لیں۔ انکا مجھے پہلی حالات سے باخبر کر چکی تھی۔ کمرے میں موجود افراد کو متاثر کرنے کے لئے میں یوں ہی کچھ دیر آنکھیں بند کئے کھڑا رہا اور بڑبڑاتا رہا۔ پھر آنکھیں کھول کر بولا۔ ''مسٹر ہارڈی! میں سمجھتا ہوں کہ لارڈ رالف اسمتھ کو قتل کیا گیا ہے اور قاتل مع ثبوت اسی چھت کے نیچے موجود ہے۔''

رابرٹ میری بات سن کر ایک لمحے کے لئے چونکا پھر تیزی سے بولا۔ ''سوچ لیجئے۔ آپ حیرت انگیز بات کر رہے ہیں دولت علی۔ کیا آپ نشانات کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہیں جو ماہرین کو جائے واردات سے دستیاب ہوئے ہیں۔''

''میرا باطن پکار رہا ہے کہ لارڈ رالف اسمتھ کو دودھ میں زہر دیا گیا ہے۔'' میں نے رابرٹ کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے ہارڈی سے کہا۔ ''اس سازش میں مجھے ایک مرد اور ایک عورت کا ہاتھ نظر آ رہا ہے کیونکہ مرد کا ستارہ دلو میں داخل ہو چکا ہے اور عورت بھی دلو میں پہنچ گئی ہے۔ رہا گلاس پر ملنے والے انگلیوں کے نشانات کا مسئلہ تو وہ یقیناً میرے ثابت ہوں گے۔''

ہارڈی مجھے حیرت سے دیکھنے لگا اور میرا جواب سن کر یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔ رابرٹ کے ہونٹوں پر ابھرنے والی مسکراہٹ بڑی گہری اور معنی خیز تھی۔ ہارڈی نے مجھے سخت نظروں سے گھور کر بولا۔ ''آپ کا بیان آپ کے حق میں سنگین صورت اختیار کر سکتا ہے۔''

''اگر مسٹر ہارڈی میرے بیان کی تصدیق چاہتے ہیں تو نشانات کے جو ماہرین موجود ہیں، وہ اسی وقت بھی اپنی رپورٹ مرتب کر سکتے ہیں۔'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔ رابرٹ نے اس وقت ہارڈی کے کان میں کوئی سرگوشی کی جس کے بعد نشانات کے ماہرین کو قریب بلا کر ضروری ہدایات دے دی گئیں۔ سارا اس ساری کارروائی کو حیران نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''مسٹر دولت! اگر ماہرین نے آپ کے بیان کی تصدیق کر دی تو مجھے آپ کو حراست میں لینا پڑے گا۔'' ہارڈی نے شک کے لہجے میں کہا۔

''مجھے افسوس ہوگا۔ میں اسے لندن کے ایک تجربے کار اور عالی دماغ افسر کا جذباتی فیصلہ سمجھوں گا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''محض دودھ کے گلاس پر میری انگلیوں کے نشانات کا ملنا مجھے قاتل ثابت نہیں کر سکتا۔ مس سارا، غریب سارا اپنے بیان میں اس حقیقت کا اظہار کر چکی ہے کہ لارڈ کی موت

سے قبل آخری بار میں نے مرحوم سے ملاقات کی تھی۔ آپ اس پہلو پر کیوں نہیں سوچتے کہ مجھ سازش میں ملوث کرنے کے لئے یہی گلاس استعمال کیا گیا ہوگا جو میں نے مرحوم کے ساتھ شروع وقت استعمال کیا تھا۔ ویسے پوسٹ مارٹم رپورٹ کے بعد قتل کے وقت کا تعین ہو سکتا ہے، تاہم اس طوالت میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں چند بنیادی باتیں جناب کے گوش گزار کر چکا ہوں میں نے نہایت سکون سے کہا۔

''میرا اندازہ ہے کہ آپ ان سنگین واقعات کے بارے میں خاصے ہوش مند اور تجربے کار ہیں۔ مسٹر دولت علی! آپ ہندوستان میں کیا کرتے ہیں؟'' ہارڈی نے اچانک سوال کیا۔

''لارڈ اسمتھ کیا کرتے تھے؟ نوابین کام نہیں کرتے۔'' میں نے افتخار سے کہا۔ ''بخدا یہ سوال ہندوستان میں کیا جاتا تو توہین میں شمار ہوتا۔''

''خوب!'' ہارڈی کے ساتھ جو سراغ رساں تھا، وہ بولا۔ ''میرا خیال ہے آپ ہمارا وقت ضا رہے ہیں۔ اس واقعے کے بعد اگر آپ کے ہاتھ صاف نظر آئے تو میں آپ سے ملنا پسند کروں گا۔''

''مجھے مسرت ہوگی۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''یہ غلط ہے میرے محترم دوست کہ میں ضائع کر رہا ہوں۔ مجرم شہادتوں کے ساتھ پہچانا جائے تو میری ذمے داری ختم ہو جائے گی اور میں سے یہاں تفریح کر سکوں گا اسی لئے میں کارروائی ہر لحاظ سے مکمل چاہتا ہوں۔ مسٹر رابرٹ اگر تعارف نہ کراتے تو میں شاید اپنی زبان بند رکھتا مگر اب یہ ضروری ہے کہ اب میں اپنے اس علم کا پیش کروں جس پر مجھے پورا پورا اعتماد ہے اور ساتھ ہی اپنا دامن بھی بچاؤں۔''

سراغ رساں میرا جواب سن کر پہلو بدلنے لگا۔ کمرے میں کچھ دیر سکوت رہا۔ پھر اس وقت کی نظریں کھلی کی کھلی رہ گئیں جب نشانات کے ماہر نے اپنی رپورٹ لا کر دی پھر اس نے مجھے کڑ لہجے میں مخاطب کیا۔ ''مسٹر دولت علی! یہ ثابت ہو گیا ہے کہ دودھ کے گلاس پر ملنے والے نشان صد تمہاری انگلیوں کے ہیں۔ میں تمہیں فوراً حراست میں لینے پر مجبور ہوں۔''

''مسٹر ہارڈی! آپ عجلت کر رہے ہیں اور آپ بھول رہے ہیں کہ میں نے اس سازش میں مرد اور ایک عورت کو شریک بتایا تھا جو اس وقت بھی مکان کے اندر موجود ہیں۔'' میں نے بھی سخ اختیار کیا۔ ''مسٹر رابرٹ کو میرے بارے میں بہت سی باتیں معلوم نہیں ہیں۔ یہی نادانی اصل میں کمزوری بن گئی، میں علم نجوم اور نفسیاتی طریقہ کار کے علاوہ دیگر مشرقی علوم کے بارے میں بھی بہت شد بد رکھتا ہوں جنہیں مغرب کے دماغ قبول نہیں کرتے مگر آپ نے مردہ آدمیوں سے علم کے بارے میں ضرور سنا ہوگا؟ ہمارے مشرق میں یہ یقین ہے کہ روحیں جسم سے جدا ہو کر فضا بھٹکتی رہتی ہیں۔ ان کی اپنی ایک دنیا ہوتی ہے اور انہیں کسی بھی وقت طلب کیا جا سکتا ہے۔ میں نے

بات کرتا ہوں، رات گزر گئی ہے۔ آپ لوگوں کو زحمت ہو رہی ہے۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں لارڈ اسمتھ کی روح سے حقیقت حال جاننے کی درخواست کروں۔ مجھے کچھ دیر کے لئے مہلت دیجئے۔''

''یہ کس طرح ممکن ہے؟'' سراغ رساں نے بیزاری سے کہا۔

''مجھے ایک کوشش کی اجازت دی جائے۔ میں صرف پندرہ منٹ لوں گا لیکن مجھے ایک شخص کی ضرورت ہے جو میرا معمول بن کر لارڈ اسمتھ کی روح کی ترجمانی کر سکے۔ مجھے ایک گلاس اور ایک میز کی بھی ضرورت ہے۔ یہ عمل آپ کی دلچسپی کا باعث ہوگا۔ کیا یہ بات دلچسپ نہیں ہوگی کہ لارڈ اسمتھ اپنے قتل کا واقع خود بیان کریں؟'' میں نے پُراثر لہجے میں کہا۔

''پندرہ منٹ!'' سراغ رساں نے کچھ سوچ کر کہا۔ ''مسٹر دولت علی! آپ قانون کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔ بہر حال میں آپ کا معمول بننے کے لئے آمادہ ہوں۔''

''خوب!'' میں نے کہا اور بعجلت تمام اسے ایک میز کے گرد بٹھا دیا اور ایک گلاس اس کے سامنے رکھ کر اسے حرکت دینے کو کہا جس طرح عام طور پر لوگ روح کو بلانے کے لئے کرتے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ روح کو بلانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں یا نہیں۔ میرا مقصد کچھ اور تھا۔ میں انکا کو سراغ رساں کے سر پر بھیج کر اپنے مطلب کی بات کہلوانا چاہتا تھا۔ جب گلاس کی گردش تھم گئی اور انکا سراغ رساں کے سر پر چلی گئی تو میں نے اسے مخاطب کیا، ظاہر ہے روح نے جواب دیا۔ لارڈ اسمتھ کی روح نے۔ سارا پاپا، کہہ کر چیخنے لگی۔ ہارڈی نے اسے سنبھالا دیا۔ میں نے سب کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ میں نے ماحول کو کچھ تاثر دینے کے لئے روشنیاں کم سے کم کروا دی تھیں۔ پھر میں نے بھاری آواز میں سراغ رساں کو مخاطب کیا۔ ''لارڈ اسمتھ کی پاک روح! میں معذرت خواہ ہوں کہ تجھے طلب کیا گیا ہے۔ میرے سوالات کا جواب دینے کے لئے اپنی آمادگی کا اظہار کر۔ کیا تو وہی ہے جو میں سمجھ رہا ہوں۔''

اچانک سراغ رساں کی زبان کھل گئی۔ ''میں لارڈ اسمتھ کی روح ہوں، مجھے جلد جانے دو۔''

''صرف چند لمحے!'' میں نے زور دے کر کہا۔ ''اے پاک روح! تیرا رشتہ ابد سے ہے۔ پتا ہے تجھے لارڈ کے جسم سے جدا کرنے کی سازش میں کون کون شریک تھا؟ تو باطن کا حال جانتی ہے کیوں کہ تو ایک روح ہے۔ مجھے صحیح صحیح بتا، اب تیری صلاحیتیں بے پناہ ہیں۔''

''مجھے میرے جسم سے ایک مرد اور ایک عورت نے جدا کیا ہے۔ مجھے اب جانے دو۔'' سراغ رساں کے ہونٹوں سے مدھم آواز ابھری۔ کمرے میں پُر ہول سناٹا طاری تھا۔ کسی کے سانس لینے کی آواز بھی نہیں آ رہی تھی۔

''اس عورت کا نام کیا ہے؟ اور اس نے اس سازش میں کیوں حصہ لیا؟'' میں نے بہ عجلت تمام دریافت کیا۔

"اس عورت کا نام لزی ہے۔ اس نے دودھ میں زہر دیا تھا اور اسے اس کام کے عوض بھار لالچ دیا گیا تھا۔"

"مجھے تفصیل درکار ہے اے پاک روح! اس کے بغیر تیری واپسی ناممکن ہے۔" میں نے رساں کے ہونٹ ساکت دیکھ کر کرخت آواز میں کہا۔

"لزی کو دو سو پاؤنڈ کی رقم دی گئی تھی جو اس وقت بھی اس کے سوٹ کیس میں موجود ہے۔ یہ ایک شریف عورت ہے لیکن دولت کے لالچ نے اسے اس سازش میں شریک ہونے پر مجبور کر د دینے کے لئے وہ گلاس استعمال کیا گیا تھا جس پر دولت علی کی انگلیوں کے نشان موجود تھے۔ رابر لزی کو زہر فراہم کیا تھا۔ زہر کی باقی مقدار نیلے رنگ کی شیشی میں ہے۔ وہ شیشی اس وقت رابر کوٹ کی جیب میں موجود ہے۔"

رابرٹ اس انکشاف پر بوکھلا گیا۔ اس نے فوراً فرار ہونے کی کوشش کی لیکن دروازے پر کی وجہ سے کامیاب نہ ہوسکا۔ ہارڈی اور پولیس کے دوسرے عملے نے اسے پل بھر میں بے بس سارا غم و غصے سے لرزنے لگی۔ میں نے ان سب کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا پھر اپنے معمول سرا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "رابرٹ نے اس سازش کا جال کیوں پھیلایا تھا؟"

"اس سازش کے ذریعے رابرٹ، دولت علی خان کو راستے سے ہٹا کر سارا سے شادی کر جائیداد اور دولت پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ اسے دولت علی خان کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ سے پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں سارا اس کے ہاتھ سے نکل نہ جائے۔ اس سے زیادہ مجھ سے مت معلوم کر کرب کی حالت سے دوچار ہوں، مجھے آزادی درکار ہے۔"

"اجازت ہے۔" میں نے ٹھوس آواز میں جواب دیا۔

دوسرے ہی لمحے سراغ رساں سر جھٹک کر اپنی اصلی حالت میں واپس آ گیا۔ ہارڈی مجھ طرح مرعوب نظر آ رہا تھا۔ سراغ رساں کے اٹھنے کے بعد اس نے سب سے پہلے رابرٹ کی لی۔ زہر کی شیشی برآمد ہو گئی۔ وہ اس کے کوٹ کی اندرونی جیب میں موجود تھی۔ ہوٹل سے میر کے بعد انکا اسی لئے رخصت ہوئی تھی کہ رابرٹ کو وہی کوٹ پہننے پر مجبور کرے جس میں ز موجود ہے۔ رابرٹ نے زہر کی شیشی برآمد ہونے کے بعد بھی لارڈ کے قتل کا اقرار نہیں کیا لیکن ملازمہ کے سوٹ کیس سے دو سو پاؤنڈ کی رقم دستیاب ہو گئی اور لزی نے اقرار جرم کرتے ہوئے نے محض رابرٹ کی دی ہوئی رقم کے لالچ کے تحت دودھ میں زہر ملایا تھا۔ رابرٹ کا چہرہ زرد کی کیفیت اس درمیان پاگلوں کی سی رہی۔ وہ بار بار رابرٹ کی طرف ہذیانی انداز میں لپکتی نے اسے سختی سے پکڑ رکھا تھا۔ پولیس کا عملہ جب رابرٹ اور لزی کو ٹھوس ثبوت کے ساتھ

جانے لگا تو ہارڈی نے مجھ سے کہا۔ "مسٹر دولت علی! آپ سے دوسری ملاقات یقیناً میرے لئے باعث فخر ہوگی۔"

سارا کی دیوانگی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ دل دوز انداز میں بین کر رہی تھی۔ رابرٹ کے قاتل ہونے کے انکشاف نے سارا کے ذہن پر برا اثر ڈالا تھا۔ میرے لئے اسے سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ جب تک ڈاکٹر نہیں آیا، سارا در و دیوار سے سر ٹکرانے کی کوشش کرتی رہی۔ ڈاکٹر نے اسے بے ہوشی کا انجکشن دے دیا۔ آخر اس کی حالت بتدریج سنبھلنے لگی، مجھے رات اسی کے ہاں گزارنی پڑی۔

یہاں یہ سوال کیا جائے گا کہ اس طویل شعبدے بازی کی کیا ضرورت تھی؟ رابرٹ کو انکا کے سر پر بھیج کر اقرار جرم کرا لیا جاتا؟ ہاں یہ بات آسان تھی مگر اس کے لئے عرصے تک انکا کو رابرٹ کے سر پر رہنا پڑتا اور میں لندن جیسے اجنبی شہر میں انکا کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے پولیس کے عملے، سراغ رساں اور سارا کے سامنے ایسی صورت حال پیدا کر دی کہ انکا کو بھیجنے کی زحمت بار بار نہ کرنی پڑے اور میں کسی مشکوک شخص کی حیثیت سے پولیس کی نظروں میں بھی نہ رہوں۔ اس واقعے کی تشہیر کے متعلق میں نے پولیس سے وعدہ لے لیا تھا اور مجھے امید تھی کہ اب وہ مجھے بدنام نہیں کریں گے کیوں کہ اگر وہ درمیان کے واقعات حذف بھی کر جاتے تو بھی ثبوت کی فراہمی کارروائی میں ریکارڈ کی جا سکتی تھی۔ لندن میں بہت جلد اس سنگین واقعے سے گلوخلاصی ہوگئی ورنہ نہ جانے کہاں کہاں مارے مارے پھرنا پڑتا۔

☆......☆......☆

لارڈ اسمتھ کی موت کو تقریباً بیس دن گزر چکے تھے۔ رابرٹ اور لزی کا معاملہ عدالت میں پیش تھا لیکن اس حادثے نے لندن میں میرا سکون منتشر کر دیا تھا۔ ویسے مجھے عدالت میں کبھی پیش نہیں ہونا پڑا۔ مجھے احساس تھا کہ جو نوجوان کسی کے قتل کا ارادہ کرے، اس کا ماضی میں یقیناً جرائم پیشہ لوگوں سے وابستہ رہا ہوگا۔ اس لئے اندیشہ تھا کہ اس کے جرائم پیشہ حمایتی یقیناً مجھے پریشان کریں گے اور یہی ہوا۔ مجھے اغوا کرنے، اقرار جرم کروانے اور آخر قتل کرنے تک کی کوششیں کی گئیں۔ کئی چھوٹے چھوٹے واقعات رونما ہوئے مگر وہ زیادہ دلچسپی کے حامل نہیں ہیں چنانچہ میں انہیں بیان کرنے سے گریز کر رہا ہوں۔ میری سرگزشت خاصی طویل ہوگئی ہے۔ میں واقعات سمیٹ رہا ہوں۔ کوئی کہاں تک میری روداد اشک و خون، میری داستان عبرت سنے گا اور میں کہاں تک سناؤں گا لیکن بعض واقعات دل پر ایسے نقش ہیں اور ان کا ایسا غبار ذہن پر ہے کہ ایک واقعہ کریدتا ہوں تو دوسرا اس کے پہلو میں نکل آتا ہے۔ ایک بات ختم کرتا ہوں تو دوسری خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ میری اس سرگزشت سے لوگوں نے کیا تاثر قبول کیا ہوگا؟ تاہم اس حقیقت میں کسی کو کوئی کلام نہ ہوگا کہ میں نے عام انسانوں سے کہیں زیادہ تجربے کئے ہیں اور صدمے اٹھائے ہیں۔ ایسے حیران کن واقعات سے میرا سابقہ پڑا ہے کہ انسانی ذہن

انہیں قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔میرے پاس ایک طاقت تھی اور میں نے اس کے ذریعے انہ
اندر سے کھنگالا اور ٹٹولا ہے۔میں نے لوگ دیکھے، دنیا دیکھی اور زندگی کے عجیب نشیب وفراز دیکھے
سرگزشت جب اختتام کو پہنچے گی تو شاید آپ اس شخص کی خونیں روداد سے کوئی نتیجہ اخذ کریں اور
کائنات، انسان کا ظاہر و باطن، موت و زندگی کے بارے میں کوئی رائے قائم کرسکیں۔یہ فلسفہ نہ
اور نہ ہی میں نے اس کا دعویٰ کیا ہے۔مجھ پر جوگزری ہے، وہ میں بے کم و کاست بیان کردیتا
لندن میں بھی میرے ساتھ حسب معمول عجیب عجیب حادثے پیش آئے۔میری ساری زندگی حو
سے عبارت ہے۔بہر حال...... رابرٹ کے لوگ میرے پیچھے لگ گئے لیکن انکا کی وابستگی کے ساتھ
احمد خان کا یہ لفنگے کیا بگاڑ سکتے تھے۔ادھر رابرٹ کے والدین اپنے فرزند دل بند کو بری کرانے کی
کوششیں کررہے تھے۔اب میرا لندن میں رہنا ضروری تھا۔اگر میں فرار ہو جاتا تو اونچی نسل کے
غلط لوگ ہندوستان تک میرا پیچھا نہ چھوڑتے۔اس لئے کہ ہند پر بھی ان کی حکومت تھی۔جب را
کے کردار کی چھان بین کی گئی تو اس کی شورہ پشتی کے بیسیوں واقعات پولیس کے سامنے آئے۔
سارا رفتہ رفتہ معمول پر آرہی تھی۔وہ حسین لڑکی اب اپنے باپ کی تمام جاگیر اور اثاثوں کی تنہا مالک
اس نے مجھ سے بہت اصرار کیا کہ میں اسی کے ہاں قیام کروں لیکن میں حتی الامکان محتاط رہنے کی کو
کرتا۔شروع شروع میں تو سارا کا حسین سراپا دیکھ کر میرے دل میں کسک سی ہوتی تھی لیکن اب لارڈ
اچانک انتقال کے بعد مجھے سارا کی حالت زار پر ترس آنے لگا تھا اور وہ تھی کہ میرے نام پر جیتی
سارا کے اعزا اور لارڈ کے قریبی دوستوں نے اس کے گرد گھیرا ڈال لیا کیونکہ اب وہ ایک مالدار
لڑکی تھی۔اس کی دلجوئی اور غم خواری کے لئے ہر وقت ایک ہجوم جمع رہتا۔یہ ہجوم دیکھ کر میں اس سے
قدر دور رہنے کی کوشش کرنے لگا۔وہ لوگ مجھے مشکوک اور نفرت بھری نگاہوں سے دیکھتے تھے۔میں
اکثر اشارتاً سارا کو سمجھایا کہ اس کے باپ کے مرنے کے بعد وہ خیر خواہ اچانک اکٹھے ہوگئے ہیں
سے ہوشیار رہنا چاہئے۔شام کو میں اسے چھوڑ دیتا تھا اور شام ہی کو یہ لوگ اس کے گھر جمع ہو جاتے
میں اس کے ساتھ شب و روز نہیں رہ سکتا تھا اس لئے کہ میں لندن میں صرف سارا کی وجہ سے نہیں آیا
سارا تو سر راہ مل گئی تھی۔شہر میں جب غنڈوں نے مجھے پریشان کیا تو میں لندن کے ایک مضافاتی علا
میں منتقل ہوگیا۔یہ جگہ شہر سے تیس میل دور تھی لیکن سارا روز مجھ سے ملنے آتی اور گھنٹوں تک میرے
میرے پہلو میں بیٹھی رہتی۔میری آغوش میں سمٹی رہتی۔میں اس کی اداس آنکھوں میں جھانکتا رہتا
نے کئی بار مجھے رقم کی پیشکش کی مگر میں نے مسکرا کر ٹال دیا۔

اسے کیا معلوم تھا کہ جمیل احمد خان سر شام زندہ ہوتے تھے، جس طرح لندن پر شام ڈھلے
آتا تھا۔دن میں یورپ اور ایشیا میں کیا فرق ہے۔فرق صرف رات کا ہے۔لندن میں رات بڑی

بیتی ہے۔رات کو لندن کے اونچے درجے کے قمار خانوں میں داخل ہونے کے بعد میرے پاس دولت
کی کمی نہیں رہتی تھی۔میں دن بھر یہی سوچتا رہتا تھا کہ یہ رقم ٹھکانے کس طرح لگاؤں۔روز رات آ جاتی
تھی اور رقم پھر بھی باقی رہ جاتی تھی۔کچھ دن لارڈ کے انتقال کے بعد سارا کے ساتھ گزر گئے۔اس کے
بعد میں لندن میں گھوما اور میں نے کل پر اعتبار نہ کرتے ہوئے اپنی راتیں لندن کی رنگینیوں میں ڈبو
دیں۔ایک کے بعد ایک ہوٹل، شباب و مستی کی محفلیں، نازک ادا دوشیزاؤں کے قرب کی سرسراہٹیں، ان
کے بدن کی خوشبوئیں...... لندن میں بھلا اور کیا تھا؟ دن بھر یہ لوگ کام کرتے تھے اور رات کو مستی میں
ڈوب جاتے تھے۔انہیں غلام بنانا اور عیش کرنا آتا تھا۔میں جب وہاں گیا تھا تو انہی جیسا ہوگیا تھا۔میں
سب کچھ بھول گیا اور میں نے سب کچھ بھلانے کی بھرپور کوشش کی۔

یہ اس زمانے کی بات ہے جب ہندوستان میں آزادی کی تحریک زوروں پر تھی۔ہندوستان میں
ہر طرف انگریزوں کے خلاف شدید نفرت پائی جاتی تھی۔اس نفرت کا ردعمل انگلستان میں رہنے والے
ہندوستانیوں کو بھگتنا پڑتا تھا۔لندن میں امراء کے بعض ہوٹل ایسے تھے جہاں کالوں کا داخلہ ممنوع تھا۔وہ
جنگ کا زمانہ بھی تھا۔کسی وقت بھی دنیا جنگ کی لپیٹ میں آسکتی تھی۔لندن ایک بین الاقوامی شہر، برطانیہ
عظمیٰ کا عظیم شہر بین الاقوامی سازشوں کا گڑھ بنا ہوا تھا۔مجھے بظاہر سیاست و حکومت سے کوئی دلچسپی نہیں
تھی۔مجھے اپنی ذات کے ہنگاموں سے کہاں فرصت ملتی تھی لیکن جی چاہتا تھا کہ انگریزوں کا یہ پورا شہر
آگ میں پھونک دوں، ان کی پوری نسل تباہ کردوں۔یہ جذبہ لندن میں شدت اختیار کر گیا اور یہی جذبہ
مجھے کشاں کشاں ایسے کلب میں جانے پر مجبور کرنے لگا جس میں ہم کالے داخل نہیں ہوسکتے تھے۔لندن
سے کوئی پانچ میل دور امرائے برطانیہ کا ایک کلب خاصا مشہور تھا۔سنا تھا کہ وہاں صرف بڑے لوگ ہی
جاسکتے ہیں۔جب مجھے انکا نے بتایا کہ سارا کے مہربان اعزا نے اسے اپنی جانب مائل کرنے اور اس کی
بے پناہ دولت پر قبضہ جمانے کے لئے اسے کلب میں لے جانا شروع کردیا ہے تو مجھ سے رہا نہ گیا۔سارا
دشمنوں کے نرغے میں گھر گئی تھی۔میں کس کس سے لڑتا؟ ایک رات میں نے ارادہ کرلیا کہ میں اس کلب
میں ضرور جاؤں گا اور ان کے چہرے دیکھوں گا۔میری یہ خواہش قطعی فطری تھی۔انکا جس کے پاس
ہو اس کے دل میں ایسی خواہشات شدت سے ابھرتی ہیں۔اس رات میں نے سیاہ شیروانی زیب تن کی،
ہوٹل کی گاڑی کرائے پر لی اور منزل کی طرف روانہ ہوگیا۔جب میری کار کلب کے بڑے گیٹ پر پہنچی تو
دو کوڑی کے ایک دربان نے سختی کے ساتھ مجھے آگے جانے سے منع کردیا۔میں نے جیب میں ہاتھ ڈال
کر کچھ رقم اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔وہ گورا، ہندوستانی ثابت ہوا۔کسی قدر اکراہ کے بعد اس نے مجھے
راستہ دے دیا۔میری کار وسیع اور خوش نما لان عبور کرتی ہوئی کلب کے خاص دروازے پر پہنچ گئی۔اندر
داخل ہونے کا مرحلہ سخت تھا۔سب سے پہلے میری کار کا دروازہ ایک مستعد انگریز نے کھولا۔جب

میں کار سے باہر آیا تو وہ مجھے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ اس نے معذرات خواہانہ لہجے میں مجھے کلب ہونے سے منع کر دیا۔ میں نے اس سے اصرار کیا کہ میں ہندوستان کی ایک ریاست کا نواب حکومت برطانیہ کے خاص اعزازت مجھے حاصل ہیں۔ میرا شمار ان کالوں میں ہوتا ہے جو افریقہ اور امریکا سے آتے ہیں۔ وہ مجھ سے بالکل مرعوب نہیں ہوا۔ اسے ٹپ دینے کی پیش ناکام ثابت ہوئی۔ پھر میں نے کہا۔ ''مجھے جانے دو۔ یہ تاج برطانیہ کے ایک وفادار کی توہین نے اس بات کی بھی پروانہ کی۔ اچھی خاصی تلخی ہونے لگی۔ کچھ میں بھی گرم ہو گیا۔ میں نے انکا کو سر پر بھیجنے سے گریز کیا۔ یہ تو میں میں دیکھ کر ہوٹل کے دوسرے منتظمین بھی آ گئے۔ پھر میں نے کے عالم میں کہا۔ ''بخدا میں یہ کمینگی برداشت نہیں کر سکتا۔ مجھے اندر جانے کی اجازت ملنی چاہئے'' کہہ کر میں نے اپنا پستول نکال لیا۔ پستول دیکھتے ہی وہ سراسیمہ ہو کر پیچھے ہٹ گئے اور میں تمام بے نیازی کے ساتھ کلب میں داخل ہو گیا۔ اندر پہنچا تو معطر فضاؤں نے میرا احاطہ کر لیا۔ وہاں مدھم روشنی تھی۔ سرگوشیاں، لطیف قہقہے، شراب کی بو اور دھیمی موسیقی۔ اندر کی عمارت سے ایک شان ٹپکتی تھی۔ میں نے پستول جیب میں رکھ لیا تھا۔ میں امرائے لندن کے درمیان بیٹھ گیا۔ زیادہ تر میزیں بھری تھیں اور مختلف جوڑے ایک دوسرے سے بے پروا ہو کر راز و نیاز میں مصروف تھے۔ وسیع ہال کے گرد کمرے تھے۔ ان کمروں میں دوسری تفریحات کا انتظام بھی موجود تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ کلب میں کوئی ہنگامہ نہیں کریں گے کیونکہ اس سے کلب کی بدنامی ہوتی ہے۔ وہ میری واپسی تک منتظر رہیں گے لیکن میرا خیال غلط نکلا۔ میرے بیٹھتے ہی ایک شخص مؤدب انداز میں میرے قریب آیا اور کلب کے قواعد وضوابط کے بارے میں بتانے لگا۔ میں نے کہا کہ میرا مقصد صرف کچھ دیر کی سیر و تفریح ہے۔ میں لندن کے امراء کی زندگی قریب سے دیکھنا چاہتا ہوں۔ مجھے مطالعہ و مشاہدہ کرنا ہے۔ یہاں مہمانوں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں ہونا چاہیے۔ وہ زچ ہو کر چلا گیا۔ میرے مخصوص لباس نے بہت جلد کلب کے ممبروں کی توجہ اپنی جانب مبذول کر لی۔ منتظم فرداً فرداً میرے پاس آ کر خوشامد کرتے رہے اور میں ڈھٹائی سے بیٹھا رہا۔ سارا مجھے نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں اس اجنبی ماحول میں کسی قدر بے اطمینانی سی محسوس کر رہا تھا۔ قیمتی فرنیچر، جھاڑ فانوس، مرصع دیواریں، خوب صورت اور دیدہ زیب پردے۔ غرض ہر چیز اور سے دولت کا اظہار ہوتا تھا۔ آخر مجھے دھمکی دی گئی کہ پولیس طلب کر لی جائے گی۔ میں نے مسکرا کر کہا کہ یہ حربہ بھی آزمالیں۔ میں تنہا بیٹھا تھا اور سامنے ہال میں رقص کرتے ہوئے جوڑوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یہاں لندن کی منتخب حسینائیں جمع تھیں۔ ایسی حسین لڑکیاں جو سڑکوں پر شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتی ہیں۔ تنہائی دور کرنے کے لئے ضروری تھا کہ کوئی ہنگامہ برپا کیا جائے۔ کسی لڑکی کو بلایا جائے۔ میں نے انکا کو اشارہ کیا کہ وہ اس ہال کی سب سے حسین لڑکی کو میرے پاس بلا لائے۔ لمحوں کی دیر تھی کہ

میکسی میں ملبوس ایک بہت دلکش لڑکی میرے پاس لڑکھڑاتی ہوئی آئی۔ اس نے مجھے سلام کیا اور بیٹھنے کی اجازت طلب کی۔ میں نے بخوشی اسے کرسی پیش کی۔ مجھے اس کے قریب دیکھ کر کلب کے منتظمین کچھ مطمئن ہو گئے۔ انکا فوراً ہی میرے سر پر آ گئی۔ وہ لڑکی وحشت زدہ انداز میں مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے شائستہ لہجے میں کہا۔ ''میرا نام دولت علی خان ہے۔ میں ہندوستان سے اپنے حاکموں کی سرزمین دیکھنے آیا ہوں۔ آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔''

''مجھے ارما آرتھر کہتے ہیں، مجھے بھی آپ سے مل کر مسرت ہوئی، آپ یہاں کب تشریف لائے؟'' اس کے لہجے میں نفاست تھی۔

''مجھے یہاں آئے دو ماہ کے قریب ہو گئے۔''

''ہندوستان...... پُراسرار ہندوستان۔ مجھے وہ ملک دیکھنے کی بڑی تڑپ ہے۔ میں نے وہاں کے مندروں، رشیوں، منیوں اور عمارتوں کے بارے میں بہت کچھ سنا ہے۔ کیا واقعی ہندوستان اتنا حسین ہے، جتنا کہا جاتا ہے؟'' اس نے معصومیت سے پوچھا۔

''ہندوستان کی سرزمین حسین ہے لیکن لوگ یہاں کے حسین ہیں۔ یہ بڑے مہذب اور مہمان نواز ہیں۔'' میں نے کہا۔

اس عرصے میں میری طلب پر میز مختلف قسم کے مشروبات اور دوسرے لوازم سے بھر گئی تھی۔ میں نے مختصر وقفے میں اسے متاثر کر لیا۔ اس کی خدمت میں ایک بیش قیمت ہار پیش کیا۔ یہ ہار میں احتیاطاً اپنی جیب میں رکھ کر لایا تھا۔ اب وہ گفتگو تکرار ہوگی جو میرے اور اس کے درمیان ہوئی۔ حسین لڑکیوں کے سامنے میری زبان خوب چلتی تھی۔ کوئی ایک گھنٹے کی دل نشین اور رنگین صحبت کے بعد بھی وہ نازنین میرے پاس سے اٹھنے پر آمادہ نظر نہیں آتی تھی۔ اس عرصے میں ہال بھر گیا اور ارما کے گرد خوش پوش ممبر جوان چکر لگا رہے تھے۔ میں نے ابھی تک اپنی انکا سے کوئی خاص کام نہیں لیا تھا۔ جب میں ارما سے دلکش باتوں میں مصروف تھا تو انکا نے مجھے ٹہوکا دیا۔ ''سارا!'' اس نے مجھے اشارہ کیا۔

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ واقعی سارا اپنے بدن پر امراء کا لباس آراستہ کئے بغلی کمرے سے ایک یس سالہ شخص کے ساتھ آ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں۔ سارا نے مجھے دیکھا اور انکا نے مجھے بتایا کہ یہ شخص لارڈ اسمتھ کے مقربین میں سے ایک ہے اور اس کی دولت ہتھیانا چاہتا ہے۔ اس کے ہاتھ سارا کی پشت پر تھے اور وہ تقریباً جھکی ہوئی آ رہی تھی۔ اس کے پیچھے دو تین ادھیڑ عمر کے خوش شکل دی اور نظر آئے۔ وہ سب مجھ سے دور ایک میز پر جم گئے۔ معلوم ہوا کہ اندر جوئے کا کمرا ہے جہاں وہ سارا کو کھلا کر ہال میں لے آئے تھے۔ سارا کبھی کبھی ان کی بات پر زور سے قہقہہ لگاتی اور وہ بے تحاشا اس کا ساتھ دیتے۔ سارا کو ان مسٹنڈوں کے درمیان دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میری تزئین، میری

کلد یپ، میری نرگس اور میری رخسانہ غنڈوں میں گھر گئی ہو۔ میرا خون کھولنے لگا۔ سارا اب میری نظریں
لگاؤ دل کو محسوس ہوتا تھا۔ دن بھر وہ میرے ساتھ تھی۔ رات کو میں نے اسے اس بدمستی کے عالم میں رے
تو احتیاط کے تمام تقاضے میرے ذہن سے محو ہو گئے۔ ادھر ارما میرے چہرے کا بدلتا ہوا رنگ ہدایت
تھی۔ میں کوئی تدبیر کرنے کی فکر میں تھا کہ ہوٹل کے چار منتظمین میرے پاس مؤدبانہ آئے۔ تھوڑی دیر میں وہ
سے ایک نے مجھے ارما سے چھپا کر پستول دکھایا، میں اس دھمکی پر مسکرا دیا۔ انہوں نے مجھے اٹھنے نوچنا
کیا۔ میں اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ وہ کوئی شور شرابا نہیں چاہتے تھے لیکن وہ مجھے کوئی معمولی آدمی سمجھ رہے ادھر ادھر
کوئی لچا لفنگا، کسی وقت بھی کوئی بڑا ہنگامہ ہو سکتا تھا۔ جب میں اپنی جگہ مستعد بیٹھا رہا تو مجھے بیہودگیاں
پہچانی شکل کا ایک شخص اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ وہ جب میرے قریب آیا اور اس نے
دیکھی تو لپک کر مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔ ''ہیلو دولت علی خان! ارے آپ کہاں رہتے ہیں
آپ کو تلاش کر رہا تھا؟''

''جم...... جم۔ آہا سراغ رساں جم، کہو کیسے ہو؟ دیکھو بھئی یہ لوگ مجھے پریشان کر رہے
وہ وہی سراغ رساں تھا جسے میں نے اپنا معمول بنا کر لارڈ اسمتھ کی روح طلب کرنے کا
تھا۔ اس نے آتے ہی ان لوگوں کو دھتکار دیا۔

''یہ دولت علی خان ہیں۔ ان کی عزت کرو۔ تم لوگوں نے صرف انہی کی وجہ سے مجھے بلا
لوگوں کو پہچانا کرو۔ اس کلب میں استثنائی شخصیتوں کی فہرست میں مسٹر دولت علی خان کا نام بھی لکھ
نے الٹا انہی کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔

میرے قریب سے بھیڑ چھٹ گئی۔ جم لگاوٹ کی باتیں کرنے لگا۔ میں نے ارما سے اس کا
کرایا۔ اس نے ارما سے کہا۔ ''لیکن مجھے یقین ہے، آپ یہ نہیں جانتیں کہ آپ کتنے عظیم اور دلچسپ
کے ساتھ اس وقت براجمان ہیں۔''

''میں ان سے مسلسل متاثر ہو رہی ہوں۔'' ارما نے شگفتگی سے کہا۔

''یہ بڑے چھپے رستم ہیں۔'' اس نے ارما سے شوخی سے کہا۔ پھر مجھ سے مخاطب ہوا۔ ''مسٹر دولت
علی! میں اس کلب میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کے ساتھ زیادتی
لوگوں نے مجھے فون کر کے بلایا ہے، مگر چلئے اچھا ہوا، آپ سے ملاقات ہو گئی ہے۔ مس ارما آپ
نے مسٹر دولت سے کچھ پوچھا؟''

''کس بارے میں؟'' ارما نے سادگی سے دریافت کیا۔

''ارے یہ دل کا حال بتا دیتے ہیں۔ نہ جانے کس کس مشرقی علم کے ماہر ہیں۔ لندن
لوگ آئیں اور ان کی تشہیر نہ ہو، یہ ستم ہے۔'' جم نے چہک کر کہا۔ میں خاموشی سے سنتا رہا اور مسٹر

سارا پر تھیں۔ وہ اب جاز کی دھن پر رقص کر رہی تھی۔ ہال میں جاز کی موسیقی سے ایک کھلبلی
مچی ہوئی تھی۔ جم میرے بارے میں ارما کو حیرت انگیز باتیں بتا رہا تھا۔ انکا خاموش بیٹھی غالباً کسی
کی منتظر تھی۔ سارا کے ہم رقص کو دیکھ کر میرے دل میں آگ سی لگی۔ میں نے انکا کو اشارہ کیا۔
شخص سارا کو چھوڑ کر ہال میں اچانک بدمستیاں کرنے لگا۔ اس نے بیٹھی ہوئی عورتوں کو
کھسوٹنا، قہقہے لگانا اور بوتلیں ادھر ادھر پھینکنا شروع کر دیں۔ رقص کرتے ہوئے جوڑے بھاگ کر
چھپنے لگے۔ سارا نے اس شخص کو پکڑنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ کسی پاگل کتے کی طرح بے
کرتا رہا۔ اس نے جام توڑ دیئے۔ عورتوں کے گریبانوں میں ہاتھ ڈال ڈال کر ان کے محرم
میری پھاڑنے شروع کر دیئے۔ چند منٹ میں ہال میں چیخ پکار مچ گئی۔ شراب فرش پر بہنے لگی اور گلاس در و دیوار
سے ٹکرانے لگے۔ بے ترتیبی، ہنگامہ اور انتشار دیکھ کر لوگ بھاگنے لگے۔ نہ جانے اس شخص میں کہاں سے
اتنی طاقت آ گئی تھی کہ وہ کسی کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ منتظمین وحشت کی کیفیت میں ادھر ادھر پھر رہے
تھے۔ ارما کا بھی مارے خوف کے برا حال تھا۔ میں دور بیٹھا اس منظر سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔
انگریزوں کے مشہور کلب میں پہلی بار ایسا ہنگامہ ہوا تھا۔ آخر بڑی مشکل سے اسے چند آدمیوں نے پکڑا
اور کلب سے باہر لے گئے۔ لندن کے امراء میں وہ ایک صاحب حیثیت شخص تھا مگر اب منٹوں میں رسوا
ہو چکا تھا۔ اسے کلب سے باہر نکال کر انکا میرے پاس آ گئی۔ جم میرے پاس سے اٹھ کر اس شخص کو قابو
کرنے چلا گیا تھا۔ وہ بھی واپس آ گیا۔ یہ بدمزگی دور کرنے میں کچھ وقت لگا۔ ہال میں چاروں سو ابتری
اور دہشت پھیلی ہوئی تھی۔ میں اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں تھا۔ اب جم نے اصرار کیا تو میں ارما کے ساتھ
اٹھا۔ ارما اس درمیان مسلسل پیتی رہی تھی۔ اس نے میری کمر میں ہاتھ ڈال دیا۔ ہم دوسرے کمرے میں
گئے۔ یہ جوئے کا کمرا تھا۔ یہاں ہال کی نسبت خاصا شور تھا۔ جم مجھے کھیلنے اور اکسانے کی فکر میں تھا۔
آخر وہ کہنے لگا۔

''دولت علی! کیا خیال ہے؟ یہ کھیل کیسا رہے گا۔ آپ تو یقیناً جیتیں گے۔'' اس نے جوئے کے
میز کی طرف اشارہ کیا۔

''بس ارما کے نام پر آج ان کی تقدیر دیکھیں گے۔'' میں نے نوابانہ شان سے کہا۔ ''دیکھیں یہ
یہاں تک کھیلتی ہیں؟''

''میری قسمت ہمیشہ خراب رہتی ہے۔'' وہ جھلا کر بولی۔

''آج آپ میرے ساتھ ہیں، آپ کی دل نواز قربت کے عوض میں آپ کے لئے دعائیں کرتا
ہوں گا۔'' میں نے شوخی سے کہا۔

''میں ہار جاؤں گی، آپ کو ندامت ہو گی۔''

''میں آپ کو سنبھال لوں گا۔'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''دولت علی خان کوئی جادو کریں گے، مجھے یقین ہے۔'' جم درمیان میں بولا۔

کیا اب یہاں یہ بھی بتاؤں کہ ارما نے کس طرح جھجکتے جھجکتے پانسا پھینکا؟ اس کے
شباب کی طرح اس رات اس کی قسمت بھی شباب پر تھی، وہ مسلسل جیتتی رہی، جم سکتے میں رہ گیا
گھور کر دیکھنے لگا۔ ارما کے پاس دولت کا انبار لگتا گیا، ارما کو مسلسل جیتتے دیکھ کر یہ خبر ہال میں بھی
ایک چھوٹے سے ہجوم کے ساتھ سارا بھی آئی۔ اس کے اردگرد لارڈ موجود تھے۔ وہ اس وقت
بنے ہوئے تھے۔ مجھے وہاں دیکھ کر ایک لمحے کے لئے سارا دنگ رہ گئی اور کچھ خفیف سی ہوئی
دونوں امراء کو چھوڑ کر میرے پاس آ گئی، ارما نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے
واقف تھیں۔ میرے پاس اس کا کوئی جواز نہیں ہے کہ میں نے سارا سے بے نیازی کیوں برتی
اس رات ارما مجھ پر غالب آ چکی تھی اور شاید سارا کو وہاں دیکھ کر میں اپنی ناراضی کا اظہار کرنا چاہتا
سارا میرے پاس آئی تو مجھے وحشت سی ہونے لگی، ارما پر میری نوازشیں بڑھ گئیں۔ میں انکا کے
چن چن کر اس کے سامنے ایسے لوگوں کو لایا جن کی جیبیں بھری ہوئی تھیں۔ سب سے پہلے تو
دونوں ساتھیوں کو انکا نے بری طرح لوٹا کھسوٹا۔ پھر کلب میں موجود کوئی شخص ایسا نہ رہا جس
رات بازی نہ لگائی ہو اور ارما کے سامنے ہارا نہ ہو، یہ خبر سن کر رفتہ رفتہ ہر شخص نے بازی لگائی۔ صرف
اور سارا بچے رہے، آخر میں انہوں نے مجھ سے اصرار کیا کہ میں بھی کھیلوں، میں ارما کا دل تو
چاہتا تھا۔ چنانچہ میں دانستہ ہار گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں اپنی خوب صورت گفتگو، اپنے منفرد لباس
چند کری باتیں بتانے کی بنا پر میں وہاں ایک مقبول شخص بن گیا، یہ بات صرف سارا اور شاید سراغ
جم کے علم میں تھی کہ ارما کیوں جیت رہی ہے۔

آخر جب رات گئے میں وہاں سے رخصت ہوا تو ارما نے اپنی ساری رقم کلب میں محفوظ
جم نے مجھ سے کل دن میں ملنے کا وعدہ لے لیا۔ سارا کو رخصت کر کے میں دوبارہ ارما کے پاس
کلب خالی ہو چکا تھا۔ ہوٹل کے منتظمین مجھ سے اپنے رویے کی معافی مانگنے لگے۔

لندن میں دن اور اچھی راتیں گزارنے کا سامان پیدا ہو گیا۔ یہ کلب اعلیٰ درجے کی
مالدار لوگوں کی جولان گاہ تھا۔ یہاں کی غذائیں اور انتظامات بہت عمدہ تھے، مجھے یقین تھا کہ
ماحول مجھے آسودگی بخشے گا اور مجھے ادھر ادھر مارے مارے پھرنا نہیں پڑے گا۔ سب کچھ بہتر
جائے گا۔ لندن میں اس سے بہتر کون سی جگہ ہو گی؟ وہاں میری پہلی رات ایک آغاز اور بہت
صورت آغاز کی حیثیت رکھتی ہے، میں رات کلب سے نکلنے کے بعد ہوٹل نہیں گیا۔ ارما مجھے
عالی شان جاگیر پر لے گئی۔ لندن کے اس کلب میں کوئی غریب انگریز داخل ہونے کی جرا

کر سکتا تھا۔ ارما کی خوب صورت خواب گاہ میں ایک حسین لڑکی کی معطر خواب گاہ میں قدم رکھ کر مجھے نشہ سا ہو گیا۔ اس معاملے میں انکا کی ضرورت نہیں پڑی۔ وہ سوتی رہی، ارما بہت نشے میں تھی اور بہت مسرور تھی۔ اس کی خواب گاہ میں ایک مشرقی آدمی تھا۔ تنہائی تھی، محسوس کرنے کے لئے بہت کچھ تھا۔ اس نے میرا لباس بدلوا کر میرے گلے میں بانہیں ڈال دیں، میں خود کو دنیا کا خوش قسمت شخص تصور کرنے لگا۔ اس کی پذیرائی کا انداز بھی کچھ اور تھا۔ وہ رات میری زندگی کی حسین ترین راتوں میں سے ایک تھی، میں پوری رات نہیں سویا۔

صبح ارما سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا۔ مجھے معلوم تھا کہ سارا کے آنے سے پہلے مجھے ہوٹل پہنچ جانا چاہئے۔ ارما ساتھ چلنے پر آمادہ تھی، رات کو دوبارہ کلب پر آنے کا وعدہ کر کے میں نے جان چھڑائی۔ ہوٹل پہنچ کر میں نے لباس تبدیل کیا۔ سارا حسب توقع جلد ہی آ گئی۔ اس وقت میں نے سارا کو ان اندیشوں سے پہلی بار وضاحت سے خبردار کیا جو اس کے باپ کے انتقال کے بعد میرے دل میں ابھر رہے تھے۔ سارا خود بہت اداس اور پریشان تھی۔ اس نے بتایا کہ اس کے منع کرنے کے باوجود لوگ اسے محفلوں اور ہنگاموں میں شرکت کے لئے مجبور کر دیتے ہیں، پھر اس نے ایک ایسی بات کہہ دی کہ میں دنگ رہ گیا۔ میں نے سارا کے متعلق کبھی اتنی سنجیدگی سے نہیں سوچا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں اسے ہمیشہ کے لئے ہندوستان لے چلوں، وہ اپنی تمام جاگیر اور تمام کاروبار کا سودا کر کے ہمیشہ کے لئے میرے ساتھ جانا چاہتی تھی، میں شش و پنج میں پڑ گیا۔ بات اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ میں سارا سے صاف انکار نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے کہ میں اسے کسی اور طرح محسوس کرنا شروع کر دیا تھا۔ میرے دل سے وہ تمام بدگمانیاں دور ہو گئیں جو رات کو کلب میں اسے دوسرے لوگوں کے ساتھ دیکھ کر پیدا ہوئی تھیں۔ وہ پاک باطن لڑکی ایک بہت بڑی پیش کش کر رہی تھی۔ کس لئے؟ جمیل احمد خان کے لئے، مجھے خود سے شرمندگی ہونے لگی اور اس لڑکی پر ترس آنے لگا۔

اس دن میں دیر تک ہوٹل ہی میں رہا۔ دوپہر کو پروگرام کے مطابق نوجوان سراغ رساں جم آ گیا۔ ہم تینوں پُراسرار علوم کے موضوع پر بحث کرنے لگے۔ جم نے مجھ سے بہ اصرار پوچھا کہ کیا رات ارما کی جیت میں میری کسی روحانی قوت کو دخل تھا؟ میں نے جواب دیا۔ ''یوں ہی، ایک کوشش ضرور کی تھی۔'' سارا کے سامنے جم کچھ کہتے ہوئے جھجک رہا تھا۔ آخر سارا سے معذرت کر کے وہ مجھے ہوٹل کے ریستوران میں لے گیا۔ وہاں اس نے میری شخصیت سے متعلق اپنے تاثرات بیان کرنے شروع کر دئے۔ سراغ رساں جم کوئی بات کہنا چاہتا تھا مگر الفاظ اس کے منہ پر آتے آتے رک جاتے تھے۔ اس نے مجھے اعتماد میں لینے کے لئے محبتوں کا اظہار شروع کر دیا۔ آخر میں نے اس سے کہا۔ ''تم کچھ کہنا چاہتے ہو؟''

''ہاں۔'' وہ سرد آہ بھر کر بولا۔ ''مگر ہمت نہیں ہو رہی ہے۔ ممکن ہے تم مجھ پر شک کرو۔''

''نہیں نہیں، کہو کیا تمہیں میری کسی مدد کی ضرورت ہے؟ میں تیار ہوں۔'' میں نے فراخ دلی سے کہا۔

''دولت علی! تم عظیم ہو، مجھے واقعی تمہاری مدد کی ضرورت ہے، یقین کرو میں ایک با اعتماد ... ہوں۔''

''یقیناً۔ تم مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتے، کہو کیا بات ہے؟''

''دولت علی! بات عجیب ہے۔ میں نے تم جیسا شخص اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا۔ میرا خیال ہے کہ تم اپنی گزشتہ زندگی میں غیر معمولی حادثات سے دوچار رہے ہو گے اس لئے تمہارا تجربہ وسیع ہے، تم بہت گہرے شخص ہو۔ میں نے اپنی آنکھوں سے تمہاری حیرت انگیز صلاحیتیں دیکھی ہیں۔ تم ایک شگفتہ مزاج، مہذب اور عام آدمی سے زیادہ سوجھ بوجھ کے مالک شخص ہو، کل رات لندن کے امراء کلب میں تمہارا بے دھڑک چلے جانا اور پستول دکھا کر منتظمین کو خوف زدہ کرنا، ایک نئی لڑکی سے ایسی شناسائی پیدا کر لینا اور رات اس کے ساتھ بسر کرنا، سارا جیسی تعلیم یافتہ اور حسین لڑکی کو اس قدر متاثر کرنا کہ وہ تمہارے ساتھ ہی رہنا چاہئے۔ اس کے علاوہ رابرٹ کے کیس میں تمہارا حاضرات کا عمل، تمہارا استدلال، تمہارا قیاس، تم یقیناً اس دنیا کے آدمی معلوم نہیں ہوتے۔'' جم تاثر انگیز لہجے میں میری شخصیت کے بارے میں اظہار خیال کر رہا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ اس شخص نے میرے بارے میں کتنی معلومات اکٹھی کر لی ہیں۔

''میں ایک عام آدمی ہوں، میرے ساتھ ظلم مت کرو جم کہ مجھے کوئی خاص مخلوق سمجھنے لگو۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''نہیں نہیں دولت علی! میں حیران ہوں کہ تم کیا بلا ہو۔'' اس نے زور دے کر کہا۔

''تم کچھ کہہ رہے تھے؟'' میں نے شوق کا اظہار کیا۔

''میں کہنا چاہتا ہوں کہ تم یہ صلاحیتیں کسی بڑے کام کے لئے استعمال کر سکتے ہو، کوئی ایسا کام جو قوموں کے دکھ دور کرے، کوئی ایسا کارنامہ جو دکھی انسانیت کے لئے مفید ہو، کوئی ایسا اقدام جو کسی بڑے مقصد کے لئے کیا جائے۔ تم یہ صلاحیتیں بڑے، بڑے سے مراد ہے کہ عظیم اور ہمہ گیر کاموں میں لا سکتے ہو۔'' جم نے کہا۔

''میں سمجھا نہیں، میرا خیال ہے کہ سر دست سب سے بڑا کام ہندوستان کی آزادی ہے۔ اس کے لئے تو میں اپنی جان تک قربان کر سکتا ہوں مگر تمہیں اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟'' میں نے طنزاً کہا۔

''اوہ دولت علی! ہندوستان بھی ایک دن آزاد ہو جائے گا۔ مجھے تمہارے جذبات کا اندازہ ...

لیکن یقین کرو، میں ہندوستان کو غلام رکھنے کے حق میں نہیں ہوں۔ اس کی آزادی کا خواہاں ضرور ہوں مگر اس وقت میں تم سے کچھ اور چاہتا ہوں۔''

''کہو، کہو۔'' میں نے چھت کو گھورتے ہوئے کہا۔

''میں چاہتا ہوں کہ تم عظیم انسانی مفادات کے لئے انسانیت دشمن ملکوں کے عزائم کی بیخ کنی کرو۔ ایک فرد بھی بہت کچھ کر سکتا ہے، خصوصاً تم جیسا فرد۔'' اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

''تم صاف صاف بات کرو۔'' میں نے تیزی سے کہا۔

''دولت علی! دنیا اس وقت جنگ کی زد پر ہے۔ عالمی طاقتیں عملاً دو بڑے بلاکوں میں تقسیم ہو چکی ہیں، ہمارا موقف تمہارے سامنے ہے۔ اگر تم نے ان طاقتوں کے خلاف ہمارے ملک کی کوئی مدد کی تو تم ایک عظیم مقصد کے لئے کام کرو گے۔''

میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ''میں کوئی تبصرہ کرنا نہیں چاہتا لیکن جو کچھ تم سوچ رہے ہو، وہ میرے بس کا نہیں ہے۔''

''ہے.... ہے دولت علی! بالکل ہے۔'' جم نے اصرار کیا۔ ''مجھے یقین ہے کہ میں نے صحیح شخص کا انتخاب کیا ہے۔''

''منصوبہ کیا ہے؟ اگر تمہاری خاطر کوئی کام انجام دینا میری دسترس میں ہوا تو میں کوشش کروں گا۔'' مجھے معلوم تھا کہ یہ نوجوان عزم کا پکا ہے۔ آسانی سے میرا دامن نہیں چھوڑے گا۔

''تم شاید کچھ سمجھ چکے ہو، ہمیں جگہ بدل لینی چاہئے۔'' ہم وہاں سے اٹھ کر دوسری میز پر آ گئے اور جم سرگوشی میں بولا۔ ''دولت علی! اپنے کان ادھر لے آؤ۔ غور سے سنو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔''

میں نے خود کو ہمہ تن متوجہ کر دیا۔

جم ایک خطرناک بات کہہ رہا تھا۔ میں اس کام کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن جم نے مجھے اس خوف ناک منصوبے کے بارے میں بتایا تو مجھے دلچسپی پیدا ہو گئی۔ میں نے اپنا کان اس کے قریب کر دیا۔ میری پوری زندگی مہم جوئی ہی میں گزری تھی، جم جو کام مجھ سے کہہ رہا تھا، اس میں کسی بھی لمحے بدترین رسوائی اور جان کا خطرہ لاحق تھا۔ جم نے جب اس منصوبے کی تکمیل کے نتائج سے مجھے آگاہ کیا تو میرا چہرہ تمتمانے لگا۔ میں نے کتابوں میں ان بہادر لوگوں کے بارے میں پڑھا تھا جو خطرات میں کود کر کسی بڑے مقصد کے لئے کوئی کارنامہ انجام دیتے ہیں، جم کا خیال تھا کہ چونکہ مجھے باطنی علوم آتے ہیں اس لئے میں بہت کام کا آدمی بن سکتا ہوں، جم نے مجھے اس مشن کی تکمیل کے بعد برطانیہ میں ایک بہتر زندگی کی ضمانت دی اور دولت کا لالچ بھی دیا۔ میں نے یہ دونوں پیش کش مسترد کر دیں، ان کاغذات کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ وہ برطانیہ اور اس کے حواریوں کے لئے شہ رگ کی حیثیت

رکھتے تھے۔ وہ کاغذات مجھے ایک دوسرے یورپی ملک سے فراہم کرنے تھے۔ مجھے افسوس ہے کہ اس کی تفصیلات پورے طور پر بیان نہیں کرسکتا۔ جم کی بات دل جمعی سے سن کر میں نے آمادگی کا اظہار نہیں کیا۔ بہت اکراہ کے بعد کہیں تیار ہوا۔ پھر جم سے دوسری تفصیلی ملاقات کا وقت طے ہو گیا۔ وہ کمرے میں تنہا بیٹھی تھی اس لئے ہم دونوں اٹھ گئے۔ سارا شام تک میرے پاس رہی مگر میرا ذہن باتوں میں الجھا رہا۔ انکا بھی کسی سوچ میں گم تھی۔

شام کو سارا اداس اداس اپنے گھر چلی گئی۔ میں نے کلب جانے کے لئے آج ایک عمدہ سوٹ اپنے جسم پر سجایا۔ ابھی میں جانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ میں سمجھا ارمایا جم ہوگا لیکن وہ اس ترکی جادوگر کی کال تھی جسے میں نے بھرے مجمع میں شرمسار کر دیا تھا۔ اس نے پہلے بھی کئی بار مجھ سے ملنے کی کوشش کی تھی مگر میں ٹالتا رہا۔ آج بہت دنوں بعد پھر اس کا فون آیا تھا۔ اس دن کے بعد اسے اس شہر میں اپنا رنگ جمانے کی ہمت نہیں ہوسکی تھی۔ اس وقت فون پر وہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ شام کو میں اس کے اسٹیج پر پہنچوں۔ اس کا کہنا تھا کہ ترکی سے اس کا استاد سلیمان بے آ گیا ہے اور وہ مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ میں نے اسے منع کر دیا کہ مجھے امرا کے کلب جانا ہے اس لئے میں نہیں آ سکتا۔ اس کا اصرار بہت بڑھا پھر وہ لجاجت سے کہنے لگا۔ ''دولت علی! تم چاہے وہاں ہار جانا۔ اس سے تم پر کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن میری گری ہوئی ساکھ بحال ہو جائے گی۔'' میں نے فون بند کر دیا۔ یہ کم بخت بری طرح پیچھے پڑ گیا تھا۔ شکست کا کینہ اب تک اس کے دل میں موجود تھا حالانکہ مجھے کبھی اس واقعے کا خیال بھی نہیں آتا تھا۔ فون بند کر کے میں نے ہوٹل سے گاڑی لی۔ میری گاڑی کلب کے راستے پر دوڑنے لگی۔

کوئی گیارہ بجے کا عمل تھا۔ میری سیاہ گاڑی امرائے لندن کے کلب کی جانب گامزن تھی۔ میں اپنی دھن میں مست چلا جا رہا تھا۔ یہ کلب آبادی سے دور واقع تھا۔ جب میں ایک نسبتاً ویران سڑک پر پہنچا تو ایک جگہ اچانک انکا نے اپنے پنجے میرے سر پر چبھوئے۔ میں نے حیران ہو کر عالم تصور میں اس کی طرف دیکھا۔ انکا سخت غصے میں نظر آئی۔ یہ خطرے کی گھنٹی تھی۔ سڑک کے بیچوں بیچ ایک لکڑی کھڑی کر دی گئی تھی۔ اگر میں انکا کے اشارے پر زور سے بریک نہ لگاتا تو خطرناک ایکسیڈنٹ ہو جاتا۔ ممکن تھا کہ اس بار دوسرا ہاتھ بھی ضائع ہو جاتا۔ گاڑی ایک جھٹکے کے ساتھ لکڑی کے ایک بالکل نزدیک رک گئی۔ میں جائزہ لینے کے لئے کار سے اترا تو مجھ پر چار پانچ آدمیوں نے بیک وقت اتنے زور سے یلغار کی کہ میں کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔ پھر انہوں نے اسی تیزی سے دوبارہ مجھے میری گاڑی میں ڈالا اور گاڑی موڑ لی۔ ان کی گرفت اتنی شدید تھی کہ میرا سانس گھٹنے لگا۔ وہ پانچ آدمی تھے۔ تین آگے اور دو پیچھے بیٹھ گئے۔ ان کے ہاتھوں میں پستول تھے۔ چہرے مہرے سے وہ جرائم پیشہ معلوم ہوتے تھے۔ یہ کام اتنی عجلت میں ہوا کہ میں کچھ سمجھ نہ سکا۔ میں نے دل ہی دل میں انکا کو مخاطب کیا، انکا خاصی

مضطرب نظر آ رہی تھی۔ وہ کہنے لگی۔ ''جمیل! تم مشکل میں گھر گئے ہو۔ میں اگر ڈرائیور کے سر پر جا کر راستہ بدلوائی ہوں تو بقیہ چار کسی وقت بھی کچھ کر سکتے ہیں کیونکہ انہیں یہی حکم ملا ہے۔''

''یہ کون لوگ ہیں؟'' میں نے گھبرا کر پوچھا۔

''یہ اس شخص ایڈورڈ کے کرائے کے آدمی ہیں جو کل تمہیں سارا کے ساتھ نظر آیا تھا۔ اسے چھوڑ کر جب سارا تمہارے پاس آئی تھی تو اس نے اسی وقت تمہیں ٹھکانے لگانے کے لئے سوچ لیا تھا۔ وہ سمجھتا ہے کہ تم سارا کے حصول کی راہ میں اس کے لئے رکاوٹ بن گئے ہو۔'' انکا نے بھرائی آواز میں کہا۔

''اوہ۔ یہ سارا عذاب جان بن گئی۔ اب یہ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں اور تم نے کیا سوچا ہے؟'' میں نے پریشانی سے پوچھا۔

''یہ تمہیں کسی ویرانے میں لے جا کر ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ ان سب کے ہاتھوں میں پستول ہیں اور یہ بڑے نڈر لوگ ہیں۔''

''تو کیا تم اسی طرح بیٹھی رہو گی؟'' میں نے جھنجلا کر کہا۔

''میں صرف ایک شخص کے سر پر جا سکتی ہوں۔ لیکن پہلے بقیہ لوگوں کے بارے میں مطمئن ہونا چاہتی ہوں کہ وہ تمہارا کچھ بگاڑیں گے تو نہیں؟''

''لیکن مجھے ویرانے میں لے جانے کے بعد تو ان کا کام اور آسان ہو جائے گا۔ تم کوئی غلطی تو نہیں کر رہی ہو؟ دیکھو آبادی بہت دور ہوتی جا رہی ہے۔''

''مجھے سوچنے دو۔ تم تو میرے ہاتھ پیر پھلائے دے رہے ہو۔''

میں ان کے درمیان پھنسا بیٹھا تھا۔ ان کی آنکھیں میری طرف لگی ہوئی تھیں۔ میں نے خوفزدہ لہجے میں ان سے پوچھا۔ ''آپ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں؟''

''لارو!'' ایک شخص نے قہقہہ لگا کر اپنے ساتھی کو مخاطب کیا۔ ''لارو اسے بتاؤ کہ ہم اسے کہاں لے جا رہے ہیں؟'' اس بات پر سب نے قہقہہ لگایا۔

پھر میں نے ان سے کوئی بات نہیں کی۔ کچھ وقفے کے بعد ان میں سے ایک بولا۔ ''کچھ اور پوچھنا چاہتے ہو؟''

''شاید یہ میرے آخری لمحے ہیں۔'' میں نے ہراس سے کہا۔

''تم ذہین آدمی ہو۔ اس آخری وقت میں کوئی خواہش ہو تو بتاؤ، پوری کی جائے گی۔'' ان میں سے ایک رعونت سے بولا۔

''میں سوچ کر بتاؤں گا، اس وقت تو میرا ذہن معطل ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ آخر میں نے کیا غلطی کی تھی جو تم لوگ مجھے مارنے کے در پے ہو۔'' میں نے اٹک اٹک کر کہا۔

''ہمیں نہیں معلوم۔ ہمیں تو صرف اتنا معلوم ہے کہ تمہیں آج جہنم رسید کرنا ہے مگر'' وہ کچھ سوچ کر بولا ''تم اتنے خطرناک آدمی تو دکھائی نہیں دیتے۔''

''میں بہت معصوم اور بے قصور شخص ہوں۔ شاید تم لوگوں کو دھوکا ہو گیا ہے۔'' میں نے فریاد کی۔

گاڑی ایک درخت کے سائے میں ٹھہر گئی۔ انہوں نے مجھے دھکے دے کر باہر نکالا اور میری گاڑی وہیں چھوڑ کر ایک دوسری گاڑی میں بیٹھ گئے۔ یہ ایک ویگن تھی۔ اس میں ایک ڈرائیور پہلے سے تھا۔ اب وہ چھ ہو گئے تھے۔ میں نے تذبذب سے انکا کو دیکھا۔ ''تم...... تم...... کیا سوچ رہی ہو؟'' میں نے دل ہی دل میں اس سے پوچھا۔

''انہیں چلنے دو۔ یہی بہتر ہے۔'' انکا نے مختصر جواب دیا۔

''تمہاری ذرا سی غلطی سے خبر ہے کیا ہو سکتا ہے؟'' میں نے کہا۔

''مجھ سے زیادہ باتیں نہ کرو۔ خاموش بیٹھے رہو۔'' انکا نے کسی قدر تحکم سے کہا۔ مجھے اس کا برا لگا مگر میں خاموش ہو گیا۔

ویگن پوری رفتار سے دوڑ رہی تھی۔ پھر اس سفر کو کوئی بیس منٹ ہوئے ہوں گے کہ درختوں میں گاڑی روک لی گئی۔ ہر طرف گہرا اندھیرا طاری تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ مجھے کر دھکا دیتے ہوئے ایک طرف بڑھ رہے تھے۔ اونچے درختوں نے یہ مقام اور ہولناک بنا دیا تھا۔ خاموشی سے ان کے آگے چل رہا تھا۔ وہ سب میرے پیچھے تھے۔ صرف ایک شخص میرے بازو تھامے انکا بری طرح پہلو بدل رہی تھی اور سخت بے چین نظر آ رہی تھی۔ آخر ہم ایک ایسے مکان پر پہنچے برطانیہ کے قدیم طرز کے نمونے پر بنا ہوا اور باہر سے کوئی گرجا نظر آتا تھا۔ مکان میں کوئی کھڑکی نہیں تھی۔ اس سناٹے میں ان کے بھاری جوتوں کی آوازیں دل ہلائے دے رہی تھیں۔ ایک شخص نے مکان کے بڑے دروازے پر زوردار ٹھوکر ماری۔ وہ کھل گیا۔ انہوں نے مجھے اندر دھکیل دیا اور دروازہ بند کر دیا۔ عین دروازے پر انکا میرے سر سے اتر گئی۔ یہ ایک اجاڑ مکان تھا۔ ایسا معلوم جیسے یہ مکان عرصے سے بے مکین ہو۔ کئی جگہ ہم لوگوں کو ٹھوکریں لگیں۔ وہ مجھے ایک زینے کی طرف گئے۔ ہم زینے پر چڑھ رہے تھے کہ پیچھے ایک شخص کے گرنے کی آواز آئی۔

''کیا ہوا؟'' ان میں سے ایک چیخا جو میرے برابر تھا۔

''مجھے چوٹ لگ گئی ہے۔'' وہ کراہا اور درد سے بلبلانے لگا۔

دو آدمی میرے پاس رہ گئے اور باقی دو نچلی سیڑھیوں پر اتر گئے۔ مجھے ٹھہرا لیا گیا تھا۔ مجھے مشکل کا اندازہ تھا۔ میرے ساتھ جو آدمی کھڑے تھے ان کے پستول تنے ہوئے تھے۔ جب انہوں نے اپنے ساتھی کی چیخیں سنیں تو اندھیرے میں نیچے کی طرف دیکھا۔ ''کیا ہو گیا؟'' میرے برابر

''شاید اس کا سر پھٹ گیا ہے؟'' نیچے سے آواز آئی۔

پھر مکان میں سرگوشیاں گونجنے لگیں۔ ایک اور فلک شگاف چیخ نیچے سے ابھری۔ اسی لمحے انکا میرے سر پر آئی اور مجھے سیکنڈوں میں ایک ہدایت دے کر چلی گئی۔ نیچے وہ شخص تڑپنے لگا۔ اپنے ساتھی کی دل دوز چیخیں سن کر میرے برابر کھڑے ہوئے دونوں آدمی تجسس سے نیچے اپنے زخمی ساتھی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ یہ دوسرا موقع تھا۔ پہلا موقع مجھ سے ضائع ہو چکا تھا لیکن میں نے دوسرا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ ان کے نیچے کی طرف متوجہ ہونے کی دیر تھی کہ میں نے برق رفتاری کے ساتھ اور اپنے جسم کی پوری قوت سے انہیں نیچے کی طرف دھکیل دیا۔ اسی وقت پستول چلنے کی آواز آئی لیکن میں اس وقت تک اوپر کی سیڑھی پر پہنچ کر بالکونی کی آڑ میں ہو گیا تھا۔ میں نے اپنی پتلون کے اندرونی حصے سے ریوالور نکالا اور ابھی نیچے کی طرف فائرنگ کرنے ہی والا تھا کہ نیچے سے فائرنگ کی آواز تیز ہوئی اور ساتھ ہی چیخوں کی بھی۔ میں سمجھ گیا کہ انکا اپنا کام کر چکی ہے۔ میں نے اطمینان سے ریوالور دوبارہ جیب میں رکھ لیا۔ تھوڑی دیر میں وہاں مکمل سکوت چھا چکا تھا اور انکا میرے سر پر ہانپتی ہوئی آ چکی تھی۔ میں نے دیکھا کہ اس کا چہرہ تمتمایا ہوا تھا اور آنکھوں سے وحشت برس رہی تھی۔

''وہ سب ختم ہو گئے ہیں۔'' انکا نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

''مگر یہ سب کچھ اتنی جلدی کیسے ہوا؟'' میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

''بس مجھے تیزی کے ساتھ سر بدلنے پڑے۔'' اس نے مختصراً جواب دیا پھر کہنے لگی۔ ''میدان صاف ہے۔ تم یہاں سے فوراً چلے جانا۔ میں کچھ دیر بعد تمہارے سر پر آ جاؤں گی۔''

میں نے تشکر اور احسان مندی کی نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ اس عرصے میں پہلی بار مسکرائی اور میرے سر سے غائب ہو گئی۔ نیچے سیڑھیوں پر اترتے وقت اندازہ ہوا کہ وہاں خون ہی خون پڑا ہوا ہے۔ چھ انسانی لاشیں ادھر ادھر بکھری پڑی تھیں۔ میں اپنے جوتے خون سے بچاتا ہوا فوراً باہر آ گیا۔ ویگن میں سوار ہونے کے کچھ دیر بعد ہی میں اپنی گاڑی تک پہنچ گیا۔ میں نے ویگن وہیں چھوڑ دی اور رومال سے اپنی انگلیوں کے نشانات صاف کر دیئے۔

میرا ذہن کسی قدر مطمئن تھا اور میں ایک بھیانک منظر دیکھنے کے بعد اپنی گاڑی میں سوار پھر اس خوشگوار ماحول کی طرف بڑھ رہا تھا، جو کلب میں میرا منتظر تھا۔ اس بار مجھے کسی نے داخل ہونے سے نہیں روکا۔ استقبالیہ پر کھڑے ہوئے خوش پوش نوجوان نے مسکرا کر میرا خیر مقدم کیا اور میں ایک شان بے نیازی سے ہال میں داخل ہو گیا۔ خوشبوؤں اور موسیقی کی حسین لہروں نے مجھے تر و تازہ کر دیا۔ میں کسی میز پر فوراً نہیں بیٹھا بلکہ ہجوم کی طرف بڑھتا رہا۔ اچانک میری نظر ایڈورڈ پر پڑی۔ مجھے دیکھتے ہی اس کے

ہاتھ سے جام گر گیا۔ میں نے مسکرا کر اسے "ہیلو" کہا۔ لارڈ اسمتھ کے جنازے میں اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ سارا آج اس کے ساتھ نہیں تھی۔ اس سے مصافحہ کرنے کے بعد میں خاموشی سے کونے کی ایک میز پر آ کر بیٹھ گیا۔ میرے بیٹھنے کی دیر تھی کہ ایک مؤدب شخص نے میز پر اعلیٰ درجے کے مشروبات سجا دیے۔ آج انکا نہیں تھی۔ اس لئے میں خاموش تماشائی کی طرح دور سے ہال میں رقص کرتے ہوئے جوڑوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ نظر ایک جگہ ٹھہرتی نہیں تھی کہ کس کو دیکھئے کس کس سے جی لگائے۔

قدرت کے بوستان کا ہے گل جس کو دیکھئے
چاروں طرف بہار ہے کس کس کو دیکھئے

میں سوچنے لگا کہ اگر اس کلب کی تمام دوشیزاؤں سے رابطہ رکھا گیا تو مجھے لندن میں کئی سال گزارنے پڑیں گے۔ میں راتوں اور عورتوں کا شمار کرنے لگا۔ ابھی ہال پوری طرح بھرا نہیں تھا۔ ارما بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ انکا کی عدم موجودگی سے مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میں بے بس اور کمزور ہوں۔ میں انکا کے بارے میں سوچ رہا تھا اور تھوڑی دیر پہلے پیش آنے والے لرزہ خیز حادثے پر غور کر رہا تھا کہ اچانک سراغ رساں جم ایک حسین و جمیل لڑکی کے ساتھ ہال میں داخل ہوا۔ اس کی نگاہیں مجھے تلاش کر رہی تھیں۔ آج چونکہ میں نے شیروانی نہیں پہنی تھی اس لئے جم پر اس کی نظر فوراً نہیں پڑی۔ اس کے ساتھ اتنی حسین لڑکی دیکھ کر میرے سینے میں فشار برپا ہونے لگا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔ جم نے مجھے آنکھ کا اشارہ کیا اور سرشار لہجے میں کہنے لگا۔ "دولت علی! یہ ہیں میری دوست مس جین مارنڈا۔ ان سے ملو۔ صبح تم سے ملاقات کے بعد میں نے ان سے تمہارا باقاعدہ تعارف کرایا تھا۔"

میں سمجھ گیا کہ یہ لڑکی کون ہو سکتی ہے۔ اس کا بدن اتنا شاداب تھا کہ مجھے اپنی نگاہیں ہٹانا مشکل ہو گیا۔ پہلی ہی ملاقات میں اس پر کوئی برا تاثر نہیں پڑنا چاہئے تھا۔ میں نے گرمجوشی سے اسے اپنی میز پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ دلچسپ اور معنی خیز نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بیٹھ گئی۔ جم نے مجھ سے کہا۔ "دولت! آج تم میری درخواست پر جین کے سامنے اپنی غیر معمولی طاقتوں کا مظاہرہ کرو گے۔ جین کو اس کے بارے میں کچھ بتاؤ۔" میں نے کن انکھوں سے جین کے مشتاق چہرے کا جائزہ لیا۔ وہ اپنے بارے میں جاننے کے لئے بے قرار نظر آ رہی تھی۔ انکا ہوتی تو وہیں کچھ انکشافات کر دیتا جو یقیناً دھماکہ ثابت ہوتے۔ مجھے انکا کی واپسی کا انتظار کرنا تھا۔ میں نے کچھ تحمل کی درخواست کی اور جین کی خدمت میں شیمپین کا جام بنا کر پیش کیا۔ میں جین سے ہندوستان کی پُراسرار زمین کے متعلق گفتگو کر رہا تھا۔ اتنے میں ارما شنگ لباس میں وہاں آ دھمکی اور آتے ہی بے تکلفی سے بیٹھ گئی۔ ارما کے آتے ہی چند دوسری لڑکیاں بھی

اس کے گرد جمع ہو گئیں اور ہمیں ایک بڑی میز پر منتقل ہونا پڑا۔ وہ تمام لڑکیاں مجھے اشتیاق آمیز نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ جیسے میں کوئی عجوبہ ہوں۔ مجھے خود پر بڑا تاسف ہوا کہ میں اتنے دنوں تک لندن میں بیکار ہی پھرتا رہا اور عام سے کلبوں، ہوٹلوں اور عام سی محفلوں میں اپنا وقت برباد کرتا رہا۔ ان دو دنوں میں کس قدر تبدیلیاں آ گئی تھیں۔ اس وقت میں راجا اندر بنا بیٹھا تھا اور ارما اپنی سہیلیوں کو رات کی جیت کے متعلق خوش ہو کر تفصیلات بتا رہی تھی۔ ارما کی گفتگو سے جین کا تاثر لینا ضروری تھا۔ میں صرف اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ وہ سنجیدگی سے شیمپین کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لے رہی تھی اور ارما کی باتیں بڑے انہماک سے سن رہی تھی۔ آج میں نے ارما کے بجائے کسی اور نازنین سے راز و نیاز بڑھانے کا ارادہ کیا تھا۔ لندن میں غلام ملک کا ایک باسی یہی کر سکتا تھا کہ وہ اپنے حاکموں کی خوب صورت دوشیزاؤں کے پہلو میں بیٹھ کر اپنی بھڑاس نکالے۔ جب سے جین نظر آئی تھی، میرے حواس معطل ہونے لگے تھے۔ جم سے اس کا کوئی خاص رابطہ معلوم ہوتا تھا۔ آج کی شب بے کیف ہوتی نظر آ رہی تھی کیونکہ انکا غائب تھی اور اس کے جلد آنے کا امکان بھی نہیں تھا۔ ادھر جم اور ارما کا اصرار تھا کہ میں جوئے خانے کی طرف چلوں اور آج جین کی قسمت آزماؤں۔ میں نے انہیں باتوں میں الجھائے رکھا۔ جب ہال میں موسیقی کا شور بڑھ گیا اور رقص تیز ہو گیا تو میں نے طبیعت کی ناسازی کا بہانہ کیا اور جم سے معذرت چاہنے لگا۔ چلتے چلتے میں نے جین اور جم کو دوسری شام اپنے ہوٹل میں مدعو کر لیا۔ میرا خیال تھا اب مجھے ترکی جادوگر اور اس کے استاد سے مقابلہ کرنا ہی پڑے گا۔ ورنہ جین کو سر کرنا ذرا مشکل ہو جائے گا۔ انکا کو کسی لڑکی کے سر پر بٹھا کر التفات حاصل کرنے میں وہ چاشنی نہیں تھی جو خود، سر کرنے میں محسوس ہوتی تھی۔ میں دروازے پر پہنچا ہی تھا کہ ارما نے مجھے پکڑ لیا اور اصرار کر کے میرے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئی۔ چار و ناچار مجھے اسے اپنے ہوٹل پر لانا ہی پڑا اور یہ عہد توڑنا پڑا کہ میں امرائے لندن کے کلب سے ہر روز ایک نیا رابطہ پیدا کروں گا۔ ارما رات بھر میرے ساتھ رہی اور میں اس کے ساتھ کھیلتا رہا لیکن ساری رات جین کا چہرہ میرے تصور میں گھومتا رہا۔ رات گئے انکا میرے سر پر آ گئی۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور وہ بڑی ہشاش بشاش نظر آ رہی تھی۔ وہ شوخی سے بولی۔ "جمیل! تم رات بھر جاگو اور میں سوتی ہوں۔"

اور میں واقعی جاگتا رہا۔ صبح کاذب کے وقت تکان سے میری آنکھیں بند ہونے لگیں۔ ارما بھی نڈھال ہو گئی تھی۔ مجھے یاد نہیں کہ کیا وقت ہو گا جب نیند نے مجھ پر غلبہ پایا۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ میں نے خواب میں کلپنا کو دیکھا۔ وہ میرے سرہانے بیٹھی مجھے غور سے تک رہی تھی۔ میں اسے اچانک دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔ اس کے بال کھلے ہوئے تھے اور چہرے سے یاسیت ہویدا تھی۔ اس کا حسن سوگوار تھا اور وہ کسی دیوی کی طرح ساکت نظر آ رہی تھی۔ میرے مضطربانہ استفسار پر اس کے خوب صورت لب ہلے اور وہ اتنا کہہ کر غائب ہو گئی۔ "جمیل احمد خان! سیاہ بادل چھٹ گئے ہیں۔ اب آکاش

صاف ہے اور دو موسم بیت چکے ہیں۔''

یہ کہہ کر وہ غائب ہوگئی اور میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے اپنے سر کی طرف دیکھا۔ انکا غائب تھی۔ ارما میرے سینے پر سر چھپائے لمبے لمبے سانس لے رہی تھی۔ میں نے اس کے بدن پر چادر دی۔

صبح ہی صبح سارا آدھمکی۔ اس وقت تک ارما بیدار نہیں ہوئی تھی۔ وہ میرے بستر پر بے حالت میں بے سدھ پڑی ہوئی تھی۔۔

خواب میں کلپنا کی آمد بے مقصد نہیں تھی۔

میں اس خواب سے پہلے ہی پریشان تھا کہ صبح ہی صبح ارما کی موجودگی میں سارا کو دیکھ کر دو چند ہوگئی۔ لندن میں قیام کے دوران حسین و جمیل سارا سے جو ایک ربط خاص پیدا ہوگیا تھا، اس کا یہ تھا کہ وہ میرے کمرے میں ارما کی موجودگی سے لاعلم رہے حالانکہ اب اس کی کوئی ضرورت نہیں مجھے جلد ہی ہندوستان واپس جانا چاہئے تھا۔ یہاں آئے خاصے دن گزر چکے تھے۔ ادھر بدری نرائن کالی کا تحفظ ختم ہو چکا تھا۔ اب اس کمینے کو خون کے آنسو رلانا تھا جس وقت سے میں نے خواب میں کو دیکھا تھا، مجھے یہ سارا رنگین ماحول بے کیف معلوم ہو رہا تھا۔ اس شہر دل ربا سے میرا جی اچاٹ تھا۔ لندن کی دل کش فضاؤں اور ماہ وشوں کے جلوؤں میں کھو کر میں اپنے سب سے بڑے دشمن نرائن کو کسی حد تک بھول چکا تھا۔ سینے پر ایک بوجھ سا پھر محسوس ہونے لگا۔ بدری کے لگائے ہوئے زخم تازہ ہونے لگے۔ جیل کی اذیتیں اور در در بھٹکنے کی صعوبتیں، بھیک مانگنے کے شرم ناک واقعے نرگس و مالا کے دل خراش صدمے، ایک حادثہ ہوتا تو بھلا دیتا، ایک سانحہ ہوتا تو بھول جاتا۔ یہ سلسلہ بہت طویل تھا۔ جب کلپنا نے خواب میں مجھے یہ نوید دی کہ بادل چھٹ گئے ہیں تو ارما کا گداز بدن لگنے لگا۔ سارا کی آمد بھی بری لگی، رات کو چھ ہلاکتوں کا تکدر ذہن پر طاری تھا۔ ارما نے مجھے ساری رات جگایا تھا۔ رات کے آخر ہی میں جا کر کہیں آنکھ لگ گئی تھی۔ سارا آئی، اس کے گزارے ہوئے لمحوں نے مجھے وضع داری پر مجبور کر دیا۔ میں نے اسے اگلے کمرے میں رکھا اور بوکھلا کر پوچھا۔ ''کیا بات ہے عزیز از جان سارا! یہ تم صبح ہی صبح کیسے آ گئیں، خیریت تو ہے؟

''دولت علی!'' سارا اضطراب میں میرے سینے سے لگ گئی۔ ''دولت علی! مجھے رات بھر نیند نہیں آئی ہے، اب وہ گھر مجھے کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے یا تو تم مجھے یہاں بلا لو یا خود میرے گھر میں آ جاؤ۔''

میں ایک لمحے کے لئے ساری بات سمجھ گیا۔ جب سے سارا کے باپ کا قتل ہوا تھا، وہ اتنی حواس باختہ نظر آتی تھی۔ میں نے اس کی ٹھوڑی اوپر اٹھا کر کہا۔ ''ارے نہیں سارا! تم اتنی بزدل کب سے ہوگئیں؟ تمہارے ہاں ملازموں کی ایک بڑی فوج موجود ہے اور ابھی تو میں لندن میں ہوں، میرے ہوتے ہوئے تمہیں یہ خوف کیسا؟ کون تم پر انگلی اٹھا سکتا ہے؟''

''دولت علی! مجھے نہ جانے کیا ہوگیا ہے۔ جب سے پاپا گئے ہیں، کچھ عجیب حالت ہوگئی ہے، خود سے خوف آنے لگا ہے۔'' وہ تقریباً روتے ہوئے بولی۔

''بس بس، اس کا ایک ہی حل ہے۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔ ''اب تمہاری شادی ہو جانی چاہئے۔'' میری بات پر اس نے چونک کر مجھے دیکھا اور مجھے فوراً خیال آیا کہ میں نے ایک بے موقع بات کہہ دی ہے جو میرے پچھلے رویے کی نفی کرتی ہے۔ ''میرا مطلب ہے۔'' میں نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔ ''اب تمہارا کوئی انتظام کرنا ہی پڑے گا۔ آؤ میرے ساتھ۔ ڈائننگ ہال میں بیٹھتے ہیں۔'' لیکن بوکھلاہٹ میں مجھے یہ خیال بھی نہ رہا کہ میں شب خوابی کا لباس پہنے ہوئے ہوں اور میں نے غسل بھی نہیں کیا ہے، وہ کسی بھی لمحے اندر جا سکتی تھی یا ارما کسی بھی وقت باہر آ سکتی تھی۔ میں عجیب شش و پنج میں مبتلا تھا۔ میں اس کی تشریح نہیں کر سکتا۔ جب مجھے واپس ہندوستان جانا تھا تو یہ احتیاط کیوں مانع تھی۔ اس کا صرف یہی جواب ہو سکتا ہے کہ سارا کو کسی اور طرح محسوس کیا گیا اور برتا گیا تھا اس کے ساتھ میرے بہت سے تشنہ جذبے وابستہ ہوگئے تھے۔ میں اسے تسلی دینے کے لئے اوٹ پٹانگ جملے بول رہا تھا۔ مجبوراً میں نے زور زور سے اپنے سر پر ہاتھ پھیر کر انکا کو جگایا۔ اس نے ایک بھرپور انگڑائی لی اور آنکھیں مل کر میری طرف دیکھا تو میں نے دل ہی دل میں سارا کی غیر متوقع آمد سے پیدا ہونے والی صورت حال کے متعلق اسے بتایا۔ ایسے موقعوں پر وہ شرارت کرنے لگتی تھی چنانچہ بجائے اس کے کہ وہ میری مدد کرتی، شوخیاں کرنے لگی اور اپنی عادت کے مطابق جملے کسنے لگی۔ آخر میرے اصرار پر وہ میرے سر سے پھدک کر اتر گئی۔ پھر اچانک سارا نے اسی کمرے میں نڈھال ہو کر خود کو صوفے پر گرا دیا اور آنکھیں موند لیں۔ میں اس کی طرف سے مطمئن ہو کر اندر گیا۔ ارما کو جگانا بے سود تھا۔ لباس پہن کر میں بہ عجلت تمام باہر آیا اور سارا کو کمرے سے باہر لے گیا۔ جب ہم ڈائننگ ہال میں بیٹھ گئے تو انکا نے میرے سر پر آ کر بتایا کہ اب وہ ارما کے سر پر جا رہی ہے۔

ناشتے کے دوران میں نے صبح کے اخبارات منگوائے۔ سرسری مطالعے سے یہ اطمینان ہوگیا کہ گزشتہ رات چھ آدمیوں کے سنسنی خیز قتل کا واقعہ ابھی تک اخبارات کے علم میں نہیں آیا ہے۔ ایڈورڈ نے مجھے ٹھکانے لگانے کے لئے ایک ویران جگہ اسی لئے منتخب کی تھی۔ یہ چھ قتل سارا کے سبب ہوئے تھے مگر اسے پتا نہیں تھا۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ ایسے لمحے میں کافی کا کسیلا گھونٹ اتارتے ہوئے میں نے یہ تلخ بات کہہ دی کہ میں عنقریب ہندوستان واپس جا رہا ہوں۔ یہ اطلاع سن کر ڈائننگ ہال میں اس کے رخسار آنسوؤں سے بھیگ گئے۔ حسب توقع اس نے رو رو کر مجھ

سے مزید قیام کے لئے منتیں شروع کر دیں اور جب میں نے اپنی واپسی ضروری ثابت کرنے کی تاویلات پیش کیں تو وہ میرے ساتھ چلنے کے لئے اصرار کرنے لگی۔ دونوں صورتیں ناممکن تھیں۔ ہندوستان میں اس بدمعاش پنڈت سے نمٹنا تھا۔ میں سارا کو دوبارہ آنے کے دلاسے دیتا رہا۔ اس عرصے میں وہ مجھ سے اس حد تک قریب آ چکی تھی کہ اسے واپس کرنا مشکل نظر آ رہا تھا۔ وہ وعدے جو اس سے کسی لمحاتی کشمکش کے سبب کئے گئے تھے، اب رنگ لا رہے تھے۔ ناشتے کی بے لطفی سی رہی۔ تھوڑی دیر میں انکا اپنا کام ختم کر کے میرے سر پر وارد ہو گئی۔ اب مجھے اپنے کمرے جانے کا راستہ صاف ملا۔ میں سارا کو لئے ہوئے اندر آ گیا۔ ارما کو انکا نے روانہ کر دیا۔ کمرے میں آتے ہی سارا نے باقاعدہ رونا شروع کر دیا۔ جب میں نے ہوائی جہاز میں نشست محفوظ کرانے کے لئے فون کیا تو اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ بدقسمتی سے آئندہ دو تین دن تک کی تمام نشستیں محفوظ تھیں اس لئے مجھے ایک ہفتے بعد کی بکنگ کرانی پڑی۔ میں چاہتا تھا کہ نوجوان سراغ رساں جم کے معاملات میں الجھنے سے پہلے میں ہندوستان روانہ ہو جاؤں۔ اگر مجھے اسی دن نشست مل جاتی تو میں سب کچھ چھوڑ کر روانہ ہو جاتا۔ لندن میں میری آمد کا واحد مقصد اپنے ٹوٹے ہوئے ہاتھ کی بدنمائی دور کرنا تھا۔ باقی کام کبھی فرصت کے اوقات میں کیا جا سکتا تھا۔ میرے سامنے ایک ہفتہ تھا۔ میں نے اس مدت میں لندن کھنگالنے کا فیصلہ کر لیا۔ میرے ذہن میں یہ خیال بھی آیا کہ سارا کو سر کیوں نہ کیا جائے۔ پھر کیا ملتا ہے؟ مجھے خوب اندازہ تھا کہ سارا جیسی حسین لڑکی سے محروم ہو کر کیسی تشنگی سی محسوس ہوگی۔ لیکن میں اس خیال کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ ویسے تو صرف اشارے کی دیر تھی لیکن اشارہ کرنے کے لئے بڑی ہمت کی ضرورت تھی، وہ دن بھر میرے ساتھ رہی۔ ہم لندن میں مختلف مقامات پر بے مقصد گھومتے رہے۔ شام کے قریب ہوٹل میں آ گئے۔ میں سونے کے لئے لیٹ گیا۔ وہ بھی میرے نزدیک لیٹ گئی اور مجھ سے باتیں کرتی رہی۔ میں جلد ہی سو گیا۔ جب اٹھا تو اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور وہ چھت کو تک رہی تھی۔ وہ آج کسی طور مجھ سے جدا نہیں ہونا چاہتی تھی۔ شام کو میں نے جم سے ملاقات طے کر رکھی تھی۔ کل رات اس کے ساتھ جین کو دیکھ کر میرے ذہن میں ایک ہیجان سا برپا ہو گیا تھا۔ جم سے جین کا کوئی خاص تعلق معلوم ہوتا تھا مگر اسے پہلی ہی نظر دیکھنے کے بعد میں نے اپنے دل میں کچھ ٹھان لی تھی۔ جین کے تصور سے میرا دل اچھلنے لگا۔ اگر رات انکا میرے پاس ہوتی تو شاید میں اسے اپنی جانب مائل کرنے میں کامیاب ہو جاتا۔ سارا ایک مائل بہ التفات، شاداب و سرشار لڑکی تھی۔ میرے اندر تحلیل ہونے کے لئے ہمہ وقت آمادہ تھی، اس کی موجودگی میں جین کا خیال، جین کو فتح کرنے کا خیال میرے تضاد کا آئینہ دار تھا۔ میں خود اپنے اس تضاد پر حیران ہوں، جین نے کچھ ایسا ہی اثر کیا تھا۔ جادوگر کی دعوت پر آج میں جین کے سامنے کچھ کرشمے دکھانا چاہتا تھا۔ وہ لوگ اب آنے ہی والے تھے

اور سارا ابھی تک موجود تھی۔

جب آفتاب غروب ہو گیا۔ لندن میں آفتاب غروب ہونے کا ذکر کرنا کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہے۔ یوں کہنا چاہئے جب رات کا وقت آیا تو لندن جوان ہو گیا اور جین قیامت ڈھاتی ہوئی خوش پوش جم کے ساتھ میرے کمرے میں آ گئی۔ میں نے ان دونوں کا موازنہ کیا۔ سارا کو ساری عمر قریب رکھنے کے جذبے پیدا ہوتے تھے اور جین، اسے اسی وقت عبور کرنے کو جی تڑپتا تھا۔ سارا میں نزاکت اور حسن تھا۔ جین کے حسن میں آگ تھی۔ حسین عورتوں کا موازنہ کرنا بے ادبی کی بات ہے۔ حسن کی کوئی ایک صفت نہیں ہوتی اور کسی ایک مخصوص صفت پر پسندیدگی کا انحصار بھی نہیں ہے۔ حسن کے اپنے اپنے تیور ہوتے ہیں، کون کب اور کس وقت دل پر اثر کر جائے، اس کا پتا نہیں ہوتا۔ وہ دونوں سامنے تھیں، اس لئے بار بار دونوں کی طرف نگاہیں اٹھتی تھیں۔ اگر میں مقابلہ حسن کا جج ہوتا تو جین کے ساتھ انصاف کرتا۔ اگر میں کوئی شاعر ہوتا تو سارا کی توصیف کرتے ہوئے میری زبان نہ تھکتی اور میرا قلم کبھی نہ تھکتا۔

وہاں دن میں کئی بار اخبارات شائع ہوتے ہیں، اب تک کسی اخبار نے رات والے واقعے کے سلسلے میں کوئی خبر شائع نہیں کی تھی۔ مجھے اس خبر کا انتظار تھا اور اس بات کی بھی وحشت تھی کہ ایڈورڈ ابھی بچا ہوا ہے۔ وہ اب کوئی خطرناک قدم اٹھانے سے باز نہیں رہے گا۔ میں اس شہر میں اجنبی تھا ایڈورڈ جیسے غنڈوں کے کئی سلسلے ملے ہوئے تھے۔ جم اور جین کے آنے کے بعد ہی ہم جلدی ترکی بازی گر کے تماشے میں روانہ ہو گئے۔ ترکی بازی گر کا نام اسپارٹا تھا۔ وہ مجھ سے کئی بار ملنے کی خواہش ظاہر کر چکا تھا۔ اس دن بھرے مجمع کے سامنے اس کی جو ذلت اور رسوائی ہوئی تھی اس کی خراش اب تک اس کے ذہن پر موجود تھی۔ لندن میں یہ خبر چھپی نہ رہ سکی، بہت دنوں تک اس نے شو بھی نہیں کیا۔ اپنی بگڑی ہوئی ساکھ بنانے کے لئے اس نے ترکی سے اپنے استاد کو بھی بلا لیا تھا۔ مجھے اس معرکے کی دلچسپی کا اندازہ تھا۔ جین کے بدن سے خوشبوئیں پھوٹ رہی تھیں۔ سارا اور وہ کار میں پچھلی نشست پر بیٹھی تھیں۔ جب ہم ہال میں داخل ہوئے تو اسپارٹا کا منہ کھلا کا کھلا ہی رہ گیا۔ اس نے ہمیں وی آئی پی (بہت اہم شخصیتوں) کی نشستوں پر بٹھایا اور اس کے بعد اپنے استاد سلیمان بے سے بھی ملوایا۔ وہ چمک دار آنکھوں والا ایک بوڑھا شخص تھا۔ ہم دونوں آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو پرکھنے اور تولنے لگے اور وہ مجھے دیکھ کر کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ جین جو میرے پہلو میں بیٹھی تھی، مجھ سے آنکھیں چڑھا کر بولنے لگی۔ ''دولت علی آپ نے ہمیں رات کچھ نہیں بتایا۔''

''آج میں آپ کو بہت سی باتیں بتاؤں گا۔'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔

''سنا ہے کلب کی ساری خواتین آپ سے متاثر ہیں؟''

''یوں ہی خواہ مخواہ تشہیر ہو گئی ہے مگر آپ کے بارے میں مجھے ضرور بہت کچھ پتا ہے۔'' میں نے

اسے کن انکھیوں سے دیکھ کر کہا۔

''مثلاً کیا کیا؟ بتایئے نا۔'' وہ مچل کر بولی۔

''یہی کہ آپ بے حد حسین، بہت حسین، بے انتہا حسین ہیں۔''

''اوہ......'' وہ کھلکھلا پڑی۔ ''میں تو ڈر گئی تھی۔''

میں اس سے شوخیاں کرتا رہا۔ آخر کھیل شروع ہونے کا اعلان ہوا۔ ہال پہلے کی طرح بھرا ہوا تھا۔ جب میں جین سے باتیں کرتا، انکا مجھے ٹہوکے دیتی۔ آج وہ بہت شگفتہ موڈ میں تھی کیونکہ رات اس نے اپنی مرغوب غذا سے پیٹ بھر لیا تھا۔ اس کے رخساروں پر سرخی تھی اور وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔

اسٹیج پر ایک ترکی رقاصہ نمودار ہوئی اور اس نے اپنے ہوش ربا بیلے رقص سے کھیل کا آغاز کیا۔ اس کا سارا بدن تھرک رہا تھا۔ تمارا میں کسی شخص کو اپنے دام الفت میں پھنسانے کی تمام خوبیاں موجود تھیں۔ رقص کے خاتمے کے بعد اسپارٹا اسٹیج پر پہنچا اور اس نے تماشائیوں کو اپنے شعبدوں کے بارے میں [illegible] اور اپنا تفصیلی تعارف خود کرایا۔ پھر اس کا استاد اسٹیج پر آ گیا۔ استاد کی تعریف میں اسپارٹا نے زمین آسمان کے قلابے ملا دیئے۔ میں نے اس موقع پر انکا سے پوچھا۔ ''یہ شخص کچھ جانتا ہے؟''

''یہ شخص تم پر بھاری پڑ سکتا ہے۔ اسے اپنے فن میں کمال حاصل ہے۔'' انکا نے پہلی بار [illegible] اختیار کی۔

''کیا مطلب؟ کیا جین کے سامنے توہین کراؤ گی؟ اسے یہاں لانے کا کیا مطلب [illegible]'' میں نے برہمی سے کہا۔

''کیا جین تمہیں بعد پسند آئی ہے؟'' انکا نے اٹھلا کر کہا۔

''اس کے بغیر لندن کا سفر ادھورا رہے گا۔''

''مگر وہ جم کی امانت ہے، امانت میں خیانت کرنا جرم ہے۔''

''میری جان، یہ لندن ہے اور یہاں ہمارا قیام ہی کتنا رہ گیا ہے۔''

کوئی ایک گھنٹے تک اسپارٹا چھوٹے موٹے شعبدے دکھا دکھا کر حاضرین سے داد وصول کرتا رہا۔ وہ ایک بہت بڑا شعبدے باز تھا۔ اس نے بعض ایسے حیرت انگیز مظاہرے کئے کہ جین اور جم [illegible] طاری ہو گیا۔ سارا البتہ متوازن نظر آ رہی تھی۔ جب جین نے ایک شعبدے پر زور سے تالیاں بجائیں تو سارا نے چڑ کر اس سے کہا۔ ''جین! یہ تو کچھ بھی نہیں ہے، دولت علی کے سامنے یہ بچوں کا کھیل ہے۔''

''سچ؟'' جین نے [illegible] ایک لمحے میں کئی بار آنکھیں جھپکائیں۔ ''واقعی؟''

اسپارٹا اپنے فن کا جادو جگا چکا تو اس نے بڑے احترام سے اپنے استاد کو آواز دی۔ بوڑھا شخص اپنے مخصوص لباس میں اسٹیج پر ظاہر ہوا، حاضرین پر سکوت چھا گیا۔ ''میں کیا کروں؟'' اس

نے ہی تماشائیوں سے پوچھا، پھر خود ہی کہنے لگا۔ ''کچھ نہ کچھ کرنا چاہئے۔''

اس بات پر ہال میں چہ مگوئیاں ہونے لگیں۔ تماشائی بوڑھے سلیمان بے سے بہت متاثر نظر آ رہے تھے۔ یکا یک اسے کھجلی ہونے لگی اور اس نے اپنا گاؤن جھنجوڑنا شروع کر دیا۔ گاؤن ملگجے کپڑے کا بنا ہوا تھا۔ کوئی تصور نہیں کر سکتا تھا کہ اس میں اتنی بہت سی چیزیں چھپی ہوئی ہوں گی۔ پہلے تو اس نے اپنے اطوار سے یہ ظاہر کر دیا تھا کہ اس کے پاس کچھ نہیں ہے پھر دیوانگی کے عالم میں اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ وہاں سے خرگوش برآمد ہوا۔ اوپر کی جیب سے ایک سانپ، اندر کی جیب سے کبوتر، اوپر کی دوسری جیب سے بلی کا چھوٹا سا بچہ۔ سارا ہال تالیوں سے گونج رہا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ بلند کر کے تماشائیوں کو خاموش کیا اور دوبارہ اپنے گاؤن کو اچھالنے لگا۔ اس کی جیبوں سے یکے بعد دیگرے متعدد جانور برآمد ہوئے۔ کہیں سے کوئی چوہا، کہیں سے کوئی بلی، کہیں سے کوئی نیولا، جین کے علاوہ اب سارا ہال بھی حیرت زدہ تھی۔ سلیمان بے نے ان سب کو دوبارہ اپنی جیبوں میں ٹھونس لیا اور گاؤن اتار دیا۔ اس نے چٹکی بجا کر ایک بڑا اور گہرا طشت منگوایا جس میں آگ بھڑک رہی تھی۔ کسی جھجک کے بغیر اس نے اپنا گاؤن آگ میں ڈال دیا۔ تماشائیوں کی ''سی'' نکل گئی۔ ایک سکوت طاری تھا۔ جب گاؤن جل کر راکھ ہو گیا تو وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا پھر اس نے اچانک اٹھ کر اسپارٹا کو آواز دی۔ ''اسپارٹا، اسپارٹا! میرے عزیز پانی لاؤ۔'' اسپارٹا بھاگا ہوا آیا۔ اس نے اپنے استاد کے اشارے پر طشت میں پانی ڈال دیا۔ آگ بجھ گئی۔ سلیمان بے سر پر ہاتھ رکھ کر تاسف کا اظہار کرتا ہوا طشت کے پاس پہنچا مگر پھر طشت میں جھانک کر اچھلنے لگا۔ اس نے ہاتھ ڈال کر تمام جانور صحیح و سلامت نکالنے شروع کر دیئے، لوگ ہال میں نشستوں سے اٹھ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

میں نے انکا کو ٹٹولنے کے لئے۔ ''کیا خیال ہے؟''

''میں تمہاری آنکھوں سے دیکھ رہی تھی، اپنی آنکھوں سے مجھے کچھ نظر نہیں آتا؟'' انکا نے تنائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

تالیوں کا شور تھمتا ہی نہ تھا۔ جم اور جین بھی داد دینے والوں میں شریک تھے۔ سارا اور میں کچھ دیر تالیاں بجا کر خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد سلیمان نے دو تین کمالات اور دکھائے انہوں نے اب تک کوئی چیلنج نہیں کیا تھا اس لئے میں اپنی نشست پر خاموش بیٹھا ہوا پہلو بدل رہا تھا۔ اچانک اسپارٹا نے آگے آ کر مجھ سے پوچھے بغیر اعلان کر دیا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''معزز حاضرین! یہاں ہندوستان کے ایک دور افتادہ عمل کے ماہر مسٹر دولت علی خان موجود ہیں، انہوں نے ایک بار پہلے بھی اس تماشے میں شرکت کی تھی اور اپنی غیر معمولی صلاحیتوں سے ہمیں چونکا دیا تھا۔ میں نے اپنے استاد سے ان کا ذکر کیا ہے۔ میرے استاد اور میں دونوں اس بات کے خواہش مند ہیں کہ وہ اسٹیج پر تشریف لائیں اور اپنے

بہت سے کمالات سے ہمیں محظوظ کریں۔ میرے استاد سلیمان بے انہیں بعض کمالات میں چیلنج
ارادہ بھی رکھتے ہیں۔ اگر مسٹر دولت علی بھی یہ چیلنج سن کر خوش دلی سے قبول فرمائیں۔''

اسپارٹا کی اس تقریر دل پذیر کے بعد ہال میں چاروں طرف نگاہیں دوڑنے لگیں۔ جین اور
اکسانے لگے۔ ''دولت علی! جاؤ مجھے یقین ہے کہ تم کچھ باتیں جو ہماری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں
کی کوشش کرو گے۔''

میں ہچکچاتا رہا۔ جین اصرار کرنے لگی البتہ سارا اب محتاط نظر آ رہی تھی۔ اسپارٹا بار بار مجھے
دے رہا تھا۔ آخر بہت ردوقدح کے بعد میں اٹھا اور اسٹیج پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے اسپارٹا
سے مائیک لے لیا اور مہذب انداز میں حاضرین سے مخاطب ہوا، میں نے کہا۔ ''میں کوئی
تنویمی عمل کا ماہر نہیں ہوں، نہ ہی میرا ارادہ ان معززین سے معرکہ آرائی ہے، اسپارٹا کی خواہش
اخبارات میں کسی مقابلے کا اعلان کیا جائے۔ میں نے انکار کر دیا تھا کہ میں کوئی پیشہ ور شخص نہیں
رفتہ رفتہ میں نے اپنے لہجے میں زور پیدا کر لیا اور خود اپنے مظاہرے دکھانے کے بجائے سلیمان
اسپارٹا سے درخواست کی کہ وہ خود کوئی کارنامہ دکھائیں۔ اگر ان کا کوئی توڑ ممکن ہوا تو جواب
کوشش کی جائے گی۔ ساتھ ہی میں نے انکا کو مستعد رہنے کا اشارہ کیا۔ میرے انکسار کا تماشائیوں
اثر پڑا اور سب لوگوں کی آنکھیں اسٹیج کی جانب مرکوز ہو گئیں۔

سلیمان بے نے میری تقریر کے بعد سر خم کر کے تماشائیوں سے اجازت لی۔ پھر یکلخت بے
مجھے گھورنے لگا۔ اس نے اپنا پنجہ میری طرف کر کے کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔ میں اعتماد سے کھڑا
رہا۔ اسٹیج سے میں نے جین اور سارا پر ایک نظر ڈالی، جین کی آنکھوں میں حیرت تھی اور سارا کی
سے خوف مترشح تھا۔ سارا سے نظر بچاتے ہوئے میں نے جین کو آنکھ کا اشارہ کیا۔ ''جمیل بے
نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے اسٹیج کی طرف نظر دوڑائی تو وہاں دھواں دھواں نظر آ رہا تھا۔ ایسا
میں اسٹیج کی ہر چیز صاف نظر آ سکے۔ اس دھوئیں میں اسٹیج پر بجلی کا کوندا لپکا اور پھر اس وقت میری
کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے پلک جھپکتے ہی ایک وحشی کو وہاں موجود پایا۔

اسی لمحے اسپارٹا حاضرین کی جانب دیکھ کر بلند آواز میں بولا۔ ''معزز خواتین و حضرات
معلوم ہے یہ کون ہے؟ یہ حبشی، فرعون طمخ آمن کا وفادار غلام سہوان ہے، کچھ دیر پہلے اس کی
مصر کے ایک نامعلوم مدفن میں بے حس و حرکت پڑی تھی، اب میرے استاد سلیمان بے
کے سامنے زندہ صورت میں موجود ہے۔ میں مسٹر دولت علی سے درخواست کرتا ہوں کہ سہوان
اسی طرح اہرام مصر کے سفر پر روانہ کر دیں۔''

''جمیل۔'' انکا ہونٹ چباتے ہوئے غصے سے بولی۔ ''اجازت ہو تو میں اس شعبدے

بنا دوں۔''

''نہیں۔'' میں نے انکا کو منع کیا۔ پھر حاضرین سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''میں تسخیر ارواح کے علم
میں سلیمان بے اور اسپارٹا کی مہارت کا قائل ہوں لیکن کسی ممی سے الجھنا اور اسے اذیت دینا میرے لئے
نامناسب ہے۔ میں اسے اپنے لئے بہتر نہیں سمجھتا۔ جو روحیں ایک عرصے سے عالم بالا میں سکون کے
ساتھ مقیم ہیں، انہیں کرب میں مبتلا کرنا میرے اصول کے خلاف ہے، میں معذرت خواہ ہوں۔''

اسپارٹا نے جوب سن کر بڑے فخر کے ساتھ فتح کے اظہار کے طور پر اپنا سیدھا ہاتھ بلند کیا تو ہال
تالیوں سے گونج اٹھا۔ پھر بوڑھے سلیمان بے نے ایک قلابازی کھائی اور اپنا سر زمین پر ٹپکا۔ اس کی اس
مضحکہ خیز حرکت کے ساتھ ہی اسٹیج پر دوبارہ صاف و شفاف دھواں پھیل گیا۔ واضح طور پر کھڑا ہوا حبشی
اس دھوئیں میں غائب ہو گیا۔ ہال میں لوبان کی ایک مہک دوڑ گئی۔ دو تین روشنیاں پہلے ہی گل کر دی گئی
تھیں۔ اس کے بعد اسپارٹا نے دوسرا عمل کیا۔ اس بار اچانک ایک حسین عورت پر اسٹیج نمودار ہوئی۔ وہ
سلیمان بے کے ایک عمل سے بے حس و حرکت ہو گئی۔ سلیمان بے نے اس پر تلوار سے حملہ کیا۔ شدید
ضربیں لگائیں۔ ایک کوڑا لے کر اسے بری طرح مارا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی لیکن سلیمان بے کے
اشارے پر وہ دوسرے ہی لمحے متحرک ہو گئی۔ اسپارٹا نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے مجھے اس بات
کی دعوت دی کہ میں دوبارہ اس عورت کو مجسمے کی شکل میں تبدیل کر دوں۔ انکا نے اسپارٹا کا چیلنج قبول کرنا
چاہا لیکن میں نے اسے پھر منع کر دیا۔ میں نے دوبارہ معذرت پیش کر دی۔ اسپارٹا کے چہرے پر فاتحانہ
سرخی دمک اٹھی۔ ہال میں سے کسی نے مجھ پر ہوٹنگ کی۔ ''دولت علی! واپس آ جاؤ۔ یہ تمہارے بس
کا روگ نہیں ہے۔'' میں نے دیکھا، سارا تلملائی ہوئی تھی۔ جم بت بنا بیٹھا تھا اور جین کے لبوں پر خوف
زدہ سی مسکراہٹ تھی۔ ہال میں اسپارٹا کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا جا رہا تھا۔ انکا سخت طیش کی
حالت میں تھی۔ میں نے عالم تصور میں دیکھا۔ اس کی آنکھیں خوفناک ہو گئیں تھیں۔

''جمیل! تمہارے دل میں کیا ہے؟ کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟ تم نے آخر سوچا کیا ہے؟ کیا میری
بات کا برا مان گئے ہو؟''

''فکر نہ کرو میری گل اندام!'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہیں مایوس نہیں کروں گا۔''
تماشائیوں کی بے چینی اب ختم سی ہو رہی تھی۔ بہت سے لوگ مجھے کوئی دیوانہ سمجھ رہے تھے۔ اسپارٹا
فاتحانہ اچھل رہا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ لہرا رکھے تھے۔ یہ ہنگامہ ختم ہوا تو اسپارٹا نے تیسرا مقابلہ
شروع کرنے کا اعلان کیا۔

سلیمان بے کے ہاتھوں میں کئی خنجر دیئے گئے۔ اسی وقت اسپارٹا کی آواز گونجی۔ ''معزز خواتین و
حضرات! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ جب تک ہمارا مظاہرہ ختم نہ ہو، آپ کسی قسم کی آواز منہ

سے نکالیں۔ خاص طور پر خواتین سے میری درخواست ہے کہ وہ ضبط وتحمل کا ثبوت دیں۔" جیسے ہی اس کی بات ختم ہوئی، سلیمان بے نے ایک خنجر زور سے ایک پردے پر مارا، پردہ چر سے پھٹ گیا۔ دکھانا مقصود تھا کہ خنجر کی دھار کس قدر تیز ہے۔ پھر اس نے اسی خنجر کا نشانہ لیا اور اسے اسپارٹا کے پیٹ میں پیوست کردیا۔ اسپارٹا دھڑام سے گر پڑا۔ سلیمان بے نے اسی پر بس نہیں کیا اور دوسرے خنجروں سے درپے کئی وار کئے۔ اسپارٹا کا جسم لہولہان ہوگیا اور اس کی گردن ڈھلک گئی۔ سلیمان بے کو جیسے ہوش آیا۔ وہ چیخنے، چلانے اور دھاڑنے لگا۔ اس نے گریہ وزاری سے آسمان پر سر اٹھالیا۔ تماشائی انگشت بدنداں تھے۔ اسپارٹا کا خون اسٹیج پر بکھرا ہوا تھا۔ اس کی گردن لٹک گئی تھی پھر سلیمان بے نے تالی بجائی۔ عقب سے تمارا برآمد ہوئی۔ اسپارٹا کی یہ حالت دیکھ کر اس کی چیخ نکل گئی اور اس نے سلیمان بے کا گریبان پکڑ لیا۔ ناتواں بوڑھے نے پوری قوت سے اسے دھکیل دیا، وہ اسپارٹا کے بے جان جسم کے قریب گر پڑی۔ بوڑھا آہستہ آہستہ اسپارٹا کے نزدیک آیا اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔ اس نے تمارا کو اشارہ کیا کہ وہ خنجر اسپارٹا کے جسم سے نکال لے۔ تمارا نے اس کے حکم کی تعمیل میں خنجر ایک ایک کرکے اسپارٹا کے جسم سے نکالنے شروع کردئے۔ جب سارے خنجر نکالے جاچکے تو بوڑھے نے ایک طویل پردہ اسپارٹا کے جسم پر ڈال دیا۔ ہال کی روشنیاں بجھادی گئیں اور بوڑھے کی غضب ناک آواز ہال میں گونجی۔ اس کے الفاظ عام سمجھ سے بالاتر تھے۔ وہ خاموش ہوا تو ہال دوبارہ روشن کردیا گیا۔ اسپارٹا کی لاش ویسی کی ویسی پڑی ہوئی تھی۔ میں بھی ایک کونے میں کھڑا یہ سارا تماشا دیکھ رہا تھا۔ بوڑھے سلیمان بے کے منہ سے مبہم الفاظ ادا ہونے پر سیاہ پردے میں حرکت ہوئی اور وہ اوپر معلق ہوگیا۔ ایک خاص اونچائی پر جاکے طویل پردے سے ڈھکی ہوئی لاش ٹھہر گئی اور اس نے مجمع کی طرف رخ کرنا شروع کردیا۔ وہ اسٹیج سے نیچے اتر گئی اور لوگوں کے درمیان سے گزرتی ہوئی دوبارہ اسٹیج پر آئی اور زمین پر ٹک گئی۔ سلیمان بے نے تمارا کو اشارہ کیا کہ وہ پردہ ہٹادے۔ تمارا نے جھجکتے جھجکتے پردہ اٹھادیا۔ اسپارٹا صحیح سلامت موجود تھا۔ وہ ایک انگڑائی لے کر اٹھا اور اس نے تماشائیوں کی طرف داد طلب نگاہ ڈالی۔ ہال میں ایک شور برپا تھا۔ کوئی پانچ منٹ تک لوگ تالیاں بجاتے اور شور کرتے رہے۔ پھر مجمع پر سکوت طاری ہوا تو اسپارٹا نے میری جانب طنزیہ دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ میرے استاد جناب سلیمان بے کے ادنیٰ کرتبوں میں سے ایک تھا۔ اس کے بعد میں مسٹر دولت علی خان سے کوئی درخواست نہیں کروں گا۔ وہ ہمارے مہمان ہیں۔ اس لئے میں انہیں شرمندہ نہیں کرنا چاہتا۔ ہاں اگر اپنے طور پر اور اپنی مرضی سے مظاہرہ کریں تو مجھے خوشی ہوگی۔"

"جمیل!" انکا غصے میں بولی۔ "یہ دو ٹکے کا شعبدے باز تمہاری توہین کر رہا ہے اور تم چپ کھڑے ہو؟" میں انکا کی بات سن کر سنجیدگی سے آگے بڑھا اور تماشائیوں سے مخاطب ہوکر بولا۔

"معزز حاضرین! آپ نے اسپارٹا اور اس کے استاد محترم سلیمان بے کے حیرت انگیز کمالات دیکھے۔ میں ان کمالات کے بارے میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ سلیمان بے نے جو مظاہرہ کیا ہے وہ اس کی محنت اور طویل ریاضت کا ثمر ہے۔ مسٹر اسپارٹا نے مجھے شرمندگی سے بچانے کے لئے جو فراخ دلانہ پیش کش کی ہے، میں اسے مسترد کرتا ہوں۔ میں نے آپ کی دلچسپی کے لئے تمام کمالات دیکھ لئے۔ لیکن اب مجھے کچھ کرنا چاہئے۔" پھر میں نے اسٹیج سے جین کو مخاطب کیا۔ "کیوں جین، اب کچھ ہوجائے؟"

"ہاں ہاں دولت علی! اب شروع ہوجاؤ۔" جین کے بجائے جم نے زور سے کہا۔ سارا کے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکل رہا تھا۔ انکا پہلے ہی میرا اشارہ پاکر سر سے رینگ چکی تھی۔ میں نے ہجوم کی طرف دیکھ کر کہا۔ "میں درخواست کرتا ہوں کہ کوئی خاتون اسٹیج پر تشریف لائیں تاکہ میں مسٹر اسپارٹا کے چیلنج کا جواب دے سکوں۔ میں محترم خاتون کو تمام تر تحفظ کا یقین دلاتا ہوں۔"

چند لمحوں تک کسی خاتون نے اپنی نشست سے اٹھنے کی جرأت نہیں کی۔ اسپارٹا کے آخری مظاہرے نے خواتین کو بری طرح خوف زدہ کردیا تھا۔ وہ تفریحاً بھی کوئی خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھیں۔ کچھ دیر تک ہال میں سکوت طاری رہا۔ پھر میں نے ایک خود ایک دبلی پتلی لڑکی کو اشارہ کیا۔ وہ شرمانے لگی لیکن میرے اصرار سے اسٹیج پر آگئی۔ تماشائیوں نے اس لڑکی کی جرأت دیکھ کر تالیاں بجائیں۔ اس کا نام سوزی تھا۔ میں نے شفقت بھری نظروں سے اسے دیکھا اور اس کی پیٹھ ٹھونک کر ثابت قدم رہنے پر زور دیا۔ اس کے اسٹیج پر آنے کے بعد میں کسی ماہر شعبدے باز کی طرح اچھل کود کرتا رہا اور اپنے سر پیر پھینکتا رہا۔ میں نے ہندوستانی پنڈتوں کے انداز میں اول جلول حرکتیں کیں، جن کا مجھے گہرا تجربہ تھا۔ پھر میں نے سارا اور جین کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ "اجازت ہے؟"

انہوں نے اثبات میں سر ہلایا "ٹھیک ہے۔" میں نے کہا اور سوزی کو مخاطب کیا۔ "لڑکی! تم جان گئی ہو کہ میں کون ہوں۔ میں دولت علی تمہیں حکم دیتا ہوں کہ سچے دل سے انکا دیوی کا نام لو اور آگے بڑھ کر اس چرب زبان شخص اسپارٹا کو اپنی انگلی پر اٹھانے کی کوشش کرو۔"

دبلی پتلی سوزی غیر معمولی تیزی سے آگے بڑھی۔ اسپارٹا مضحکہ خیز انداز میں مسکرا رہا تھا لیکن اس وقت وہ بھی دنگ رہ گیا جب سوزی نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر اسے فضا میں اچھال دیا اور جب وہ گرنے لگا تو ایک انگلی پر اس کا جسم روک لیا۔ لڑکی کا ہاتھ بلند تھا اور اسپارٹا اس کی انگلی پر فضا میں ٹھہرا ہوا تھا۔ ہجوم کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ لڑکی کے بلند ہاتھ کی صرف ایک انگلی پر جسیم وشحیم اسپارٹا چاروں خانے چت اٹھا ہوا تھا۔ میں نے سلیمان بے کو مخاطب کیا۔ "استاد محترم! کیا آپ اس لڑکی کی طرح مجھے یا اسپارٹا کو اپنی انگلی پر اٹھانے کی زحمت گوارا کریں گے؟"

"یہ فن کا کمال ہے، میں تمہیں داد دیتا ہوں۔" یہی صورت اس کی نجات کی تھی، اس نے خوب

صورتی سے مجھے ٹال دیا۔ جین، سارا اور جم اچھل اچھل کر مجھے مبارک باد دے رہے تھے۔ جیز آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ سارے ہال میں سنسنی دوڑی ہوئی تھی۔ ''مسٹر اسپارٹا!'' میں اسے مخاطب کیا۔ ''کیا تم اتنے مجبور ہو گئے ہو کہ ایک کمزور لڑکی کی انگلی سے نیچے نہیں آ سکتے؟'' اسپارٹا طرح اچھل رہا تھا لیکن وہ اس مضبوط انگلی سے نجات پانے میں ناکام ہو گیا تھا۔ اس کا استاد سلیمان بھی پریشان تھا۔ اسپارٹا دہشت زدہ تھا اور شکست قبول کرنے پر آمادہ نظر نہیں آتا تھا۔ میں نے سلیمان بے کو دوبارہ للکارا۔ وہ لڑکی سوزی اس طرح کھڑی تھی جیسے اس کی انگلی پر کوئی کھلونا ہو۔ رفتہ رفتہ ہال میں سرگوشیاں ابھرنے لگیں۔ پھر قہقہے، لوگوں کا ہنستے ہنستے برا حال ہو گیا۔

اس ہنگامے سے مجھے خوب لطف آ رہا تھا۔ میں اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکا۔ سلیمان بے اور اس کے پورے طائفے پر سوگ طاری تھا۔ اسپارٹا جب خوب اچھل کود مچا چکا تو میں نے سلیمان بے کی طرف دیکھا۔ ''کیا خیال ہے؟'' میں نے کہا۔ سلیمان بے نے مجھے اشارہ کیا اور میں نے لڑکی کو حکم دیا۔ ''اچھی لڑکی، پیاری سوزی! تم تھک تو نہیں گئیں؟''

''نہیں، میں اسے سارے ہال میں گھما سکتی ہوں، اس کا وزن ہی کیا ہے؟'' سوزی نے جواب دیا۔

''تو پھر ذرا اپنی قوت کا مظاہرہ کرو۔''

سوزی اپنی انگلی پر آسانی سے اسپارٹا کو لئے ہوئے اسٹیج کی سیڑھیوں سے نیچے اتری اور ہال کا ایک چکر لگا کر واپس آ گئی۔ یہ ایک دلچسپ تفریح ثابت ہوئی۔ لوگوں نے اپنی نشستوں سے کھڑے ہو کر اسپارٹا سے دل لگی کی جو نیچے اترنے کی تمام تر کوشش کے باوجود کام ہو گیا تھا۔

''اچھا اب اسے نیچے اتار دو، بے چارہ تھک گیا ہوگا۔'' میں نے حکم دیا۔ لڑکی نے ایک جھٹکے سے اسپارٹا کو زمین پر پٹخ دیا۔ وہ ایک چیخ مار کر اٹھا اور میرے پاس آ کر میر کمری ٹھونکنے لگا۔ انکا میرے سر پر آ گئی تھی اور ہال تالیوں کے شور سے گونج رہا تھا۔

''حاضرین!'' میں اسٹیج کے درمیان آ کر بولا۔ استاد سلیمان بے اور ان کے لائق شاگرد کی دل کی بھڑاس شاید ابھی نہ نکلی ہو، ابھی تو خود میں بھی اس تماشے سے کچھ زیادہ محظوظ نہیں ہوا ہوں۔ میں سلیمان بے جیسے بڑے استاد کو ایک لمحے میں اپنے احکام کی تعمیل پر مجبور کر سکتا ہوں۔ میرا خیال ہے اس کے بعد اس شو کی کوئی گنجائش نہیں رہے گی۔''

''یہ ناممکن ہے۔'' اسپارٹا چیخا۔ ''استاد سلیمان بے زبردست قوت ارادی کے مالک ہیں۔''

''انہیں یقیناً ناکامی ہوگی۔'' سلیمان بے نے میری طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''میں انہیں اس کی اجازت دیتا ہوں۔''

میں نے چٹکی بجائی۔ ''میں لمحوں کی دیر نہیں لوں گا۔'' میرے یہ کہتے ہی انکا میرے سر سے اتر گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے استاد سلیمان بے خود بخود نادم سا ہوا اور گردن خم کر کے میرے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اسپارٹا حیرت سے میرا منہ تکنے لگا۔

جب انکا کسی کے سر پر چلی جائے تو کیا ہوگا۔ میں نے جو چاہا وہ سلیمان بے سے کرا دیا۔ اس کی بڑی رسوائی ہوئی۔ میں نے اسے اسٹیج پر مرغا بنوا دیا۔ میں نے اسپارٹا کے گال پر طمانچے لگوائے۔ میں نے اس سے اس کے شاگرد کے منہ پر تھکوا دیا۔ میں نے اسے کتے کی طرح بھونکنے پر مجبور کر دیا۔ وہ بلی کی طرح میاؤں میاؤں بولا۔ اس نے اپنے بالائی کپڑے اتار دیئے۔ میرے اشارے پر وہ زار و قطار رونے لگا اور پھر بے تحاشا ہنسنے لگا۔ اس شب کیا کیا نہ ہوا۔ کم بخت اسپارٹا مجھے کئی بار پریشان کر چکا تھا۔ اسے مزہ تو چکھانا ہی تھا۔ جین پوری طرح متاثر نظر آ رہی تھی۔ میں نے سلیمان بے کو حکم دیا کہ وہ اس کے پیروں پڑ کر معافی مانگے اور اعتراف کرے کہ اس نے شکست قبول کر لی ہے۔ بوڑھا سلیمان بے جین کے قدموں میں جا کر جھک گیا اور گڑگڑا کر معافی مانگنے لگا۔

جب وہ اسٹیج پر واپس پہنچا تو میں نیچے اتر آیا۔ اسی وقت پردہ گرا دیا گیا۔ تماشائی تالیاں بجاتے اور شور مچاتے ہوئے اٹھے۔ میرے گرد تمام لوگوں کا ہجوم ہو گیا۔ میں بڑی مشکل سے راستہ بناتا ہوا وہاں سے نکلا۔ جین نے فرط مسرت سے میرا بازو پکڑ لیا تھا۔ جم میری پذیرائی میں پیش پیش تھا۔ سارا کی آنکھوں میں مسرت کے آنسو تھے۔ ہم لوگ جب باہر آئے تو آٹوگراف کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جم مجھے فوراً گاڑی میں لے گیا۔ مجھے یاد ہے اس وقت ایک ہندوستانی نوجوان مسعود میرے پاس آیا تھا۔ میں نے اسے جلدی سے اپنے ہوٹل کا پتا بتا دیا تھا۔ بڑی مشکل سے ہماری گاڑی وہاں سے کھسکی۔ ہم لوگ سارا کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے بھر جین میری شکل دیکھتی رہی جیسے میں کوئی عجوبہ ہوں۔ میں یہی چاہتا تھا۔ یہ میری زندگی کا سب سے بڑا مظاہرہ تھا۔ جین کو انکا کے ذریعے سر کیا جا سکتا تھا مگر اس میں لطف نہ آتا کیونکہ ایسی صورت میں ہمیشہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی سوئی ہوئی لڑکی سے خواب میں باتیں ہو رہی ہوں یا کوئی بے ہوش لڑکی دیوانگی میں حرکت کر رہی ہو۔ وہ پُر لطف گریز جو ہوش میں ہوتا ہے، وہ سپردگی کی مدہوشی میں کہاں؟ بدقسمتی سے سارا اور جم کی موجودگی میں آتش بدن جین سے کوئی خاص گفتگو نہیں ہو پا رہی تھی۔ میرا جی اس سیماب صفت نازنین سے دل کی دو باتیں کرنے کے لئے مچلا جو رہا تھا۔ سارا کے گھر ہم نے ہلکا سا ڈنر لیا اور جلد ہی امرائے لندن کلب کی طرف روانہ ہو گئے۔



ہم امرائے لندن کے کلب کی طرف جا رہے تھے۔ جم کے علاوہ دونوں لڑکیاں میری صلاحیتوں کے بارے میں بے تحاشا حیرتوں میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ جب انہوں نے بہت زیادہ تعریف کی تو مجھے

ندامت اور کمزوری سی محسوس ہونے لگی۔ کاش میں واقعی کوئی طاقتور شخص ہوتا۔ ایک مرتبہ مالا کو سپرد کرتے وقت پجاری پریتم لال نے کنیا دان کے ساتھ مجھے شکتی بھی دان کی تھی۔ اس شکتی نے کئی بار میرا تحفظ کیا تھا پھر بھی اس سے کچھ زیادہ فائدہ نہیں اٹھا سکا تھا اس لئے مجھے اس سے فائدہ اٹھانے کے معلوم نہیں تھے۔ پھر کلپنا نے میری مدد کی، میں نے اپنی آنکھوں سے بدری نرائن اور سادھو جگدیو پریتم لال کی شکتی دیکھی۔ میں نے برکاتی شاہ کے ساتھ جتنے دن گزارے اور اس کی جتنی کرامتیں دیکھیں وہ اگر یہ لوگ دیکھ لیتے تو نہ جانے ان کا کیا حال ہوتا؟ میری تعریف انکا کی تعریف تھی۔ سارا، جم اور جین کو کیا معلوم تھا کہ میں ایک ہاتھ سے معذور شخص اس جسمانی سقم کے سوا جس میں کوئی روحانی قوت بھی نہیں ہے۔ وہ تو چھوٹی سی، خوب صورت دوشیزہ ہے جو یہ مہمات سر کرتی ہے اور جسے کوئی بھی مجھ سے چھین ہے۔ اس رات مجھے اپنی کم حیثیتی کا شدید احساس ہوا۔ انکا سے میں نے ایک مغائرت سی محسوس

میں نے خود پر لعن طعن کی کہ اتنے طویل عرصے تک غیر معمولی ماورائی اور مابعد الطبیعاتی مظاہر کا مشاہدہ کرنے کے باوجود میں نے جگدیو، بدری نرائن اور برکاتی شاہ وغیرہ بننے کی کوشش کیوں نہیں کی۔ جگدیو کو انکا کی ضرورت نہیں تھی...... بدری نرائن مجھے نہتا کرنے کے لئے انکا کا طالب تھا۔ برکاتی شاہ ایک بے نیاز شخص تھا۔ یہ سب اپنی ماورائی طاقتوں کے سبب مطمئن اور مضبوط لوگ تھے۔ میں انکا کو نفی کر کے بعد کیا تھا۔ کلدیپ ہی نے بہت کم مدت میں کٹھن تپسیا کر کے خود کو ایک طاقت ور ہستی بنا لیا تھا۔ ہمیشہ سہارے اور پناہیں ڈھونڈتا رہا یا پھر انکا کی طلب میں مارا مارا پھرتا رہا۔ خود میں نے کیا کلدیپ کی طرح دنیا سے الگ تھلک ہو کر روحانی طاقتیں حاصل کرنے میں منہمک کیوں نہیں ہوا میرا تصور مجھے ہندوستان میں لے گیا۔ میں خیالوں کے دوش پر پریتم لال کے اس ہرے بھرے استھان پر پہنچا جہاں کلدیپ بیٹھی مالا جپ رہی ہوگی اور ترزمین اس کی کٹیا میں پانی لا رہی ہوگی۔ جم، جین اور میں اسپارٹا سے ہونے والے مقابلے پر بحث ہو رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ ہندوستان واپس جا کر کلدیپ کے ساتھ کوئی تپسیا شروع کر دینی چاہئے۔

کلب میں داخل ہو کر بھی مجھ پر اداسی طاری رہی۔ کلب کا ماحول وہی تھا جس کا تذکرہ میں بھی کر چکا تھا۔ ہم سب ایک بڑی میز پر بیٹھ گئے۔ سارا نے مجھے ٹٹولا کہ مجھے اچانک کیا ہو گیا میں نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی اور جب جین نے مجھ سے کہا کہ "دولت علی! کیا غریب سلیمان ترس آ رہا ہے؟" تو میں بغیر مسکرائے نہ رہ سکا اور مجھے جلد ہی کلب کے رنگین ماحول نے اپنی میں لے لیا۔ ذہن سے سب غبار چھٹ گیا۔ جین کے موتی جیسے سفید دانت، میں ان لبوں کے رس رہا تھا اور میں اسے دیکھ کر کوئی ایسا نوجوان بن گیا تھا جس کی زندگی میں پہلی مرتبہ کوئی لڑکی داخل ہو جس کے جسم میں گدگدی سی ہو رہی ہو۔ اب جانا ہی ہے۔ پھر یہ ماحول کہاں نصیب ہوگا۔ یہ

تیں نے ہنگامہ کرنا شروع کر دیا۔ جین اپنے بارے میں جاننے کے لئے مضطرب تھی۔ میں نے تخلیے کی شرط لگائی۔ سارا اور جم میز سے اٹھ کر جانے لگے تو جین نے انہیں روک لیا۔ کلب میں رقص کا بازار گرم تھا۔ سارا، جم کے ساتھ اٹھ گئی۔ مجھے جین سے اپنے ٹوٹے ہوئے ہاتھ کی معذرت کرنی پڑی لیکن وہ مجھے کھینچ کر فلور پر لے گئی۔ ایک ہاتھ کے بغیر رقص، اس کا تجربہ مجھے ایک بار پہلے بھی ہو چکا تھا۔ مجبوراً مجھے بے ہنگم رقص کے لئے تیار ہونا پڑا۔ جب وہ میرے سینے سے لگ گئی اور اس کا خوشبودار بدن مجھ سے قریب ہوا تو میری آنکھوں میں خمار آ گیا۔ رقص کے دوران میں نے بہت سی ان کہی، کہہ دیں۔ کچھ اس کے بارے میں، کچھ اپنے بارے میں کہا۔ کچھ حسن کا ذکر کیا، کچھ اپنی ہوس انگیز طبیعت کا۔ لیکن رقص میں مجھے خفت اٹھانی پڑی اور میں پہلے ہی راؤنڈ کے بعد اسے لے کر واپس میز پر آ گیا۔ اسی وقت ایک بیرا میرے پاس آیا۔ اس نے مجھ سے پریشانی کے لہجے میں جم کے بارے میں پوچھا۔

"ان کا ایک اہم فون آیا ہے۔"

"وہ وہاں رقص کر رہا ہے۔" میں اس کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

جم رقص چھوڑ کر مجھ سے معذرت چاہتا ہوا کلب کے دفتر پہنچ گیا اور تھوڑی دیر میں پریشان سا میرے پاس آیا۔ "میں معذرت چاہتا ہوں۔" وہ کہنے لگا۔ "مجھے ہیڈ کوارٹر طلب کیا گیا ہے۔ پولیس کو ایک مکان سے چھ لاشیں دستیاب ہوئیں ہیں، مجھے فوراً جانا ہوگا۔"

"چھ آدمیوں کی لاشیں؟" میں نے تعجب سے کہا۔ "یہ تو خاصا بڑا کیس ہے!" جم کی زبانی یہ خبر سن کر مجھے تشویش ہونے لگی۔

"ہاں۔ حالانکہ اس قسم کے معاملات سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے لیکن پرانے دوست کسی بھی پیچیدہ معاملے میں مجھے طلب کر لیتے ہیں۔"

"کیا میں تمہارے ساتھ چلوں؟" میں نے کہا۔

"اس وقت نہیں، لیکن شاید مجھے تمہاری ضرورت پڑے۔"

جم نے دوبارہ معذرت چاہی اور فوراً وہاں سے روانہ ہو گیا۔ جین نے اسے الوداع کہا۔ گفتگو کا موضوع بدل گیا تھا اور قتل و خون کے واقعات پر جین تیزی سے بول رہی تھی۔ اس کا تعلق سیکرٹ سروس سے تھا۔ جم بھی اسی محکمے سے وابستہ تھا۔ میں حیرت سے اس کی باتیں سن رہا تھا جیسے قتل کے واقعات میرے لئے انوکھے ہوں۔ میں بار بار تعجب کا اظہار بھی کر رہا تھا۔ انکا بھی اس کی طرف مسکرا کر دیکھ رہی تھی۔ سارا کچھ تھکی ہوئی، مضمحل سی معلوم ہوتی تھی۔ میں چاہتا تھا، وہ گھر چلی جائے یا کہیں اور مصروف ہو جائے تا کہ میں اور جین تنہا رہ جائیں۔ آج رات جین کو کہیں لے جا کر اس کے طوفان حسن میں غرق ہونے کا ارادہ تھا۔ مجھے اب یہ کوئی مشکل کام معلوم نہیں ہو رہا تھا۔ جین ہر لمحے مجھ سے متاثر ہو رہی تھی اور

میں اس سے۔ رات گزر رہی تھی، اس اثنا میں میرے نام جم کا فون آیا۔ وہ مجھ سے ہیڈ کوارٹر درخواست کررہا تھا۔ یہ بات میرے لئے خاصی تشویش ناک تھی لیکن مجھے یہ معاملہ جلد سے جلد کے لئے فوراً یہاں سے روانہ ہونا چاہئے تھا۔ جین اور سارا کو معاملے کی نوعیت بتا کر ہم نے اٹھنے کا ارادہ کیا۔ ہم فوراً کلب سے اٹھ آئے۔ جین اپنی گاڑی میں مجھے ہیڈ کوارٹر چھوڑتی ہوئی رخصت ہوگئی۔ سارا بھی اس کے ساتھ تھی۔ مجھے ایک سپاہی نے عزت کے ساتھ ایک کمرے جہاں برطانیہ کے ماہر سراغ رساں اور پولیس افسر موجود تھے۔ جم نے ان سب سے میرا تعارف ان سب کو میری ظاہری حالت پر یقیناً حیرت ہوئی ہوگی۔ میں پیش ور آرٹسٹوں، میری سادھوؤں اور پنڈتوں جیسا نہیں تھا بلکہ بالکل عام آدمی کی طرح تھا۔ جم نے مجھے تفصیل سے محل وقوع اور قتل ہونے والے چھ آدمیوں کی زندگی کے متعلق بتایا۔ وہ چھ آدمی پہلے بھی میں ملوث ہو چکے تھے اور لندن میں شورہ پشت غنڈوں کی حیثیت سے مشہور تھے۔ یہ حادثہ پولیس میں دیر سے آیا اس لئے کہ اس مکان میں عرصے سے کوئی مقیم نہیں تھا۔ لیکن ہوا یہ کہ ایک اور شخص، ایک لڑکی کو اغوا کر کے اپنی ہوس پوری کرنے کے لئے وہاں لے گیا۔ جب وہ اندر داخل اسے ایک ساتھ چھ لاشیں خون میں لت پت نظر آئیں۔ وہ شخص یہ خونیں منظر دیکھ کر پہلے تو حواس پھر اس نے مقتولوں کی جیبوں کی تلاشی لی اور ان کے پستول اپنی جیب میں بھرنے شروع مظلوم لڑکی جو کسی ایسے ہی موقع کی منتظر تھی، وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئی اور اس نے پولیس کو اس دہشت انگیز واردات سے مطلع کیا۔ پولیس جب وہاں پہنچی تو لڑکی کو اغوا کرنے غائب تھا اور وہاں زینے پر چھ لاشیں پڑی ہوئی تھیں ان کے ہاتھ میں کوئی پستول نہیں تھا۔ میں تمام واقعات پوری توجہ اور سنجیدگی سے سنے۔ میں فوراً ایڈورڈ کا نام بھی نہیں لے سکتا تھا۔ میں بتا تا کہ میں خود ہی اس واقعے کا شاہد ہوں اور یہ قتل میری انکا کی طاقت کا کرشمہ ہیں۔ عجیب بات تھی کہ جو شخص اس خونیں واردات کی بنیاد تھا، اس سے رہنمائی اور سچائی کے لئے کہا جا رہا تھا۔ کوئی سلسلے ملاتا تو خود اپنے ملوث ہونے کا اندیشہ تھا۔ جم نے مجھے الجھن میں مبتلا کر دیا۔ کاش مل جاتی اور آج ہی لندن سے روانہ ہو جاتا۔ افسران میرے چہرے کی طرف مضحکہ خیز انداز رہے تھے اور جم بار بار مجھ سے کہہ رہا تھا۔ ''دولت علی! الارڈ رالف اسمتھ کے کیس میں تم نے اصل قاتل کا چہرہ بے نقاب کر دیا تھا۔ اس معاملے میں بھی ہمیں کچھ بتاؤ۔''

''مجھے کچھ غور کرنے وقت دو جم! یہ کیس خاصا پیچیدہ معلوم ہوتا ہے۔''

''مجھے یقین ہے کہ تم کوئی جادو کر دکھاؤ گے۔ میں نے اپنے دوستوں سے تمہارا ہے۔'' جم جوش میں بولا۔

میں نے اپنی گردن جھکا لی، ایک افسر نے بڑھ کر مجھے سگریٹ پیش کیا اور میرے ہاتھ میں ایک جام تھما دیا۔ میں نے کچھ توجہ دیئے بغیر اسے اپنے حلق میں انڈیل لیا۔ اس وقت میرا ذہن کسی کہانی کا تانا بانا بننے میں مصروف تھا مگر کوئی سرا نہیں مل رہا تھا۔ قتل کے وقت ایڈورڈ کلب میں موجود تھا۔ بدقسمتی سے مقتولوں کے پستول چھن گئے تھے جن سے ان کے اپنے نشانات کا پتہ چلتا۔ مجھے تذبذب میں گھرا ہوا دیکھ کر جم جوشیلے انداز میں اپنے دوست افسران کو اسپارٹا سے میرے مقابلے کا واقعہ سنانے لگا۔ وہ شاید اپنے دوستوں کو یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ اس نے مجھے بلا کر کوئی غلط انتخاب نہیں کیا ہے۔

''خوب......!'' یکا یک میری آواز گونجی۔ ''ازراہ کرم مجھے ایک جام اور عطا کیجئے۔ یہ واقعہ خاصا دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔''

''کیا تم نے کوئی نتیجہ اخذ کیا؟'' وہ جلدی سے بولا۔

''کوئی خاص نہیں۔ میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن میرا خیال ہے کہ تمہیں قتل کی اس واردات کی فائل پر ناقابل حل کی پرچی چسپاں کرنی ہوگی۔'' میں نے افسردگی سے کہا۔ ''میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا لیکن یہ بھی تو ممکن ہے کہ ان لوگوں نے ایک دوسرے کو قتل کیا ہو؟'' میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''اس کا کوئی جواز تو ہوگا؟'' ایک افسر بولا۔

''جواز۔ بظاہر صاف ہے، اختلاف کسی بھی مسئلے پر۔ دنیا میں ہر خون خرابے کی وجہ اختلاف ہے۔''

جم بوکھلایا ہوا تھا۔ ادھر میں پریشان تھا کہ کون سا جواب دوں۔ جم کی بوکھلاہٹ کی وجہ یہ ہوگی کہ اسے میری خاموشی پر اپنے دوستوں کے سامنے نادم ہونا پڑتا۔ میں نے ان لوگوں کی توجہ ہٹانے کے لئے ماحول خوش گوار بنانا چاہا۔ میں اس وقت برطانیہ کی پولیس کے ماہروں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا۔ میں کون تھا؟ وہ بے چارے نہیں جانتے تھے۔

''ارے مسٹر ہارڈی!'' میں نے اچانک کہا۔ ''کہئے، لزی کا کیا بنا ہے، کب واپس آ رہی ہے؟''

''لزی!'' ہارڈی کی آنکھیں پٹ پٹانے لگیں۔ ''تمہیں کب معلوم ہوا کہ وہ باہر گئی ہوئی ہے؟''

''مجھے آپ کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے لیکن چھوڑیئے، مسٹر نارمن کے متعلق سوچتے ہیں ان کی جیب میں قیمتی سگار ہیں جو آج ہی ان کے دوست نے دیئے ہیں۔ مسٹر نارمن! کیا آپ مجھے ایک سگار نہیں دیں گے؟'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اوہ مائی گارڈ!'' نارمن نے اپنی جیب سے سگار نکالتے ہوئے کہا۔ ''آپ تو جیبوں میں گھسے ہوئے ہیں۔''

''اور یہ دیکھئے، یہ ایڈی...... آج کتنے سست نظر آتے ہیں۔ آج تو باقاعدہ لڑائی ہوئی تھی۔

کیوں مسٹر ایڈی!'' میں نے شرارت سے کہا۔

''اوہ، اوہ...... مسٹر دولت علی!'' ایڈی نے جھینپ کر بولا۔ ''بس کیجئے۔''

میں نے جم کو مایوس اور ناکام نہیں ہونے دیا۔ میں نے بہر حال یہ بات ثابت کردی کہ جم نے کے سامنے جھوٹ نہیں بولا ہے۔ وہ ایک غیر معمولی آدمی سے بات کر رہے ہیں جو اندر کی باتیں ہے۔ ہمارے درمیان خاصی بے تکلفی ہو گئی تھی۔ میں چٹکلے چھوڑ رہا تھا، انکا ادھر ادھر پھدک رہی تھی۔ باہر سے ٹیلی فونک پیغامات کا سلسلہ جاری تھا۔ ہر لمحے نئی اطلاعات ان افسران کو پہنچائی جا رہی تھیں۔ پولیس نے سارے مکان کا محاصرہ کر کے ایک ایک چیز کے نشانات لینے شروع کر دیئے تھے۔ غنڈوں کے اعزاء سے رابطہ جاری تھا اور ان کی سرگرمیوں کے بارے میں ایک ایک اطلاع دی جا رہی تھی۔ پولیس کی یہ کارکردگی دیکھ کر میں اپنے ہاں کی پولیس سے ان کا موازنہ کرنے لگا۔ خاصا رنگ جمانے بعد میں جم کے ہمراہ جائے واردات کا جائزہ لینے کے بہانے اٹھا۔ ہم آدھی رات کے قریب اس ویرا مکان تک پہنچے جس مکان میں کل رات میں خود تھا، آج میں اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

''تم کسی مقتول کی روح کو کیوں نہیں بلا لیتے جیسا کہ لارڈ رالف اسمتھ کے کیس میں تم نے تھا؟'' جم نے کہا۔

''آہ پیارے جم! ایک دن کی دیر ہو گئی۔ یہ واقعہ چوبیس گھنٹے پہلے کا نہیں ہے اب روحیں آ سے نہیں آئیں گی کیونکہ وہ طویل سفر پر جا چکی ہوں گی اور پھر ہر معاملے میں یکساں برتاؤ نہیں کیا جاتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بدمعاش روحیں آسانی سے قبضے میں نہیں آئیں گی۔'' جم نے میری بات سمجھنے کے انداز میں سر ہلایا۔

''دولت علی! خدا کے لئے کچھ کرو۔'' جم بہت جذباتی ہو رہا تھا۔

''مجھے آج رات آرام کرنے دو۔ میں سوچتا ہوں۔ صبح تم میرے پاس آؤ۔ شاید کوئی اچھی خبر تمہیں سنا سکوں۔'' یہ کہہ کر میں نے بمشکل تمام جم سے اجازت لی۔ اس نے مجھے میرے ہوٹل تک پہنچایا۔ آج کمرا خالی خالی معلوم ہو رہا تھا۔ کل رات یہاں ارما تھی۔ انکا نے مذاق کرنا چاہا تو میں نے اسے جھڑک دیا، بڑی تنہائی سی محسوس ہو رہی تھی۔ انکا میری افسردگی کی وجہ سمجھ کر اور مجھ سے تھوڑی دیر کے لئے اجازت لے کر میرے سر سے اتر گئی۔ میں الجھا ہوا تھا اس لئے میں نے اس سے باز پرس نہیں کی۔ اس کے جانے کے بعد اور اداسی ہو گئی۔ مجھے افسوس ہوا کہ میں نے اسے خواہ مخواہ جھڑک دیا۔

ایک گھنٹے بعد میرے دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازے کے چھوٹے شیشے سے جھانک کر دیکھا۔ وہاں تمارا کھڑی تھی۔ وہ ترکی رقاصہ جو آج اسپارٹا سے مقابلے سے پہلے اسٹیج پر نظر آ رہی تھی۔ میں نے جھٹ دروازہ کھول دیا۔ تمارا اپنی تمام جلوہ سامانیوں کے ساتھ آئی اور آتے ہی میرے گلے

پ گئی۔ ''دولت علی! میں فن اور فنکاروں کی عزت کرتی ہوں۔ تم نے آج جو مظاہرہ کیا ہے، وہ میری تخیل میں نہیں آتا۔ میں شو ختم ہونے کے بعد تم سے ملنے کے لئے تڑپ رہی تھی، تم فوراً چلے گئے۔ اب میں اسپارٹا اور سلیمان بے سے چھپتی چھپاتی تمہارے پاس پہنچی ہوں۔ تم ایک عظیم آدمی ہو۔ میں نے اتنا بڑا فنکار نہیں دیکھا۔'' تمارا نے جذبات میں ڈوب کر کہا۔

میں نے اسے بٹھایا۔ اس کی خدمت میں مشروبات پیش کئے۔ انکا بھی اس کے ساتھ آئی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ وہی میری تنہائی کو محسوس کر کے تمارا کو لائی ہوگی لیکن اس نے یہ بتا کر مجھے حیرت زدہ کر دیا کہ تمارا خود مجھ سے ملنے کے لئے بے چین تھی۔ انکا نے اسے مزید اکسا دیا اور وہ اتنا بڑا قدم اٹھانے پر مجبور ہو گئی۔

وہ رات بھی ان حسین راتوں میں سے ایک ہے جنہیں میں کبھی نہیں بھولا، میرے کمرے میں تمارا نے بیلے رقص کیا۔ وہ تادیر تھرکتی رہی جب تھک گئی تو میرے بستر پر گر پڑی۔ رات آہستہ آہستہ گزر رہی تھی اور ہم دونوں جاگ رہے تھے، تمارا نہ جانے کہاں کہاں کی، کس کس دیس کی اور کن کن لوگوں کی باتیں کر رہی تھی اور میں اس کی زلفوں سے کھیل رہا تھا۔

اچانک ہوٹل میں ایک زبردست دھماکا ہوا۔ ہوٹل لرزتا ہوا محسوس ہوا، بجلی فوراً بند ہو گئی اور میرا کمرا اندھیرے میں ڈوب گیا۔ میں نے فوراً انکا کی طرف دیکھا۔ وہ مجھ سے کہہ رہی تھی۔ ''جمیل! ایک لمحے کی دیر کئے بغیر اس کمرے سے بھاگ جاؤ، ایڈورڈ کے غنڈوں نے اس کمرے کا محاصرہ کر لیا ہے۔ انہوں نے ایک دستی بم پھینک کر روشنیاں گل کر دی ہیں اور انتظامیہ کی توجہ ہوٹل کی دوسری جانب مبذول کر دی ہے۔ اب وہ تیزی سے تمہارے کمرے کی طرف بڑھ رہے ہیں، لفٹ بند ہے، انہیں یہاں تک پہنچنے میں تھوڑی دیر لگے گی، تم فوراً روانہ ہو جاؤ۔''

میں نے تمارا کو اٹھایا اور اسے پلنگ سے کھینچنے لگا۔ ''تمارا! ہوٹل خطرے میں ہے، فوراً باہر آ جاؤ۔'' وہ نازنین منتشر تھی اور اس حالت میں نہیں تھی کہ فوراً باہر نکل سکے۔ میں نے کمبل سے اسے ڈھانپ دیا اور کھینچتا ہوا کمرے سے باہر آ گیا۔ انکا بار بار عجلت پر اصرار کر رہی تھی۔ ادھر تمارا وحشت میں ان گنت سوالات کئے جا رہی تھی۔ میرے پاس جواب دینے کا وقت نہیں تھا۔ میں اسے تیزی سے لئے ہوئے تین فلور اوپر ہوٹل کی چھت پر چلا گیا اور دوسری طرف کی سیڑھیوں سے نیچے اترنے لگا، انکا میرے ساتھ تھی۔ تمارا کا سانس پھولا ہوا تھا۔ اسے ساتھ لے کر چلنے میں دشواری ہو رہی تھی۔ لمحوں میں ہوٹل میں چیخ پکار مچنے لگی پھر گولیاں چلنے کی آواز گونجنے لگی۔ اب سیڑھیوں پر ہم اکیلے نہیں تھے ہمارے ساتھ دوسرے مسافر بھی تھے جو اندھیرے میں ایک دوسرے کے چہرے دیکھتے اور سوالات کرتے ہوئے دہشت سے اتر رہے تھے۔ اس غتر بود میں تمارا کا ہاتھ مجھ سے چھوٹ گیا کیونکہ وہ بار بار اپنا بدن کمبل سے ڈھانپنے

میں مصروف ہو جاتی تھی۔ ادھر نیچے کے فلوروں پر آتے آتے زینے پر خاصی بھیڑ ہوگئی [illegible] تمارا کو چھوڑ کر آگے چلنے پر مجبور کر دیا۔ جب ایک ہجوم گراؤنڈ فلور پر پہنچا تو نچلی منزل کے [illegible] آگ لگی ہوئی تھی۔ میں لوگوں کی بھیڑ میں خود کو چھپاتا ہوا باہر آ گیا اور میں نے ایک سمت میں [illegible] دوڑنا شروع کر دیا۔ میرے ساتھ اور بھی بہت سے مسافر تھے۔ میں تمارا کا انتظار کرنا چاہتا تو [illegible] مجھے آگے بھگانے پر مصر تھی۔ آخر میں نے خود کو ایک دوسری قریبی عمارت میں چھپا دیا اور [illegible] باہر کا واویلا دیکھنے لگا۔ ہوٹل کی آگ نے اس دوران زور پکڑ لیا تھا۔ پھر مجھے وہاں کئی نیم [illegible] عورتیں بھاگتے ہوئے نظر آئے۔ شاید انہیں لباس پہننے کی فرصت نہ ملی ہو۔ ان میں تمارا بھی [illegible] مرد کا ہاتھ تھامے ہذیانی انداز میں باہر نکل رہی تھی۔ فائر بریگیڈ کا عملہ اور پولیس کی گاڑیاں [illegible] جمع ہونے لگیں۔ ان میں سے ایک پولیس وین سے اعلان ہوا۔ ''مسٹر دولت علی جہاں کہیں [illegible] وین نمبر ۲۴ میں آ جائیں۔''

میں پہلے تو جھجکا مگر جب انکا نے بتایا کہ یہ اعلان جم کی طرف سے ہے تو میں نے سڑک [illegible] وین نمبر ۲۴ میں جم سے جا ملا۔ وہ گاڑی سے باہر مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔ ''دولت علی اتم [illegible] تو ہو؟''

''ہاں جم!'' میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ ''میری زندگی بڑی ڈھیٹ ہے۔ موت قریب آ آ کے رہ جاتی ہے۔''

جم مجھے اپنے گھر لے گیا۔ میں نے اس کے کپڑے پہنے، صبح قریب تھی۔ مجھے گہری نیند آ [illegible] کوئی دس بجے سو کر اٹھا، سارا اور جین، جم کے گھر میں میری خیریت پوچھنے کے لئے موجود تھیں [illegible] نے مجھے جگایا نہیں تھا۔ صبح کے اخبارات میں ان چھ غنڈوں کی خبر شہ سرخیوں کے ساتھ لگی ہوئی [illegible] دن میں جین اور سارا کی معیت میں جم کے گھر رہا۔ وہیں جم میرے ہوٹل سے میرا لباس لے [illegible] نے بتایا کہ ہوٹل کا ایک حصہ آگ کی لپیٹ میں ہے لیکن بڑا حصہ محفوظ ہے۔ پولیس اس دوہرے [illegible] سے بھی پریشان تھی، کوئی شخص گرفتار نہیں ہوا تھا۔ مشکل یہ تھی کہ ایڈورڈ جیسے بدمعاش سے نمٹنے [illegible] کوئی موافق صورت حال سامنے نہیں تھی۔ چھ دن بعد مجھے روانہ ہونا تھا۔ ان آخری چھ دنوں [illegible] کوئی ہنگامہ نہیں ہونا چاہئے تھا۔ یہ بہت آسان ترکیب تھی کہ انکا کے ذریعے میں ایڈورڈ کا قلع [illegible] پھر سارا بھی محفوظ ہو جاتی۔ جم کو ابھی تک یہ معلوم نہیں تھا کہ میں چھ دن بعد ہندوستان روانہ ہو [illegible] سارا نے اسے بتا کر مجھے روکنے کی سبیل نکال لی۔ ادھر مجھے ایک ایک لمحہ گراں گزر رہا تھا [illegible] آ جانے کے بعد جین سے کوئی تعلق بھی نہیں پیدا کیا جا سکتا تھا اور یہ ناممکن تھا کہ جم اب مجھے ٹھہرنے دیتا۔ چھ غنڈوں کے قتل کا کیس ابھی تک الجھا ہوا تھا۔ میں نے اپنے طور پر جم کو یہ [illegible]

کوشش کی کہ دو گروہ آپس میں لڑ پڑے ہیں، اس کی سوا اس کیس کی کوئی دوسری نوعیت نہیں ہے۔ جم تو [illegible] گیا کیونکہ اسے میری ہر بات پر یقین تھا لیکن دوسرے افسران یہ حل تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہو رہے تھے۔

شام کو جم نے، جب سارا اور جین کمرے میں موجود تھیں، دروازہ بند کر کے مجھ سے کہا۔ ''دولت علی! جو سوال میں کروں، تم صرف اس کا جواب دے دو۔''

میں نے اطمینان سے کہا۔ ''کہو۔''

''دولت علی! کیا تم ایک شخص، کسی بھی شخص کو اس قدر اپنے حکم کے تابع کر سکتے ہو کہ وہ تمہارے ایما پر جہاں چاہے آ جائے جو کام تم چاہو، اس سے کرا سکو۔ سلیمان بے کے معاملے میں تم نے یہی کیا تھا؟''

میں نے مختصر جواب دیا۔ ''ہاں، یہ میرے لئے آسان کام ہے۔''

''کیا تم ایک شخص کو میرا تابع بنانے میں مدد کر سکتے ہو؟''

میں نے ہنس کو پوچھا۔ ''کوئی لڑکی پسند آ گئی ہے؟''

''نہیں۔'' اس نے کہا۔ ''میں تمہیں جرمنی لے جانا چاہتا ہوں۔ یہ تمہاری صلاحیت پر منحصر ہے کہ تم کتنے دن میں اپنا اثر رسوخ جما سکتے ہو۔ ہمیں وہاں سے ایک شخص کو لانا ہے۔''

''جرمنی..... جم، کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟'' میں نے کہا۔ ''مجھے ہندوستان جانا ہے۔''

''مجھے معلوم ہے لیکن تم ایک ماہ اور ٹھہر سکتے ہو۔ ممکن ہے تمہارا کام اس سے پہلے نمٹ جائے۔'' اس نے التجا کی۔

''ہندوستان میں مجھے بہت ضروری کام ہیں، تم سمجھتے کیوں نہیں جم! ضرور تمہیں سارا نے ورغلایا ہے۔'' میں نے برہمی سے کہا۔

''نہیں دولت علی! میں تمہیں اتنی جلدی نہیں جانے دوں گا۔ اگر تم تیار ہو تو ہم آج رات ہی جرمنی روانہ ہو جائیں گے اور تم ایک عظیم کام انجام دو گے۔'' جم نے زور دے کر کہا۔

''پیارے! میں اس قسم کا آدمی نہیں ہوں۔ ممکن ہے میری صلاحیتیں وہاں کام ہی نہ کریں، اب تو چھ لاشوں کے کیس میں.....'' میں نے اسے ٹالنے کے لئے کہا۔

''دولت علی! تم بولڈ، جرأت مند اور بہت زیرک شخص ہو، مجھے تمہاری معاونت کی ضرورت ہے۔ تم اپنے دوست جم پر احسان کرو گے، میں تم سے درخواست کرتا ہوں۔''

کچھ عجیب سی صورت ہو گئی تھی۔ جم مسلسل اصرار کر رہا تھا اور میں انکار۔ وہ یہ طے کر کے آیا تھا کہ بہر حال مجھے اس سنگین کام کے لئے آمادہ کرے گا۔ میں نے اس سے لاکھ بہانے کئے، کوئی عذر نہیں [illegible] جم اپنی بات پر اڑا رہا۔ اسے میری ذات پر اتنا بھروسہ اور میری شخصیت پر ایسا زبردست اعتماد

تھا کہ مجھے انکا پر نہ تھا۔ جرمنی سے واپسی کی مدت کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ اگر مجھے ہندوستان کی شاید میں جم کی بات مان لیتا۔ جم میرے انکار سے اداس ہو گیا۔ اس نے کہا۔ ''دولت علی اہمیت سے ناواقف ہو۔ کاش میں نے اسی وقت سب کچھ بتا دیا ہوتا۔ یقین کرو اس میں بڑا ہے۔ پروگرام تھا کہ تم جین کے ساتھ اسے اپنی سیکرٹری بنا کر جرمنی جاؤ گے۔ میں ایک خاص سے جرمنی میں داخل ہوں گا، میرا تمہارا رابطہ قائم رہتا لیکن میں تم سے علیحدہ رہ کر دوسرے نگرانی کرتا۔ جین روانی سے جرمن زبان بول لیتی ہے۔ تم خود کو ہندوستان کا نواب ظاہر کر صلاحیتوں کی بنا پر جلد اس گروہ سے قریب ہو جاتے جس سے وہ شخص تعلق رکھتا ہے۔ تم اسے لیتے، اس قدر اعتماد میں کہ وہ تمہارے ساتھ کہیں بھی آ جا سکتا۔ تم ایسا کر سکتے ہو، مجھے یقین ہے مخصوص مقام پر ہم اسے اپنے خصوصی طیارے میں لے آتے۔ جرمنی میں تمہارے قیام کا تمام سروس کے ذمے ہوتا۔ جین کی موجودگی میں تنہائی بھی محسوس نہیں ہوتی۔ تم یہ کام کر سکتے ہو، دولت سوچ لو۔''

جم نے جین کا نام لیا تو میں نے دلچسپی سے اس کا پروگرام سنا۔ جرمنی میں تنہائی کے ان گز حسین جین کے ساتھ' میرے جسم میں بجلی سی دوڑ گئی۔ ایک نظر میں انکا کی طرف دیکھا تا کہ عندیہ لے سکوں۔ انکا طنزاً مسکرائی۔ مجھے اس سے جھینپ سی آنے لگی۔ میں نے شوخی میں ایک ہاتھ اپنے سر پر مارا تو انکا میرے بال نوچنے لگی۔ جم سامنے تھے اس لئے میں نے خاموشی اخ جین کا ذکر آ جانے کے بعد جم کے سامنے اتنی جلدی آمادہ نہیں ہونا چاہتا تھا۔ کچھ دیر بعد میں۔ تفصیلات پوچھ کر جم کو منظوری دے دی۔

ایڈورڈ ابھی تک زندہ تھا اور میں اسے کوئی سزا نہیں دے سکا تھا۔ میری عدم موجودگی ایڈورڈ کے کسی ستم کا شکار ہو سکتی تھی۔ ادھر اسے لندن سے جین، جم اور اپنی اچانک غیر حا سمجھانے میں دقت ہو رہی تھی۔ میں نے جم سے کہہ کر اس کے گھر پر سیکیورٹی کے چند آد کرا دیئے، جم اس بات پر حیران ہوا تو میں نے اسے خاموش کرنے کے لئے کہا۔ ''جو میں کہ کرو، چلتے وقت تمہیں سب بتا دیا جائے گا۔''

سارا سے کہا گیا کہ ہم لوگ ایک اہم مشن پر لندن سے کچھ دور ایک دن کے لئے جا ایک دن کی بات تھی، سارا جز بز ہو کر خاموش ہو گئی۔ شام کو سات بجے جم نے مجھے اور جین لئے رخصت کیا۔ میری ضرورت کا ہر سامان جہاز پر موجود تھا۔ میں جین کو لئے ہوئے جہاز راستے میں جین ایک سیکرٹری کی طرح بڑی مستعدی سے میری باتیں سنتی رہی۔ ہمارے پا طرح کی ترمیم اسی دن کر دی گئی تھی۔ یہ ایک خطرناک مشن تھا۔ مجھے اس کی خطرناکی کی زیاد

مجھے تو جین کی فکر تھی۔ جین میرے ساتھ ہوٹل میں...... خلوت میں مقیم رہے گی۔ جین، جس کے بدن سے خوشبو آتی ہے، جس کی قربت جسم کو لرزا دیتی ہے۔ جس کا جسم کسی خاص سانچے میں قدرت نے ڈھالا ہے۔ اس سفر میں میرے لئے کوئی اور دل کشی نہیں تھی، جین تھی تو ساری دل کشیاں تھیں۔

برلن میں، جین کے ساتھ جب میں نے ایک شاندار ہوٹل میں قدم رکھا تو مجھے خود پر فخر سا ہونے لگا۔ میری آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگا ہوا تھا اور میں نے سفید شیروانی پہن رکھی تھی۔ جین نے مجھے اپنے تصور کے مطابق ایک ہندوستانی نواب بنانے کی تمام ہدایتیں جہاز میں ہی دے دی تھیں۔ ہوٹل میں ایک بڑا کمرا بک کرایا گیا۔ ہوٹل کا عملہ ہندوستان سے ایک نواب کی آمد پر بچھا بچھا جاتا تھا۔ میں بالکل خاموش چھڑی گھماتا ہوا جب خاص دروازے سے گزر کر اوپر کے زینے پر چڑھا تو ایک سیڑھی پر میں نے دانستہ ٹھوکر کھائی۔ ہوٹل کے مستعد ملازمین دوڑ پڑے۔ جین نے مجھے اپنے ہاتھ سے اٹھایا اور میں الٹے سیدھے جملے بکتا ہوا اوپر چلا گیا۔ اس طرح میں پہلے ہی موقع پر ہوٹل کے منتظمین کو اپنی لاابالی طبیعت اور حماقت اور آزادروی کے متعلق ایک تاثر دینا چاہتا تھا۔ ہمارا کمرا واقعی کسی نواب کا کمرا تھا۔ ایک علیحدہ کمرے کا تصور کیجئے۔ جین اس کمرے میں سج رہی تھی اور میں اس کا کوئی غلام معلوم ہو رہا تھا۔ میں اس کا غلام عملاً تھا، پوری ہندوستانی قوم غلام تھی۔ جین مجھ سے بہت شگفتہ انداز میں باتیں کر رہی تھی۔ ہوٹل میں داخل ہو کر اس نے دروازہ بند کر کے پھرتی کے ساتھ در و دیوار، بستر اور کونوں کھدروں کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ جرمنی میں ان دنوں سیاحوں کی آمد و رفت مشکوک تھی۔ کمرے میں جین کو کوئی ٹرانس میٹر یا کسی قسم کا کوئی آلہ دستیاب نہیں ہوا پھر اس نے اپنے سینہ پوش سے ایک ٹرانس میٹر نکالا اور اس پر کوڈ ورڈز میں پیغام کوڈ کرنے لگی۔ اس وقت مجھے جین کچھ خوفناک سی نظر آئی۔ پیغام بھیجنے کے بعد اس نے مجھے غسل کرنے اور لباس تبدیل کرنے کا حکم دیا۔ میں نے فوراً اس کی تعمیل کی۔

ہم نے کھانا کمرے میں منگوایا۔ میز پر جین نے ایک ماہر سراغ رساں کی طرح میرے سامنے برلن کا نقشہ پھیلا دیا، وہ برلن میں پہلے بھی دو تین بار آ چکی تھی۔ پھر اس نے سائنس داں گلبرٹ کے مکان، اس کی تجربہ گاہ کا محل وقوع، اس کا فوٹو، اس کی شخصیت اور مصروفیت کے بارے میں ایک ایک بات مجھے ذہن نشین کرانی شروع کر دی۔ میں اس کی صورت دیکھ رہا تھا، باتیں کرتے ہوئے اس کے منہ سے پھول جھڑ رہے تھے۔ میں نے ان تفصیلات پر کوئی توجہ نہیں دی اور جین سے رومانی انداز میں کہا۔ ''جین! برلن میں یہ دن تمہاری رفاقت میں کتنے حسین گزریں گے۔''

''دولت علی! تم اس اہم کام پر زیادہ توجہ نہیں دے رہے ہو۔'' جین نے سنجیدگی سے کہا۔ ''یہ اتنا آسان کام نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ ہمیں اس شخص سے رابطہ پیدا کرنے کے لئے فوراً ان تمام مقامات پر جانا ہوگا جہاں اس کے ملنے کا امکان ہو۔''

"میں فی الحال تمہیں دیکھ رہا ہوں۔" میں نے نشیلے لہجے میں کہا۔

"یہ ایک بہت خطرناک مشن ہے دولت علی!" جین نے ناراضی سے کہا۔

"مجھے برلن کے متعلق بتاؤ، یہ شہر کیسا ہے؟"

"دولت علی! خدا کے لئے میری بات سنو۔ تفریح کے لئے لندن کیا کم ہے۔ یہاں ہمیں پ پھونک کر قدم اٹھانا ہے۔"

میں اسے چھیڑنے کے لئے اس کی تمام باتیں ہنسی میں ٹالتا رہا، ابھی وہ لمحہ دور تھا کہ میں قریب کر لیتا۔ یہ بتدریج قربت بہت لطف دے رہی تھی۔ کوئی گیارہ بجے صبح ہم ہوٹل سے نکلے اور کی گاڑی میں برلن شہر کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے شام تک گھومتے رہے۔

شام کے کوئی سات بجے ہم ایک ایسے ریستوران میں داخل ہوئے جس کا نام اگر کلب رکھا غلط نہ ہوتا۔ ریستوران کیا تھا خلد بریں کا کوئی گوشہ ادھر منتقل تھا۔ وہاں سائنس داں جو ہمیں مطلوب ایک میز پر تنہا بیٹھا شراب اور سگار سے شغل کر رہا تھا۔ اس کی عمر پچاس سال کے قریب ہوگی۔ میں جین کو مطمئن کرنے کے لئے اس کی شخصیت کا باقاعدہ جائزہ لینا شروع کیا۔ ٹھیک آٹھ بجے وہ اٹھ ایک نظر اس کی شخصیت کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات وثوق سے کہہ سکتا تھا کہ وہ ساری دنیا سے ب جستجوئے علم میں مستغرق ایک شخص ہے۔ اس کی چال ڈھال، اطوار و انداز سے بے ڈھنگا پن جھلک قنوطی فلسفیوں کا جو ایک خاص حلیہ ہوتا ہے جو ہمارے ہاں کے بعض شاعروں کی شناخت بھی ہ اس دنیا سے بیزار شخص کا حلیہ تھا۔ اس کے جانے کے کوئی ایک گھنٹہ بعد ہم اٹھ کر اپنے ہوٹل میں آ رات کو ہم نے برلن میں ایک اوپیرا شو دیکھا۔ میں اس رات کا منتظر تھا، یہ رات کل لندن میں مجھ روٹھ گئی تھی۔ آج نہ سارا کا ڈر تھا اور نہ جم کا۔ برلن کے ایک ہوٹل میں، میں اور جین تنہا تھے۔ کمرے دو بڑے پلنگ ایک خاص دوری پر رکھے ہوئے تھے۔ جین رات کا لباس پہن کر ایک پلنگ پر دراز اور مجھ سے اس مشن کے بارے میں گفتگو کرنے لگی جو اس کے ذہن و دل پر مسلط تھا۔

"جین، تم مجھے کیسا شخص سمجھتی ہو؟" اچانک میں نے ایک سوال کر دیا۔

جین اٹھ کر بیٹھ گئی۔ "دولت علی! یہ تم پر کیسا موڈ سوار ہے؟"

"جین، ایک بات کہوں۔" میں نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"کہو!" وہ کچھ سمجھتے ہوئے بولی۔

"جین! تم نے سلیمان بے کو دیکھا۔ میں نے اس شخص کو ایک لمحے میں اپنے احکام کا پا تھا۔" میں نے سرسری انداز میں کہا۔

"واقعی تم نے کمال کر دیا۔ مگر تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"میں کسی بھی شخص کو بے بس کر سکتا ہوں۔"

"مجھے تمہاری صلاحیتوں کے بارے میں پورا علم ہے اسی لئے سروس نے تمہیں منتخب کیا ہے، یہ ایک انوکھا مشن ہے۔"

"کیا تم ایک خوبصورت لڑکی نہیں ہو۔"

"مجھے اپنے بارے میں کوئی اندازہ نہیں ہے۔" جین کی آنکھوں میں خوف تھا۔

"تم ایک بہت حسین لڑکی ہو، سنو جین! میں اس مشن پر کبھی تیار نہ ہوتا۔ جب میں نے یہ سنا کہ تم ساتھ چل رہی ہو تو میں تیار ہو گیا۔"

"دولت علی۔ یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟"

"یہ جملہ میں نے بہت کم عورتوں سے کہا ہے کیونکہ مجھے اس جملے کی قیمت معلوم ہے، جین! مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے۔" میں نے کہہ ہی دیا۔

جین خاموش ہو گئی اور میری صورت دیکھنے لگی۔

"میں چاہتا تو تمہیں بھی کسی وقت بے بس کر دیتا اور تم مجھ سے بے تحاشا محبت کرنے لگتیں مگر یہ محبت بہت مصنوعی ہوتی۔"

"ایسی باتیں نہ کرو، جن کی بنا پر مجھے تم سے خوف پیدا ہو۔"

"نہیں جین! خوف کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہاری آمادگی کے بغیر تمہارے قریب نہیں آؤں گا لیکن میں جلتا رہوں گا اور مجھ سے کوئی کام نہیں ہو سکے گا۔"

"دیکھو دولت علی! میں اس قسم کی لڑکی نہیں ہوں جیسی لندن میں عام ملتی ہیں۔ میں نے کوئی کام کرنا چاہا ہے اسی لئے سیکرٹ سروس سے وابستہ ہو گئی۔ جم سے میری ملاقات یہیں ہوئی اور ہم دونوں نے کوئی کارنامہ کر کے شادی کرنے کا عہدہ کیا ہے۔"

"جین! مجھے غلط نہ سمجھو، میں اپنے دل کی بات کر رہا ہوں، میں کیا کروں؟ مجھے خود پر اختیار نہیں ہے۔"

"دولت علی! میں تم سے بہت متاثر ہوں مگر میں نے تمہارے متعلق کبھی اس طرح نہیں سوچا۔ تم جلد ہندوستان روانہ ہونا چاہتے ہو پھر تم پر یہ کیسا دورہ پڑا ہے اور اگر یہ آمادگی شرط ہے تو مجھے اس پر سوچنے کا موقع دو۔"

"مفاہمت کے انداز میں سوچو جین، ایک شخص ہندوستان جا کر بہت دور ہو جائے گا، کیا تم اس کا دل توڑ دو گی؟"

"دولت علی! میرے لئے اس وقت یہ مشن اہم ہے۔"

"اس کی فکر نہ کرو۔ میں یہ کارنامہ اپنے نام لکھوانا نہیں چاہتا۔ یہ تمہارا اور جم کا کارنامہ ہوگا۔ اس کے سلسلے میں تمہیں برطانیہ کا اعلیٰ اعزاز ملے گا۔ میں نے اس سائنس داں مارک کو دیکھ لیا ہے، یہ کام ہو جائے گا۔"

"کیا تم اتنے وثوق سے کہہ سکتے ہو؟" جین نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"میں کوئی غلط بات نہیں کہتا۔ مجھے جھوٹ بولنے کی عادت نہیں ہے۔"

"لیکن ہماری معلومات ابھی ابتدائی حد تک ہیں، ہم نے اس سے رابطہ قائم کرنے کے لئے کوئی پروگرام تک نہیں بنایا ہے۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سب مجھ پر چھوڑ دو اور میری باتیں سنو، میں جو کچھ کہتا ہوں اپنے اندر سے کہتا ہوں۔"

"دولت علی!" جین کچھ کہنا چاہتی تھی کہ خاموش ہوگئی۔

اسی وقت انکا نے کہا۔ "جمیل یہ کیا لاگ کر رہے ہو؟ مجھے حکم دو۔ یہ کم بخت صرف ایک لمحے بعد تمہاری آغوش میں تڑپ رہی ہوگی۔"

نہیں' انکا مجھے اس گفتگو میں لطف آ رہا ہے۔ تم درمیان میں دخل مت دو، خاموشی سے دیکھتی رہو۔" پھر میں جین سے مخاطب ہوا۔

"جین! میری جان، میں تمہیں پریشان نہیں کروں گا۔ تم اطمینان سے سو جاؤ۔ میں صرف تمہاری پیشانی کا بوسہ لینا چاہتا ہوں...... مجھے اس کی اجازت دو تاکہ میں آرام سے سو سکوں۔"

"اوہ...... اوہ! دولت علی!" جین شرما کر بولی۔ "میری پیشانی حاضر ہے۔"

وہ میرے پلنگ پر آ گئی۔ سفید گاؤن میں اس کا خوب صورت بدن جھانک رہا تھا۔ میں نے اپنے جذبات پر پوری طرح قابو میں رکھے، جین کی پیشانی کا بوسہ لے کر میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ میری اس ادا پر جین بے حد متاثر ہوئی اور اس نے جواباً میری پیشانی چوم لی۔ اس کے بعد وہ فوراً اپنے بستر پر چلی گئی اور میں دیر تک جاگتا رہا۔ نہ جانے کب مجھے نیند آ گئی۔

اگلے تین دن تک میں جین کو ساتھ لئے برلن کی تفریح گاہوں میں گھومتا رہا۔ میں نے اسے ساڑھی پہنائی جس میں اس کا سرخ و سفید رنگ ایک عجیب نکھار لے کر ابھرا تھا۔ میں نے اسے غرارہ، چوڑی دار پاجامہ پہنوایا، جمیل احمد خان کے لئے اس قسم کے کام منٹوں میں ہو جاتے تھے۔ میں اسے لئے لئے کہاں گھومتا رہا۔ میں نے اس پر خوب دولت خرچ کی اور اسے تحائف سے لاد دیا۔ رنگ رنگ کے لباس زیب تن کروائے، انکا اس تمام عرصے میں فعال رہی، جین کے سامنے انکا کے ذریعے ایسے جرت انگیز اقدام کرتا کہ وہ تعجب سے میری طرف دیکھنے لگتی۔ لوگ میرے اشاروں پر ناچتے تھے اور اس عرصے

جین ٹوٹنے لگی، جین بڑے مضبوط اعصاب کی مالک تھی، وہ بکھرنے لگی۔ میں نے اس کا خوف دور کیا اور اپنے کردار سے خود کو ہر لمحے کے لئے ایک با اعتماد شخص ثابت کیا۔ اس پر اب بھی اپنا مشن جلد از جلد پایہ تکمیل پہنچانے کا دورہ پڑ جاتا تھا۔ اس دن کے بعد سے ہم سائنس داں سے نہیں ملے تھے اور نہ ہی میں نے اس قسم کی کوئی کوشش کی تھی۔ جم اور سیکرٹ سروس سے جین کا رابطہ قائم تھا۔ چوتھے دن جم بھی جرمنی آ گیا مگر وہ ہم لوگوں سے ملا نہیں، صرف ٹرانس میٹر کے ذریعے اس کے اور جین کے درمیان پیغامات کا تبادلہ ہوتا رہا۔ میں یہ مدت بڑھانا چاہتا تھا تاکہ جین کے ساتھ کچھ اور حسین دن گزر سکیں، بات آگے بڑھ گئی تھی۔ جین کے میرے قالب میں تحلیل ہونے کے لئے صرف کچھ دیر باقی تھی۔ پروگرام کے مطابق جم ایک ریستوران میں ہمیں مل گیا۔ ہمارے درمیان اشاروں اشاروں میں باتیں ہوئیں۔ میں نے اور جین نے اس کے سامنے جھوٹ بولا۔ ہم نے اسے بتایا کہ ہم رفتہ رفتہ سائنس داں گلبرٹ کے قریب ہو رہے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم بہت کچھ کر چکے ہیں۔ اب جلد ہی اسے اطلاع دیں گے کہ وہ کب اپنا جہاز تیار رکھے۔ جم کچھ دیر ہمارے پاس ٹھہر کر چلا گیا۔ جین اداس ہوگئی کیوں کہ میں نے ابھی تک اس سلسلے میں کوئی قدم نہیں اٹھایا تھا اور جم کے سامنے جھوٹ بولا تھا۔ پھر میں نے ایک دن، رات کو جین سے کہہ دیا۔ "جم کو مطلع کر دو کہ وہ پرسوں رات اپنا طیارہ مقررہ مقام پر تیار رکھے۔ اس کا کام پرسوں ہو جائے گا۔"

"پرسوں؟ دولت علی، کیا تم ہوش میں ہو؟"

"ہاں، تم اس سے جو میں کہہ رہا ہوں، وہ کہہ دو۔"

"تمہیں خبر ہے کہ اگر طیارہ واپس چلا گیا تو اس کا دوبارہ آنا مشکل ہوگا۔"

"کیا تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں ہے؟" میں نے زچ ہو کر کہا۔

"خیر...... میں کہے دیتی ہوں۔" جین نے ٹرانس میٹر نکالا۔

"مگر ٹھہرو۔ ایک شرط ہے، تم اس مشن کے بعد جتنے دن میں کہوں گا، جرمنی میں ہی رہو گی؟" میں نے جذباتی آواز میں کہا۔

"میں تیار ہوں۔" جین نے فرط مسرت میں جواب دیا۔

ٹرانسمیٹر پر اطلاع دینے کے بعد جین پہلی بار میرے بستر پر بے تابی سے آئی اور آتے ہی مجھ سے بغل گیر ہوگئی۔ اس نے میرے رخساروں اور بالوں کے بوسے لینے شروع کر دیئے۔ میں جین سے قربت کا ذکر اتنی تفصیل سے اس لئے کر رہا ہوں کہ مجھ پر اس زمانے میں ایک پاگل پن سا طاری تھا۔ میں اپنی کیفیت کو کیا نام دوں، جین نے مجھ جیسے ذی ہوش اور ہر اعتبار سے مطمئن شخص کی زندگی میں ہلچل مچا دی تھی، میرا خیال ہے آدمی پر زندگی کے مختلف ادوار میں عشق کے دورے پڑتے ہیں۔ میں جین کو سر

کررہا تھا گویا وہ میرے لئے کوئی مہم تھی، جنہیں عشق کے ذکر سے کوئی طمانیت ہوتی ہے ان سے شدت چھپی نہ رہے گی، جو اس مرض میں مبتلا ہو چکا ہو وہی میرا دکھ سمجھ سکے گا۔ میں اختصار سے کام رہا ہوں حالانکہ جی یہی چاہتا ہے کہ قلم ٹوٹ جائے مگر جین کا ذکر ختم نہ ہو۔ دو دن اس کی قربت میں گزر گئے۔ مجھے معلوم تھا کہ جب میں سائنس داں کو جم کے پاس روانہ کردوں گا تو وہ میرا غلام بن ہو جائے گا اور اسے میری کسی جسارت پر اعتراض نہیں ہوگا۔ یہ دو دن میں نے دو صدیوں کی طرح گزارے، جین بار بار مجھے ٹوکتی تھی کہ میں نے جم سے وعدہ کرلیا ہے مگر میں اطمینان سے ہوٹل میں کرتا رہا، رات کو بارہ بجے یہ مہم سرانجام دینی تھی۔ میں اس رات بھی بستر پر آرام سے پڑا رہا۔ جین کا برا حال تھا۔ جم ٹرانس میٹر پر اس سے رابطہ قائم کئے ہوئے تھا اور جین میری ہدایت پر بالکل غلط رپورٹ دے رہی تھی۔ میں نے مقررہ وقت پر جین کو کچھ بتائے بغیر انکا کو روانہ کردیا۔ اس وقت جین کی حالت ناگفتہ بہ تھی، وہ مجھے برا بھلا کہہ رہی تھی، پھر اس نے مجھ پر پستول تان لیا تاکہ میں اسے صحیح صورت بتاؤں، اس وقت مجھے خطرہ لاحق ہوا۔ انکا بھی موجود نہیں تھی، میں نے جین کو طرح طرح سے سمجھایا وہ بے حد مشتعل نظر آرہی تھی۔ جب مجھے یقین ہوگیا کہ وہ جذباتی لڑکی کسی وقت بھی مجھے قتل کرسکتی میں نے اس سے ایک گھنٹے کی مہلت مانگی۔ وہ ایک گھنٹا جین نے جم سے ٹرانس میٹر پر گفتگو کرکے خاموش رہ کر گزارا۔ پھر ایک دم جین پھٹ پڑی۔ "دولت علی!" اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں "دولت علی! تم کوئی آدمی نہیں، تم کوئی بھوت ہو، وہ وہاں خود بخود پہنچ گیا ہے۔ سائنس داں وہاں پہنچ ہے، طیارہ اڑ چکا ہے۔ اوہ...... یہ کیسے ممکن ہے!" وہ ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی۔ اس نے پستول پھینک دیا تھا۔ میں نے اس کی کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ اس وقت وہ بہت پریشان، حواس باختہ اور جھنجلائی ہوئی تھی۔

میری مسلسل خاموشی پر وہ میرے پاس بجلی کی طرح لپکی اور بے اختیار میرے سینے سے چمٹ گئی میں کہہ نہیں سکتا کہ پھر کیا ہوا۔ دنیا میں چند ہی کاموں کے بعد اتنی خوشی ہوئی ہوگی جتنی اس کام کی کے بعد جین کی دیوانگی دیکھ کر ہوئی۔ میں نے اسے اپنی بانہوں میں لے لیا۔ وہ میرے جسم کی حدت پگھلنے لگی اور میں نے اصل جین کو دیکھا۔ اس دوشیزہ کو جو سمندر میں اٹھتی ہوئی کوئی طوفانی موج تھی مجھے کچھ یاد نہیں کہ اس رات کیا ہوا۔ میں جس لڑکی کے بارے میں پہلے ہی اتنی باتیں کرچکا ہوں اس اتصال سے مجھ پر کیا کیا قیامت نہ گزری ہوگی۔ کم بخت ہوگا جو اس رات سویا ہو اور اس رات کیا اس کے بعد کسی رات نہیں سویا، نہ وہ سوئی۔ ہم ایک دوسرے میں ایسے ضم ہوئے کہ ہمیں کسی بات کا ہی نہ رہا۔ مجھے اس بات خیال بھی نہ رہا کہ ہندوستان واپس جانا ہے اور اسے لندن واپس ہونے کی بدھ نہ رہی۔ انکا یہ تماشائے جنوں دیکھتی رہی۔ ہم کوئی ایک ہفتے بعد ہوش میں آئے۔ جو یہ کہتے ہیں

ہوس کاری ایک نقطے پر پہنچ کر اپنی دلکشی کھو دیتی ہے اور حسن بے مزہ ہو جاتا ہے، میں ان سے عرض کروں گا کہ انہوں نے کسی حسن مجسم، کسی مہ کامل کو برتا ہی نہیں۔ ایک ہفتے تک ہم کمرے میں، ہوٹل کے سوئمنگ پول میں، رقص گاہ میں، بلیئرڈ روم میں، قمار خانے میں رہے گویا ہوٹل کی عمارت سے باہر نہیں نکلے۔ پھر ہم نے باہر قدم نکالا اور پندرہ دن تک جرمنی کے شہروں میں گھومتے رہے۔ جین نے جم سے ٹرانس میٹر کا رابطہ منقطع کرلیا تھا، اسے اس کی کوئی فکر ہی نہیں تھی۔ مجھے بہرحال ہندوستان جانا تھا۔ ان ہنگاموں سے دل نہ بھرتا تھا لیکن کلپنا اور بدری نرائن کا چہرہ بار بار سامنے آجاتا۔ جرمنی میں تقریباً ایک ماہ کے قیام کے بعد ہم لندن کے لئے روانہ ہوگئے۔ جم نے بے تابانہ اور نیازمندانہ ہمارا استقبال کیا۔ وہ مجھے کوئی بہت بڑا اعزاز دلوانے کے موڈ میں تھا کیونکہ میں نے جرمنی سے ایک اہم سائنس داں کو اغوا کرکے ملک وقوم کی عظیم خدمت کی تھی۔ میں نے سارے اعزازات جین کے لئے وقف کردئے۔ میرے نام کا درمیان میں آنا خود میرے لئے نقصان دہ تھا۔ سارا میری اتنی طویل غیر حاضری پر خاصی ملول نظر آتی تھی اور مجھے یہ جان کر کچھ سکون سا ہوا کہ سارا اور جم اس عرصے میں ایک دوسرے سے کچھ گھل مل سے گئے ہیں۔ سارا کے گھر ابھی تک گارڈ تعینات تھے۔ لندن میں جین سے ملاقات کم ہوگئی اور میں نے جلد سے جلد خود کو سمیٹنا شروع کردیا۔ وقت کم تھا اس لئے میں نے انکا کے ذریعے ایک دن ایڈورڈ کا کام تمام کرادیا۔ دوسرے دن اخبارات کو ایک سنسنی خیز خبر مل گئی کہ ایڈورڈ نے خودکشی کرلی ہے۔ لندن میں چھ ہلاکتوں کا واقعہ ابھی تک معمہ بنا ہوا تھا۔ ہم چاروں، کئی بار امرائے لندن کے کلب گئے۔ جہاز میں میری نشست محفوظ ہو چکی تھی اور میں تین دن بعد یہاں سے کوچ کرنے والا تھا۔

چلتے وقت میں نے اپنی خدمات کے عوض جم سے ایک بات کہی۔ میں نے اسے اس بات پر آمادہ کرلیا کہ وہ سارا سے شادی کرلے۔ اس نے جین سے اپنے رابطے کا ذکر کیا تو میں نے اپنے روحانی علوم کی مدد سے اسے بتایا کہ جین سے اس کی شادی کامیاب نہیں رہے گی۔ ان لوگوں کو مجھ اتنا اعتماد اور یقین تھا کہ جم، جین کا خیال ترک کرکے سارا سے شادی کرنے کے لئے تیار ہوگیا۔ میں نے اپنے سامنے سارا کو منگنی کی انگوٹھی پہنائی۔ جین کو کوئی خاص غم نہیں تھا۔ اس کی حالت خراب تو میرے جانے کی وجہ سے تھی، میں اس کا محبوب جارہا تھا۔ اور میری محبوبہ، میری جین مجھ سے چھوٹ رہی تھی۔ وہ بعض اوقات میری رخصت کا اتنا تاثر قبول کرتی کہ اسے سکتہ سا ہو جاتا۔ چنانچہ ہندوستان میں اسے بلانے یا جلد انگلستان آنے کے وعدے وعید کرکے میں جین سے اور لندن میں اپنے مختصر خاندان سارا اور جم سے رخصت ہوگیا۔ میرا ٹوٹا ہوا ہاتھ ویسے کا ویسا رہا۔ ائرپورٹ پر ارما اور تمارا بھی موجود تھیں۔ ان سب کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ جین اپنے جذبات نہ چھپا سکی۔ بھرے مجمع میں بلک بلک کر رو پڑی۔ چلتے وقت کا منظر بڑا دردناک تھا۔ میرا دل جین میں الجھا ہوا تھا۔ میرا بس چلتا تو میں اس کے آنسو پی جاتا۔ لندن میں وہ

ایک ایسی لڑکی مجھے ملی تھی جو شباب کی اس منزل پر پہنچ جانے کے بعد بھی پوری طرح محفوظ اور غیر... تھی۔ سارا کے بارے میں بھی مجھے یقین تھا حالانکہ اس حسین لڑکی کے لئے اس کے باپ کے... بعد میرے احساسات ہی بدل گئے تھے۔

جہاز مقررہ وقت پر روانہ ہوا۔ کئی نشستیں خالی تھیں۔ پرواز شروع ہوئی اور سب میری نظروں... اوجھل ہو گئے۔ اداسی نے مجھ پر غلبہ پالیا۔ لندن کی ایک ایک بات ذہن میں گھومنے لگی۔ انکا میرے... پر محو خواب تھی۔ میں نے نشست کی پشت پر سر رکھا اور آنکھیں بند کر کے بدری نرائن کے بارے... سوچنے لگا۔ جہاز میں کبھی کبھی ان شہروں کے ناموں کا اعلان ہو رہا تھا جن پر سے جہاز پرواز کر رہا... پھر جب اعلان ہوا کہ جہاز مشرق کی سرحدوں میں داخل ہو چکا ہے اور قاہرہ سے آگے نکل آیا ہے... ایک بے چینی سے محسوس ہونے لگی۔ جہاز کی برطانوی ائر ہوسٹس مسافروں کی خدمت کرتی پھر رہی... وہ ایک بے باک اور جاذب نظر لڑکی تھی! مجھے بیدار دیکھ کر وہ تیزی سے میرے قریب آئی۔ ''کیا... کوئی مشروب پینا پسند کریں گے؟''

''شکریہ خاتون! مجھے ضرورت محسوس ہوئی تو آپ کو یقیناً زحمت دوں گا۔'' میں نے اسے... ہوئے کہا۔ پھر اپنے خیالوں میں کھو گیا۔ سفر کا ایک ایک لمحہ بھاری گزر رہا تھا۔ ہندوستان جتنا قریب... جا رہا تھا، بدری نرائن کے چہرے کے خدوخال اتنے ہی واضح ہو رہے تھے۔ اب ہندوستان نزدیک... تھا اور میرا دل دھڑک رہا تھا۔

جہاز تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہا تھا۔ دفعتاً انکا اس طرح ہڑبڑا کر اٹھی جیسے کوئی بھیانک... دیکھ کر جاگ پڑی ہو۔ اس کے چہرے سے خوف عیاں تھا۔ وہ سہمی سہمی نگاہوں سے اس طرح... جائزہ لے رہی تھی جیسے کوئی بڑا خطرہ سونگھ رہی ہو۔ میں انکا سے اس کی بوکھلاہٹ کی وجہ دریافت کر... ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اس نے اچانک جست بھری اور میرے سر سے اتر گئی۔ اس کی یہ بوکھلاہٹ... نہیں ہو سکتی تھی۔ یقیناً اس نے غیر معمولی حالات محسوس کرنے کے بعد ہی یہ اقدام کیا ہو گا مگر وہ... کیا ہیں؟ اس کے اضطراب کا سبب کیا ہے؟ میں نے نظریں گھما کر جہاز کے مسافروں کو دیکھ... افراد آنکھیں بند کئے دراز تھے۔ مجھے بہ ظاہر کوئی ایسی وجہ نظر نہیں آئی جس سے میں انکا کا اضطر... سکتا۔ آخر وہ میری اجازت کے بغیر میرے سر سے کیوں اتر گئی؟ میں انکا کی اس حرکت پر... کھا رہا تھا کہ ایک مانوس نسوانی آواز میرے قریب سنائی دی۔ میں نے چونک کر برابر والی... دیکھا تو خالی نشست پر کلپنا کو بیٹھے دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے... پانی کا گھڑا انڈیل دیا ہو۔ انکا نے شاید کلپنا کی آمد محسوس کرنے کے بعد ہی میرے سر سے... تھی۔ میں نے سہمے سہمے ہوئے لہجے میں اسے مخاطب کیا۔ ''کلپنا! تم اس جہاز میں؟ مگر تم نے اچھا...

تم اس وقت میرے پاس آ گئیں۔ میں بڑا اداس اور بے چین تھا۔''

''جمیل احمد خان!'' کلپنا نے تشویش بھرے انداز میں کہا۔ ''اس وقت جہاز میں میری موجودگی ضروری تھی۔ اس پاجی کو خبر مل گئی ہے کہ اس سے نمٹنے کے لئے تم پہنچ رہے ہو۔ جانتے ہو وہ اپرادھی کیا چاہتا ہے؟ وہ تمہیں اور جہاز کے تمام مسافروں کو زمین پر اترنے سے پہلے ہی نشٹ کر دینے کے سپنے دیکھ رہا ہے۔''

کلپنا نے اپنا جملہ بمشکل ادا ہی کیا تھا کہ جہاز کو ایک شدید جھٹکا لگا۔ مسافر بوکھلا کر اٹھ بیٹھے۔ وہ اس اچانک جھٹکے کی وجہ جاننے کے لئے پریشان تھے کہ دوسرا دھچکا لگا اور کچھ مسافر اپنی نشستوں سے نیچے آ رہے۔ جہاز میں افراتفری پھیل گئی۔ اسی لمحے اسپیکر پر ائر ہوسٹس کی آواز ابھری ''معزز خواتین و حضرات! ہمارا جہاز اچانک شدید طوفانی جھکڑوں میں گھر گیا ہے۔ آپ حضرات حفاظتی پیٹیاں باندھ لیں اور افراتفری میں پڑنے کے بجائے جہاز کی سلامتی کے لئے دعا کریں۔ کیپٹن برنارڈ ایک تجربہ کار پائلٹ ہیں۔ امید ہے کہ وہ جہاز اس خطرے سے باہر نکالنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔''

اس اعلان سے جہاز کے مسافروں کے چہرے ست گئے۔ آنکھوں میں موت نظر آنے لگی۔ مسافروں نے جلد از جلد حفاظتی پیٹیاں باندھنے کے بعد دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ اتنا طویل سفر کاٹنے کے بعد منزل قریب ہی آ گئی تھی کہ جہاز نے لڑکھڑانا شروع کر دیا۔ مسافروں کے ہاتھ لرز رہے تھے میرے برابر بیٹھی ہوئی کلپنا اپنی نشست پر موجود نہیں تھی۔ نشست پھر خالی ہو گئی تھی۔ اس پر تمام سفر میں کوئی نہیں بیٹھا تھا۔ جہاز کو شدید دھچکے لگ رہے تھے، ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی بادبانی کشتی بپھری ہوئی موجوں میں پھنس گئی ہو۔ میرے ذہن میں کلپنا کا کہا ہوا جملہ ابھرا۔ بدری نرائن، ان بے خبر مسافروں نے اس کا کیا بگاڑا ہے؟ میں نے غصے کے عالم میں اپنا سر اگلی نشست کی سیٹ سے مار دیا۔ وہ زمین پر اترنے نہیں دے گا۔ اس نے جہاز برباد کرنے کی ٹھان لی ہے، انکا میرے سر پر نہیں تھی۔ کلپنا اوجھل ہو گئی تھی۔ کلدیپ بھی کوسوں دور تھی۔ جہاز طوفانی ہواؤں سے نبرد آزما تھا اور میں اپنی بدنصیبی کا ماتم کر رہا تھا۔ بدری نرائن کاش مجھے زمین پر اترنے کا موقع مل سکے۔

سب کے چہرے زرد پڑے ہوئے تھے۔

جہاز کے تمام مسافروں پر موت طاری تھی۔ جہاز کی حالت لحہ بہ لحہ نازک ہوتی جا رہی تھی۔ پندرہ منٹ تمام مسافر موت وزیست کی کشمکش سے دوچار رہے۔ انکا اور کلپنا کی عدم موجودگی کے باعث میں ہر بات سے بے خبر تھا اور میری حالت بھی ان مسافروں سے مختلف نہیں تھی جن کے ہاتھ اٹھے ہوئے تھے۔ عورتیں جو زیر لب دعائیں پڑھ رہی تھیں، بچے جو فریاد کر رہے تھے۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھ کر چیخنے لگے تھے۔ جہاز کے مسافروں کی یہ ابتر حالت دیکھ کر میں کسی قدر مطمئن ہو گیا۔ اگر بدری نرائن کی طاقت

بہت سارے مسافروں کے لئے خطرہ بن سکتی ہے تو اتنے بہت سے بے قصور مردوں، عورتوں اور بچوں کی دعائیں بھی ضائع نہیں جائیں گی۔ میں ان شریف لوگوں کے ساتھ ہوں۔ ان کی اوٹ میں میری جان بچ جائے گی۔ بدری نرائن سے خوف کے بجائے مجھے اس پر غصہ آنے لگا۔ اس مردود پنڈت نے اپنی جگہ بیٹھ کر مجھے ختم کرنے کی کیسی اوچھی حرکت کی تھی۔ کپتان کی آواز مسافروں کو صبر وضبط کی تلقین کے لئے بار بار اسپیکر پر ابھر رہی تھی۔ سب لوگ ایک دوسرے کی طرف خوف اور حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے اور بار بار سوال کرتے تھے کہ اب کیا ہوگا؟ جیسے کہ ان کے مخاطب شخص کو جواب معلوم ہو۔ موت کے وقت انسانوں کی کیا کیفیت ہو جاتی ہے۔ لوگ موت سے کتنا ڈرتے ہیں؟ جیسے موت انہیں کبھی نہیں آئے گی۔

اچانک جہاز کے جھٹکوں میں کمی ہونے لگی۔ پھر جہاز نے ہچکولے بند کر دئے۔ اسی وقت اسپیکر پر ائرہوسٹس کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔ ''معزز خواتین وحضرات! مژدہ ہو کہ ہمارا جہاز طوفانی ہواؤں کے حصار سے نکل گیا ہے۔ کپتان کو آگے مطلع صاف نظر آ رہا ہے۔ کپتان برنارڈ کا کہنا ہے کہ اسے زندگی میں اس سے پہلے اس نوعیت کا کوئی تجربہ نہیں ہوا۔ کپتان کو اپنی آنکھوں کے سامنے ہر طرف گرد دکھائی دیتی تھی۔ جہاز کے تمام آلات ٹھیک کام کر رہے تھے اور موسم کی خرابی کے کوئی آثار جہاز کے آلات پر نمایاں نہیں تھے۔ بہرحال آپ کی دعاؤں اور کپتان کی مہارت اور چابک دستی سے جہاز پُرسکون ہے۔ ہمیں اب تہران ائرپورٹ پر اترنا ہوگا، وہاں جہاز کی مکمل جانچ پڑتال کی جائے گی۔ اس کے بعد ہم کراچی کے لئے روانہ ہوں گے۔ کپتان برنارڈ اور جہاز کے عملے کی جانب سے میں ان مسافروں کا شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے نظم وضبط سے کام لیا۔''

جہاز کے پُرسکون ہوتے ہی مسافروں میں گویا جان پڑ گئی۔ ان کے چہروں پر چھائی ہوئی موت کی پرچھائیاں بتدریج کم ہونے لگیں۔ ان کی سہمی آوازیں جہاز کی موسیقی پر غالب آ گئیں۔ جہاز میں تین بدھ بھکشو بھی اپنے مخصوص لباس میں ایک طرف بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی طرف پہلے کسی نے کوئی توجہ نہیں دی تھی لیکن اب چند افراد اپنی نشستوں سے اٹھ کر ان کے گرد منڈلا رہے تھے۔ میں نے ان کی سرگوشیاں سننے کی کوشش کی۔ بہت سے مسافروں کا خیال تھا کہ جہاز معجزانہ طور پر حادثے کی زد سے نکلنا ان تین بزرگ بھکشوؤں کا کرشمہ ہے۔

میں بھی اٹھ کر ان کی نشستوں کی طرف گیا۔ بھکشوؤں کے چہروں پر بلا کا سکون تھا۔ ان کی آنکھیں بند تھیں۔ سر منڈے ہوئے تھے اور سر سے قدموں تک ایک چادر سے ان کے جسم ڈھکے ہوئے تھے۔ جیسے ہی میں ان کے قریب پہنچا، ایک ضعیف العمر بھکشو نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور مجھے آنکھیں پھاڑ کر حیران نظروں سے دیکھنے لگا۔ میں نے اسے تعظیماً سلام کیا۔ کسی جذبے کے تحت نہیں بلکہ محض اس لئے

ہے کہ میں جہاز کے مسافروں کی تقلید کر رہا تھا۔ میرے سامنے آتے ہی اس کے ہونٹ ہلے۔ چہرے پر بے چینی کے اثرات نمایاں ہوئے اور اس نے نہایت سرد لہجے میں مجھ سے کہا۔ ''شاکیہ منی تجھ پر رحم کرے۔''

اس کی آنکھوں میں بڑی گہرائیاں تھیں۔ جیسے وہ ایک سمندر ہوں، میں اپنی نشست پر چلا آیا۔ اس بدھ بھکشو نے صرف ایک ہی جملہ ادا کر کے مجھے مضطرب کر دیا تھا۔ میں اس کے پاس دوبارہ جانا اور اس سے باتیں کرنا چاہتا تھا لیکن اس کے قریب کوئی نشست خالی نہیں تھی اس لئے مجبوراً اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ مجھے یقین تھا کہ میرے کمینہ خصلت دشمن بدری نرائن کی تمام تدبیریں کلپنا کی وجہ سے ناکام ہوئی ہوں گی۔

متعدد سوال اور کئی وسوسے میرے ذہن میں گڈمڈ ہو رہے تھے۔ اگر کلپنا نے بدری نرائن کے خطرناک ارادے ناکام بنادئے تھے تو جہاز کو اپنا رخ بدل کر تہران کیوں اترنا پڑ رہا تھا؟ کلپنا اب تک کہاں ہے اور انکا میرے پاس واپس کیوں نہیں آئی؟

اعلان کے مطابق جہاز بہت خوش ادائی کے ساتھ تہران کی ہوائی اڈے پر اترا۔ ائرپورٹ سے ہمیں سیدھے ایک اعلیٰ درجے کے ہوٹل میں پہنچا دیا گیا۔ بدھ بھکشو بھی ایک بڑے کمرے میں ٹھہرا دئے گئے۔ مسافروں کے ذہنوں پر ابھی تک جہاز کے متوقع حادثے کا تکدر طاری تھا۔ کھلی فضا میں آنے کے بعد وہ حادثے کی ممکنہ تباہیوں کے متعلق اپنے اندازے قائم کر رہے تھے میں ان سب سے الگ تھلگ بدستور اپنے خیالوں میں غرق تھا اور دیگر سب مسافر ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے تھے۔ میری پریشانیاں ہر لمحے بڑھ رہی تھیں۔ اس وقت نہ مجھے یہ خوب صورت ہوٹل اچھا لگ رہا تھا، نہ ہوٹل کے سوئمنگ پول پر شوخیاں کرتے ہوئے حسین، نیم عریاں جسم۔ مجھے کبھی لندن میں گزارے ہوئے دن یاد آ جاتے اور کبھی ہندوستان کی یاد کے ساتھ...... کلدیپ اور تزئین کا خیال آ جاتا۔ میں اس وقت ایک ایسے کرب سے دوچار تھا جس میں ذہن معطل ہو جاتا ہے اور ہر چیز بے رنگ لگنے لگتی ہے۔ ایران کے قصے بچپن میں سنے تھے۔ ایران کا دارالحکومت تہران دیکھنے کی ایک مدت سے تمنا تھی لیکن میں اپنے کمرے میں جا کر بے سدھ لیٹ گیا تھا۔ مجھے شدت سے انکا کا انتظار تھا۔ جب ڈائننگ ہال میں تمام مسافروں کو کھانے کے لئے بلایا گیا تو میں نے انکار کر دیا۔ اس وقت ایک ائرہوسٹس میرے پاس آئی اور کہنے لگی۔ ''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟ شاید آپ نے کچھ زیادہ ہی اثر لیا ہے؟''

میں نے اس فرض شناس اور مستعد ائرہوسٹس کو ٹالنے کی کوشش کی اور پوچھا۔ ''ہم یہاں سے کب روانہ ہوں گے؟''

''کپتان برنارڈ کی پوری کوشش ہے کہ ہم کل ہی یہاں سے روانہ ہو جائیں لیکن روانگی میں چار

روز بھی لگ سکتے ہیں۔ ارے جناب!'' وہ ہنس کر بولی۔ ''یہ بہت دلچسپ موقع ہے۔ آپ ا... دارالسلطنت تہران دیکھئے۔ مشرق کا یہ شہر خوب صورتی میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔''

''لیکن خاتون! مجھے اس کی کوئی بات اچھی نہیں لگی۔'' میں نے کہا۔ ''کل کس نے دیکھا ہے... ہے جہاز کل پھر کسی حادثے سے دوچار ہو جائے۔'' میرے منہ سے بے تکا جملہ نکل گیا۔

ائر ہوسٹس نے مجھے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے اسے میری صحیح الدماغی پر شبہ ہو۔

''نہیں نہیں جناب! یہ محض اتفاق تھا اور یوں بھی انسان کو ہمیشہ روشن پہلو بھی نظر ر... چاہئے۔''

''میں معذرت خواہ ہوں خاتون، واقعی اس حادثے کا میرا دل نے گہرا اثر لیا ہے۔ خدا کرے... بخیر و عافیت اپنی اپنی منزل تک پہنچ جائیں۔''

ائر ہوسٹس اصرار کر کے مجھے میرے کمرے سے ڈائننگ ہال میں لے گئی۔ ایک وسیع ہال میں... مسافر قہقہے لگاتے، خوش و خرم کھانے میں مصروف تھے۔ جب میں وہاں داخل ہوا تو میری نظر سب... پہلے ان بدھ بھکشوؤں پر پڑی جو ہال میں اپنی وضع قطع کے باعث سب سے ممتاز نظر آ رہے تھے۔... نے دانستہ ان کے قریب بیٹھنا چاہا۔ ان کی میز پر ان کے سامنے صرف سوپ رکھا تھا۔ نوجوان بھکشو... سب سے بڑے بھکشو کی توجہ میری جانب مبذول کرائی۔ مجھے دیکھ کر ضعیف العمر بھکشو کے منہ میں... جاتے جاتے رہ گیا اور اس نے مجھے بڑی نرم آواز میں اپنے پاس بلایا۔ میں ان کی طرف یوں بھی... رہا تھا۔ اس کی دعوت ملتے ہی میں ان کی میز پر جا کے بیٹھ گیا۔ اس نے سوپ لینا چھوڑ دیا۔ وہ بہ... ٹھنڈی آواز میں بولا۔ ''ہوا موافق نہیں ہے۔''

''میں سمجھا نہیں بزرگ! کیا آپ مجھ سے مخاطب ہیں؟'' میں نے آنکھیں پٹ پٹاتے ہو... کہا۔ ''یقیناً آپ مجھ سے مخاطب ہیں۔''

''اب دیر ہو گئی۔ آکاش تاریک ہے، جوار بھاٹا آیا ہوا ہے مگر یہ سب کیوں ہوا؟'' وہ سر جھکا... بولا۔ ''آہ تو بھی اسی کا شکار ہوا۔''

میں اس کے مبہم جملوں سے کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ خود کہنے لگا۔ ''زندگی...... زندگی... جسم کے لئے نہیں، تیاگ اور تپسیا۔ جسم تو ایک فنا پذیر شے ہے۔ اصل شے آتما ہے۔ تو اپنے آپ... تک دھوکا دے گا۔''

''میرے بزرگ!'' میں نے اس کی باتوں سے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ صاحب عرفان ہے... ذہنی کشمکش اور مصائب کے دوران ایک ایسے شخص سے ملاقات بہت بڑا سہارا بن سکتی تھی۔ چنانچہ... نے عجز و نیاز سے کہا۔ ''یہ جسم عذاب بن گیا ہے۔ جب تک یہ باقی ہے حرص و آز کی ہوا چلتی رہے گی...

''یہ گھوڑے قابو میں کر۔ کیا تجھے کوئی اور زندگی نہیں گزارنی؟'' اس کے لہجے میں تاؤ آ گیا۔

''میری مدد کیجئے محترم بھکشو! آپ نے میری جانب ہمدردی کی نظر سے دیکھا ہے تو مجھ سے پوری ہمدردی کیجئے۔'' میں عاجزی کے ساتھ اسے اپنی مصیبت کے بارے میں بتانے لگا۔

وہ بولا۔ ''بس بس، میرے کانوں میں زہر مت گھول۔ ابھی تو نے دیکھا ہی کیا ہے۔ اپنے من کو سکون دے۔ اسے معاف کر دے جو تجھے معاف کرنا نہیں چاہتا۔'' اس نے بے پروائی سے کہا۔

اس کا اشارہ بدری نرائن کے سوا کسی اور کی طرف نہیں ہو سکتا تھا۔ میں اس سے کہنا چاہتا تھا کہ بدری نرائن ہی میرے تمام دکھوں کا سبب ہے لیکن اسی لمحے انکا میرے سر پر آ گئی۔ میں نے چونک کر عالم تصور میں اس کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ اس طرح زرد تھا جیسے اس کے بدن سے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لیا گیا ہو۔ اس کی نظریں ویران اور غور و فکر میں ڈوبی دکھائی دے رہی تھیں۔ انکا کو اس قدر اجاڑ اور مایوس دیکھ کر میری الجھن بڑھ گئی۔ انکا بڑے بھکشو کو گھور رہی تھی اور وہ متجسس نظروں سے میرے سر کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے اسے انکا نظر آ رہی ہو۔ میں انکا سے گفتگو کرنے کے لئے بے چین تھا لیکن ان بھکشوؤں کے سامنے میں نے اس سے کوئی بات نہیں کی اور بڑے بھکشو کی طرف نظریں جما کر بولا۔

''آپ سے کوئی بات چھپی معلوم نہیں ہوتی۔ میں اب بہت تھک گیا ہوں اور باقی زندگی سکون سے گزارنا چاہتا ہوں لیکن جب تک وہ زندہ ہے، مجھے چین سے نہیں رہنے دے گا اور جب تک میں زندہ ہوں، اسے ختم کرنے کی کوشش کرتا رہوں گا۔ وہ ہر بار بچ جاتا ہے۔''

''تیرے پاس خود کیا ہے تو تو دوسروں پر اتراتا ہے۔ یہ چھوکری جو تیرے سر پر بیٹھی ہے بڑی فتنہ ہے۔ بات اب اس کے بس کی نہیں رہی۔ میں تجھ سے کہتا ہوں کہ تو خود اپنے آپ کو اتنا مضبوط بنا کہ وہ تیری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکے یا پھر کہیں دور رہ۔ لندن میں رنگ رلیاں منا۔ ناریوں کے ساتھ کھیل۔ شراب پی، جوا کھیل اور پریشان ہو...... اور پریشان ہو۔'' وہ مجھ پر طنز کرتا رہا۔

مجھے حیرت ہوئی کہ وہ انکا کو دیکھ رہا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے چند بڑے پجاریوں اور پنڈتوں کے سوا کوئی بھی انکا کو دیکھنے کی مقدرت نہیں رکھتا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں اس وقت مہاتما بدھ کے کسی بڑے پجاری کے سامنے موجود تھا۔ وہ عجیب انداز میں باتیں کر رہا تھا۔ اس کا لہجہ اتنا سرد، ملائم اور پُر وقار تھا کہ میں، جس کی زندگی ہی ایسے لوگوں اور ہنگاموں میں گزر رہی تھی، اس سے خاصا متاثر ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ میں انکا کی موجودگی سے بھی بے خبر رہا۔ میں اسے چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ انکا بھی انہماک سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ اس نے اشاروں اشاروں میں مجھے سمجھایا کہ میرے لئے ہندوستان جانے میں خطرہ ہے۔ اس نے مجھے بہت ڈانٹا پھٹکارا لیکن میں اس کی باتیں بڑے تحمل سے برداشت کرتا رہا۔ اسے کلی طور پر اپنی طرف مائل کرنے کے لئے صرف ایک ملاقات ناکافی تھی۔ میں

مسلسل اس سے منت کر رہا تھا مگر اس کا ایک ہی جواب تھا۔ ''ارے بے وقوف! اپنی آتما کو بالغ کر... ڈائننگ ہال میں بیٹھے ہوئے چند سیاح کھانا کھا کر بھکشوؤں کی طرف آ گئے اور انہوں سے مہاتما گوتم بدھ کی تعلیمات پر سوالات کرنے شروع کر دیئے۔ بدھ بھکشو مسکراہٹ اور نرمی اور پیار سے انہیں گوتم کا فلسفہ سمجھانے لگے۔ اسی کام کے لئے وہ دنیا کا دورہ کر رہے تھے۔ میں... لے کر وہاں سے اٹھ آیا۔ میں نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ سیڑھیاں چڑھ کر میں اپنے کمرے... پہنچا اور تشویش ناک انداز میں انکا سے پوچھا۔ ''کہاں مر گئی تھیں؟''

''جمیل!'' وہ تنک کر بولی۔ ''تم ہوش و حواس میں نہیں ہو۔''

''بڑی جلدی واپسی کا خیال آ گیا تمہیں؟'' میں نے برہمی سے کہا۔

''تمہیں معلوم ہے میں کس مصیبت میں گرفتار ہو گئی تھی؟''

''وہ تو تمہارے ستے ہوئے چہرے سے نظر آ رہا ہے۔ جیسے ہی ہندوستان قریب آیا، تمہاری نا... مزاجیاں شروع ہو گئیں۔''

میں نے دیکھا کہ انکا میرے سر پر پہلو بدل رہی ہے۔ ''تم ہر کام بگاڑ دیتے ہو۔ من مانیاں کر... ہو اور الزام مجھے دیتے ہو۔ کلپنا نے تم سے کہا تھا کہ تمہیں فوراً واپسی اختیار کرنی چاہئے۔ میں نے بھی... سے بارہا اصرار کیا تھا مگر تم جین میں ایسے کھوئے کہ تمہیں کسی بات کا ہوش نہ رہا اور وقت گزر گیا۔''... نے ناراضی سے کہا۔ ''اب جلی کٹی باتیں کر رہے ہو جیسے میں ہی اس کی ذمے دار ہوں۔''

''ساری ذمے داری تو میری ہے، یہ سارے کھیل تماشے میں اپنی طاقت سے کرتا ہوں۔ تم... اس میں کیا دخل ہے۔ تم تو بہت معصوم خاتون ہو۔'' میں نے چڑ کر کہا۔

''تمہیں حالات کا اندازہ نہیں ہے جمیل! میری مانو تو لندن واپس چلو یا یہاں تہران میں ٹک... اسی میں تمہارا بھلا ہے۔''

''تم جو کہنا چاہتی ہو، وہ میں سمجھ رہا ہوں۔''

''کیا سمجھ رہے ہو؟ بعض اوقات بالکل بچے بن جاتے ہو تم۔''

''کہنا کیا چاہتی ہو؟'' میں نے طیش میں آ کر کہا۔

''تم سننا ہی نہیں چاہتے۔ نہیں سننا چاہتے تو مت سنو۔ میری بلا سے۔''

''بکو۔ اب منہ مت بسورو، کہہ دو کہ کلپنا مر گئی، کلدیپ مر گئی۔ جگدیو تباہ ہو گیا۔ بدری نرائن کو... نے پھر تحفظ دے دیا۔ کہہ دو کہ تم مجبور ہو، کہو کہ تمہارے لئے پھر کسی نے جاپ شروع کر دیا ہے... دفعان ہو رہی ہو۔'' میں نے شدید غصے میں کہا۔

''تم نے کچھ باتیں صحیح کہی ہیں۔'' انکا نے اداسی سے کہا۔

''کیا.....؟ ان میں کون سی بات صحیح ہے؟'' میں نے بے قرار ہو کر پوچھا۔ ''تمہارا منہ کیوں نہیں پھوٹتا۔''

''جمیل! تمہاری اتنی عمر ہو گئی ہے۔ تم نے اتنے زخم کھائے پر تم نے تجربوں سے کچھ نہیں سیکھا۔ سنو! کلدیپ تنہا رہ گئی ہے، جگدیو پرلوک سدھار گیا ہے۔ جگدیو کے مرنے کے بعد بدری نرائن نے کالی کے دوسرے پجاریوں سے گٹھ جوڑ کر کے تمہیں اس بار بالکل ختم کرنے کی ٹھان لی ہے۔ وہ اب اکیلا نہیں ہے، کئی مہاپرش، پنڈت، پجاری اس کے ساتھ ہیں۔ اتنے بہت سے لوگوں کے سامنے کلدیپ کب تک مقابلہ کرے گی؟ جگدیو کے مر جانے سے اس کی کمر ٹوٹ گئی ہے، ادھر تزئین بھی تمہاری امانت کے طور پر اس کے پاس محفوظ ہے۔ اس نے تمہیں بر وقت متنبہ کیا تھا لیکن تم بھول گئے کہ گیا وقت ہاتھ نہیں آتا۔ تم نے وقت کی قدر نہیں کی۔'' انکا نے افسردگی سے کہا۔

''انکا.....!'' میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ ''تم نے ایک ہی سانس میں کتنی باتیں کہہ دیں۔ وہ میرا مہربان بوڑھا، میرا شفیق، میرا محسن جگدیو مر گیا۔ اس نے تمہیں فراخ دلی سے میری جھولی میں ڈال دیا تھا۔'' میں رقت آمیز لہجے میں بولا۔ ''اس نے میرا انتظار بھی نہیں کیا؟ وہ مجھ کس پر چھوڑ گیا؟'' میری آواز بھرا گئی۔

''جمیل! میں نے تم سے ایک بار کہا تھا کہ ماورائی طاقتوں کے کچھ اصول، کچھ قوانین ہوتے ہیں اور اتنے سخت ہوتے ہیں کہ دنیوی قانون ان کے آگے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ ہر طاقت کی اپنی ایک حد ہوتی ہے۔ لامحدود طاقت کسی کے پاس نہیں ہے۔ بدری نرائن نے بہت سے پجاریوں کے سنگ مل کر اسے ایک مذہبی معاملہ قرار دیا ہے کیونکہ تمہارا نام جمیل احمد خان ہے۔ تم نے کالی کے مندر میں ایک پجاری کو مار دیا تھا۔ تم وہاں گھس گئے تھے۔ تم نے ایک ہندو عورت کو اپنے گھر میں رکھا اور اسے مسلمان بنا لیا۔ تم ایک بڑے پجاری بدری نرائن کی زندگی کے پیچھے پڑے ہوئے ہو۔ کلدیپ ایک ہندو ناری تمہارے چکر میں ہے۔ بدری نرائن نے یہ تمام باتیں کچھ اس انداز سے اپنے ساتھیوں کو بتائی ہیں کہ وہ اس کی مدد کرنے پر کمربستہ ہو چکے ہیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنے بیروں کی مدد سے تمہارے جہاز پر حملہ کرا دیا۔ تمہیں معلوم ہے، جہاز ہندوستان سے کتنی دور تھا؟ صرف چند لمحوں بعد جہاز ہندوستان میں داخل ہونے والا تھا۔ انہوں نے متعدد اور بے گناہ مسافروں کی بھی پروا نہیں کی۔ وہ تم سے اتنے مشتعل ہیں کہ اب انہیں ہندوستان میں تمہارا قدم رکھنا بھی گوارا نہیں ہے۔''

انکا کی یہ زبانی افسوس ناک باتیں سن کر میرے جسم پر غصے سے رعشہ طاری ہو گیا۔ ساتھ ہی مجھے اپنی بے بسی، محرومی، بے بضاعتی اور کمزوری کا شدت سے احساس ہوا۔ میں انکا سے کچھ نہیں کہہ سکا، وہ میری حالت دیکھ کر پریشان سی ہو رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ وہ میرے سر پر بیٹھی میرے بالوں میں انگلی

سے کنگھی کر رہی ہے۔ مجھے انکا سے ندامت ہوئی کہ میں نے معاملات پوچھے بغیر اس سے تلخ ہو... کیوں کیں...... "کلپنا کہاں گئی؟" میں نے اپنے خیالوں سے چونک کر پوچھا۔

"وہ جہاز کو اس مشکل سے نکالنے کے لئے بدری نرائن کے بیروں پر مسلسل وار کر رہی تھی لیکن... دوران ایک ایسی شکتی دیکھنے میں آئی، جس نے بدری نرائن کا جادو ناکام کر دیا۔ کلپنا اب مطمئن ہو... گئی کہ جہاز میں صرف انکا نہیں، کچھ اور شکتیاں بھی ہیں۔ یہ جو تم بدھ بھکشوؤں کے پاس بیٹھے تھے، یہ... کی شکتی تھی۔"

"بدھ بھکشو...... تو میرا اندازہ صحیح تھا۔ ان لوگوں کے بارے میں مجھے کچھ بتاؤ۔" میں نے ... سے پوچھا۔ چند لمحوں کی مہلت کے بعد انکا نے مجھے ان کے بارے میں جو تفصیلات بتائیں انہیں ... میں دنگ رہ گیا۔ ان کا تعلق تبت سے تھا۔ تبت میں انہوں نے بڑے مندروں اور عبادت گاہوں ... عرصے تک مہاتما بدھ کی موتی کے سامنے یکسوئی کے ساتھ بیٹھ کر ریاضت کی تھی۔ تبت بدھوں کا بہت ... مرکز ہے۔ وہاں کے لاماؤں اور بھکشوؤں کے متعلق عجیب وغریب روایات مشہور ہیں۔ بدھ بھکشوؤں ... متعلق میں نے بھی سنا تھا کہ انہیں تحمل، صبر، قناعت، ضبط اور عفو کی تعلیم دی جاتی ہے۔ دنیوی آلا... علائق سے ان کا رابطہ نہیں ہوتا۔ اپنے طویل مراقبوں کے ذریعے اور ساری دنیا سے الگ ہو کر ایک ... ارتکاز کر کے ان کے اندر حیرت انگیز صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔ انکا نے مجھے بتایا کہ یہ بھکشو ... تعلیمات عام کرنے کے لئے تبت کے شاہی خاندان کے لاماؤں کے ایما پر دنیا کا دورہ کر... ہوئے تھے۔ گوتم کی شخصیت اور اس کی تعلیمات مغرب میں دیگر فلسفہ ہائے مذاہب کی طرح بہت ... سے دیکھی جاتی تھیں۔ ان تین بھکشوؤں میں سب سے بڑے کا نام کمپالا تھا اور اس کے ساتھی نوجو... کے نام تبراس اور سبرا تھے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ اگر یہ جہاز میں نہ ہوتے تو صرف انکا اور کلپنا جہاز کو ... تک تباہی سے بچا سکتی تھیں۔

تہران کے اس شان دار ہوٹل میں جہاز کے تمام مسافر اپنی سلامتی کی خوشی میں دھوم مچائے ... تھے۔ جہاز کے مکمل چیک اپ کے لئے قیام کو چار روز اور طول دیا گیا تھا۔ مسافروں کا تمام صرفہ ... ذمہ تھا۔ ہوٹل میں ایران کی خوب صورت لڑکیاں موجود تھیں۔ رات کو وہاں کیبرے ہوتا تھا۔ ... زمین پر ہوٹل تعمیر کیا گیا تھا وہاں کی دنیا ہی الگ تھی۔ وہ سارے ایران سے مختلف تھا۔ طرح طر... لوگ طرح طرح کے چہرے صبح و شام نظر آتے تھے۔ میں اور انکا اداس اداس ایک دوسرے ... الجھے اپنے کمرے میں مقید تھے۔ ایک شخص بری طرح اعصاب پر سوار تھا۔ بدری نرائن، جو ہند... میں تھا۔ وہ اتنی دور ہو کر بھی جہاز کو اس کے تمام مسافروں سمیت نیست و نابود کرنے کا ارادہ کر... ہندوستان پہنچنے کے بعد میرے ساتھ کیا سلوک کرتا؟ وہ مجھے ہندوستان پہنچنے سے پہلے ہی کیوں

بچتا تھا؟ جب کہ میں اتنے بہت سے پنڈتوں، پجاریوں کے سامنے کسی طور بھی اپنا دفاع نہ کر پاتا اور ایسی صورت میں کہ جگدیو بھی دنیا سے کوچ کر گیا ہو۔ کیا اسے انکا سے خطرہ تھا؟ اور کیا وہ کلدیپ کی شخصیت سے خوف زدہ تھا؟ اگر میں واپس ہندوستان جاتا ہوں تو زندگی کی وہی گردش شروع ہو جائے گی جس سے بچ کر میں نے انگلستان کا سفر کیا تھا۔ وہ شہروں شہروں مارے مارے پھرنا، پولیس کا تعاقب، ہر جگہ بدری نرائن اور اس کے ساتھیوں کا خوف مگر میں کب تک ہندوستان سے باہر رہوں گا۔ جگدیو کی موجودگی میں کوئی شخص بھی انکا کو حاصل کرنے کا جاپ کرنے کی جرأت نہیں رکھتا تھا، اب اس کے بعد کسی دن بھی کسی پجاری کے دل میں اس کی طلب کی آگ بھڑک سکتی ہے۔ تزئین کو میں کس بھروسے پر اشرفی بیگم کی گھناؤنی زندگی سے دور لانا چاہتا تھا۔ وہ کب تک کلدیپ کے ساتھ رہے گی اور کلدیپ کب تک اس نوجوان لڑکی کی نگرانی کرے گی۔ وہ مالا اور نرگس کو مجھ سے دور کر چکا ہے۔ کلدیپ کو تنہا سمجھ کر کہیں تزئین پر ہاتھ نہ ڈالے۔ اس کمینے سے کیا بعید ہے؟ ہزاروں وسوسوں اور خدشوں سے میرا دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ مجھے اپنی کوئی فکر نہیں تھی۔ اپنی زندگی تو جیسے تیسے گزر گئی، تزئین کی فکر دامن گیر تھی جس میں نرگس کی شباہتیں اور نرگس کی نیکیاں موجود تھیں۔ میں اگر ہندوستان واپس جانے کا ارادہ ترک کرتا ہوں اور لندن پہنچ کر جین کی شفیق آغوش میں رہتا ہوں تو اس کا کیا حال ہوگا؟ لندن میں جین میری منتظر تھی۔ کیسے کیسے منصوبے بنائے تھے کہ اب جب کہ وہ کالی کے تحفظ سے نکل چکا ہے۔ اسے عبرت ناک حالت سے دوچار کیا جائے گا۔ جرمنی اور لندن میں انکا نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ جین کے سر پر جا کر اسے کسی وقت بھی میری آغوش میں پھینک سکتی ہے مگر میں مرحلہ شوق کی مہم جوئی اور جین کے بدن کے جادو میں ایسا کھویا کہ مجھے وقت کا احساس ہی نہ رہا، اب میں ایک ایسا شخص تھا جو خود اپنے گالوں پر طمانچے مار رہا تھا۔ جمیل احمد خان، ایک بدبخت انسان، جسے اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنا آتا تھا اور جو اپنا ہی آشیانہ پھونک دیتا تھا۔ موت جس سے پناہ مانگتی تھی اور زندگی جس سے ناراض رہتی تھی۔ اس کے پاس سب کچھ تھا، اب اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ وحشتیں جب حد سے سوا ہو گئیں تو میں اپنے کمرے سے اٹھ کر نیچے چلا گیا جہاں بدھ بھکشو ہوٹل کے لان پر بیٹھے بت بنے ہوئے خود میں کھوئے ہوئے تھے۔ ہوٹل میں ٹھہری ہوئی چند مغربی خواتین ان کے گرد عقیدت سے بیٹھی ہوئی تھیں۔ میں بھی ایک کونے میں بیٹھ گیا۔ انکا میرے سر پر خاموش بیٹھی تھی۔

انہوں نے کچھ دیر بعد ایک ساتھ آنکھیں کھولیں اور ان کے ساکت جسموں میں حرکت پیدا ہوئی۔ بڑے بھکشو کمپالا نے میری طرف مسکرا کر دیکھا اور ہاتھ کے اشارے سے مجھے سلامتی کی دعائیں دیں۔ میں نے اس کے قریب پہنچ کر رقت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔ شاید وہ میری ہیئت کذائی سے متاثر ہوا۔ "میرے بچے، تجھے سکون کی ضرورت ہے۔" اس نے شفقت سے کہا۔

میں نے ایک بار پھر اشارہ کنایوں میں اپنی تمام روداد اسے سنا دی۔ اس کے باوقار چہرے ٹھہراؤ تھا۔ دونوں نوجوان بھکشو وہاں بیٹھی ہوئی خواتین کو درس دے رہے تھے۔ کمپالا نے مجھے وعدہ نہیں کیا جس سے میری بے چینیاں کم ہوتیں۔ ہاں اس نے مجھے اپنے ساتھ تبت لے چلنے کش کی۔ ظاہر ہے تبت کا سفر میری پریشانیوں کا حل نہیں تھا۔ وہ آتما کی رفعت و عظمت کے متعلق لیکچر دیتا رہا۔ وہ یقیناً ہندو پجاریوں، پنڈتوں سے مختلف شخص تھا۔ چند ہی لفظ اس کے وردِ زبان گوتم، شاکیہ، منی تپسیا، تیاگ، نروان۔ جب میں نے اس سے پوچھا کہ مجھے ہندوستان جانا چاہیے نہیں۔ تو اس نے ایک خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ ''اس چھوکری سے پوچھ جو تیرے بیٹھی ہے۔''

''وہ مجھے ہندوستان میں پیش آنے والے خطروں کا احساس دلاتی ہے۔'' میں نے کسی طرح کہا۔

''وہ یہ خطرے دور کرنے کے لئے کوئی ترکیب کیوں نہیں سوچتی؟ اس کے پاس تو بہت سی ہیں۔''

''پر وہ کس کس سے لڑے۔ اس کی شکتی دوسری شکتیوں کی طرح محدود ہے۔'' میں نے کہا۔

اس کی مسکراہٹ ہنسی میں تبدیل ہوگئی۔ میں بے بسی سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ انکا کا مذاق تھا۔ میں نے عالمِ تصور میں دیکھا، انکا میرے سر پر بیٹھی پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ اس نے مجھ

''جمیل! چلو، یہ ابھی تیار نہیں ہوگا۔ ویسے یہ شخص ہندو دھرم کا دشمن ہے۔ اگر گوتم کی اہنسا کی تعلیما کے سامنے نہ ہوتیں تو کسی پنڈت پجاری کو نہ چھوڑتا۔''

''کہیں تمہیں برا تو نہیں لگ رہا؟'' میں نے دل ہی دل میں اس سے کہا۔ ''کیا تم متف گئیں؟''

''تم بے وقوف ہو۔ میں نے صرف تمہیں چاہا ہے۔ وہ انسان جو اس دنیا میں جیتے ہیں ان کا ہوتا ہے، تعصب وہ کر سکتے ہیں لیکن میں تو ایک شکتی ہوں۔ میرے بارے میں تم کیا جانتے بھی نہیں جانتے۔ میں تو اس کی تابع ہوں جس کے سر پر رہتی ہوں۔ اس میں مذہب کا سوال ہوتا۔ کیا تم ہندو ہو؟'' انکا نے جل کر کہا۔

''میں تو کچھ بھی نہیں رہا۔ میں نہ جانے کیا ہو گیا ہوں، مجھے خود نہیں معلوم۔'' میں نے کہا۔

''یہ شخص چونکہ مجھے ہندو سلسلے کی ایک لڑکی سمجھتا ہے۔ اس لئے میری شکتی کا مذاق اڑا رہا یہ تمہارے کام آ سکتا ہے۔''

''اچھا خاموش رہو۔ ممکن ہے اسے ہماری تمہاری باتوں کا علم ہو۔ مشکل یہ ہے، اسے اندازہ نہیں کہ مجھ پر کیا گزری ہے۔''

''میں جانتا ہوں۔'' انکا کے بجائے کمپالا بولا۔

''آپ..... آپ؟'' لفظ میرے منہ میں اٹک گئے۔ ''آپ مہاتما گوتم بدھ کے سچے بھکشو ہیں، آپ کے باطن کا دروازہ کھلا ہے، میری مدد کیجئے۔ اس شخص کی مدد کیجئے جو گناہوں کی زندگی چھوڑنا چاہتا ہے۔''

''میرے ساتھ تبت چلو، میں تمہیں پگوڈا اور وتوبا میں بٹھا کر تمہارا من اجلا کروں گا!''

''تبت! لیکن میرے بزرگ.....'' میں نے کچھ بولنا چاہا لیکن اس نے میرا جملہ اچک لیا۔

''میں جو کہتا ہوں اس پر عمل کرو یا پھر جو تمہارے جی میں آئے، کرو۔'' اس کے ساتھ ہی اس نے آنکھیں بند کرلیں اور مراقبے میں ڈوب گیا۔

وسیع و عریض ہندوستان کے تقریباً تمام علاقے۔ اس کے بعد انگلینڈ پھر جرمنی، پھر ایران، اب تبت اور اس کے بعد نہ جانے کہاں؟ میں بوجھل قدموں سے اٹھا اور میں نے اپنے کمرے میں آ کر انکا کو حکم دیا۔ ''میرا ذہن معطل کر دو۔ جیسے ایک بار تم نے پونا میں کیا تھا نہیں تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔'' انکا نے تشویش سے میری حالت دیکھتے ہوئی بولی۔

''جہاز کی روانگی میں ابھی تین روز باقی ہیں۔ اس طرح تم کوئی فیصلہ نہیں کر پاؤ گے۔ جو ہونا ہے اسے تم روک نہیں سکتے۔ کوئی اچھا فیصلہ کرنے کے لئے ذہن کا پُرسکون ہونا ضروری ہے۔ آؤ میرے ساتھ، آؤ۔ میں تمہیں ایران دکھاؤں، تہران کے عجائب دکھاؤں، ایرانی دوشیزاؤں سے ملاقات کئے بغیر تم ہندوستان چلے جاؤ گے؟''

''انکا!'' میں نے اسے جھڑک دیا۔ ''تم بڑی بے حس ہو۔ ہر طرف اندھیرا نظر آتا ہے اور تمہیں دل لگی سوجھ رہی ہے۔''

انکا نے مجھے منانے کی کوشش کی۔ میں اس دن اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلا۔ میرا کھانا بھی کمرے میں آ گیا۔ کھانا بھی رسماً کھایا تھا، بھوک اڑ گئی تھی۔ اس کرب و اضطراب کے عالم میں خوب سوچ بچار کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے لندن واپس جانے یا تہران میں ٹھہرنے یا کہیں آوارہ گردی کرنے یا بدھ بھکشو کے حکم کے مطابق تبت جانے کے بجائے ہندوستان واپس جانا چاہئے۔ نہ جانے زندگی کی یہ ڈور کب ٹوٹ جائے۔ اگر ہندوستان ہی میں ذلت کی موت مرنا میرا مقسوم ہے تو پھر یہی بہتر ہے۔ وہاں کلدیپ موجود ہے۔ وہ اتنی بے سہارا تو نہ ہوئی ہوگی۔ میرے پاس انکا بھی ہے۔ میں بچتا بچاتا کسی صورت سے اگر کلدیپ کے استھان پر پہنچ جاؤں تو وہ کبھی مجھ پر ہاتھ نہیں ڈال سکیں گے۔

بمبئی سے میسور تک پہنچنا ہی ایک مسئلہ ہے۔ میرے اس فیصلے پر انکا کچھ سوچنے لگی اور پھر بھی اس فیصلے کے آگے ہتھیار ڈال دئے۔ میں نے تیسرے روز تہران کے بازاروں، عمارتوں گاہوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ یہ شہر صفائی میں یورپ کے کسی بڑے شہر کے مساوی ہے۔ تہران نے اسی طرح دیکھا جیسے کوئی تصویریں دیکھے۔ میں ٹیکسی سے نہیں اترا، ہاں میں نے اسکرٹ پہنے ایرانی لڑکیاں دیکھیں لیکن طبیعت ہی موزوں نہیں تھی۔ انکا نے مجھے کئی بار ٹوکا اور کئی حسین لڑکی طرف اشارہ کیا کہ وہ انہیں میرے ایک اشارے پر ہوٹل میں لا سکتی ہے۔ حسن کا تعلق فرد کے معاملات سے ہے۔ اچھا لگنا یا برا لگنا جسم کے طبعی عمل کی خوش گواری یا ناخوش گواری پر موقوف جب جسم میں ہیجان برپا ہو تو رنگوں کی تمیز مشکل ہو جاتی ہے اور روشنیاں کوئی خاص فرق نہیں ڈالتیں

بدھ بھکشو کے پاس میں ایک بار اور گیا لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ جہاز مکمل طور پر درست حفظ ماتقدم کے طور پر ہر طریقے سے اس کی چیکنگ کی جا رہی تھی۔ تین روز گزر گئے۔ چوتھے دن روانہ ہونا تھا۔ میرے دل کا جو عالم تھا وہ ناقابل بیان ہے۔ تہران کی آخری رات تو میں بہت مضطرب تھا۔ حالانکہ میں نے ایک فیصلہ کر لیا تھا۔ مجھ جیسے مضبوط اعصاب کا شخص بری طرح انتشار میں مبتلا انکا مجھے کیبرے میں لے گئی۔ کیبرے سے لندن کی یاد تازہ ہو گئی۔ یہ کیبرے یورپ کے عریاں سے کچھ زیادہ آگے کے مناظر پیش کر رہا تھا۔ دھیمی روشنیوں میں موسیقی کے بادل تیر رہے تھے۔ کی ایک سے ایک گل اندام لڑکی موجود تھی۔ انکا نے میری طبیعت بحال کرنے کے لئے مجھ سے جھجکتے پوچھا: ''ان میں سے کون سی لڑکی تمہیں پسند ہے؟''

میری طبیعت میں جارحیت آ گئی۔ ''سب پسند ہیں۔''

''نہیں نہیں، ٹھیک سے بتاؤ۔ تہران کے لوگ کیا کہیں گے کہ تم یوں ہی انہیں داد عیش دیے چلے گئے۔'' انکا نے مجھے چھیڑا۔

''تم مذاق کا وقت نہیں جانتیں۔'' میں نے جھنجلا کر کہا اور ہال سے باہر نکل آیا۔ انکا میرے اتر گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد جب میں بستر پر لیٹ چکا تھا، دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے بے دلی دروازہ کھولا۔ ایک پری چہرہ لڑکی میرے سامنے موجود تھی۔ اس نے آتے ہی میرے گلے میں ڈال دیں۔ میں نے اسے خود سے علیحدہ کیا لیکن وہ مجھ سے الجھی رہی۔ میں نے اسے دھکا دیا لیکن جارح ہو گئی۔ اتنی معصوم لڑکی سے اس اذیت پسندی کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ وہ تو انکا تھی جو چھیڑ خانی کر رہی تھی۔ آخر میں نے شکست قبول کر لی۔ ایک رات اور گزر گئی اور چوتھے روز صبح جہاز میں بیٹھ گئے۔ بدھ بھکشو کمپالا کے چہرے پر مسکراہٹ چھائی ہوئی تھی۔ اس کی یہ مسکراہٹ

ڈالتی تھی۔ ہم اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ جہاز جلد ہی تہران کی زمین سے اٹھ گیا اور تہران کی فضاؤں میں پرواز کرتا ہوا بستیاں پھلانگتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

کراچی ائیر پورٹ پر جہاز کوئی آدھے گھنٹے ٹھہرا۔ میں جہاز سے اترا نہیں اس لئے کہ بدھ بھکشو بھی جہاز میں موجود تھے اور میں بمبئی تک ان کے ساتھ رہنا چاہتا تھا۔ بمبئی سے ان کی منزل گیا تھی، جہاں گوتم بدھ کے عظیم الشان مندر میں گوتم بدھ کی یاد میں کوئی جشن منایا جا رہا تھا۔ ہندوستان، میرا وطن، میں نے کراچی کا صاف ستھرا ہوائی اڈا جہاز کی کھڑکیوں سے دیکھا۔ میرا وطن میرے لئے جہنم بن گیا تھا، صرف لندن میں چند ماہ سکون سے گزارے تھے مگر وہاں بھی بلاؤں نے میرے تعاقب میں کون سی کسر چھوڑ دی تھی۔ بیان کرنے اور مصائب جھیلنے میں بڑا فرق ہے۔ جو لفظ سرسری گزر جاتے ہیں، ان لفظوں کا جبر میں نے سہا ہے، جو لفظ خوشبو بکھیرتے ہیں، میں نے انہیں سونگھا ہے۔ میرے احساس کی شدت میرے درد میں شامل ہونے سے محسوس ہو گی۔

بمبئی میں اترنے کے بعد میں بدھ بھکشوؤں کے ساتھ چلتا رہا۔ انکا پوری طرح محتاط تھی۔ میرا ارادہ کسی اولین گاڑی کے ذریعے سب سے پہلے کلدیپ کے استھان جانے کا تھا۔ میرے پاس کچھ زیادہ سامان نہیں تھا۔ تزئین کے لئے میں نے چند چیزیں خریدی تھیں جو میرے سامان میں محفوظ تھیں۔ بدھ بھکشوؤں کو لینے کے لئے ائر پورٹ پر کچھ لوگ موجود تھے۔ میرا کوئی نہیں تھا۔ ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی مجھے اجنبیت کا احساس ہوا۔ ائر پورٹ سے میں بخیریت سینٹرل اسٹیشن پہنچ گیا۔ میں نے صرف رات کو سفر کرنا مناسب سمجھا۔ انکا بار بار اچھل جاتی، میری جیب میں تھوڑی بہت انگلستانی کرنسی تھی جو میں نے ائر پورٹ پر بھنالی تھی۔ باقی رقم جین کے پاس محفوظ کرا آیا تھا۔ انگلستان میں، میں نے بہت سی رقم کمائی تھی۔ اگر اسے کمائی کہا جائے۔ ٹرین کی روانگی کے بعد سب سے پہلا حادثہ اس وقت پیش آیا جب ایک چھوٹے اسٹیشن پر ایک انسپکٹر میرے کمپارٹمنٹ میں داخل ہوا۔ اس نے مجھے متعدد الزامات کے تحت حراست میں لینے کی کوشش کی۔ میں نے اسے سمجھانا چاہا۔ دو سپاہی اس کے ساتھ تھے۔ گاڑی اپنی رفتار سے چل رہی تھی اور میں انہیں بتا رہا تھا کہ میرا نام دولت علی خان ہے۔ میں جمیل احمد خان نہیں ہوں۔ میں نے انہیں لندن جانے والے کاغذات دکھائے لیکن وہ انگلستان کی پولیس نہیں تھی۔ اس کا تعلق ہندوستان سے تھا۔ میں جان بوجھ کر تھرڈ کلاس کے ڈبے میں بیٹھا تھا لیکن یہی بات میرے لئے مصیبت بن گئی۔ اگر وہ فرسٹ کلاس کے تنہا کیبن میں آتے تو میں انہیں گاڑی سے نیچے کسی نالے میں پھینک دیتا۔ ڈبے میں موجود لوگ مجھے، میرے قیمتی سامان کو گھور گھور کر دیکھ رہے تھے۔ بس ایک حربہ رہ گیا تھا کہ انکا میرے سر سے اترے اور کوئی شعبدہ دکھائے۔ انکا انسپکٹر کے سر پر جانے کے بجائے ایک اور شخص کے سر پر چلی گئی۔ وہ شخص خاصا تنومند تھا اور شروع سے آخر تک میرے معاملے میں دلچسپی لے

رہا تھا۔ وہ انسپکٹر سے الجھ پڑا اس نے اس پر ہاتھ اٹھا دیا۔ ڈبے میں ایک قیامت برپا ہوگئی۔ مسافر سپاہیوں سے دست و گریباں ہوگئے۔ میں نے اپنا سامان وہیں چھوڑ دیا اور ایک جگہ جب گاڑی ذرا آہستہ ہوئی، میں لوگوں کی نظروں سے بچتا ہوا ڈبے سے کود پڑا۔ میرے سر میں شدید چوٹ لگی۔ اندھیری رات تھی، کوئی اسٹیشن قریب تھا۔ میرے کپڑے کیچڑ میں لت پت تھے۔ میں نے اپنی چوٹ کی پروا نہ کی جدھر منہ اٹھا، تیزی سے بھاگتا رہا۔ اس علاقے میں خاصی بارش ہوتی ہے۔ میں چھپتا چھپاتا میلوں دور نکل گیا۔ میرا رخ اس طرف تھا جدھر سے گاڑی آئی تھی۔ یہ پہلا حادثہ تھا ہندوستان میں اترنے کے بعد۔ میں جانتا تھا کہ اس پردہ نگاری میں کون معشوق ہے وہ بدری نرائن کے سوا کوئی اور نہیں ہوسکتا تھا۔ انکا میرے سر پر نہیں تھی۔ ہندوستان کی پولیس میرے جرائم کے متعلق فرد جرم تیار کرچکی تھی۔ آگے چل کے بعد بارش نے زور باندھ لیا۔ اندھیرا، انجانا راستہ، بارش۔ مجھے اس وقت خیال آیا کہ میرا ہندوستان آنا مناسب نہیں تھا۔ مجھے بدھ بھکشو کمپالا کی معنی خیز مسکراہٹ یاد آئی جو بمبئی ائرپورٹ پر رخصت ہوتے وقت اس کے چہرے پر پھیل گئی تھی۔ صرف ایک دن میں میری حالت کتنی متغیر ہوگئی تھی۔؟ تہران کے آرام دہ ہوٹل میں قیام، پھر جہاز کا سفر اور یہ ویران مقام۔

چلتے چلتے اندھیرے میں مجھے روشنی کی ایک کرن نظر آئی۔ وہ ایک کوٹھری تھی اور اس کا ایک دروازہ تھا۔ دروازے کی جھریوں سے روشنی چھن چھن کر باہر آرہی تھی۔ میں نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے دروازے پر دستک دی۔ ”آ جاؤ۔“ اندر سے ایک بھاری بھرکم مردانہ آواز آئی مگر میں سہم کر کھڑا رہا۔ ”آ جاؤ۔ ڈرو نہیں۔“ پھر اسی آواز نے بند دروازے کے اندر سے کہا۔ میں بارش میں بھیگا تھا۔ میں نے درزوں سے اندر جھانکنے کی کوشش کی۔ وہاں مجھے ایک خوب صورت عورت بیٹھی ہوئی نظر آئی لیکن عجیب بات تھی کہ اندر سے آواز کسی مرد کی آئی تھی۔ مرد مجھے نظر نہیں آیا۔ میں نے دروازہ ہلکا سا جھٹکا دیا۔ وہ آسانی سے کھل گیا۔ اندر روشنی تھی۔ میں نے ڈرتے ڈرتے اندر قدم رکھا لیکن میرے قدم وہیں کسی نے جکڑ لئے۔ اندر کوئی بھی نہیں تھا۔ سارا کمرا خالی تھا۔ دروازہ ایک جھٹکے کے ساتھ بند ہوگیا۔ میں نے حواس باختہ ہوکر دروازے پر ضربیں لگانی شروع کردیں۔ دروازہ ذرا بھی نہیں ہلا۔ میں بدری نرائن کے جال میں پوری طرح پھنس گیا تھا۔ انکا بھی میرے پاس نہیں تھی۔ بارش کی پُرشور آواز میں میری چیخ پکار کون سنتا؟ اشرفی بیگم کے بالا خانے پر بھی میں اسی طرح پھنس گیا تھا۔ یہ خیال کرکے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے کہ بدری نرائن نے کوٹھری کے گرد اپنی کالی طاقتوں کا جال نہ بن دیا ہو۔ مجھے یہ اندیشہ بھی ہوا کہ اگر کلپنا یا انکا میری مدد کو نہ آسکیں تو......؟ میں نے سوچا جدوجہد بیکار ہے۔ دیوار سے سر ٹکرانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ میں ان جہنمی طاقتوں کے سامنے کیا حیثیت رکھتا ہوں۔ انکا کا محتاج ہوں۔ میں کلدیپ اور کلپنا کا محتاج ہوں۔ ایک محتاج اور معذور آدمی، جمیل احمد خان۔ پاگل، ایک کتا آدمی۔

بارش تھم گئی تو میں نے کوٹھری سے باہر نکلنے کی ایک کوشش اور کی۔ یہاں تک کہ رات گزر گئی اور صبح صادق کے وقت پرندوں کے چہچانے کی آوازیں آنی شروع ہوگئیں۔ میں نے درز سے باہر جھانک کر دیکھا۔ مجھے ایک درخت کے نیچے ایک سادھو بیٹھا ہوا نظر آیا۔ چنانچہ میں زور زور سے چیخ کر اسے متوجہ کرنے لگا مگر اس کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ وہ آسن جمائے، مست الست اپنی دھن میں مگن رہا۔ تھک ہار کر میں اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ باہر آگ لگ رہی ہے۔ میں نے جھری سے پھر دیکھا۔ ایک گول دائرے کی شکل میں سامنے آگ بھڑکی ہوئی تھی۔ کسی دیہاتی کے ہاتھ میں کدال تھی اور سادھو مردہ پڑا ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد دیہاتی جھری میں میری نظروں کے دائرے سے نکل گیا اور دوسرے ہی لمحے میں نے انکا کو اپنے سر پر موجود پایا۔ وہ مجھے حکم دے رہی تھی کہ میں دروازے پر ایک بھرپور ضرب لگاؤں۔ میری دو تین لاتوں سے دروازہ ٹوٹ کر گر گیا۔ یہ وہی دروازہ تھا جسے میں آدھی رات سے کھولنے کی کوشش کررہا تھا۔ باہر آکر میں نے آگ کا وہ دائرہ پھلانگ لیا جس نے ساری کوٹھری کا احاطہ کر رکھا تھا۔ سادھو کا خون اس کے اونچے استھان پر پھیلا ہوا تھا اور دیہاتی وہاں موجود نہیں تھا۔ اسے انکا نے بھگا دیا تھا۔

”ہمیں جلد از جلد اس بستی سے دور ہو جانا چاہئے۔“ انکا نے کہا۔

میں نے اس وقت مناسب نہیں سمجھا کہ اس سے کوئی باز پُرس کروں۔ جب سورج چڑھ آیا تو میں کافی دور آچکا تھا۔ بھاگتے بھاگتے میرے پیروں میں تکلیف ہونے لگی تھی۔ میں نے انکا سے آگے جانے کے لئے انکار کردیا۔ اس وقت انکا نے اپنے پنجے میرے سر میں اتنی زور سے چبھوئے کہ مجھ پر بے ہوشی کا غلبہ ہوگیا اور مجھے کچھ ہوش نہیں رہا کہ میں کہاں جا رہا ہوں؟ کیا سوچ رہا ہوں؟ جب انکا کا یہ غلبہ ختم ہوا تو میں نے خود کو ایک ویران مقام پر پایا۔ انکا مجھے بستیوں بستیوں چھپاتی ہوئی جنوبی ہند کے ایک مقام کرنول تک لے آئی تھی۔ ناندیڑ رائے چور اور ادونی ہوتے ہوئے میں کرنول شہر سے دور کسی کسان کے گھر مقیم تھا۔ مجھے بمبئی سے چلے ہوئے ایک ماہ ہوگیا تھا۔ کسان نے مجھے ایک علیحدہ کوٹھری دے دی تھی۔ ہوش میں آنے کے فوراً بعد تمام باتیں انکا نے مجھے بتا دی تھیں۔ جب میں کمپارٹمنٹ سے کود گیا تھا تو ڈبے میں انسپکٹر نے میرے اس ہمدرد شخص پر گولی چلا دی تھی۔ نتیجے میں دوسرے مسافر انسپکٹر پر ٹوٹ پڑے تھے۔ انکا کو معاملات اپنے قابو میں رکھنے کے لئے دیر تک وہاں رکنا پڑا۔ پھر جب وہ واپس آئی تو اس نے کوٹھری کے گرد ایک دائرہ کھنچا ہوا دیکھا۔ اس دائرے کی وجہ سے انکا اندر نہیں جا سکتی تھی۔ چنانچہ انکا نے قریبی بستی سے ایک دیہاتی کو لیا۔ اس مقام پر یہ سادھو بمبئی کے ایک مندر کے پجاری کے اشارے پر یہ سب کچھ کر رہا تھا جس سے بدری نرائن نے درخواست کی تھی۔ انکا نے اسے ایک کدال

سے ختم کرا دیا تھا۔ اس کے بعد اس نے دیہاتی سے اس دائرے میں آگ لگوا دی جس میں میں مقید تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ کلپنا کیوں نہیں آئی جو ہر موقع پر میری مدد کو آ جاتی تھی؟ ہندوستان کے بڑے بڑے مندروں کے پجاری میری تاک میں تھے۔ انکا نے مجھے مغلوب کر کے، مجھے اپنا ایک حصہ بنا لیا تھا۔ اس طرح اس نے کسی حد تک میرے دفاع کا سامان پیدا کر لیا تھا۔ راستے میں مصائب پیش آئے، ان کا تذکرہ فضول ہے کیونکہ میں ان سے بے خبر تھا۔ ہمارے سامنے اس وقت مسئلہ تھا کہ ہم کس طرح کلدیپ کے استھان تک پہنچیں؟ کرنول تک تو انکا مجھے لے آئی تھی لیکن کرنول سے میسور کا فاصلہ کم نہیں تھا۔ اب تک میرے خیال کے مطابق انکا ہی نے مجھے پنڈتوں کی زد سے بچایا ہوا تھا۔ مجھے اس کا علم نہیں تھا کہ کلپنا میرے ساتھ رہی تھی۔ اس کا علم مجھے اس وقت ہوا جب کرنول سے میسور تک پیدل سفر کرتے ہوئے میں ایک پھسلواں چٹان سے گر پڑا اور کلپنا کو میرے سامنے ظاہر ہونا پڑا۔ سرمئی رنگ کی ساڑی میں حسین و جمیل کلپنا بے حد اداس تھی۔ اسے دیکھ کر میں اپنی تکلیف بھول گیا۔ کلپنا کو دیکھ کر انکا میرے سر سے غائب ہو چکی تھی۔ کلپنا کو سوگوار اور ملول دیکھ کر مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ سکا۔ اس کی کنول جیسی آنکھوں میں ویرانیاں رقص کر رہی تھیں۔ اس کے چہرے کے نقوش دھندلے دھندلے نظر آ رہے تھے۔ "کلپنا۔ میری نگاہیں دھوکا تو نہیں کھا رہی ہیں؟" میں نے لرزتی ہوئی آواز میں اسے مخاطب کیا۔

"ہاں جمیل احمد خان۔ یہ میں ہوں کلپنا۔" کلپنا نے درد بھرے لہجے میں کہا۔ "جب سے تم ہندوستان آئے ہو، میں تمہارے ساتھ ہوں لیکن مجھے خود کو ظاہر نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اس طرح تمہاری مصیبتوں میں اضافہ ہو جاتا اور انکا بھی اتنی مستعد اور فعال نہ رہتی۔"

"تمہارے چہرے پر اداسی کیوں ہے؟ تم بہت پریشان معلوم ہوتی ہو؟" میں نے کہا۔

"ساری بساط الٹ گئی ہے جمیل احمد خان۔ مگر تم نراش نہ ہونا۔ تم نے حوصلہ چھوڑا تو پھر کوئی تمہاری مدد کو نہ آ سکے گا۔ سمے سمے کی بات ہے۔ انکا نے تمہیں سب کچھ بتا دیا ہوگا۔ پولیس تمہارے پیچھے ہے۔ تم شہروں میں نہیں جا سکتے کیونکہ اپنے ٹوٹے ہوئے ہاتھ کے باعث آسانی سے پہچان لئے جاؤ گے۔ چاروں طرف پنڈتوں نے تمہارے خلاف جال بچھایا ہوا ہے۔ تمہیں نہیں معلوم کہ میں نے کہاں کہاں سے بلائیں تم سے دور رکھی ہیں۔ جتنا تم ان سے بچ رہے ہو، اتنے ہی وہ تمہارے خلاف صف آرا ہیں۔" کلپنا نے کہا۔

"میرا خیال ہے میرے لئے ایک جگہ ہی سکون کی ہے، کلدیپ کا استھان۔ میں اس استھان تک جانا چاہتا ہوں۔ مجھے یاد ہے، ایک دفعہ تم نے مجھے اشرفی بیگم کے بالا خانے سے اپنی طاقتوں کے ذریعے کلدیپ کے استھان تک پہنچا دیا تھا۔"

"اب میں ایسا نہیں کر سکتی۔ بدری نرائن نے دو بڑے پجاریوں کو استھان کے باہر بٹھا دیا ہے۔ اگر ایسا ممکن ہوتا تو تمہیں اتنی تکلیفیں اٹھانے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ استھان کے اندر داخل نہیں ہو سکتے لیکن باہر انہوں نے اپنے بیر پہرے پر لگا دئے ہیں۔ میں تم سے یہی کہنے آئی ہوں کہ تم اپنا راستہ بدل دو۔ بہتر تھا کہ تم ہندوستان نہ آتے اور اگر آتے تو اس وقت آتے جب میں نے تم سے کہا تھا۔ کرنول تک میں اس مقصد سے تمہارے ساتھ نہیں رہی ہوں کہ میسور کا فاصلہ کم سے کم ہو جاتا ہے بلکہ ایک ہی راستہ تمہارے بچاؤ کا تھا۔"

"کلدیپ اور ترزئین کا کیا حال ہے؟ کلدیپ تو پریتم لال کی جانشین ہے۔ پریتم لال جو ایک بہت بڑا پجاری تھا۔ اس کی طاقتوں کو کیا ہوا؟"

"کلدیپ اسی نئی صورت حال سے نمٹنے کے لئے ایک کڑے جاپ میں مصروف ہے۔ صرف تمہارے لئے۔ ترزئین بالکل ٹھیک ہے۔ اس کی طرف سے تم بے فکر رہو۔ پریتم لال کے استھان میں داخل ہونے کی کوئی جرأت نہیں کر سکتا۔"

کلپنا میرے زخم پر مرہم رکھ کر اچانک غائب ہو گئی۔ اس کے جاتے ہی انکا آ گئی۔ انکا نے مجھ سے کہا۔ "کچھ دیکھو گے؟"

میں نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا؟"

"لو دیکھو۔" انکا نے کہا اور اسی لمحے میں نے ایک ایسا خوف ناک منظر دیکھا کہ آنکھیں بند کر لینی پڑیں۔ عجب شکل کے بے شمار چھوٹے چھوٹے بندر نما جانور ایک دوسرے پر وحشیانہ پن سے ٹوٹے ہوئے تھے۔ "یہ کیا ہے؟" میں نے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔

میری نظروں کے سامنے سے وہ منظر غائب ہو گیا۔ "دیکھا؟" انکا نے کہا۔

"مگر یہ سب کیا ہے۔" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"تمہاری آنکھوں پر پردہ پڑا رہنا چاہئے۔ میرے پیارے جمیل! تمہیں معلوم نہیں کہ تم کتنی مصیبتوں میں گرفتار ہو۔ چلو یہاں سے بھاگ چلو۔"

میں اپنی لنگڑاتی ہوئی ٹانگ سے اٹھ کر آگے بڑھنے لگا۔ انکا سرگوشیوں سے کہنے لگی۔ "یہ کرنول کے ایک مندر کے پجاری اور کلپنا کے درمیان لڑائی تھی۔ جمیل، یہ کلپنا، کلدیپ کا کوئی روپ ہے۔ کلدیپ نہیں چاہتی کہ وہ میرے سامنے آئے۔"

میں نے اسے کلپنا کی گفتگو سے آگاہ کیا تو اس نے فوراً راستہ بدل دیا۔ "اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟ کلپنا اچانک غائب ہو گئی تھی۔ میں اس سے کچھ پوچھ بھی نہیں سکا۔"

"وہ ہمارے ساتھ رہے گی۔ اب ہمارے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم کسی ایسے مقام پر

چلے جائیں جہاں ان پنڈتوں پجاریوں کی دست برد سے دور رہیں۔" انکا نے کہا۔

"میری سمجھ میں ایک بات آتی ہے۔ اگر میں مسجد یا کسی بزرگ کی درگاہ میں پناہ لوں تو مردود اور اس کے حواری مجھ پر کوئی وار نہیں کر سکیں گے۔"

"تم صحیح کہتے ہو لیکن مسجد یا درگاہ میں تم جیسے گناہ گار شخص کو کون قبول کرے گا؟ اور تم نگاہوں سے تو نہیں بچ سکتے۔ وہاں بدری نرائن نہیں تو پولیس کو کوئی خبر دے سکتا ہے۔"

مجھے خود خوف آیا کہ میں مسجد یا کسی بزرگ کے مزار پر پناہ لینے کا اہل نہیں ہوں۔ میں تو آدمی ہوں۔ ہوائی جہاز یا پانی کے جہاز سے سفر کرنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں شش و پنج لمبے قدم اٹھا رہا تھا کہ انکا نے میرا ذہن اپنے قابو میں کر لیا۔ درمیان میں تکلیف دہ واقعات کا ہے۔ اگر سناؤں گا تو کوئی نئی بات نہ ہوگی۔ وہی حوادث، وہی معرکے، وہی بدبختیاں، وہی کہیں گرفتاری، کہیں رہائی، کہیں سزا، کہیں نجات، کسی وقت دکھ تو کسی لمحے خوشی۔ پہلے بھی حادثات سے پاگل ہو گیا تھا۔ انکا گاہے بگاہے مجھے ہوش میں لاتی تھی تو میں ہذیان بکنے لگتا تھا مجبور ہو کر میری تمام حسیں سلب کر کے مجھے اپنا تابع کر لیتی تھی۔ چھ ماہ، میری سرگزشت کے دنوں جمع کر لیجئے۔ چھ ماہ میری عمر اور گھٹ گئی۔ پاؤں کہیں رکھتا تھا، پڑتا کہیں تھا۔ سوچتا کچھ تھا تو تھا۔ ہر طرف پہرے تھے۔ ان بھیانک عفریتوں کے پہرے۔ جن کے سینے میں دل نہیں تھا کٹ کر بے دل اور سنگ دل ہو گئے تھے۔ کلپنا نے اس دوران مجھ سے بات نہیں کی۔ میرے لباس نہیں تھا۔ مجھے معلوم نہیں تھا اس عرصے میں، میں نے کیا کھایا، کیا پیا؟ کہاں سے پہنا پاؤں میں چھالے پڑے ہوئے تھے اور میری جلد سیاہ ہو چکی تھی۔ جنوبی ہندوستان سے شمالی اور شمالی سے مشرقی علاقوں میں جگہ جگہ گھوم کر، گیا پہنچ گیا۔

گیا شہر میں ۹ میل پر پھیلا ہوا بدھ گیا ایک علاقہ ہے جہاں گوتم بدھ نے نروان حاصل یہاں وہ آثار جگہ جگہ نظر آتے ہیں جہاں گوتم بدھ نے پہلی مرتبہ آ کر قیام کیا تھا گو اب ان آثار کھنڈروں کی شکل میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ یہاں وہ بڑا برگد کا درخت بھی موجود ہے جس میں بیٹھ کر گوتم بدھ نے ریاضت کی تھی۔ یہ بہت اونچا اور پھیلا ہوا درخت ہے۔ اس کے متعلق مختلف آرا ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ اصل درخت نہیں ہے لیکن بدھ بھکشوؤں کا خیال ہے کہ ہے جسے گوتم بدھ کے اوپر سایہ کرنے کا شرف حاصل ہے۔ پوری بستی میں پگوڈا اور مندروں پھیلا ہوا ہے۔ یہاں بدھ بھکشو گوتم کے اصولوں پر زندگی گزار رہے ہیں۔

ایک مندر کے احاطے میں برگد کا اونچا درخت ہے۔ یہ مندر سب سے بڑا ہے اور رقبہ گھیرے ہوئے ہے۔ یہ پتھر سے بنایا گیا ہے۔ مندر کا کلس بہت دور سے نظر آتا ہے۔

کے جشن سالگرہ کے موقع پر دنیا بھر سے یہاں جمع ہوتے ہیں۔ اس وقت پورے مندر میں چراغاں کیا جاتا ہے اور گوتم کے قدموں میں عطیات نچھاور کئے جاتے ہیں۔ اس بڑے مندر کی پتھر کی بنی ہوئی عمارت میں چھوٹی چھوٹی مورتیاں منقش ہیں۔ ان مورتیوں کے ذریعے سنگ تراشوں نے بڑی جاں فشانی سے گوتم کی پوری زندگی اور تعلیمات کو پیش کیا ہے۔ گیا کے ایک جانب ندی ہے اور تین اطراف میں پہاڑیاں ہیں۔ بدھ گیا میں قدم رکھتے ہی انکا میرے سر سے یہ کہتے ہوئے اتر گئی۔ "تمہارے لئے اب یہی محفوظ جگہ رہ گئی ہے۔ جب میری ضرورت ہو، اس علاقے سے باہر آ جانا، میں وہاں منتظر ملوں گی۔ اندر جا کر تم کمپالا کا پتا پوچھنا اور سنو جمیل!" اس نے مجھے نصیحت کی۔ "یہاں لوگوں کو ناراض کرنے کے بجائے دوست بنانے کی کوشش کرنا۔ یہ وقت نکل جائے گا لیکن اچھے وقت کے لئے تمہیں برا وقت گزارنا ہوگا۔"

میں نے اس کی تسلیوں کا کوئی جواب نہیں دیا، مجہول انداز میں سر لٹکائے گریبان چاک میں چھوٹے چھوٹے مندروں سے گزرنے لگا۔ اس بستی میں بھکشوؤں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے گوتم بدھ کو یہ دنیا چھوڑے ہوئے چند ہی دن ہوئے ہیں۔ میرے اوسان خطا ہو گئے۔ کئی بھکشوؤں نے مجھے تشویش سے دیکھا لیکن انہوں نے میرا راستہ نہیں روکا۔ میں ان میں کمپالا کو تلاش کر رہا تھا۔ کمپالا جو تبت کا کوئی بہت بڑا بھکشو تھا۔ بمبئی سے گیا آ گیا تھا تاکہ گوتم بدھ کے جشن سالگرہ میں شریک ہو سکے۔ بمبئی سے مجھے چلتے ہوئے سات آٹھ ماہ گزر چکے تھے۔ میں اس اعتبار سے ہندوستان کا منفرد شخص ہوں کہ میں نے ایک سمت سے دوسری سمت طویل ترین راستوں پر پیدل سفر کیا ہے۔ ہندوستان کی متنوع اور رنگارنگ تہذیب کے موضوع مجھ سے بہتر جاننے والے شاید ہی چند اور اشخاص ہوں گے لیکن یہ موقع ہندوستان کے تہذیبی تضاد بیان کرنے کا نہیں ہے۔ یہ تو میری تیرہ بختیوں کی سرگزشت ہے۔

کاش میں کمپالا کی ہدایت کے مطابق اس کے ساتھ تبت چلا جاتا اور میری زندگی سے یہ جو سات آٹھ ماہ کم ہو گئے تھے، وہ بچ جاتے، لیکن کتنے کاش، کتنی حسرتیں! کسے معلوم تھا کہ موت بھی ناراض رہے گی۔ وہ مجھے سسکا سسکا کر مارنا چاہتے تھے۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب تھے کہ انہوں نے ایک عرصے تک مجھے زندہ رکھنے کے باوجود زندگی سے دور رکھا اور میں یوں ہی رہا۔

مندر کا سارا علاقہ پُرسکون تھا۔ کچھ دور جانے کے بعد میں نے ایک نوعمر بھکشو کو روک کر نرمی سے پوچھا۔ "بھائی! کیا یہاں کمپالا سے ملاقات ہو سکتی ہے؟"

"کمپالا!" اس نے حیرت سے دہرایا۔ "تم اسے کیسے جانتے ہو؟"

میں نے مختصراً اسے اپنی ملاقات کا سارا واقعہ سنایا۔ اس نے محبت سے میرے شانے پر ہاتھ رکھا

اور کہنے لگا۔ ''وہ ایک عظیم بھکشو ہے اور تبت واپس چلا گیا ہے لیکن تم میرے ساتھ رہو۔ میری کٹیا میں موجود ہے۔ میں تمہارے من کو شانت رکھنے کے لئے شاکیہ منی کی آفاقی تعلیمات کا درس دوں گا۔ جلد ہی کوئی قافلہ تبت روانہ ہوگا، میں تمہیں ان کے ساتھ روانہ کردوں گا۔''

میں اپنے متعلق کوئی رائے قائم کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو چکا تھا۔ میں نے تھکے ہوئے میں گردن ہلا دی۔ اس نوجوان کا نام ناگرا تھا۔ وہ مجھے گوتم کی سب سے بڑی مورتی کے سامنے جس پر سونا اور ہیرے جواہر لگے ہوئے تھے اور اس نے مجھے وہاں کھڑا کر کے بڑی عقیدت سے ''شاکیہ منی۔ شانتی کے دیوتا۔ یہ شخص تیرے سامنے اپنے گناہوں کے بوجھ کے ساتھ آیا ہے۔ اسے سچائی کا راستہ دکھا۔'' وہ چاہتا تھا کہ میں بھی اس کے الفاظ دہراؤں لیکن کوشش کے باوجود میرے منہ کچھ نہیں نکل سکا۔ میں اس کے ساتھ گم صم کھڑا رہا۔ گوتم کی اس مورتی کے سامنے دن بھر زائرین کا بندھا رہتا تھا۔ اس علاقے میں ایک طرح کا ٹھہراؤ اور انجماد محسوس ہوتا تھا جو گوتم بدھ کی تعلیمات اور کی زندگی کی عکاسی کرتا تھا۔ میں نے بدھ مت کے متعلق کبھی کسی پہلو سے نہیں سوچا۔ قسمت مجھے لے آئی تھی۔ میں خود نہیں آیا تھا، مجھے یہاں پہنچا دیا گیا تھا۔ انکا مجھے یہاں لے کر آئی تھی تو یقیناً کوئی مقصد ہوگا۔ کلپنا کا ایما بھی اس میں شامل تھا۔ میں تو بے زبان جانور تھا جسے جس طرف ہنکا دیا تھا، چلا جاتا لیکن بدھ گیا کے پُراسرار ماحول میں بیٹھ کر مجھے کمپالا کی کہی ہوئی باتیں یاد آ گئیں۔ ناگرا نے مجھے اپنے حجرے میں ٹھہرایا۔ رات کو جب وہ عبادت اور مندر کے کاموں سے فارغ ہونے پر آتا مجھ سے اپنے مت اور بدھ کے پیغام کے بارے میں گفتگو کرنے لگتا۔ اس گفتگو سے مجھے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ میں تو اس آگ میں جل رہا تھا جسے ناگرا کی شیریں اور ٹھنڈی باتیں نہیں بجھا سکتی تھیں۔ ناگرا دل رکھنے کی خاطر میں اس کی باتیں توجہ سے سن لیا کرتا تھا۔ ناگرا کی باتوں سے میں نے اندازہ لگایا اہنسا اور شانتی کے باوجود اس کے دل میں ہندو دھرم سے ایک عناد ہے۔ میں نے مختصراً اسے سرگزشت سنائی۔ اس نے تبت کی عبادت گاہوں، تطہیر قلب اور مراقبے کی کئی مشقوں کے بارے بھی بتایا۔ مجھے اپنے قلب کی تطہیر کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے خود ہی ایک سادہ زندگی گزارنے کا فیصلہ کرلیا تھا لیکن میرا فیصلہ بدری نرائن کی موت و زندگی سے مشروط تھا۔ ناگرا میری روداد سن کر حیرت استعجاب میں ڈوب گیا اور اس نے مجھے مشورہ دیا کہ مجھے کمپالا کے پاس تبت ضرور جانا چاہئے۔ وہ مدد ضرور کرے گا۔

رفتہ رفتہ میں ان کے طریقہ عبادت اور ان کے فلسفہ مذہب سے واقف ہو گیا لیکن یہاں کی زندگی میں یکسانی تھی، بہت کم لوگ اصل بھکشو کے درجے تک پہنچ پاتے تھے۔ باقی تو نفس کو مارتے مارتے راستے میں بھٹک جاتے تھے۔ میرے دوست ناگرا کی باتیں دل لبھانے والی تھیں۔ اگر مجھے کوئی اور

بھی تو میں ان باتوں کے سحر میں کھو جاتا۔ میں ایک سیماب صفت آدمی اس یکسانیت سے اکتا گیا۔ ایک مہینے کی مدت میں صرف ایک بار پگوڈا سے باہر گیا تھا۔ انکا، بدھ گیا کی حدود سے باہر آتے ہی میرے سر پر آ گئی۔ میں نے اسے بدھوں کے ایک قافلے کے متعلق بتایا جو اگلی چودھویں کو تبت کے لئے روانہ ہونے والا تھا۔ انکا بھی تنہائی سے بیزار تھی۔ میں اس کے زرد چہرے اور اداس باتوں سے گھبرا گیا اور جلد ہی مندر میں واپس آ گیا۔ وہ میری محبوبہ، میری دل و جانی، میری انکا بڑی مستعدی کے ساتھ بدھ گیا کے علاقے کے باہر میرا انتظار کر رہی تھی۔

چودھویں کی رات کو مہاتما بدھ کی مورتی کے سامنے پچیس افراد پر مشتمل بھکشوؤں کی ایک جماعت نے اپنے رہبر سے آشیر باد لیا۔ ناگرا نے میری حفاظت کے بارے میں تمام بھکشوؤں کو خبردار کر دیا تھا۔ ان میں کچھ بھکشو بڑی عمر کے بھی شامل تھے۔ گیروے رنگ کی ایک چادر میرے جسم پر ڈھانپ دی گئی۔ میرا سر مونڈ دیا گیا اور میں خالص بدھ پجاریوں کے روپ میں قافلے کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ مندر سے باہر آتے ہی انکا میرے ساتھ ہو گئی۔

گیا کے شمال مشرق میں جہاں بہار کی سرحد آسام سے ملتی ہے، یہ تیس بتیس میل کی لمبی پٹی ہندوستان کو چین سے جدا کرتی ہے۔ یہیں چینی حدود سے پہلے ہمالیائی سلسلے میں بھوٹان اور سکم واقع ہیں۔ ان دونوں جگہوں کا مذہب بودھ اور زبان تبتی ہے۔ سکم کے شمال میں دشوار گزار راہیں طے کر لینے کے بعد کہیں سرزمین تبت آتی ہے جہاں کا حکمران دلائی لاما ہے۔ یہ پیدل سفر زندگی کو وبال سمجھنے اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے اپنا مقصد اولین قرار دینے والے بھکشوؤں کی معیت میں گزرا۔ اس قافلے کے لئے تبت میں داخلے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔

ہم دشوار گزار پہاڑ، سبزہ زار اور گھنے جنگل عبور کرتے اور مختلف جگہوں پر قیام کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ جگہ جگہ پہاڑ کاٹ کر بدھوں کی عبادت گاہیں بنائی گئی تھیں۔ یہاں ایسی عمارتیں بھی موجود ہیں جنہیں دیکھ کر عقل حیران ہو جاتی ہے۔ ٹیکسلا کی خانقاہیں جن حضرات نے دیکھی ہیں وہ ان وسیع و عریض پہاڑیوں پر پھیلی ہوئی عمارتوں کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

یہاں چیڑ کے لمبے لمبے درخت پہاڑی ڈھلوانوں پر اس طرح کھڑے ہیں جیسے اس کوہستانی سلسلے کی حفاظت کے لئے قدرت نے درختوں کی ایک سپاہ کھڑی کر رکھی ہو۔ کبھی کبھی آس پاس سے پہاڑی چشموں کے زمزمے سنائی دیتے۔ ان جنگلات میں درندے بکثرت ہیں لیکن یہ عام انسانی گزر گاہوں سے دور ہی رہتے ہیں۔

کوئی دو مہینے بعد ہم تبت کی سرزمین میں داخل ہوئے۔ دو مہینے میں انکا کو خون پینے کی ضرورت محسوس ہوئی اور جہاں آبادی ملی وہ میرے سر سے اتر کر چلی گئی۔ جب وہ واپس آئی تو اس کے چہرے پر

تازگی تھی لیکن اس کی زندہ دلی کسی نے چھین لی تھی۔ وہ عام طور پر خاموش رہنے لگی تھی۔ مجھے کرنا پسند نہیں تھا۔ بدھ بھکشو بھی آپس میں کم باتیں کرتے تھے۔ نفس پر غلبہ، خواہشات مارنا، ہر پامالی، اس تثلیث سے میرا گھبرا جانا فطری تھا لیکن میرے سامنے ان لوگوں کے ساتھ چلنے کے صورت نہیں تھی۔ دس گیارہ ماہ ہو گئے تھے پیدل چلتے چلتے۔ یہاں ہماری جماعت مختلف ٹکڑیوں گئی۔ میری رہنمائی کے لئے دو بھکشو رہ گئے جو ناگرا کے جونیئر تھے۔

آخری دو روز کی مسافت کے بعد مجھے اس مندر میں پہنچا دیا گیا جہاں کمپالا اپنا من تھا۔ انکا ان مندروں، پگوڈا اور وٹو باسے دور رہتی تھی۔

مجھے بھکشوؤں کے لباس میں کمپالا کے سامنے پیش کیا گیا تو اس کی آنکھوں میں غیر معمو پیدا ہوئی۔ وہ بدھ طالب علموں کے درمیان گھرا ہوا تھا۔ اس نے درس چھوڑ دیا اور طالب عل درمیان سے گزر کر سیدھا میرے پاس آیا اور میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ''جمیل احمد خ تمہیں سچائی کے راستے پر آنا پڑا؟''

کمپالا سے آنکھیں ملاتے وقت میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میں اپنے درد کے ا لئے لفظ ڈھونڈ رہا تھا کہ وہ بولا۔ ''میں جانتا ہوں۔ میں جانتا ہوں میرے بچے! وہ اپنے دیوتاؤ گئے ہیں۔''

''کمپالا......!'' میں نے سسکتے ہوئے کہا۔ ''تم میری آخری امید ہو۔ میں بہت دور تمہارے پاس آیا ہوں۔''

''تم ایک محفوظ جگہ آ گئے ہو جمیل احمد خان۔ سنو میرے بچے، گوتم نے کہا تھا...... صحیح خیال چیت، صحیح خواہش، صحیح کردار، صحیح زندگی، صحیح کوشش، صحیح غور و فکر، صحیح راہ...... اپنے اندر یہ خوبیاں یہی من کا اجلاپن ہے۔ تمہارے اندر بہت سی طاقتیں ہیں مگر تم نے کبھی انہیں بروئے کار لا نہیں کیا۔ تم دوسروں کے سہارے پر پڑے رہے۔ تم نے ایک چھوکری ہی کو سب کچھ سمجھ لیا۔ تم میں گھر گئے۔ میں تمہیں ایک نئی زندگی دوں گا۔ ایسی زندگی جس میں چھاؤں ہے، ٹھنڈک ہے سچائی ہے۔''

میں اس کی باتیں دل میں اتار رہا تھا۔ وہ خاموش ہوا تو میں نے کہا۔ ''میرے یہاں مقصد تمہیں معلوم ہے، میں اس سے محفوظ رہنا چاہتا تھا اور اسے نیست و نابود کرنے کے لئے لینا چاہتا تھا۔'' آخر میں میری آواز بھرانے لگی۔

''تشدد کا راستہ چھوڑ دو اور خود اپنے اندر چھپا ہوا خزانہ باہر لاؤ۔ جب تم اپنی صلاحی دولت مند ہو جاؤ گے تو تمہارے تمام دکھ ختم ہو جائیں گے۔'' اس نے میٹھی آواز میں کہا۔

''میں اس کی موجودگی میں کبھی سکون سے نہیں رہ سکتا۔ میں ساری زندگی عدم تشدد کا وعدہ کرتا ہوں مجھے ایک تشدد کی اجازت دو۔ میری ہستی اس کی موت کی پابند ہے۔''

''تم ابھی یہاں نئے آئے ہو۔ میں تم سے کوئی اصرار نہیں کروں گا۔ تمہارے من کی صفائی میں عرصہ لگے گا میرے بچے، یہاں کے مندروں میں بھیڑ رہتی ہے۔ میں تمہیں یہاں سے چالیس میل نگل میں لے جاؤں گا جہاں میں اپنے دوست کے ہاتھ میں تمہارا ہاتھ دے دوں گا۔ اس کی صحبت ہیں سکون نصیب ہو جائے گا اور تم دیکھو گے۔ تم دیکھو گے جمیل احمد خان کہ تمہارے اندر کتنی خوبیاں بوئی ہیں، دنیا کا خیال چھوڑ دو۔ دنیا لذت و رغبت کی جگہ ہے۔ وہاں کسی کا من اجلا نہیں ہے۔''

کمپالا کے مربیانہ طرز گفتگو سے میں اور الجھ گیا۔ وہ ایسی باتیں کر رہا تھا جو میرے غم کا مداوا نہیں بن یں۔ میں سمجھ رہا تھا کہ میں اسے بدری نرائن کو ختم کرنے کے لئے کسی خطرناک قسم کے عمل پر آمادہ ں گا مگر وہ مجھے ایسی نصیحتیں کر رہا تھا جیسے میں اس کے سامنے کوئی بچہ ہوں۔ جیسے میں راستے سے گیا ہوں، جیسے اس کے ہاتھ میں میری انگلی ہو اور مجھے اس کے اشاروں پر چلنا چاہئے۔ میں یہاں بھی واپس بھی نہیں جا سکتا تھا اسی لئے میں نے ناکام ہو کر اپنی انگلی اس کے ہاتھ میں تھما دی۔ اس فقت سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور مجھے اپنے ساتھ اپنے بڑے حجرے میں لے گیا۔ میں نے کہ وہ گھنٹوں ہلے بغیر ساکت و جامد بیٹھا رہتا ہے اور اس کے چہرے پر مسکراہٹ رہتی ہے۔ جیسے دنیا اس کے سامنے ہیچ ہے۔ جیسے وہ دنیا کی طرف استہزا کی نظر سے دیکھ کر مسکرا دیا ہو۔ یہ بات نے ہندو پنڈتوں میں بھی دیکھی تھی مگر کمپالا کی بات اور تھی۔ اس کا سکون سب سے مختلف تھا۔ ے دن میں تبت کے مندروں میں گھومتا رہا۔ انکا کبھی میرے سر پر آ جاتی، کبھی چلی جاتی۔ جب میں نے کمپالا کے دوست کے پاس جانے کے متعلق کہا تو اس نے مجھے وہاں جانے سے نہیں روکا۔ دلدوز گفتگو بیان کروں گا تو بہت سی باتیں رہ جائیں گی۔ ان افسردہ، غم زدہ باتوں کا کیا ذکر؟ اور ے بیان کرنے کے لئے کیا کم ہیں۔

اس سے اگلے روز دو خچروں پر بیٹھ کر میں اور کمپالا ایک ایسی جگہ روانہ ہوئے جو اونچے پہاڑوں اور ں درختوں کے درمیان واقع تھی۔ راستے میں کمپالا اپنے دوست نندا کی روحانی بصیرت کے متعلق ب عجیب واقعات سنا رہا۔ خود کمپالا نے بھکشوؤں میں ایک اعلیٰ مقام حاصل کیا تھا۔ نندا نے اپنی ت کے لئے ایک خاموش جگہ منتخب کی تھی۔ ہم سہ پہر کو وہاں پہنچے۔ وہ کوئی بڑی عمارت نہیں تھی لیکن م کی ایک بڑی مورتی ایستادہ تھی۔ نندا ایک پاگل شخص معلوم ہوا۔ اس کا لباس عام بدھ بھکشوؤں کی صاف اور اجلا نہیں تھا۔ کمپالا مجھے اس کے مکان یا عبادت گاہ میں باہر چھوڑ کر اندر چلا گیا۔ تھوڑی جب وہ برآمد ہوا تو اس کے ساتھ گندمی رنگ کا ایک ساٹھ سالہ شخص تھا۔ اس کی صحت اس کی عمر

کے باوجود بھی قابل رشک تھا۔ اس نے میری طرف تیکھی نظروں سے دیکھا۔ ان نظروں میں
بھکشوؤں کی وہ شفقت نہیں تھی جس نے مجھے بڑا سہارا دیا تھا۔ اس کے چہرے پر کرختگی دیکھ کر
رگ و پے میں سرد لہر دوڑ گئی۔ میں کچھ کہنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ وہ ٹھوس آواز میں بولا۔ ''تو ان
میں پھنس گیا جن سے میں پیچھا چھڑا کر آیا ہوں۔''

پُراسرار بھکشو کا حلیہ اور انداز میرے لئے پریشان کن تھا۔ انکا وہاں موجود نہیں تھی۔ مجھے
دیر لگی کہ اس کا اشارہ کس طرف ہے۔ میری طرف سے کمپالا نے جواب دیا۔ ''بہر حال نندا
تمہارے سپرد ہے۔ تمہیں اس پر پورا اختیار حاصل ہے۔''

''اس کے من میں میل جمی ہوئی ہے۔'' نندا نے درشتی سے کہا۔ ''پر یہ یہاں چل کر آیا ہے
اسے مایوس نہیں کروں گا اور کمپالا۔ تم اسے لائے ہو۔ تم جو یہ جانتے ہو کہ ابھی مجھے اس کا اعتماد بھی
نہیں ہوا کہ اس نے میرے ناکردہ گناہ معاف کر دئیے ہیں۔''

''تم شاکیہ منی کے عظیم پیرو ہو۔ پچھلی باتیں بھول جاؤ نندا، گوتم کے پیروؤں کو تمہاری
ہے۔''

''اب میں باہر کیا آؤں گا۔ میرا چہرہ سیاہ ہے۔'' نندا نے کہا۔ یہ نندا کا عجز تھا یا اس گفتگو
مقصد تھا، میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔ کمپالا مجھے اس کے سپرد کر کے شام کو رخصت ہو گیا۔ شام کے
سنسان جگہ ہول سا آتا تھا۔ نندا نے مجھے ایک حجرے میں ٹھہرا دیا لیکن اس اندھیری کوٹھری میں
لگا اور میں اس کے جاتے ہی باہر نکل آیا اور اس چھوٹے سے مندر میں گھس گیا۔ اندر جا کر میں
نندا گوتم کی بڑی مورتی کے قدموں میں پڑا سسک رہا ہے اور اس کی لڑکھڑاتی ہوئی آواز
دیواروں میں گونج رہی ہے۔ ''شاکیہ منی، تو جانتا ہے کہ تیرے بھکشو نے اپنے گناہ کی معافی کے
کٹھنائیاں جھیلی ہیں۔ تو مجھے معاف کر دے۔ میں اپنے پچھلے دنوں کا گناہ گار ہوں شاکیہ منی
تیرے دھرم کی نفی کرنے والوں کے ساتھ گزارے ہیں۔ مجھے کیا معلوم تھا لیکن جب مجھے معلوم
ایک لمحے بھی وہاں نہ رکا...... میرے ہردے کی اگنی ٹھنڈی کر۔ مجھے شانت کر دے شاکیہ منی
تیرے پاس پہنچنے والا ہے۔''

مورتی سے باتیں ختم کرنے کے بعد وہ پُراسرار شخص وہاں سے اٹھا۔ میں حیران و ششدر
کھڑا تھا۔ مڑ کر اس نے مجھے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں اضطراب پیدا ہوا۔ پھر وہ میرے
کہنے لگا۔ ''تم نے شاکیہ منی سے میری باتیں سن لیں؟ تمہیں بھی شانتی کی ضرورت ہے؟ مجھے
بھی مصیبتیں جھیلی ہیں، میں نے بھی۔ تم نے بھی ان لوگوں کا دکھ سہا ہے، میں نے بھی۔ میں
ہوں۔ پچھلے جنم میں بھی تھا اور اس سے پہلے نہ جانے کتنے جنموں سے میں اس کے ساتھ رہا

زبان حاصل کرنے کے بعد میرا دل دنیا سے اچاٹ ہو گیا تھا اور میں نے ایک پہاڑی سے گر کر
خودکشی کر لی تھی۔ اس کے بعد میں نے ایک ہندو برہمن کے گھر جنم لیا۔ میں پچپن سال تک ہندو دھرم
سے منسلک رہا اور میں نے تپسیا، جاپ کر کے ہندو پجاریوں میں ایک بڑا درجہ حاصل کر لیا لیکن پچپن سال
کے بعد جب مجھے ہندوؤں کے ایک بڑے پجاری کی حیثیت سے تسلیم کیا جاتا تھا، مجھ پر اپنے علم اور
عرفان سے یہ نکتہ وا ہوا کہ میں سچائی کے راستے پر نہیں ہوں۔ میں نے بدھ مت کی طرف دیکھا اور ایک
رات میں نے اپنے اضطراب میں شاکیہ منی کو اپنے قریب محسوس کیا۔ اس کے بعد ہندو دھرم میں میرا جی
نہیں لگا اور میں نے اپنی کٹیا میں بند ہو کر مراقبہ شروع کر دیا۔ مراقبے کے ایک عالم میں مجھے اپنی پچھلی
زندگی، پچھلے جنم صاف نظر آئے اور میں نے اسی دن ہندو دھرم چھوڑ دیا۔ وہ لوگ میرے دشمن ہو گئے
اور انہوں نے تمہاری طرح مجھے اذیتیں دینی شروع کر دیں لیکن میں اپنے قدموں پر کھڑا رہا اور پھر میں
یہاں تبت میں شاکیہ منی کے قدموں میں آ گیا۔ میں نے اپنے ہندو دھرم کے چولے میں شاکیہ منی کے
خلاف بہت زہر اگلا ہے اور میں ان کے ساتھ ساتھ رہا ہوں جو شاکیہ منی کی تعلیمات کا مذاق اڑاتے
ہیں۔ دنیا کے تمام حصوں میں بغاوت ہوئی اور بدھ مت کی امر تعلیمات نئے زمانوں کی خواہشوں سے
بدل گئیں۔ تبت ان سے محفوظ رہا لیکن جب ایک بھکشو پاٹلی پتر سے بھاگ کر یہاں پناہ لینے آیا تو اس
نے برہمنوں کی افترا پردازی کے متعلق بتایا۔ کاش شاکیہ منی مجھے اجازت دیتا تو میں ان پاپیوں کو اس کی
تعلیمات کا مذاق اڑانے کی سزائیں دیتا۔ ان پاپیوں نے شاکیہ منی کو وشنو کا نواں اوتار بتا کر ہندو دھرم میں
بدھ مت کو ملانے کی کوشش کی۔ کاش مجھے شاکیہ منی اجازت دے کہ میں تھوڑے عرصے کے لئے اہنسا کو
خیر باد کہہ دوں۔''

وہ مجھ سے اس طرح باتیں کرتا رہا جیسے میں اس کا کوئی رفیق ہوں۔ اس کی ذہنی حالت اتنی
بدل تھی کہ اس نے دوسری ملاقات میں اپنے دل کا غبار مجھ پر عیاں کر دیا اور شروع شروع میں اس
سے مجھے جو ایک خوف سا محسوس ہو رہا تھا وہ ختم ہونے لگا۔ بولتے بولتے کبھی اس کے لہجے میں سختی آ جاتی
۔ رات گئے تک میں اس کی خوشامدیں کرتا رہا۔ پہلی بار مجھے اندازہ ہوا کہ میں صحیح جگہ پہنچ گیا ہوں۔
نندا سے طاقت کا سہارا نہیں لینا چاہئے۔ یہ غلطیاں میں پہلے بھی کر چکا ہوں۔ مجھے اس سے اپنی خفتہ
صلاحیتیں بیدار کرنے کی مشقیں کرنی چاہئیں۔ میں اس گفتگو کے دوران اپنے دل کی بات نہ چھپا سکا۔
میں نے کہا۔ ''نندا جی۔ تمہیں سب معلوم ہو گا۔ میں بدری نرائن کو کشٹ دینا چاہتا ہوں۔ اس کے سوا
میرے دل میں کوئی تمنا نہیں ہے۔''

''بالک! کیا تو اس دشٹ پجاری سے بہت خائف ہے؟'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''ہاں نندا جی مہاراج!''

"چی چی چی۔" پھر وہ کچھ رک کر بولا۔ "مجھے سب معلوم ہے مگر یہ سب تجھ پر منحصر ہے کہ تمام دھیان ہٹا کر ایک دھیان ہو جا۔ میں تیرے پاس ہوں۔ میں تجھ سے پہلے کچھ نہیں کہتا لیکن م بتاتا ہوں کہ آدمی، آدمی ہونے سے پہلے مر جاتا ہے۔ اگر تو نے دھوپ، بارش اور سردی برداشت اور تو نے اپنا من برف کی تہہ میں رکھ دیا تو تیرا چھپا ہوا آدمی بیدار ہو گا جو ابھی تک سویا ہوا ہے۔"

"نندا جی! میں ہر بات کے لئے تیار ہوں۔" میں نے دھڑکتے دل سے کہا۔

"اس سندر ناری کا خیال بھی چھوڑ دے جو یہاں آتے ہوئے گھبراتی ہے۔ اب وہ ان پہ میں تنہا پھر رہی ہے۔ اس سے کہہ دے کہ وہ اس لڑکی کے سر پر چلی جائے جسے تو نے پتری سمجھ" نندا نے مجھے ہدایت کی۔

"ٹھیک ہے نندا جی۔ میں اسے وہاں بھیج دیتا ہوں، کیا اسے کوئی خطرہ ہے؟" میں ڈرتے ڈ پوچھا۔

"نہیں۔ پر وہ اس کی تاک میں بیٹھے ہیں۔ وہ اکیلی ناری اس لڑکی کی کب تک حفاظت کر گی۔"

نندا کلدیپ کے متعلق کہہ رہا تھا۔ ان باتوں سے صاف ظاہر تھا کہ نندا کتنی دور تک دیکھ سکتا میں اسی وقت باہر نکل گیا اور انکا میری سر پر آئی تو میں نے اسے وہاں جانے اور تزئین کی حفاظت کے لئے تبت سے رخصت کر دیا اور اپنی تقدیر پر شاکر ہو کر نندا کے پاس چلا آیا۔

☆......☆......☆

دوسرے دن نندا نے مجھے ایک خاص انداز میں بٹھا کر مجھے آنکھیں ایک سمت مرکوز کر ہدایت کی اور ہلنے جلنے سے منع کیا۔ اس سے اگلے دن اس مشق کا وقت اس نے بڑھا دیا۔ چو میری آنکھوں میں درد ہونے لگا اور ایک طرف دیکھتے دیکھتے وہ پتھرانے سی لگیں، لیکن میں دل پ بیٹھا رہا۔ میں اپنا تخیل اور تصور یکسو کرنے میں ناکام ہو رہا تھا۔ میری آنکھیں ایک سمت در طرف مرکوز تھیں اور چیونٹیاں میرے جسم پر رینگ رہی تھیں لیکن میں نے ہونٹ بھینچ کر انہیں اپ نشتر لگانے کی اجازت دے رکھی تھی۔ میرا جسم اینٹھنے لگا تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے اندھیر جاتے تھے۔ پانچویں دن نندا جب میرے سامنے سے ہٹا تو میرا جی چاہا کہ میں یہاں سے جاؤں۔ میرے جسم میں سوئیاں چبھ رہی تھیں۔

تصور اور تخیل یکسو کرنا آسان بات نہیں ہے۔

جس نے خیال کا بے لگام گھوڑا قابو میں کر لیا اس نے خود پر قبضہ کر لیا۔ میرا ذہن میر نہیں رہا تھا۔ بدھ بھکشو کمپالا کا خیال تھا کہ مجھے اپنے دل و دماغ کی صفائی کرنی چاہئے۔ وہ کہتا

شخص کے اندر چھپی ہوئی صلاحیتیں ہوتی ہیں جن سے اسے کام لینا نہیں آتا۔ اس کا انداز مذہبی سے زیادہ سائنسی تھا جیسے کوئی کہہ رہا ہوں کہ ورزش کرو، تمہارا جسم طاقتور ہو جائے گا۔ وہ کہتا تھا کہ تپسیا اور مراقبہ ذہن کی خفیہ صلاحتیں ابھارنے کی ورزش ہے۔ کمپالا سے زیادہ مجھے نندا نے متاثر کیا۔ اس کی حالت پاگلوں کی سی تھی۔ وہ تبت کے اس سنسان مقام پر گوتم کے خیال میں مست تھا اور اسے خوف تھا کہ شاکیہ منی اس سے ابھی تک ناراض ہے۔ نندا آدمی کے دل میں گھسا رہتا تھا۔ اس کی آنکھیں دل میں کب جاتی تھیں۔ اس کی سختی میں ایک شفقت تھی۔ اس نے مجھے تصور اور تخیل یکسو کرنے کا جو عمل بتایا تھا، اسے متواتر جاری رکھنا پڑا۔ شروع شروع میں مجھے اذیت ناک تکلیف کا احساس ہوا۔ کئی بار جسم پر چیونٹیوں کے رینگنے اور کیڑے مکوڑوں کے کاٹنے سے میرا جی چاہا کہ میں وہاں سے بھاگ جاؤں اور انکا کو تزئین کے پاس سے بلا لوں۔ یہ کام میرے بس کا نہیں ہے لیکن میں بھاگ کر کہاں جاتا؟ ہندوستان کی سرزمین پر بسنے والے پنڈت پجاری اور وہاں کی پولیس والے خون آشام درندوں کی طرح میری تاک میں گھات لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ میں جبر کر کے اپنے حالات سے مفاہمت کرنے پر مجبور تھا اور یہاں تبت کی پہاڑیوں پر نندا کے رحم و کرم پر تھا۔ میں نے جیل کے دن دیکھے تھے اور سڑکوں پر بھیک مانگی تھی۔ یہ جگہ تو بڑی پرسکون تھی۔ یہاں کسی کے آنے اور مجھے پریشان کرنے کا خدشہ نہیں تھا۔ ہر طرف سبزہ تھا اور نندا جیسا مہربان شخص میرے ساتھ تھا۔ جب میں یہ سوچتا تو ساری تکلیفیں بھول جاتا اور پوری تن دہی سے اپنے مراقبے میں کھو جاتا۔

نندا نے سچ کہا تھا انسان اگر خود کو مارے تو امر ہو جاتا ہے۔ میں اس کے اشارے سینے سے چپکاتا رہا۔ دو ماہ کی مدت میں جب میں نے ارتکاز ذہن کی مشق پوری کر لی تو خود مجھے اپنے اندر نمایاں تبدیلیوں کا احساس ہوا۔ میں بڑی حد تک اپنے منتشر خیالوں اور اپنے پراگندہ دماغ پر حاوی ہو گیا تھا۔ ایک طرح کی طمانیت اور ٹھہراؤ سا مجھے محسوس ہونے لگا تھا۔ روز میری مشق کی مدت بڑھ جاتی تھی۔ یوں بھی میں مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔ مضبوط اعصاب کا نہ ہوتا تو ایسے حالات میں کب تک زندہ رہتا۔ ایک شام اپنا عمل ختم کرنے کے بعد میں نندا کو یہ خوش خبری سنانے گیا کہ اب مجھے اپنے کام میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ میں بڑی آسانی سے گھنٹوں ایک جگہ یکسو ہو کر بیٹھ سکتا ہوں۔ نندا چھوٹے مندر میں شب و روز عبادت میں مصروف رہتا تھا۔

"میرے لئے اب کیا حکم ہے نندا جی!" میں نے اس کی محویت میں دخل دیا۔

اس نے اپنی ویران آنکھوں سے میری طرف دیکھا۔ "تو آ گیا۔" اس نے چونک کر کہا۔ "آگے راستہ مشکل ہے۔ میری مان، اپنی دنیا میں لوٹ جا۔ شاکیہ منی نے میرے گناہ ابھی تک معاف نہیں کئے ہیں۔ میں تنہا رہ کر گوتم سے لو لگانا چاہتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے معاف کر دے گا۔ تو اگر یہاں رہا

تو میں......''

''میں اب کہاں جاؤں گا نندا جی مہاراج!'' میں نے عاجزی سے کہا۔ ''اگر تمہارا سہارا بھی
گیا تو پھر میں خود کو ان پہاڑوں سے گرا لوں گا۔''

''تو کمپالا کے پاس واپس چلا جا۔'' نندا نے روکھے لہجے میں کہا۔ ''وہ بھی تجھے منش بنا سکتا ہے''

''میں اب یہاں سے نہیں جاؤں گا۔'' میں نے بڑھ کر نندا کے پیر تھام لئے۔ ''کیا مجھ سے
بھول ہوگئی ہے جو آج پھر تم مجھے دھتکار رہے ہو؟ کیا میں غلط وقت پر آ گیا ہوں؟ مگر میں تو روزانہ
آتا ہوں۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے نندا جی؟ تم اپنے سیوک سے آنکھیں کیوں پھیر رہے ہو؟''

''دیکھ۔ تیرا من اجلا ہونے میں دن لگیں گے۔ تو پہلے ہی بہت بھٹکا ہوا ہے۔ تو نے اپنا سارا جیون
رنگ رلیوں میں برباد کیا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ تو ثابت قدم نہیں رہے گا۔ میرا وقت کم ہے اسے
نہ کر۔ اگر شاکیہ منی کو میں نے کم وقت میں نہ منا لیا تو پھر مجھے ایک اور جنم لینا پڑے گا، تو کمپالا کے پاس
جا۔''

''نندا جی! اب یہ ناممکن ہے۔'' میں نے فیصلہ کن آواز کہا۔ ''یا تو میری مدد کرو یا میں شاکیہ
مورتی سے ٹکریں مار مار کر اپنی زندگی موت کے حوالے کر دوں گا۔ مجھے مایوس نہ کرو مہاراج! یہ آپ
کیسے بدل گئے ہو؟''

اس نے ایک جھرجھری لی اور میری طرف گھور کر دیکھنے لگا۔

''میں اپنی تمام غلطیاں تسلیم کرتا ہوں لیکن کیا مجھے بھی تمہاری طرح ایک پرسکون مستقبل کی
نہیں ہے۔ میں تمہیں وچن دیتا ہو کہ اب کبھی اپنے ماضی کا رنگ اپنے آپ پر نہیں چڑھنے نہیں دوں
میں بنتی کرتا ہوں مہاراج! میری سہائتا سے منہ نہ موڑو۔ میں تمہارے دوار سے خالی نہیں جاؤں
چاہے تم مجھے مار مار کر نکالو۔''

میں گڑگڑا کر نندا سے منت سماجت کرتا رہا۔ اس پر گاہے گاہے پاگل پن کے دورے پڑتے
میں اس کی عادت سے واقف ہو چکا تھا۔ وہ اکثر مجھے جھڑک دیا کرتا تھا لیکن آج اس نے مجھے وہاں
نکل جانے کا حکم دیا تو میری تشویش دوچند ہوگئی۔ وہ مورتی کے سامنے سے اٹھ کر ایک جدید بھوت
کی مانند میرے روبرو کھڑا ہو گیا۔ پتھر میں جونک لگنے کے لئے وقت درکار تھا۔ شاید وہ مزید مشقوں
لئے میرا ارادہ آزمانا چاہتا تھا۔ میں نے امید کا دامن نہیں چھوڑا۔ میری آہ وزاری جاری رہی
چہرے کے کرخت تاثر آہستہ آہستہ نرم پڑ رہے تھے۔ اسے شاید یقین ہو چلا تھا کہ میں کمزور ارا
شخص نہیں ہوں اور میں نے جو طے کر لیا ہے اس پر ثابت قدم رہوں گا اور مستقبل میں کی جا
اذیت ناک مشقوں کے لئے تیار ہوں۔ اس نے مجھے شانوں سے تھام کر اٹھایا اور نرم آواز

''خوب سوچ لے۔ منش بننے کے لئے تجھے اپنے آپ کو یکسر بدلنا ہوگا۔ میں تجھے نراش نہیں کروں گا۔
تو اپنے پیروں پر کھڑا رہا اور تیرے جسم نے تیرا ساتھ دیا تو دیکھنا کہ تو کیا سے کیا ہو جائے گا۔ پر مجھے
وچن دے کہ آئندہ کسی بے گناہ کو کشٹ نہیں دے گا، اہنسا پر کاربند رہے گا۔''

''میں وچن دیتا ہوں مہاراج! جو تم کہو گے وہی کروں گا۔ میں اسی لئے یہاں آیا ہوں۔'' میں نے
جلدی سے جواب دیا۔

''میرے ساتھ آؤ۔''

نندا مجھے ساتھ آنے کا اشارہ کر کے آگے بڑھ گیا۔ گوتم کی مورتی کی پشت پر جا کر وہ ایک تاریک
اور شکستہ زینے سے نیچے کی سمت اترنے لگا۔ میں اس کے ساتھ تھا۔ آنے والے لمحوں نے تجسس اور
حیرت کی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ سیڑھیاں طے کر کے میں نیچے پہنچا تو مجھے شدید گھٹن کا احساس ہوا۔ ہم
اس وقت کسی ویران عبادت گاہ کے بچے کھچے کھنڈروں میں کھڑے تھے۔ میرے اطراف شکستہ مورتیاں
ادھر ادھر بکھری پڑی تھیں۔ ہر شے پر گرد و غبار کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ جگہ برسوں سے
استعمال نہ کی گئی ہو۔ نندا چند لمحے خاموش کھڑا حسرت ناک نظروں سے ماحول دیکھتا رہا، پھر وہ گوتم کے
ایک بڑے بت کی طرف بڑھا۔ قریب جا کر اس نے بت کو دیوانہ وار دونوں ہاتھوں سے صاف کرنا
شروع کر دیا۔ گرد کی تہیں ہٹیں تو میں یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ وہ بت کسی ٹھوس دھات کا بنا ہوا ہے۔
اندھیرے کے باعث میں یہ طے نہ کر سکا کہ وہ سونے کا ہے یا پیتل کا؟ البتہ اتنا اندازہ ضرور ہوتا تھا کہ
صناعی کا ایک بہترین شاہکار ہے۔ نندا چند لمحوں تک پوری یکسوئی سے بت کے سامنے کھڑا رہا۔ وہ
مجنونانہ کیفیت میں اپنا سر بت کے قدموں سے رگڑ رہا تھا اور بچوں کی طرح سسک رہا تھا۔ اس کے
رونے کا انداز انتہائی دردناک تھا۔ دیر تک اس کی سسکیاں کھنڈر میں گونجتی رہیں پھر اس کی بھرائی ہوئی
آواز ابھری۔ وہ بت سے مخاطب تھا۔ ''شاکیہ منی، مجھے شانتی دے۔ میرے من میں پچپن سال کے
گناہوں کی آگ ابھی تک سلگ رہی ہے۔ شاکیہ منی، میں نے کبھی کسی کو کشٹ دینے کی کوشش نہیں کی۔
میں ہندو دھرم میں بھی تیرے مسلک اہنسا پر کاربند رہا۔ پر یہ کیسا دھواں ہے جو میرے سینے سے اٹھ رہا
ہے؟ میرے ہاتھ ان سے انتقام لینے کے لئے اٹھتے ہیں۔ انہوں نے ہر جگہ تیرا مذاق اڑایا ہے۔ میں یہ
برداشت نہیں کر سکتا شاکیہ منی! مجھے اپنے پاس بلا لے۔'' نندا کے آنسو گوتم بدھ سے اس کی عقیدت کے
ترجمان تھے۔ میں اس کی باتیں کچھ کچھ سمجھ رہا تھا۔ وہ اپنی زندگی کا بڑا حصہ ہندو دھرم میں گزارنے پر
بہت پشیمان تھا۔ یہ پشیمانی کوئی ختم نہیں کر سکتا تھا تاوقتیکہ اس کی سانس بند نہ ہو جائے۔ شاید وہ گوتم
کے ساتھ میری طرف سے غافل ہو گیا تھا۔ پھر اچانک وہ قدموں سے اٹھا اور کسی قدر ہوش مندی
سے بولا۔ ''شاکیہ منی! یہ منش جو میرے ساتھ آیا ہے، میری طرح پاپی ہے۔ اسے بھی میری طرح شانتی

کی ضرورت ہے۔تو شانتی کا دیوتا ہے۔ میں اسے تیرے سپرد کرتا ہوں۔'' پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوا۔ بدھ بھکشوؤں کے سوا دہ پہلا منش ہے جو ان کھنڈروں میں میرے ساتھ آیا ہے۔ یہاں شانتی ہی ہے۔ یہاں تو شاکیہ منی کے ساتھ بیٹھ کر اور اس کی طرف دھیان لگا کر تپسیا کر۔ اپنا من مار لے اور آنکھیں بند کر لے۔''

''میں تیار ہوں نندا جی!'' میں نے تیزی سے کہا۔

''شاکیہ منی کے سامنے مجھے نراش مت کرنا۔ اب سب کچھ بھول جا کہ تو کون ہے، تیرا نام کیا ہے، تو کن لوگوں سے متعلق ہے اور یہ خیال نہ کرنا کہ صبح ہوگئی، شام ہوگئی ہے۔ برسات ہوگئی ہے یا سورج جل رہا ہے۔''

''میں سب کچھ بھول جاؤں گا لیکن......''

''لیکن تو دشٹ بدری نرائن کو نہیں بھول سکتا؟ کیوں؟'' نندا نے میرا جملہ مکمل کر دیا۔

میں نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ ''میں اس کی موجودگی میں اپنا دل شانت نہیں رکھ سکتا۔ اس نے میرے ہردے میں گھاؤ پیدا کئے ہیں۔ ان ناسوروں کے بھرنے میں وقت لگے گا۔ میں نے عہد کیا ہے کہ میں تم سے ہمیشہ سچ بولوں گا پھر جھوٹ کیسے کہوں۔''

''سن جمیل احمد خان!'' نندا نرمی سے بولا۔ ''ضبط سب سے بڑی نیکی ہے۔ اس کے سوا نیکی نہیں ہوتی۔ ضبط کرنے کی مشق کر، تیرے اندر جواہر پیدا ہوں گے۔ اگر تو نے خود سے ایثار کیا اور قائم رکھا تو کوئی تجھے دکھ نہیں پہنچا سکتا۔ میں تجھے اپنی ہندو دھرم کی شکتیاں دان کر سکتا تھا لیکن تو شانت نہیں ہوگا۔ میں چاہتا ہوں کہ تیرا من اجلا ہو جائے۔ تو سب کو معاف کرنا سیکھ لے اور تیرے شریر میں ایسی شکتی پیدا ہو جائے کہ کوئی شکتی تجھ پر حاوی نہ آ سکے۔ سمجھا، اب میری پچھلی شکتی تیرے کام کی نہیں ہے۔ اب میں شاکیہ منی کے چرنوں میں ہوں۔ میں تجھے اپنی پچھلی شکتی دان کر کے یہاں لوٹا سکتا ہوں پر تو بیاکل رہے گا اور تو نے بدری نرائن کو ختم بھی کر دیا تب بھی تیرا من شانت نہیں ہوگا۔ تجھے منش بنانا چاہتا ہوں۔ مورکھ، منش جو اس پاپی سنسار میں آ کر جانور بن جاتا ہے۔''

نندا کی خوش آئند باتیں میرا عزم سوا کر رہی تھیں۔ رات کو وہ اپنی کٹیا میں بھی یہی باتیں کرتا رہا پھر اس نے مجھے مراقبے اور ارتکاز کی وقفے دار مشقوں کے متعلق بتایا۔ میں نے خود کو نندا کے سپرد کر دیا تھا اور اپنے متعلق سوچنا بند کر دیا تھا۔ مجھے اس کی باتوں میں امید کی کرن نظر آتی تھی۔ اگر وہ اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگانے کا حکم دیتا تو بھی میں انکار کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

اور پہلی بار میں نے مسلسل ایک دن ایک رخ بیٹھ کر نندا کو خاصا متاثر کر لیا۔ میری حالت ایک دن کے اس بغیر حرکت ارتکاز کے بعد کیا تھی؟ میں یہ بیان نہیں کر سکتا۔ جب نندا نے دوسرے دن مجھے

مراقبہ ختم کرنے کے لئے کہا تو میری آنکھیں پتھرائی ہوئی تھیں۔ میں جس طرح بیٹھا تھا، اسی طرح ایک طرف لڑھک گیا۔ نندا نے میرے شانے پکڑ کر مجھے اٹھایا لیکن میں جلدی ہوش میں آ گیا اور میں نے لڑکھڑاتے ہوئے قدموں اور پھیکی مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔ وہ میری کمر تھپتھپانے لگا۔ دوسرے روز، ایک دن آرام کر کے پھر میں نے ارتکاز میں گزارا۔ پھر یہ مدت بڑھ گئی اور بڑھتے بڑھتے ایک ہفتہ ہو گئی۔ اب میں نے اپنی مسمار حالت پر کسی حد تک قابو پالیا تھا۔ نندا کی بتائی ہوئی مشقوں میں مجھے جن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا، ان کی فہرست بہت طویل ہے۔ مجھے کچھ سکون ہو چلا تھا۔ میں صرف اہم واقعات بیان کر رہا ہوں۔ بغیر کھائے پیئے ایک ہفتے کی مشق آسان نہیں ہوتی۔ میں جانتا ہوں کہ مجھ پر کیا گزری تھی لیکن رفتہ رفتہ بھوک اور پیاس میں شدت نہ رہی اور پھر ایک وقت ایسا آیا کہ میں انہیں ضمنی چیزیں سمجھنے لگا۔ میں نے صرف پانی پینے پر اکتفا کیا۔ ان مشقوں کے دوران میں نے شروع شروع میں عجیب دنیاؤں کی سیر کی۔ میں مسلسل اپنے ارتکاز کی مدت بڑھاتا رہا اور مجھے چھوٹی موٹی مشقوں میں چار ماہ گزر چکے تھے۔ چار ماہ کے بعد میں اپنے اندر ایک ہلکا پن محسوس کرنے لگا۔ میں بہت کم سوچتا اور بہت کم بولتا تھا۔ نندا سے بھی کم ہی بات ہوتی تھی۔

میری ہمت اتنی بڑھی کہ میں نے مسلسل ایک ماہ تک مراقبہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ مراقبے میں مجھے عجیب طرح کی آسودگی محسوس ہوتی تھی، جیسے میں سو رہا ہوں، جیسے میں اس دنیا میں نہیں ہوں۔ میں نے اپنے خیالات اپنے قبضے میں کر لئے تھے۔ میرے چہرے پر ایک سکون سا پیدا ہو گیا تھا لیکن اسی مدت میں جب میں اندھیرے میں دیکھنے کا عادی ہو چکا تھا، جب میری بینائی غیر معمولی طور پر تیز ہو گئی تھی، اس دوران اچانک میری آنکھیں دھندلا گئیں۔ میں نے خوف زدہ ہو کر آنکھیں بند کر لیں اور جسم جھٹک کر یکسو ہونے کی کوشش کرنے لگا۔ میرا خیال تھا کہ میں اس عارضی پریشانی پر قابو پالوں گا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ابھی مجھے آنکھیں بند کئے چند لمحے ہی گزرے تھے کہ ایسا محسوس ہوا جیسے گوتم بدھ کا بت تڑاخ سے ٹوٹ کر گر گیا ہے اور آندھی سی چل رہی ہے۔ پھر مجھے ایسا لگا جیسے کوئی ذی حیثیت، بھاری بھرکم شخص میرے سامنے کھڑا ہے اور اس کا لباس بدھ بھکشوؤں جیسا ہے اور اس کے چہرے پر نرمی کے بجائے درشتی ہے۔ میں نے اسے اپنے ذہن کا کوئی وہم سمجھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ اسی لمحے کھنڈر میں ایک گرج دار آواز گونجی۔ ''تمہارا سارا جیون پاپ، ہوس اور گندگی سے گزرا ہے۔ نندا نے تمہیں غلط راستے پر ڈال دیا ہے۔ تم کبھی اس میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ تم اپنا وقت برباد کر رہے ہو اور تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تم بدھ کے چرنوں میں بیٹھو۔'' وہ شخص انتہائی متانت اور سنجیدگی کے ساتھ مجھ سے مخاطب تھا۔ میرا جسم لرز گیا۔ مجھے معلوم تھا کہ ادھورے ارتکاز سے ذہن پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ میں نے بار بار آنکھیں بند کرنی چاہیں لیکن اس کا ہیولا سامنے سے نہیں ہٹا۔ میں اپنی جگہ اگرچہ جم کر بیٹھا ہوا تھا لیکن

میری یک سوئی کی کیفیت میں خلل پیدا ہو گیا تھا اور میرے جسم میں شدید قسم کا درد سا اٹھنے لگا تھا۔ گو
اسی وقت میرے جسم کے اکڑنے اور بے ہوش ہونے سے پہلے نندا چیختا ہوا کھنڈر میں داخل ہوا اور
میں اس کی غضب ناک آواز گونجنے لگی۔ ''اپرادھی! پلید آتما کیا تو نہیں جانتا کہ میں یہاں موجود ہوں
گوتم کے استھان پر اس کے ایک سیوک کو پریشان کرنے آیا ہے؟ ٹھہر میں تجھے ابھی نرک
پہنچاتا ہوں۔''

نندا کا یہ جملہ ختم ہوتے ہی وہ ہیولا غائب ہو گیا۔ اب میرے سامنے گوتم کا بت اصلی شکل
موجود تھا۔ نندا فوراً کھنڈر سے باہر نکل گیا۔ آئندہ دو چار روز تک مجھے اسی قسم کی بلاؤں کا سامنا کر
میں نے اپنے جسم کو کوئی حرکت نہیں دی لیکن ایک دن ضبط کا یارا نہ رہا۔ اس روز میں نے اپنی نرگس
حشر سامانیوں کے ساتھ اپنی سامنے جلوہ گر دیکھا۔ نرگس کی دید نے مجھے گنگ کر دیا۔ وہ اپنے
پھیلائے مجھے اپنی جانب بلا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر حزن کی کیفیت تھی اور ایسا تقدس تھا کہ میں
آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ میں نے اس سے کوئی بات نہیں کی لیکن کچھ دیر بعد ایک بدہئیت مکروہ شخص
نمودار ہو کر نرگس کو زبردستی اپنی آغوش میں لے لیا۔ وہ اس کا لباس نوچ رہا تھا۔ نرگس نے دہشت
لہجے میں مجھے پکارا۔ ایک لمحے کے لئے میں یہ بھول گیا کہ شیطانی قوتیں مجھے ورغلانے کی کوشش کر
ہیں۔ نرگس کو ایک جلاد کے چنگل میں دیکھ کر میری کیا حالت ہوتی؟ لیکن میں نے اسے چیخنے چلا
اور اپنی تمام تر توجہ گوتم کے بت کی طرف مرکوز کر لی۔ میرے کانوں میں نرگس کی چیخیں گونج رہی
اسی لمحے مجھے سیڑھیوں پر کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ وہ نندا تھا۔ نندا کے آتے ہی وہ منظر
ہو گیا۔ اس وقت نندا نے مجھے مخاطب کیا۔ ''جمیل احمد خان! بار بار مجھے کیوں بلاتا ہے؟ کیا تو نہیں
کہ وہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ اپنا من مضبوط کر۔ میں دوبارہ نہیں آؤں گا۔ تجھے خود ان
ہو گا۔''

میں نے ایک جھرجھری لے کر نندا کی ہدایت گوش گزار کی اور دوبارہ اپنے مراقبے میں ڈوب
اس بار میں نے طے کر لیا تھا کہ کوئی بھی شیطانی طاقت مجھے ورغلانے آئی تو میں اپنے انہماک
نہیں پیدا ہونے دوں گا۔ اس مضبوط ارادے کے بعد بھی کئی مرتبہ مجھے اس قسم کی پریشان
آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن میں نے اس کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا۔ یہاں تک ہوا کہ
اپنی بیٹی تزئین کو انتہائی شرم ناک حالت میں بدری نرائن سے ملوث پایا۔ بدری نرائن اسے در
طرح بھنبھوڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایسا الم ناک منظر اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ کر میری روح
میں دل کو لاکھ سمجھاتا کہ یہ سب میرے ارتکاز میں خلل ڈالنے کی سازشیں ہیں لیکن وہ اتنا زندہ
کا منظر تھا کہ دل کو یقین نہیں آتا تھا۔ تزئین مجھے بار بار آواز دے رہی تھی اور بدری نرائن د

طریقے سے زک پہنچا رہا تھا، وہ مجھے اپنے استھان سے اٹھنے پر بار بار مجبور کر رہا تھا۔ تزئین کی بے بسی
نے مجھے تڑپا دیا۔ مجھے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ نندا نے کیا نصیحت کی تھی۔ میں اٹھ کر بدری نرائن کا گلا گھونٹ
دیتا لیکن مجھ سے اٹھا نہ گیا اور عافیت کے اس لمحے میں مجھے خود کو منظم اور منضبط رکھنے کا موقع مل گیا۔ میں
نے آنکھیں بند کرنے کے بجائے اس سمت نگاہیں گاڑ دیں۔ میرے سامنے شیطانی قوتوں کا تماشا
جاری رہا اور میں بیٹھا رہا۔ بالکل خاموش، ساکت، منجمد، کسی بت کی طرح۔ کسی پتھر کی طرح۔

اس کے بعد مجھے کسی نے پریشان نہیں کیا۔ باقی زمانہ نہایت اطمینان اور سکون سے طویل طویل
مراقبوں میں گزرا۔ نندا سے اب کبھی کبھار رسماً بات ہو جایا کرتی تھی۔ میں خود کو بدلتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔
میرے جذبے سرد پڑ رہے تھے اور میرے خون میں وہ گردش نہیں رہی تھی جو میرے جسم کا خاصہ تھی۔ میں
جب بھی مراقبے سے فارغ ہوتا، باہر آ کر ٹھنڈی ہواؤں میں سکون کی چند سانسیں لیتا اور پھر کسی طویل
عمل میں مصروف ہو جاتا۔ نندا میری تطہیر اور قلبی ماہیت پر بہت خوش تھا۔ مجھے اب دنیا حقیر نظر آنے لگی
تھی۔ نہ کسی سے ملنے کو جی چاہتا تھا، نہ کسی سے انتقام لینے کا جذبہ ابھرتا تھا۔ ہاں کبھی کبھی تزئین اور
کلدیپ کی یاد آ جاتی تھی۔ میرا من اجلا ہو رہا تھا اور اندرونی طور پر میرے اندر ایسی قوتیں پیدا ہو رہی
تھیں جن کا میں کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے یہ قوتیں حاصل کرنے کی کوئی مسرت نہیں تھی۔ نہ میں
ان تحصیلات کا کسی پر اظہار کرنا چاہتا تھا۔ مجھے بس مراقبے میں مزہ آتا تھا۔ مجھے آلتی پالتی مار کر کسی جگہ
تو بیٹھ کے خود کو کھو دینے میں ایک لذت سی محسوس ہوتی تھی۔ اتنے سال اضطراب و دلکش، نشیب و فراز اور
مصائب و آلام کی زندگی گزارنے کے بعد میں نے زندگی کو پہچانا تھا۔ زندگی صرف حرکت کو نہیں کہتے۔
موت کا لطف زندگی کو جھٹلا کر اٹھایا جا سکتا ہے موت ایک ابدی سکون ہے۔ یہ سکون زندگی میں حاصل ہو
سکتا ہے۔ اب ایک عجیب بے نیازی کا عالم تھا۔ ذرا تبت کے اس سبزہ زار کا تصور کیجئے۔ چاروں طرف
پہاڑ، جھرنے، اونچے اونچے درخت، کہیں برف پوش پہاڑیاں تو کہیں لالہ زار۔ آپ کبھی پہاڑ پر گئے
ہوں اور ایسے سبزہ زار پر اور آپ بہت تھکے ہوئے ہوں اور آپ غموں سے چور ہوں اور آپ نے اپنی
زندگی کا ایک حصہ شدید کرب میں گزارا ہو تو درختوں کے سائے میں آپ کی روح کو ایسا سکون ملے گا جو
دنیا میں عنقا ہے۔ اس تنہائی میں اونچے اونچے درخت میرے دوست تھے۔ مجھے یہ قدرتی مناظر اس قدر
پسند آئے تھے کہ میں زندگی بھر یہیں رہنا چاہتا تھا۔ میں اب کہیں اور جانا ہی نہیں چاہتا تھا۔ میری زندگی
ٹھہر رہی تھی۔ میرے دن روز بہ روز جاں فزا ہو رہے تھے۔ اس جدوجہد میں کوئی دو سال گزر گئے۔
پھر بھی مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے میں حال ہی میں یہاں وارد ہوا۔ دو سال تک مسلسل
انہماک، استغراق، مراقبے اور ارتکاز کے بعد ایک دن نندا نے مجھ سے کہا۔ ''بالک! کیا تجھے اپنی اندر کچھ
دھمک دے رہا ہے۔''

''نندا جی مہاراج! آپ کی کرپا سے میں نے زندگی کا راز پالیا ہے۔ اب مجھے کسی چیز کی ہوس نہیں ہے۔ البتہ یہ خیال کبھی کبھی ستاتا ہے کہ میں اپنی بیٹی تزئین کے لئے کچھ نہیں کر سکا ہوں اور تقدیر میرے انتظار میں بیٹھی ہوئی ہے۔''

''اور بدری نرائن؟'' نندا نے تیکھے انداز میں پوچھا۔

''میں نے اسے معاف کر دیا۔ اس کا خیال اب میرے دل میں نہیں آتا۔ اب میں ہمیشہ کے لئے یہیں رہنا چاہتا ہوں۔ تمہاری آگیہ سے صرف ایک بار میں یہاں سے جاؤں گا اور تزئین کا بیاہ کر کے کلدیپ کو لے کر واپس آ جاؤں گا۔ میں انکا کو بھی چھوڑوں گا اس لئے کہ اب مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔''

نندا میری باتیں غور سے سن رہا تھا، بولا۔ ''تجھے اب یہاں نہیں رہنا چاہے۔ وہ مہان استری تیرا انتظار کر رہی ہے۔ تو اس دنیا میں واپس جا۔ میری باتیں گرہ سے باندھ لینا، اہنسا، درگزر، تیاگ، تپسیا کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔''

''مہاراج! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں نے اپنا شریر نرم و گرم سہنے کا عادی بنا لیا ہے۔ کیا میں اس پہاڑ سے نیچے اتر سکتا ہوں؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ تو اپنے آپ سے پوچھ۔ اگر تجھ پر پاپی دنیا کی ہوا کا اثر ہو گیا تو تیری تمام تپسیا نشٹ ہو گی۔''

''میرے دل میں اب کوئی جذبہ نہیں ہے۔ انہوں نے مجھے پریشان کیا تو میں راستہ بدل لوں گا اس پر بھی وہ نہیں مانے تو میں انہیں سمجھاؤں گا۔ پر وہ میرے آگے آ گئے اور انہوں نے میری بات سے انکار کر دیا تو مجھے کیا کرنا چاہئے مہاراج؟''

''اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ تیری زبان نے ان پر کوئی اثر نہیں کیا اور وہ تیرے پیچھے پڑ گئے ہیں اور کوئی صورت تیرے لئے نہیں رہی تو تو آخر میں انہیں آئندہ کے لئے انہیں محتاط رہنے کا سبق دے سکتا ہے اور اپنے بچاؤ کے لئے قدم اٹھا سکتا ہے۔''

نندا کی نصیحت آمیز باتیں اپنی جگہ تھیں لیکن میں خود اپنے طور پر مطمئن تھا۔ اس گفتگو کے بعد وہاں سے جانے کو جی نہیں چاہا لیکن ایک دن نندا میرے پاس آیا۔ اس دن اس کی حالت بڑی تھی۔ وہ بار بار گوتم کی مورتی سے اپنا سر پھوڑنے کی کوشش کر رہا تھا اور اس کی زبان سے دیوانگی کی باتیں نکل رہی تھیں۔ میں نے اس کے سرہانے بیٹھ کر اسے پانی پلایا تو وہ اکھڑی اکھڑی باتیں کرنے لگا۔

''جمیل احمد خان!'' اس نے مجھ سے کہا۔ ''میں شاکیہ منی کے پاس جا رہا ہوں۔ اس نے مجھے طلب کر دیا ہے۔ تم اب یہ استھان چھوڑ دو۔ مجھے وشواس ہے کہ اب تمہیں کسی چھل کپٹ، کسی ناری کی کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ تمہارے من سے میل دور ہو چکا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم یہاں

نہیں چاہتے لیکن اب سے بہت بیت گیا ہے۔ پچپن سال ہندو دھرم میں رہتے رہتے میں نے بہت سی شکتیاں پراپت کی تھیں۔ میں وہ تمام شکتیاں تمہیں نہیں دے سکتا اس لئے کہ وہ کسی کو دی نہیں جا سکتیں۔ جتنا کچھ میرے پاس ہے، وہ تمہارا ہے۔ میرے جسم میں جلدی سے سوراخ کرو اور جو میں کہتا ہوں وہ کرو۔ میں شاکیہ منی کے پاس پاک و صاف ہو کر صرف اسی کا ہو کر جانا چاہتا ہوں۔ جب میری سانس بند ہو جائے تو تم تمام خون میرے جسم سے صاف کر دینا اور میرے خون سے غسل کرنا۔ پھر مجھے تم یہیں چھوڑ کر فوراً چلے جانا۔''

''مہاراج!'' میں نے افسردہ ہو کر کہا۔ ''کیا تم مجھے اکیلا چھوڑ کر جا رہے ہو؟ نہیں نہیں، ابھی مجھے تم سے بہت کچھ سیکھنا ہے۔''

''نہیں۔ زیادہ باتیں نہ کرو۔ میرے شریر پر ایک پتھر مارو تا کہ میرا خون میرے جسم سے نکل جائے۔'' اس نے کرب سے کہا۔

''مجھ سے یہ کام نہیں ہو گا۔'' میرا خون یخ ہو گیا۔

''یہ میرا حکم ہے جمیل احمد خان! کیا تم مجھے شانتی سے نہیں مرنے دو گے؟ جلدی کرو بالک! ایسا نہ ہو کہ میں اپنے شریر کے اسی خون کے ساتھ اس کے پاس پہنچ جاؤں۔''

''مہاراج!'' میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔ ''میں تم سے عقیدت رکھتا ہوں۔ تم میرے محسن ہو۔ میں اپنے محسن پر کس طرح ہاتھ اٹھا سکتا ہوں؟ کوئی اور کام کہو مہاراج! کہو کہ جمیل احمد خان تو اپنے پتھر مار لے۔''

''تم میری بات کیوں نہیں سمجھتے؟'' اس نے جھنجلا کر کہا۔

''مہاراج!'' اس سے آگے مجھ سے کچھ نہ کہا گیا۔ اس کا اصرار جب حد سے بڑھ گیا تو میں نے بادل ناخواستہ منہ پھیر کر ایک بڑا پتھر اس کے دماغ پر مارا۔ خون بری طرح اس کے ماتھے سے بہنے لگا لیکن اس نے اف تک نہ کی۔ وہ اسی طرح پڑا رہا اور اس کا خون جسم سے بہتا رہا۔ رفتہ رفتہ اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں اور اس کے چہرے پر ایک ملکوتی مسکراہٹ چھا گئی۔ جب اس کی سانسیں بند ہو گئیں تو میں نے اس کی ہدایت کی مطابق اس کی خون آلود پیشانی چوم کر اسے اس طرح لٹا دیا کہ اس کے جسم سے خون کا قطرہ قطرہ خشک ہو جائے۔ اس نے کوئی ہچکی نہیں لی۔ اس نے مرتے وقت کسی کرب کا اظہار نہیں کیا۔ وہ عجب فاتحانہ انداز سے مرا۔ میں نے جلدی سے اپنی چادر علیحدہ کی اور اس کے خون سے لوٹنے لگا۔ یہ ایک پُر کراہت عمل تھا تاہم یہ میرے محسن کا حکم تھا۔ نندا کا حکم تھا۔ خون جلد ہی میرے جسم پر خشک ہو گیا۔ میں نے کچھ دیر توقف کے بعد جھرنے جا کر اسے دھویا اور مندر واپس آ کر نندا کی لاش پر کپڑا اڑانا چاہا لیکن اب وہاں اس کی لاش موجود نہیں تھی۔ سارا مندر سائیں سائیں کر رہا تھا۔ مجھے

اپنی پریشانی ختم کرنے کے لئے ارتکاز کی ایک چھوٹی سی مشق کرنی پڑی۔ شام تک میں اپنا تکدر دور
تھا۔ وہ رات میں نے مراقبے میں کاٹ دی۔ صبح اٹھ کر میں نے مندر کو خیر باد کہا اور کمپالا کی خانقاہ کی
روانہ ہوگیا۔ نندا کی اچانک موت کا واقعہ مجھے بار بار یاد آ جاتا تھا۔

چالیس میل کی مسافت ایک ایسے ٹھنڈے انسان کی مسافت تھی جسے نہ کہیں جانے کی جلدی
نہ کسی سے ملنے کا شوق، چونکہ مجھے اب کمپالا کے پاس جانا چاہئے تھا اس لئے میں کمپالا کے پاس
تھا۔ یہ آزردہ خاطری نہیں تھی بلکہ سکون کی ایک کیفیت تھی۔ میں کہتا ہوں انسان کی لگام خود اس
ہاتھ میں رہتی ہیں۔ اس کی تو بینائی کم ہوتی ہے اس لئے صرف اس کی افزائش کی ضرورت پڑتی ہے۔
آدمی اندھے ہوتے ہیں اور ان کی آنکھیں دنیا کی چمک دمک سے خیرہ ہو جاتی ہیں۔ اگر آپ کے
سکون کی دولت ہے تو آپ دنیا کے سب سے زیادہ دولت مند آدمی ہیں۔ شاید میری باتیں آسانی
سمجھ میں نہ آئیں اس لئے میں اپنی سرگزشت جاری رکھتا ہوں۔ لوگ کسی کہانی کے دوران نتائج
تجربات کا ذکر کلیوں میں پسند نہیں کرتے، سو میں اپنی زندگی کا تماشا دوبارہ دکھانا شروع کرتا ہوں
نتائج اپنے پاس محفوظ رکھتا ہوں۔

جب میں کمپالا کی خانقاہ میں ایک بدھ بھکشو کے حلیے میں داخل ہوا تو وہ دروازے پر مجھے منتظر
کمپالا سے آنکھیں ملاتے وقت میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے نندا جیسے بڑے بھکشو تک کی
رہنمائی کی تھی۔ میں کس زبان سے اسے نندا کی موت کی خبر سنا سکتا تھا لیکن میرے کچھ کہنے سے قبل
کمپالا نے سرد آہ بھر کر بولا۔ ''میں جانتا ہوں میرے بچے! وہ خود جو چاہتا تھا وہی ہوگیا۔''

''نندا جی مہاراج نے مجھے اتنا موقع بھی نہیں دیا کہ میں ان کی خدمت کرسکتا۔'' میں نے دل
لہجے میں کہا۔

''وہ امر ہوگیا ہے۔ اس نے تمہیں منش بنا کر بھیجا ہے۔ اسے شاید تمہاری تکمیل کا انتظار تھا۔''
کمپالا نے گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔ ''مجھے امید نہیں تھی کہ نندا تمہیں اتنی شکتیاں بھی دان کر دے
جمیل احمد خان! تم نے حقیقی زندگی قریب سے دیکھ لی۔ تشدد کا راستہ اختیار کرنے والے شانتیہ منی
نہیں کرتے۔ فیصلے اپنے ہاتھ میں لوگے تو دھرم سے واسطہ نہیں رہے گا اور دھرم سے کٹ کر منش
کہاں رہتا ہے۔ نندا نے تمہیں مہان شکتی دی ہے۔ تمہیں سچائی، سکون اور ضبط کا راستہ دکھایا ہے
ان راستوں سے بھٹک گئے تو اس کی آتما بے چین رہے گی۔''

کمپالا نے چار روز مجھے اپنے ہاں ٹھہرایا۔ میں نے خانقاہ میں طویل مشقیں کر کے طلبہ کو حیرت
کر دیا۔ مجھے اپنی لگن سے جو قدرت اپنے اعصاب پر ہوگئی تھی وہ برسوں میں بھی پیدا نہیں ہوتی
بات ان کے لئے حیرت و تشویش کا باعث تھی۔ وہاں طلبہ کا ہجوم میرے اطراف رہنے لگا تھا۔ میں

بھکشو کی حیثیت سے پہچانا جاتا تھا۔

چار روز بعد ایک قافلہ گیا کی طرف روانہ ہوا۔ میں اس کے ساتھ شامل ہوگیا۔ چلتے وقت کمپالا نے میرے سر پر ہاتھ پھیر کر مجھے اپنی دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا اور ہمیشہ اہنسا کے مسلک پر کاربند رہنے کی تلقین کی۔ اس نے گمبھیر آواز میں کہا۔ ''جمیل احمد خان! آدمی کا کوئی دھرم ہو، آدمی کو آدمی ہونا چاہئے۔''

کمپالا کے اس آخری جملے نے مجھے ایک مدت بعد یہ یاد دلایا کہ میرا بھی کوئی دھرم ہے۔ میرا نام جمیل احمد خان ہے۔ میں راستے بھر اس کے متعلق سوچتا رہا۔ میرے جسم پر گیروے رنگ کی ایک چادر پڑی ہوئی تھی۔ یہ کمپالا نے مجھے دی تھی۔ کمپالا نے چار روز میں مجھے بہت کچھ سکھا اور سمجھا دیا تھا۔ نندا کی ایک ایک بات بھی لوح ذہن پر محفوظ تھی۔ دو مہینے کے طویل سفر کے بعد ایک بار پھر میں ہندوستان کی سرحدوں میں پہنچ گیا۔ دربھنگے میں مجھے اپنے ساتھیوں کو الوداع کہنا پڑا۔ قافلے کا ہر فرد مجھ سے گلے لگا تھا۔ وہ لوگ گیا کی سمت روانہ ہوگئے۔ میں نے ایک روز دربھنگے میں قیام کیا پھر یہاں سے اپنا حلیہ بدل کر پٹنہ ہوتا ہوا سیدھا لکھنؤ جا پہنچا۔ اب میرے جسم پر سیدھا سادہ مسلمانوں والا لباس تھا۔ لکھنؤ تک مجھے کسی نے نہیں پہچانا۔ میں نے چچا جان کے گھر جانے کے بجائے ایک ہوٹل میں قیام کیا۔ میں دیدہ و دانستہ کسی سے الجھنا نہیں چاہتا تھا۔ شہری زندگی اور پھر لکھنؤ کی زندگی میں آنے کے بعد ماضی کے بہت سے واقعات نے میرے ذہن کے دروازے پر دستک دی لیکن وہ اندر نہیں آ سکے۔ اسی شہر میں بن علی، زرافشاں اور درخشاں کا بھی قیام تھا مگر جسم میں کوئی گرمی نہیں تھی۔ ایک ٹھنڈک تھی جس کے لئے میں نے در در کی خاک چھانی تھی۔ میں شام کو اپنے معمول کے لباس میں چچا جان کے گھر گیا۔ گھر والے مجھے دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ ان کا خیال تھا کہ شاید میرا انتقال ہوگیا ہے۔ چچا جان کو پولیس نے بہت پریشان کیا تھا۔ وہ میری آمد سے سہمے ہوئے تھے، کہنے لگے۔ ''تمہیں یہاں آتے ہوئے کسی نے دیکھا تو نہیں؟''

میں نے بے نیازی سے کہا۔ ''مجھے معلوم نہیں۔''

''تمہارے جانے کے بعد کئی بار مکانوں کی تلاشی لی گئی۔ رخسانہ کی شادی کے موقع پر وہ گھر میں گھس آئے اور براتیوں کے سامنے میری بے عزتی کی۔'' چچا جان روہانسے ہوگئے۔

بہرحال اب ان کی زندگی میں کوئی دکھ نہیں تھا۔ ان کا کاروبار خوب چل رہا تھا۔ میں زیادہ دیر ٹھہر کر ان کے لئے پریشانی کا سبب بننا نہیں چاہتا تھا اس لئے وہاں سے رخصت ہوگیا۔ میرا چچازاد بھائی مجھے میرے ہوٹل تک چھوڑنے آیا۔ وہ اب ایک وجیہہ جوان ہوگیا تھا اور اس کے پاس ایک چھوٹی سی کار بھی تھی۔ وہ لوگ میری اچانک آمد سے باغ باغ تھے لیکن ساتھ ہی خوف بھی ان پر حاوی تھا۔ پولیس ابھی تک مجھے نہیں بھولی تھی۔ بن علی جیل میں تھا لیکن اس کی بہنیں اپنی حویلی میں منتقل ہوگئی تھیں۔ میرے دل میں چچا جان کے ہاں قیام کرنے اور اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ رہنے کی آرزو ابھری تھی مگر

میں نے اسے دبالیا۔دوسرے دن میں میسور کے لئے روانہ ہونے والا تھا۔اب میں جلد از جلد میسو
کر کلدیپ اور تزئین کے پاس جانے کے لئے پرتول رہا تھا۔یہ شہری زندگی مجھے اب اچھی نہیں لگ
بہت سی باتیں، ذرا سے انہماک کے بعد مجھ پر منکشف ہو جاتی تھیں اور میری آنکھیں دور دور تک د
لگتی تھیں۔لکھنؤ میں ہر جگہ محاذ آرائی تھی۔رات کو جب میں نے ہوٹل میں اپنے چچازاد بھائی کے
ہلکا پھلکا کھانا کھایا تو مجھے انکا کا خیال آیا۔اسی وقت میں نے انکا کو اپنے سر پر واپس آنے کا حکم دیا۔
بھائی کو رخصت کرنے کے بعد میں بستر پر دراز تھا کہ انکا میرے سر پر واپس آ گئی۔میں نے عالم
میں سر پر نظر ڈالی تو دیکھا انکا کا چہرہ زرد پڑا ہے۔ہماری ملاقات تقریباً ڈھائی سال بعد ہوئی تھی۔وہ
حسرت بھری نظروں سے تک رہی تھی۔میں نے نہایت اطمینان سے اس سے پوچھا۔"کہو کیسی ہو؟"

"ٹھیک ہوں جمیل! کئی بار نندا کے استھان پر آنے کا ارادہ کیا لیکن تمہارا حکم تھا کہ تزئین کے پ
رہوں۔" وہ اداسی سے بولی۔

"تزئین اور کلدیپ کا کیا حال ہے؟"

"تمہاری کلدیپ اور تزئین خیریت سے ہیں۔کلدیپ تو ان دنوں جھونپڑی میں مقید ہو کر
جاپ میں مصروف ہے۔تزئین، کلیلیں بھرتی پھرتی ہے۔جب کلدیپ کو پتا چلا کہ تم نے تزئین
حفاظت کے لئے مجھے اس کے سر پر بھیجا ہے تو اس نے مسلسل جاپ کرنے شروع کر دئے۔بدری نر
کے دو دوست پجاری ابھی تک پہاڑی کے نیچے دھرنا دئے بیٹھے ہیں۔وہ تزئین اور کلدیپ کو پہاڑ
سے نیچے لانا چاہتے تھے لیکن اب تک اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں۔"

"اچھا!" میں نے سنجیدگی سے کہا۔"بہر حال اب میں واپس آ گیا ہوں۔"

"تم نے یہاں آ کر اچھا نہیں کیا جمیل! ہندوستان کی فضا تمہارے لئے اب بھی ساز گار نہ
ہے۔بدری نرائن اور اس کے ساتھی۔تمہارے دشمنوں کی تعداد کم نہیں ہوئی، بڑھ گئی ہے۔مجھے حیر
ہے کہ تم لکھنؤ کیسے آ گئے؟ میں نے تمہارے بارے میں جاننے کی بہت کوشش کی لیکن مجھے اس میں
ہوئی۔نندا مہان پجاری تھا۔اس نے مجھے تمہارے حالات سے لاعلم رکھا۔تم ہندوستان کب آئے
یہاں تک کیسے آئے؟"

"میں تبت میں رہا۔پھر نندا مر گیا تو یہاں چلا آیا۔یہاں آ کر چچا جان سے ملا۔اب میسور
کا خیال تھا۔" میں نے مختصراً کہا۔

"شاید انہیں اب تک تمہارے ہندوستان آ جانے کی اطلاع نہیں ملی ہے۔" انکا نے تشویش
کہا۔

"ممکن ہے۔" میں نے سرد مہری سے جواب دیا۔

"کیا بات ہے، تم کچھ بدلے بدلے نظر آتے ہو؟"

"نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔"

"تمہاری گفتگو میں وہ شوخی، وہ گرم جوشی نہیں رہی جو مجھے سب سے زیادہ پسند ہے۔"

"شاید تبت میں تنہا رہنے کا اثر ہو۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"اچھا ہے۔تم کچھ سدھرے سدھرے نظر آتے ہو۔"

انکا مجھے ہندوستان میں میرے دشمنوں کا احوال عورتوں کی طرح سنانے لگی۔میرا خیال تھا کہ اگر
اسے پہلے میری طاقتوں کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا تو اب میرے سر پر آ کر وہ جان چکی ہو گی لیکن
شاید اس نے اس طرف کوئی توجہ نہیں دی یا وہ یہ سمجھتی ہو گی کہ میں اپنی روش کبھی نہیں بدل سکتا۔میں نے
سوچا، انکا کو سب کچھ بتا دوں پھر ارادہ ملتوی کر دیا۔میری اصل طاقت وہ نہیں جو مرتے وقت نندا نے
مجھے بخشی تھی۔اصل طاقت تو میں اس سے پہلے حاصل کر چکا تھا۔انکا بدری نرائن کی ہرزہ سرائیوں کی
داستان سناتے سناتے خاموش ہوئی تو میں نے کہا۔"مجھے ہندوستان کی سرحدوں میں داخل ہوئے دس
دن گزر چکے ہیں۔ابھی تک کسی نے مجھے پریشان نہیں کیا، بہر حال اب تم آ گئی ہو۔"

"میں تمہارے ساتھ زیادہ دیر نہیں رہ سکتی۔مجھے جلد ہی تزئین کے سر پر واپس جانا ہو گا۔"

"میرا خیال ہے اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

"کیوں؟" وہ حیرت سے بولی اور جھک کر میرا چہرہ دیکھنے لگی۔

"یوں ہی۔" میں نے اسے ٹالنے کے لئے کہا۔"تزئین اتنی بے وقوف نہیں ہے کہ وہ پہاڑی سے
نیچے آنے کی حماقت کرے۔پھر اب تو وہ پجاری بھی تھک گئے ہوں گے۔ویسے تم اپنا دھیان ضرور اس کی
طرف رکھنا۔"

"جمیل! نندا اور کمپالا نے تمہیں کچھ نہیں دیا؟" انکا نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔"تمہارا سکون
بے وجہ نظر نہیں آتا۔"

"نندا اور کمپالا نے مجھے بہت کچھ دیا ہے۔انہوں نے کہا تھا ضبط سب سے بڑی نیکی ہے۔معاف
کرو، درگزر کرو، تیاگ کرو، تپسیا کرو، دنیا اور اس کی آسائشوں میں نہ پڑو۔یہ سب فریب ہے۔بدری
نرائن سے اب مجھے کوئی خوف نہیں ہے کیونکہ وہ بھی ایک انسان ہے۔"

"جمیل!" انکا نے میرا نام کھینچ کر ادا کیا۔"تم کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو، تم مجھ سے کچھ
چھپانے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"تمہارے اندر بہت سی شکتیاں ہیں، تم جان کیوں نہیں لیتیں؟"

"مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا ہے مگر......"

"مگر کیا؟" میں نے اس کا جملہ کاٹ کر کہا۔

انکا زچ ہوگئی۔ "مگر تم نے یہاں آ کر برا کیا۔ میں کس کس سے مقابلہ کروں گی؟ تمہار تو قدم قدم پر ایک محاذ ہے۔" انکا نے مجھے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "ابھی کلدیپ کا وہ خطرناک مکمل نہیں ہوا جو وہ اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر تمہارے لئے کر رہی ہے۔ تمہیں اس کا ہونے کا انتظار کرنا چاہئے تھا۔ تم نے یہاں آ کر......"

انکا جملہ نامکمل چھوڑ کر یکا یک اس طرح چونکی جیسے اس نے کسی خطرے کی بو سونگھ لی ہو۔ ذہن پر زور دیا ساری بات سمجھ میں آ گئی۔ اس لمحے دروازے پر دستک ہوئی۔ یہ گویا خطر تھا۔ انکا کی پریشانی سے لطف اندوز ہوتا ہوا میں اطمینان کے ساتھ دروازے کی سمت بڑھا۔ وہ بولی۔ "دروزاہ کھولنے سے پہلے میری بات سن لو جمیل! باہر پولیس کا دستہ موجود ہے۔ وہ تمھ کرنے کے لئے آئے ہیں۔ ہمیں اپنے آئندہ اقدام کے لئے کچھ دیر سوچنا ہوگا۔ جلد با دشواریاں کھڑی کر دے گی۔"

میں کوئی جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ دروازہ دوسری بار زور سے پیٹا گیا۔ اسی وقت کسی بھا نے مجھے تیز آواز میں دروازہ کھولنے کا حکم دیا۔

"جمیل!" انکا کا چہرہ غصے کی تمازت سے سرخ ہوگیا۔ "تم یہیں رکو۔ میں انہیں پرانی عمل کر کے آپس میں بھڑا کر ابھی آتی ہوں۔ تم باہر نکلے تو مصیبت ہو جائے گی۔"

"اب یہ پرانی ترکیبیں چھوڑ دو انکا!" میں نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "اب میں خون خر بچنا چاہتا ہوں۔ بے گناہ انسانوں کو مارنے سے کیا حاصل؟"

"میں تمہیں خطرہ ٹلتے ہی کسی محفوظ مقام پر پہنچا دوں گی۔" انکا نے تیزی سے بولی۔ دروازے سے ہٹنا ضروری ہے۔"

"آخر تم کب تک یہ کرتی رہو گی۔ تم اطمینان سے میرے سر پر ہی بیٹھی رہو انکا! ضرورت پیش آئی تو میں خود تمہیں زحمت دوں گا۔" میں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا پھر آ میں نے بڑی بے فکری سے دروازہ کھول دیا۔ پولس کا ایک افسر دو سنگین برداروں کے ساتھ اندر گھس آیا۔ باہر پولیس کے کئی مسلح آدمی موجود تھے۔

"تمہارا نام جمیل احمد خان ہے کیوں؟" افسر نے مجھے رعونت سے مخاطب کیا۔ وہ ہوئے ہاتھ کو گھورنے لگا۔

"ہاں جناب۔ یہی میرا نام ہے۔" میں نے نرمی سے جواب دیا۔

"تمہیں ہمارے ساتھ تھانے چلنا ہوگا۔" افسر کا لہجہ سرد ہوگیا۔

"میرا جرم؟"

"بکواس۔" افسر نے مجھے ڈانٹتے ہوئے غصیلی آواز میں کہا۔ "سیدھی طرح ہمارے حکم پر عمل کرو ورنہ ہمیں مجبوراً تمہارے ساتھ تشدد کا برتاؤ کرنا پڑے گا۔ باہر پولیس کی خاصی بڑی تعداد موجود ہے۔ اس بار تم بچ کر نہیں جا سکتے۔"

اس کی اشتعال انگیز باتوں سے میرے ماتھے پر کوئی شکن نہیں ابھری۔ میں نے بڑے ضبط سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "میں سمجھتا ہوں یہ ظلم ہے جناب۔"

"بکواس بند کرو۔" افسر گرجا۔ "میں تم سے بحث کرنے نہیں آیا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم کتنے خطرناک آدمی ہو لیکن اب تمہارے برے دن آ چکے ہیں۔ تم نے ترپاٹھی کا نام شاید اب تک نہیں سنا تھا۔ بڑے بڑے چور اچکے اور ڈاکو میرا نام سن کر تھرا جاتے ہیں۔"

افسر کا نام ترپاٹھی تھا۔ وہ میرے ساتھ بڑی حقارت کا سلوک کر رہا تھا۔ انکا میرے سر پر بار بار پہلو بدل رہی تھی۔ اس نے مجھ سے ترپاٹھی کو راہ راست پر لانے کی اجازت چاہی۔ غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ میں نے اسے کسی جارحانہ اقدام سے باز رہنے کی تاکید کی اور خاموشی سے ترپاٹھی کے ساتھ ہو لیا۔ انکا میرے سر پر بری طرح پیچ و تاب کھا رہی تھی۔

تھانے پہنچ کر ترپاٹھی مجھے اپنے کمرے میں لے گیا۔ اس کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ اپنی کرسی پر بیٹھنے کے بعد اس نے میرا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔ "میں نے تمہارے بارے میں بہت کچھ اور ہی سن رکھا تھا لیکن تم تو انتہائی بزدل اور ڈرپوک آدمی ثابت ہوئے۔"

میں اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

"سنو ننھے! تم نے بدری نرائن مہاراج کا اپمان کر کے اپنی موت کو دعوت دی ہے۔" ترپاٹھی گستاخانہ لہجے میں بولا۔ "تم نے ہمارے دھرم اور دھرماتماؤں کے خلاف زہر اگلا ہے۔ پنڈتوں، پجاریوں کو پریشان کیا ہے۔ میرے پاس تمہارے خلاف ہزاروں ثبوت موجود ہیں۔ سب سے بڑا ثبوت پنڈت ارجن داس جی کا بیان ہے۔ غور سے سنو جمیل احمد خان! تم نے کل رات بڑے کالی کے مندر میں گھس کر جس پجارن کو اغوا کیا ہے اسے ہمارے حوالے کر دو۔"

یہ بے بنیاد الزام سن کر پہلی بار میرے خون کی گردش کچھ تیز ہوگئی۔ میں اگر چاہتا تو ایک اشارے پر ترپاٹھی کو اس گستاخی کی سزا دے سکتا تھا لیکن نندا کی نصیحتیں میرے پیش نظر تھیں اس لئے میں بدستور پرسکون رہا۔ میں نے نرمی سے کہا۔ "ترپاٹھی جی! میں جانتا ہوں کہ ہندوستان کے بے شمار پنڈت اور پجاری بدری نرائن کے اکسانے پر میرے دشمن بن چکے ہیں۔ مجھے خبر ہے کہ تم نے مجھے پھانسنے کے لئے بہت اوچھا ہتھکنڈا سوچا ہے۔ میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنا بے بنیاد الزام

واپس لے لو۔ ترپاٹھی جی، اس چار دن کی زندگی میں کیوں گناہ سمیٹتے ہو۔ کیا تمہیں مرنا نہیں ہے؟"

انکا غصے سے بولی۔ "جمیل! تم اس کمینے کو شرافت کی تلقین کر رہے ہو؟ یہ بڑا موذی اور متعصب ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ تم اس کے ساتھ نرمی سے پیش آ رہے ہو جب کہ میں موجود ہوں... قسم کے بہت سے واقعات پیش آ چکے ہیں۔ کہو تو ابھی اسے تگنی کا ناچ نچا دوں؟"

میں نے انکا کو خاموش رہنے کی ہدایت کی۔ ترپاٹھی میرا جواب سن کر اور میری مطمئن حالت... کر شقاوت سے بولا۔ "ملیچھ! اپنی گندی زبان بند کر۔ میں نے بہت سے مسلوں، تیلی، چماروں... پیروں اور ملاؤں کو ٹھیک کیا ہے۔ اپنے کسی پیر پیمبر کو آواز دے۔" اس نے میرے مذہب کے متعلق ایسے دل آزار الفاظ استعمال کئے جنہیں دہرانا بھی میں گناہ سمجھتا ہوں اس لئے انہیں حذف کر رہا... میں نے سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ مستقل مجھے اشتعال دلاتا رہا۔ آخر جب میں نے محسوس کر ہی لیا کہ وہ میری نرمی، سکون اور صلح سے قابو میں نہیں آئے گا تو میں نے لہجہ بدل کر کہا۔ "ترپاٹھی زبان سنبھالو۔ مجھے مجبور نہ کرو کہ میں بھی جواباً کچھ کر بیٹھوں۔ جو کرنا ہے، کرو۔ زبان پر قابو رکھو۔"

ترپاٹھی کے لئے میرے جواب کی حدت آگ سے زیادہ شدید ثابت ہوئی۔ اس نے... مذہب کے متعلق شدت سے نازیبا الفاظ استعمال کرنے شروع کر دئے۔ انکا مجھے بار بار اکسا... میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا تھا۔ ضبط کے بندھن ٹوٹ رہے تھے۔ میں نے پلٹ کر اپنے ہاتھ کو جنبش دی اور میری شعلہ بار آنکھیں باہر جانے والے رستے کی طرف مرکوز ہو گئیں۔ انکا اور ترپاٹھی... ہاتھوں اور آنکھوں کی حرکت غور سے دیکھ رہے تھے۔ ترپاٹھی نے اپنا پستول نکال لیا تھا۔ "جمیل خان! ان باتوں سے کچھ نہیں ہوگا۔ میں تمہاری چمڑی......"

لیکن ترپاٹھی کو آگے کچھ کہنے کی مہلت نہ مل سکی۔ اس کے کمرے کا دروازہ ایک جھٹکے سے... ایک سادھو بال بکھرائے دیوانوں کی طرح تڑپتا ہوا اندر داخل ہو کر زمین پر لوٹنے لگا۔ ترپاٹھی... دونوں حیران تھے۔ میری نظریں سادھو پر جمی ہوئی تھیں۔

"ارجن داس مہاراج! تم؟ ہم نے اس کمینے کو گرفتار کر لیا ہے۔" ترپاٹھی نووارد سے... لیکن ارجن کے کانوں تک اس کی بات نہ پہنچ سکی۔ وہ بدستور زمین پر تڑپ رہا تھا۔

"ارجن داس! تمہاری سزا یہ ہے کہ میں تمہیں کتے کی صورت میں تبدیل کر دوں۔ میں نے تم... ساتھ کیا سلوک کروں؟" میں نے ٹھہرتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "تم نے کیا جان کر مجھ پر الزام...

ارجن داس زمین پر پڑے پڑے میرے پاؤں سے لپٹ گیا۔ ترپاٹھی کے ذہن کو اتنا شدید... لگا کہ پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا۔ ادھر ارجن داس انتہائی رقت بھری آواز میں بولا۔ "مہاراج! مجھے شما کر دو۔ ہمیں تمہاری شکتی کا اندازہ نہیں تھا۔" مگر میں اس کے معافی...

...میں اپنا عمل کر چکا تھا۔ پھر یہ میری تیز نگاہوں کا اثر تھا، میری ریاضت کا کرشمہ تھا۔ میرے ارتکاز اور مسلسل مشقتوں کا اثر تھا کہ ارجن داس کا جسم دیکھتے ہی دیکھتے پھوڑا بن گیا۔ مسامات سے خون اور بدبو دار مواد رسنے لگا۔

"گھبراتے کیوں ہو مہاراج!" میں نے کہا۔ "تم اس وقت ترپاٹھی کے سائے میں ہو۔ کیا تمہارے بیروں نے یہ نہیں بتایا تھا کہ میں نے سب کو معاف کر دیا ہے۔ اب میرا تمہارا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ تم نے مجھے چھیڑ کر اچھا نہیں کیا۔" میرا لہجہ تلخ ہو گیا۔ "ترپاٹھی نے میرے خلاف بہت سارے ثبوت جمع کر رکھے ہیں۔ تمہارے اشاروں پر ناچنے والے پجاری میرے خلاف گواہی دینے کے لئے تیار ہیں۔ کیا ترپاٹھی کو اس سندر پجارن کا درشن نہیں کراؤ گے جسے تمہارے بقول میں نے اغوا کر لیا ہے۔"

"میں نردوش ہوں جمیل مہاراج! مجھے شما کر دو۔ دیا کرو۔ میں بنتی کرتا ہوں۔" ارجن داس نے عاجزی سے کہا۔ اس کی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی تھی۔

"میں مسلمان ہوں ارجن داس جی! تم پنڈت ہو کر ایک مسلے سے رحم کی بھیک مانگ رہے ہو۔ کہاں گیا تمہارا دھرم؟ کہاں ہیں تمہاری شکتیاں؟" میں نے بے حد طنزیہ انداز میں کہا۔ ارجن داس کی حالت اور غیر ہو گئی۔ ترپاٹھی ہکا بکا ہو کر سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ میں نے اسے مخاطب کیا۔ "میرے لئے اب کیا حکم ہے ترپاٹھی جی؟ تمہاری اجازت کے بغیر میں باہر جانا نہیں چاہتا، مجھے اجازت دو۔"

ترپاٹھی نے بولنے کی کوشش کی مگر الفاظ اس کے حلق میں گڈمڈ ہو کر رہ گئے۔ میں نے اس سے یہ کھیل ختم کرنے کے لئے کہا۔ "سنو ترپاٹھی! تم خوش قسمت ہو جو میں اس طرح واپس جا رہا ہوں۔ میرا نام جمیل احمد خان ہے۔ تم مجھ سے ایسے وقت میں ملے ہو جب جمیل احمد خان بالکل بدل چکا ہے۔ یہاں جو کچھ ہوا ہے، یہ بھی نہ ہوتا اگر تم میرے مذہب کے بارے میں ہرزہ سرائی نہ کرتے اور مجھ پر جھوٹا الزام نہ لگاتے۔ میں نے تمہیں پورا موقع دیا تھا کہ تم اپنے رویے پر نظر ثانی کر لو لیکن تم شاید میری طرف سے تشدد کے انتظار میں تھے۔ خدا مجھے معاف کرے۔ میں نے کسی کو وچن دیا ہے۔ پر اس کی آتما دیکھ رہی ہو گی کہ میں مجبور ہو گیا تھا۔"

"م...... میں اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہوں خان صاحب!" ترپاٹھی نے بمشکل کہا۔ "مجھ سے بڑی بھول ہو گئی۔"

"میں جا رہا ہوں۔ اپنے ساتھیوں کو سمجھا دینا اور میرا تعاقب کرنے کی حماقت نہ کرنا۔" میں سرد آواز میں بولا۔ پھر میں نے اپنے قدموں میں پڑے ہوئے ارجن داس کو مخاطب کیا۔ "جاؤ ارجن داس! تم ایک پنڈت ہو، سچائی کے راستے پر چلو۔ اپنے دوست بدری نرائن سے کہہ دینا کہ وہ اب محتاط رہے۔"

اس کے حق میں یہی بہتر ہوگا۔''

''دھنیہ ہو مہاراج دھنیہ ہو۔'' ارجن داس کانپتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

''ترپاٹھی جی! کیا تم مجھے ہوٹل تک پہنچانے نہیں چلو گے؟ ورنہ تمہارے منہ زور سپاہی تمہا
اجازت کے بغیر تھانے سے مجھے کس طرح جانے دیں گے؟''

ترپاٹھی تمام تر نیازمندی سے اٹھا اور میرے ساتھ ہولیا۔ راستے میں وہ بوکھلایا بوکھلایا رہا۔ ہوٹل
کر میں نے اسے رخصت کردیا۔ انکا ابھی تک خاموش تھی اور حیرتوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میں ا
کمرے میں پہنچا تو اس نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔ ''جمیل! یہ میں نے کیا دیکھا؟ بتاؤ تم نے مجھ
کیوں چھپایا؟ کیا میں تمہارے لئے غیر ہوگئی ہوں؟''

''ناراض ہوگئیں کیا؟ یہ ذکر اپنے منہ سے مجھے کچھ مناسب نہیں لگا۔''

''اب تمہیں میری ضرورت ہی کیا رہی ہے؟'' انکا نے اداسی سے کہا۔ ''نندا نے تمہیں بہت
دے دیا ہے۔''

''کیا تمہیں سب کچھ اچھا نہیں لگا؟''

''اتنی بڑی بات تم نے مجھ سے چھپائی۔ تم نے تو کمال کردیا۔'' انکا نے تجسس آمیز لہجے میں
اس کی خوب صورت آنکھوں میں نمی تھی۔

''تم میرے ساتھ رہو گی مگر اب خوب خرابے کو جی نہیں چاہتا۔ تم نے میرا بڑا ساتھ دیا ہے۔
اب مجھے کسی سے کوئی شکوہ نہیں رہا۔ میں نے زندگی کا راز پالیا ہے۔''

''اگر مجھے پہلے باخبر کردیتے تو میں اتنی پریشان تو نہ ہوتی۔ تم اب بہت کچھ ہوگئے ہو مگر تمہا
جلانے اور تڑپانے کی عادت نہ گئی۔''

''اب چھوڑو بھی۔ تم ذرا سی بات پر ناراض ہوگئیں۔''

انکا اپنا مصنوعی غصہ زیادہ دیر تک برقرار نہ رکھ سکی۔ ''یہ سب کیسے ہوگیا جمیل!'' وہ بار بار پو
تھی۔ آخر میں اس کے اصرار پر اسے نندا کے ساتھ گزارے ہوئے زمانے کی تفصیل سنانی
دوسرے دن میں لکھنؤ کو خیرباد کہہ دیا۔ اپنے مقصد کے حصول کے لئے مجھے میسور پہنچنے کی جلدی تھی۔
کے لئے ارجن داس کا عبرت ناک واقعہ بڑی حیرت انگیز خبر تھی لیکن مجھے اپنے اندر کوئی خاص سنسنی م
نہیں ہوتی تھی کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ یہ سب کچھ اب میرے لئے کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ اب مجھ
کچھ ایسی صلاحیتیں پیدا ہوگئی تھیں کہ اگر میں کسی گلاس پر نگاہ جما کے اس کے ٹوٹنے کی خواہش کرتا
یقیناً ٹوٹ جاتا۔ پھر میں نندا کی باطنی عظمت اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ ذرا سی توجہ کی بنا پر
واقعہ یا فرد کی خبریں بیٹھے بیٹھے نہایت آسانی سے معلوم ہوجاتی تھیں۔ اب تک میں انکا جیسی

ت کے پیچھے پریشانیاں اٹھاتا رہا تھا۔ اپنے ماضی کے برے دن یاد کرکے مجھے وحشت سی ہونے لگتی
تھی۔ میری نرگس، میری مالا صرف میری کوتاہیوں کی نذر ہوئی تھیں۔ جو بات مجھے پہلے سمجھ جانی چاہئے
تھی، اس پر میں نے بہت تاخیر سے عمل کیا۔

میسور تک پہنچنے کا حال بیان کیا جائے تو تکرار ہوگی۔ دو ایک جگہ مجھے شبہے کی نظر سے دیکھا گیا
لیکن مجھے ان کا شبہ دور کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ سورگ باشی پریتم لال کے استھان کے
زیریں حصے میں دو پنڈت مجھے دھونی رمائے نظر آئے۔ میں نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اور سیدھا
پہاڑی پر چڑھنے کے لئے آگے بڑھنے لگا لیکن وہ میری آمد سے بے خبر نہیں تھے۔ ''ٹھہرو کہاں جاتے
ہو؟'' مجھے ان کی آواز دور سے سنائی دی۔

میں نے پیچھے مڑ کر ان کی طرف دیکھا اور پھر آگے بڑھنے لگا۔ ''ٹھہر جاؤ جمیل احمد خان! تم اوپر
نہیں جاسکتے۔'' انہوں نے دبنگ آواز میں دوبارہ مجھے تنبیہ کی۔

''مہاپُرشو۔ تم اپنے کام سے کام رکھو۔ مجھے جانے دو۔'' میں نے شائستہ لہجے میں کہا۔ یہ کہہ کر میں
اور آگے بڑھ گیا۔

ان میں سے ایک پنڈت آناً فاناً میرے قریب آ گیا اور پینترا بدل کر بولا۔ ''تم خود کو ہمارے
حوالے کردو۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ دھرماتما یہی چاہتے ہیں۔ اب اس پہاڑی پر کوئی نہیں جاسکتا۔ تمہارے قدم آگے نہیں
بڑھ سکتے۔ اگر تم نے ایسا کیا تو جل کر بھسم ہوجاؤ گے۔''

''مجھے چلے جانے دو۔ میں نے تمہارا حصار توڑ دیا ہے۔ میں اب زمین پر نہیں، پہاڑی پر ہوں۔ تم
مجھے اوپر جانے سے نہیں روک سکتے۔''

''وہ تو تم نے اپنی ناری کی وجہ سے توڑ دیا ہے پر ہم یہاں کس لئے بیٹھے ہیں؟ چار سال ہونے کو
آئے، ہم تمہیں اندھا کردیں گے۔ تمہاری انکا دیوی کی شکتی بھی بے کار ہوجائے گی۔''

''مگر تم یہ سب کیوں کرنا چاہتے ہو؟'' میں نے سادگی سے پوچھا۔

''یہ تم جانتے ہو۔ چھل کپٹ سے کام نہ لو۔ ہم تمہیں اس سمے نشٹ کرسکتے ہیں پرنتو یہ بعد کی بات
ہے۔''

''مہاراج! میرے راستے میں نہ آؤ۔ میں اوپر جارہا ہوں۔'' میں نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا اور
اس سے بچ کر دو قدم آگے نکل گیا۔

اچانک مجھے محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے پاؤں باندھ دئے ہوں۔ میں ٹھوکر کھا کر گرا اور زمین

پر آ پڑا۔ انکا کسمسا کر رہ گئی۔ میں نے ایک نظر پجاری کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے سے مگر عیاں تھی۔ میں بے پروائی سے پھر اوپر چلنے لگا۔ میں ہر ممکن طور پر کسی فساد سے بچنا چاہتا تھا۔ انہوں سارے راستوں پر اپنے بیروں کا پہرا بٹھا دیا تھا اور ظاہر ہے وہ کوئی معمولی پنڈت پجاری نہیں تھے نے پہلے بھی مجھے یہاں آنے سے روک دیا تھا۔ یقیناً وہ بھی ان کی شکتی سے ہراساں ہوگی اس لئے دونوں کو بڑے بڑے پجاریوں کا تحفظ حاصل تھا۔ جب کئی بار میری کوشش ناکام ہوگئی اور ہر ہوئے قدم پر ایک رکاوٹ محسوس ہوئی تو مجبوراً مجھے واپس زمین پر آنا پڑا۔ اسی لمحے مجھے اپنے سر پر ہانڈی رقص کرتی نظر آئی۔ یہ میرے اور انکا کے لئے سب سے خطرناک علامت تھی۔ اگر وہ میرے سر پر گرنے میں کامیاب ہو جاتی تو میرا سارا بدن جھلس جاتا۔ جادو رد کرنے کی بہترین ترکیب ہے کہ اسے کسی طور واپس کر دیا جائے۔ نندا کا مشورہ مجھے جان سے زیادہ عزیز تھا لیکن یہ وقت اہنسا کے پالن کا نہیں تھا۔ میں پوری طرح سمجھ چکا تھا کہ بات کہاں تک پہنچی ہے اور ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟ میں نے ہانڈی پر اپنی نگاہیں مرکوز کر لیں۔ پلکوں کو جنبش دئے بغیر میں اسے دیکھتا رہا۔ اسی عمل میں چند لمحے گزرے ہوں کہ ہانڈی ایک جگہ ٹھہر گئی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر پورے اعتماد کے ساتھ اسے اپنے ہاتھ پر اٹھا دیا اور حیرت زدہ پجاریوں سے پوچھا۔ ''کیا خیال ہے مہاپرشو میں اسے تمہاری طرف واپس کر دوں؟''

انہیں جواب دینے میں تامل ہوا۔ یہ ایک فطری امر تھا۔ پھر انکا نے شدت کے ساتھ مجھے اس پر مجبور کر دیا کہ ہانڈی ان کی طرف لوٹا دوں۔ میں ہانڈی واپس ہونے کے نتیجے سے آگاہ تھا اس متذبذب تھا لیکن وہ دونوں پھر متحرک ہو گئے اور انہوں نے کوئی دوسرا داؤ کھیلنے کے لئے پہل کر دی آخر میں نے ہانڈی ہوا میں ان کی طرف اچھال دی اور اسی سمت نگاہیں جمائے رکھیں۔ ہانڈی ان کے سروں پر منڈلا رہی تھی۔ میرے لئے یہ کوئی پُر لطف تماشا نہیں تھا اس لئے میں نے ان کی تباہی وہاں کھڑے رہ کر دیکھنا ضروری نہیں سمجھا۔ اوپر میری تزئین اور کلدیپ موجود تھیں۔ جب میں چڑھ رہا تو مجھے ان کی کربناک چیخیں سنائی دیں۔ میں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا لیکن انکا اچھل کر بتا رہی تھی کہ ان کا کیا حشر ہوا۔ وہ دونوں اپنے انجام کو پہنچ چکے تھے۔

☆......☆......☆

مجھے دیکھ کر تزئین میری آغوش میں سسکنے لگی۔ میں نے اسے اپنے کلیجے سے لگایا اور اس کے سر پر ہاتھ پھیر کے اس کی پیشانی کے کئی بوسے لئے۔ میرے دل میں اس کے لئے نہ جانے کہاں سے بے پناہ محبت اور شفقت امنڈ آئی تھی۔ ''اب آپ کہیں نہیں جائیں گے، مجھے آپ کی دشواریوں کا اندازہ ہو چکا ہے۔'' اس نے روتے ہوئے کہا۔

''اچھے دن آ رہے ہیں میری جان! میری گلہری، میری گڑیا۔ تم نے یہ کیا حال بنا رکھا ہے اپنا؟'' میں نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

''دیدی تو کب سے اپنے جاپ میں مصروف ہیں۔ وہ کسی سے بات نہیں کرتیں۔ میں یہاں اکیلی رہ رہی ہوں۔'' اس نے شکایتی لہجے میں کہا۔

''مجھے اندازہ ہے، کاش میں تمہیں بتا سکتا کہ تمہارے باپ پر کیا کیا آفتیں نازل ہوتی رہی ہیں؟''

''آپ اتنے دنوں کہاں رہے؟'' تزئین نے معصومیت سے پوچھا۔

''کیا بتاؤں اور کیا نہ بتاؤں۔ تزئین! اس وقت تم مجھے کچھ کھانے کو دو۔'' میں نے موضوع بدلنے کے لئے کہا۔ تزئین دوڑتی ہوئی چلی گئی۔ تزئین کے چہرے پر اب سنجیدگی غالب آ چکی تھی۔ میں ایک باپ کی حیثیت سے اس کے مستقبل کے لئے پریشان ہو گیا۔ کلدیپ اپنی کٹیا میں کسی طویل جاپ میں گم تھی۔ میری اس سے کوئی بات نہیں ہو سکی۔ نہ وہ جاپ توڑ سکتی تھی اور نہ میں اس کی محویت میں دخل دے سکتا تھا۔ میں یہاں کوئی ایک ہفتے رہا۔ اس کے بعد میں نے بہ مشکل چند دنوں کے لئے تزئین سے بمبئی جانے اور گھر بنانے کی اجازت لی۔ جب تک کلدیپ کا جاپ ختم نہ ہو جاتا، میرا وہاں ٹھہرنا بے سود تھا۔ اس سے بہتر تھا کہ نندا کی نصیحتوں کے مطابق اپنی آئندہ زندگی کے لئے تنکے اکٹھے کر کے دوبارہ آشیانہ بنانے کی سعی کرتا۔ بہت سوچ بچار کے بعد میں نے اپنے مستقل قیام کے لئے بمبئی کو منتخب کیا تھا حالانکہ میں تبت جا کر آنجہانی نندا کے ویران استھان پر زندگی گزارنا چاہتا تھا لیکن نندا اور کمپالا دونوں نے مجھے کلدیپ سے شادی کر کے ایک عام آدمی کی زندگی بسر کرنے کی تلقین کی تھی اور جب تک میں کلدیپ کو مستقل طور پر اپنا نہ لیتا اس وقت تک بدری نرائن سے کوئی ربط ضبط قائم نہیں رکھ سکتا تھا اور جب تک بدری نرائن سے کوئی فیصلہ کن بات طے نہ ہو جاتی اس وقت تک ہندوستان میں ہر جگہ میرے لئے نت نئی بہ نوع دشواریاں پیش آنے کا امکان تھا۔ وہی تشدد، وہی انتقام، وہی کشاکش برقرار رہتی۔ میرا اٹوٹا ہاتھ میرے لئے مصیبت بنا ہوا تھا۔ اسی کی بنا پر مجھے آسانی سے شناخت کر لیا جاتا تھا۔ میں یہ ہاتھ چھپانے کی خاطر کندھے پر فیشن ایبل انداز میں سیاہ شیروانی ڈالے رکھتا تھا۔ بمبئی میں میرا قیام ایک ایسے ہوٹل میں تھا جو شہر سے دور بھی تھا اور پُر سکون بھی۔ مجھے اپنے کچھ پرانے حساب بھی دیکھنے تھے اپنے لئے کوئی ذریعہ معاش بھی تلاش کرنا تھا۔ انکا میرے سر پر موجود تھی لیکن اب میرے لئے اس کی حیثیت ایک بے فیض اور بے ضرر رفیقہ کی سی تھی، اس کے سوا کچھ نہیں۔

یہ کوئی تیسرے دن کی بات ہے۔ شام کا وقت تھا۔ میں اپنی مشقوں میں منہمک تھا کہ ایک حسین دوشیزہ اجازت لے کر میرے کمرے میں داخل ہوئی اور آتے ہی گھبراتے ہوئے انداز میں بولی۔ ''کیا

جمیل احمد خان آپ ہی ہیں؟'' اس کے لہجے سے اضطراب نمایاں تھا۔

''فرمایئے۔ میں کیا خدمت کرسکتا ہوں؟'' میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔ وہ نام جانتی تھی۔ یقیناً کسی خاص مقصد سے آئی تھی حالانکہ ہوٹل کے رجسٹر میں میرا نام احمد کمال درج تھا۔

''کیا آپ ہی ہیں وہ؟'' لڑکی نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

''ہاں، میرا اصل نام یہی ہے۔''

''اچھا کیا جو آپ نے جمیل احمد خان کے نام سے کمرا نہیں لیا مگر وہ آپ کے ٹوٹے ہو سے شاید آپ کو پہچان گئے ہیں۔''

''آپ نے اپنی آمد کا مقصد بیان نہیں کیا۔'' میں نے کسی تجسس یا تشویش کے بغیر کہا۔

''ابھی بتاتی ہوں۔ میں آپ سے یہ کہنے آئی ہوں کہ آپ جتنی جلدی ممکن ہو، بمبئی جائیں۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہوں گی۔''

لڑکی کے چہرے اور رکھ رکھاؤ سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اچھے کردار کی مالک نہیں ہے۔ مری نظر سے بہت سی باتیں مجھ پر عیاں ہوگئیں۔ انکا نے یہ معمہ اپنے طور پر حل کرنا چاہا لیکن میں معاملے کی تہ تک پہنچ چکا تھا۔ ادھر انکا نے جو تفصیل بتائی وہ خاصی دلچسپ تھی۔ لڑکی کا اصل نام حالات نے اسے ناہید بننے پر مجبور کردیا تھا۔ کئی غلط ہاتھوں میں پڑنے کے باوجود وہ ابھی عام تھی۔ صرف خاص خاص لوگوں کی دسترس میں رہی تھی۔ ان خاص لوگوں میں بمبئی کا ایک پولیس افسر بھی تھا۔ اتفاق سے جس وقت مادھو لال کے ایک مخبر نے اسے بمبئی میں میری موجودگی کی اطلا اس وقت ناہید اس کے پہلو میں بیٹھی تھی۔ چنانچہ ایک مسلمان کو خطرے میں دیکھ کر اسے تشویش وہ اسی وقت مجھے بمبئی سے بھاگ جانے کا مشورہ دینے آ گئی تھی۔ انکا نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ رات کو ہوٹل سے مجھے گرفتار کرنے کی تجویز طے پائی ہے۔ ناہید کی حقیقت سے آگاہ ہو جانے مجھے اس سے ہمدردی ہونی لازمی تھی۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ جب وہ چلنے لگی تو درواز میرے ایک جملے سے ٹھٹک کر رک گئی۔ میں نے پوچھا تھا۔ ''کیا تم مجھے اس مخبر کا نام یا حلیہ بتا نے مادھو لال کو میرے بارے میں اطلاع فراہم کی تھی؟''

میرا جملہ سن کر وہ حیرت سے اچھل پڑی اور لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔ ''آپ کو ان واق کیسے ہوگیا؟''

''مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ مادھو لال آج آدھی رات کو مجھے گرفتار کرنے کے منصوبے اطمینان رکھو، مادھو لال کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوگا۔ یہ لوگ پاگل ہوگئے ہیں۔''

ناہید مجھے عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''بی بی! میں تمہارا یہ احسان یاد رکھوں گا، اب تم جاسکتی ہو، وہ تمہارے تعاقب میں ہیں۔''

''کیا!'' وہ دہشت زدہ سی ہوگئی۔

میں نے اسے اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہارا خیال رکھوں گا۔''

وہ کترا کر نہایت تیزی کے ساتھ کمرے سے باہر چلی گئی۔ میں کمرا بند کر کے بستر پر لیٹ گیا۔

''جمیل! چند لوگوں کے سلسلے میں تمہیں اپنا رویہ سخت کرلینا چاہئے، یہ لازمی ہے۔ یہاں کا ایک پجاری گوپال تمہارے بہت سے واقعات سن کر تمہارا جانی دشمن بن چکا ہے۔ مادھو لال بدری نرائن کے عقیدت مندوں میں سے ہے، اب صرف دو صورتیں ہیں، جنگ یا فرار۔''

''وقت آنے پر دیکھا جائے گا انکا رانی! فی الحال مجھے کچھ دیر سوچنے دو۔'' میں نے جماہی لیتے ہوئے بے پروائی سے کہا پھر آنکھیں بند کرلیں۔

میرے ذہن میں رات کے لئے کوئی واضح منصوبہ نہیں تھا۔ وقت آنے پر کشت وخون سے بچنے کے لئے میں کئی راہیں نکال سکتا تھا۔ نندا کے پند و نصائح کے زیر اثر میں ابھی تک خود کو سنبھالے ہوئے تھا لیکن فتنے مسلسل میرے تعاقب میں تھے۔

رات کو ساڑھے نو یا دس کا عمل تھا۔ انکا کے نکیلے پنجوں کی شدید چبھن نے مجھے بیدار ہونے پر مجبور کردیا۔ میں نے انکا کے چہرے پر نظر ڈالی تو وہ بے حد بے چین نظر آئی۔ ''تم پریشان کیوں ہو، کوئی ص بات ہے؟'' میں نے بے نیازی سے پوچھا۔

''کیا تم کچھ دیر کے لئے مجھے میری مرضی پر چھوڑ سکتے ہو۔''

''بات کیا ہے؟''

''ناہید اس وقت سخت اذیتوں سے دوچار ہے۔ میں ابھی تک جاگ رہی تھی۔ میں نے ناہید کے ے میں اپنے خیال کا دائرہ وسیع کیا تو مجھے یہ پتا چلا......''

''ہونہہ...... انہوں نے اس غریب لڑکی کو سزا دے دی؟'' میں نے جملہ مکمل کردیا۔

''ہاں۔ یہی ہوا ہے۔ تم اگر چاہو تو تم سے کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی لیکن تم حالات کی سنگینی پر ر ہی نہیں کرتے۔ مادھو لال نے اس ہوٹل میں تمہاری موجودگی کی اطلاع ملتے ہی اپنے آدمی یہاں نات کردئے تھے۔ انہوں نے ناہید کو تمہارے کمرے سے نکلتے دیکھ کر مادھو لال کو خبر کردی۔ انجام کار وقت وہ بے چاری تمہاری ہمدردی کے جرم میں گوپال کے پاس پہنچا دی گئی ہے تاکہ وہ اسے کالی کے ں میں بھینٹ کے طور پر استعمال کرے۔ وہ ظالم اس وقت اسے سخت اذیت میں مبتلا کئے ہوئے م گوپال کو نہیں جانتے، وہ کمینوں کا کمینہ ہے، بڑا مغرور، درندہ صفت اور ظالم انسان ہے۔ مجھے ت دو جمیل! ناہید کی مدد کو میرا پہنچنا ضروری ہے۔'' انکا ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ گئی۔

میں نے انکا کو کوئی جواب دینے کے بجائے تیزی سے اٹھ کر دروازہ کھولا اور کمرے
آ گیا۔ خود کو لوگوں کی نظروں سے روپوش رکھنے کے لیے میں نے پولیس کے متعین آدمیوں کی
میں دھند سی پیدا کر دی اور ان کے سامنے سے گزر کر سڑک پر آ گیا۔ انکا نے ایک ٹیکسی ڈرائیور
پر جا کر میری مشکل حل کر دی۔ پندرہ منٹ بعد ٹیکسی مندر کے قریب ایک اونچی عمارت کے سامنے
گئی۔ میں نے برق رفتاری سے دوڑ کر عمارت کا احاطہ عبور کیا پھر اس خاص کمرے تک پہنچ گیا جہاں
زنجیروں سے بندھی ہوئی تھی۔ اس کے بدن پر کوئی لباس نہیں تھا اور جگہ جگہ اس کے خون کے دھبے
وہ فرش پر تڑپ رہی تھی۔ اس کی روح فرسا حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔ کمرے میں داخل
ہی مجھے پیچھے سے ایک بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔ ''اچھا ہوا جمیل احمد خان کہ تم خود یہاں آ گئے
مجھے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑے گی۔''

''تم...... گوپال داس! تم نے اس لڑکی کا کیا حلیہ بنا دیا؟'' مجھے ایک مدت بعد اتنا غصہ
میری آواز گرج رہی تھی۔ ناہید ذبح کی ہوئی بکری کی طرح ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ وہ حسین
خوب صورت آنکھیں جو میں نے ہوٹل میں دیکھی تھیں، اس وقت وہ عجیب کرب ناک منظر پیش
تھیں۔ یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا تھا۔ ناہید نے ایک مسلمان ہونے کے ناتے مجھے بچانا چاہا
میں سے کون مسلمان تھا، یہ خود ہمیں نہیں معلوم تھا لیکن ہمارے نام تو اب تک وہی تھے۔ وہ میری
اور اس نے طوائف ہونے کے باوجود بھی اپنے ضمیر کا ساتھ دیا تھا۔

''کیا تمہیں بہت ملال ہے، جمیل احمد خان؟ ہاں یہ بھی تو مسلمان ہے۔ ویشیا، کلنکنی، اس
کالی کو پسند آئے گا۔''

''کمینے! تجھے ایک لڑکی پر ظلم کرتے شرم نہیں آئی؟'' میں نے غضب ناک لہجے میں کہا۔
نیچ نکلا، تو نے ہندو دھرم کا بھی اپمان کیا۔''

''مسلے! تیری موت تجھے یہاں کھینچ لائی ہے۔ اپنی زبان خوب چلا لے۔ آج میں تجھ
پنڈتوں کا بدلہ لوں گا۔''

''میں نے کسی کو وچن دیا ہے گوپال داس کہ خون خرابا نہیں کروں گا لیکن تو نے بہت
کہہ دی ہیں۔'' میں نے غصے سے کانپتے ہوئے کہا۔ ''اب تجھے چھوڑنا یا شما کرنا میرے بس
ہے۔''

''تو......؟ تو مجھے شما کرے گا؟'' گوپال داس زہر خند سے بولا۔ ''کیا چنڈو پی رکھی
داس ہے، سنبھل کر بات کر۔''

ناہید کی کربناک چیخیں میرے دل و دماغ میں نشتر بن کر چبھ رہی تھیں۔ معاملہ

نہیں تھا۔ سب سے پہلے میری کاٹ کرتی ہوئی نظریں ناہید کے پیروں میں بندھی ہوئی زنجیروں
''آؤ ناہید! تم میرے پاس آ جاؤ۔'' زنجیریں ٹوٹ چکی تھیں۔ وہ بے تحاشا میری آغوش میں
میں نے اسے علیحدہ کھڑا کر دیا۔ ''تم اپنے سر پر چادر ڈال لو، میں اس پاپی سے نمٹتا ہوں۔''
نے اس سے کہا۔

''یہ چھوٹے موٹے چمتکار دکھا کر مجھے متاثر کرنے کی کوشش کر رہا ہے؟ پر میں آج تجھے بتاؤں گا
شکتی کسے کہتے ہیں۔'' گوپال داس گرجنے لگا۔

''تو بڑا دشٹ ہے۔'' میں نے گھور کر اسے دیکھا اور مزید کچھ سوچے سمجھے بغیر اپنی آنکھوں کے سحر
سے اس کے ہوش و حواس باختہ کر دیا۔ وہ اپنی جگہ جکڑ سا گیا، پھر میں نے تیزی سے زنجیر اٹھا کر اس کے چہرے پر
ماری۔ میرے منتر کی وجہ سے وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتا تھا۔ میں نے اسے اتنا مارا، اتنا مارا کہ خود میرے
ہاتھ میں زنجیر سے چھالے پڑ گئے۔ میں نے اسے کوئی عمل کرنے کی مہلت نہیں دی۔ میں اسے مارتا ہی
رہا، اتنا شدید مارا کہ کمرے کی دیواریں، میرے کپڑے اور ناہید کا بدن اس کے خون کی چھینٹوں سے
لہولہان ہو گئے۔ میں نے اس کی دونوں آنکھوں میں اتنی زنجیریں ماریں کہ وہ ہمیشہ کے لیے پھوٹ
گئیں۔ نہ جانے یہ کون سا چھپا ہوا غصہ تھا کہ میرے ہاتھ رکتے ہی نہیں تھے۔ انکا سراسیمہ نظروں سے
میرا جنون دیکھ رہی تھی مگر میں تھا کہ مجھے کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔ گوپال کی ہڈیاں چکنا چور ہو گئی تھیں اور
گوشت جگہ جگہ سے ادھڑ گیا تھا۔ وہ تڑپتے تڑپتے بے جان ہو گیا لیکن میرے ہاتھ نہیں رکے۔ پھر جب
ناہید نے گرتے پڑتے میرے قریب آ کر میرے ہاتھ روکے تو مجھے ہوش آیا۔ ناہید کی حالت دگرگوں
تھی۔

میں نے اسے اس اذیت سے نجات دلانے کے لیے بے ہوش کر دیا۔ پھر میں نے اسے اپنے
ہاتھوں سے لباس پہنایا۔ انکا دم بخود تھی۔ اس نے اس دوران مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔

میں نے زخمی اور بے ہوش ناہید کو اپنے کندھے پر لادا۔ میرا خیال تھا کہ ناہید کو اس کے گھر پہنچا کر
اسی وقت بمبئی کو خیر باد کہہ دوں گا۔ میں مزید کسی ٹکراؤ سے بچنا چاہتا تھا۔ کمرے سے نکل کر جیسے ہی
راہداری میں آیا، مجھے ایک نئے حادثے سے دوچار ہونا پڑا۔ بدری نرائن اپنی تمام تر خباثتوں کے ساتھ
میرے سامنے دیوار بن کر کھڑا تھا۔ اس کے ہمراہ دو ہٹے کٹے پجاری تھے۔ بدری نرائن کو دیکھ کر میری
آنکھوں میں خون اتر آیا...... میری وحشتوں کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔

☆......☆......☆

زخمی اور بے ہوش ناہید میرے کاندھوں پر جھول رہی تھی اور میرے سامنے کرۂ ارض پر میرا سب
سے بڑا دشمن بدری نرائن، دو بھاری بھرکم پجاریوں اور اپنی تمام رعونتوں اور خباثتوں کے ساتھ موجود تھا۔

میری رگوں میں لاوا ابلنے لگا۔ دو پجاریوں کی موجودگی خالی از علت نہیں تھی اور یہ اس امر کی بھی
تھی کہ اگر کوئی معرکہ ہوا تو طول کھینچ جائے گا۔ یہ میری باطنی قوتوں نے مجھے متنبہ کیا کہ اس وقت
لئے کوئی ہنگامہ مناسب نہیں ہوگا حالانکہ اتنے دنوں بعد بدری نرائن کو سامنے دیکھ کر اسے چبا ڈالنے
اس کا سرمہ بنانے کے لئے ہاتھ میں کھولن ہو رہی تھی۔ گوپال داس کو موت کے گھاٹ اتارنے
طبیعت یوں بھی مکدر ہوگئی تھی۔ کاندھے پر ناہید سوار تھی۔ نندا نے درگزر، عفو اور راستہ کاٹنے کی
تھی اور ہدایت کی تھی کہ جب تک میں کلدیپ کو مستقل طور پر خود سے وابستہ نہ کرلوں اس وقت
بدری نرائن سے کسی قسم کی رزم آرائی سے گریز کروں۔ اس وقت برداشت کرنا بہت بڑا مسئلہ تھا۔
بدری نرائن کا خون درکار تھا۔ انکا بھی میرے سر پر وحشت زدہ سی بیٹھی تھی۔ میرے ذہنی خلفشار نے
انتہاپسندانہ اقدام کرنے سے مجھے روکا۔ اب میں پہلے کی طرح کوئی مشتعل شخص نہیں رہا تھا۔ نندا نے
صبر، سکون اور گریز کی تعلیم دی تھی۔ صرف ایک جذبہ، باقی تمام گریز، دنیا سے گریز، دنیا کی آلائشوں
گریز۔ بدری نرائن کو سامنے دیکھ کر اسے چھوڑ دینا میری اسی تعلیم اور تپسیا کا امتحان تھا۔ کیا میں اسے
ہی چھوڑ دوں؟ اس موذی، اس شیطان، اس کمینے شخص کو؟ جس نے میری زندگی مختصر کردی۔ جس
میرے عزیز ترین لوگ مجھ سے چھین لئے۔ میرے جسم پر اتنے زخم تھے کہ ان کا شمار کرنا مشکل تھا۔
آگے بڑھ کر ایک ہی وار میں اس کا چہرہ مسخ کردینا چاہئے پھر جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ میں اسے بتا
کہ جمیل احمد خان اب ایک مجبور و بے کس شخص نہیں ہے مگر میں نے اپنے حواس اندھے نہیں ہو
دیئے۔ بدری نرائن کو اس کا احساس ضرور ہوگا کہ میرے اندر کیا تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ اسی لئے
نہیں آیا، دو پجاریوں کے ساتھ آیا۔ ان کے سر گھٹے ہوئے تھے۔ ان کے چہروں پر تجربے مرقوم
اور ان کی آنکھوں سے اعتماد ہویدا تھا۔ میں نے ان تینوں کو اپنی قوتوں کے ترازو میں تولنے کی کوشش
ہاں، سب کچھ ممکن تھا مگر یہ ایک نامناسب اور ناموزوں موقع تھا۔ ان کی طلبی پر تھوڑی دیر میں
دوسرے پجاری بھی آسکتے تھے۔ گوپال داس کی عبرت ناک موت، وہ اتنی آسانی سے کیسے فراموش
کردیں گے۔ میں نے کوئی فیصلہ کرنے کے لئے ایک لمحے کو اپنے دل و دماغ وہاں سے ہٹا
آنکھیں بند کیں۔ یہ ارتکاز کا ایک لمحاتی عمل تھا۔ میں بڑی حد تک پُرسکون ہوگیا۔ میری خاموشی
نے جھنجلاتے ہوئے لہجے میں مجھ سے کہا۔ ''تم کیا سوچ رہے ہو؟ اس سے بہتر وقت کب آئے گا؟
تمہاری طاقتوں پر اعتماد ہے۔''

''ابھی کچھ دیر ہے انکا! یہ سلسلہ ختم ہوجانا چاہئے۔ اب میں صرف بدری نرائن کا دشمن نہیں
ہندوستان کے تمام بڑے پنڈتوں، پجاریوں کی نظر میں آچکا ہوں۔ بہتر ہے ہم گریزاں ہوں اور
راستہ اختیار کریں۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ بدری نرائن کو ختم کرکے یہ آگ بجھ جائے گی؟'' میں نے دل

میں انکا سے کہا۔

''تمہارا خیال ہے کہ وہ دوسرے راستے پر آجائے گا۔ مجھے اجازت دو کہ میں کوئی تماشا کروں۔''

''نہیں انکا۔ نندا نے مجھے نیکیوں کی تعلیم دی ہے۔ بدری نرائن ایک واحد دشمن نہیں ہے۔ وہ تمام دشمنوں کا نمائندہ ہے۔ اگر اسے ختم کردیا گیا تو تمام دشمن ختم نہیں ہوجائیں گے۔ اگر اسے یہ باور کرادیا گیا کہ اس کا میرا راستہ الگ ہے اور میں اس سے کوئی انتقام لینا نہیں چاہتا تو ممکن ہے اس کے تمام ساتھی مجھ سے عناد ترک کردیں۔ تم کب تک لڑو گی؟'' میں نے انکا کو ناصحانہ انداز میں سمجھایا۔

''اوہ جمیل! کیا تمہاری آنکھوں پر دھند چھا گئی ہے؟ وہ بدری نرائن ہے۔'' انکا نے غصے سے کہا۔ وہ نہ جانے کیا کیا تقریر کرتی رہی۔ میں نے اس کی باتوں سے دھیان ہٹا لیا۔ بدری نرائن سے میری نظریں چار تھیں۔ اس کے دونوں ساتھیوں کے تیور بھی حد درجہ خطرناک تھے۔ میں نے انہیں نظرانداز کرکے آگے بڑھنا چاہا تو مجھے اپنے پیچھے سے بدری نرائن کی طنز بھری آواز سنائی دی۔ ''ارے ارے شریمان جمیل احمد خان! کہاں چلے؟ بڑے بھاگیہ ہمارے، جو آج تمہارے درشن ہوگئے۔''

میرے قدم خطرہ سونگھ کر وہیں ٹھہر گئے لیکن میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میری خاموشی سے شہ پاکر وہ بولا۔ ''اتنے سال کہاں رہے مہاراج! کیا اپنے پرانے سیوک کو بھول گئے تھے؟ یہ میں ہوں مہاشے، میں بدری نرائن! سنا تم نے؟'' میں نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے۔ بدری نرائن اور بے باک ہوگیا۔ ''یہ تم نے اپنے شریر سے کس ناری کو لگا رکھا ہے، مہاراج؟ یہ جیوت ہے یا سورگ باشی ہوگئی؟''

''بدری نرائن!'' میں نے پلٹ کر اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے ملائمت سے کہا۔ ''اس چوہے بلی کے کھیل کو بہت سال ہوگئے، اب اسے بند ہوجانا چاہئے۔ میں یہاں سے جارہا ہوں۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میرے یہاں سے جانے میں میرے کسی خوف کو عمل دخل ہے تو تم اپنے طور پر یہی سمجھ لو۔ اگر تم تمام باتیں بھول جانے اور اپنی راہ اختیار کرنے کا طریقہ منتخب کرتے ہو تو مجھے تمہارے اس فیصلے سے خوشی ہوگی۔ اگر تم پچھلی باتیں دہرانے اور زخم کریدنے کا ارادہ رکھتے ہو تو میں بتاؤں کہ تمہیں مایوسی ہوگی۔''

''آ...... آ...... آج یہ کیسی باتیں کر رہے ہو جمیل احمد خان!'' بدری نرائن کے لہجے میں زہر تھا۔ ''ہم تو بہت دنوں سے مایوس ہو رہے ہیں۔ پچھلی باتیں اتنی جلد کیسے بھلائی جاسکتی ہیں، یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔''

''میں تمہاری پچھلی ناکامیاں گنانا نہیں چاہتا۔ حال ہی میں تم نے اپنے دونوں متروں کا حشر سورگ باشی پریتم لال کے استھان پر دیکھ لیا۔ تم نے ترپاٹھی، ارجن داس اور گوپال داس کے بارے میں بھی کوئی اچھی خبر نہیں سنی ہوگی۔ میرے ساتھ یہ لڑکی ناہید ہے۔ اسے طبی امداد کی ضرورت ہے۔ میں نے

استنے سال روپوش ہو کر نہیں گزارے بدری نرائن!" میں نے اپنی آواز پر قابو پاتے ہوئے کہا۔" تم راستہ بدل لو۔ میں اپنی راہ پر جاتا ہوں۔ میں تمہیں ایک موقع دیتا ہوں۔ تم میرے بارے میں ایک اور سوچ لو، ابھی وقت نہیں گیا۔"

"وقت کی بات چھوڑو، اس سے اچھا سمے کب آئے گا۔ یہ سندر ناری ناہید ہے۔ آہ کتنا سندر ہے اس کا۔ کیا یہ ہمیں تم سے جدا کر دے گی مہاراج۔ نہیں نہیں، ایسا نہیں ہوگا۔" بدری نرائن کا بتدریج ناقابل برداشت ہوتا جا رہا تھا۔

"جمیل! یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ اس کا سر کچل دو۔" انکا تلملا کر بولی۔ "کیا اس کمینے سے تمہیں نرمی کی توقع ہے؟"

"بدری نرائن!" میں نے انکا کو جواب دینے کے بجائے بدری نرائن کو مخاطب کیا۔ "تم بڑی شریفانہ رویے سے غلط نتیجہ اخذ کر رہے ہو۔ دبی ہوئی چنگاریوں کو ہوا دو گے تو شعلے بھڑک اٹھیں گے۔"

"شعلے تو بہت بھڑکے ہوئے ہیں۔ اب بہت ہو چکا ہے خان صاحب! سمے بیت چکا ہے" بدری نرائن نے دھمکی آمیز انداز میں کہا۔ "تم چاروں طرف سے گھر چکے ہو۔ یہ شری گوپال داس کا آشرم ہے۔ آج تک کسی مسلے کو یہاں آنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ کوئی دشٹ یہاں آ کر واپس نہیں گیا اور پھر تم جیسا ملش؟"

"سپنوں کی باتیں نہ کرو بدری نرائن۔ مجھے غصہ نہ دلاؤ۔ میرے دل میں کوئی کپٹ نہیں۔ تم نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ میں نے استنے دن کہاں گزارے ہیں؟ میرے گرو نے مجھے بہت کچھ دیا ہے لیکن اس نے مجھ سے وچن لیا تھا کہ اہنسا، تیاگ اور عفو کا دامن نہ چھوڑوں۔ میرے لہجے کی نرمی کو کمزوری پر محمول نہ کرو۔ تم ایک مہان پجاری ہو بدری نرائن! جاؤ کالی کے پاس جاؤ۔ اس کی سیوا کرو۔" میں نے درشتی سے کہا۔

"کالی کا نام اپنی گندی زبان پر نہ لاؤ۔" بدری نرائن نے طیش بھری آواز میں کہا۔ "اتنے ... کرنے کے بعد مجھے اپدیش دیتے ہو؟"

اسی وقت میری آنکھوں نے بدری نرائن کے بیر دیکھے جو میرا راستہ روکے کھڑے تھے اور ... نرائن اور اس کے ساتھیوں کے اشارے کے منتظر تھے۔

"میں اس کے سر پر جا رہی ہوں۔ تم اسے اپدیش دیتے رہو۔" انکا میرے حکم کے بغیر میرے ... سے اتر گئی۔ اسی لمحے بدری نرائن کی آواز گونجی۔

"آہا۔ انکا دیوی۔ نمسکار، پرنام۔ جگدیش، بلوریہ، ارے دیکھو، یہ کون میرے سر پر بیٹھی ... رانی!" بدری نرائن نے اپنے دونوں ساتھیوں کو دیکھ کر اپنے سر کی طرف اشارہ کیا اور کہا۔ "پرنتو ...

اب تمہارا کوئی داؤ نہیں چلے گا۔ ہم نے یہاں آنے سے پہلے ہی اس کا پربندھ کر لیا تھا۔ میں ایک بار پہلے بھی تمہارا ادھیکار دیکھ چکا ہوں۔ جب یہ دشٹ جمیل احمد خان وعدے کے مطابق تمہیں سونپنے کے لئے میرے پاس آیا تھا۔" جگدیش اور بلوریہ، اس کے دونوں ساتھی حیران نظروں سے بدری نرائن کے سر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انکا ان تینوں کے سر پر گئی اور تینوں باری باری اچھلے۔ بدری نرائن کچھ حواس باختہ سا ہوا اور اس نے اپنے ساتھ کھڑے ہوئے دونوں پنڈتوں کو انگلی اٹھا کر اشارہ کیا۔ اچانک دو سارے بیر مجھ پر ٹوٹ پڑے اور میں اوندھے منہ گر گیا۔ خون کی ایک باریک سی لکیر میرے ہونٹوں سے نکلی۔ ناہید کا جسم غیر متوازن ہوتے ہی ایک طرف ڈھلک گیا۔ میں اٹھ کھڑا ہوا تو ان کے بیروں نے دوبارہ مجھ پر حملہ کرنا چاہا لیکن اس بار وہ کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔ میں کھڑے کھڑے ارتکاز میں چلا گیا۔ میری آنکھیں ایک سمت مرکوز ہو گئی تھیں۔ اصل میں مجھے خود سے زیادہ ناہید کی فکر تھی اور میں ہر ممکن طور پر اس مقابلے سے پہلو تہی کرنا چاہتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ انکا بدری نرائن کے سر پر جا کر کوئی خاص کارنامہ انجام نہیں دے سکے گی۔ مجھے یہاں سے فوراً چلا جانا چاہئے تھا۔ ان کی آنکھوں پر دھند چھا جانے سے میرے جانے کا راستہ صاف ہو سکتا تھا لیکن وہ عام آدمی نہیں تھے۔ پوری طرح محتاط اور مستعد تھے۔ انکا بے بسی کے ساتھ میرے سر پر آ گئی۔ میں نے ننداکی آتما سے معذرت چاہی اور ناہید کو اٹھاتے اٹھاتے میں بدری نرائن کے بہت نزدیک پہنچ گیا۔ میں نے اسے حقارت بھری نظروں سے گھور کر دیکھا۔ بدری نرائن کسی قدر پیچھے ہٹا اور مجھ سے کہنے لگا۔ "ہم تمہیں کسی بھی سمے نرک پہنچا سکتے تھے لیکن کالی کے تمام پجاریوں کے سامنے تمہارا بلیدان ہوگا تو ہمارے ہردے کو ٹھنڈک پہنچے گی۔ ہمیں اپنے نام پجاریوں کی آتماؤں کو شانت کرنا ہے جنہیں تم نے ہم سے دور کر دیا ہے۔ تم یہاں کچھ نہیں کر سکتے۔ تمہاری وہ ناری جو سر پر بے بس بیٹھی ہے۔ نہ تم، نہ تمہارا گروہ، نہ وہ سندر ناری کلپنا یہاں آ سکتی ہے جس نے کئی بار تمہیں بچایا ہے۔ ہم نے راستوں میں کانٹے بچھا دئے ہیں۔ خان صاحب، اب باز آ جاؤ۔ بھلی طرح ہمارے ساتھ چلو۔ ہم تمہارے ساتھ بہت اچھا سلوک کریں گے۔"

"بدری نرائن! تم مجھے تشدد پر اکسا رہے ہو۔ تم اپنی شکتی سے کام نہیں لے رہے ہو۔ پوچھو اس سے کہ میں تم سے نرمی کا برتاؤ کیوں کر رہا ہوں؟ اب میں تمہیں شما نہیں کروں گا۔ میں تمہارے سامنے ہوں، میرا کچھ نہیں کر سکتے۔ بلاؤ اپنے بیروں کو، مہاپرشوں کو، پہنچاؤ مجھے نرک میں۔" میں نے گرجدار آواز میں کہا۔

میرے لئے ان اشتعال انگیز باتوں کے باوجود اب بھی یہی بہتر صورت تھی کہ میں ان سے کسی جھگڑے میں نہ الجھوں۔ وہ تین تھے اور میری کسی غفلت سے فائدہ اٹھا کے کوئی اوچھا وار کر سکتے تھے۔ اس کے باہر بھی مجھے کچھ اچھے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ میری گرجدار آواز سن کر انہوں نے ایک نگاہ

غلط انداز میرے سراپا پر ڈالی۔ میں نے ناہید کو اپنے دوسرے کاندھے پر ڈال لیا۔ وہ مسکرا رہے تھے۔

''بدری نرائن جی! یہ مورکھ اس طرح قابو میں نہیں آئے گا۔ انکا دیوی بھی اس کے ساتھ ہے۔ اس کے بیر جکڑ لو اور اندر سے سیوکوں کو آواز دو۔'' جگدیش نے بدری نرائن کو مشورہ دیا۔

بدری نرائن نے کوئی منتر پڑھ کر میری طرف پھونکا لیکن میں اب ہر اقدام پر تیار تھا اور ہر مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ تھا۔ وہ میرا بال بیکا نہ کر سکا۔ پھر اس نے میری زبان بند کرنا چاہی لیکن اس بار بھی وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ اس نے مجھے اندھا کرنا چاہا لیکن وہ میری ایک جگہ ٹھہری ہوئی آنکھیں بند کرنے تک میں ناکام رہا۔ میں ساکت و جامد اپنی جگہ کھڑا تھا جیسے میں گوشت پوست کا انسان نہیں ہوں، میں نہیں ہوں، انکا کے استھان پر موجود ہوں۔ ''مہاپُرشو!'' میں نے اپنی آواز گمبھیر بنا کر کہا۔ ''مہاپُرشو! تم نے شاید میری باتیں ٹھنڈے دل سے نہیں سنیں حالانکہ میں نے جو کچھ کہا تھا، سچے دل سے کہا تھا۔ بدری نرائن کا جھگڑا پرانا ہے۔ میرا تم سے کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ میں خون خرابے سے بچنا چاہتا ہوں۔ کیوں درمیان میں آتے ہو، تم ......'' لیکن میرا جملہ نامکمل رہا اور مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرے سر پر کسی نے کوئی چیز گرا دی ہو۔ انہوں نے انکا پر حملہ کیا تھا۔ انکا پوری طرح چوکنا بیٹھی ہوئی تھی۔ انکا کا غضب ناک ہو گیا۔ پتھر کا میرے سر پر پڑنا تھا کہ انکا نے اسے اٹھا کر میرے ہاتھوں میں دے دیا۔ میں نے اسے بدری نرائن کو واپس کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ بہت چھوٹا تھا۔'' بدری نرائن اور دونوں پجاری اشتعال کے عالم میں تھے اور بار بار مجھ پر حملہ کر رہے تھے۔ میں ان کے وار سہہ رہا تھا اور انہیں ناکام بنا رہا تھا۔ یہ میرے ضبط کی انتہا تھی۔ مجھے کسی ایسے مہلک وار کا انتظار تھا جو میں آسانی کے ساتھ ان کی طرف واپس کر سکوں۔ انکا کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ بار بار میرے سر سے اترتی تھی اور آ جاتی تھی۔ ''بدری نرائن! میں جا رہا ہوں لیکن جلد ہی تم سے میری ملاقات ہوگی۔'' میں نے پُرسکون لہجے میں کہا اور پھر دروازے کی سمت جانے لگا۔

''ٹھہر جا، اے دشٹ، تو نہیں جا سکتا۔'' جگدیش منہ سے کف نکالے میری طرف دوڑا اور میرے سینے کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے اس سے پہلو بچانا چاہا لیکن میرا جسم اپنے جسم سے مس ہونے کے بعد وہ آپے سے باہر ہو گیا اور اس نے ایک زناٹے دار طمانچہ میرے گال پر رسید کر دیا۔ میرا سارا خون میری آنکھوں میں اتر آیا۔ انکا کا برا حال تھا۔ وہ دوسرا ہاتھ اٹھانا چاہتا تھا کہ اس کا ہاتھ وہیں ٹک گیا اور وہ ایک چیخ مار کر زمین پر گر پڑا۔ اسی لمحے انکا میرے سر سے اتر گئی۔ میں نے ... کر کے ندامت کا اظہار کیا۔ مجھ پر غیظ و غضب نے غلبہ پا لیا تھا۔ انکا نے جگدیش کے سر پر پہنچ کر بے دم کر دیا۔ میں نے جلد ہی انکا کو واپس بلا لیا کیونکہ وہ لمحوں میں میرے عتاب سے جھلنے والا خس و خاشاک کے مانند ایک ثانیے میں جل گیا اور میں عالم اضطراب، خوں خواری اور خوں...

...نیت میں بدری نرائن کی طرف مڑا۔ ''دیکھا تو نے او کمینے پنڈت!'' مگر میری دہاڑ اور گرج سننے کے لئے وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ وہ دونوں اندر کی طرف بھاگ گئے تھے۔ انکا نے مجھے ان کا تعاقب کرنے سے روکا۔ جب میں گرجتا، برستا گوپال داس کے کمرے میں پہنچا تو وہاں اس کی خون آلود لاش کے سوا کوئی نہیں تھا۔ وہ دونوں غائب ہو گئے تھے۔ زیادہ تگ و دو کے لئے وقت نہیں تھا۔ ناہید ابھی تک میرے کاندھے پر لٹکی ہوئی تھی۔ راستہ صاف تھا لیکن مجھے اپنی حالت درست کرنے کے لئے کچھ وقت درکار تھا۔ پورا جسم آگ بنا ہوا تھا۔ ایک خفیف سی کپکپاہٹ طاری تھی۔ دماغ جھن جھن کر رہا تھا۔ آنکھیں جل رہی تھیں۔ پاؤں میں لرزش تھی۔ چند ثانیوں کے لئے میں ایک چوکی پر بیٹھ گیا۔ میں نے ناہید کو اپنی کمر سے اتارا۔ گوپال داس کی لاش سے نظریں ہٹا لیں اور مراقبے میں ڈوب گیا۔ مراقبہ جو سکون کا نسخہ ہے۔ انکا خاموشی سے میرے سر پر بیٹھی رہی۔ تھوڑی دیر بعد مجھے اپنی محویت اور استغراق سے نکلنا پڑا۔ وقت بہت کم تھا۔ مجھے جلد سے جلد اس آشرم سے باہر نکل کر ناہید کی تیمارداری کا بندوبست کرنا تھا۔ ناہید کو راستے میں اس طرح لے جاتے میں خطرے درپیش تھے۔ میں نے انکا کو اشارہ کیا کہ وہ کسی گاڑی کا انتظام کرے۔ انکا نے میرے سر سے اتر کر گوپال داس کے آشرم کے سامنے سے گزرنے والی پہلی گاڑی روک لی۔ میں ایک چادر اوڑھ کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ وہ ایک پرائیوٹ گاڑی تھی۔

''کہاں لے چلوں؟'' خوش پوش ڈرائیور نے مجھ سے خوش اخلاقی سے پوچھا۔ اس کے سر پر انکا تھی۔

''کسی بھی ڈاکٹر کے پاس۔'' میں نے جواب دیا۔ ''وہ اپنے فلیٹ میں تنہا رہتی ہے۔ ہم اسے تنہا نہیں چھوڑ سکتے۔''

''حالات کافی بگڑ سکتے ہیں۔ وہ دونوں فرار ہو گئے ہیں۔'' ڈرائیور نے مجھ سے کہا۔ ''اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟''

''ان کا فرار ہونا ہی ٹھیک ہوا۔ اس طرح انہیں میری طاقت کا اندازہ تو ہو گیا۔ شاید وہ باز آ جائیں بصورت دیگر ہمیں بہت محتاط رہنا ہوگا۔''

''تمہارا اندازہ غلط ہے۔ وہ اس طرح باز نہیں آئیں گے۔ تمہیں پہلے بدری نرائن پر حملہ کرنا چاہئے تھا۔'' ڈرائیور نے کہا۔ وہ انکا کی ترجمانی کر رہا تھا۔

''میں نے جو کچھ کیا، صحیح کیا۔ یہ محض اتفاق ہے کہ جگدیش پہلے سامنے آ گیا۔ اصل میں، میں بدری نرائن کے ساتھ کسی مڈھ بھیڑ سے آخر وقت تک بچنا چاہتا تھا لیکن بعد میں مجبوراً میں نے ارادہ بدل دیا۔ وہ دونوں وہاں سے واپس نہ جاتے لیکن ان کی زندگی کے دن باقی تھے۔ بہر حال جو ہوا، ٹھیک ہی

ہوا۔ میں بدعہدی سے بچ گیا۔"

"کیسی بدعہدی؟" ڈرائیور نے پوچھا۔

"میں نے کسی کو وچن دیا تھا، پھر باتیں ہوں گی۔" میں نے ٹالتے ہوئے کہا۔

"تم مجھ سے چھپاتے ہو، میرا جی جلاتے ہو؟" ڈرائیور بولا۔

"کیا تم خاموش نہیں رہ سکتیں؟" میں نے غصے سے کہا۔

ڈرائیور خاموش ہوگیا۔ گاڑی ایک کوٹھی میں جا کر ٹھہر گئی۔ یہاں بمبئی کا ایک مشہور ڈاکٹر سکسینہ رہتا تھا۔ یہ ہر طرح سے ایک محفوظ مقام تھا۔ میں نے ناہید کو اتار کر لان میں ایک کرسی پر بٹھا دیا۔ گاڑی ہمیں چھوڑ کر روانہ ہوگئی۔ انکا ڈرائیور کو الجھا کر کچھ دیر بعد واپس آگئی۔ ڈاکٹر اندر مصروف تھا۔ میں نے انکا کو ڈاکٹر کے سر پر بھیج دیا۔ وہ دوڑا دوڑا اندر سے آیا اور ناہید کی حالت دیکھ کر تاسف کرنے لگا۔ "اندر لے آؤ۔ اندر لے آؤ۔" اس نے مجھ سے کہا۔

اندر پہنچ کر اس نے ناہید کا طبی معائنہ کیا۔ اس نے کسی فیس کا مطالبہ نہیں کیا اس لئے کہ انکا مسلط تھی۔ ناہید اس کی غیر معمولی دیکھ بھال سے جلد ہوش میں آگئی اور سراسیمہ ہو کر مجھے دیکھنے لگی۔ اس سے تسلی آمیز باتیں کر کے میں باہر آگیا۔ ڈاکٹر اس کے جسم کے مختلف حصوں کی ڈریسنگ کرتا رہا۔ اس نے اپنی نوجوان لڑکی پریم کا لباس بھی ناہید کو پہنوا دیا۔ جب نرس نے مجھے یہ اطلاع دی کہ میں آ سکتا ہوں تو ناہید کا چہرہ دیکھ کر میرا چہرہ مسرت سے تمتما اٹھا۔ اس کے جسم پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ پریم کے لباس میں خاصی دلکش نظر آ رہی تھی۔ ناہید کو چلنے پھرنے کی طاقت آنے میں تین چار روز کی ضرورت تھی۔ گوپال داس کے علاوہ اب ایک اور مہان پجاری کا خون میرے ہاتھوں ہو چکا تھا، اپنے لئے کوئی موافق فضا نظر نہیں آئی۔ میرے ہوٹل پر پولیس کا پہرا تھا۔ حالات انتہائی مخدوش اختیار کر گئے تھے۔ بمبئی پولیس پوری طرح حرکت میں تھی۔ میں صحیح حالات کا اندازہ لگانے کے لئے دیر تک غور و فکر کرتا رہا۔ ساری دشواری ناہید کی وجہ سے تھی۔ اگر میں اسے چھوڑ کر انکا کے ساتھ کہیں چلا جاتا تو وہ کسی نہ کسی طرح ناہید کا پتا چلا لیتے اور اس کی زندگی حرام کر دیتے۔

اس وقت یہی صورت مناسب تھی کہ ہمارا قیام ڈاکٹر ہی کے ہاں رہے اور ڈاکٹر کے سر پر انکا رہے۔ میری نظر میں کوئی ایسی پناہ گاہ نہیں تھی جو قریب ترین ہو۔ میسور، بمبئی سے خاصا دور تھا۔ ایک پناہ گاہ تھی، کلدیپ کا استھان لیکن کلدیپ کے استھان پر جانے سے پہلے ناہید کو اس کے پاس پہنچانا چاہتا تھا۔ ناہید ایک ستم رسیدہ لڑکی تھی۔ وہ اپنے حسن اور شباب کے جوش میں آباد دکن کے ایک ہندو لڑکے سے دل لگا بیٹھی تھی۔ وہ اسے اغوا کر کے بمبئی میں لے آیا اور کچھ دنوں اس کے ساتھ رنگ رلیاں منا کر بھاگ گیا۔ غیرت مند ناہید نے گھر واپس جانے

خود کو حالات کے سپرد کر دیا۔ لوگ اسے دھوکے دیتے رہے اور وہ تنہا اپنی قسمت سے لڑتی رہی۔ زمانے کی گردشوں نے اسے مختلف لوگوں کی آغوش میں لا ڈالا اور یہی اس کا پیشہ بن گیا۔ بمبئی کے فیشن ایبل علاقے میں اس کا خوب صورت فلیٹ تھا۔ وہاں بڑے بڑے لوگ آتے تھے اور بڑے بڑے لوگوں کے ہاں وہ جاتی تھی۔ وہ اپنی اس زندگی سے ناخوش تھی۔ اس نے میرے ساتھ احسان کیا اور میں اس احسان کا بدلہ اس طرح چکانا چاہتا تھا کہ اسے اس کے والدین کے پاس پہنچا دوں کیونکہ وہی ایک جگہ اس کے لئے محفوظ رہنے کی تھی۔ انکا ڈاکٹر کے پاس تھی۔ میں ڈاکٹر کو اپنے ساتھ لان میں لے آیا۔ پھر میں نے انکا کو اشارہ کیا کہ وہ تھوڑی دیر کے لئے ڈاکٹر کا ذہن معطل کر دے۔ اس کے بعد میں نے اس سے ناہید کے بارے میں مشورہ کیا۔ انکا بھی باہر کے حالات سے باخبر تھی۔ میں نے آتے ہی ڈاکٹر کا مکان ایک حصار میں لے لیا تھا۔ ہم یہاں بہت حد تک اپنے دشمنوں کی نگاہ سے بچے ہوئے تھے انکا نے ناہید کے سلسلے میں میرے مشورے کی تائید کی۔ باہر نکلنے میں اسی کشت و خون کا ڈر تھا۔ وہی گرفتاری، وہی رہائی، وہی منتر اور وہی ماورائی طاقتیں۔ مجھے اب ان باتوں سے کوئی رغبت نہیں رہی تھی۔ میں کسی کو مارنا اور نقصان نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔ میری پہلو تہی کی یہی وجہ تھی۔ بہت سے بے گناہ انسانوں کا خون ہو چکا تھا۔ ان پنڈتوں، پجاریوں کے سر پر خون سوار تھا۔ وہ اپنا ہوش کھو بیٹھے تھے۔ ہر جگہ ایک مورچا تھا، ہر سمت ایک معرکہ میرا منتظر تھا۔ میرے لئے انہیں زچ کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا مگر بات کا جواب دینے میں زمین سرخ ہوتی تھی اور مجھے اذیتوں سے گزرنا پڑتا تھا۔ میرا دل لوگوں کے ساتھ بھلائی کا خواہاں تھا۔ میں ایک بدلا ہوا آدمی تھا۔ ناہید ایک عام لڑکی تھی۔ ایسی بہت سی لڑکیاں میری زندگی میں آئیں اور چلی گئیں لیکن اب میرے ضمیر سے دھند چھٹ چکی تھی اور مجھے بہت سی چیزیں صاف نظر آنے لگی تھیں۔ میں نے ڈاکٹر کے ہاں قیام کو ترجیح دی۔ ڈاکٹر نے مجھے مہمان خانے میں ٹھہرا دیا۔ ایک رات گزر گئی۔ صبح ہم نے ساتھ ناشتا کیا۔ ڈاکٹر کی نوجوان لڑکی پریم بھی وہاں موجود تھی۔ پریم ایک دبلی پتلی تیکھی سی لڑکی تھی۔ اس کے نقش و نگار بہت جاذب نظر تھے۔ اس کا قد کسی قدر لانبا تھا۔ وہ کالج میں پڑھ رہی تھی۔ اچھی دلچسپ باتیں کرتی تھی۔ آسودہ حالی نے اس کی جاذبیت کچھ اور بڑھا دی تھی۔ سانولی سی، بہت خوش رنگ، خوش طبع لڑکی تھی۔ آنکھوں سے شوخی اور شرارت مترشح تھی۔ شرماتی اور مسکراتی تھی تو بائیں رخسار میں گڑھا سا پڑ جاتا تھا۔ کم عمر لیکن بہت ذہین معلوم ہوتی تھی۔ ڈاکٹر اس سے بہت حد محبت کرتا تھا۔ پریم کی تیزی و طراری اور اس کا وقار دیکھ کر مجھے پونا کلب میں ملنے والی کلدیپ یاد آگئی جو اب جوگن بن گئی تھی۔ لارڈ اسمتھ رالف کی بیٹی سارا کا نقشہ میرے ذہن میں گھوم گیا۔ مجھے اپنی جین یاد آئی۔ جو یقیناً میری یاد میں رو رہی ہوگی۔

ڈاکٹر کی بڑی کوٹھی میں چند دن سکون سے گزارنے کے لئے گھر میں رہنے والے ملازمین سے اپنا

چہرہ دور رکھنا ہی مناسب تھا، مجھے معلوم تھا کہ شہر میں کیا ہو رہا ہے۔ انہیں ایک بے ضرر شخص کی تلاش تھی۔ وہ اب مجھ سے خاصے خوف زدہ بھی تھے کیونکہ میرے ریکارڈ میں خون ریزیوں کے ساتھ ساتھ ایک غیر معمولی شخصیت کا ذکر کیا گیا تھا۔ بمبئی میں بہت پہلے نرگس کے زمانے میں مجھ پر مقدمہ چلا تھا اور بمبئی کی پولیس ذہن پر ذرا بھی زور ڈالتی تو قتل کے کئی مقدموں میں مشتبہ جمیل احمد خان کے بارے میں متشدد ہو جاتی۔ اب ڈاکٹر کی خوش نما کوٹھی میرے لئے ڈھال تھی۔ میں نے اسے محصور کر دیا تھا۔ اس کے باوجود مجھے باہر کی طرف نظریں کھلی رکھنی چاہیئے تھیں۔ رات کو انکا ڈاکٹر کو سلا کر میرے پاس آئی۔ اس نے اپنے مخصوص انداز میں سرگوشی کی۔ ''جمیل! ناراض نہ ہو تو ایک بات کہوں؟''

''کہو'' میں نے تنگ کر کہا۔ ''پریم کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کتنے دن مجھے یہ تماشہ دیکھتے ہوئے ہو گئے، کہو تو تمہارے پاس لے آؤں، لطف رہے گا۔''

''انکا!'' میں نے اسے جھڑک دیا۔ ''تم مجھے مسلسل غلط سمجھ رہی ہو۔ آئندہ میں اس قسم کی بات پر تمہیں معاف نہیں کروں گا۔'' انکا پھر میرے پاس نہیں ٹھہری، دوبارہ ڈاکٹر کے پاس واپس چلی گئی۔ ناشتے کے دوران میں، پریم سے گفتگو کر کے مجھے اس کی دلچسپ شخصیت کا اندازہ ہو گیا تھا۔ میں نے اسے کالج جانے کے بجائے اپنے کمرے میں آنے کی دعوت دی۔ وہ جھجکتی جھجکتی میرے کمرے میں داخل ہوئی۔ میں نے خود کو اس پر منکشف کرنا شروع کر دیا۔ بہت دنوں بعد میں نے کسی قدر مختلف گفتگو کی۔ ایسی لڑکیوں کے لئے اس زمانے میں مغرب کا ذکر بہت پُر اسرار معلوم ہوتا تھا۔ میں اسے لندن، برلن اور تہران میں اپنے قیام کے تاثرات بتاتا رہا۔ ڈاکٹر کی لڑکی میرے پاس تھی اور ڈاکٹر انکا کے ساتھ تھا۔ وہ تن دہی سے ناہید کا علاج کر رہا تھا اور میں پریم کے دلکش چہرے میں کھویا ہوا تھا۔ پریم ایک لڑکی تھی جسے ستانے اور دکھ دینے میں لطف آتا تھا مگر میرے ان جملوں کا یہ مطلب نہیں کہ میرا نفس آوارگی کی طرف مائل کر رہا تھا۔ نندا کی تربیت اتنی خام نہیں تھی کہ خواہشیں آسانی سے مجھ پر غالب آ جاتیں۔ اس نے میرے آوارہ سرشت نفس کی باقاعدہ تربیت کی تھی۔ اگرچہ پریم کو مائل بہ التفات کرنے میں صرف ارادے کی دیر تھی لیکن میں محتاط و معتدل تھا۔ انکا نے پریم جیسی نہ جانے کتنی راہیں میرے حق میں ہموار کر لی تھیں۔ میں یہاں یہ ذکر کروں گا تو کوئی نئی بات نہیں ہوگی۔ پریم میرے انکشاف پر دنگ رہ گئی اور جب بتدریج میں نے اس کے سامنے اس کا ماضی و حال کھولا تو وہ مجھ سے اس حد تک متاثر ہو گئی کہ اس کا زیادہ وقت میرے کمرے ہی میں گزرنے لگا۔ گوپال داس اور جگدیش کے واقعات کے بعد ان چار دنوں میں، میں بالکل محفوظ رہا۔ جس شخص کو کریدیئے وہ فکر و آلام، جذبات کی تہوں میں لپٹا نظر آئے گا۔ پریم...... ایک پارسی لڑکے سے متاثر تھی مگر اس کا ہندو باپ ان کی راہ میں رکاوٹ بنا ہوا تھا۔ میری شخصیت کا اثر اتنی جلد مرتب ہوا تھا کہ پریم نے مجھ سے اس معاملے میں مدد کی

درخواست کی۔ میں چاہتا تو اسی دن پریم کو آسودہ کر دیتا اس لئے کہ پریم نے میزبانی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی مگر میں اس واقعے میں الجھتا تو میرے لئے مشکلیں بڑھ جاتیں۔ میں نے اس خوب صورت، معصوم اور شریر لڑکی سے وعدہ کیا کہ جب دوبارہ واپس آؤں گا تو اس کی آرزو پوری ہو جائے گی۔

شہر میں ایک کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ گوپال داس اور جگدیش کا کریا کرم ہو چکا تھا۔ پولیس نے فرقہ وارانہ فسادات کے ڈر سے یہ خبر طشت از بام نہیں ہونے دی تھی کہ ان کے قتل کا سبب میں تھا، میں جس کا نام مسلمان طرز کا تھا۔ میں نے اپنے نام کی بڑی سزا پائی تھی۔ انہوں نے خود ہی مجھے یہ احساس دلایا تھا کہ میں ان سے ایک مختلف شخص ہوں۔ میں مسلمان اس لئے ہوں کہ مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا ہوں، اس لئے کہ میرا نام جمیل احمد خان ہے۔ نام سے کتنا بڑا فرق پڑتا ہے۔ نام بدل لیجئے، آپ پر اٹھنے والی نظریں بدل جائیں گی۔ وہ ایک ایسے شخص تھے جو اقدار و روایات سے منحرف ہو گیا تھا، بار بار ایک خاص نام، خاص مسلک سے وابستہ کر کے اس کے جذبہ عصبیت کو ہوا دے رہے تھے۔ نندا نے بھی مجھ سے پنڈتوں، پجاریوں کے متعلق بڑی زہریلی باتیں کہی تھیں، چنانچہ یہ بات مشہور ہونے میں دیر نہیں لگی کہ ایک مسلمان نے ایک ہندو کو قتل کر دیا بلکہ دو ہندوؤں کو حالانکہ نہ وہ ہندو تھے نہ میں مسلمان۔ اگر وہ سچے ہندو ہوتے تو دھرم کا پالن کر رہے ہوتے اور ان کا ٹھکانا، بھگوان کی مورتی کے چرنوں میں ہوتا اور وہ اپنے دھرم والوں کی سیوا کرتے۔ وہ بھی بھٹک گئے تھے، میں بھی بھٹکا ہوا تھا۔ یہ لڑائی دو افراد کی لڑائی تھی جو بدقسمتی سے دو علیحدہ علیحدہ مذہبوں سے تعلق رکھتے تھے لیکن اگر اسے فرقہ وارانہ رنگ دے دیا جاتا تو محلوں میں آگ برسنے لگتی اور بستیاں خون میں نہا جاتیں۔ کتنے ہندو، کتنے ہندوؤں کو مار دیتے، کتنے مسلمان، کتنے مسلمانوں کا خون پی جاتے ہیں مگر جب کوئی ان میں ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتا ہے تو یہ انفرادی کشمکش کتنی بڑی تباہیوں کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔

سو میرے دل میں رفتہ رفتہ یہ احساس جاگزیں ہو رہا تھا کہ میرا نام جمیل احمد خان ہے۔ یہ ردعمل تھا ان مسلسل بختیوں، دل آزاریوں، اور ہرزہ سرائیوں کا جو مجھے میرے نام کی ساخت کے عوض ملی تھیں۔ میں کبھی کبھی تنہائی میں اس ضمن میں سوچنے لگتا تھا لیکن میرے معمولات وہی تھے۔ وہی آلتی پالتی مار کر مراقبے میں ڈوب جانا اور گھنٹوں ارتکاز میں مصروف رہنا۔ پریم میری یہ مصروفیت حیرت سے دیکھتی تھی اور مجھ سے طرح طرح کے سوالات کرتی تھی۔ ناہید ان چار راتوں میں تندرست ہو گئی تھی اور اب میں نے ارادہ بدل دیا تھا۔ اب میں حیدرآباد جانے کے بجائے کلدیپ کے استھان جانا چاہتا تھا۔ حیدرآباد کے سفر میں مجھے سازگار حالات کا یقین نہیں تھا۔ ہاں کلدیپ کے استھان پر عافیت تھی۔ میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ میں اپنے تمام بکھیڑے سمیٹنے کا خواہش مند تھا اور رتزئین کی شادی کر کے گوشہ گمنامی میں گم ہو جانے کا خواہاں تھا۔ زندگی کی ہوس باقی نہیں رہی تھی۔ زندگی کو بہت قریب سے دیکھ لیا تھا۔ ہر بات

کا حاصل یہ تھا کہ جتنا زندگی کے پیچھے بھاگو گے، پاؤں اتنے زخمی ہو جائیں گے۔ حیدرآباد کے
پیش آنے والے ممکنہ اور متوقع حادثات سے بچنے کے لئے میں نے ناہید کو بھی ساتھ لے کر
کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ مجھے امید تھی کہ ایک دن مطلع صاف ہو گا اور زمین میرے لئے
تنگ دلی کا رویہ ترک کر دے گی۔ میں بھی عام لوگوں کی طرح سکون سے رہوں گا۔ بدری نرائن بھی
جائے گا اور میرے خلاف ہندوستان کے پنڈتوں اور پجاریوں کا جوش سرد پڑ جائے گا۔ زندگی
معمول پر آ جائے گی۔

پانچویں دن رات کو جب باہر نکلنے کے آثار ہمارے حق میں تھے، میں ناہید کو لے کر پریم کے
گھر سے رخصت ہوا۔ انکا نے ڈاکٹر کو خواب آور گولیاں کھلا کر سلا دیا تھا اور میرے سر پر واپس آ
تاکہ سڑک پر کسی ہنگامی صورت میں میری مدد کر سکے۔ پریم جیسی پیاری لڑکی نے جو ہم سے بہت
ہو گئی تھی، مجھے مزید قیام کے لئے روکنے کا ہر ممکن طریقہ اختیار کیا مگر ہم اس کے اصرار کے باوجود
سے روانہ ہو گئے۔ رات کے وقت پریم نے اپنی گاڑی میں ہمیں بمبئی سینٹرل اسٹیشن چھوڑ دیا۔ پریم
میرے لئے کسی دوسرے نام سے ٹکٹ خریدا اور ہم ایک تنہا کمپارٹمنٹ میں آ کر بیٹھ گئے۔ گاڑی
حرکت آئی تو پریم مجھ سے بے اختیار گلے لگ گئی۔ میں نے پیار سے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور وعدہ
کہ میں دوبارہ آ کے ضرور اس کے ہاں ٹھہروں گا اور آؤں گا تو اپنے ہاتھ سے اسے دلہن بناؤں گا
کوئی پتا نہیں تھا۔ میں ایک بے گھر بے امان شخص۔ وہ شگفتہ لڑکی افسردہ چہرے کے ساتھ میری نظر
سے دور ہو گئی۔ میں بہت دیر تک اس کے متعلق سوچتا رہا۔ لوگ محبت کے بھوکے ہوتے ہیں۔ لوگ
کرنے پر آئیں تو کیسے ٹوٹ کر ملتے ہیں۔ انکا بہت تھکی ہوئی تھی اس لئے پاؤں پسار کر میرے برابر
ہو گئی۔ پریم کے گھر سے اسٹیشن تک انکا اور میں نے دفاع اور تحفظ کی خاطر اپنا ذہن کسی اور خیال
آلودہ نہیں کیا تھا۔ ہماری آنکھیں دور تک دیکھتی رہی تھیں۔ ناہید کی بھی آنکھ لگ گئی۔ میرا سارا
بمبئی کے ہوٹل میں رہ گیا تھا۔ ناہید کے لئے پریم نے اسے بہت سے کپڑے دے دیئے تھے۔
گئی۔ انکا بھی سوگئی لیکن مجھے نیند نہیں آئی تو میں نے زمین پر چادر بچھا کر روحانی مشقیں شروع کر
میں یہ سفر ہر حال میں خیریت سے گزارنا چاہتا تھا۔ میں نے ساری رات مراقبے میں گزار دی۔
نے مجھے اس عالم میں دیکھا تو اس کے چہرے پر تشویش سی ابھری۔ میں بالکل ساکت ایک طرف
جمائے بیٹھا تھا۔ میں ریت کا کوئی تودہ تھا۔ میں دھات کا بنا ہوا انسان تھا جو نہ ہلتا تھا نہ کسی طرف
تھا۔ انکا بھی جاگ گئی۔ میسور قریب آ رہا تھا۔ انکا کے ٹوکنے پر میں نے مراقبہ ختم کر دیا۔ انکا نے
مجھے ایک وحشت ناک خبر سنائی کہ میسور میں پریتم لال کا استھان اب کئی پنڈتوں، پجاریوں
ہے۔ کلدیپ ابھی تک اپنے طویل جاپ میں مگن ہے اور ہمارا وہاں جانا خطرے سے خالی نہیں؟

"کتنے پجاری ہیں؟" میں نے انکا سے پوچھا۔

"ایک دو نہیں، کوئی بیس پجاری ہیں۔ وہ چاروں طرف سے پریتم لال کا استھان گھیرے ہوئے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ ایک نہ ایک دن تم یہاں ضرور آؤ گے یا کلدیپ نیچے اترے گی۔ ان میں بڑے بڑے بلوان، شکتی پوروک پجاری بھی شامل ہیں۔"

"اوہ!" میں نے شدت کرب سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ "کیا وہ نہیں جانتے کہ اب میں ایک بہادر شخص ہوں؟ کیا انہوں نے اپنے دوسرے ساتھی پنڈتوں کے حشر سے کوئی سبق نہیں سیکھا؟" میں نے انکا سے جھلا کر کہا۔ "وہ مجھے اس راستے کی طرف گھسیٹ رہے ہیں جہاں میں جانا نہیں چاہتا۔" یہ بات میں انکا سے پوچھ رہا تھا جب کہ ان کے تمام جوابات خود میرے پاس موجود تھے۔ میں اپنے ارتکاز میں اتنا محو تھا کہ میں نے پریتم لال کے استھان پر ہونے والی سازشوں کے بارے میں غور ہی نہیں کیا۔ میں دیکھ رہا تھا، اور میری باطنی قوتوں کے سامنے تمام باتیں آئینہ دار تھیں۔ وہ چاروں طرف دھونی رمائے مست الست بیٹھے تھے۔ پہاڑی کے اوپر جانے کے لئے مجھے ان سے گزر کر جانا پڑتا اور نبرد آزما ہونا پڑتا۔ ایک جمیل احمد خان کے لئے بیس پنڈتوں کا اہتمام کیا گیا تھا۔ وہ لوگ پاگل ہو گئے تھے۔ "ہم کسی اگلے اسٹیشن پر اتر جائیں گے۔" میں نے انکا سے کہا۔

"پھر کہاں جائیں گے اور کب تک مارے مارے پھریں گے؟ ہندوستان میں کون سی جگہ ان سے محفوظ ہے؟" انکا نے طنزاً پوچھا۔

"ہم کسی طور ناہید کو اس کے گھر پہنچا کر کسی جگہ محصور ہو کر بیٹھ جائیں گے۔ اس وقت تک تو کلدیپ بھی جاپ ختم کر لے گی۔ پھر اگر میرا اس سے کوئی رابطہ قائم ہو گیا تو ہم دونوں مل کر کوئی فیصلہ کر لیں گے۔ ہمیں اب ان ہنگاموں میں زیادہ نہیں الجھنا چاہئے۔"

"جمیل! میرا خیال ہے کہ ہمیں ایک بار ضرور انہیں کوئی بڑا سبق دینا پڑے گا۔" انکا نے غصے سے

"انکا!" "تم اب بچوں کی سی باتیں کرنے لگی ہو؟" میں نے اسے پھٹکارا۔

"ہاں، جب سے تم تبت سے لوٹے ہو، تمہاری نظر میں میری حیثیت گر گئی ہے۔" انکا نے روٹھ کر کہا۔ "اب میرا کام بہت مختصر ہو گیا ہے۔ تمہارے لئے گاڑی فراہم کرنا اور تمہاری مدد کے لئے ملازم مہیا

"تم عورتوں کی سی باتیں کر رہی ہو۔ اگر تم مجھ سے گھبرا گئی ہو تو میں خوشی سے اجازت دیتا ہوں کہ تم سامنے سے چلی جاؤ۔"

"جمیل!" انکا بسور کر بولی۔ "کیا تم واقعی اتنے سنگ دل ہو گئے ہو؟"

"انکا! تم سمجھتی کیوں نہیں ہو کہ اب مجھے دنیا کے لہو ولعب، خون اور انتقام میں مزہ نہیں آ میرے ساتھ رہنا ہے تو سمجھ لو کہ تمہیں ایک بہت گوشہ نشین شخص کے ساتھ رہنا ہے۔ سمجھیں رہا ہوں؟" میں نے زور دے کر کہا۔

"میں بے وفا نہیں ہوں۔ میں ہر حال میں تمہارے ساتھ رہوں گی۔ بشرطیکہ تمہارا کو میرے حصول کے جاپ میں کامیاب نہ ہو جائے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے بے نیازی سے کہا۔ "اسٹیشن آ رہا ہے۔ ہمیں یہاں اترنا ہے۔ ٹر کے سر پر جا کر اسٹیشن پر گاڑی رکوا دو۔ ہم یہیں اتر جائیں گے۔"

ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر خلاف معمول گاڑی رک گئی۔ ہمارے پاس سامان نہ ہو برابر تھا۔ اس لئے ہمیں اترنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ اسٹیشن سے ہم قصبے چلے گئے۔ سا سکندر آباد کے لئے گاڑی روانہ ہوتی تھی۔ یہی وقت ہماری روانگی کے لئے موزوں تھا۔ اس عر ناہید نے مجھ سے بہت کم بات کی تھی۔ وہ اپنے گھر جاتے ہوئے ڈرتی تھی لیکن میری مرضی کے ہتھیار ڈال دئے تھے۔ میں نے اسے بتایا کہ مجھے اس کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے اور م اس کے والدین کے ساتھ خوش وخرم دیکھنا چاہتا ہوں۔ قصبے میں ایک اکتا دینے والا دن گزار کر آٹھ بجے گاڑی میں بیٹھ گئے۔ کاچی گوڑا اسٹیشن پر اتر کر جب نظام حیدر آباد میں داخل ہوئے تو کے سلاطین کا دور یاد آ گیا۔ ترکی ٹوپیاں، شیروانیاں، قدیم وجدید عمارتیں، پردہ نشین خواتین محرابیں، مسجدیں اور اردو میں لکھے ہوئے بڑے بڑے بورڈ۔ میں ایک اچھے سے ہوٹل میں نا ساتھ ٹھہر گیا اور اس سے پتا لے کر اس کے والدین کی گھر پر پہنچا۔ انکا کو میں نے ناہید کے پا دیا تھا۔ رکن الدین نام کا کوئی شخص اس محلے میں نہیں رہتا تھا جس کا پتا مجھے ناہید نے بتایا تھا۔ کا کے بعد پتا چلا کہ عرصہ ہوا رکن الدین نے یہ محلہ اور غالباً یہ شہر چھوڑ دیا ہے چونکہ اس کی لڑکی جمیلہ گئی تھی۔ اب مجھے محسوس ہوا کہ میں نے حیدر آباد میں آ کر غلطی کی ہے۔ اگر میں پہلے ہی غور کرلیتا آسانی سے ناہید کے والدین کا پتا معلوم ہو جاتا۔ وہ گلبرگہ میں تھے۔ گلبرگہ بھی ریاست حیدر آ شہر تھا۔ حیدر آباد میں صرف چند گھنٹے قیام کرنے کے بعد ہم گلبرگہ روانہ ہو گئے۔ اس بار مجھے والد کا پتا تلاش کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ رکن الدین ایک خاصی بڑی حویلی میں رہتا تھا کو دس بجے میں نے ڈیوڑھی میں جا کر ملازم سے کہا کہ مجھے رکن الدین صاحب سے ملنا انتظار کی زیادہ زحمت نہ اٹھانا پڑی۔ ایک دراز قد شخص حویلی کے اندر سے برآمد ہوا جس چہرے پر الجھنیں چھائی ہوئی تھیں۔ "فرمائیے! میں رکن الدین ہوں۔" اس نے مہذب انداز

"میرا نام؟" میں سوچنے لگا کہ کیا مجھے اپنا صحیح نام بتانا چاہئے؟ لیکن ناہید (جسے اب

بچے) میرا نام جانتی تھی۔ اس لئے میں نے کہا۔ "میرا نام جمیل احمد خان ہے۔ میں آپ کی تلاش میں اب گلبرگہ آیا ہوں۔"

"ہاں پہلے میں حیدر آباد میں رہا کرتا تھا۔" اس نے افسردگی سے کہا۔ "فرمائیے کیسے زحمت کی؟ ے اندر تشریف لائیے۔"

دیوان خانے میں بیٹھ کر میں نے گردن جھکا کر کہا۔ "میں آپ کی لڑکی جمیلہ کے بارے میں کچھ نا کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا، کیا؟" وہ ایک دم اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور مجھ سے کہنے لگا۔ "از راہ کرم جو کچھ کہنا ہے جلدی کہئے، جمیلہ کہاں ہے؟"

"وہ بخیریت ہے اور میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ جیسا ذی حشم نواب اپنی بیٹی کی خطائیں معاف کرنے کے لئے تیار ہے یا نہیں؟"

"وہ کہاں ہے؟" وہ بے تاب ہو کر بولا۔ "اسے دیکھنے کے لئے میری آنکھیں ترس گئی ہیں، اس نے مجھے بڑے دکھ دئے ہیں۔ میں اسے گلے لگانے کے لئے بے قرار ہوں۔"

"مگر...... مگر......" میں نے کچھ کہنا چاہا۔

رکن الدین جلدی سے بولا۔ "کچھ نہیں، کچھ نہیں۔ میں نے اسے معاف کیا، میرے خدا نے معاف کیا۔ بچے غلطیاں کرتے ہیں۔ اس نے مجھے شرمسار کیا لیکن وہ میری بچی ہے۔ میں نے اسے کہاں کہاں تلاش نہیں کیا لیکن اس کی قسمت میں ٹھوکریں لکھی تھیں۔"

"آپ بہت اچھے بزرگ ہیں لیکن جمیلہ کو آپ کے حوالے کرنے سے پہلے میں چند باتوں کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔ کہیں آپ پدرانہ جوش میں تو اتنی شفقت اور محبت کا اظہار نہیں کر رہے ہیں؟ جمیلہ آپ کے ہاں رہے گی تو اسی عزت واحترام سے رہے گی جس طرح ایک لڑکی اپنے باپ کے ہاں رہتی ہے۔"

"ہمارے غصے سرد ہو گئے ہیں، میں نے حیدر آباد اسی لئے چھوڑ دیا تھا کہ رسوائیاں مجھ سے برداشت نہیں ہوتی تھیں۔"

"سنئے۔ اس نے آپ سے جدا ہو کر اپنی زندگی کے بدترین دن گزارے ہیں۔ وہ بگڑ جاتی مگر مجھ سے ملاقات ہو گئی اور میں نے یہی طے کیا کہ مجھے اس بھٹکی ہوئی لڑکی کو اس کے والدین کے پاس پہنچانا چاہئے۔ اگر آپ اب بھی تیار نہیں ہیں تو میں اسے زندگی بھر اپنے ساتھ رکھوں گا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"آپ مجھے نادم کر رہے ہیں۔" رکن الدین نے سنجیدگی سے کہا۔

"جائیے آپ بیگم صاحبہ کو خبر کیجئے کہ وہ اس کے استقبال کی تیاری کریں۔ وہ آنے والی ہے" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس کی بات سچ ہوگئی۔" رکن الدین نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"کس کی بات؟"

"وہ ایک مجذوب کامل ہے۔ کل وہ کہہ گیا تھا کہ بستر صاف رکھ، اپنے آنسو پونچھ۔ اب وہ ہے۔ میری بیگم پوچھتی ہی رہ گئیں لیکن اس نے آگے کچھ نہیں کہا۔ وہ ایک نعرہ مستانہ کے ساتھ ہو گم ہوگیا۔"

"کون تھا وہ؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ سفر میں میری تمام تر کوشش یہی رہی تھی کہ میر اور اپنے سفر کو پنڈتوں، پجاریوں سے اوجھل رکھوں اسی لئے میں ہمیشہ مراقبے میں غرق رہتا تھا۔

"وہ ایک مجذوب ہے۔ ہم تو اسے یوں ہی فقیر سمجھتے تھے لیکن وہ تو ایک مرد کامل نکلا۔" وہ خو سرشار تھا۔ وہ مجھ سے معذرت کر کے زنان خانے میں جمیلہ کے آنے کی خبر سنانے چلا گیا۔ میں سے روحانی رابطہ قائم کیا اور اسے جمیلہ کو لے کر حویلی میں آنے کی ہدایت کی۔ پھر میں اطمینان گیا۔ مجھے ایک عجیب قلبی فرحت سی محسوس ہو رہی تھی۔ میں اس دل خوش کن ڈرامے کے ڈراپ منتظر تھا کہ جمیلہ یہاں آئے اور میرے سامنے اس کا باپ اسے سینے سے لگائے۔ بیگم رکن اور جمیلہ کی چھوٹی بہن طلعت نے پردے تک کا خیال نہیں کیا۔ وہ دیوان خانے میں بوکھلائی ہوئی ہوئیں۔ "کہاں ہے میری بچی؟" ماں تڑپ کر بولی۔

"وہ آ رہی ہے۔ راستے میں ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"کیا وہ تنہا آ رہی ہے؟" ماں نے مضطرب ہو کر پوچھا۔

"ہاں۔ مگر وہ راستے سے واقف ہے۔" مجھے ان کے اضطراب سے خوشی ہو رہی تھی۔ تھو بعد رکن الدین نے خواتین سے میرا تعارف کرایا۔ بیگم کو اس پر بڑی ندامت ہوئی کہ وہ سلام اندر داخل ہوگئیں۔ یہ بہت اچھا خاندان معلوم ہوتا تھا۔ جب جمیلہ حویلی میں داخل ہوئی تو میں سے کہا۔ "آئیے باہر ڈیوڑھی میں اس کا انتظار کرتے ہیں۔"

ہم اب ایک اضطراب، ایک تجسس کے ساتھ باہر نکل آئے۔ چند لمحوں بعد جمیلہ کی ماں ک گئی۔ انہوں نے جمیلہ کو اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ جمیلہ خود بھی حیران تھی کہ وہ یہاں لیکن مجھے وہاں دیکھ کر اسے اطمینان ہوگیا۔ میرے بارے میں وہ بہت کچھ سمجھ چکی تھی۔ میں خا یہ خوب صورت منظر دیکھتا رہا۔ برسوں کے بعد بچھڑے ہوئے مل رہے تھے۔ سب کی آنکھیں تھیں۔ جمیلہ زاروقطار رو رہی تھی۔ انکا نے اسے آزاد کر دیا تھا۔ انکا اب میرے سر پر کھڑی یہ

تماشا دیکھ رہی تھی۔ ایک عجیب چیخ و پکار جاری تھی۔ مجھے کچھ تھکن کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ سب لوگ میری طرف سے غافل ہو گئے تھے لیکن جمیلہ اپنے والدین اور بہن کو چھوڑ کر میرے پاس آئی۔ وہ میرے سینے سے لگ گئی۔ اس نے اپنے والد سے کہا۔ "ابا جان! یہ میرے محسن ہیں۔ آپ انہیں روکئے کہ یہ ہمارے ساتھ قیام کریں۔"

"ہاں ہاں بیٹا جمیل صاحب ہمارے مہمان ہیں۔ میں انہیں جانے نہیں دوں گا۔ آہ، یہ دنیا شریف لوگوں کے ہی دم سے قائم ہے۔" رکن الدین نے مجھے اور جمیلہ کو ایک ساتھ گلے سے لپٹا لیا۔

بیگم رکن الدین نے آگے آ کر کہا۔ "بھائی صاحب! آپ ہمیں مایوس نہیں کریں گے۔ یہ آپ کا گھر ہے۔ آئیے اندر تشریف لائیے، نہائیے، دھوئیے۔ آپ کا سامان کہاں ہے؟"

"ہمارے پاس کوئی سامان نہیں ہے۔" جمیلہ نے کہا۔ "میں آپ کو بتاؤں گی کہ ہم لوگ کن دشواریوں کے بعد یہاں تک پہنچے ہیں۔"

"کوئی بات نہیں۔" رکن الدین نے کہا۔ پھر وہ میری کمر میں ہاتھ ڈالے مجھے اندر لے گیا۔ جمیلہ کیا آئی تھی، زنان خانے میں بہار آ گئی تھی۔ ایک لڑکی جو بمبئی کے اوباشوں کے ہاتھوں میں کھیل رہی تھی، بہت ستم اٹھا کر اپنے گھر واپس آ گئی تھی۔ رکن الدین کی حویلی کے ایک آراستہ کمرے میں مجھے ٹھہرا دیا گیا۔ انکا بطور خاص ان امور کا نظارہ کر رہی تھی، وہ میرے سر سے یہ کہتی ہوئی اتر گئی کہ "میں زنان خانے کی خوشیاں دیکھنا چاہتی ہوں۔"

میں آخر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تھا۔ مجھے نیند آ گئی۔ مجھے نہیں معلوم کہ انکا کب میرے سر پر واپس آئی۔ صبح جمیلہ اور طلعت نے مجھے جگایا۔ وہ مجھے اپنے ساتھ ناشتے کے لئے لے گئیں۔ میری خاطر مدارت میں رکن الدین کے علاوہ ان کی بیگم اور طلعت بچھی بچھی جاتی تھی۔ انہیں جمیلہ نے میری غیر معمولی قوتوں کے بارے میں بہت کچھ بتا دیا تھا۔

دوپہر کو حویلی میں فقیروں، یتیموں کو کھانا کھلایا گیا۔ میں بھی اس دعوت میں شریک تھا، اچانک میں نے ایک شخص کو دیکھا۔ اس کی داڑھی بڑھی ہوئی تھی، کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔ وہ حیران و پریشان حویلی میں داخل ہوا۔ اس کے پاس ایک لاٹھی تھی اور اس کے چہرے پر ایک عجیب جلال تھا۔ اسے آتا دیکھ کر رکن الدین اس کی طرف لپکا اور بے تابانہ اس کے ہاتھ چومنے لگا۔ "سید جی! آپ کا ارشاد صحیح نکلا، وہ آ گئی ہے۔"

سید مجذوب نے اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ وہ ہانپتا کانپتا سیدھا میری طرف آیا۔ اس کی آنکھیں میری آنکھوں سے ٹکرائیں تو میں نے ان میں ایک گہرائی دیکھی۔ میں سمجھ گیا کہ اس کا درجہ کیا ہے۔ وہ مجھے چند لمحوں تک غور سے دیکھتا رہا۔ میں نے اپنی آنکھیں نہیں ہٹائیں۔ رکن الدین سید کی

اس جلالی کیفیت پر کھڑا لرز رہا تھا۔ سید نے دفعتاً ہو حق کا ایک فلک شگاف نعرہ بلند کیا۔ اس کی رال ٹپک رہی تھی۔ وہ لاٹھی مار کر مجھ سے مخاطب ہوا۔ ’’اب ایک ہی راستہ رہ گیا ہے۔‘‘

’’پیر و مرشد! ہر طرف دھند چھائی ہوئی ہے۔‘‘ میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ انکا میرے کسمسانے لگی۔

اس نے ایک قہقہہ لگایا، ایک بہت غضب ناک قہقہہ، وہ دیر تک ہنستا رہا پھر بولا ’’دھند، گھٹا، کالی بدلیاں، آندھی، طوفان......‘‘

’’کیا مجھے یہ لاٹھی عطا کر سکتے ہو؟‘‘ میں نے کہا۔ اس نے لاٹھی اپنے سینے سے چپکالی، جیسے اس سے چھین رہا ہوں پھر وہ میرے سر کی طرف دیکھنے لگا۔ انکا مضطرب انداز میں پہلو بدل اور میرے سر سے اتر گئی۔

’’چلی گئی، چلی گئی۔ بھاگ گئی۔‘‘ وہ اپنے پیلے دانت نکالتے ہوئے بولا۔

’’اس نے آپ کا احترام کیا ہے۔‘‘ میں نے برجستہ کہا۔

’’ہونہہ۔‘‘ وہ سنجیدہ ہو گیا۔ ’’کمر سیدھی کر اور زلفیں بڑھالے۔‘‘

’’میرے ساتھ چلیے میں زلفیں بڑھا لوں گا۔‘‘

’’شرط رکھتا ہے۔ سودا کرتا ہے۔ جواری!‘‘ وہ بگڑ کر بولا اور واپس جانے لگا۔ رکن الدین نے اسے بہت روکا۔ میں نے بھی اس سے کہا لیکن اس نے ایک بھی نہ سنی۔ نہ کچھ کھایا، نہ پیا، مستانہ وار لگاتا اور لاٹھی پٹختا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ رکن الدین نے مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ سید کے مبہم جملوں کا مطلب تھا؟ میں نے اسے کچھ نہیں بتایا۔ انکا واپس آ گئی تھی۔ رکن الدین نے میری خاموشی دیکھ کر مجھ سے کچھ نہیں پوچھا اور دعوت کے اہتمام میں مصروف ہو گیا۔ میں سڑک پر گیا۔ میری نظریں اسے تلاش کرتی رہیں لیکن وہ قریب تو دور کہیں موجود نہیں تھا۔ پھر میں دعوت میں نہیں ٹھہرا بلکہ اپنے کمرے میں لیٹ کر سوچتا رہا...... سوچتا رہا۔

سید میرے دل و دماغ میں ہلچل سی مچا گیا تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں کسی آگ میں جل رہا ہوں۔ مجھے تیز بخار ہے، اپنی تمام تر طاقتوں کے باوجود میں نے اپنی اس کیفیت کو دور کرنے کی کوشش نہ کی۔ میری خواہش تھی کی میری زبان کو لقوہ مار جائے، مجھ پر فالج گر جائے اور میرے پھوڑے پڑ جائیں۔ مجھے کوئی شدید ضربیں پہنچائے۔ میں اپنے بال نوچوں اور خود اپنا چہرہ کھسوٹ لوں۔ مجھے کوئی ٹھوکریں مارے اور میرے جسم میں سوئیاں چبھوئے، مجھے اذیت کی طلب بڑی شدت سے ہو رہی تھی۔ ایک بار برکاتی شاہ سے میری ملاقات رام پور میں ہوئی تھی۔ وہ بھی سید کی طرح ایک مجذوب تھا لیکن اس وقت میرے دل کے دروازے بند تھے۔ برکاتی شاہ نے مجبور ہو کر مجھے انکا کو حاصل کرنے کا وظیفہ بتایا تھا۔ برکاتی شاہ کا پتا بدری نرائن نے دیا تھا۔ اس وظیفے کا نتیجہ یہ نکلا کہ مجھے انکا مل گئی۔ اس بات کو عرصہ ہو گیا۔ آج مجھے برکاتی شاہ یاد آ رہا تھا۔ سید اور اس میں بڑی مماثلت تھی۔ وہ مجھے ڈانٹتا پھٹکارتا تھا لیکن میں نے اس کی یہ بات مسترد کر دی اور انکا کے حصول پر اصرار کرتا رہا۔ گلبرگہ کو ایک خصوصیت حاصل تھی کہ وہاں حضرت گیسودراز رحمتہ اللہ کا مزار تھا جہاں فیض کا سلسلہ جاری تھا۔ ہمارے دور دور سے لوگ حضرت گیسودراز رحمتہ اللہ کے مزار پر آ کر حاضری دیتے تھے۔ سیّد بھی حضرت گیسودراز کے حلقہ ارادت میں شامل تھا اور اسے اپنی ذات کا اعتماد حاصل تھا۔ سید کی باتیں بڑی معنی خیز تھیں۔ میں ان کا مفہوم سمجھتا اور خود کو سمجھاتا رہا۔

میں رات تک یہی سوچتا رہا۔ اس عرصے میں جمیلہ، طلعت، رکن الدین اور اس کی بیگم میرا حال پوچھنے آئیں لیکن میں نے تنہائی کی درخواست کی اور میں سوچتا رہا۔ انکا نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی، وہ میری کیفیت بہت توجہ اور تشویش سے دیکھ رہی تھی۔ میں سوچ رہا تھا۔ میرے گناہوں کی فہرست طویل ہے۔ نہ جانے کتنے قتل، کتنے جرائم میرے نامہ اعمال میں لکھے ہوئے ہیں۔ حالانکہ میں اپنی غلیظ زندگی ترک کر چکا ہوں مگر ایک عمر مجھے اپنی تطہیر اور غسل پاکی میں صرف کرنی پڑے گی۔ نندا کے استھان پر مجھے مراقبوں اور ارتکاز کی مشقوں سے سکون آ گیا تھا۔ کاش میں وہیں رہتا اور وہیں پیوند خاک ہو جاتا۔ وہاں میرے ذہن کو ایک سکون نصیب ہو گیا تھا۔ انسانوں کے اس جمگھٹ میں آ کر پھر وہی کشمکش، پھر وہی توڑ پھوڑ شروع ہو گئی اور سیّد نے آ کر میرا سکون غارت کر دیا۔ میں نے رات کا کھانا نہیں کھایا اور شب کو اپنے بستر سے اٹھا، حویلی کا دروازہ بند کر کے گلبرگہ کی سڑکوں پر آ گیا۔ دکانیں بند ہو چکی تھیں۔ میں گلی گلی، کوچے کوچے گھومتا رہا۔ چلتے چلتے میں حضرت گیسودرازؒ کے مزار پر پہنچ گیا جہاں ابھی تک چہل پہل تھی۔ ساری فضا خوشبوؤں سے بسی ہوئی تھی۔ وہاں ملنگ لیٹے ہوئے تھے۔ اندر جانے کی ہمت نہ تھی۔ میں دور ہی سے لوٹ کر آگے بڑھ گیا۔ میں نے سیّد کو آوازیں دیں۔ ’’سیّد! میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ تم جہاں کہیں ہو مجھے اپنے بسیرے سے مطلع کرو۔ میں گلبرگہ کی گلیاں تمہاری تلاش میں چھان رہا ہوں۔‘‘

میں اتنی دور چلا گیا کہ آبادی ختم ہو گئی اور ویرانہ شروع ہو گیا لیکن سیّد مجھے کہیں نظر نہ آیا، نہ میری آنکھیں اس کا سراغ لگانے میں کامیاب رہیں نہ وہ خود کہیں ظاہر ہوا۔

آبادی سے خاصی دور وحشت و جنون کے عالم میں نکل جانے کے بعد مجھے دور سے ایک ٹمٹماتا ہوا دیا نظر آیا۔ انکا کی آنکھوں میں روشنی سی پیدا ہو گئی اور اس نے مجھے منع کیا کہ میں اب واپس چلوں لیکن میں نے اس کی بات نظر انداز کر دی۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ ایک مندر ہے جہاں ایک پجاری رات کے اندھیرے میں کسی جاپ میں مصروف ہے۔ میں لاشعوری کیفیت میں اس پجاری کی طرف بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ دیئے کی روشنی میں مجھے اس کی بڑھی ہوئی داڑھی اور نحیف و لاغر جثہ صاف نظر آنے لگا۔

میں سیّد کو بھول گیا اور غور سے پجاری کا انہماک دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ عقب میں مندر یہ جگہ درختوں سے بھری ہوئی تھی۔ پجاری کے سامنے لوبان جل رہا تھا اور وہ ساری دنیا سے بے نیاز آتا تھا۔ یکبارگی جی میں آئی کہ میں اس کا گلا گھونٹ دوں۔ پنڈت پجاریوں کے لئے میرے خوابیدہ نفرت عود کر آئی۔ میرے ہاتھ خود بخود حرکت کرنے لگے لیکن میں نے اپنے اس سرکش جذبے خود کو لعن طعن کی۔ ''میں پھر نیچ ہوتا جا رہا ہوں۔'' مجھے خود پر جھلاہٹ سی ہونے لگی۔ نندا کا چہرہ نظروں کے سامنے گھوم گیا۔ مجھے محسوس ہوا جیسے شاکیہ منی کا مسکراتا ہوا بت میرے اردگرد کہیں موجود ہے۔ میں واپس ہونے لگا لیکن ابھی میں دو چار قدم ہی چلا ہوں گا کہ مجھے اپنے پیچھے سے ایک ٹھہری تھمی ہوئی آواز سنائی دی جیسے مجھ سے کوئی ٹھہرنے کی درخواست کر رہا ہو۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا پجاری کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور وہ میری طرف بڑھ رہا تھا۔ میں اپنی جگہ ٹھہر گیا اور انکا بھی محتاط ہو بیٹھی گئی۔ میں نے اپنے تمام پریشان خیالات سے جلد سے جلد نجات پانے کے لئے ایک لمحاتی کوشش کی...... اور جب میں نے اپنے باطن کے دروازے کھولے تو میرے جسم میں برقی رو دوڑنے لگی۔

پجاری نے نزدیک آ کر اپنے ماتھے پر ایک لکیر سی کھینچی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے سامنے سوالیہ انداز میں کھڑے ہوئے تھے۔ میں نے کچھ بولنے سے احتراز کیا۔ اس کے ہونٹ بدبدانے لگے انکا نے میرے سر میں اپنے پنجے گاڑ دیئے۔ یہ محتاط اور چوکنا رہنے کی ہدایت تھی۔ میں اس تنبیہ سے پہلے ہی پوری طرح تیار تھا۔

''میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟'' آخر اس نے سکوت توڑا۔

''میں صاف صاف باتیں کرنے کا عادی ہوں۔'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ یہ دیوی کا اپنے سیوک پر احسان ہے کہ اس نے یہ کام مجھے سونپا ہے۔ تم نے یہاں آ کر دیوی کی نظر میں میرا مان بڑھا دیا ہے۔ شاید اسی کام کے لئے اب تک جیوت ہوں تم نے جو کھیل کھیلا ہے، میں اسے جانتا ہوں۔ یہ تم نے کیا مذاق لگا رکھا ہے؟ سنا ہے تم نے ہمارے کئی پنڈتوں اور پجاریوں کو پرلوک بھیج دیا ہے؟''

''تو گویا تم بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہو؟'' میں نے تلخی سے جواب دیا۔ ''تم نے سچ سنا ہے۔ تم کہنا کیا چاہتے ہو؟ جاؤ اپنے جاپ میں مگن ہو جاؤ۔ مجھے تم سے کوئی بیر نہیں ہے۔ ایک بڑے دھرماتما کو پوجا کے سوا کوئی اور بات نہیں سوچنی چاہئے۔''

''پرنتو مجھے تم سے بیر ہے۔ گیسو دراز کے علاقے میں ہم کوئی دخل نہیں دیتے۔ تم خود ہی چل کر میرے پاس آ گئے ہو۔ مجھے اپنی دیوی کو پرسن کرنے کے لئے تمہیں اپنے پاس رکھنا ہوگا۔ اب تم واپس نہیں جا سکتے کیونکہ یہ آنند لال کی کٹیا ہے۔'' اس کی آواز تیز ہوگئی۔ ''اور میرے پیچھے دیوی کی

''دیکھو مجھے روکنے کی کوشش بے سود ہوگی۔'' میں نے عزم سے کہا۔ ''تم ایک بڑے عالم ہو مگر شاید تمہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ جس پنڈت پجاری نے جذبات اور جوش میں آ کر میرے آڑے آنے اور اپنی بساط سے بڑھنے کی کوشش کی اس کا دھرتی پر کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ وہ سیدھا پرلوک سدھار گیا۔ اگر تم نے بھی ایسی کوئی بات سوچ لی ہے تو اس دھرتی پر یہ تمہاری آخری رات ہوگی۔''

''اوہ......'' اس کا سیاہ چہرہ تیزی سے حرکت کرنے لگا۔ ''وہ اور پجاری ہوں گے۔ میں نے اپنا جیون اسی چھوٹے سے مندر میں گزارا ہے۔ یہ مندر صرف میرے لئے ہے۔ تمہارے سر پر انکا دیوی بیٹھی ہے۔ اس سے پوچھ لو کہ تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو۔'' پھر وہ انکا سے کہنے لگا۔ ''انکا دیوی، اب تم اس کے سر سے اتر جاؤ۔ اگر تم نے کوئی روک کی تو کالی تم سے ناراض ہو جائے گی۔ اپنے مالک کو بتا دو کہ آنند لال کالی سے کتنا قریب ہے۔''

''جمیل!'' سہمی ہوئی انکا بولی۔ ''یہ کئی شاستروں کا ماہر اور ہندو دھرم کا بڑا عالم ہے۔ اس کے ارادے اچھے نہیں ہیں۔ تمہیں جو کچھ کرنا ہے جلدی کرو اور پہل کرو۔ ممکن ہے بعد میں تمہارے پاس اس کے منتر کا توڑ نہ رہے۔''

میں نے توقف کیا اور نہایت مہذب انداز میں آنند لال کو بتایا کہ اب تک بدری نرائن اور دوسرے پنڈتوں، پجاریوں نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ ان لوگوں کا ساتھ دے رہا ہے جو دھرم کے نام پر بٹا لگاتے ہیں۔ میں نے اپنے بارے میں مختصراً ساری باتیں کیں لیکن وہ میری باتوں سے ذرا بھی متاثر نہ ہوا۔ اس نے ایک ایک کر کے میرے جرم گنانے شروع کر دیئے۔ ہندوستان کے ان پجاریوں نے مجھے گھیرنے کے لئے ایک جال سا بن لیا تھا۔ میں نے آنند لال سے کہا۔ ''تم لوگ باز نہیں آؤ گے۔ میرے گرو کی آتما دیکھ رہی ہوگی کہ میں نے ہر موقع پر پہلوتہی کی تھی لیکن یہ اجتناب میرے کسی کام نہ آیا۔ آنند لال، کیا تمہیں کچھ اور کہنا ہے؟''

آنند لال میری جرأت پر حیران سا ہوا لیکن دوسرے ہی لمحے سنبھل کر بولا۔ ''یہی پرشن (سوال) میں بھی تم سے کرتا ہوں۔''

''میں صرف اتنی بات کہوں گا کہ تم مجھے جانے دو۔ یہ دیواریں جو تم نے میرے آگے پیچھے کھڑی کر دی ہیں، انہیں مسمار کر دو۔ یہ آگ جو تم نے جلائی ہے، اسے بجھا دو۔''

''تم اب ان دیواروں سے باہر قدم نہیں رکھ سکتے اور یہ آگ تمہارا شریر بھسم کرنے کے لئے ہے۔ اگر تم نے اپنے آپ کو میرے حوالے کرنے سے انکار کر دیا تو تم اس پوتر آگ میں اشنان

''آنندلال!'' میں نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''دیکھو، یہ دیواریں گر رہی ہیں چاروں طرف اپنی انگلی گھمائی پھر میں نے اس پوتر آگ پر تھوک دیا۔ وہ بجھ گئی۔

آنندلال نے پھر وہی وتیرہ اختیار کیا جس کا میں عادی ہو گیا تھا۔ اس نے شدید ترین حربے اس نے کالی کا نام ایک دباؤ اور گرج کے ساتھ لیا اور وحشیانہ انداز میں مندر کی طرف دیکھا سے آناً فاناً سلگتے ہوئے لوبان کا برتن اٹھا لایا اور اس کی راکھ کی ایک چٹکی اس نے میرے جسم پر پھینکی اس کا مقصد یہ تھا کہ میرا جسم اس سلگتی راکھ سے سیاہ ہو جائے اور اس پر بدنما دھبے پڑ جائیں اور میں کیفیت سے دوچار ہو جاؤں لیکن اسے اپنے منتر میں کوئی کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ راکھ اڑی تو ایک زور کی پھونک ماری۔ آنندلال اپنے اس عمل میں ناکام ہو کر الٹی سیدھی حرکتیں کرنے لگا۔ بچنے کے لئے میں نتیجے کی طرف آتا ہوں۔ وہ کبھی ترچھا ہوا کبھی ٹیڑھا۔ اس کے جسم پر لرزہ طاری میں اس کے سامنے ایک پہاڑ کی طرح کھڑا تھا۔ وہ گیانی دھیانی پجاری اپنے حملوں میں دو دو ہوتا رہا۔ ایک تو انکا میرے سر پر بیٹھی اس کے حملوں کا توڑ کر رہی تھی۔ دوسرے میری ہر مزاحمت رہی تھی۔ مجھے پتا نہیں تھا کہ میرے ہاتھ خود بخود کیسے اٹھ رہے ہیں۔ ''آنندلال!'' میں مخاطب کیا۔ ''اب میرے جانے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہی لیکن چلتے چلتے میں تمہیں ایک نصیحت جاتا ہوں۔ اپنے تمام پنڈتوں کو بتا دینا کہ وہ اس دنگے فساد سے باز آجائیں۔''

''مہاراج!'' آنندلال ایک دم میرے قدموں میں گر پڑا۔ ''مہاراج! مجھے شما کر دیجئے عاجزی سے بولا۔ ''مجھے بھی اپنے ساتھ لئے چلئے۔ میں آپ جیسے دھرماتما کے ساتھ رہوں گا تو دن پلٹ جائیں گے۔''

''تمہارے علم میں ابھی گند ہے۔ علم تو صاف اور سچا ہوتا ہے آنندلال۔ میں تمہاری سانس بند کر سکتا ہوں لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔ یہ بات یاد رکھنا۔'' پھر میں نے اس سے کوئی کی اور تیزی کے ساتھ شہر کی طرف چل پڑا۔ آنندلال دور تک میرے ساتھ آیا۔ میرے گڑگڑاتا رہا لیکن جب میں شہر کی حدود میں داخل ہوا تو وہ آگے نہ بڑھ سکا۔ آگے حضرت علاقہ شروع ہو جاتا تھا۔

رکن الدین کی حویلی پر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ دربان جاگ رہا تھا۔ میری آہٹ دروازہ کھول دیا۔ اپنے کمرے میں جا کر میں نے غسل کیا۔ سید سے ملاقات نہ ہونے کا مجھے میں نے آنکھیں میچ لیں۔ انکا بھی کسی سوچ میں گم تھی۔ یکایک مجھ پر وحشت طاری ہوئی اپنے کپڑے اتار دئے اور صرف زیر جامے میں ایک کونے میں بیٹھ کر اپنا ذہن یکسو کیا۔ کھائے پیے، ہلے جلے بغیر اسی طرح گزر گئے۔ یقیناً بہت سے لوگ میرے کمرے میں آئے

شدید وہ میری ہیت اور میرا انہماک دیکھ کر واپس ہو گئے ہوں گے۔ انکا نے بھی مجھے بیدار کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ تیسرے روز ایک قلندرانہ نعرہ سن کر میرا انہماک ٹوٹ گیا۔ باہر سے سید کی آواز آرہی تھی۔ میرے جسم پر کپڑے نہیں تھے اور بال بکھرے ہوئے تھے۔ صرف ایک زیر جامے میں ملبوس تھا مگر اسی حال میں حویلی سے باہر بھاگا۔ رکن الدین، جمیلہ اور طلعت تو حویلی ہی میں ٹھہر گئیں لیکن رکن الدین مجھے برابر آوازیں دیتا رہا۔ ''تم نے سید کو کہیں دیکھا ہے؟ ابھی اس کی آواز آئی تھی۔'' میں نے وحشت کے عالم میں رکن الدین سے پوچھا۔

''جمیل صاحب! یہاں تو سید آئے ہی نہیں۔ نہ میں نے ان کی لاٹھی کی آواز سنی۔ نہ میں نے ان کا نعرہ سنا۔ آپ کو وہم ہو گیا ہے خدارا گھر چلئے، کپڑے پہن لیجئے۔ سید اسی شہر میں نظر آتے ہیں۔ وہ آپ کو مل جائیں گے۔'' رکن الدین نے میرے کاندھے جھنجھوڑ کر کہا۔

''سید کہاں ہیں؟'' میں نے اس کا ہاتھ اپنے کاندھے سے ہٹاتے ہوئے کہا۔ ''مجھے ان کی تلاش ہے۔ سید کہاں ہیں؟'' میں نے سڑک پر دوڑنا شروع کر دیا۔ لوگ حیرت سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

''سید، سید۔ میری بات سنو۔ میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ میرے سامنے آؤ۔'' پھر میں ہذیان بکتا ہوا گلیوں میں بھاگ رہا تھا کہ مجھے دو تین آدمیوں نے پکڑ لیا۔ وہ پولیس کی وردی میں ملبوس تھے۔ میں نڈھال ہو کر ایک سپاہی کے کاندھے پر جھک گیا۔ ''سید کہاں ہیں؟'' میں نے پاگلوں کی طرح پوچھا۔

''کون سید؟'' ایک سپاہی نے میرے جسم پر دھپ لگاتے ہوئے کہا۔

رکن الدین جو میرے پیچھے پیچھے بھاگتا ہوا یہاں تک پہنچ گیا تھا، ہانپتے ہوئے بولا۔ ''وہی مجذوب کامل پیر و مرشد جو یہاں سڑکوں پر عموماً نظر آتے ہیں۔''

''وہ..... وہ پاگل، وہ گندہ آدمی۔''

''وہ بہت پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔'' رکن الدین نے ناراض ہو کر کہا۔ ''ان کے متعلق ایسی بات کہئے۔''

''ہاں ہاں۔'' سپاہی نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''ایک پاگل دوسرے پاگل کی تلاش میں ہے۔''

''یہ پاگل نہیں ہیں۔'' رکن الدین جھلا کر بولا۔ ''یہ جمیل احمد خان صاحب ہیں۔ میرے مہمان ہیں۔ ان پر ایسے دورے پڑتے رہتے ہیں۔''

''جمیل احمد خان صاحب!'' سپاہی زیر لب بڑبڑایا۔ ''تو پھر اپنے مہمان کو باندھ کر رکھا کیجئے۔ ہماری محنت کیوں غارت کراتے ہیں؟''

''ٹھیک ہے جناب۔ میں انہیں لے جاتا ہوں۔'' رکن الدین نے کہا۔ ''آئیے جمیل صاحب! ڈھونڈوں گا۔ آئیے میرے ساتھ گھر چلئے۔''

میں نے ویران آنکھوں سے اسے دیکھا اور خاموشی سے اس کی انگلی پکڑ کر چلنے لگا۔ گ
جمیلہ اور طلعت کو سامنے دیکھ کر مجھے پشیمانی سی ہوئی۔ تمام لوگ پریشان تھے۔ رکن الدین نے فو
ہٹا دیا اور مجھے میرے کمرے میں لے جا کر چھوڑ دیا۔ انکا اس تمام ہنگامے میں محض ایک خاموش
بنی رہی تھی۔ میں چار پانچ روز تک اپنے کمرے ہی میں بند رہا۔ جمیلہ اور طلعت میرا کھانا مجھے کمر
پہنچا دیتیں اور مجھ سے میرا حال چال پوچھ کر چلی جاتی تھیں۔ میرا دماغ تندور میں رکھا ہوا تھا او
عجیب کرب، عجیب ہیجان طاری تھا۔ دل کی دھڑکن رکنے ہی میں نہ آتی تھی۔ اس دیوانگی اور ویرا
نہ معلوم کتنی راتیں بیت گئیں۔ جمیلہ گھنٹوں میری خدمت میں لگی رہتی۔ وہ کبھی میرے سر میں تیل
کبھی پاؤں دبانے لگتی لیکن میں مبہوت آنکھیں پھاڑے چھت گھورتا رہتا۔ جمیلہ نے بمبئی کی با
ڈاکٹر کی لڑکی پریم کا ذکر کر کے میرا سکوت توڑنے اور منتشر کرنے کا حربہ آزمایا لیکن میں اسے صر
ہوں میں جواب دیتا رہا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ میرے دماغ پر کیسی بجلیاں گر رہی ہیں۔ سارے ج
ایک جھنجناہٹ سی ہوتی تھی۔ ایک لرزہ، ایک رعشہ، ایک خوف، ایک ذہنی انتشار کا اس سے برا دور مجھ
نہیں گزرا تھا۔ کبھی جب مجھے بہت الجھن ہوتی تو حویلی سے باہر آ کر کسی ایسے شخص کی طرح
کھدروں کی تلاش کرنے لگتا جیسے میری ریزگاری گر گئی ہو۔ سیّد کسی کونے کھدرے میں موجود نہیں تھا

اسی کیفیت میں پندرہ دن گزر گئے۔ میں جہاں کہیں جاتا، رکن الدین مجھے گھر واپس لے
سائے کی طرح میرا تعاقب کرتا جیسے میں کوئی بچہ ہوں، کہیں کھو نہ جاؤں۔ وہ بھی سیّد کی تلاش میں
اسے کسی طرح پتا نہ چل سکا کہ سیّد کہاں ہے۔ اس نے حضرت گیسو درازؒ کے مزار مبارک پر حاضر
اور وہاں کے نواح میں سیّد کی تلاش میں خاصا وقت صرف کیا مگر بے سود۔ آخر ایک دن میری حالت
متاثر ہو کر اس نے مجھ سے حضرت گیسو درازؒ کے مزار پر چلنے کے لئے اصرار کیا۔ میں نے ا
جواب نہیں دیا۔ وہ خاموش ہو گیا۔ اس وقت انکا خاصے دنوں بعد مجھ سے گویا ہوئی۔ ”جمیل! ک
یہیں رہنے کا ارادہ ہے؟“

”کیوں؟ کیا یہاں تمہیں کوئی تکلیف ہے؟“ میں نے بے دلی سے پوچھا۔

”نہیں لیکن ہم ان لوگوں پر بوجھ بنے ہوئے ہیں۔“ انکا نے کہا۔

”بوجھ...... ہاں میں نے اس کے متعلق تو سوچا ہی نہیں تھا۔ تم ٹھیک کہتی ہو۔ اب ہمیں یہ
چلنا چاہئے مگر ہم جائیں کہاں؟ ہر سمت راستوں میں پتھر پڑے ہوئے ہیں۔ مجھے اب بہت ڈر
ہے۔“

”یہ جگہ محفوظ تو ہے مگر یہاں تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں رہتی۔“ انکا نے اداسی سے کہا
کلدیپ کے استھان پر پنڈتوں پجاریوں کا ابھی تک گھیرا ہے۔ کلدیپ نے جاپ بھی ختم نہیں

کیا ہے۔“
”تو پھر میں کیا کروں؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔“
”ہمیں بہر حال کلدیپ کا جاپ ختم ہونے کا انتظار کرنے پڑے گا۔“ انکا نے کہا۔ ”تمہاری
ے میں بھی گھبرا گئی ہوں۔“
”تم باہر چلی جایا کرو، جمیلہ کے سر پر، طلعت کے پاس یا کہیں اور جہاں تم چاہو۔“ میں نے کہا۔
”تمہیں چھوڑ کر کہیں جانے کو جی نہیں چاہتا۔ پرانے دن یاد آتے ہیں۔ لندن کا خیال دل و دماغ
گھومتا ہے۔ جین اور سارا کی یاد آتی ہے مگر تم سے تو اب بات کرتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے۔“ انکا نے

”انکا۔ میں تم سے کس طرح کہوں۔“ میں نے چڑ کر کہا۔ ”مجھے اپنے سر پر تمہارا بوجھ ایک ذمے
کی طرح محسوس ہوتا ہے لیکن نہ جانے مجھے کیا ہو گیا ہے۔ جس دن سے وہ مجذوب گیا ہے، میرے
ے برابر دھواں اٹھ رہا ہے۔“

”تم اسے کیوں تلاش کرنا چاہتے ہو؟“

”مجھے نہیں معلوم۔“ میں نے جواب دیا۔

ابھی میں اور انکا یہ باتیں کر رہے تھے کہ رکن الدین حیران و پریشان کمرے میں داخل ہوا۔ ”
صاحب! ہم اس وقت سخت خطرے میں ہیں۔ حویلی پولیس نے گھیر لی ہے۔ وہ آپ کو اور میری بچی
کو طلب کر رہے ہیں۔ میں نے انکار کر دیا تھا کہ وہ دونوں گھر پر موجود نہیں ہیں مگر وہ میری بات ماننے
کے لئے تیار نہیں اور حویلی کی تلاش لینا چاہتے ہیں۔“ رکن الدین بے حد سراسیمہ تھا۔

”پولیس...... وہ کیا کہتے ہیں؟“ میں نے تعجب سے پوچھا۔

”وہ کہتے ہیں کہ آپ اور ناہید یعنی جمیلہ بمبئی کے ایک دہرے قتل کے سلسلے میں مطلوب ہیں۔ ان
لہجہ بہت سخت ہے۔ وہ بات بات پر دھمکیاں دے رہے تھے۔ بتائیے میں کیا کروں؟ یہ کیسی مصیبت
ہے؟ میں نے حیدر آباد اس لئے چھوڑ دیا تھا کہ ذلت و خواری کی تاب نہیں لا سکتا تھا اس بار تو پولیس
گھر پر آ گئی ہے۔ اب میں جرگے میں بھی آنکھ نہیں اٹھا سکتا۔“ رکن الدین کی آنکھوں میں آنسو
ئے۔

”ان کی تعداد کیا ہے؟“ میں نے سرد مہری سے پوچھا۔

”بیس پچیس سپاہیوں کا ایک مسلح دستہ باہر موجود ہے۔“

”ایک لمحے ٹھہریئے۔“ میں سوچنے لگا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ انکا نے مجھ سے کہا کہ اگر میں
اجازت دوں تو وہ باہر جا کر پولیس والوں کو منتشر کرنے میں کامیاب ہو جائے گی لیکن اس بات میں رکن

الدین کی رسوائی تھی کہ اس کے گھر کے باہر پولیس میں خون خرابا ہوا اور اب جب کہ گلبرگہ کی پولیس کو خبر ہو چکی تھی تو ہم کب تک اس سے روپوش رہ سکتے تھے؟ چند لمحوں میں، میں نے یہ فیصلہ کر لیا۔
"فکر کی کوئی بات نہیں۔ ان سے کہہ دیجئے کہ آپ ناہید نامی کسی لڑکی کو نہیں جانتے البتہ جمیل احمد اتفاق سے گھر پر موجود ہے۔" میں نے رکن الدین کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "میں گرفتاری دینے کو تیار ہوں۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں جمیل صاحب! کیا آپ سنجیدہ ہیں؟ خدا کے لئے کوئی اور راہ نکالئے۔" رکن الدین بدحواسی سے بولا۔

"میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، آپ ان سے کہہ دیجئے۔"

"ٹھہریئے۔" رکن الدین نے سہم کر کہا۔ "مگر انہوں نے پھر بھی جمیلہ کے لئے گھر کی تلاشی لی تو میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔"

"میں جو کہتا ہوں، آپ ان سے کہہ دیجئے۔" میں نے اپنی بات دہرائی۔

رکن الدین کچھ اور کہنا چاہتا تھا لیکن میرا مضبوط لہجہ دیکھ کر وہ کچھ نہیں بولا اور میرے کمرے سے چلا گیا۔

میں نے انکا کو اشارہ کیا کہ وہ جمیلہ کے سر پر چلی جائے اور اسے فوراً یہاں لے آئے۔ میرے سر سے اتر گئی۔ میں نے کمرے کے گرد اپنی انگلی سے دائرہ کھینچا۔ تھوڑی دیر میں جمیلہ روتی ہوئی کمرے میں آ گئی۔ میں نے اسے دلاسا دیا اور کہا کہ وہ اسی کمرے میں رہے۔ وہ یہاں ہر طرح محفوظ ہے۔ اسے یہاں سے کوئی نہیں لے جا سکتا۔ اسی وقت صحن میں سپاہیوں کے جوتوں کی کھٹ کھٹ کی آواز سنائی دی۔ جمیلہ بہت ہراساں نظر آ رہی تھی لیکن میرے چہرے پر اضطراب کی کوئی علامت نہ تھی۔ میں نے پلنگ پر بیٹھ کر جمیلہ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ وہ سسک پڑی۔ اسی وقت دو تین سپاہی افسر کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے پستول تان لیا۔ "جمیل احمد خان تمہی ہو؟" افسر نے گرج کر پوچھا۔

"ہاں میرا نام یہی ہے۔" میں نے مطمئن لہجے میں جواب دیا۔

رکن الدین کانپ رہا تھا اور جمیلہ کو میرے کمرے میں دیکھ کر اس کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی۔

"وہ لڑکی ناہید کہاں ہے؟"

"میں نہیں جانتا۔" میں نے الجھ کر کہا۔

"ہم تم دونوں کو گرفتار کرنے آئے ہیں۔ ناہید کو بھی ساتھ لے چلو۔ اسے ہم سے چھپانا ٹھیک نہ ہوگا۔"

"جہاں تک میرا تعلق ہے، میں گرفتاری کے لئے حاضر ہوں لیکن ناہید یہاں نہیں ہے، وہ بمبئی میں ہو گی۔"

"خیر اسے ہم تلاش کر لیں گے۔" انہوں نے میرے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "وہ باہر نہیں جا سکتی، ہم نے پوری حویلی محاصرے میں لے رکھی ہے۔ ہم ایک ایک کمرے اور تہ خانے کی تلاشی لیں گے۔" ناہید ان کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی لیکن ان کی نظر اسے دیکھنے سے قاصر تھی۔ رکن الدین یہ کیفیت دیکھ کر حواس باختہ تھا۔ اس کے گھر میں یہ پہلا کرشمہ تھا۔ وہ خوف زدہ تھا کہ کہیں ناہید پر پولیس والوں کی نظر نہ پڑ جائے۔ خود ناہید بھی ایک طرف دبکی بیٹھی تھی۔

"آپ ہمیں کس جرم میں گرفتار کرنے آئے ہیں؟"

"تم دونوں بمبئی پولیس کو ایک دہرے قتل کے سلسلے میں مطلوب ہو۔ بمبئی پولیس نے ہم سے درخواست کی تھی کہ ملزم گلبرگہ میں موجود ہے۔" پولیس افسر نے میرے اطمینان کو دیکھ کر وضاحت کرنا ضروری سمجھا۔

"میں اس جرم سے انکار کرتا ہوں۔"

"یہ بات تم بمبئی پولیس کو بتانا۔" اس نے سپاہی کو اشارہ کیا کہ وہ میرے ہاتھ میں ہتھکڑی ڈال دے۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ "ویسے آپ یہ شوق پورا کرنا چاہتے ہیں تو میں تیار ہوں۔"

سپاہی ہتھکڑی لگانے کے لئے آگے بڑھا لیکن پولیس افسر نے اسے روک دیا۔ میں نے چلتے چلتے رکن الدین کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ اس نے عقیدت سے میرے ہاتھ چوم لئے۔ "آپ...... آپ، خدا کی قسم ہم آپ کے بغیر کسی لمحہ سکون سے نہیں رہ سکیں گے۔"

"میں آ جاؤں گا۔ گھر کی طرف دھیان رکھنا اور سید ملے تو کہہ دینا کہ میں دل میں اس سے ملاقات کا ارمان لئے چلا گیا۔"

باہر آ کر افسر نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ تمام کمروں کی تلاشی لیں۔ سپاہی پوری حویلی میں بکھر گئے۔ افسر اور چند سپاہی دیوان خانے میں بیٹھ کر سپاہیوں کا انتظار کرنے لگے۔ اس اثنا میں پولیس افسر نے پوچھا۔ "تم گلبرگہ کب آئے؟"

"میں یہاں کسی سوال کے جواب دینے کا پابند نہیں ہوں۔" میں نے کہا۔

"اچھا!" وہ ہونٹوں پر زبان پھیر کر میری صورت دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم مجھے دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہو۔"

سپاہی پوری حویلی کی ناکام تلاشی لے کر رکن الدین کے سامنے دیوان خانے میں آ کر کھڑے ہو گئے۔ افسر نے تحکمانہ لہجے میں ان سے پوچھا۔ ''تم نے کوئی گوشہ چھوڑ تو نہیں دیا؟''

''نہیں جناب۔ ہم نے پورے مکان کی تلاشی لے لی ہے۔ لڑکی موجود نہیں ہے۔ البتہ رکن الدین کی بیگم اور اس کی لڑکی طلعت موجود ہے۔''

''کہیں وہی تو جمیلہ نہیں ہے؟'' پولیس افسر نے پوچھا۔

''نہیں جناب۔ وہ لڑکی گلبرگہ کے اسکول میں زیر تعلیم ہے۔ میں نے اپنی انکوائری کر لی ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ فی الحال ہم اسی کو لئے چلتے ہیں۔'' پولیس افسر نے میری طرف اشارہ کر کے کہا۔

چند سپاہیوں نے میرے گرد گھیرا ڈال دیا۔ میں ان کے درمیان چلنے لگا۔ رکن الدین بری طرح رو رہا تھا۔ میں نے اسے سلام کیا اور پولیس کی حراست میں حویلی کے باہر کھڑی ہوئی جیپ میں بیٹھ گیا۔ باقی پولیس والے ایک بڑی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ رکن الدین حویلی کے باہر دور تک دوڑتا ہوا آیا لیکن جیپ کی رفتار کا ساتھ نہ دے سکا۔ میں ان سپاہیوں کے ساتھ ایک سڑک سے گزر رہا تھا کہ مجھے راستے میں سیّد مجہول انداز میں بیٹھا ہوا نظر آ گیا۔ میں نے پہلو بدل کر پوری قوت سے اسے پکارا۔ ''یا مرشد!''

میری آواز پر سیّد نے گردن گھمائی۔ اس کے منہ سے بے ساختہ ایک قہقہہ نکلا۔ میں نے زور دے کر کہا۔ ''میں جا رہا ہوں لیکن اب تمہاری باری ہے۔''

اس کی بلند آواز مجھے دور تک آتی محسوس ہوئی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''جا جا۔ میں اس کا خیال رکھوں گا۔''

جیپ کی رفتار میں تیزی آ گئی اور پولیس افسر نے مجھے حکم دیا۔ ''خاموش بیٹھے رہو۔''

سیّد نظروں سے اوجھل ہو گیا اور پولیس افسر کے خاموش رہنے کے حکم پر عمل کرتے ہوئے میں وہیں بیٹھے بیٹھے آنکھیں بند کر لیں۔ انکا میرے سر پر پھدک رہی تھی۔ مجھے آنکھیں بند کئے ہوئے کافی وقت گزر گیا۔ جیپ اونچے نیچے راستوں پر تیزی سے دوڑ رہی تھی۔ میں نے اپنے اندر کی آنکھیں کھول رکھی تھیں۔ اس خاموشی سے اکتا کر پولیس افسر نے (جو انسپکٹر تھا) مجھے مخاطب کرنے کی کوشش کی۔ ''تم اتنے خطرناک آدمی تو معلوم نہیں ہوتے۔''

میرے لبوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ مجھے خاموش دیکھ کر انسپکٹر نے نرمی سے کہا۔ ''تم بات کر سکتے ہو۔'' پھر وہ کچھ ہچکچاہٹ کے بعد کہنے لگا۔ ''میرا نام سیّد غوث ہے۔ کہیں تمہارے ساتھ دھوکا تو نہیں ہو رہا؟''

''نہیں۔'' میں نے بے دلی سے جواب دیا۔ ''میرا نام جمیل احمد خان ہے۔ میں ہی انہیں مطلوب ہوں۔ تم نے صحیح آدمی کو پکڑا ہے۔''

''نہیں، میرا مطلب یہ نہیں ہے۔'' انسپکٹر جھجک کر بولا۔ ''کیا یہ تمام الزامات صحیح ہیں کہ تم نے قتل کئے ہیں، عرصے سے پولیس تمہاری تلاش میں ہے اور تم انہیں ہر بار جل دے کر فرار ہو جاتے رہے ہو۔ مجھے تو تم ایسے آدمی نظر نہیں آتے۔ تم ایک تعلیم یافتہ اور مہذب شخص معلوم ہوتے ہو۔''

''کیا تعلیم یافتہ اور مہذب لوگ جرم نہیں کرتے؟'' میں نے اسے مسکرا کر دیکھا۔

میرے اس اعتماد سے وہ حیرت میں ڈوبا ہوا تھا۔ ''تو گویا تم اعتراف کر رہے ہو؟'' اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

''میں اگر انکار کر دوں تو کیا تم مجھے چھوڑ دو گے؟''

''نہیں۔'' اس نے تیزی سے جواب دیا۔ ''میں عدالت نہیں ہوں۔''

''تو پھر ہمدردی کیوں کرتے ہو؟ ایک اچھے پولیس افسر کو ان باتوں سے دور رہنا چاہئے۔ اسے سخت اور بے رحم ہونا چاہئے۔''

انسپکٹر کے چہرے پر سختی آ گئی، وہ مستعد ہو کر بولا۔ ''مجھے تمہارے مشوروں کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے نام کی ساخت نے مجھے کچھ کریدنے پر اکسایا تھا۔''

''کیا یہ ضروری ہے کہ میں تمہارے ہر سوال کا جواب دوں؟''

''نہیں۔'' وہ کسمسا کر بولا۔

''تو پھر میں خاموش رہنا چاہتا ہوں۔'' میں نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔

''میری زندگی میں یہ ایک عجیب تجربہ ہے۔ میں نے کسی مجرم کے چہرے پر اتنا اعتماد نہیں دیکھا۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے بولا۔ ''تم مجھے ایک بے حد عجیب آدمی نظر آتے ہو۔ تم مسلمان ہو اور حالات سے تھکے ہوئے معلوم ہوتے ہو۔ اس وقت تو میں کچھ نہیں کر سکتا لیکن بعد میں تمہارے کام آ سکتا ہوں بشرطیکہ تمہارے مقدمے میں کوئی جان ہوئی۔ سنو، میں حضور نظام تک بات پہنچوا سکتا ہوں۔''

''سیّد غوث!'' میں نے آنکھیں بند کئے کئے کہا۔ ''تمہاری ہمدردی کا بہت بہت شکریہ۔ مجھے اپنی زندگی میں ان گنت پولیس افسروں سے واسطہ پڑا ہے لیکن میں نے تمہارے جیسا مخلص اور شریف النفس آدمی نہیں دیکھا۔ تم پولیس کی ملازمت کے لئے موزوں نہیں ہو۔ تم ابھی نوجوان ہو، ایسی ہمدردیاں کرو گے تو ترقی رک جائے گی۔''

''جمیل احمد خان!'' انسپکٹر جز بز ہو کر بولا۔ ''میں صرف ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ اس کا جواب تم ہاں یا نہیں میں دے دو۔''

''کہو۔'' میں نے ملائمت سے کہا۔

''کیا قتل و غارت اور خون خرابے کا الزام تم پر صحیح ہے؟ مجھے یقین ہے، تم صحیح جواب دو گے۔''

''تم نے صرف ہاں یا نہیں کی شرط عائد کردی ہے۔ اس سوال کا جواب اس طرح نہیں دیا جا سکتا''

''میں نے بے نیازی سے کہا۔

''تو پھر تم جس طرح چاہو۔ میں تمہاری ذات میں اپنی دلچسپی ختم نہیں کرسکتا۔'' انسپکٹر نے اپنے کے لہجے میں کہا۔

''یہ ایک بہت طویل سرگزشت ہے۔ مجھ سے قتل ہوئے ہیں اور میں خود کئی بار قتل ہوا ہوں۔ یہ کہانی ایسی نہیں ہے کہ میں تمہیں سرسری طور پر یہاں سناسکوں اور تم یقین کرلو۔''

''میں تمہاری ہر بات کا یقین کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن صاف صاف باتیں کرو۔'' انسپکٹر بے تابی سے کہا۔

''تمہارا دماغ پھٹ جائے گا۔ میں صرف ایک بات کہوں گا۔ اگر تم میری جگہ ہوتے تو تمہیں شخص بھی سامنے نظر آتا، تم اس کا نرخرا دبا دیتے۔'' میں نے کسی قدر تلخی سے کہا۔ ''یہ اتنا بڑا ملک ہے۔ تم جانتے ہو کہ یہاں ایک جگہ بھی میرے لئے سکون کی نہیں ہے۔ میں لندن گیا، تبت گیا اور جب واپس آیا تو وہ پھر میرے پیچھے پڑ گئے۔''

''میں سمجھ رہا ہوں، بس اتنی بات میرے لئے کافی ہے۔'' انسپکٹر جوشیلے انداز میں بولا۔ ''کاش میرے پاس عدالت کی طرح فیصلے بدلنے کی قوت ہوتی۔ میں تمہارے ساتھ بمبئی چلتا لیکن فی الحال حیدر آباد میں تمہیں ان کے حوالے کردوں گا اور بعد میں رخصت لے کر بمبئی میں آؤں گا۔ میں نے میں تعلیم حاصل کی ہے۔ وہاں میرے کئی دوست ہیں، وہاں تمہیں تنہائی محسوس نہیں ہوگی۔''

''تم وہاں آ کر نقصان اٹھاؤ گے، تم نہیں جانتے کہ میرا معاملہ کس قدر کٹھن اور پیچیدہ ہے۔ میں اب کوئی اور ہنگامہ نہیں چاہتا یہی وجہ ہے کہ میں نے آسانی سے خود کو تمہارے حوالے کردیا ہے۔''

''ورنہ تم کیا کرتے؟'' سید غوث متعجب ہوکر بولا۔

''تم مجھے کبھی گرفتار نہیں کرسکتے تھے۔''

''یہ تمہارا گمان ہے۔ باوردی پولیس کی ایک بڑی تعداد کے علاوہ ہمارے ساتھ سادہ لباس والے بھی موجود تھے۔ تم ہم سے بچ کر کہاں جاتے ہو؟''

''میں اس وقت بھی فرار ہوسکتا ہوں۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

انسپکٹر نے اپنا ہاتھ تیزی سے ہولسٹر پر رکھ لیا پھر فوراً ہٹالیا اور بولا۔ ''حالات نے تمہارا ذہنی توازن بگاڑ دیا ہے۔''

''تم غلط سمجھ رہے ہو، میں پورے ہوش میں ہوں اور جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ کر کے دکھا سکتا ہوں۔ میں تمہیں نادم نہیں کروں گا۔ میں ایسی کوئی کوشش نہیں کروں گا جو تمہاری بدنامی کا باعث ہو۔''

''ہوں!'' وہ گردن جھٹک کر تاسف میں بولا۔ ''بہرحال میں بمبئی میں تم سے ملاقات کروں گا۔ یقیناً میرے مشاہدے اور تجربے میں اضافے کا باعث بنے گا۔''

''ہاں، تمہیں کچھ زیادہ ہی حیرت ناک مشاہدات ہوں گے۔ تم اپنا وقت برباد کرو گے اور کسی وقت مصیبت میں گرفتار ہو سکتے ہو۔''

''دیکھا جائے گا۔ مجھے تمہاری مدد کر کے مسرت ہوگی۔'' نوجوان سید غوث نے عزم کے ساتھ

جیپ سے اتر کر ہمیں گاڑی میں بٹھا دیا گیا۔ راستے بھر میرے ہاتھ کھلے رہے اور انسپکٹر غوث مجھ باتیں کرتا رہا۔

ریل میں ہمارے لئے ایک مخصوص ڈبا تھا۔ اصولاً مجھے سپاہیوں کے ساتھ زمین پر بٹھایا جانا چاہئے لیکن انسپکٹر مجھے اپنے ساتھ سیکنڈ کلاس کمپارٹمنٹ میں لے گیا۔ وہ ایک ضدی اور سرشور نوجوان تھا۔ میری طرح اور زندگی میں پہلی بار ایسا ہوا کہ میں نے کسی مرد کو اپنی عجیب و غریب زندگی کے بعض واقعات سنائے۔ وہ انہیں سن کر ششدر رہ گیا۔ میری الم ناک زندگی، میری روداد غم، اسے کس طرح آتا؟ اس کی متذبذب آنکھیں بار بار کھلتی اور بند ہوتی تھیں۔ ''کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟'' وہ بار بار تھا۔

''ہاں۔ اب میں جھوٹ بولنے سے گریز کرتا ہوں۔''

''کتنے ناقابل یقین واقعات ہیں، تم تو الف لیلہ کا کوئی کردار ہو۔'' وہ ہکلا کر بولا۔

میں نے اسے بہت کم باتیں بتائی تھیں اور جو کچھ بتایا تھا وہ بھی اس وجہ سے کہ وہ مجھے ایک ہمدرد، سچا جوان نظر آتا تھا۔ راستے بھر وہ شش و پنج کی کیفیت میں مبتلا رہا اور مجھ سے کرید کرید کر سوالات کرتا رہا۔ اس کا تجسس بڑھتا ہی جاتا تھا۔ میں نہایت آہستگی، سنجیدگی سے اپنی زندگی کی رازہائے سربستہ بتاتا رہا۔ انکا اس تمام عرصے میں خاموش رہی تھی اور مجھ سے ناراض تھی کہ میں نے اتنے غنیمت موقع پر فرار ہونے کی کوشش نہیں کی لیکن میں انسپکٹر غوث کے اعتماد کو کوئی دھچکا لگانے پر تیار نہیں تھا۔ جب وہ اور میں اکیلے تھے۔ میں کسی وقت بھی اس کا پستول چھین کر اسے بے بس کرسکتا تھا اور کسی درمیان میں اتر کر جنگلوں میں روپوش ہوسکتا تھا۔ ایسے مواقع کئی بار آئے۔ انسپکٹر پر غنودگی کی طاری ہوئی مگر میں نے کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ اس نے کھانا میرے ساتھ کھایا۔ میں ایک ایسا قیدی تھا جو میزبانی کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ اسٹیشن پر دوسرے ڈبے سے پولیس کا عملہ بار بار غوث کی خیریت دریافت کرتا اور میرے ساتھ اس کا حسن سلوک دیکھ کر انگشت بدنداں واپس

ہو جاتا۔

اسٹیشن پر اسٹیشن گزرتے رہے۔حیدرآباد قریب آتا جا رہا تھا۔سیّد غوث کی حالت بھی جا رہی تھی۔اس کا بس چلتا تو وہ خود مجھے راستے سے فرار کر دیتا لیکن نظام شاہی حکومت مجھے حوالے کرنے پر تیار ہو گئی تھی۔حیدرآباد میں انسپکٹر پرشوتم اپنے سپاہیوں سمیت میرا منتظر تھا یہ اطلاع دے دی گئی تھی کہ مجھے کسی مزاحمت کے بغیر گرفتار کر لیا گیا ہے۔اگر سیّد غوث مجھے نظام شاہی پولیس کا عملہ اس کے خلاف گواہی دیتا کہ اس نے عام برتاؤ سے ہٹ کر میرے معمولی سلوک کیا تھا۔حیدرآباد کے قریب وہ بے اختیار میرے گلے لگا۔میں نے اس کی کمر پر مضبوط لہجے میں کہا۔ ''سیّد غوث۔اپنی آنکھوں کی نمی دور کرو، یہ بات ایک بلند ہمت پولیس شایان شان نہیں ہے۔''

حیدرآباد پہنچ کر مجھے ایک بند گاڑی میں پولیس اسٹیشن لے جایا گیا۔سیّد غوث نے عملے کو کہ وہ میرا خاص خیال رکھے لیکن اس کی ہمدردیاں کب تک میرے ساتھ رہتیں؟ جلد ہی مجھے سے طلب کیا گیا اور ایک بڑے پولیس افسر نے سید غوث کی موجودگی میں مجھ سے سخت سے بات کی۔سیّد غوث اس وقت ہونٹ کاٹ رہا تھا۔کمرے میں بمبئی کا پولیس افسر پرشوتم بھی موجود بڑی کینہ توز نظروں سے میرے سراپا کا جائزہ لئے جا رہا تھا۔میرے عقب میں سنگین بردار سپاہی میرے اور سپاہیوں کے سوا سب بیٹھے ہوئے تھے۔سب بار بار حیرت سے میری صورت دیکھ جیسے ان کے سامنے کوئی عجیب الخلقت شخص کھڑا ہو۔

''تمہارا نام جمیل احمد خان ہے؟'' پولیس افسر نے اپنی آواز میں تحکم اور گرج پیدا کر کہا۔

''یہ سوال مجھ سے بار بار کیا جا چکا ہے۔ہاں۔'' میں نے اکتا کر کہا۔ ''تمہاری ہر بات ہاں میں ہے۔فضول کارروائی سے بچو اور مجھے انسپکٹر پرشوتم کے حوالے کر دو۔''

پولیس افسر نے مجھے گھور کر دیکھا۔ ''بدتمیز۔انسپکٹر پرشوتم! تمہیں اس گستاخ کا خاص پڑے گا۔''

''میں اس کی تواضع اچھی طرح کروں گا، بمبئی پولیس نے میرا انتخاب یقیناً کچھ سوچ سمجھ جناب!'' انسپکٹر پرشوتم نے گردن ہلائی اور مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

انسپکٹر غوث نے کاغذات دستخط کرنے کے بعد پرشوتم کے حوالے کر دئے۔پولیس افسر تلخ جواب کے بعد مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔پرشوتم نہ ہوتا تو وہ میری پیٹھ عریاں کر کے لگواتا۔دونوں انسپکٹروں کے درمیان رسمی جملوں کا تبادلہ ہوا اور پرشوتم نے نظام شاہی حکومت

اس کے سپاہیوں نے جب میرے ہاتھ میں ہتھکڑی لگائی تو سیّد غوث نے مضطربانہ انداز شکریہ ادا کیا۔ پرشوتم سے کہا۔ ''اس کی ضرورت نہیں ہے۔مجھے یقین ہے کہ یہ شخص بے ضرر ہے۔اگر اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا تو کسی شکایت کا موقع نہیں دے گا۔''

سیّد غوث کی اس دخل اندازی پر اس کے افسر نے استہزائی نظروں سے دیکھا اور پرشوتم کے چہرے پر رعونت چھا گئی۔سیّد غوث جھینپ سا گیا۔انسپکٹر پرشوتم نے اپنے سپاہیوں کو اشارہ کیا۔وہ مجھے باہر کھڑی ہوئی دین میں لے گئے۔اسٹیشن پر پرشوتم کے ساتھ سیّد غوث بھی آیا لیکن مجھ سے اس کی کوئی بات نہ ہو سکی۔پرشوتم کے حکم سے میرے پیروں میں زنجیریں ڈال دی گئیں اور مجھے نشست کے بجائے کمپارٹمنٹ کی زمین پر دھکا دے کر بٹھا دیا گا۔چاروں طرف سپاہی مستعد ہو کر بیٹھ گئے اور انسپکٹر پرشوتم انہیں ضروری ہدایات دے کر ایک نشست سے سر ٹکا کر بیٹھ گیا۔وہ اپنے سپاہیوں سے جدا ہونا نہیں چاہتا تھا اس لئے اس ڈبے میں بیٹھا رہا۔گاڑی چلی تو پرشوتم نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

''جمیل تمہارے پیروں اور ہاتھوں میں تکلیف ہو رہی ہوگی؟'' انکا نے میرے کاندھوں پر آ کر کرب سے کہا۔ ''تم یہ سب کیوں برداشت کر رہے ہو؟ کہو تو میں کچھ انتظام کروں؟''

''انکا......ان زنجیروں میں کیا رکھا ہے؟ کیا میری نگاہ کی ایک جنبش انہیں پگھلا نہیں سکتی؟'' میں نے اسے جواب دیا۔

''مجھے معلوم ہے لیکن تم نے کیا سوچ رکھا ہے؟''

''فرض کرو، اگر تم پرشوتم کے سر پر جا کر اسے بے بس کر دیتی ہو اور میں فرار ہو جاتا ہوں تو آئندہ دنوں میں تحفظ کی کیا ضمانت ہے؟''

''جمیل۔کم از کم اس وقت تو تم اس عذاب سے بچ جاؤ گے۔'' انکا بولی۔

''مگر کب تک؟ کیا کوئی شہر ایسا رہ گیا ہے جس کے در و دیوار میری پردہ پوشی کر سکیں؟ چند فیصلے ضروری ہیں۔مجھے یقین ہے کہ کلدیپ جاپ ختم کرنے کے بعد تزئین کی ذمے داریوں سے عہدہ برآ ہو جائے گی۔جمیلہ کو میں نے اس کے گھر پہنچا دیا ہے اور اب وہ سیّد کی امان میں ہے۔چچا جان اپنی جگہ خوش ہیں۔اب میری زندگی میں کیا رہ گیا ہے؟''

''کیا مطلب؟ یعنی تم بالکل مایوس ہو چکے ہو؟''

''میں اب اختتام چاہتا ہوں۔جس دن سے میں نے سیّد کو دیکھا ہے، مجھے ساری چیزیں ہیچ نظر آتی ہے۔کاش سیّد میری جانب ملتفت ہو جاتا۔''

میں نے عالم تصور میں دیکھا۔انکا کے چہرے پر کئی رنگ آئے اور گزر گئے۔سیّد کے ذکر پر وہ بے چین ہو گئی اور مجھ سے کہنے لگی۔

''تمہاری باتیں اب میری سمجھ میں بھی نہیں آتیں، تم کیا چاہتے ہو آخر؟''

''انکا۔ تم سب کچھ جانتے ہوئے بھی انجان بنتی ہو۔ میں نے خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ سید میرے اضطراب پر ایک دن میری جانب ضرور مائل ہوگا۔ میں نے اپنے آپ کو آگ اور خون کے سپرد کر دیا۔ اب مجھ سے کچھ نہیں ہوگا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ کوئی مجھ پر شدید مظالم ڈھائے۔ میں بد سے بدتر حالات کے لئے خود کو تیار پاتا ہوں۔ بمبئی میں میری رسوائیوں کی محفل سجے گی۔ شاید کوئی فیصلہ ہو جائے، نہ بھی ہو تو میں کوئی مزاحمت کرنا نہیں چاہتا۔ در و دیوار سے شعلے اگ رہے ہیں۔ ہندوستان کی وسیع و عریض سرزمین پر میرے لیے قبر کی جگہ بھی ملنی مشکل معلوم ہوتی ہے۔ یہ دن بہت پہلے آ جانا چاہئے تھا لیکن میں اسے ٹالتا رہا۔ ان کا خیال ہے وہ اس شخص کو سزا دیں گے جسے سزاؤں کا ادراک بھی ہوگا۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ موت سے بڑی کوئی سزا نہیں ہے اور موت میرے نزدیک سب سے آسان سزا ہے۔''

''تم الٹی سیدھی باتیں کر رہے ہو۔'' انکا ناراض ہو کر بولی۔

''کیا سوچ رہا ہے؟'' اسی وقت پرشوتم کی آواز گونجی۔

''کچھ نہیں۔ انسپکٹر صاحب!'' میں نے اداسی سے کہا۔ ''کیا سوچوں پر بھی پہرے ہیں؟ تمہارے پاس کوئی ایسی زنجیر نہیں ہے کہ تم میرے دماغ کو بھی اس میں جکڑ لو۔''

''بہت جلد۔ بہت جلد تیرے دماغ اور دل پر بھی تالا ڈال دیا جائے گا۔'' پرشوتم داس نے ہنس کر کہا۔ اس کے ساتھ تمام سپاہی ہنسنے لگے۔

''مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوتا......'' انکا غضب ناک ہو کر بولی۔

''تو تم میرے سر سے اتر جاؤ۔'' میں نے بے رخی سے کہا۔

''اف......اف۔'' انکا نے جھلا کر کہا۔ ''یہ تمہاری توہین ہے۔''

''ایک مجرم کی توہین کیا حیثیت رکھتی ہے؟ انہیں اپنے دل کی بھڑاس نکالنے دو۔'' میں نے دل ہی دل میں انکا سے کہا۔

میری خاموشی پر پرشوتم نے پھر مجھے چھیڑنے کی کوشش کی۔

''سنا ہے تو کچھ شکتیاں بھی رکھتا ہے؟''

''لیکن میں تم پر انہیں استعمال نہیں کروں گا۔ تم چین کی بنسی بجاؤ، جاؤ سو جاؤ۔'' میں نے بے اختیار اسے پکارتے ہوئے کہا۔

''تو اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے حرام زادے!'' پرشوتم اپنی نشست سے اٹھ کر میرے پاس آیا اور اس نے میرے جسم پر ایک شدید ضرب لگائی۔ اس کے جوتے کی نوک میری دائیں پسلی پر پڑی۔ تکلیف سے

برا حال ہوگیا۔ انکا کا پارہ چڑھا ہوا تھا۔ میں نے مسکرا کر ٹالنا چاہا۔ اسی وقت میرے قریب بیٹھے سپاہیوں نے مجھ پر گھونسوں اور لاتوں کی بارش کر دی۔ میں ضبط کیے ان کے وار سہتا رہا۔ انکا سے برداشت نہ ہو سکا۔ اس نے میرے سر پر اپنے پنجے گاڑ کر مجھ سے عجیب طرح کا احتجاج کیا۔ پرشوتم نے آنکھ کے اشارے سے اپنے سپاہیوں کو میرے پاس سے دور کیا اور اپنی نشست پر جا کر ہانپنے لگا۔ ''الو کا پٹھا۔ وہ لوگ اور تجھے ملے ہوں گے، زبان چلاتا ہے۔''

''یہ پرشوتم داس ہیں، سور کی اولاد!'' ایک سپاہی نے زور دے کر کہا۔ ''بڑے بڑے طرم باز خاں انہوں نے سیدھے کر دیئے ہیں۔''

''سالے نے بھنگ پی رکھی ہے، ابھی سارا نشہ اتار دوں گا۔''

دوسرے سپاہی نے کہا۔ اس کے منہ سے گالیوں کا طوفان امڈ پڑا۔

''نارائن! چپ رہو۔'' پرشوتم داس دہاڑا۔ ''اس دشٹ کا کھانا بند کر دیا جائے۔ میں دیکھوں گا، یہ کب تک زبان چلائے گا۔''

''یہ نظام شاہی پولیس نہیں ہے۔ وہ مسلا انسپکٹر کہہ رہا تھا کہ اس کے ساتھ زیادتی نہ کرنا۔ سالے یہ سب مسلے آپس میں ملے ہوتے ہیں۔'' پرشوتم داس نے جھنجلا کر کہا۔

میں خاموش رہا۔ انکا منہ بسور کے میرے سر پر بیٹھی پیچ و تاب کھاتی رہی۔ میری خاموشی نے ان پر کچھ اچھا اثر نہیں ڈالا۔ وہ کچھ اور مشتعل ہو گئے اور جب میں نے اپنی توجہ ہٹانے کے لئے ارتکاز کا عمل شروع کیا تو انہوں نے بھی مجھے ایک سمت آنکھیں مرکوز رکھنے کی سزا یہ دی کہ میرے گالوں پر طمانچے مارتے رہے۔ میں ان کے قدموں میں پڑا ہوا تھا۔ وہ سب اونچی نشست پر ٹھسے سے بیٹھے ہوئے تھے اور مجھے ٹھوکریں مار مار کر ہنستے جا رہے تھے۔ میں ان کے سامنے ایک کھلونا بنا ہوا تھا۔ رات کا کھانا آیا تو انہوں نے ایک ساتھ بیٹھ کر سیر ہو کے کھایا اور مجھ پوریاں، روٹیاں دکھا کر اپنی دانست میں ترساتے رہے۔ پرشوتم نے میری طرف پوری کا ایک ٹکڑا پھینک دیا۔ میں نے اسے نہیں کھایا تو اس کا حکم ملا۔ ''کھا حرام زادے! تجھے بمبئی تک ہمیں زندہ رکھنا ہوگا۔''

''جمیل! میں تمہارے سر سے اتر رہی ہوں۔'' انکا اشتعال انگیز لہجے میں بولی۔ ''میں ان کمینوں کو مزہ چکھاتی ہوں۔''

''نہیں، نہیں۔ پھر یہاں خون ہی خون ہوگا، نندا کی روح گواہ ہے۔ میں اسے گواہ بنانا چاہتا ہوں کہ میں نے کسی موقع پر ضبط کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ میں اس کا لائق شاگرد رہنا چاہتا ہوں۔''

''نندا......نندا......ضبط، برداشت، کبھی نندا، کبھی سید......تم عجب تضاد کا شکار ہو۔'' انکا جھنجھلا کر

’’وہ میری منزل ہیں۔ آئندہ تم ان کے بارے میں کوئی گستاخی نہیں کروگی، سمجھیں؟‘‘

’’ہاں، میں تمہاری کون ہوتی ہوں؟ ٹھیک ہے، برداشت کیے جاؤ۔ ان لوگوں کے ہاتھوں اپنا مذاق اڑواؤ۔ میری بلا سے۔‘‘

’’تم چپ بیٹھی دیکھتی رہو۔‘‘

میں نے ان کے پھینکے ہوئے روٹی کے ٹکڑے اور آلو زمین سے نہیں اٹھائے۔ انہوں نے اٹھانے کا حکم دیا تو میں نے منہ پھیرلیا۔ میں کئی دن بھوکا رہ سکتا تھا۔ تبت میں نندا کے استھان پر بھوکا رہ کر میں نے اپنا جہنم شکم قابو میں کرلیا تھا۔ ان کے قہقہے بڑھتے گئے۔ وہ سبزی میری طرف اچھ لگے گالیوں کا ایک طوفان ان کے منہ سے جاری تھا۔ انسپکٹر پرشوتم سپاہیوں کے درمیان بیٹھا انہیں میں میری خون ریزیوں اور دہشت انگیزیوں کے بارے میں بتا رہا تھا۔ اسے بہت سے واقعات نہیں تھے۔ اس کی گفتگو سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ مجھے ہندو دھرم کا سب سے بڑا دشمن سمجھتا ہے۔ اس کہ میں نے کئی پنڈتوں، پجاریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ میں ان کی باتیں سنتا رہا۔ میرا خیال رات کو کچھ سکون ہو جائے گا۔ وہ سب سو جائیں گے لیکن رات کو انہوں نے تاش کی پھڑ لگا دی۔ ایک سپاہی نے حکم دیا کہ میں انسپکٹر پرشوتم کی ٹانگیں دباؤں۔ میرے واحد ہاتھ میں ہتھکڑی پڑی ہوئی اور اس کا دوسرا سرا ایک سپاہی کے ہاتھ میں تھا۔ میرے پیر زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے۔ ’’اٹھ ...... جا صاحب بہادر کے پیر دبا۔‘‘ ایک سپاہی نے حکم دیا۔

’’نہیں اسے بیٹھا رہنے دو۔ میں اس کے گندے ہاتھ اپنے شریر پر لگوانا نہیں چاہتا۔‘‘ پرشوتم نے تاش کا پتا پھینکتے ہوئے کہا۔

’’نہیں جی۔ اس کے ہاتھ میں کپڑا باندھ دیتے ہیں۔ لے بھئی ذرا ادھر، میری ٹانگیں دبا ادھر آجا۔ صورت کیا دیکھتا ہے؟ سالا کیسی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔‘‘ ایک سپاہی مجھ سے بولا۔ وہ منہ چڑھا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

’’جاؤ اس کی ٹانگیں دباؤ۔‘‘ انکا نے چٹکی لی۔

’’جاتا ہوں۔‘‘ میں اپنی جگہ سے اٹھا۔ زنجیروں کے چھناکے مجھے اپنے دماغ میں پیوست محسوس ہوئے۔ میں نے کسمسا کے پہلو بدلا اور زور سے اپنا پیر زنجیروں پر مارا۔ زنجیریں میرے عمل سے ٹوٹ گئیں۔ وہ تاش میں مگن تھے۔ میں نے پیر سے ایک زنجیر اٹھا کر نارائن کے چہرے پر وہی سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر بول رہا تھا۔ اسی نے مجھے پیر دبانے کا حکم دیا تھا۔ زنجیر دوسرے سپاہیوں کے منہ پر بھی لگی۔ انہوں نے ایک چیخ ماری۔ دو سپاہیوں کے چہرے لہولہان تھے اور نارائن کی کھال اس کے چہرے سے علیحدہ ہوگئی تھی۔ وہ تعداد میں آٹھ تھے۔ پرشوتم کو

نے پستول تان لیے۔ ایک سپاہی نے بڑھ کر مجھے قابو میں کرنے کی کوشش کی۔ میں نے اسے ت پر دھکیل دیا۔ قریب تھا کہ وہ گولیاں چلا دیتے مگر انکا مجھ سے پوچھے بغیر میرے سر سے اتر

ٹھیک اسی وقت ڈبے کی روشنی گل ہوگئی۔ وہ پستول نہیں چلا سکتے تھے۔ ڈبے میں ہاہا کار مچی ہوئی ں نے ایک کونے میں کھڑے ہوکر خود کو مراقبے میں محو کرنے کی ناکام کوشش کی، آخر میرا ہاتھ اور کمپارٹمنٹ روشنی میں نہا گیا۔ یہ ایک لمحے کی مہلت میرے لیے بہت تھی۔ میرا ہاتھ آزاد تھا اور تھی میرے قبضے میں تھی۔ نارائن فرش پر پڑا تڑپ رہا تھا۔ میں نے روشنی میں سر کے بال پکڑ کر اسے دیا۔ میں نے ان کے گرد ہاتھ گھما کر کہا۔

’’چلاؤ گولیاں۔‘‘ وہ حیران وہ سراسیمہ کھڑے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں پستول تھے جن کا رخ طرف تھا لیکن کسی کو پستول چلانے کی جرأت نہیں تھی۔ انکا پرشوتم کو بے ہوش کرکے ایک سپاہی کے بیٹھی مجھے اشارے کررہی تھی کہ میں ان سب کو عبرت ناک سزا دوں؟ میں نے آگے بڑھ کر بڑی سے پستول ان کے ہاتھ سے لے لیے۔ ان پر سکتہ سا طاری تھا۔ وہ سب اپنی جگہ کھڑے رہ گئے۔ پستول میں نے کھڑکی سے باہر پھینک دیئے۔ ’’تم اندھے ہوگئے ہو کیا؟ میں تمہاری زبانیں قلم کر تمہیں آگ کی نذر کردوں؟‘‘ میں نے چیخ کر کہا۔ ’’میں تمہارے ساتھ شرافت سے جارہا تھا۔ تم یہ کیوں کررہے تھے؟‘‘

وہ گھگیانے لگے۔ ایک سپاہی نے جو انکا کے زیر اثر تھا، میرے قدم پکڑ لیے۔ ’’ہمیں اندازہ نہیں مہان جی، ہمیں معاف کردیجئے، آپ چاہیں تو فرار ہوسکتے ہیں۔‘‘

’’فرار...... ہونہہ...... تم سب پاگل ہوئے ہو۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ کتنی بار میں نے تمہیں ہے لیکن پولیس کے عملے میں بےوقوفوں کی کمی نہیں ہے۔ ایک سے ایک حرام الدہر شخص آگے آ ہے۔ یہ سلسلہ کبھی بند بھی ہوگا یا نہیں، میں اس کا اختتام چاہتا ہوں۔ میں تمہارے ساتھ ساتھ چلوں گا اپنے دل کی حسرتیں نکال لو۔‘‘

اپنے قدموں پر کھڑے تھے مگر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ خلا میں کھڑے ہوں، وہ بری طرح لرز تھے اور بار بار مجھ سے معافی مانگ رہے تھے۔ ’’میں بھاگوں گا نہیں۔ تم لوگ اطمینان سے سو میں نے انہیں حکم دیا۔ ان سب نے میرے پیر پکڑ لیے۔

’’آپ نے ہمیں معاف کردیا!‘‘

انہوں نے میرے لیے بستر لگایا اور میری ہتھکڑی کھولنی چاہی۔ میں نے انہیں روک دیا۔ زنجیر ایک ہی نظر میں نیچے گر گئی۔ پرشوتم زمین پر پڑا تھا۔ وہ میرے پاؤں دبانے لگے اور انہوں

نے اصرار کر کے مجھے بستر پر لٹا دیا۔ انکا شگفتہ شگفتہ، شاد ماں شاد ماں میرے سر پر آئی۔ اس نے کے ساتھ مجھے دیکھا مگر کوئی بات نہیں کی۔ نارائن کا خون کمپارٹمنٹ کے فرش پر پھیل گیا تھا۔ انہو فرسٹ ایڈ بکس سے اس کے چہرے پر لیپا پوتی کی اور پرشوتم کو اٹھا کر سیٹ پر دھکیل دیا۔ میں نے پسار لیں۔ گاڑی پوری رفتار سے چل رہی تھی۔ انکا کو جاگنے کی ہدایت کر کے میں سو گیا۔ علی الصباح آنکھ کھلی تو پرشوتم جاگ رہا تھا اور دزدیدہ نظروں سے مجھے گھور رہا تھا۔

تمام سپاہی اطمینان سے سو رہے تھے۔ صرف نارائن کروٹیں بدل رہا تھا۔ پرشوتم مجھ سے چاہتا تھا لیکن الفاظ اس کے حلق میں اٹک گئے۔ میں نے اوپر سے آواز لگائی ''بمبئی قریب آ پرشوتم جی! تم بھی اطمینان سے سو جاؤ۔ میں کہیں بھاگا نہیں جا رہا ہوں۔''

''مہاراج۔ جمیل احمد خان صاحب!'' پرشوتم نے ہمت کر کے مجھے مخاطب کیا۔ ''میں بہت ہوں۔''

کوئی جواب دینے کے بجائے میں نے اپنے چہرے پر چادر تان لی۔ بمبئی کے قریب انہوں ڈرتے ڈرتے مجھے اٹھایا اور تمام تر احتیاط، ادب اور احترام سے مجھے اسٹیشن سے باہر لے آئے۔ پولیس کی وین کھڑی تھی۔ مجھے حوالات میں داخل کر دیا گیا۔ پرشوتم کی ہدایت پر مجھے ایک نفیس پلنگ مہیا کر دیا گیا۔ اس کے بعد میں نے تھانے میں پرشوتم کی صورت نہیں دیکھی۔

ابھی مجھے حوالات میں آئے ہوئے چند گھنٹے گزرے ہوں گے کہ پنڈتوں پجاریوں کا ایک تھانے میں مجھے دیکھنے آیا۔ ان سب کے چہروں پر نفرت تھی۔ ان میں سب سے پیچھے بدری نرائن کن انکھیوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں ایک تماشا بنا ہوا ان لوگوں کے سامنے اطمینان سے بیٹھا ہمارے درمیان کسی جملے کا تبادلہ نہیں ہوا۔ تھانے کا دوسرا انسپکٹر بھی ان کے ہمراہ تھا، وہ لوگ کچھ مجھے نظروں میں تولتے رہے پھر لوہے کی سلاخوں والے دروازے سے ہٹ گئے۔ وہ حیران تھے۔ یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں گرفتار ہو گیا ہوں۔ وہ اپنی آنکھوں سے یہ دیکھنے آئے تھے کہ کیا پولیس نے جمیل احمد خان کو پکڑا ہے؟ جب انہیں یہ خبر ملی ہوگی کہ میں بمبئی پہنچ گیا ہوں تو انہیں قرار نہیں آیا ہوگا۔ تھانے میں دو انسپکٹر کی ڈیوٹی تھی۔ پرشوتم نے شاید دوسرے انسپکٹر مہندر کو تاکید کر دی تھی کہ وہ میرا طور پر خیال رکھے چنانچہ تھانے کا پورا عملہ میری خدمت میں لگا رہتا۔ سپاہیوں کے چہروں پر طاری تھا۔ جو سپاہی حوالات کے دروازے پر تعینات تھے، ان کی کوشش ہوتی کہ کسی طرح خوشنودی حاصل کر لیں۔ ایک دن گزرنے کے بعد حوالات کے دروازے سے ایک سپاہی نے کر میرے پیر پکڑ لیے اور مجھ سے اپنی نوجوان بہن کا پتا پوچھنے لگا جو گزشتہ ایک مہینے سے غائب پیر چھوڑتا ہی نہ تھا، نتیجتاً مجھے اسے بتانا پڑا کہ اس کی بہن کہاں ہے۔ اس نے اپنے ایک آشنا

کے اس کے ساتھ باقاعدہ شادی کر لی تھی اور سورت میں تھی۔ میں نے لڑکے اور لڑکی کا نام بتا دیا۔ ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دینے لگا۔ سورت کا پورا پتا بھی میں نے بتا دیا کہ وہ کون سے محلے اور مکان میں مقیم ہے۔ میرے اس انکشاف کی تصدیق سے پہلے ہی مختلف سپاہیوں نے حوالات آ کر مجھ سے اپنے مسائل پوچھنے شروع کر دیے۔ وہ سب غریب لوگ تھے۔ میں ان کی پریشانیاں رہا اور انہیں مشورے دیتا رہا۔ صرف ایک دن میں تھانے کے عملے میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ میں ایک بہت بڑا پہنچا ہوا آدمی بند ہے، نہ جانے کیا آفت آ جائے؟ سپاہی اپنے اپنے گھر سے عمدہ پکوان لانے لگے۔ میں ان کا دل رکھنے کے لئے چند لقمے لے لیتا۔ اصل میں، مجھے سکون کی تھی۔ دوسرے دن رات کو کچھ سکون میسر آیا۔ تھانے کا سارا عملہ سو گیا تھا۔ میں نے موقع غنیمت تمام رات مراقبے میں گزار دی۔ سورج طلوع ہونے کے بعد پھر وہی ازدحام، وہی خاطر تواضع، پذیرائی شروع ہوگئی۔ حوالات میں اس مزے کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ سلسلہ اس وقت بند ہوا ایک وکیل اور پولیس کے چند اعلیٰ افسروں نے مجھے پرشوتم کے کمرے میں طلب کیا اور مجھ سے میری زندگی کے متعلق سوالات کیے۔ انہوں نے گوپال اور جگدیش کے قتل پر میرا بیان قلم بند کیا اور اس عدالت میں پیش کرنے کے لئے قانونی دستاویز تیار کی۔ میں نے اپنے بیان میں یہ کہا کہ میں نے قتل نہیں کیا۔ انہوں نے حالات ایسے پیدا کر دیئے تھے کہ میں اگر انہیں قتل نہ کرتا تو وہ مجھے نذر کر دیتے۔ میرے پُراسرار بیان پر طرح طرح کے سوالات کیے گئے۔ کسی کو بھی یقین نہیں آتا تھا کہ جو کچھ کہہ رہا ہوں، سچ کہہ رہا ہوں۔ ان کی نظروں میں شک اور خوف تھا، چونکہ انہوں نے زندگی میں ایک ملزم سے ایسی عجیب واردات قتل سنی تھی۔ میں نے ایک ایسا مبہم بیان دیا جس سے انہیں مجھے ت میں پیش کرنے میں آسانی ہو۔ دوپہر تک انہوں نے مجھے اپنے کمرے میں سوالات کے لئے رکھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ میں انگریزی سے نابلد ہوں اسی لیے میرے کسی جواب پر آپس میں انگریزی گفتگو کرتے تھے۔ ایک جگہ میں نے انہیں ٹوک دیا تو وہ سنبھل گئے اور پھر محتاط انداز میں گفتگو کرنے

اسی شام وعدے کے مطابق سید غوث عمدہ سوٹ میں ملبوس مجھ سے ملنے آیا۔ وہ طویل رخصت پر تھا۔ اس نے مجھ سے کسی وکیل کی خدمات حاصل کرنے کے لئے اصرار کیا، گویا وہ سمجھ رہا تھا کہ وہ قانونی موشگافیوں کا جال بچھا کر میری رہائی کا اہتمام کر لے گا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ میں نے سے زچ ہو کر اپنے آپ کو خود عدالت کے حوالے کرنے پر آمادہ کیا ہے، مجھے یہ سن کر ہنسی آئی لیکن کہ کسی اچھے وکیل کی خدمات ضرور حاصل کرے گا۔ اس نے مجھ سے میرے رشتے داروں کے معلومات حاصل کرنا چاہیں۔ میں نے اسے بتایا کہ میں اس دنیا میں تنہا ہوں اور جو لوگ مجھ

سے وابستگی کا دعویٰ کرتے ہیں، میں انہیں اپنے بارے میں کچھ بتانا پسند نہیں کروں گا۔ سیّد غوث کی ہمدردی نے مجھے بہت متاثر کیا۔ وہ حیدرآباد سے چل کر یہاں تک آیا تھا اور ایک ہوٹل میں قیام پذیر تھا۔ میں نے اسے پریم کا پتا دیا کہ وہ میرا نام لے کر وہاں ٹھہر جائے۔ ساتھ ہی میں نے انکا کو ہدایت کی کہ ڈاکٹر کے سر پر جا کر پریم کے گھر میں سیّد غوث کے قیام کے لئے فضا ہموار کرے۔ انکا کسی کام کے منتظر ہی بیٹھی تھی۔ میرا حکم سن کر فوراً چلی گئی۔ سیّد غوث بھی تھوڑی دیر بعد چلا گیا۔ انکا کے جانے کے بعد مجھے ایک ہلکا پن سا محسوس ہوا۔ وہ بار بار مجھے خشمگیں نظروں سے دیکھتی تھی تو مجھے کچھ بار سا محسوس ہوتا تھا۔

اور پھر اپنے ذہن پر میں خود طاری ہوگیا۔ میں جمیل احمد خان میں سوچنے لگا۔ زندگی کتنی عذاب ناک چیز ہے۔ زندگی رہیئے تو زندگی کے بکھیڑوں میں الجھے رہیئے۔ آدمی کیوں پیدا ہوتا ہے؟ زندگی ختم ہو جائے تو کائنات کی حرکت میں کیا فرق واقع ہوگا؟ تمام لوگ پیدا ہوتے ہی کیوں نہیں مر جاتے؟ میرا ذہن الجھا رہا اور ان الجھنوں کے درمیان مجھے سیّد کا چہرہ اپنے روبرو نظر آیا، وہی مستانہ چال، وہی تیز... اس نے زندہ رہتے ہوئے زندگی کا مذاق اڑایا تھا، مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے سید مجھ سے کہہ رہا ہو۔ "احمق۔ زندگی موت ہے، موت زندگی ہے۔ ان دونوں مرحلوں سے آدمی کا گزرنا لازمی ہے کہ موت و زندگی کا فرق سمجھ میں آئے، یہ عالم جسے تو نے سب کچھ سمجھ رکھا ہے۔ یہ عالم اَن گنت مظاہر کی ایک جھلک ہے۔ لفظوں کا فرق ہے۔ موت و زندگی کے غلط معانی اخذ کر لیے گئے ہیں۔" سیّد کا چہرہ دیکھ کر مجھ پر... کی سی کیفیت طاری ہوگئی اور میں حوالات میں بڑبڑانے لگا۔ مجھے اپنے جسم میں سوئیاں سی رینگتی محسوس ہوئیں۔ میرا دل چاہا کہ میں حوالات کی سلاخیں توڑ کر کہیں بھاگ جاؤں لیکن سیّد کی آغوش آسان آغوش نہیں تھی۔ مجھے تذبذب تھا کہ وہ اتنی آسانی سے میرے قریب نہیں آئے گا۔ میرے... میں گناہوں کی پشیمانی تھی۔ چنانچہ جو کچھ ہو رہا تھا، میں اسے ایک عام آدمی کی طرح برداشت کر رہا... یہ لوگ مجھے عدالت میں لے جانے والے تھے۔ اس سے پہلے بھی بمبئی میں مجھ پر مقدمہ قائم ہوا تھا... مشہور بدمعاش کلن نے اپنے کیے کی سزا پائی تھی۔ واقعات خود کو دہرا رہے تھے لیکن اب بہت بڑا... واقع ہوگیا تھا، اب میں پہلے جیسا جمیل احمد خان نہیں تھا۔ میرا نام پرانا تھا، میرا جسم پرانا تھا مگر میرا... اور میرا دل نیا تھا، جو کچھ ہوگا، دیکھا جائے گا۔ غور نہ کیا جائے۔ مزاحمت نہ کی جائے۔ ایک نہتا... پُراسرار طاقتوں کے باوجود کیا کر سکتا ہے۔ مزاحمت سے بے گناہ لوگ لپیٹ میں آ کر مارے جاتے... سو جو کچھ ہو رہا ہے، اسے ہونے دیا جائے۔ سیّد غوث وکیل کی فکر میں تھا۔ میری وکالت... ہندوستان کا کون سا وکیل آمادہ ہوتا؟ لیکن یہ سیّد غوث کے خلوص کی انتہا تھی کہ اس نے ایک... میرے مقدمے کے لئے تیار کرلیا۔ جب وہ میرے پاس اسے لے کر آیا تو وکیل میرے حالات...

...تھا، اس سے مجھ سے فرمائش کی کہ وہ انکا کو اپنے سر پر دیکھنا چاہتا ہے۔ میں نے انکا کو آواز دی۔ ...بت ڈاکٹر کے سر پر تھی۔ سیّد غوث اب ڈاکٹر اور اس کی خوب صورت لڑکی پریم کا مہمان تھا۔ تھوڑی دیر میں انکا آگئی۔ میں نے اسے وکیل انوپ چندر کے سر پر بھیج دیا۔ وکیل کو میری باتوں کا یقین نہیں تھا مگر انکا کے سر پر جانے کے بعد وہ اچھلا اور پھر کہنے لگا۔ "واقعی...... واقعی تم سچ کہتے ہو۔ یہ تو کوئی ...رت ہے۔ میں اسے دیکھ رہا ہوں۔" وہ گھبرا کر بولا۔

سیّد غوث نے بھی اس کے بعد مجھ سے کہا کہ میں انکا کو اس کے سر پر بھیجوں۔ وکیل کے بعد انکا سیّد غوث کے سر پر چلی گئی۔

"کتنی خوب صورت گڑیا ہے۔" وہ منمنایا۔ "آہ۔ اسے تو جیب میں رکھنے کو جی چاہتا ہے۔"

میں مسکراتا رہا۔ انکا میرے سر پر آگئی۔ ان دونوں کی نظروں میں حیرانی تھی۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے انکا کا جلوہ دیکھا تھا اور ساری بات ان کی سمجھ میں آگئی تھی کہ میری طویل اور خون آشام سرگزشت میں انکا کا کتنا دخل ہے۔ میں جو سادہ آدمی تھا، انکا نے، صرف انکا نے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا؟ اسی ایک نکتے سے وہ میرے دفاع کا آغاز کرنا چاہتے تھے۔ حوالات میں مجھے ایک ہفتے تک ٹھہرنا پڑا۔ سیّد غوث اور وکیل بار بار مجھ سے ملاقاتیں کرتے رہے۔ پھر مجھے آٹھویں روز خاص طور پر لگی ہوئی عدالت میں پیش کر دیا گیا۔ ضروری کارروائی کے بعد سرکاری وکیل نے میرے خلاف ایک طویل بیان پڑھ کر سنایا جس میں اس نے میرے بھیانک ماضی کے معلوم اور نامعلوم واقعات سمیٹ کر ایک بہت ہی سیاہ اور مکروہ نقشہ کھینچا تھا اور میری پراسرار طاقتوں کا بھی ذکر کیا تھا۔ اس نے عدالت کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ میں ہندوؤں، پنڈتوں، پجاریوں کا دشمن ہوں۔ میں نے مندروں میں گھس کر دنگا فساد کیا اور کئی پجاریوں کو ختم کر دیا۔ سرکاری وکیل نے بڑھ چڑھ کر الزامات عائد کیے۔ عدالت کی کارروائی فرقہ وارانہ فسادات کے ڈر سے بند کمرے میں خفیہ طور پر جاری تھی۔ یہ اپنی نوعیت کا سب سے عجیب اور دلچسپ مقدمہ تھا۔ ایک پُراسرار مجرم، ایک ایسا شخص جو بار بار پولیس کو چکما دے کر بھاگ چکا تھا۔ وہ اس وقت عدالت کے کٹہرے میں حاضر تھا۔ جج کی مدد کے لئے جیوری بھی موجود تھی۔ جج ایک بہت قد، بزرگ شخص تھا۔ وہ انگریز تھا لیکن ہندوستان بولی روانی سے بولتا تھا۔ جس وقت عدالت میں میرے خلاف فرد جرم پڑھ کر سنائی گئی، اس وقت عدالت پر گہری خاموشی مسلط تھی۔ ہر شخص کا چہرہ مبہوت ...کت تھا۔ سیّد غوث کے پہلو میں پریم بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ میرا وکیل اپنی فائل پر تیزی سے نوٹ لے رہا تھا۔ ہر چند کہ مقدمے کی کارروائی خفیہ طور پر شروع ہوئی تھی لیکن پنڈتوں، پجاریوں کا ایک بڑا گروہ موجود تھا۔ اس میں عموماً زیادہ عمر کے پنڈت پجاری موجود تھے جن کے لئے علیحدہ کرسیاں رکھی گئی تھیں۔ ہری نرائن ان میں موجود نہیں تھا۔ سرکاری وکیل نے مجھے شورہ پشت، مشہور زمانہ بدمعاش، جادوگر، زنا

کار، اغوا اور قتل کے معاملوں میں ملوث، ہندوؤں کا بدترین دشمن قرار دیا اور اس نے آخر میں عدالت سے درخواست کی کہ مجھے تاریخ کی سب سے ہول ناک سزا دی جائے۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سرکاری وکیل کو فرد جرم تیار کرنے میں بدری نرائن اور دوسرے پنڈتوں، پجاریوں نے اس کی مدد کی تھی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ پونا کا معذور و مفلوج شخص پنڈت تربینی داس بھی عدالت میں موجود تھا۔تربینی داس کو عدالت میں دیکھ کر میرے اعصاب پر غصے کی ایک لہر گزر گئی۔سرکاری وکیل کا بیان متعدد صفحات پر مشتمل تھا۔عدالت کا بڑا وقت اس میں ضائع ہوگیا۔میں اپنے کٹہرے میں نہایت اعتماد اور سکون سے اپنے خلاف سرکاری وکیل کی ہرزہ سرائیاں سن رہا تھا۔

"جناب والا! یہ شخص جو اس وقت فاضل عدالت کے روبرو کھڑا ہے، انتہائی ہولناک جرائم کا ارتکاب کر چکا ہے۔میرے پاس گواہوں کی ایک فہرست موجود ہے جو برائے انصاف ہندوستان کے مختلف علاقوں سے طلب کیے گئے ہیں۔یہ لوگ اس شخص کے سیاہ جرائم کے عینی شاہد ہیں۔" یہ کہہ کر وکیل سرکار نے اپنا بیان ختم کر دیا۔جج نے میرے چہرے پر ایک گہری نظر ڈالی اور عدالت کے لیے دوسرے دن کی تاریخ مقرر کر دی۔

عدالت برخاست ہونے کے بعد نم آنکھوں کے ساتھ پریم میرے پاس آئی۔میرے ہاتھ میں ہتھکڑی دیکھ کر اس نے اسے چوم لیا اور اپنی گمبھیر آواز میں کہا۔" آپ ہمت رکھیے۔سیّد غوث میرے پاس ہیں، ہم دونوں آپ کو باعزت بری کرانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں گے۔"

جلد ہی مجھے جیل میں ڈال دیا گیا۔بمبئی جیل میں یہ میری دوسری حاضری تھی۔جیل کے در و دیوار میرے شناسا تھے۔وہاں کی تنگ و تاریک کوٹھری میرا مسکن تھی۔میں خود یہی چاہتا تھا۔یہاں میں سکون سے اپنی مشقیں جاری رکھ سکتا تھا۔ایسا سکون نہ رکن الدین کی حویلی میں میسر آ سکتا تھا، نہ کلدیپ استھان پر۔یہ تو نندا کا تہ خانہ تھا۔یہ جگہ تنگ تھی تاہم میرے باطن کا صحن کشادہ تھا۔میں آتے ہی اپنے ارتکاز میں مستغرق ہوگیا۔اس گوشہ نشینی میں مجھے جو لذت ملی، وہ بیان سے باہر ہے۔انکا میری مشغولیت سے اکتا کر پریم کے گھر چلی گئی۔انکا شوخیاں چاہتی تھی۔شوخیاں اور شرارتیں میرے پاس کہاں تھیں؟ میرا ساتھ نبھا رہی تھی۔جیل میں حوالات جیسا تپاک نہیں تھا لیکن کسی شخص نے میرے ساتھ زیادتی نہیں کی۔رات کا کھانا وہ چھوڑ کر چلے گئے۔مکئی کی ایک روٹی اور پتلی دال۔میں نے سیر ہو کر کھایا اور اپنی موجودہ واقعات سے ہٹانے کی کوشش جاری رکھی۔

دوسرے دن صبح ہی صبح مجھے عدالت میں پیش کر دیا گیا۔میں عدالت کی طویل کارروائی اختصار سے بیان کروں گا۔میرے وکیل نے میرے حق میں ایک مختصر تقریر کی اور ثابت کیا کہ میں ایک بے گناہ شخص ہوں جس نے جو کچھ بھی کیا وہ اپنے ایما سے نہیں کیا اور میری سرگزشت آہوں اور آنسوؤں

ثابت ہے۔

اس کی مؤثر تقریر کے بعد سرکاری وکیل نے سب سے پہلا گواہ پیش کیا جو بمبئی کا ایک پنڈت بلوریہ گوپال داس کے آشرم میں بدری نرائن اور جگدیش کے ساتھ آیا تھا۔جگدیش کے قتل پر مبالغہ آمیز بیان دیا۔اس نے میرے بارے میں اس رائے کا اظہار کیا کہ میرے پاس انکا دیوی کی شکتی ہے جس سے میں نے ناجائز کام لیے ہیں اور ان گنت انسانوں کا خون کیا ہے۔

اس موقع پر جج نے مداخلت کی اور بلوریہ سے پوچھا۔"یہ انکا دیوی کون ہے؟"

بلوریہ نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔"ان داتا! انکا دیوی بڑی بلوان اور شکتی والی دیوی ہے۔اس کو پراپت (حاصل) کرنے کے لئے بڑا کٹھن جاپ کرنا پڑتا ہے۔وہ جس کے سر پر آ جاتی ہے، اس کے دن پھر جاتے ہیں۔وہ جاپ کے بعد اپنے مالک کے کہے ہوئے پر چلتی ہے، اس دشٹ نے انکا دیوی کے ذریعے پنڈتوں، پجاریوں کے پوتر خون سے ہاتھ رنگے ہیں۔" عدالت میں اس کے بیان پر چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔

بلوریہ نے اسی پر بس نہیں کیا۔وہ میرے خلاف مسلسل ہذیان بکتا رہا۔اس کے بیان کے بعد میرے وکیل سے کہا گیا کہ وہ اس سلسلے میں کوئی پوچھ گچھ کرنا چاہتا ہے؟ اس نے عدالت سے درخواست کی کہ وہ پہلے تمام بیانات سننا چاہتا ہے، اس کے بعد منتخب گواہوں سے جرح کرے گا۔عدالت نے اس کی بات منظور کرلی۔بلوریہ کے بیان کے بعد جج نے خلاف روایت سرکاری وکیل کو مخاطب کر کے پوچھا۔"پہلے گواہ، فرد جرم اور وکیل صفائی کے بیان کے بعد عدالت کو ایک وضاحت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔اس مقدمے کی حیرت انگیز ابتدائی روداد سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں مافوق الفطرت واقعات کی بھرمار ہے۔پجاری بلوریہ کے بیان کے مطابق ملزم جمیل احمد خان کے قبضے میں انکا دیوی کی پُراسرار شکتی ہے۔عدالت کو اس امر پر غور کرنے کے لئے وقت چاہیے کہ کیا ہم کسی مافوق الفطرت واقعے یا مظہر کو ثبوت کی حیثیت سے تسلیم کر سکتے ہیں؟"

سرکاری وکیل کے جواب دینے سے پیشتر میرا وکیل انوپ چندر اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے جج کی اجازت سے جواب دیا۔"پُراسرار طاقتیں اس مقدمے کی بنیاد ہیں۔سوال یہ ہے کہ کیا پُراسرار طاقتیں اس دنیا میں موجود ہیں؟ ہمارے قدیم ویدوں میں جا بجا ان کا تذکرہ ہے۔آئے دن ہمیں ایسے واقعے سننے کو ملتے ہیں جو عام انسانی عقل میں نہیں آتے۔سرکاری وکیل نے بھی استغاثے میں کئی جگہ جمیل احمد خان کی پُراسرار طاقتوں کا ذکر کیا ہے۔پہلے گواہ کا بھی یہی بیان ہے۔ایسے محیر العقول واقعات انسانوں کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ان کا اگر ہماری زندگی سے کوئی تعلق ہے اور یہ مظاہرے اتنے بڑے اموات کا سبب بن سکتے ہیں تو ہم انہیں کیسے نظر انداز کر سکتے ہیں؟ فاضل عدالت سے درخواست ہے کہ

پہلے وہ یہ تسلیم کرے کہ کچھ ماورائی قوتیں ہمارے درمیان، ہماری دنیا میں موجود ہیں۔ کچھ لوگ غیر معمولی ماورائی طاقتوں کے مالک ہوسکتے ہیں اور کچھ لوگ ان طاقتوں کی زد میں آسکتے ہیں۔ اگر ہم نے اس مقدمے میں پُراسرار طاقت کے وجود سے انکار کردیا تو ہم یہ کارروائی جاری نہیں رکھ سکتے، عدالت کا [illegible] مشکل ہوجائے گا۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ ہمیں ہر پہلو پر غور کرنا چاہئے۔''

اس دن پھر عدالت موقوف ہوگئی۔ تیسرے دن عدالت نے کوئی وضاحت کیے بغیر مقدمے کی کارروائی جاری رکھی اور یکے بعد دیگرے میرے خلاف گواہ پیش ہوتے رہے۔ سپاہی، انسپکٹر، سادھو، پجاری، پنڈت...... میرا وکیل تیزی کے ساتھ اپنی فائل پر اندراجات کرتا رہا اور سرکاری وکیل نہایت [illegible] سے اپنے گواہوں کو پیش کرتا رہا۔ مجھ پر سنگین ترین اور شدید ترین الزامات عائد کیے گئے۔ وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر گواہ لارہے تھے۔ عدالت میں میرے کٹہرے کے گرد روز پہرے داروں کی تعداد بڑھ جاتی تھی۔ سنگین بردار پولیس والے اب سنگینیں تانے میرے گرد کھڑے رہتے تھے۔ میں ان کا زہر پی رہا تھا اور مجھے اس طوالت سے کوفت ہورہی تھی۔ جج فیصلہ کیوں نہیں کردیتا؟ یہ کیا تماشا لگا رکھا ہے؟ سیّد غوث اور میرے وکیل انوپ چندر کا اصرار تھا کہ میں عدالت میں نظم و ضبط قائم رکھوں اور پُرسکون طور پر تمام واقعات سنتا رہوں لیکن ایک دن میرا خون کھول اٹھا جب کلکتے کے ایک دبلے پتلے پجاری نے کالی کے مندر میں زبردستی گھسنے اور ایک سادھو کو قتل کرنے کے الزام کے ساتھ ساتھ عدالت کو بتایا کہ میں نے ایک ہندو لڑکی مالا کو اغوا کر کے اس سے شادی کی اور پھر اسے قتل کردیا۔ اس کے بیان کے مطابق مالا سے پہلے میں ایک مسلمان لڑکی نرگس کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا۔ اس وقت میری انگلی بے اختیار اٹھ گئی، [illegible] بھی طیش کے مارے برا حال ہوگیا۔ عین اسی وقت گواہوں کے کٹہرے کے اوپر چھت کا ٹکڑا گر پڑا اور کلکتے کا پجاری بلبلاتا ہوا کٹہرے میں ڈھیر ہوگیا۔ عدالت میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی۔ تمام لوگوں کی نگاہیں چھت پر تھیں۔ چھت گرنے کا قطعاً کوئی امکان نہیں تھا، اس لیے کہ عدالت کی پختہ عمارت میں ایسے آثار نہیں تھے۔ سپاہیوں نے بڑھ کر ملبے میں آہ و بکا کرتے ہوئے پجاری کو باہر نکالا۔ اس کے جسم میں کئی جگہ کھال ادھڑ گئی تھی اور ایسی مخدوش حالت تھی کہ دیکھی نہ جاتی تھی۔ جج نے تیز نظروں سے مجھے دیکھا۔ شاید وہ میری خوں بار نظروں کی تاب نہ لاسکا۔ اس نے اپنی نظریں جھکالیں اور عدالت برخاست کردی۔ اس کے بعد جیل میں مجھے ایک دوسری کوٹھری میں مقیم کردیا گیا اور ایک مسلح دستہ میری نگرانی کے لئے تعینات کردیا گیا۔

متعدد گواہوں کے سنسنی خیز انکشافات، عینی شاہدوں کی روداد، پولیس افسروں کے ناقابل یقین بیانات کے بعد یہ بات پندرہویں روز کسی حد تک صاف ہوگئی کہ مجھے سزائے موت ملنی چاہئے۔ [illegible] گواہ پیش ہوچکے تھے کہ میں اگر تفصیل بیان کرنے بیٹھوں تو یہ سرگزشت کبھی ختم نہ ہو۔

سولہواں روز سب سے آخر میں مفلوج و معذور پنڈت تربینی داس کو عدالت میں پیش کیا گیا۔ اس نے روتے اور بلکتے ہوئے عدالت کو بتایا کہ اس کی شکستہ حالت کا ذمے دار صرف ایک شخص ہے اور وہ میں ہوں۔ اس نے انکا کے آنے اور جانے کا خودساختہ پورا واقعہ سنایا۔ درمیان کے واقعات وہ حذف کر گیا۔ عدالت میں اس کا بیان اتنا مؤثر اور دردناک تھا کہ جج کی آنکھیں حیرت سے کھلی ہوئی تھیں۔ کئی جگہ جج کو مداخلت کرنی پڑی۔ تربینی نے انکا کے بارے میں ایک بار پھر تفصیل سے عدالت کو بتایا کہ وہ کیا حیثیت رکھتی ہے اور میں نے اس سے کون کون سے خطرناک کام لیے ہیں۔ تربینی داس کو میں نے بڑی شدید سزا دی تھی مگر شاید وہ اپنی سزا بھول گیا تھا۔ یقیناً وہ کبھی عدالت میں میرے سامنے نہ آتا اگر بدری نرائن اور اس کے گرگے اسے مجبور نہ کرتے۔ اسے اپنے سامنے کٹہرے میں کھڑا دیکھ کر مجھے بہت سی باتیں یاد آگئیں۔ ان دنوں کے زخم تازہ ہوگئے۔ میں اس کی زبان کھینچ سکتا تھا۔ میں اسے اپنی ایک انگلی سے زمیں بوس کرسکتا تھا۔ میں اس کے جسم کے پرخچے اڑا سکتا تھا مگر اب اس میں رہ کیا گیا تھا؟ میں نے اسے جانے دیا۔ اس سے پہلے اور بھی لوگ بہت کچھ بول چکے تھے۔

عدالت میں تربینی کے بعد میرے خلاف گواہوں کا سلسلہ بند ہوگیا۔ بدری نرائن کے سوا تمام ٹھاکر پجاری وہاں موجود تھے۔ یہ مقدمہ روز بہ روز پیچیدہ ہوتا جارہا تھا۔ روزانہ میرے بارے میں نئے نئے انکشافات ہوتے، میری شخصیت کا ایک خوف ساری عدالت پر مسلط تھا۔ پریم بھی سہمی ہوئی تھی۔ صرف سید غوث اور میرا وکیل انوپ چندر ابھی تک پُرعزم دکھائی دیتے تھے۔ سرکاری وکیل نے تمام گواہ پیش کردیے اور اس کے ترکش میں کوئی تیر نہ رہا تو اسی وقت عدالت کا دروازہ کھلا اور میں یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ گلبرگے کا پجاری، آنندلال خراماں خراماں سرکاری وکیل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس نے آگے آکر سرکاری وکیل کے کان میں کچھ کہا اور سرکاری وکیل نے جج سے اجازت لی کہ وہ ایک اور گواہ پیش کرنا چاہتا ہے، جس کا نام آنندلال ہے اور جو ہندو دھرم کا ایک بڑا عالم شخص ہے۔ آنندلال جج کی اجازت سے کٹہرے میں آکر کھڑا ہوگیا۔ اس نے ایک طائرانہ نظر عدالت پر ڈالی۔ اس نے زیرلب کچھ پڑھا اور صاف انداز میں عدالت سے مخاطب ہوا۔

''مہاراج! میں آنندلال، ہندو دھرم کا سیوک ہوں، میرا سارا جیون تپسیا میں گزرا ہے۔ میں نے گرنتھ پڑھی ہیں اور ویدوں میں جان کھپائی ہے، دیوی نے مجھے نوازا ہے۔ میں دیوی کی سوگند کھا کر کہتا ہوں کہ جو کہوں گا، سچ کہوں گا۔''

''آنندلال مہاراج!'' وکیل سرکار نے بڑے ادب سے اسے مخاطب کیا۔ ''ہم جانتے ہیں کہ آپ [illegible]۔ پرنتو اس سمے آپ عدالت کے سامنے ایک گواہ کی حیثیت سے پیش ہورہے ہیں۔ آپ کو [illegible] کے بارے میں جو کچھ علم ہے اسے عدالت کے روبرو بیان کردیجئے تاکہ مجرم کے خلاف

ٹھوس ثبوت کی روشنی میں کوئی آخری فیصلہ صادر کیا جائے۔ آپ کی گواہی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

آنندلال نے ایک اچٹتی ہوئی نظر سے مجھے دیکھا۔ میرے سر پر انکا براجمان تھی۔ انکا نے ٹہوکا دیا کہ میں اس کی نظروں کا جواب نہیں دے رہا ہوں۔ آنندلال عدالت سے رجوع ہو کر بولا۔

"میں عدالت سے پرارتھنا کروں گا کہ جمیل احمد خان صاحب کو نردوش قرار دے کر باعزت طور بری کر دیا جائے اور ان کے بجائے پنڈت بدری نرائن کو سزا دی جائے۔ اصل مجرم وہی ہے۔"

عدالت میں اچانک کھلبلی مچ گئی۔ پنڈتوں، پجاریوں کے چہرے سوالیہ نشان بن گئے۔ سرکار کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ جج اور جیوری کے ارکان اپنی اپنی کرسیوں پر بدلنے لگے لیکن آنندلال نے اپنا بیان جاری رکھا۔ اس نے مجھے بے گناہ ثابت کرنے کے لیے ثبوت پیش کیے اور بدری نرائن کو تمام واقعات کا مجرم ثابت کرتے ہوئے عدالت سے درخواست کی کہ اسے کڑی سے کڑی سزا دی جائے۔ آنندلال نے کہا۔ "جمیل احمد خان مہاپُرش ہیں۔ اپنے پچھلے ... انہوں نے انکا دیوی کے کہنے پر مجبوراً عمل کیا۔ اگر انکا دیوی ان کے پاس خود بخود نہ جاتی تو آج ... احمد خان اس طرح عدالت میں مجرموں کی طرح نہ کھڑے ہوتے۔ ان کی زندگی سب کو ایک اپدیش ہے۔ وہ حالات سے یدھ (جنگ) کرتے رہے۔ دشمن ان کے پیچھے لگے رہے۔ دشمنوں سے نمٹنے کے لئے انکا دیوی کی شکتی کم تھی، اس لیے انہوں نے خود اپنے اندر کی سوئی ہوئی شبتاں جگائیں۔ ... اتنے بڑے آدمی ہیں کہ ہمیں ان کے ساتھ عزت کا سلوک کرنا چاہئے۔ جمیل احمد خان ایک بدلے ہوئے آدمی ہیں۔"

آنندلال کا بیان جتنی دیر تک جاری رہا، عدالت پر موت کا سکوت طاری رہا۔ یوں لگ رہا تھا حاضرین کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ بیان ختم ہوا تو میں نے براہ راست آنندلال کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ "آنندلال! تم نے میری بھلائی میں بہت کچھ کہا ہے۔ اس سے پہلے بہت سے بیان ... ہیں، مجھے یقین ہے تمہارے بیان سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اس کے باوجود میں تم سے سوال ... کہ تم مجھے کب سے جانتے ہو؟ پہلی بار تم نے مجھے کہاں دیکھا تھا؟ ہماری تمہاری ملاقات کتنی دیر کی ..."

"مہاراج!" آنندلال نے مجھے دیکھتے ہوئے بڑی عقیدت سے کہا۔ "میں نے تمہارے ... پہلی بار گلبرگہ میں کیے تھے۔ ہماری ملاقات چند لمحوں کی تھی۔ پرنتو اس تھوڑے سے میں، میں نے ... کہ میں کس کے سامنے ہوں۔ مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ تم نردوش ہو۔ تم مجھے ایک صاف ... دیئے۔ بدری نرائن اور اس کے مورکھ ساتھیوں نے تمہیں دھرم کے نام پر بلیدان کرنے کی ... مجھے خبر ہے مہاراج کہ تم کیا ہو۔ میں ایک بہت بڑے سمے کے بعد اپنے استھان سے صرف ... لیے اٹھ کر یہاں تک آیا ہوں۔"

آنندلال کو زیادہ بولنے کا موقع نہیں دیا گیا۔ جس وقت وہ کٹہرے سے باہر آیا، عدالت میں ... پنڈتوں، پجاریوں کے چہرے غضب آلود ہو گئے۔ کارروائی اگلے دن کے لئے ملتوی کر دی گئی۔ ... کا مسلح دستہ مجھے باہر لے جانے لگا تو آنندلال بڑی پھرتی سے پولیس کا حلقہ توڑ کر میرے قریب آیا ... میرے گھٹنے پکڑ کر بولا۔

"مہاراج! یہ کیا ہو رہا ہے؟ مہاراج تم نے گلبرگہ میں مجھے چھوڑ دیا تھا لیکن میں تمہیں نہیں ... گا۔ میں باقی جیون تمہارے چرنوں میں بتانا چاہتا ہوں۔ میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔"

اس سے قبل کہ میں کوئی جواب دیتا، ایک پولیس انسپکٹر نے جو آنندلال کی باتوں پر سرخ ہو رہا تھا، ... بڑھ کر اسے زور سے دھکا دیا۔ آنندلال نحیف و لاغر تھا، ایک ہی دھکے میں فرش پر الٹ گیا۔ میں ... دیکھا کہ اس کی رگیں تن گئیں اور آنکھیں شعلہ ہو گئیں۔ اس کے ہونٹ متحرک ہو گئے۔ وہ پولیس ... دینے کا ارادہ کر چکا تھا۔ میں نے موقع کی نزاکت بھانپتے ہوئے کہا۔

"نہیں آنندلال نہیں۔ دھیرج رکھو۔ رک جاؤ۔ ان باتوں سے کوئی فائدہ نہیں۔ مجھ سے سبق ... کرنے کی کوشش کرو۔ درگزر کی عادت ڈالو، اسی میں منش کی مکتی ہے۔"

لیکن آنندلال اپنا عمل شروع کر چکا تھا۔ انسپکٹر کھڑے کھڑے ایک دھاڑ کے ساتھ فرش پر گرا۔ ... آنکھیں ابل آئیں، اس کے سر کے بال اڑ گئے اور ناک سے خون بہنے لگا جس نے اس کا سارا ... لہولہان کر دیا۔

"مہاراج، مجھے مت روکو۔ مجھے آگیا دو۔ میں اس ساری عدالت کو خون میں نہلانا چاہتا ہوں۔ ... مورکھ نے سوچا نہیں کہ اس نے کسے چھیڑنے کی کوشش کی ہے۔"

"میں نے پہلے ہی کہا تھا، آنندلال، تمہارا علم ادھورا ہے۔ صاف اور سچا نہیں۔ تمہارے من میں ... ہے۔ منش بنو۔ جس دن تم منش بن گئے، تم مجھ سے دور نہ ہو گے۔" میں نے کہا۔

انسپکٹر کی تشویش ناک حالت پر عدالت میں خوف و ہراس دوڑ گیا۔ اس مقدمے کے دوران میں ... واقعات پیش آ رہے تھے۔ مجھے وہاں سے فوراً لے جایا گیا۔ چلتے چلتے میں نے آنندلال کی آواز ... پنڈتوں نے گھیر لیا تھا۔ وہ چلا رہا تھا۔ "مہاراج...... میرا ساتھ نہ چھوڑو۔"

مجھے اس کا جواب دینے کی مہلت نہیں ملی، باہر پولیس کی گاڑی کھڑی تھی۔ گاڑی روانہ ہوئی تو میں ... آنندلال کے ہاتھ میں ہتھکڑیاں ہیں۔ میرا دل چاہا کہ کچھ کر گزروں لیکن میں پیر پٹختا ہوا ... اور غم کی حالت میں اپنی مٹھیاں بند کیے رہا۔

☆......☆......☆

تیسرے روز کچھ اور مکدر فضا میں عدالت کا جلسہ شروع ہوا۔ انوپ چندر کی درخواست پر عدالت

نے تربینی، بلویرا اور میرے خلاف دوسرے گواہوں کو طلب کیا اور ان سے جرح کرتا رہا۔ سرکاری
نے اسے بار بار ٹوکا لیکن انوپ چندر نے کمال مہارت سے گواہوں پر جرح کی۔ کئی جگہ گواہ اپنے
اپنے سابق بیان سے منحرف ہو گئے۔ اس جرح سے انوپ چندر یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ میں نے
کیا وہ ردعمل کے طور پر کیا۔ پہل کہاں سے ہوئی؟ کس نے کس کے ساتھ ظلم کیا؟ انکا کو کہاں
استعمال کیا گیا؟ یہ بحث اگرچہ بہت حیرت انگیز ہے مگر دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔

''جب انکا کسی فرد کے سر پر جاتی ہے تو اس کی حیثیت ایک ملازم کی ہوتی ہے یا آقا کی؟''

''آقا کی۔'' تربینی نے کہا۔

''اور جب اس کا باقاعدہ جاپ کیا جائے تو اس کی حیثیت کیا ہوتی ہے؟ وہ کسی کے حکم کی
ہوتی ہے؟ یا حکم چلاتی ہے؟''

''وہ حکم کی تابع ہوتی ہے۔''

''یہ نکتہ بطور خاص عدالت کو نوٹ کرنا چاہیے۔'' انوپ چندر جوش سے بولا۔ ''واقعہ یوں ہوا
میرے مؤکل جمیل احمد خان کے سر پر اچانک ایک رات انکا دیوی آ گئی۔ اس نے اسے مجبور کیا کہ وہ
کے احکام پر چلے۔ انکا ایک ایسا ریوالور تھی جو کسی پر تان لیا جائے تو وہ شخص بے بس ہو جاتا ہے۔ جمیل
خان بے بس ہو گیا تھا۔ اس نے انکا دیوی کے اشارے پر عمل کیا۔ انکا نے اسے خوش حال و مالا مال
دیا۔ جمیل احمد خاں نے اس سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کی تو اسے اپنے ایک ہاتھ سے محروم ہونا پڑا۔
جمیل احمد خاں نے زچ ہو کر اس سے مفاہمت کر لی۔ وہ مجبور تھا۔ انکا نے اسے کچھ ایسے حالات میں
کر دیا تھا کہ وہ بہت دور نکل گیا پھر انکا اس کی عادت بن گئی اور جب مختلف لوگ اس کے جاپ
کامیاب ہوتے گئے تو انکا ان کے سر پر جاتی رہی۔ جمیل احمد خان صرف انکا کی وجہ سے مختلف
الجھنوں اور معاملوں میں ملوث ہو چکا تھا، اس لیے اسے اپنے تحفظ کے لئے انکا کی ضرورت تھی۔
اسے بھی حاصل ہو سکتا تھا جب اسے انکا حاصل ہو...... پھر جب تربینی نے......'' انوپ چندر
کے بعد سحر انگیز انداز میں میری مکمل روداد سنائی اور سارا الزام بدری نرائن پر عائد کر دیا۔ اس نے عدالت
سے درخواست کی کہ بدری نرائن کو عدالت میں پیش کیا جائے۔ عدالت نے بدری نرائن کو حاضر
کے احکام صادر کر دیئے۔

مگر بعد از تلاش بسیار، بدری نرائن کا پتا نہیں چلا۔ اس کے انتظار میں عدالت روز آئندہ کے
لئے ملتوی ہوتی رہی اور آخر پولیس نے اپنی ناکامی کا اعتراف کر لیا۔ بدری نرائن کی عدم موجودگی
دوبارہ مقدمے کی کارروائی شروع ہوئی اور جج نے اعلان کیا۔ ''چونکہ اس مقدمے کا تمام تر انحصار
دیوی کی پُراسرار شکتی پر ہے اس لیے عدالت کو اس کے متعلق کچھ وضاحتیں درکار ہیں۔'' پھر جج

مجھ سے سوال کیا۔

''کیا اس وقت انکا دیوی تمہارے پاس ہے؟''

''ہاں۔'' میں نے اکتا کر جواب دیا ''وہ میرے سر پر بیٹھی ہے۔''

''کیا عدالت کسی طرح انکا دیوی کے وجود سے آگاہ ہو سکتی ہے؟''

انکا نے مجھ سے کہا۔ ''جمیل کہو تو اس بڈھے کے سر پر چلی جاؤں اور تگنی کا ناچ دکھاؤں۔''

''یہ انکا پر منحصر ہے کہ عدالت کے مختلف معزز ارکان کو اپنا جلوہ دکھائے۔'' میرے بجائے میرے
وکیل نے جواب دیا۔

''اگر وہ جمیل احمد خان کے تابع ہے تو ثبوت کے لئے اسے انکا کے وجود سے عدالت کو مطمئن کرنا
چاہیے۔ کیا ایسا ممکن ہے؟'' جج نے کہا۔

میرے وکیل نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ اسی وقت انوپ چندر
نے کہا۔ ''معزز عدالت میں ہر شخص کے سامنے انکا اپنا جلوہ نہیں دکھا سکتی۔ ہاں چند شکتی والے لوگ اسے
دیکھ سکتے ہیں۔ میں انکا دیوی سے درخواست کروں گا کہ وہ معزز جج کے سر پر جا کر اپنے وجود کا احساس
دلائے۔''

جج نے کئی بار پہلو بدلا اور پھر وہ اچانک کرسی سے اچھل گیا۔

''آہ......اوہ'' وہ چلایا۔ ''انکا دیوی!'' اس کے ہاتھ پرنام کرنے کے انداز میں خود بخود اٹھ گئے۔
''انکا دیوی۔ ارے......'' جج کو اپنی حیثیت کا بھی احساس نہیں رہا اور وہ بھری عدالت میں اچھلنے کودنے
لگا۔ ''یہ سچ ہے۔ انکا دیوی میرے سر پر موجود ہے۔ کمال ہے ارے وہ مجھ سے کہہ رہی ہے کہ جمیل احمد
خان بے قصور ہے۔ وہ شرما رہی ہے، کتنی نازک ہے وہ۔''

''انکا واپس آ جاؤ۔'' انوپ چندر نے حکم دیا۔

جج نے اس موقع پر انوپ چندر سے درخواست کی۔ ''اسے کچھ دیر میرے سر پر رہنے دو۔'' انگریز
جج اپنا احترام کھو رہا تھا۔ وہ بالکل بچہ بن گیا۔ یقیناً انکا اس کے سر پر شوخیاں کر رہی ہو گی۔

انکا ایک لمحے میں میرے پاس واپس آ گئی اور جج متحیر نگاہوں سے مجھے گھورنے لگا۔ اس کے بعد
جیوری کے ارکان کے پاس انوپ چندر نے انکا کو بھیجا۔ وہ سب جج کی طرح باری باری مضحکہ خیز حرکتیں
کرنے لگے۔ انکا ان سے شرارتیں کر رہی تھی۔ کچھ دیر کے لیے عدالت عدالت نہ رہی۔ کوئی شعبدہ گاہ
بن گئی۔ انکا ایسے موقعوں کی تلاش میں رہتی تھی۔

اس نے جیوری کے ارکان اور جج کو خوب پریشان کیا اور جب واپس میرے سر پر آئی تو عدالت
میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ سرکاری وکیل نے کھڑے ہو کر عدالت سے کہا۔ ''می لارڈ۔ یہ تھی انکا۔

ایک پُراسرار شکتی۔ عدالت نے جس کے وجود کا یقین کیا ہے۔ ہم انکا دیوی کو سزا نہیں دے سکتے لیکن یہ تسلیم کرسکتے ہیں کہ انکا کے ذریعے جمیل احمد خان نے خون اور آگ کی ہولی کھیلی اور نہ جانے کتنے انسانوں کو قتل کر ڈالا۔ اس کا آخری نشانہ گوپال داس اور جگدیش جیسے مہاپُرش تھے۔"

اسی وقت انوپ چندر نے مداخلت کی۔ "می لارڈ۔ گواہوں کے بیانات اور جمیل احمد خان کی افسوس ناک سرگزشت سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ انکا کا کردار اس تمام واقعے میں سب سے بنیادی ہے۔ سرکاری وکیل کا کہنا ہے کہ جمیل احمد خان نے انکا کے ذریعے خون خرابا کیا۔ یہی بات اس طرح تسلیم کی جاسکتی ہے کہ انکا کے ذریعے جمیل احمد خان بدترین حالات کے لئے مجبور ہوگیا۔ وہ اپنی مرضی کا مختار نہیں تھا۔ انکا کی وجہ سے اس کے بہت سے دشمن ہوگئے۔ یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ انکا اس کے پاس خود آئی تھی۔ باقی لوگوں نے اس کے حصول کے لئے جاپ کیا تھا۔ کیا ایسا شخص جو ایک پُراسرار طاقت کا تابع ہو، خودمختار ہوسکتا ہے؟ جمیل احمد خان کا جرم یہ ہے کہ اس کے پاس انکا تھی۔ تمام پنڈت، پجاری اس کے دشمن ہوگئے تھے کیونکہ وہ جمیل احمد خان کے پاس انکا کو دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔"

"نہیں...... می لارڈ!" سرکاری وکیل دہاڑا۔ "وکیل صفائی غلط سمت میں عدالت کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ انکا دیوی کو ملزم نے اپنی خواہشوں کے لئے استعمال کیا اور پھر کسی انسانی قدر کا خیال نہیں رکھا۔"

ان دونوں میں دیر تک یہ نوک جھوک ہوتی رہی کہ انکا کے ذریعے میں نے خون خرابا کیا یا انکا نے ایسی صورت پیدا کردی کہ میں مجبور ہوگیا؟ عدالت اس بحث کے بعد ملتوی ہوگئی اور فیصلے کے لیے تین دن بعد کی تاریخ مقرر کردی گئی۔ مجھے پھر جیل بھیج دیا گیا۔ تین دن تک میں اپنے خیالات میں مگن رہا۔ اس دوران میں، سید غوث اور میرا وکیل انوپ چندر ایک بار مجھ سے ملنے آئے اور مجھے دلاسا دے کر چلے گئے۔ ان کے چہرے کچھ زیادہ درخشاں نہیں تھے۔ پریم بھی ان کے ساتھ تھی۔ وہ رو رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا، میرے کیسے کیسے دوست، کیسے کیسے دشمن ہیں۔ اس لڑکی سے چند دن کی ملاقات ہے اور وہ میرے تمام جرائم سننے کے باوجود میری خیرخواہی کی کیوں اتنی طالب ہے؟

تین دن بعد عدالت کا کمرہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ حالانکہ یہ ایک خفیہ اور بند عدالت تھی لیکن اس دن عام دنوں سے زیادہ ہجوم تھا۔ مجھے کٹہرے میں لایا گیا۔ انکا عدالت میں مضطرب چہرے دیکھ کر بولی۔ "جمیل! تم یہ کیا کر رہے ہو۔ کیا تم پاگل ہوگئے ہو؟ مجھے جج کے سر پر جانے کی اجازت دو۔ میں فیصلہ کراتی ہوں۔"

"نہیں انکا۔" میں نے افسردگی سے کہا۔ "میں اپنی موت کے فیصلے کا منتظر ہوں۔"

"تم مرنا چاہتے ہو لیکن تم بھول گئے کہ کلدیپ اور ترئین ابھی زندہ ہیں۔ تمہارے مرنے کے بعد ان کا کیا ہوگا؟"

"اس وقت ان کی یاد کیا دلاتی ہو۔ میں نندا کی تعلیم پر عمل کر رہا ہوں۔ نندا موت کی تلاش میں تھا۔ موت ایک دائمی سکون ہے۔ موت ایک طویل اور لافانی مراقبہ ہے۔"

"سنبھلو جمیل!" انکا تشویش سے بولی۔ "پانی سر سے گزر رہا ہے۔"

"گزر جانے دو۔ میں نے دیکھ لیا ہے کہ میں تنہا اس دنیا میں اتنے بہت سے لوگوں سے نہیں نمٹ سکتا۔ میں نے یہ فیصلہ جان بوجھ کر کیا ہے۔ میرے زوال سے کشت وخون کا یہ سلسلہ بند ہوجائے گا۔"

اسی لمحے جج کی آواز عدالت کا پُرسکون ماحول توڑتی ہوئی ابھری۔ وہ گمبھیر آواز میں میرے جرائم کی فہرست سنانے لگا۔ اس کے چہرے پر کرختگی اور نفرت کی علامتیں موجود تھیں۔ مجمع پر گہرا سکوت طاری تھا۔ سب کی نگاہیں اسی کی طرف مرکوز تھیں۔ جج بڑی روانی سے اپنا فیصلہ سناتا رہا۔ معاً پچھلی نشستوں پر بیٹھا ہوا ایک بوڑھا پجاری اٹھا۔ جج نے اس مداخلت پر منہ بنایا اور پوچھا۔

"کیا پریشانی ہے؟"

اس نے کہا۔ "جمیل احمد خان، حسب منشا فیصلے کے لئے انکا کا اثر استعمال کرسکتا ہے اس لیے انکا کو کچھ دیر کے لئے میرے سر پر بھیج دیا جائے۔"

جج نے مجھے انکا کو بھیج دینے کا حکم دیا۔ میں نے کسی حجت اور پس وپیش کے بغیر انکا کو اس کے سر پر بھیج دیا۔ وہ اطمینان سے بیٹھ گیا اور اس نے کہا۔ "فاضل عدالت اپنا فیصلہ جاری رکھے۔ انکا دیوی میرے سر پر ہے۔"

جج کے فیصلے کے ابتدائی صفحات میں میرے گھناؤنے جرائم کی فہرست درج تھی، وہ کہہ رہا تھا۔ "یہ تاریخ کا سب سے منفرد مقدمہ ہے۔ قانون میں پُراسرار مظاہر، دلیل اور ثبوت تسلیم کرنے کی کوئی شق نہیں ہے۔ تاہم عدالت نے خود اپنی آنکھوں سے انکا دیوی کو دیکھا ہے۔ ہمیں کسی نتیجے پر پہنچنے کے لئے انکا دیوی کا وجود تسلیم کرنا ہوگا۔ انکا کئی بار جمیل احمد خان کے سر پر آئی اور گئی۔ کبھی عطیے کے طور پر، کبھی کسی وظیفے سے۔ بدری نرائن سے جمیل احمد خان نے وعدہ کیا تھا کہ وہ انکا کو تریبنی سے حاصل کرنے کے بعد اس کے سر پر گا ہے گا ہے بھیج دے گا لیکن جمیل احمد خان اپنے وعدے سے پھر گیا۔ نتیجتاً اس کے اور بدری نرائن کے درمیان ایک کبھی نہ ختم ہونے والی جنگ جاری ہوگئی جو کئی لوگوں کی موت کا سبب بن گئی۔"

جج بول رہا تھا۔ اچانک مجمع میں بھنبھناہٹ ہوئی۔ ایک مستانہ نعرے نے در و بام ہلا دیے۔ میں نے تڑپ کر پیچھے کی سمت دیکھا۔ دروازے پر سیّد نمودار ہوا۔ سیّد، وہی مجذوب کامل، پیر و مرشد سید نور اللہ کا قلندر۔ اس کے ہاتھ میں اس کی مخصوص لاٹھی تھی اور اس کے کپڑے جگہ جگہ سے پھٹے ہوئے

تھے۔ منہ سے بری طرح رال ٹپک رہی تھی۔ داڑھی میں غذا کے ریزے اٹکے ہوئے تھے۔ وہ کسی طرح عدالت میں چمکا اور کسی آتش فشاں کی طرح گرجنے لگا۔ اس نے اپنی لاٹھی زور سے زمین پر ما اس کی لاٹھی کی آواز سے کمرا لرز گیا۔ وہ مجھ سے کہنے لگا۔ ''شرم کر۔ اندھیر نہ کر۔''

میں نے وہیں جوش مسرت میں آواز دی۔ ''یہ تمہاری سنگ دلی کے خلاف احتجاج ہے۔ یہاں اسی لیے آیا ہوں، اب داستان ختم ہونے کو ہے۔''

اس نے ایک قہقہہ لگایا۔ ''کیوں مخلول کرتا ہے؟ کیا تیرے ہاتھ میں وقت چھپا ہوا ہے۔ کے آگے نہ آ۔ وقت کو دانہ ڈال۔''

''میں وقت کے قریب آ رہا ہوں۔'' میں نے چیخ کر کہا۔

''تو کون ہوتا ہے، تیرے لیے ابھی زمین طے نہیں ہوئی۔''

''میں کسی کے پاس گھس جاؤں گا۔'' میں نے کہا۔

''تو انگوٹھا چوس رہا ہے۔'' سید دہاڑا۔ عدالت چند لمحوں کے لیے سکتے کی کیفیت سے دوچار ہو پھر جج نے تڑپ کر پوچھا۔ ''کون ہے؟''

اس کے بولتے ہی سپاہیوں نے سید کو پکڑ لیا اور سید مجذوب کو دھکا دے کر بے دردی سے عدا کے کمرے سے نکالنے لگے۔ سید نے اپنی لاٹھی اٹھائی اور اسے زور سے زمین پر مارا۔ اور سب اند منہ زمین پر گر گئے مگر فوراً دوبارہ اٹھ کر سید سے لپٹ گئے۔ سید نے پھر لاٹھی دراز کی اور جج سے بو ''اس قلم کو کیا دیکھتا ہے۔ لے اس قلم سے فیصلہ لکھ۔'' اس نے ایک قہقہہ لگایا۔ ''تو فیصلے لکھے گا۔ فیـ تیرے ہاتھ میں ہے، کیوں ٹھٹھول کرتا ہے مسخرے۔''

''اسے نکالو۔'' جج مشتعل ہو کر بولا۔ ''میں جا رہا ہوں، تو فیصلہ لکھ۔'' سید نے کہا۔ اسے درواز سے دھکا دے کر باہر کر دیا گیا۔

سیّد کی آمد سے میرے قلب کی کیفیت حیرت انگیز طور پر بدل گئی۔ وہ اداسی، ناشادمانی، ما رخصت ہو گئی تھی اور میں ایک اعتماد کے ساتھ کھڑا تھا۔ عدالت کو اپنی کارروائی جاری رکھنے کے تھوڑی دیر لگی۔ جج نے دوبارہ اپنا فیصلہ سنانا شروع کر دیا۔ اس مرتبہ اس کی آواز میں دم خم نہیں تھا۔ رہا تھا۔ اس نے قلم اٹھا کر فیصلے پر کچھ ترمیم کی اور ایک سراسیمہ نظر مجھ پر ڈال کر حاضرین سے مخاطب ہوا۔ ''ہر چند کہ گواہیاں اور شہادتیں جمیل احمد خان کے خلاف ہیں لیکن اس معاملے میں ایسی باتیں ملوث معلوم ہوتی ہیں جو عدالت کے دائرہ کار میں نہیں آتیں۔ عدالت نے تمام حقائق کی روشنی حالات کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جمیل احمد خان کو اس مقدمے میں ملوث کر کے لئے واقعات مسخ کر کے پیش کیے گئے ہیں۔ چند ذاتی دشمنیوں کو مذہبی رنگ دینے کی کوشش کی

ں کی زندگی میں، پُراسرار زندگی میں پُراسرار طاقتوں کے عمل دخل کو عدالت کس نوعیت سے دیکھے؟ وقت ہو سکتا ہے جب عدالت تمام حقائق سے آگاہ اور مطمئن ہو جائے، عدالت شبہے، کی عدم واقفیت اور حقائق کی پیچیدگی کی بنا پر یہ مقدمہ اس عدالت سے خارج کرتی ہے اور جمیل خان کو بری کرتی ہے۔''

جج کا فیصلہ تمام لوگوں کے لئے غیر متوقع اور تعجب خیز تھا۔ عدالت میں موجود پنڈتوں، پجاریوں کے چہرے غم اور غصے سے سرخ ہو گئے۔ پولیس کے ایک سنتری نے جج کے اشارے پر میری ہتھکڑی کھول دی۔ سید غوث، پریم اور انوپ چندر بھاگے بھاگے میرے پاس آئے اور میرے گلے لگ گئے۔ نے انہیں پیچھے دھکیل دیا۔ میں راستہ بناتا ہوا دروازے کی طرف لپکا۔ عدالت میں جج کے فیصلے پر ت، پجاری ہاہاکار کر رہے تھے۔ ''نارائن، نارائن، انیائے، انیائے یہ پاگل پن ہے۔'' انکا نے سر پر آ کر ناچنا شروع کر دیا تھا۔ میں جلد سے جلد باہر جا کر سید کو تلاش کرنا چاہتا تھا۔ عدالت کی افراتفری میں، میں دروازے سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ سید موجود نہیں تھا۔ وہ پھر آگ لگا کر گیا۔ باہر آ کر سید غوث نے مجھے پکڑ لیا اور ہم سب پریم کی گاڑی میں اس کے گھر روانہ ہو گئے۔

پریم کے گھر میں یہ دوسرا دن تھا۔ سید غوث اور انوپ چندر اپنے طور پر ایک چھوٹا سا جشن منا رہے اب میں ایک آزاد شہری ہوں۔ اب انکا کا راز بھی ان سے مخفی نہیں رہا تھا۔ سید غوث اور پریم بار بار پر انکا کو بلا لیتے اور اس سے شوخیاں کراتے رہتے۔

میں ان لوگوں کی خاطر ان کی مسرتوں میں شریک تھا لیکن بباطن میرا برا حال تھا۔ سیّد اپنی ایک دکھا کر میرے ذہن و دل میں انقلاب برپا کر گیا تھا۔ وہ اس زندگی کا لالچ دے گیا تھا جس سے آ گیا تھا۔ مجھے تنہا چھوڑ کر سید غوث اور پریم کار میں بیٹھ کر انکا کے ساتھ چلے گئے۔ سنا ہے انہوں راستے میں بڑی شرارتیں کیں۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ وہ عدالتی جنگ جیت گئے لیکن انہیں کیا معلوم تھا یہ سب کیوں ہوا؟ کون مرد قلندر آیا تھا؟ ان کی آنکھیں صرف انکا کو دیکھ سکتی تھیں لیکن وہ ان چیزوں واقف تھے جن کی کوئی شکل نہیں تھی۔ یہ مقدمہ عدالت نے خارج ہوا۔ کوئی انسانی عدالت میرے کا فیصلہ نہیں کر سکتی تھی۔ مقدمہ تو کہیں اور پیش ہونا تھا۔ ساری ذمے داریاں انکا پر ڈال کر انہوں دفاع کا خوب انتظام کیا تھا لیکن وہ بدن جو میرے نفس کی بھینٹ چڑھ گئے، وہ خوب صورت جو میرے نفس کی غذا بن گئے۔ آہ، میرے ذہن کی آوارگیاں، میں اپنے سوز دروں کا کس طرح ؟ مجھے نہ معلوم آئندہ کیا ہو جائے؟ ہندوستان کے پنڈتوں، پجاریوں کے وہ مشتعل، غضب مجھے یاد تھے جو کل عدالت میں واویلا مچا رہے تھے۔ اس بار ان کا وار شدید ہوگا۔ بدری نرائن کا ثبوت دیا تھا کہ وہ عدالت کی تمام کارروائی سے غائب رہا ورنہ شاید میں نندا کی نصیحتیں بھول

جاتا اور نہ جانے کیا ہوتا۔ جب سید غوث اور پریم بمبئی کی سڑکوں پر گھوم رہے تھے اور اس وقت انکا کے ساتھ تھی اور میں بستر پر لیٹا اپنے ماضی وحال کی تیرہ نصیبیوں پر غور کررہا تھا۔ دفعتاً انکا دھم سے سر پر آئی اور اس نے مجھے بتایا کہ آنند لال اب کالی کے مندر میں پنڈتوں، پجاریوں کے ہاتھوں پر ہے۔ پجاری اسے پولیس سے چھڑا کر اپنے ساتھ لے گئے اور وہ اب میرے حق میں گواہی دینے کے بعد شدید ترین اذیتوں سے دوچار ہے۔ بمبئی کے بہت سے پنڈت پجاری اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دے رہے ہیں۔ انہوں نے اسے بے بس کر کے رکھ دیا ہے۔

''کیا...... کیا آنند لال اتنا بے بس ہوگیا ہے کہ وہ اپنا دفاع بھی نہیں کرسکتا؟'' میں نے حیران ہو کر پوچھا۔ ''کئی پجاریوں نے بیک وقت اسے گھیر لیا ہے۔ اس وقت وہ شدید خطرے میں ہے۔'' انکا نے مضطرب انداز میں کہا۔

''وہ کون سے مندر میں ہے؟''

''کالی کے پرانے مندر میں۔ جمیل! آنند ہمارا دوست ہے۔''

''مجھے اس کی مدد کے لئے جانا ہوگا۔''

''تم پہلے اچھی طرح سوچ لو، ہم ایک مندر کی طرف سے گزر رہے تھے، اچانک مجھے اس حادثہ کا پتا چلا۔ میں پریم اور غوث کی اجازت سے سیدھی تمہارے پاس آگئی۔''

''گویا وہ اب میرے انتقام میرے حلیفوں سے لے رہے ہیں۔ وہی ایک شخص تھا جس نے میرے حق میں گواہی دی تھی۔''

''تمہیں ہر قدم پھونک کر اٹھانا ہوگا۔ میں مندر کے اندر نہیں جاسکتی لیکن میں تمہاری موجودگی میں کسی کے سر پر جا کر دو چار پنڈتوں کو ضرور ٹھکانے لگا دوں گی۔ اب تم کچھ کہو، مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔''

''یہ لوگ باز نہیں آئیں گے۔''

''تم بے وقوف ہوتے جا رہے ہو۔''

''کیا مطلب؟''

''تم سمجھتے ہو کہ وہ تمہاری گوشہ نشینی، انکسار، عفو اور تحمل سے نیکی کا راستہ اختیار کرلیں گے؟ نہیں یہ دشمنی ہے۔ ان کے دل میں کینہ ہے۔ جب تک تم ان کے بڑے پجاریوں سے انتقام نہیں لوگے یہی کرتے رہیں گے۔ تمہارے پاس طاقت ہے۔ طاقت کا زور طاقت سے ٹوٹتا ہے۔ میرا کہا مانو، انہیں سزائیں دو اور پھر تم جو جی چاہے کرنا، نندا کی تعلیم پر عمل کرنا یا سید کو تلاش کر کے اس کے نقش قدم پر چلو۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہارے معاملے میں بالکل دخل نہیں دوں گی۔''

''تمہارے اندر بدی ہے۔'' میں نے جھنجلا کر کہا۔ ''مگر میں مندر ضرور جاؤں گا۔ اس نازک موقع پر اس کو بچانے کے لئے مجھ سے جو کچھ ہوسکا، کر گزروں گا۔''

میں اسی وقت بستر سے اٹھ گیا اور ڈاکٹر کے کمرے سے ہندوؤں کا لباس پہن کر کوٹھی سے باہر آگیا۔ انکا میرے ساتھ تھی۔ میرے قدم زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ تلووں میں جلن ہو رہی تھی۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے میں آگ پر چل رہا ہوں۔ کالی کا پرانا مندر ایک وسیع، قدیم اور شکستہ سی عمارت میں نظر آنے لگا۔ انکا میرے سر سے اتر گئی اور میں صحن پار کر کے اس چھوٹی سی کوٹھری میں داخل ہوگیا جہاں کالی کی بڑی مورتی نصب تھی۔ وہاں کسی نے مجھے نہیں ٹوکا۔ اسی کمرے سے ایک دروازہ دوسرے کمرے میں جاتا تھا۔ وہیں آنند لال کے ہونے کا امکان تھا۔ انکا نے مجھے مندر کا نقشہ سمجھا دیا تھا۔ میں چھوٹے چھوٹے اندھیرے کمروں سے گزرتا ہوا ایک بڑے کمرے میں داخل ہوگیا۔ کالی کی مورتیاں دیواروں پر استادہ تھیں۔ اندر بہت سے پنڈت پجاری بیٹھے نظر آرہے تھے۔ پھر میں نے دیکھا کہ آنند لال ایک ستون سے بندھا ہوا ہے۔ اس کے جسم پر جگہ جگہ نشانات تھے۔ میں اس کی طرف دوڑا۔ اچانک اس ستون مجھے اپنے اوپر گرتا ہوا سا محسوس ہوا۔ اس سے قبل کہ میں کچھ سوچ سکتا، کچھ سمجھ سکتا یا کوئی مزاحمت کرسکتا، میں دبیز اندھیرے میں اوپر سے نیچے کی طرف گرا۔ وہاں چاروں طرف اندھیرا تھا۔ درو دیوار سے سیلن کی شدید بدبو آرہی تھی۔ میں نے اپنے باطن کا دروازہ کھٹکھٹانے کی کوشش کی اور مجھے جواب ملا وہ انتہائی مایوس کن تھا۔ میں کالی کے پُراسرار تہ خانے میں قید کرلیا گیا تھا۔ اس تہ خانے کی دیواریں گرانا اور وہاں سے روشنی کی کسی کرن کا درآنا ناممکن تھا۔

وہ ایک اندھا مجبس تھا۔ مجھے یہ سوچنے میں دیر نہیں لگی کہ انہوں نے آنند لال کا چارا ڈال کر مجھے مندر میں بلانے کی سازش کی تھی اور اب انہوں نے مجھے کوئی مہلت دیے بغیر اس قدیم تہہ خانے میں قید کر دیا ہے۔ یہاں ہر طرف نمی تھی...... زمین پر صدیوں کی دھول جمی ہوئی تھی۔ ہر طرف گہرا اندھیرا تھا۔ میرے پاؤں رپٹ رہے تھے لیکن میں نے اپنی تمام جسمانی طاقتیں یکجا کر کے تہ خانے کی دیواروں کے ساتھ بھاگنا شروع کر دیا۔ جلد ہی مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ کتنا لمبا، کتنا چوڑا ہے۔ درمیان میں ایک بہت بڑی مورتی تھی۔ اس کی زبان باہر نکلی ہوئی تھی۔ اس کے جسم پر سر سے پیر تک ہاتھ پھیر کر میں نے اس کی جسامت کا بھی اندازہ کیا اور جب میں نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو محسوس ہوا جیسے وہاں ایک خول ہے۔ میں نے ہاتھ اٹھا لیا اور مورتی کے پہلو میں بیٹھ کر اپنا منتشر ذہن یکجا کرنے کی ناکام کوشش کی۔ مورتی کچھ اونچی جگہ نصب تھی۔ اس کے پہلو میں بیٹھ کر میں نے اپنا ذہن مجتمع کرنے کے لئے اس ویران اور وحشت ناک ماحول میں آلتی پالتی مار کر مراقبے کا عمل کیا۔ مجھے باہر جانے کا کوئی راستہ نظر نہیں آرہا تھا۔ میں ان دیواروں سے باہر دیکھنے کی قوت

سے بھی محروم ہو چکا تھا۔ یہ دیواریں سحر و اسرار کی دیواریں تھیں۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ میں ایک
مراقبے میں بیٹھ کر خود کو تسلیاں دیتا رہا۔ انکا میرے قبضے میں نہیں تھی اور نندا جیسے عظیم پجاری کی
شکتیاں وہ دیواریں توڑنے سے قاصر نظر آ رہی تھیں۔ انہوں نے اپنا کام کر لیا تھا۔ وہ سزا جو عدالت
دے سکی تھی، آخر انہوں نے مجھے دے دی۔ کوئی اندازہ کر سکتا ہے کہ ایک ایسا شخص جو کئی پہلوانوں
قوت رکھتا ہو، جو اپنی انگلی کی ایک جنبش سے در و بام ہلانے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو، اس ناکامی
محرومی سے اس کا کیا حال ہوا ہو گا؟ میں شکست تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ میرے خون میں
گرمی تھی اور مجھے انکا کی یہ باتیں یاد آ رہی تھیں کہ میں نے انہیں بہت زیادہ ڈھیل دی تھی۔ میں نے ایک
کام کیا۔ نندا کا چہرہ جب ذہن کے پردوں پر نمودار ہوا تو مجھے اس سے ایک الجھن ہوئی اور میں
دیواریں دوبارہ ٹٹولنی شروع کر دیں۔ میری آنکھیں اتنی دیر میں اندھیرے سے مانوس ہو چکی تھیں۔
کچھ دھندلے دھندلے دیواروں کے نقوش نظر آنے لگے۔ کالی کی بڑی مورتی بھی اب کچھ صاف
تھی۔ مجھے جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ یہاں سے نکل سکنے کے امکانات بہت کم ہیں اور کوئی باہر کی طاقت
مجھے یہاں سے نکال سکتی ہے۔ مجھے کلدیپ کا خیال آیا۔ وہ اب تک جاپ میں مصروف تھی۔ انکا
میں داخل نہیں ہو سکتی تھی۔ آنند لال کو انہوں نے گھیر لیا تھا۔ سید...... ہاں سید، مگر سید؟ وہ مستانہ وار
جب تک آئے گا، میرا دم ہی نہ گھٹ جائے گا؟ مجھے اب مرنے کی کوئی تمنا نہیں تھی۔ میں اس تہ
سے باہر نکل کر صرف چند دن کی زندگی چاہتا تھا۔ چند دن کی زندگی تاکہ میں انہیں خاک و خون میں
ہوا دیکھ سکوں۔ یہ بے بسی کا اختتام مجھے پسند نہیں تھا۔ اتنی جد و جہد کے بعد یہ موت مجھے گوارا نہ تھی۔
میں انہیں نہیں چھوڑوں گا۔ میں نندا سے معذرت چاہتا ہوں۔ جو بھی سامنے نظر آئے، اس کا وجود
دیا جائے۔ رگ و پے میں بجلیاں سی دوڑ رہی تھیں۔ مجھے ایک کوشش اور کرنی چاہئے۔ میں نے
ایک ہانک لگائی لیکن میری آواز تہ خانے کے شکستہ دیوار و در سے ٹکراتی ہوئی خود میرے کانوں میں
بن کر اتر گئی۔ کوئی نہیں، کوئی نہیں۔ میں وحشت کے عالم میں ایک طویل مراقبے میں ڈوب گیا۔ مجھے
معلوم کتنا وقت میں نے گزارا۔ اندھیرے میں صبح و شام کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ پھر میرے سار
میں اس وقت ارتعاش پیدا ہوا جب میں نے اپنے انگوٹھے پر کسی کا لمس محسوس کیا۔ میں نے
آنکھیں کھول دیں۔ ایک خوں خوار چوہا میرے دائیں ہاتھ کا انگوٹھا کتر رہا تھا اور دوسرا چوہا میرے
کے قریب تھا۔ ان کی جسامتیں اتنی بڑی تھیں کہ میں تھرا کر رہ گیا۔ میری جنبش، میری حرکت سے
ہو گئے۔ اندھیرے کے باوجود مجھے ان کی آنکھیں چمکتی ہوئی نظر آئیں۔ وہ خرخرا رہے تھے اور
سفید دانت میرا مذاق اڑا رہے تھے۔ میں نے انہیں شی شی کر کے اپنے سامنے سے ہٹانے کی کو
وہ سامنے سے ہٹ گئے اور تھوڑی دیر میں اَن گنت چوہے مورتی کی آنکھوں کے خول سے باہر

جسم کے گرد گردش کرنے لگے پھر ان کی تعداد بڑھتی گئی۔
ان کی بڑھتی ہوئی تعداد، خرخراہٹ کی آوازیں، تہ خانے کی ہولناکیاں، ایسے موقع پر اپنی
زائل ہوتے دیکھ کر مجھے سردی سی محسوس ہونے لگی۔ میں نے خود کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن خوں
چوہوں نے میرے جسم کے گرد مجمع لگانا شروع کر دیا تھا۔ ”ہٹو، ہٹو۔ شی شی۔“ میں ہاتھ چلاتا ہوا اپنی
سے اٹھا اور کچھ سوچے سمجھے بغیر تہ خانے کی اس سمت میں بھاگا جو مورتی کے عین مقابل تھی۔ نم زمین
جگہ جگہ کائی جمی ہوئی تھی۔ کئی جگہ میرا پاؤں رپٹ گیا۔ بمشکل تمام دیوار سے لگ کر میں نے اپنی سانس
درست کی۔ اندھیرے میں دور رکھی ہوئی دیو قامت مورتی نظر نہیں آ رہی تھی، حالانکہ اندھیرا اب اتنا گہرا
نہیں تھا۔ ابھی دیوار کے ساتھ کھڑے ہوئے چند لمحوں بھی نہ گزرے تھے کہ مجھے اپنا پیر ایک چیخ کے
ساتھ اوپر اٹھانا پڑا۔ چوہے میرا ارادہ بھانپ کر تیز رفتاری سے تہ خانے کی دوسری طرف آنے شروع
ہو گئے تھے۔ کبھی میں اپنا دایاں پیر پٹختا، کبھی بایاں۔ وہ میرے پیر پر ٹھوکے مار رہے تھے اور ان کے دانت
اتنے نکیلے اور تیز تھے کہ مجھے اپنے پیروں میں بیک وقت کئی سوئیاں اترتی محسوس ہوئیں۔ تھوڑی دیر میں،
میں نے تہ خانے کے گرد کئی چکر لگا لیے۔ میں جس گوشے میں سمانے کی کوشش کرتا، ایسا معلوم ہوتا جیسے
وہ وہاں پہلے سے موجود ہوں۔ میں جہاں بھاگتا، وہ تیز رفتاری سے میرا تعاقب کرتے۔ میں جہاں
ٹھہرتا، وہیں وہ میری ٹانگیں گھیر لیتے۔ میں نے کئی بار اپنی انگلیاں گھمائیں لیکن تہ خانے میں میری انگلی
کی جنبش سے کوئی شعلہ نہیں نکلا۔ میری کسی حرکت سے کوئی کرشمہ رونما نہیں ہوا۔ میں کب تک قید
خانے کی دیواروں کے ساتھ بھاگتا۔ آہستہ آہستہ میرے اعصاب جواب دینے لگے۔ اپنی بے بسی اور
درماندگی کے احساس نے مجھے اور بھی نڈھال کر دیا۔ میری قبر وسیع و عریض تھی، میرے شایانِ شان۔ یہ
سب جلد ہی میرا رشتہ اس دنیا سے توڑنے والے تھے۔ انہیں شاید مجھ جیسے خطرناک شخص کو ختم کرنے
کے لئے پرورش کیا گیا تھا۔ پنڈتوں، پجاریوں نے میرے لیے واقعی ایک عبرت ناک سزا تجویز کی
تھی۔ جب ایک مدت بعد کسی دن وہ یہ تہ خانہ کھولیں گے تو انہیں میری ہڈیاں بھی سلامت نہیں ملیں گی۔
کاش مجھے ایک اور موقع مل جائے کاش ایک بار میں باہر نکل سکوں۔ صرف ایک بار، لیکن میری خواہش
دیوانے کا خواب تھی۔ میری مدد کرنے کے لئے نہ وہاں کلدیپ آئی، نہ سید کا کوئی نعرہ گونجا۔ میں تنہا ان
چوہوں سے لڑتا اور اِدھر اُدھر بھاگتا رہا اور آخر تھک ہار کر میں مورتی کے قریب چبوترے پر ڈھیر ہو گیا۔
ڈھیر ہوتے ہی وہ میرے جسم پر کودنے لگے اور انہوں نے جگہ جگہ میری کھال میں سوراخ کرنے
شروع کر دیے۔ میں جھرجھری لے کر اٹھتا، بھاگتا اور پھر وہیں گر جاتا۔ شدید غصے اور خوف کے عالم
میں میں نے اپنا کان کترتے ہوئے ایک چوہے کو پکڑ لیا اور اسے اتنی زور سے دبایا کہ اس کی آنکھیں
باہر آ گئیں لیکن اسی اثناء میں دوسرے چوہے میرے جسم پر بے شمار دانت گاڑ چکے تھے۔ میں نے گھبرا

کرا سے دور پھینک دیا اور چبوترے پر ہذیانی انداز میں لوٹنے لگا۔ میرا سر مورتی کے قدموں سے ٹکرایا خون نکل کر سارے چہرے پر پھیل گیا۔ وحشت میں، پتھر کی مورتی کے قدموں کو میں نے اپنے دانتوں سے کاٹنا چاہا۔ چوہے اب میرے سارے جسم کا احاطہ کر چکے تھے۔ موت و زندگی میں اب صرف چند باقی تھے میں نے اپنے دفاع کے لئے ہر صورت اختیار کر کے دیکھ لی تھی۔ مراقبہ کیا تھا، اپنی طاقتیں آزمائی تھیں اور اپنے محسنوں کی آوازیں دی تھیں۔ زندگی کے لئے آدمی کیا کر سکتا ہے۔ موت سے کون بچا تھا لیکن ایسی موت گوارا نہیں تھی جو ان حقیر چوہوں کے ہاتھوں انجام پائے۔ جتنا وقت گزر رہا تھا اپنی ناتوانی کا احساس ہو رہا تھا۔ ان بہت سے چوہوں کے سامنے ایک آدمی کی کیا حیثیت ہے؟ میں نے مزاحمت کا ارادہ ترک کر دیا۔ ایک غضب ناک نظر مورتی پر ڈال کر میں نے اپنا لہولہان جسم سمیٹا تو چوہے ادھر اُدھر ہو گئے۔ ان کی آوازیں اور تیز ہو گئیں۔ میں نندا کی طرح مرنے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ آدمی جب یہ ارادہ کر لے کہ اسے مرنا ہی ہے تو اس پر اذیتوں کا دور ختم ہو جاتا ہے۔ جمیل احمد خان بھی مرنے کے لئے تیار ہو گیا لیکن اس طرح ایڑیاں رگڑ رگڑ کر نہیں۔ میں تپسیا اور گیان دھیان کرتے ہوئے مرنا چاہتا تھا۔ کسی کی تپسیا اور گیان دھیان نہیں، مراقبے اور ارتکاز، سکون اور انجماد کا عمل، نہ کسی کی تمنا، نہ کسی کی ہوس۔ صرف اپنی ذات میں بند ہو لیا جائے۔ صرف اپنے خول میں مقید ہو لیا جائے۔ اس سے پہلے میں مراقبے کے عمل میں ناکام ہو چکا تھا۔ چوہے میرے جسم سے لپٹے ہوئے تھے اور میں شدید اذیت سے دوچار تھا۔ ان کے ناخن جیسے دانتوں نے میرا جسم ہر جگہ سے چھید دیا تھا۔ میں نے خود پر لعن طعن کی کہ نندا کے استھان پر جب چیونٹیاں میرے جسم پر رینگتی تھیں اور شیطانی بلائیں میرے ارتکاز میں مخل انداز ہوتی تھیں، اس وقت میں نے اپنی توجہ کسی بات کی طرف مبذول نہیں کی تھی۔ میں اپنی جگہ جم جاؤں گا۔ ایک بت کی طرح۔ ایک مجسمے کے مانند۔ میں ہمت کر کے اٹھا اور میں نے اپنا ہاتھ اور جھٹک کر چوہوں کو دور کرنے کی سعی ناکام کی۔ کسی ایک جانب، ایک مخصوص انداز میں بیٹھنا ایک دشوار گزار عمل تھا کیونکہ وہ جسم چاٹ رہے تھے اور انہوں نے متعدد جگہ سوراخ بنا لیے تھے۔ خون کی بوندیں کھال سے باہر نکلنے لگی تھیں۔ میں نے اپنے دونوں پیر ایک دوسرے کے اوپر رکھ لیے اور اپنا ہاتھ نکالیا۔ میرا دوسرا اکتا ہوا ہاتھ میری بغل سے چپک گیا۔ ایک جھرجھری لے کر میں نے آنکھیں بند کر لیں اور آنکھوں کے ڈلے ان کی جگہ سے ہٹانے لگا۔ ٹھیک اسی لمحے ایک چوہا میری ناک پر اپنے پنجے گاڑنے لگا لیکن میں انتہائی ضبط کیے بیٹھا رہا۔ میں نے انہیں اپنا جسم روندنے کی پوری آزادی دے دی اور ہر قسم کی مدافعت ترک کر دی۔ وہ نوچتے کھسوٹتے رہے اور میں اپنی آنکھیں بند کیے ساکت و جامد رہا۔ وہ میری آنکھوں پر چڑھ آئے۔ کوئی ایسا شخص جو مراقبے کے ابتدائی مراحل میں ہوتا وہ کبھی اتنی اذیت برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ انہوں نے میرا انہماک توڑنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ ان کے دانت

اپنا زہر میرے جسم میں انڈیلتے رہے اور میں بیٹھا رہا۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ وہ اسی وقت مجھے اپنی جگہ سے ہلا سکیں گے جب میرا سانس مجھ سے رخصت ہو رہا ہوگا۔ میں اب آخری بار ہی زمین پر ڈھیر ہوں گا۔ وہ مجھے اپنی جگہ سے ہلانے میں ناکام ہونے لگے تو میرے ارادے میں اور قوت پیدا ہوتی گئی۔ وہ بار بار مجھ پر حملے کر رہے تھے، اچھل رہے تھے۔ میں اپنے اندر مستغرق تھا اور میری کیفیت ایسی تھی جیسے میری موت واقع ہو گئی ہو۔ جیسے میرا خون رگوں میں جم گیا ہو اور میرے دست و پا پتھر کے بنے ہوئے ہوں۔ ان کی یلغار سے میری استقامت میں کوئی کمی نہیں آئی، بلکہ کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ یہ ایک ایسا استغراق تھا جو بڑے بڑے رشی اور منیوں نے نہیں کیا ہوگا۔ یہ ایک ایسی برداشت تھی جس کے لئے فولاد کے اعصاب چاہئیں۔ یہ نندا کے استھان پر گزارے ہوئے میرے دنوں، میری ریاضت کا آخری امتحان تھا۔ موت میرے قریب تھی مگر میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے دشمنوں کو میری پسپائی کا مذاق اڑانے کا موقع ملے۔ وہ یہاں آئیں تو یہ دیکھیں کہ جمیل احمد خان ان کے خوں خوار چوہوں کی فوج کے سامنے سینہ تانے بیٹھا رہا۔ وہ بڑے ٹھسے کے ساتھ مرا۔ ان کی دیوی گواہ ہوگی کہ میں نے آخری لمحوں میں مرنے کا ایک شاندار ترین طریقہ اختیار کیا تھا۔ چوہے میرے جسم پر دندناتے رہے اور میں آنکھیں بند کیے اپنے آپ کو قابو میں رکھنے کی ترغیب دیتا رہا اور پھر ایک وقت گزر گیا۔ تہ خانے کے یکساں اندھیرے میں صبح و شام کا تعین نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پھر میری آنکھیں بھی بند تھیں۔ وقت کا اسے احساس بھی نہیں رہتا جو ایسے لمحوں میں ڈوب جائے۔ میں سمجھ رہا تھا کہ میں آہستہ آہستہ مر رہا ہوں۔ میری نبضیں ڈوب رہی ہیں۔ کوئی خوف ناک چوہا جسم کا کوئی حصہ کرید کر زندگی کا احساس دلا جاتا تھا۔ جسم میں سوزش سی تھی۔ میرے کپڑے انہوں نے پہلے ہی پھاڑ دیئے تھے۔ لیکن وہ خاصہ وقت گزر جانے کے بعد بھی میری سانس کی ڈور توڑنے میں ناکام رہے۔

پھر یہ ہوا کہ میں نے اپنا شعور پوری طرح قابو میں کر لیا، مراقبہ خوابیدگی کی کوئی علامت نہیں ہے بلکہ ایک ضبط ہے جس میں کامیابی کے بعد ایک نشہ سا طاری ہو جاتا ہے۔ فخر اور برتری کا نشہ۔ یہ احساس کہ ہم نے اپنی خارجی اور داخلی کیفیات اپنے تابع کر لی ہیں۔ یہ احساس قوت کا سرچشمہ ہے پھر آدمی کسی سے خوف زدہ نہیں ہوتا۔ بتدریج میں نے اپنے بکھرے ہوئے حواس و اعصاب اپنی گرفت میں لے لیے۔ انہوں نے اس مجسمہ کا انتخاب کر کے یقیناً عقل مندی کا ثبوت دیا تھا۔ یہاں خطرناک قسم کے چوہے تھے اور دیوی کا بت تھا جسے انہوں نے میرا امانت دار بنا دیا تھا۔ وہ چوہے ہمیشہ مجھے تنگ کرتے اور مجھے آخر میں ان کی غذا بن جانا تھا۔ میرا یہ انجام ان کی نفرتوں کی تسکین کے لئے کافی تھا لیکن وہ یہ بات نہیں جانتے تھے کہ میں نے نندا کے ساتھ تبت میں ایک بڑا عرصہ گزارا ہے۔ انہوں نے مجھے تہ خانے میں قید کر کے میری طاقتیں زائل کر دی تھیں لیکن وہ اس بات سے ناواقف تھے کہ میں

نے صبر وضبط کا کیسا درس حاصل کیا ہے۔ سو میں نے اس تہہ خانے کو سکون و عافیت کا گہوارہ سمجھنا شروع کر دیا۔ نتیجتاً موت میرے قریب آنے کے بجائے دور ہوتی گئی اور چوہوں کی شدید خون خواری میں کمی آنے لگی۔ اب بھی وہ میرے جسم پر قابض تھے اور گاہے گاہے اپنے دانت چبھو کر میرا سکون مرتعش کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ میں اپنی جگہ جما بیٹھا رہا۔ مجھے نہیں معلوم کہ کتنا وقت گزرا، کتنے دن کتنے موسم گزر گئے۔ چوہوں نے مجھے ساکت کر دیا۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ طویل تر انہماک کے بعد جب میں مراقبے سے فارغ ہوتا تو چند لمحوں بعد دوسرا مراقبہ شروع کر دیتا۔ تہہ خانے کا اندھیرا اب میری آنکھوں کو راس آ گیا تھا اور چوہے اپنے بلوں میں کہیں چھپ گئے تھے۔ میں زندہ تھا۔ ایک بار پھر مجھ پر سکون، انجماد، سردی، عفو، درگزر کے احساسات غالب آ گئے۔ یہ جگہ مجھے بہت اچھی لگنے لگی۔ یہ وہ مقام تھا جو اس دنیا میں ہوتے ہوئے بھی دنیا سے الگ تھلگ تھا۔ مجھے اس میں لذت ملنے لگی۔ میں طویل مراقبوں سے فارغ ہوتا تو تہہ خانے میں چہل قدمی شروع کر دیتا۔ مجھے کھانے پینے کی کوئی پروا نہیں تھی۔ چند لمحے تہہ خانے کا چکر لگا کر اطمینان کے ساتھ میں دوبارہ اپنی دنیا میں کھو جاتا۔ میری بیداری کی مدت بہت مختصر تھی۔ جسم پر چوہوں کے لگائے ہوئے زخم بھر چکے تھے۔ کپڑے تار تار تھے۔ میں نے وہ تار تار لباس ایک کر کے زیر جامے جیسا ایک کپڑا تیار کر کے ستر پوشی کر لی تھی۔ یوں کوئی سدھ بدھ نہ تھی۔ نہ کچھ یاد آتا تھا، نہ کسی کو دیکھنے کی تمنا تھی۔ باہر اندھیرا تھا لیکن قلب و ذہن میں روشنی تھی۔ طمانیت کا احساس تھا۔ تہہ خانے میں صد ہا قسم کے کیڑے مکوڑے تھے۔ چوہے اب بھی بلوں سے باہر نکلتے لیکن میری طرف توجہ دینے کے بجائے وہ اِدھر اُدھر گھومتے رہتے۔ میں کھلی آنکھوں کے ساتھ ارتکاز کا عمل جاری رکھتا۔ مورتی کے خدوخال میری نظروں میں ابھرنے لگے تھے۔

وقت گزرتا رہا اور ایک دن کسی لمحے اپنے طویل مراقبے کے دوران میں نے یہ محسوس کیا کہ تہہ خانے میں روشنی کی کوئی کرن نمودار ہوئی ہے۔ جیسے درز کھل گئی ہو۔ میری آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ میں نے اس طرف کوئی توجہ نہیں دی بلکہ اپنے مراقبے میں مصروف رہا۔ اتنے دنوں بعد روشنی دیکھ کر مجھے دکھ ہوا۔ گہرے سانس لے کر میں نے اپنے مراقبے کا سلسلہ ختم کر دیا۔ روشنی کا دائرہ لمحہ بہ لمحہ پھیلتا جا رہا تھا۔ غیر اختیاری طور پر میں نے اپنی انگلی اٹھائی اور جدھر سے روشنی کا گزر ہو رہا تھا، وہاں انگلی سے کراس کا نشان بنایا۔ روشنی بند ہو گئی اور میرے جسم میں میٹھا میٹھا درد ہونے لگا۔ دوسرے لمحے میں نے خود کو مصروف کر دیا۔ میں اس تہہ خانے میں سورج کی روشنی دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ چونکہ یہ ایک ایسی جگہ تھی جہاں سکون افراط سے تھا، روشنی آنکھوں کے لئے مضر شے ہے کہ اس سے گناہ نظر آنے لگتے ہیں۔ میں نے روشنی کا نفوذ بند کر دیا۔ میں نے یہ خیال بھی ذہن میں در آنے سے روک دیا کہ میری انگلی کی جنبش نے روشنی بند کر دی لیکن میں زیادہ دنوں تک پھر خود کو مراقبے میں مصروف نہ رکھ سکا۔ وہ کرن پھر نمودار ہوئی

اور اس نے میرا سکون درہم برہم کر دیا۔ میں وہی عمل دہراتا اور تہہ خانے میں دوبارہ تاریکی چھا جاتی۔ یہ سلسلہ کب تک چلتا؟ روشنی کی اس کرن نے جو ایک عرصے بعد اس تاریکی میں نمودار ہوئی تھی، مجھے اٹھنے پر ورغلایا۔ پھر میں سمجھ گیا کہ یہ اس پُراسرار محبس سے جانے کا کوئی اشارہ ہے، آگے کوئی راستہ نہیں ہے کیونکہ اس سے زیادہ عذاب ناک ماحول کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ قبر میں اتارے جانے کے بعد کون زندہ رہتا ہے؟ میں سخت جان ہی زندہ رہ سکتا تھا۔ میرے اور روشنی کی اس کرن کے درمیان آنکھ مچولی ہوتی رہی اور مجھے اپنا برف جسم ہلانا پڑا۔ میں نے بڑی مورتی پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ اس کی نکلی ہوئی زبان اس کے اضطراب کا پتا دیتی تھی۔ وہ پتھر کی ہو کر بھی مضطرب معلوم ہوتی تھی۔ میں گوشت پوست کا ہو کر بھی سرد تھا، جما ہوا۔ روشنی کی اس کرن نے مجھے پگھلانا شروع کیا اور میں نے انگلی گھما کر دائرہ بڑا کر دیا۔ سارا تہہ خانہ روشن ہو گیا۔ چوہے باہر نکل آئے۔ ان کی ہیبت ناک آوازوں اور گڑگڑاہٹ سے تہہ خانہ گونج اٹھا لیکن اب وہ مجھ سے کچھ دور دور تھے۔ وہ ایک بڑا سوراخ تھا جس کی روشنی نے زمین دوز ہال کو منور کیے ہوئے تھی۔ میں نے آگے جا کر دیکھا، مجھے تہہ خانے کی سیڑھیاں نظر آئیں۔ خود بخود میرے قدم اٹھ گئے اور سیڑھیاں میرے جسم کی زد میں آ گئیں۔ ایک صاف زینہ عبور کر کے میں نے گھبرا کر اوپر دیکھا تو وہ وہی مندر تھا جہاں سے مجھے اس تہہ خانے میں دھکیلا گیا تھا۔ وہاں چہل پہل نظر نہیں آ رہی تھی۔ باہر سر نکالا تو مجھے اپنے دماغ میں ایک دھماکا سا محسوس ہوا۔ دن چڑھا ہوا تھا، سورج کی روشنی میں مجھے اپنے جسم میں زبردست طاقتوں کا علم ہوا۔ مجھے اپنے قدم وزنی معلوم ہوئے اور سر ہلکا سا لگا۔ مندر دیکھنے کے بعد مجھے وہ رات یاد آ گئی۔ جب انہوں نے مجھے اس اندھیرے محبس میں دھکیلا تھا۔ غصے کی ایک تیز لہر آ کر گزر گئی اور میں نے دوبارہ تہہ خانے میں جانے کا ارادہ کر لیا۔ میرا دل بدل گیا تھا۔ میں وہاں دوبارہ نہ جا سکا کیونکہ سیڑھیاں پانی میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ مندر کے فرش پر میری آنکھیں چندھیانے لگیں۔ فرش کی زمین گرم تھی۔ میرے جسم پر ایک چیتھڑا سی دھوتی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ سارا جسم دھول خاک میں اٹا ہوا تھا۔ میں نے مندر کے ایک گوشے میں کنوئیں کے اندر جھانک کر پانی نکالنے کی کوشش کی تو کسی نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''تو کون ہے ملیچھ؟ جل گندا کیوں کرتا ہے؟''

میں نے مڑ کر دیکھا تو ایک پجاری غیظ و غضب کی نگاہوں سے مجھے گھور رہا تھا۔ ''میں پانی نکال رہا تھا مہاراج۔'' میں نے نرمی سے جواب دیا۔

''یہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں، پر تو ہے کون؟ اور تو نے اپنی کیا دشا بنا رکھی ہے؟'' پجاری نے جز بز ہو کر پوچھا۔

''میں ایک مجبور اور ستم رسیدہ آدمی ہوں۔'' میں نے بدستور عاجزی سے کہا۔ ''مجھے تھوڑا پانی

چاہئے۔''

''تجھے یہاں کس نے آنے دیا؟ کیا تجھے نہیں پتا کہ یہ پوتر جل صرف پنڈتوں، پجاریوں کے لئے ہے۔'' اس نے برہمی سے کہا۔

''بگڑتے کیوں ہو مہاراج! صرف ایک لٹیا جل کے لئے اتنے ناراض ہوتے ہو۔ مجھے پتہ کہ یہ کنواں صرف پنڈتوں، پجاریوں کے لئے ہے۔'' میں نے کنوئیں کے منڈیر سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔

''چھی چھی......'' اس نے میرے جسم پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ''تو نے سارا پوتر جل خراب کر مورکھ، تجھے دیوی کبھی شما نہیں کرے گی۔''

''تو تم خود مجھے تھوڑا سا پانی دے دو مہاراج!'' میں نے منت کی۔

''دیوی مجھے اپنی شرن میں رکھے۔ جا جا، میں تیرے شریر کو ہاتھ لگاؤں گا؟ کیا تو پاگل ہے؟ جا یہاں سے...... کیلاش جی کو پتا چل گیا تو وہ تجھے کشٹ دے دیں گے۔'' اس نے مجھے دھتکارتے کہا۔

''ٹھیک ہے مہاراج۔'' میں نے آہستگی سے کہا۔ ''میں جاتا ہوں۔''

جب میں چلنے لگا تو اس کی گھبرائی ہوئی آواز مجھے سنائی دی۔ ''ٹھہر۔ او منش، ذرا ٹھہر۔ ذرا تیرا نام کیا ہے؟''

میں نے رک کر اور پلٹ کر اسے دیکھا تو اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ ''کیا ہے مہاراج؟''

''تو...... تو تم جمیل احمد خان ہو؟'' اس کی زبان لرز رہی تھی۔

''ہاں۔ تم نے ٹھیک پہچانا۔'' میں نے سرد مہری سے کہا۔

''تم زندہ ہو۔ تمہیں تو...... میرا مطلب ہے، تمہیں تو......'' وہ کہتے کہتے رک گیا۔ الفاظ منہ سے بمشکل ادا ہو رہے تھے۔

''چھوڑو اسے مہاراج!'' میں نے بے پروائی سے کہا۔

میں یہ کہنا بھول گیا کہ میرے سر اور داڑھی کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے اور میرا چھپ گیا تھا۔ جسم پر برائے نام لباس تھا۔ اس عجیب حلیے میں چھوٹے قد کے اس پجاری نے مجھے اور جب اسے یہ علم ہوا کہ میں جمیل احمد خان ہوں تو اس کی حالت غیر ہوگئی۔ کوئی یقین نہیں کر سکتا پُراسرار تہ خانے سے میری واپسی ممکن ہے۔ اس کی برہمی سے میں نے حتی الامکان گریز کیا کیا۔ اس کے تیور دیکھ کر میرے سینے میں کہیں چھپی ہوئی نفرت ابلنے لگی لیکن میں نے اسے دبا

''وہ تو کہتے تھے کہ تمہیں دیوی پر بلیدان کر دیا گیا۔'' وہ حیرت سے بولا۔

''وہ ٹھیک کہتے تھے لیکن دیوی نے شاید یہ بلیدان سویکار نہیں کیا۔'' میں نے طنز بھرے لہجے میں جواب دیا۔

''ستیہ ہے، ستیہ ہے۔'' وہ کچھ سوچ کر اور گھبرا کر دہرانے لگا۔ ''آؤ میری کٹیا میں آؤ۔ میں تمہارے ہاتھ پیر دھلاؤں گا۔''

''تم میری ہمدردی میں مارے جاؤ گے، میں ایک مسلمان ہوں۔''

''مجھے ان کا کوئی خوف نہیں ہے۔ جب دیوی نے تمہیں شما کر دیا تو پھر اس کے سیوکوں کو تم سے کیا ...؟ آؤ آؤ شریمان جمیل احمد خان! میرے ساتھ آؤ۔''

پجاری کا نام مرلی دھر تھا۔ وہ شدید حیرت اور تذبذب سے دوچار تھا۔ وہ بڑبڑاتا رہا۔ جب وہ کٹیا کی طرف چلا تو میں اس کے پیچھے ہولیا۔ مندر کی شکستہ عمارت سے گزرتے ہوئے ہم پجاریوں کی کٹیاؤں کی طرف بڑھنے لگے۔ مرلی دھر سہما ہوا تھا اور اِدھر اُدھر دیکھ کر چل رہا تھا۔ ابھی وہ اپنی کٹیا تک نہیں پہنچا تھا کہ راستے میں پجاریوں کا ایک گروہ اس سے ٹکرا گیا۔ مرلی دھر نے نظریں چرانے کی اور مجھ سے دور ہو کر بے تعلقی کا اظہار کرنے کی کوشش کی لیکن ان لوگوں نے مجھے اس کے ساتھ دیکھ لیا تھا، میری ... کدائی، جسم پر اُگے ہوئے بالوں اور گندے جسم کو انہوں نے حقارت کی نظر سے دیکھا اور مرلی دھر سے پوچھا ''یہ کون ہے مرلی دھر جی؟''

''یہ...... یہ، ارے کیلاش جی! تم اسے نہیں جانتے؟'' مرلی دھر ہڑبڑاتے ہوئے بولا۔ ''تمہیں معلوم ہے کہ دیوی جس کے بلیدان کو سویکار نہیں کرتی، اس کا استھان ہمارے درمیان ہونا چاہئے۔''

''کیا......'' کیلاش ناتھ نے مجھے سرتاپا گھور کر کہا۔ ''کیا...... ارے مرلی دھر جی۔ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟'' اس نے حیرت سے کہا۔

''ہاں۔ تمہاری آنکھیں دھوکا نہیں کھا رہی ہیں۔'' مرلی دھر اس بار کسی قدر حوصلے سے بولا۔ ''یہ ...ہے۔''

''پرنتو......'' کیلاش ناتھ کی نظروں سے حیرت ہویدا تھی۔ ''آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا۔ یہ کس طرح ...ہے؟''

میں ان کی باتیں سن رہا تھا۔ مجھے کیلاش ناتھ کا چہرہ یاد آ گیا۔ وہ بمبئی کی عدالت میں پجاریوں کے ...تھا۔ اب مجھے کچھ ہوش آ رہا تھا اور ان کی گفتگو سے دبی ہوئی چنگاریوں کو ہوا لگ رہی تھی۔ ...ناتھ کو مجھ سے ہمدردی پر اکسانے کے لئے مرلی دھر نے بڑا زور لگایا۔ وہ اور اس کے ساتھی ...فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے کہ وہ میرے ساتھ کیا سلوک کریں۔ آخر کیلاش ہم سب کو چھوڑ کر ...اندر گیا اور چند لمحوں بعد واپس آ کر اس نے کہا۔ ''مرلی دھر! یہ مندر سے باہر نہ جانے پائے۔''

"پر کیلاش جی!" مرلی دھر نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "یہ اسی پوتر استھان پر دیوی کے ساتھ [illegible] رہا ہے۔ کیا یہ ہماری ہمدردی اور سلوک کا مستحق نہیں؟ کیا اسے جیوت دیکھ کر تمہیں دیوی کی [illegible] نہیں چلتا؟ میں نے اسے اپنی کٹیا میں جل اور کپڑا دینے کا وچار دیا تھا۔ تم چاہو تو اسے روک لو۔"

"ہاں، اسے روکے رکھو۔ ابھی یہ مندر میں ہے۔ اسے جل اور کپڑا دینے کا سمے نہیں آیا۔" [illegible] ناتھ نے حیرت زدہ انداز میں مرلی دھر اور دوسرے پجاریوں کو حکم دیا کہ وہ مجھ پر نظر رکھیں۔ وہ بوکھلا [illegible] تھا۔ میں ابھی تک خاموش تھا۔ مرلی دھر نے مایوسی سے سر جھکا لیا۔ کیلاش ناتھ اندر جانے لگا تو اس [illegible] قدم میری آواز پر زمین سے لگ گئے۔ میں نے پہلی بار اسے نرمی سے مخاطب کیا۔

"کیلاش ناتھ جی! اگر تمہارے من میں کوئی اور وچار ہے تو اسے نکال دو۔ میرا غصہ نہ [illegible] میں اگر جانا چاہوں تو تم مجھے نہیں روک سکتے۔ بھلے مانسوں کی طرح یہ حقیقت تسلیم کر لو کہ تم [illegible] غلطیاں کر رہے ہو۔ مرلی دھر نے مجھے جل دینے کے لئے روکا تھا۔ میں اس قید خانے سے خود باہر نہیں جانا چاہتا تھا لیکن میرا وہاں ٹھہرنا اب ناممکن تھا۔ اس سے اچھی جگہ دنیا میں کہیں نہیں ہے۔ وہاں تم [illegible] منش نہیں رہتے جن کے من میں کھوٹ ہو۔"

"اسے روکو، اسے روکو......" میری بات کا جواب دینے کے بجائے کیلاش ناتھ گھبرایا اور [illegible] مندر میں جانے لگا۔

اس کے ساتھیوں نے میرے گرد گھیرا ڈال دیا لیکن وہ بہت ہراساں نظر آتے تھے۔ انہیں [illegible] ناتھ کا فیصلہ شاید پسند نہیں تھا۔ خود کیلاش ناتھ بھی متذبذب تھا۔ وہ مندر کی طرف جاتے ہوئے بار [illegible] کر دیکھتا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ ہندوستان کے بڑے پنڈتوں، پجاریوں سے رابطہ قائم کرنے اور [illegible] کی رائے لینے گیا ہے۔ اس کی واپسی جلد ممکن نہیں ہے کیونکہ اسے ایک جاپ سے گزرنا ہوگا۔ [illegible] سے باہر آتے ہی پھر وہی سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ مجھ پر جھنجلاہٹ سوار ہوگئی اور میں نے کیلاش ناتھ [illegible] سے آواز دی۔ "یہ لوگ...... کیلاش ناتھ جی۔ یہ لوگ مجھے روکنے کے لئے ناکافی ہیں۔ میں جا رہا [illegible] ہو سکے تو ٹھنڈے دل سے میرے بارے میں وچار کرنا۔" یہ کہہ کر میں نے ایک پجاری کے کاندھے [illegible] ہاتھ رکھا تو وہ بجلی کی طرح تیزی کے ساتھ پیچھے ہٹ گیا۔ کیلاش ناتھ بھاگا ہوا پھر میرے پاس آنے لگا۔ "نہیں، نہیں۔ تم نہیں جا سکتے۔" وہ ہذیانی انداز میں بولا۔

"تم یہ سب کچھ کر کے مجھے پچھلی باتیں یاد دلا رہے ہو۔" میں مندر کے دروازے کی طرف [illegible] بڑھا۔ "اسے روکو۔ اسے روکو۔" کیلاش ناتھ پجاریوں پر برس پڑا لیکن ان میں سے کوئی میرے قریب [illegible] آیا۔ میں نے مرلی دھر کو احسان مندانہ نظروں سے دیکھا۔ وہ سب سے الگ تھلگ خاموش [illegible] واپسی میں راستے بھر میں کیلاش ناتھ کا ہذیان سنتا رہا۔ دروازے کے پاس پہنچ کر پجاریوں اور [illegible]

[illegible] اور گروہ مل گئے تھے جنہوں نے کیلاش ناتھ کی آواز سن کر مجھے پکڑ لیا تھا مگر وہ میرے ایک جھٹکے سے زمین پر ڈھیر ہو کر بلبلانے لگے۔ میں دروازہ عبور کرنے ہی والا تھا کہ مجھے اپنے پیروں میں سوئیاں [illegible] چبھتی محسوس ہوئیں۔ میں نے مڑ کر دیکھا، کیلاش ناتھ وار کر چکا تھا۔ میرے تلووں پر باریک باریک [illegible] لگے ہوئے تھے۔ اپنے پیر اٹھا کر میں نے زور سے زمین پر پٹخے تو کانٹے گوشت میں سرایت [illegible] گئے۔ قریب تھا کہ میں کیلاش ناتھ کو اس کے اشتعال انگیز رویے پر سرزنش کرتا، وہ مجھے دروازے پر کھڑا ہوا عجیب سی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے اسے سلام کیا تو پرنام کے انداز میں اس کے ہاتھ اٹھ گئے اور میں باہر نکل آیا۔

☆......☆......☆

یہ بمبئی کی سڑکیں تھیں۔ یہاں ایک وحشی، جسم پر صرف ایک پھٹی ہوئی دھوتی پہنے جا رہا تھا۔ اس کا چہرہ بالوں سے چھپا ہوا تھا۔ جو بھی اس کے قریب آتا، وہ حیرت سے اس کا حلیہ دیکھتا اور ناک چڑھا کر دور ہو جاتا۔ یہ بمبئی کی سڑکیں تھیں، جہاں کبھی جمیل احمد خان کی بڑی کار گھوما کرتی تھی۔ دنیا کی رونق میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ وہی دکانیں، وہی بازار، چہل پہل۔ ہر شخص پوری طرح زندگی میں غرق تھا۔ صرف ایک شخص تھا جو ان سب سے الگ حلیے میں تھا، جسے اپنا ہوش نہیں تھا۔ زندگی جیسے جیسے نظروں کے سامنے سے گزرتی رہی، اس شخص کو ہوش آتا گیا۔ اسے یاد آیا کہ اس کے ساتھ زمانے نے کتنی ستم ظریفیاں کی ہیں۔ زندگی کی اس حرکت، اس گرمی و گرم بازاری سے اس کا جما ہوا خون بھی گردش کرنے لگا۔ اس تہ خانے میں قید ہو کر اس کی توانائیاں گھٹنے کے بجائے اور بڑھ گئی تھیں۔ وہ اور جوان اور تازہ دم معلوم ہوتا تھا۔ رگوں میں ایک کھلبلی سی ہونے لگی تھی۔ ایک نیا جوش...... ایک نیا عزم۔ لوگوں کے اداس، نڈھال چہرے سب اِدھر اُدھر سرگرم تھے۔ شہر کا کارواں رواں تھا۔

ایک نل پر بیٹھ کر میں نے اپنا چہرہ دھویا۔ مٹی کی کئی تہیں پانی میں مل کر گھل گئیں اور کیچڑ میں میرے [illegible] گئے۔ چہرے پر ہاتھ گیا تو لمبی داڑھی کا اندازہ ہوا۔ بڑھے ہوئے بالوں سے مجھے سید کی یاد آئی۔ [illegible] زلفیں بڑھ گئی تھیں۔ سید کی یاد نے ایک بے چینی پیدا کر دی۔ میں نل کے نیچے بیٹھ گیا اور مٹی میں لتھڑا ہوا بدن دھونے لگا۔ نہاتے وقت تازگی کا احساس ہوا لیکن یہاں بھی مجھے لوگوں نے گھیر لیا۔ انہوں نے غلیظ نیم عریاں شخص کو نہاتے دیکھا تو برس پڑے۔ مجھے وہاں سے بھی اٹھ کر آنا پڑا۔ میرا جسم [illegible] صاف ہو چکا تھا۔ میں سڑکوں پر یوں ہی گھومتا رہا۔ کبھی اس طرف نکل جاتا تو کبھی اس طرف۔ رفتہ [illegible] بچھڑے ہوئے دن مجھ پر غالب آ گئے۔ مندر سے باہر آنے کے بعد انکا کو میرے سر پر آ جانا [illegible] تھا مگر اس کا کوئی پتا نہیں تھا۔ میں نے اس امر پر کوئی توجہ نہیں دی کہ انکا کہاں ہے؟ میں تو بس چلتا [illegible] شام ہوگئی تو مجھے خیال آیا کہ میں اس طرح کب تک سڑکوں پر آوارہ گردی کرتا رہوں گا؟ مجھے اپنے

لیے کوئی ٹھکانا تلاش کرنا چاہیے۔ گلیوں، محلوں اور بازاروں سے گزرتے ایک جگہ میں نے نظر دوڑائی دیکھا تو وہ ڈاکٹر سکینہ کی کوٹھی تھی۔ اندر جانے کی ہوک اٹھی لیکن اپنی حالت دیکھ کر قدم رک گئے۔ تک دروازے پر کھڑا رہا پھر میں نے بے اختیار گھنٹی بجادی۔

اندر سے دربان آیا اور پہلے تو وہ مجھے دیکھ کر ٹھٹک گیا پھر سراسیمہ ہو کر کہنے لگا۔ ''آپ؟'' میرے ٹوٹے ہوئے ہاتھ سے وہ مجھے پہچان گیا تھا۔

''پریم بی بی ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں جی۔ وہ تو اندر ہیں مگر آپ...... آپ اتنے دنوں تک کہاں تھے؟ پریم بی بی آپ کی جدائی میں بیمار پڑ گئیں۔ ان کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔'' دربان ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ گیا۔

''انہیں کیا ہو گیا؟'' میں نے تشویش سے پوچھا۔

''پتا نہیں صاحب۔ اس گھر پر آپ کے جانے کے بعد آفت آ گئی ہے۔ ڈسپنسری تباہ ہو گئی۔ ڈاکٹر صاحب کی بھی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ حیدرآباد کے ایک صاحب، سید صاحب نہ ہوتے تو نہ جانے کیا ہو جاتا۔''

''مجھے اندر لے چلو'' میں نے کہا۔ ''اور سنو، پہلے مجھے اپنے کپڑے دے دو۔''

وہ مجھے اپنے ساتھ اپنے کوارٹر تک لے گیا۔ اندر جا کر میں نے اس کا لباس پہنا۔ درمیان میں مجھے واقعات سناتا رہا کہ کوئی چار ماہ پہلے ایک رات اچانک پریم گھر سے غائب ہو گئی۔ جب واپس آئی اس کی حالت بڑی خراب تھی۔ اس کے بعد سے وہ اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلی۔ گویا میرے پیچھے کیا بڑے واقعات رونما ہو چکے تھے۔ میں تیزی سے کوٹھی میں داخل ہو گیا۔ پریم کا کمرا مجھے معلوم تھا۔ جب میں اس کے کمرے میں پہنچا تو وہ اپنے بستر پر پڑی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ زرد ہو چکا تھا۔ آنکھیں چھت کی طرف لگی ہوئی تھیں اور کمرا اجاڑ نظر آتا تھا۔ پردے میلے ہو گئے تھے۔ پوری کوٹھی کا یہی حال تھا۔ وہ زار اب اڑتے ہوئے زرد آوارہ پتوں کا مسکن تھا۔

''پریم!'' میں نے آہستہ سے آواز دی۔

اس نے گردن گھما کر میری طرف دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے اس پر سکتہ طاری ہو گیا۔ میں اس کے قریب پہنچ گیا اور میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''تم کیسی ہو پریم!''

وہ غور سے مجھے دیکھتی رہی۔ جیسے اسے میرے وجود کا احساس نہ ہو۔ میں نے اس کی پلکیں بند آنکھوں پر ہاتھ پھیرا۔ ''پریم یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟''

اس کی خشک آنکھوں میں ایک سیلاب امڈ آیا۔ ایک چیخ مار کر وہ میرے سینے سے لپٹ گئی۔ میں نے اسے کھل کر رونے دیا اور اس عرصے میں میری ساری صلاحیتیں حقیقت حال جاننے میں مصروف رہیں۔

ہاتھ اس کی پشت پر تھا لیکن میری انگلیاں متحرک تھیں اور آنکھیں بند تھیں۔ وہ بظاہر میری آغوش میں تھی، میں کہیں اور تھا۔ جب اندھیرے سے پردہ اٹھا تو میرے ہاتھوں میں سختی آ گئی اور میں بری طرح لرزنے لگا۔ میرے دانت ایک دوسرے سے ٹکرائے۔ میں نے وحشت میں اپنے سر کے بال نوچ لیے۔ پریم لٹ چکی تھی۔ وہ میرے حوالے سے لٹ چکی تھی۔ چونکہ اس نے عدالت میں میری وکالت اور ہمدردی میں بڑی سرگرمی دکھائی تھی اور وہاں موجود پنڈتوں، پجاریوں نے ایک نوجوان اور حسین ہندو لڑکی کو زار و قطار روتے دیکھا تھا۔ وہاں وہ خبیث ہرچرن بھی تھا جو اب انکا کا آقا تھا اور جس نے انکا کے ذریعے پریم کو اپنی ہوس کی قربان گاہ پر چڑھایا تھا۔ وہ نازک اندام دوشیزہ لٹ چکی تھی۔ وہ خواب دیکھنے اور میٹھی میٹھی باتیں کرنے والی لڑکی ختم ہو گئی تھی۔ ساری بات صاف تھی۔ انہوں نے مجھے تہ خانے میں قید کر کے انکا کے لئے جاپ کیا اور انکا ہرچرن کے پاس چلی گئی۔ اب انکا بھی میرے پاس نہیں تھی لیکن انہیں معلوم نہیں تھا کہ انہوں نے جمیل احمد خان کو تہ خانے میں بند کر کے اس پر کیا احسان کیا ہے۔ میں نے پریم کو پلنگ سے اٹھایا۔ اس کے آنسو پونچھے اور اس کے ہاتھوں اور پریشانی پر کئی بوسے ثبت کیے۔ ''اب میں آ گیا ہوں میری جان! اب میں آ گیا ہوں۔'' میں نے اپنی آگ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن میں نے اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی۔ ''مجھے سب کچھ معلوم ہے لیکن اب میں آ گیا ہوں۔ اب صرف ایک قرض نہیں رہا بلکہ کئی قرض چکانے ہیں۔ اٹھو، اٹھو۔ پریم، تم تو بڑی ہمت والی لڑکی ہو۔ تم تعلیم یافتہ ہو۔ اتنی سی بات سے گھبرا گئیں؟'' میں نے اسے شفقت سے سمجھایا اور پوچھا۔ ''سید غوث کہاں ہے؟''

''انہوں نے......'' پریم اپنے آنسو پونچھتے ہوئے ہچکیوں کے درمیان بولی۔ ''انہوں نے اپنی ملازمت چھوڑ دی۔ ہم دونوں کئی ماہ تک آپ کو تلاش کرتے رہے۔ پھر اچانک ایک دن انکا یہ کہہ کر چلی گئی کہ ایک پجاری ہرچرن نے اس کا جاپ کر لیا ہے۔ اس کے بعد......'' پریم کی آنکھوں سے آنسو ابل پڑے۔

''سید غوث یہیں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں۔'' پریم کی ڈوبتی آواز ابھری۔ ''انہی کے سہارے ہم لوگ زندہ رہے۔ وہ روز آپ کی تلاش میں جاتے ہیں اور شام ہوتے ہوتے تھکے ہارے واپس آ جاتے ہیں۔ ہم نے کوئی جگہ نہیں چھوڑی۔ تمام مندروں کی خاک چھانی، پولیس میں رپورٹ لکھوائی، پنڈتوں پر مقدمہ دائر کیا۔ آپ کو ڈھونڈتے ہوئے گیارہ مہینے ہو گئے۔ انکا ہمیں یقین دلاتی تھی کہ آپ زندہ ہیں مگر آپ کہاں ہیں؟ یہ بتانے سے وہ قاصر تھی۔'' پریم نے دل گیر لہجے میں کہا۔

"آہ! پریم تم لوگوں نے میری خاطر کیا کیا تکلیفیں اٹھائی ہیں۔" میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میں نے اسے اپنے سینے میں چھپا لیا۔

پریم کے آنسو میرے ذہن میں بھڑکتی ہوئی آگ پر تیل کا کام کر رہے تھے۔ گیارہ مہینے کی مدت میں خزاں نے اسے پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اس کا حسن ماند پڑ چکا تھا اور میں سوچ رہا تھا، کتنے لوگ میری وجہ سے عذاب میں مبتلا ہوئے۔ مجھ بدنصیب نے کتنے لوگوں کی خوشیاں تاراج کیں۔ پریم چنبیلی کا پھول تھی جو اب مرجھا چکا تھا اس کے چہرے کی زردی، اس کی آنکھوں کی ویرانی مجھ سے دیکھی نہیں جاتی تھی۔ بمبئی میں اس لڑکی سے ملاقات کوئی پرانی نہیں تھی۔ سید غوث سے بھی حال ہی میں ملاقات ہوئی تھی اور وہ آنند لال ...... گلبرگ کا باغیرت پنڈت جس نے عدالت میں آ کر جواں مردی سے میرے حق میں بیان دے کر اپنے حق میں کانٹے بو لیے تھے۔ آنند لال کا علم پریم کو نہیں تھا۔ آنند لال کا خیال آتے ہی میرا اضطراب دو چند ہو گیا۔ نہ جانے وہ کس حال سے دوچار ہو۔ میں پریم کو لے کر باہر لان میں آ گیا۔ گھاس جھاڑیوں کی شکل میں تبدیل ہو گئی تھی۔ میرے تسلی آمیز رویے سے پریم کی طبیعت سنبھلنے لگی۔ وہ میری غیر حاضری کا سبب پوچھنے پر بضد تھی لیکن میں نے اسے خانے کے اذیت ناک ماحول کا حال نہیں بتایا۔ میں دیر تک پریم سے باتیں کرتا رہا۔ مجھے سید غوث کا انتظار تھا۔ تاریکی ہو گئی تو مجھے سید غوث کا اداس اور مضمحل چہرہ دکھائی دیا۔ اس کی نگاہ مجھ پر پڑی تو وہ ٹھٹک کر رک گیا۔ پریم نے پھیکی مسکراہٹ سے اسے دیکھا اور میں نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔

"ہاں میرے دوست! یہ میں ہی ہوں۔ تمہارا بدنصیب دوست جمیل احمد خان۔"

"جمیل احمد خان!" سید غوث پر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی۔ "واقعی یہ تم ہو؟" اس نے مجھے زور سے کھینچ لیا۔

"ہاں سید غوث۔ میرے بھائی۔ میں سخت جان شخص زندہ ہوں۔ کچھ اور مصیبتیں لکھی تھیں، انہیں بھگتا کر آ رہا ہوں۔" میں نے اس کی آنکھیں دیکھ کر اپنا سر جھکا لیا۔

اس کے بعد سید غوث نے مجھ پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ اس نے مجھے تلاش کرنے کا ایک ایک واقعہ تفصیل سے سنایا۔ میں خاموشی سے سنتا رہا۔ وہ انکا کو ساتھ لے کر مندروں میں نکل پڑتے، سنسان ویران جگہوں پر ہر ایک کو میرا حلیہ بتا کر میرے متعلق پوچھتے۔ اس تگ و دو میں ان کی ملاقات پنڈت ہرچرن سے بھی ہوئی تھی۔ انکا عموماً پریم کے سر پر رہتی تھی۔ ایک دن بڑے مندر جاتے ہوئے پنڈت ہرچرن نے پریم کے سر پر انکا کو دیکھ لیا۔ یہیں سے ہرچرن کی نیت خراب ہو گئی۔ اس نے انکا کے حصول کے لئے جاپ شروع کر دیا اور اسے حاصل کرنے کے بعد اس بدبخت نے ایک روز پریم کو شبستان گناہ میں بلا کر اس کی دوشیزگی چھین لی۔ سید غوث نے پریم کی موجودگی کی وجہ سے یہ اندوہناک

واقعات محتاط انداز میں بیان کیے لیکن مجھے پہلے ہی سب کچھ معلوم ہو چکا تھا۔ پریم لٹی لٹی میرے سامنے تھی۔ میرے سینے پر ایک پہاڑ سا ٹکا ہوا تھا۔

"اور وہ انکا بھی دغا دے گئی۔" سید غوث اداسی سے بولا۔ "اس نے ہمیں بتایا تھا کہ وہ ہرچرن کی طرف جانے والی ہے۔ ہم نے منڈل میں جا کر ہرچرن کو اس کا جاپ کرتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔ میں نے انکا کے منع کرنے کے باوجود اس کمینے کے سر پر پتھر بھی مارے مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ پھر ہم نے مرشد سید کی تلاش کی۔ سید کو ڈھونڈنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ میں ایک بار گلبرگہ بھی گیا مگر سید کا کہیں پتا نہ چلا۔ آخر ہرچرن کامیاب ہو گیا۔ انکا کی رخصتی کا منظر بڑا دردناک تھا۔ وہ کبھی میرے سر پر آتی تھی۔ کبھی پریم کے سر پر۔ وہ بڑی دل گرفتہ اور آزردہ ہمیں چھوڑ کر گئی۔ چلتے وقت اس کی زبان پر تمہارا نام تھا۔ انکا کے جانے کے بعد کچھ ایسے حادثے پیش آئے جن کا ذکر کرتے ہوئے تکلیف ہوتی ہے۔" سید غوث نے اداسی سے کہا۔

وہ مجھے واقعات سنا رہا تھا اور شاید اس نے میری آنکھیں نہیں دیکھی تھیں۔ اس نے میری رگیں پر غور نہیں کیا تھا۔ میں اس کی باتیں سن رہا تھا مگر میں وہاں نہیں تھا۔ میں اس وقت چونکا جب اس نے پوچھا۔ "تم نے کچھ نہیں بتایا؟"

"ہاں۔" میں نے ہوش میں آتے ہوئے کہا۔ "ایک طویل داستان ہے۔ رات کو سناؤں گا۔" میں نے پریم کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "بس یہ سمجھ لو کہ میں آ گیا ہوں اور اب جانے کے لئے نہیں آیا ہوں۔"

سید غوث سمجھ گیا کہ میں پریم کے سامنے اپنے گمشدہ دنوں کا احوال سنانے سے گریز کر رہا ہوں۔ اس نے پھر کوئی استفسار نہیں کیا۔ میں نے اس رقت انگیز اور افسردہ ماحول کا بوجھل پن دور کرنے کی سعی کی حالانکہ وہاں میرا جی نہیں لگ رہا تھا۔ پریم جیسی شگفتہ لڑکی کی دوشیزگی کا قاتل چین کی بنسی بجا رہا تھا۔ آنند لال کشٹ سہہ رہا تھا اور بدری نرائن بغیر پٹے کے کتے کی طرح بستیوں میں شور مچاتا پھر رہا تھا۔ مجھے نہ نندا کی نصیحتوں کی فکر تھی، نہ سید کے پُرجلال چہرے کا لحاظ تھا۔ ہندوستان میں ہر جگہ میرے دشمن پھیلے ہوئے تھے۔ چند لوگوں کے خون سے پیاس بجھانے کے بعد مجھے اپنا ہر انجام قبول تھا۔ میں ایک تنہا شخص ہندوستان میں پھیلے ہوئے ان دشمنوں کے مقابلے میں بہت چھوٹا تھا لیکن اب صبر و ضبط کا یارا نہیں تھا۔ نہ کسی مصلحت کا خیال، نہ کسی انجام کا خوف۔ سید غوث میرے چہرے کی بدلتی کیفیات محسوس کر رہا تھا۔ میں نے ڈاکٹر سکینہ کے ہمراہ کھانے کے دوران میں خوش طبعی کا مظاہرہ کیا۔ اس اثناء میں پریم اور سکینہ کے اصرار پر میں نے شیو بنا لیا تھا لیکن سر کے بڑھے ہوئے بال نہیں کٹوائے تھے۔ پریم کی بحالی تک دل پر پتھر رکھ کر مجھے یہاں ٹھہرنا تھا۔ اس رات پریم اور سید غوث کی پُرتجسس نگاہیں

میرے چہرے پر کچھ تلاش کرتی رہیں۔ وہ کچھ جاننا چاہتے تھے۔ میں نے انہیں پُراسرار علوم اور
ٹونے کی گفتگو میں الجھائے رکھا۔

رات گئے میں پریم سے اجازت لے کر ایک چھوٹے سے مراقبے میں ڈوب گیا۔ پریم اپنے
کمرے میں چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد میں نے سید غوث کا تجسس دور کرنے کے لئے مختصراً اسے
اپنی گیارہ مہینے کی ہولناک روداد سنائی۔ وہ تعجب خیز انداز میں چونک چونک کر بستر سے اٹھ بیٹھتا۔
پُراسرار واقعات پر مبنی، میری ناقابل یقین روداد کی تردید کی گنجائش نہیں تھی کیونکہ ثبوت کے طور پر میں
عجیب ہئیت کذائی اور وحشت زدگی کے ساتھ سامنے موجود تھے۔

''مگر کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ اب تمہیں چھوڑ دیں گے؟'' اس نے میرا چہرہ پڑھ کر کہا۔

''نہیں۔ وہ اب بھی باز نہیں آئیں گے۔ ان پر جنون طاری ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''پھر تم تنہا ان عفریتوں کا مقابلہ کیسے کرو گے؟ انکا بھی جا چکی ہے۔ وہ متحد ہو کر پھر تمہارے لئے
کوئی مصیبت کھڑی کر دیں گے۔''

''میں جانتا ہوں مگر انکا کے جانے سے کوئی بڑا فرق نہیں پڑتا اس لیے کہ اب بات انکا کی پُراسرار
قوتوں سے تجاوز کر چکی ہے۔ پُراسرار تہ خانے سے باہر آتے ہی میری شکتیاں واپس آ گئی تھیں نیز مسلسل
گیارہ ماہ مراقبے اور ارتکاز کی مشقوں کے بعد میں نے کوئی چیز کھوئی نہیں بلکہ حاصل کی ہے۔''

وہ سمجھنے نہ سمجھنے کے انداز میں گردن ہلاتا رہا۔ ''یہ تو سچ ہے۔'' وہ تذبذب سے بولا۔ ''لیکن ان کی
تعداد زیادہ ہے۔ ان میں بڑے گیانی دھیانی پنڈت اور پجاری ہیں۔ تم کیسے اور کب تک ان کا مقابلہ کرو
گے؟''

''کالی کے تہ خانے میں میرے اتنا عرصہ گزارنے کے بعد ان پر یہ خوف بھی غالب ہے کہ مجھے
اب کالی کا آشیرباد حاصل ہے کیونکہ میں وہاں سے زیادہ سلامت واپس نکل آیا ہوں۔''

''اور اگر تم کسی مقابلے کا ارادہ ہی ترک کر دو؟''

''تم اپنی بات کی تردید کر رہے ہو۔ تم نے ابھی کہا تھا کہ وہ میرا تعاقب نہیں چھوڑیں گے۔ سید
غوث۔ کیا میں بدری نرائن کو معاف کر سکتا ہوں؟ یہ تو میں نے نندا سے بھی منع کر دیا تھا۔''

''معاف کرنے کو کون کہتا ہے لیکن تم خود دیکھو......'' اس نے مجھے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''تم
کتنے سال گزار دیئے۔ کبھی تم نے انہیں زچ کیا، کبھی انہوں نے تمہیں پریشان کیا۔ میں پوچھتا ہوں
کھیل کب ختم ہوگا؟''

''سید غوث۔ میں تمہیں بتا نہیں سکتا کہ پریم کی ابتر حالت دیکھ کر میرے دل پر کیا گزری ہے۔
مرتبہ کھیل ختم کرنے کی کوشش کی گئی۔ کبھی انہوں نے نرگس کو مار دیا، کبھی مالا کو ختم کر دیا اور اب انہوں

ہندو دور کر دیا ہے۔ مجھے اپنی زندگی میں صرف تزئین کی فکر ہے۔ جب مجھے اس کا خیال آتا ہے تو
بہت ہوتی ہے۔ وہ جوان لڑکی تنہا ان پہاڑیوں پر میرے سہارے رہ رہی ہے۔ نیچے بڑے مہان
پجاریوں نے ڈیرا جمایا ہوا ہے۔ انہوں نے میرے اوپر جانے کے راستے مسدود کر دیے ہیں
ہندو پریم لال کے دھارمک استھان پر قبضہ کر کے کلدیپ کو بے دخل کرنا چاہتے ہیں۔ کلدیپ
خاطر اپنی شکتیاں بڑھانے کے لئے مسلسل جاپ کر رہی ہے۔ میں نے تھوڑی دیر پہلے جو مراقبہ کیا
اس میں بڑی عجیب باتیں معلوم ہوئی ہیں۔ کلدیپ نے اپنا طویل جاپ ختم کر کے جب میری
زندگی کے بارے میں غور کیا ہوگا تو اسے مایوسی ہوئی ہوگی۔ نتیجتاً اس نے ایک دوسرا طویل جاپ
شروع کر دیا ہے۔ میں ان دونوں کی وجہ سے سخت پریشان ہوں۔ کلدیپ تو بہرحال میرے مرنے کے
بعد کسی نہ کسی طرح اپنی زندگی گزار دے گی لیکن تزئین کا کیا ہوگا؟ کیا وہ ہمیشہ اسی طرح بیٹھی رہے گی
میری قسمت کی گردشیں جاری رہیں گی؟''

میری باتوں کا سید غوث کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ مجھے عام انسانوں کی طرح صبر و ضبط کی
تلقین کرنے لگا۔ ہم دونوں نے رات جاگ کر گزاری۔ صبح سویرے اس کی آنکھ لگ گئی۔ میرا جسم آتش
بنا ہوا تھا۔ کسی کروٹ نیند نہیں آتی تھی۔ نرم و گداز بستر کانٹے کی طرح چبھ رہا تھا۔ یہ خوشبوئیں، یہ
ہوائیں، رات کو جھینگروں کی آوازیں، یہ سبزے اور مٹی کا ہریالا سوندھا پن۔ میں ان تمام خوشبوؤں
احساسات سے دور ہو گیا تھا۔ اب یہ سارا ماحول عجیب سا لگ رہا تھا۔ میں قبر کا آدمی تھا مگر اب میرا
دوبارہ دنیا سے قائم ہو گیا تھا۔

یہ نہ پوچھئے، وہ ایک ہفتہ کیسے گزرا؟ یادداشت میں جہاں اور باتیں محفوظ ہیں وہاں ان لمحات
کا کرب بھی جمع ہے۔ ایک ہفتے تک میں نے پریم اور سید غوث کے ساتھ مل کر بہت نارمل وقت بسر
ہر شام کار میں بیٹھ کر میں، پریم اور سید غوث بمبئی کی تفریح گاہوں کی طرف نکل پڑتے۔ میں ان
لمحات سے دور ہونے کے باوجود ان میں شامل ہونے کی کوشش کرتا۔ وہ شخص جسے ایک لمحہ گراں گزر رہا
تھا ایک لڑکی کی خاطر آگ میں جھلنے پر مجبور تھا۔ انکا کے نئے آقا ہرچرن کو میں نے بعد میں بھگتنے کا
سے پہلے آنند لال کا کھوج لگانے کا فیصلہ کر لیا مگر کئی مراقبوں اور ارتکاز کے کئی اعمال کے بعد بھی
پوچھنے سے قاصر رہا۔ انہوں نے میری طرح اسے کسی ایسی جگہ قید کر دیا تھا جو میری نظروں سے
تو اس رات جب انہوں نے مجھے تہ خانے میں دھکیلا تھا، اگر مجھے سنبھلنے کا ذرا سا موقع بھی مل
جاتا مختلف ہوتے۔ آنند لال کا پتا کالی کے شکستہ مندر ہی میں چل سکتا تھا۔

تھوڑی رات جب میں اس شکستہ مندر میں جانے کے لئے پر تول رہا تھا، مجھے اپنے سر پر دھما کہ
ہوا۔ میں نے عالم تصور میں نظر اٹھائی تو انکا موجود تھی۔ اس کا چہرہ ہر قسم کے جذبے سے عاری

تھا۔ میں نے اس کی اچانک آمد پر کسی تعجب کا اظہار نہیں کیا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ کس کے اشارے پر آئی ہے اور کس لہجے میں گفتگو کرے گی ''کیوں آئی ہو؟'' میں نے سخت لہجے میں پوچھا۔

''میں تمہیں ایک پیغام دینے آئی ہوں'' انکا نے سنجیدگی سے کہا۔

''بکو..... مگر خیال رہے کہ تم کس کے سر پر بیٹھی ہو۔''

''میں جانتی ہوں' میرا کام صرف تمہیں پیغام دینا ہے۔

''ہر چرن کا پیغام؟ اس کمینے نے کیا کہا ہے، کیا وہ خوف زدہ ہو گیا؟''

''اس کے پاس انکا ہے اور دیوی اس سے خوش ہے۔''

''اس کے پاس انکا ہے۔'' میں نے غصے میں دہرایا۔ ''جس کا باطن سیاہ ہے، دل پتھر کا ہے، آنکھوں میں بے مروتی ہے، جس کی طاقتیں محدود اور جس کی پرواز صرف بدی کی سمت رہتی ہے؟''

''تمہاری اس تعریف کا میرے اوپر کوئی اثر نہیں ہوگا۔'' انکا نے کہا۔

''تمہاری بے حسی کا مجھے اندازہ ہے۔ جو کہنا ہے کہو، وہ مردود کیا کہتا ہے؟''

''میرے آقا ہر چرن نے تمہیں یہ پیغام بھیجا ہے کہ تمہیں شما کیا جاتا ہے۔ تمہاری مکتی اسی میں ہے کہ تم یہ دیس چھوڑ دو اور سمندر پار کہیں چلے جاؤ۔ تم نے بار بار سزاؤں کا مزہ چکھا ہے۔ تم تنہا اتنے لوگوں سے نہیں لڑ سکتے۔ تمہاری جان بچنے کا یہی ایک موقع ہے۔'' انکا نے دھمکی کے لہجے میں کہا۔

''تم..... تم.....!'' میرے منہ سے کف جاری ہو گیا۔ ''تمہاری دھمکی بہت اشتعال انگیز ہے۔ تمہی تھیں جو بے گناہ پریم کو یہاں سے اٹھا کر ہر چرن کے پاس لے گئیں۔ میں اس سے پریم کی روح کا معاوضہ وصول کر کے رہوں گا۔''

''میں اپنے آقا کی تابع ہوں۔ اس نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں پریم کو اس کے پاس لے آؤں'' انکا نے کسی ندامت کا اظہار نہیں کیا۔

''میں جانتا ہوں..... میں جانتا ہوں.....'' میں نے زیر لب کہا۔ ''اب تم اس وقت بھی اپنے آقا کی مدد کے لئے تیار رہنا جب میں اس کے سر پر موجود ہوں گا۔''

''میں اس کی ہر طرح مدد کروں گی۔''

''تم کیا کر سکتی ہو؟'' میں نے بھنا کر کہا۔ ''یہ اس وقت پتا چل جائے گا۔''

''میرے پیغام کا جواب دو۔'' انکا نے کہا۔

''میں اس کے منہ پر تھوکنے کے لئے کسی دن بھی پہنچ جاؤں گا۔ ہر چرن سے کہنا کہ وہ انکا کو میرے حوالے کر دے، نہیں تو اس کی ساری بھگتی اور تپسیا ملیا میٹ ہو جائے گی۔''

''میں آخری بار تمہیں خبردار کرتی ہوں کہ تم اپنی حدود سے تجاوز نہ کرنا۔ اس بات کا خیال رکھنا کہ میرا آقا ایک مہان پجاری ہے۔''

کاش میں انکا کو پکڑ سکتا' ایسا ممکن ہوتا تو میں اسے جلا کر خاک کر دیتا۔ وہ میرے سر پر بیٹھی مجھے ہر چرن کی شکتیوں کے ذکر سے خوف زدہ کرتی رہی۔ اس کی بے التفاتی اور ڈھٹائی کا تلخ، تجربہ مجھے پہلے بھی کئی بار ہو چکا تھا اس لیے میں نے اس سے زیادہ باز پرس نہیں کی۔

''تم جا سکتی ہو۔'' میں نے اسے حکم دیا۔

''میں تمہارے حکم کی پابند نہیں ہوں۔''

''کیا تم مجھے کسی فیصلے پر مجبور کرنا چاہتی ہو؟'' میں نے ہنس کر کہا۔

''نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم ایک بلوان اور شکتی والے آدمی ہو۔''

''پھر تم یہ پیغام رسانی کیوں کر رہی ہو؟''

''یہ میرے آقا کا حکم ہے کہ میں تمہیں سیاہ و سفید کے بارے میں بتا دوں۔''

''اب تم اپنے آقا کو میرے بارے میں بتا دینا کہ تم نے میرے سر پر جا کر کیا محسوس کیا؟ یہ بھی کہہ دینا کہ میں نے گیارہ مہینے چوہوں اور کالی کی مورتی کے درمیان بیکار نہیں گزارے اور یہ بھی کہہ دینا کہ اب میں سیاہی یا سفیدی چاہتا ہوں۔ میں نے عفو و درگزر کا راستہ چھوڑ دیا ہے۔''

انکا کے آنے سے اضطراب اور بڑھ گیا۔ وہ چلی گئی تو میں نے بڑی مشکل سے رات اور گہری ہونے کا انتظار کیا۔ سید غوث کو جگا کر میں نے اس سے اجازت لی۔ اس نے مجھے بہت روکا۔ ساتھ چلنے پر اصرار کیا لیکن میں نے اس کی ہر بات مسترد کر دی۔ پریم سو چکی تھی۔ میرا رخ شکستہ مندر کی طرف تھا جہاں کیلاش ناتھ رہتا تھا۔ میرے قدم تیز تیز زمین پر پڑ رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

مندر کی شکستہ عمارت تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کبھی کبھی کسی گھنٹی کی آواز آ جاتی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اندر کوئی پجاری پوجا پاٹ میں مصروف ہے۔ مندر کا دروازہ بند تھا۔ میں نے دروازے سے ملحق لٹکی ہوئی گھنٹی دو تین بار ہلا کر آواز پیدا کی۔ رات کے سناٹے میں آواز دور دور تک گونج گئی۔ میری گھنٹی کے جواب میں متعدد گھنٹیوں کی آوازیں فضا میں پھیل گئیں۔ میں دروازے پر کھڑا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اندر سے ایک پھٹی ہوئی نحیف و نزار آواز آئی۔ ''کون ہے؟''

''میں کیلاش ناتھ جی سے ملنا چاہتا ہوں۔ ایک ضرور کام آ پڑا ہے۔ ذرا دروازہ کھولو۔'' میں نے کہا۔ ''اگر کیلاش ناتھ جی نہ ہوں تو میں مرلی دھر سے مل لوں گا۔''

اندر سے بڑبڑانے کی آواز آئی اور دروازہ کھول دیا گیا۔ ایک بوڑھا شخص ہاتھ میں مٹی کا دیا لیے گھورتی نظروں سے مجھے گھور رہا تھا۔ میں اسے نظر انداز کر کے بائیں جانب مڑ گیا اور قطار میں ایستادہ

کٹیاؤں کے درمیان سے گزر کر ایک بڑے مکان کے دروازے پر پہنچ گیا۔ یہ کوئی بہت بڑا مندر نہیں مندر کی عمارت شکستہ تھی لیکن اس سے ملحق پجاریوں کی درس گاہیں اور مکانات اچھے خاصے بڑے ہو تھے۔ یہ ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ کیلاش ناتھ کے دروازے پر دستک دینے کے بعد مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ وہ میرے سامنے تھا اور میری آمد کا مطلب جاننے کے لئے سراپا حیرت بنا ہوا تھا۔ میں نے رسمی تمہید کے بغیر درشت آواز میں اس سے آنند لال کا پتا معلوم کیا۔ اس نے میری جسارت اور میرے لہجے کی سختی محسوس کر لی اور گھبرائے ہوئے انداز میں اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔

''تم اس کا پتا جانتے ہو۔ بتاؤ وہ کہاں ہے؟'' میں نے حکماً پوچھا۔

''مجھے نہیں معلوم مہاشے۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں۔''

''تم جانتے ہو۔ مجھے بتاؤ ورنہ......''

''میں کچھ نہیں جانتا۔'' وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے بولا۔

''تمہیں سب کچھ معلوم ہے۔ تم ان بدقماش پجاریوں میں شامل تھے جنہوں نے بدری نرائن کے اشارے پر میرے اور آنند لال کے خلاف سازش کا جال بُنا تھا۔ سنو! اگر تم نے سیدھی طرح نہیں بتایا تو میں تمہیں ابھی نرک میں پہنچا دوں گا۔'' میں نے بگڑ کر کہا۔

''تم...... جمیل احمد خان، نہیں جانتے کہ تم کیلاش ناتھ کو غلط سمجھ رہے ہو۔ میں تمہارے کسی پرشن کا اتر دینے سے انکار کر سکتا ہوں۔'' اس نے طیش میں آ کر کہا۔

''میں معلوم کرنا جانتا ہوں۔ تم نے جگدیش کا حشر دیکھ لیا ہے۔ تم نے عدالت کا فیصلہ بھی سن لیا ہے۔ تم نے مجھے صحیح وسلامت کالی کے پُراسرار تہ خانے سے نکلتے بھی دیکھا ہے۔''

''تو پھر تم اپنی شکتیوں سے کیوں معلوم نہیں کر لیتے؟'' اس نے طنز کیا۔

''شکتی کسے کہتے ہیں، یہ میں ابھی تمہیں بتا دوں گا لیکن بہتر ہے کہ تم سیدھی طرح میرے سوال کا جواب دے دو۔'' میں نے اس بار اور سخت لہجہ اختیار کر لیا۔ میرے تلخ رویے سے وہ غصے میں آ گیا۔ اس نے اچانک اپنا ہاتھ بڑھا کے مجھے دروازے سے دھکیل کر تیزی سے دروازہ بند کر لیا۔ میں سیڑھیوں پر تھا اور میں نے اپنی پوری قوت سے دروازے پر اپنا بایاں پہلو ٹکرایا۔ دروازہ ایک جھٹکے سے کھل گیا۔ کیلاش ناتھ نے چیخ کر مجھے آگے آنے سے منع کر دیا اور دیا بجھا کر مجھ پر کوئی نم چیز پھینک دی۔ پانی میں کوئی ایسی چیز ملی ہوئی تھی جس میں مرچوں اور نمک کی آمیزش تھی۔ میری آنکھوں میں جلن ہونے لگی۔ اندھیرا چھانے لگا لیکن میں نے کوئی دوسرا وار کرنے کی مہلت دینے سے پہلے بجھے ہوئے دیئے پر انگلی رکھ کر اسے روشن کر دیا۔ کیلاش ناتھ کا چہرہ غضب ناک ہو گیا تھا۔ میں نے نہایت عجلت میں دیئے کے تیل میں انگلی ڈبو کر اس کی طرف چھینٹیں ماریں۔ اس نے ایک کریہہ چیخ کے ساتھ اپنا چہرہ چھپا لیا۔ اس کے

پر داغ پڑ چکے تھے۔ میں نے دوبارہ تیل کے چھینٹے اس کے منہ پر رکھے ہوئے ہاتھ پر مارے۔ بلبلا کر ہاتھ اٹھا لیا۔

''بتاتا ہوں مہاشے! دیا بجھا دو۔'' وہ کراہتے ہوئے بولا۔

''دیا جلتا رہے گا۔ تمہیں اپنا جیون پیارا تھا اس لیے تم مان گئے ورنہ آج میں کسی اور ارادے سے ... میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔'' میں نے گرج کر کہا۔

''اسے مہاپُرشوں نے وندھیا چل کے پہاڑوں میں قید کر رکھا ہے کیونکہ اس نے ابھی تک اپنے ... تمہارا دھیان نہیں نکالا ہے۔'' کیلاش نے سہم کر کہا اور پھر لمحوں میں ساری تفصیل مجھے بتا دی۔

''کیلاش ناتھ!'' میں نے تیزی سے کہا۔ ''میں نے تمہارے ساتھ نرمی کی تھی مگر تم لوگوں نے ... ساتھ جو برتاؤ کیا ہے وہ درندگی سے کم نہیں۔ اپنے تمام پنڈتوں، پجاریوں کو بتا دینا کہ وہ اب ... آڑے آنے کی کوشش نہ کریں، اب سے گزر گیا ہے۔''

''جو تم کہہ رہے ہو ٹھیک ہے مہاشے۔'' تکلیف میں کراہتے ہوئے کیلاش ناتھ نے کہا۔

میں نے اسے چھوڑ دیا۔ مجھے معلوم تھا کہ ہندوستان کے تمام پنڈتوں، پجاریوں تک میری رہائی ... پہنچ گئی ہوگی اور وہ بڑے بڑے منصوبے بنا رہے ہوں گے۔ میں کیلاش ناتھ کے معاملے میں ... اختیار کرتا تو آنند لال تک پہنچنے میں کوئی دشواری پیش آ سکتی تھی۔ اس لیے میں نے اسی پر بس کیا۔ ... نمٹ کر مندر کا دروازہ کھلا چھوڑ کے میں گھر واپس آ گیا۔ سید غوث ابھی تک جاگ رہا تھا۔ اسے ... ناتھ کا واقعہ سنا کر میں سونے کے بجائے فرش پر ارتکاز کے عمل میں مصروف ہو گیا۔

☆......☆......☆

پریم کا باپ ڈاکٹر سکسینہ ایک معقول آدمی تھا۔ اس کے گھر میں میرا عمل دخل اس حد تک ہو چکا تھا ... جب میں نے اسے اس کی کوٹھی سے منتقل ہونے اور گلبرگے میں رکن الدین کی حویلی میں قیام کرنے ... کو کہہ دیا تو وہ فوراً مان گیا۔ مجھے وندھیا چل کے پہاڑی سلسلوں میں آنند لال کا کھوج لگانا تھا لہٰذا اب ... بات کا خدشہ تھا کہیں پنڈت ہرچرن انکا کے ذریعے سید غوث یا پریم پر دوبارہ حملہ کر کے مجھے پریشان ... کی کوشش نہ کرے۔ رکن الدین کی حویلی سید کی امان میں تھی اور وہاں حضرت گیسو دراز بھی موجود ... دوسرے دن ہم نے سامان باندھا اور پہلی گاڑی سے گلبرگے کے لیے روانہ ہو گئے۔ راستے کے ... اچانک سید غوث پر ایک خطرناک قسم کا دورہ پڑا۔ یہ انکا کی کارستانی تھی۔ میں ہر طرح محتاط تھا اس ... کا نشانہ خطا گیا۔ سید غوث کے سر پر انکا آ گئی تھی۔ اس نے اسے بے بس کر کے مجھ پر پستول ... کے لیے آمادہ کر لیا تھا۔ وہ مجھے مغلظات بکنے لگا۔ اس ناگہانی حادثے سے پریم اور ڈاکٹر سکسینہ ... پریشان ہو گئے۔ ریل گاڑی کے اس مخصوص ڈبے میں ہم چار ہی نفوس تھے۔ انکا کو سید غوث کے

سر پر دیکھ کر میں نے اسے حکم دیا کہ وہ فوراً چلی جائے لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ نتیجتاً مجھے سید غوث گرفت مضبوط کرنی پڑی۔ میں نے انکا کو بے اثر کر دیا۔ سید غوث جلد ہی ہوش میں آ گیا اور انکا اس سر پر مسلط ہونے کے باوجود کچھ نہ کر سکی۔ وہ تلملاتی اور دانت پیستی رہی۔ راستے میں پھر کوئی مصیبت نہیں آئی۔ انکا ناکام ہو کر واپس چلی گئی تھی۔ اس واقعے کی تفصیل بیان کرنے کے بجائے میں آگے بڑھتا ہوں۔ انکا دوسروں کے سر پر کیا کر سکتی ہے، اس کا اندازہ آپ کو ہو گا۔

رکن الدین نے ہماری توقع سے زیادہ مہمان داری کا ثبوت دیا۔ پریم اور ڈاکٹر سکینہ کو اس نے نہایت اہتمام سے ایک شاندار کمرے میں ٹھہرایا۔ یوں ہی ایک مبہم امکان کے پیش نظر میں نے سید کو تلاش کیا۔ پھر گلبرگے میں اپنے متعلقین کی طرف سے مطمئن ہو کر میں تنہا وندھیا چل کے طویل پہاڑ سلسلے کی طرف چل پڑا۔ کیلاش ناتھ نے جو تفصیل بتائی تھی اس کے مطابق مجھے ناگپور سے پہاڑوں پیدل سفر کر کے اسی میل چلنا تھا جہاں ہندو پنڈت، سادھو اور پجاری تپسیا کے لئے جایا کرتے تھے۔ ناگپور کا سفر میں نے ریل کے ذریعے طے کیا اور وہاں سے سرسبز پہاڑوں اور گھنے جنگلوں کی طرف روانہ ہو گیا۔ تبت میں رہ کر میں پہاڑی زندگی کا عادی ہو گیا تھا۔ یہاں بھی دشوار گزار راستے تھے، گھاٹیاں پیچ دار پگڈنڈیاں تھیں۔ پہاڑ پر سفر کرنا ایک دقت طلب کام ہے۔ سانس پھولنے لگتا ہے۔ میں دس تک کہیں رکے بغیر چلتا رہا اور وہیں مجھے ہندوؤں کا ایک آشرم نظر آیا۔ جہاں ایک چھوٹا سا مندر آبادی بہت مختصر تھی۔ بڑے سکون کی جگہ تھی۔ ہر طرف اونچے اونچے درخت تھے۔ صاف و شفاف پانی چشمہ رواں تھا۔ میں آشرم کے چبوترے پر ستانے کے لئے بیٹھ گیا اور میں نے ایک جگا دری پنڈت سے جس کا سر پھٹا ہوا تھا، نالکھ آشرم کے متعلق پوچھا۔

میرے سوال پر اس کی آنکھوں کی پتلیاں متحرک ہو گئیں اور پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ "تو وہاں کیوں جانا چاہتا ہے؟" اس نے تندی سے پوچھا۔

"میں اس دھارمک پوتر استھان کے درشن کرنا چاہتا ہوں۔ سنا ہے وہاں بڑے گیانی پنڈت سادھو موجود ہیں۔" میں نے اپنے اشتیاق کا اظہار کیا۔

"پر بالک وہ عام لوگوں کا استھان نہیں ہے۔ وہاں وہی منش جا سکتا ہے جسے کالی کا آشیرواد پراپت ہو اور جس نے سنسار ٹھکرا دیا ہو۔"

"میں تو ایک یاتری ہوں مہاراج، ان مہاپرشوں کے درشن کروں گا تو مکتی ہو جائے گی۔ میلوں پیدل چل کے آ رہا ہوں۔ مجھے نراش مت کیجئے۔" میں نے اس سے درخواست کی۔

"نہیں۔ نہیں۔ بالکل نہیں، تو وہاں جا کر ان مہاپرشوں کی تپسیا میں اٹکل ڈالے گا۔ یہ تپسیا استھان ہے۔ جب تک کوئی پجاری ایک سال کی گنیش پوجا نہیں کر لیتا، آگے نہیں بڑھ سکتا۔ یہ ناکہ دروازہ ہے پاگل۔" پنڈت نے مجھے جھڑک دیا۔

"مہاراج! میں تو جانے کے ارادے سے آیا ہوں۔"

"اے منش، کیا تیرا دماغ ٹھیک ہے؟" پنڈت نے نفرت سے کہا۔ "تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟ تیرا نام کیا ہے؟"

"مہاراج! نام وام چھوڑیئے۔ میرا کوئی بھی نام ہو میں جس ارادے سے آیا ہوں، اسے پورا کر کے ہی جاؤں گا۔ میں ایک سال تک گنیش پوجا کے لئے نہیں رک سکتا۔"

"توریت کے خلاف کیسے چل سکتا ہے؟"

"میں گنیش جی سے شما چاہ لوں گا۔"

"شما چاہے گا؟" پنڈت نے مجھے تیز نظروں سے دیکھا جیسے وہ کھا جائے گا۔ میں نے اسے راضی کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی' وہ بولا۔ "نہ نہ...... نالکھ آشرم میں جانے والا ہر مہاپرش یہاں سے گزر کر جاتا ہے۔ میں تجھے وہاں جانے سے روک دوں گا۔ میں پاپ نہیں کر سکتا۔"

اسی اثناء میں وہاں کئی پنڈت اور پجاری جمع ہو گئے۔ انہوں نے مجھے نرمی اور سختی سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ میں نے ان سب کو ٹٹولا، وہ میرے راستے کی دیوار نہیں بن سکتے تھے اس لیے میں اٹھا اور نالکھ آشرم کی سمت چل پڑا۔

"توریت کے خلاف کر رہا ہے۔ رک جا، گنیش کی پوجا کیے بغیر آگے چل دیا مورکھ۔"

اور پھر ایک ساتھ کئی پنڈتوں پجاریوں نے مجھے پکڑ لیا۔ وہ بڑا پنڈت جو سب سے پہلے مجھ سے مخاطب ہوا تھا، الگ کھڑا تھا۔ میں نے مچل کر زور آزمائی کی تو انہوں نے مجھے اور سختی سے پکڑ لیا۔ کسی نہ کسی طرح میں نے اپنا ہاتھ ان کی گرفت سے آزاد کرایا اور پھر ایک ہی جھٹکے میں وہ سب زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ یہ اندر چھپی ہوئی نفرت تھی کہ میں نے بڑے پنڈت کی گردن میں لٹکی ہوئی مالا کھینچ کر اس کے دانے زمین پر پھینک دیئے اور اس کے گال پر ایک زوردار طمانچہ رسید کیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں نے اتنی سختی کیوں اختیار کی۔ لمحے بھر میں بڑا پنڈت میرے ایک عمل سے زمین پر گر چکا تھا اور اس کے چیلے اسے سنبھالنے کے لئے اس کے اردگرد اکٹھے ہو گئے تھے۔ وہ سب کن انکھیوں سے مجھے دیکھتے جاتے تھے۔ آخر ان میں سے ایک بولا۔ "تم جا سکتے ہو، پر اس اپمان کی تمہیں کڑی سزا بھگتنی پڑے گی۔"

میں نے جانے کے بجائے ان سے پانی مانگا۔ ایک چیلا لٹیا لیے ہوئے میرے قریب آیا۔ میں نے پانی پیا اور ان پر ایک اچٹتی نظر ڈالتا ہوا اپنے راستے پر چل پڑا۔ پھر میں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ میرے سامنے ایک لمبا راستہ پڑا تھا۔

چلتے چلتے رات ہو گئی۔ کہیں کہیں کوئی چھوٹی آبادی نظر آ جاتی تھی۔ تا حد نظر درختوں کی قطاریں

تھیں۔ رات تک میں نے آدھا فاصلہ طے کرلیا تھا۔ رات کو سونے کے لئے مناسب، کارگر اور محفوظ
طریقہ یہی تھا کہ میں مراقبے میں ڈوب جاؤں۔ چنانچہ میں نے یہی کیا اور رات گزار دی۔

☆......☆......☆

سورج کی پہلی کرن کے ساتھ ہی میں نے سفر شروع کر دیا۔ ڈھلوان اور اونچائی کے راستوں پر
چلتے ہوئے کتنے ہی خیالات نے ذہن پر قبضہ جمایا۔ میں نے اپنے پیروں کی طرف دیکھا اور مجھے ان پر
ترس آ گیا۔ یہ کب تک میرا ساتھ دیتے رہیں گے؟ کب تک میرے جسم کا بوجھ سنبھالے رہیں گے؟ اس
وقت میرے جی میں آئی، میں آئینے میں اپنی شکل دیکھوں کہ میں خود کو کیسا لگتا ہوں؟ بہت سے لوگ
میرے ذہن کے دریچوں میں جھانکتے رہے۔ کسی کا چہرہ مغموم تھا۔ کوئی مجھ سے شاکی تھا، کسی کے چہرے
پر نفرت تھی۔ کوئی حسرت سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ انہی بھولے بسرے لوگوں میں جین اور سارے
چہرے نظروں کے سامنے آ گئے۔ جرمنی میں جین کے ساتھ جو لمحات گزارے تھے، وہ مجھے ستانے لگے اور
میں نے اپنی موجودہ کیفیت کا تعین کرنے کے لئے زور زور سے قدم زمین پر مارے۔ جین کا تصور، اس کا
خوش اندام ہیولا، جسم وجاں میں ایک بجلی بن کر چمکا۔ مجھے اپنے آپ پر حیرت ہوئی، اتنے دنوں تک نفس
کا کوئی غلبہ مجھ پر نہیں ہوا تھا۔ جین یہاں ان پہاڑیوں میں میرے ساتھ ہوتی تو وہ یہیں بسیرا کر لیتی۔
پُراسرار ہندوستان کے متعلق بڑی دلچسپی سے باتیں کرتی تھیں۔ مجھے یقین تھا کہ وہ مجھے بھولی نہیں ہوگی۔
میرے نقش اتنے ہلکے نہیں ہوتے کہ آسانی سے مٹ جائیں۔ اس سے ملنے کے لئے دل بے قرار ہونے
لگا مگر لندن جانے کا کیا سوال پیدا ہوتا تھا؟ وہ تو ایک خواب تھا۔ انکا نے زندگی کے کتنے رنگ دکھائے۔
کیسے کیسے لوگوں سے رابطہ پیدا ہوا، کیسے کیسے لوگ بچھڑ گئے۔ ان جھرنوں اور سرسبز وادیوں کے حسن نے
مجھے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ بہرحال اتنا ضرور ہوا کہ وقت تیزی سے کٹ گیا۔ دور ایک وادی میں
پرانے طرز کی کٹیاؤں کے نشانات نظر آ رہے تھے۔ میں نے رفتار تیز کر دی۔ جب میں قریب پہنچا
تو جنگل اور گہرا ہو گیا تھا۔ قدم قدم پر مختلف دیوتاؤں کی مورتیاں درختوں کے تنے کاٹ کر ان میں بنائی
گئی تھیں۔ میں چلا جا رہا تھا کہ حیرت انگیز طور پر یکایک مجھے انکا کے پنجوں کی چبھن اپنے سر پر محسوس
ہوئی۔ ”جمیل!“ اس نے پیار سے مجھے مخاطب کیا۔

مجھے اس کے طرزِ تخاطب پر تعجب ہوا۔ میں نے عالمِ تصور میں انکا کی شکل دیکھی۔ وہ کچھ مضطرب
سی تھی۔ ”جمیل! ایک خوشخبری سناؤں؟ پنڈت ہرچرن نے مجھے آزاد کر دیا ہے۔ اب میں تمہارے پاس
آ گئی ہوں۔“

”مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے۔“ میں نے ڈپٹ کے کہا۔

”جھوٹ...... تو تم ناراض ہو؟“ وہ اپنے مخصوص انداز میں بولی۔

”تم کتنی ہو۔ جاؤ ہرچرن کے پاس واپس جاؤ۔ اس سے کہو کہ میں عطیے قبول نہیں کیا کرتا۔“ میں
نے جھڑک دیا۔

”اب وہ مجھے واپس نہیں لے گا کیونکہ وہ تم سے خوف زدہ ہے۔“

”مجھ سے؟“ میں نے کچھ سوچ کر کہا اور آگے بڑھتا رہا۔

”ہاں تم سے! جب اس نے مجھے آزاد کر دیا تو میں سیدھی تمہارے پاس چلی آئی۔ میں نے سوچا تم
سفر کر رہے ہو گے۔“

”تم مجھے ورغلانے اور زک پہنچانے آ گئیں؟“ میں نے نفرت سے کہا۔ ”فوراً واپس چلی جاؤ۔
ہرچرن سے کہنا: جمیل احمد خان کو سمجھنے کے لئے اسے عمر بھر تپسیا کرنی ہوگی۔“

”جمیل! تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو، میں تو......“

میں نے چیخ کر کہا۔ ”انکا چلی جاؤ ورنہ میں آنند لال کا خیال ترک کر کے تمہارے آقا ہرچرن کے
پاس چلا جاؤں گا اور یہ اس کی زندگی کا آخری دن ہوگا۔“

”میں تو تمہاری مدد کرنے آئی ہوں۔“ انکا نے شاطرانہ انداز میں کہا۔

”تم اپنے آقا کے لئے مجھے اور نفرت دلانے آئی ہو۔ میں کہتا ہوں میرا سر چھوڑ دو۔ تمہاری
ت اور عیاری مجھ سے چھپی نہیں رہ سکتی۔ اب تمہارا کوئی حربہ مجھے میرے راستے سے نہیں روک سکتا۔
نے تم سے بے نیاز ہونے اور تمہیں بے اثر کرنے کے لئے کئی سال ضائع کیے ہیں۔“

انکا نے مجھے اپنی ہمدردی کا یقین دلانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی لیکن وہ جھوٹ بول رہی تھی۔ میری
نفرت، غیظ وغضب اور اشتعال انگیز رویہ دیکھ کر اسے واپس جانا پڑا۔ ہرچرن کی اس مکاری پر میرا
ہا گیا تھا۔ انکا میرے لیے اس حد تک جا سکتی ہے؟ مگر اس کے اختیار میں کیا ہے؟ وہ تو ایک کھلونا
مجھے بہکانے آئی تھی، ناکام واپس چلی گئی۔ گویا ہرچرن میری نقل وحرکت پر نظر رکھے ہوئے

ئے اور محتاط ہو کر چلنا شروع کر دیا۔ وہ علاقہ میرے تصور سے زیادہ حسین تھا۔ میں حیرت
نظر دیکھا جاتا تھا۔ دل میں ایک طوفان بپا تھا۔ احتیاطی تدبیر کے طور پر میں نے اِدھر اُدھر
نظر کر دیکھا۔ کوئی میرے راستے میں نہیں آیا۔ میں نہایت آسانی سے اس خوب صورت وادی میں اتر
کے وسط میں سیاہ پتھروں کی بنی ہوئی ایک نہایت شاندار عمارت موجود تھی۔ جس کے ستون در ود
تمام کے تمام مورتیوں سے منقش کیے گئے تھے۔ یہ جگہ بڑے بڑے سادھوؤں کا مسکن تھی اور
کے لئے مخصوص تیرتھ استھان۔ ایک بلند مقام پر کھڑے ہو کر میں نے آنند لال کی موجودگی
کے لئے درخت سے ٹہنیاں توڑ کر انہیں اِدھر اُدھر بکھیر دیا مگر میرا یہ عمل سودمند ثابت نہیں ہوا۔

کوئی اس کٹیا پر خشک ہو کر جل جاتی تو وہاں آنندلال موجود ہوتا۔ ٹہنی زیادہ دور تک جا ہی نہیں سکتی تھی
ہر کٹیا پر عمل اثر انداز نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے دور و نزدیک کچھ پتھر پھینکے۔ میرا عمل ابھی جاری تھا
کہ پیچھے سے کسی نے میرا ہاتھ روک دیا۔ وہ ایک خمیدہ کمر، دراز ریش بوڑھا تھا۔ داڑھی نے اس کے
چہرے کا بڑا حصہ چھپا لیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں سکون کی کیفیت تھی۔ اس نے مجھے اور میں نے اسے
تمام تر دلچسپی اور دلجمعی سے دیکھا۔ اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ میں زبردستی اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ لے
آیا۔ میں نے طنز سے اسے مخاطب کیا۔ ''پرنام مہاراج! شاید تم میرے یہاں آنے کا مقصد جان
گئے ہو گے؟''

وہ کھڑا مجھے دیکھتا رہا۔ میں نے اسے دوبارہ مخاطب کیا۔ ''میں آنندلال کے سلسلے میں آیا ہوں۔''
وہ پھر بھی خاموش رہا۔ میرے لہجے میں تیز و تندی آ گئی۔ ''مجھے تم کوئی بلوان اور شکتی والے سادھو دکھائی
پڑتے ہو۔ مجھے معلوم ہے تمہارا ناتا سنسار سے ٹوٹ چکا ہے۔ میرا بھی یہی حال ہے۔ میں اس پاپی
سنسار میں نہیں رہنا چاہتا۔ مجھے گیان دھیان میں مزہ آتا ہے۔ جب میں سنسار کے سارے وچاروں
سے دور ہو کر کسی کونے میں بیٹھ جاتا ہوں اور اپنی آنکھیں ایک طرف لگا لیتا ہوں تو مجھے اپنے اندر
روشنیاں نظر آتی ہیں۔ میرا وزن کم ہو جاتا ہے۔ میں کوئی برا آدمی نہیں ہوں لیکن جب بھی میں نے شانتی
سے جیون بتانے کا پریتن (ارادہ) کیا، تمہارے پنڈتوں پجاریوں نے مجھے نراش کیا۔ میرے مترآنند
لال کو ستیہ کہنے کی سزا ملی۔ وہ اب تمہاری قید میں ہے اور تمہارے وہ پنڈت پجاری چین کی بنسی بجا رہے
ہیں جو دھرم کے نام پر بٹا لگا رہے ہیں۔''

میں نے مزید کہا۔ ''سادھو مہاراج! تم اسے میرے حوالے کرو۔ میں نے اسی لیے یہ ساری باتیں
تمہیں سنائی ہیں کہ تم دھیرج رکھ کر شانتی سے میری پراتھنا پر غور کرو اور اس سے پہلے کہ میرے تمہارے
بیچ کوئی کڑوی بات پیدا ہو جائے، تم آنندلال کو میرے ساتھ کر دو۔''

وہ میرا چہرہ دیکھتا اور میری باتیں سنتا رہا پھر پہلی بار گمبھیر آواز میں بولا۔ ''آؤ میری کٹیا میں آؤ۔''

''کیا میں خود کو تمہارا مہمان سمجھوں؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں۔ آؤ...... میرے ساتھ آؤ۔''

میں اس کے ساتھ نیچے اتر گیا۔ ہم ہموار زمین پر آ چکے تھے۔ اتنی عمر کے باوجود بوڑھے سادھو کے
قدموں میں تیزی تھی۔ میں پورے اطمینان کے ساتھ اس کے ساتھ چلنے لگا۔ میدان میں مجھے کئی
بوڑھے سادھو بھی نظر آئے جن کی عمریں سو کے لگ بھگ یا اس سے متجاوز ہوں گی۔ انہوں نے مجھے [illegible]
اور مسکرا کر نظریں جھکا لیں۔ یہ دیکھ کر میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں کہ مندر کے احاطے میں خوب
صورت پجارنیں اور داسیاں، بہت مختصر لباس پہنے، اِدھر اُدھر پھر رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے

ہوؤں کا ان سے کوئی تعلق نہ ہو۔ میرے ساتھ آنے والے سادھو کو انہوں نے جھک کر پرنام کیا۔
ہوئے ایک ادائے بے نیازی سے پلکیں جھپکائیں۔ یہاں نوجوان لڑکیاں، عورتیں اور بوڑھے سادھو
نظر آتے تھے۔ کوئی بچہ اور نوجوان شخص موجود نہیں تھا۔ بوڑھا سادھو میرے آگے آگے چل رہا تھا اور
[illegible] ایک جوش، ایک عزم کے ساتھ اس کی تقلید کر رہا تھا۔ وہ مجھے اپنی چھوٹی سی کٹیا میں لے آیا۔ یہاں
[illegible] چٹائی تھی۔ مٹی کا لوٹا تھا اور کھونٹیوں پر لباس ٹنگا ہوا تھا۔ کٹیا کا اندرونی حصہ صاف تھا۔ ایک بڑی
[illegible] کھلی ہوئی تھی اور پوری کٹیا اونچے درختوں نے گھیر رکھی تھی۔ بوڑھے سادھو نے مجھے چٹائی پر بٹھا
[illegible] میں نے کہا۔ ''تمہاری ہمدردی کا شکریہ، پر میرے پاس سمے زیادہ نہیں ہے۔ میں آنندلال کو دیکھنا
چاہتا ہوں۔''

''کچھ کھا پی لو، تم تھک گئے ہو گے۔'' اس نے نرمی سے کہا۔

''میں تھک جاتا تو مر جاتا۔ اسّی میل کا پیدل سفر میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔'' میں نے کہا۔

بوڑھے نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس عرصے میں ایک خوب صورت دیوداسی اندر آ گئی۔ اس نے
میرے سامنے پانی اور پتوں سے ابلی ہوئی سبزیاں رکھ دیں۔ جب وہ میرے سامنے جھکی تو اس کی گداز،
[illegible] بانہوں پر میری نظر پڑی۔ اس کا چہرہ اتنا ملیح تھا اور نقش و نگار اتنے نازک تھے کہ میرے کئی لمحے اسے
دیکھنے میں صرف ہو گئے پھر میں سنبھلا اور میں نے سادھو کو کھانے پر مدعو کیا۔ اس نے انکار کر دیا۔ میں
نے زیادہ اصرار نہیں کیا اور سیر ہو کر کھانا کھایا۔ کھانا کھا کر اٹھا تو سادھو آلتی پالتی مارے کسی جاپ میں مگن
[illegible] دیوداسی وہاں سے کھانا اٹھا کر لے گئی۔ کٹیا سے باہر آ کر میں نے اِدھر اُدھر گھومنا شروع کیا اور
گھومتے گھومتے مندر میں پہنچ گیا۔ مندر میں مجھے کسی نے نہیں روکا۔ نہ کسی نے کوئی بات کی۔ میں وسطی
[illegible] میں پہنچ گیا۔ وہاں سنہری مورتیاں نصب تھیں اور دیوداسیاں آرتی اتار رہی تھیں۔ مندر میں کوئی
[illegible] نہیں تھا۔ صرف لڑکیاں تھیں، میرا ذہن پوری طرح کام کر رہا تھا۔ میں نے اپنی تمام باطنی قوتیں
[illegible] کی تھیں۔ ویسے مجھے یہ جگہ پسند آئی تھی اس لیے کہ یہاں ہر طرف سکون ہی سکون تھا۔ مورتیوں،
[illegible] اور انسانوں کی اس مختصر آبادی کا یہ علاقہ گھومنے میں مجھے صرف ایک گھنٹا لگا۔ اس عرصے میں،
میں نے یہ یقین کر لیا کہ آنندلال یہاں کہیں نہیں ہے۔

جب میں واپس کٹیا میں پہنچا تو سادھو جاپ ختم کر چکا تھا۔ میں نے صاف لہجے میں اس سے
گفتگو کرنا چاہی۔

میں نے کہا۔ ''آنندلال کے بارے میں، میں تمہارا فیصلہ سننا چاہتا ہوں۔''

''وہ یہاں نہیں ہے۔'' اس نے مختصر جواب دیا۔

''لیکن وہ کہیں قریب ہی ہے اور وہ جگہ تمہیں معلوم ہے۔''

''تمہارا خیال صحیح ہے۔''

''پھر مجھے اس کا پتا بتاؤ۔ میں یہاں یاترا کے لئے نہیں آیا۔''

''پرنتو استھان تمہیں پسند ہے۔ یہاں من اجلا رہتا ہے۔ تم اب سنسار واپس نہ لوٹو۔ ہمارے ساتھ رہو۔'' سادھو نے شفقت سے مجھے سمجھایا۔ ''آنندلال کی کیوں چنتا کرتے ہو؟ اس موکھ کی مت ماری گئی ہے۔ پنڈتوں نے اسے من کی صفائی کے لئے یہاں بھیج دیا ہے، پر اس کا من صاف نہیں ہوا۔''

''اس کا من اب صاف نہیں ہوگا اور میں یہ جگہ پسند کرنے کے باوجود یہاں نہیں ٹھہر سکتا کیونکہ اب میں اپنا راستہ خود منتخب کرنا چاہتا ہوں۔''

''میں تمہیں سوچنے کا اوسر (موقع) دیتا ہوں۔'' اس نے سادگی سے کہا۔

میں نے اس کے اس جملے پر سر اٹھا کر دیکھا۔ اس کے چہرے پر ایسی کوئی علامت نہیں تھی جس سے میں برافروختہ ہوتا۔ ''میں سوچ سمجھ کر یہاں آیا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''یہ دیوتاؤں کا استھان ہے۔ یہاں آنے کے لئے بڑی کٹھنائیوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ تم یہاں آ گئے ہو تو یہ تمہارے لیے مان کی بات ہے۔ پنڈت، پجاری یہاں آنے کے لئے سارے جیون آس لگاتے ہیں اور بہت کم یہاں آ پاتے ہیں۔ تم یہاں آ کر واپس جا رہے ہو؟''

''مجھے ابھی سنسار میں کچھ جھگڑے نمٹانے ہیں۔ میں انہیں چھوڑ دوں گا تو ہر استھان پر بیاکل رہوں گا۔''

''پرنتو تمہیں اوسر ضرور دوں گا، تم ابھی بالک ہو۔''

''میں کوئی اوسر نہیں لینا چاہتا۔ تم سے جو کہہ دیا، وہ اٹل ہے۔''

''آنندلال تمہارا متر بھی یہیں رہے گا۔''

''اگر وہ یہاں رہنے پر تیار ہے تو میں اسے نہیں لے جاؤں گا لیکن میں اسے کشٹ میں نہیں دیکھ سکتا۔ تم مجھے اس کا پتا بتاؤ۔''

''ابھی تم یہاں ٹھہرو۔ پھر تم فیصلہ بدل دو گے۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھا اور چلنے لگا۔ میں اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا لیکن وہ بستی میں چلا گیا۔ میں اسے دیکھتا رہ گیا اور میں نے دور سے اسے آواز دی۔ ''سادھو مہاراج! میں تمہارا مہمان نہیں ہوں۔''

میری آواز شاید اس کے کانوں تک نہیں پہنچی۔ مجھے یہ فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگی کہ اتنی آسانی سے یہاں آنندلال سے ملاقات نہیں ہو سکتی۔ میں ان سارے بوڑھوں سے لڑائی مول نہیں لے سکتا؟ پھر کیا میں نے یہاں آ کر حماقت کی ہے؟ نہیں، میں آنندلال کا کھوج لگاؤں گا، یہ مجھ پر ہاتھ اٹھائیں گے تو میں بھی ان کی بستی کا سکون درہم برہم کر دوں گا۔ میں اپنی تمام شکتیاں استعمال کروں گا۔ بوڑھے

جوابی سردمہری نے مجھ پر یہ حقیقت واضح کر دی کہ وہ مجھے ٹال رہا ہے۔ میں نے اسی وقت وہ بستی چھوڑ دی اور خود آنندلال کا سراغ لگانے کے لئے گرد و نواح میں گھومنے لگا۔ شام تک میں میلوں دور پہنچ گیا اور کئی بستیوں میں بھی سفر کرتا رہا لیکن آنندلال کا نشان کہیں نہ ملا۔ دوسرے دن بھی میں دن بھر گھومتا رہا اور تھک ہار کر دوبارہ رشی منیوں اور سادھوؤں کی بستی میں پہنچ گیا۔ اس بوڑھے سادھو کا نام شنکر تھا۔ میں سیدھا اس کی کٹیا میں پہنچا۔ اس نے میرے واپس آنے پر کسی غم و غصے یا مسرت کا اظہار نہیں کیا۔ فوراً میرے سامنے دیوداسی نے کھانا پروس دیا اور میں نے کوئی لفظ ادا کیے بغیر کھانا زہر مار کر لیا۔

بوڑھا سادھو جب کٹیا سے چلا تو میں نے ایک دیوداسی کو جبراً روک لیا مگر جب میں نے اس سے بات کی تو وہ مجھے کسی بات کا جواب نہ دے سکی کیوں کہ وہ گونگی تھی۔ سادھو شنکر جانے سے پہلے اپنا کام کر گیا تھا۔ میں نے دیوداسی کی گویائی واپس لانے کی کوشش کی۔ اسے زبردستی پکڑ کر میں نے اس کی گردن میں ایک ضرب لگائی۔ چیخ سے اس کا منہ کھلا تو میں نے اپنی انگلی اس کے منہ میں رکھ دی۔ اس نے میری انگلی کاٹ لی لیکن میں اپنا عمل کرتا رہا تا آں کہ وہ بولی۔ ''مجھے چھوڑ دو...... مجھے چھوڑ دو۔'' اس نے چیختے ہوئے کہا۔

''ایک شرط پر۔ تم مجھے بتاؤ کہ یہاں آنندلال کہاں ہے؟''

''میں نہیں جانتی۔'' وہ ہذیانی انداز میں بولی۔

''میں ابھی تمہارا سندر بدن سیاہ کر دوں گا۔''

''نہیں۔ نہیں۔'' وہ چیخی۔ ''مہاراج مجھے کچھ نہیں معلوم۔''

میں نے اس کی کلائی پکڑ کر مروڑ دی۔ وہ درد سے بلبلا کر چیخی۔ اسی اثناء میں سادھو کی گرج دار آواز آئی۔ ''اسے چھوڑ دو جمیل احمد خان!''

''نہیں سادھو مہاراج! میں اسے ختم کر دوں گا۔ تم جانتے ہو، میں اسے ختم کر دوں گا۔ اس کی کلائی میرے ہاتھ میں ہے۔ اگر تم اسے بچانا چاہتے ہو تو بتاؤ آنندلال کون سے استھان میں قید ہے؟'' یہ کہہ کر میں نے اور زور سے اس کی کلائی مروڑ دی۔ وہ درد سے دہری ہو گئی۔

سادھو شنکر کے چہرے پر تذبذب کی کیفیت پیدا ہوئی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ میں نے اپنی نگاہیں اس کی آنکھوں میں گاڑ دیں۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو قہر آلود نظروں سے گھور رہے تھے۔

''جمیل احمد خان!'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''میری بات مان لو، اس سندری کو چھوڑ دو۔ ہم سنساریوں پر اتیاچار نہیں کرتے۔ میں نے تم سے کہہ دیا ہے کہ تم دیوتاؤں کے شاسن (نظام) میں مداخلت کرو گے تو نقصان اٹھاؤ گے۔ آنندلال یہاں سے کچھ ہی دور دیوتاؤں کے چرنوں میں ہے تم وہاں نہیں جا سکتے۔''

"سادھوشنکر! تعجب ہے تم یہ بات کہہ رہے ہو جبکہ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میں ہر صورت وہاں جاؤں گا اور اپنے دوست آنند لال کو رہا کرا کے رہوں گا۔ تمہارے اندر بھوشیہ (مستقبل) میں جھانکنے کی شکتی پیدا نہیں ہوئی؟" میں نے کرخت لہجے میں کہا۔

اس نے ایک جھرجھری سی لی اور گمبھیر آواز میں کہا۔ "تم یہ بات جانتے ہو کہ اتنی شکتیوں کے ب بھی تم اس استھان کا پتا چلانے میں ناکام ہو گئے ہو جہاں آنند لال موجود ہے۔ اس پر بھی تم وہاں ج چاہتے ہو، مجھے تمہاری شکتی پر شک ہوتا ہے۔"

اس کی چبھتی ہوئی بات میرے دل کو لگ گئی۔ پریم کے گھر سے جدا ہونے اور آنند کی تلاش میں یہاں تک آنے کے سارے سفر کے دوران میں، میں نے ہر ممکن کوشش کی تھی کہ میں کسی طرح اس سراغ لگانے میں کامیاب ہو جاؤں۔ میں نے مراقبے کیے تھے اور اپنی تمام خفیہ صلاحیتیں بروئے کار تھا مگر سب بے سود ثابت ہوا تھا۔ سادھوشنکر کا طنز میرے دل میں اتر گیا۔ میں اسے کوئی ٹھوس جواب دے کر قائل نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے زچ ہو کر دیوداسی کی کلائی اور زیادہ زور سے مروڑ دی۔ وہ بلبلا بے ہوش ہو گئی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں اپنی انگلیاں رکھ دیں۔

"نہیں نہیں۔" سادھوشنکر چلایا۔ "یہ نردوش ہے۔"

لیکن دیوداسی کا حسین بدن ایک لمحے کے ارتعاش کے بعد ساکت ہو گیا۔ اس کی گردن ڈھلک ۔ سادھوشنکر نے حیرت بھری نظروں سے اس کا بے جان بدن دیکھا اور کرب ناک آواز میں بولا۔ "تم نے اسے مار دیا۔"

"میں نے؟" میں نے طنزاً کہا۔ "میں نے اسے مارا ہے؟"

سادھوشنکر مبہوت کھڑا تھا۔ وہ کبھی مجھے اور کبھی دیوداسی کو دیکھتا۔ اس کے لب ہلتے اور وہ کسمسا پہلو بدلتا۔ کچھ دیر تک اس پر یہی اضطرابی کیفیت طاری رہی۔ میں نے وندھیاچل کے اس دور افتادہ بڑے دھارمک استھان میں سادھوؤں، رشی منیوں کی موجودگی کے باوجود ان کی ایک دیوداسی کے سے زمین کو آزاد کر دیا تھا۔

"اب تمہارا کیا وچار ہے؟" میں نے دھمکی کے انداز میں کہا۔

"سندری ختم ہو گئی۔" وہ تاسف سے بولا۔ "اور میں نے اسے ختم ہو جانے دیا۔ تم اب بھی بضد ہو کہ میرا وچار کیا ہے؟"

"ہونہہ!" میں جز بز ہو کر بولا۔ "جو میں نہیں چاہتا شاید تمہیں وہی پسند ہے، سادھوشنکر! میں نہ یہ دھارمک استھان، یا سادھو، یہ رشی منی، یہ مندر، یہ دیوداسیاں، میں ان سب کو نشٹ کرنے کے لیے نہ آیا۔ مجھے ان سے کوئی واسطہ نہیں لیکن میں آخری آدمی تک یہاں موجود رہوں گا۔ تم چاہو تو اس آ

ل دو، آنند لالی یہاں سے چلا جائے گا تو اس پوترا استھان کی مہانتا میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ یہاں رہنے پر مجبور کیا گیا تو پتا نہیں کیا ہو جائے۔"

"تم سے کوئی کیا بات کرے کیونکہ تمہاری زبان تمہارے منہ میں نہیں ہے۔" اس بار شنکر کے لہجے آ گئی۔

"میں اپنی بات کا جواب چاہتا ہوں، مجھے تمہاری خاموشی یا تمہاری رائے پسند ہے۔" میں نے ے کہا۔

"جمیل احمد خان! میں ایک سادھو ہوں۔ میں نے سنسار اور اس کے لوگوں سے بھاگ کر یہاں ہے۔ تم مجھے کیوں پریشان کر رہے ہو۔ میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا اور یہاں کا کوئی شخص کوئی بات کہہ سکتا۔ تم اپنا سمے برباد کر رہے ہو۔" پھر وہ خلاف توقع نرمی سے بولا۔ "میں تم سے پھر کہتا ہوں، ے واپس جانے کا کیوں خیال کرتے ہو۔ اس استھان تک پہنچنے کے لئے منش کیا کیا جتن کرتا "

سادھوشنکر کی نرمی اور تحمل پر مجھے حیرت ہوئی اور غصہ بھی آیا۔ میں کچھ بات کرتا تھا، وہ کچھ جواب تا۔ میں نے اسے نرم و گرم لہجے میں کئی بار دھمکیاں دیں۔ دیوداسی کو مارنے سے بڑی دھمکی اور کیا تھی؟ وہ میری گزشتہ زندگی کے واقعات خاموشی سے سنتا رہا۔ میرے کارناموں پر اس نے کسی کا اظہار نہیں کیا۔ میں اسے بتا تا رہا کہ میں کہاں کہاں سے گزر کے آیا ہوں اور میری طبیعت میں دشت ہے۔ میں کتنا جذباتی اور ضدی آدمی ہوں۔ میں نے اس سے کہا کہ اب مجھ میں تاب نہیں ہے، اس لیے کہ وقت بہت گزر چکا ہے۔ سادھوشنکر کے استھان کی دنیا ہی الگ تھی، بیرونی دنیا ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ وقت جا رہا ہے تو جانے دیجئے، دنیا میں طوفان بپا ہے تو ہونے دیجئے، انہیں دنیا کی صرف زبان آتی تھی، چنانچہ وہ ان جذبات سے بھی عاری ہو گئے تھے جو دنیاوی لوگوں سے ہیں۔ میں خود بھی اس کیفیت کا تجربہ کر چکا تھا۔ میں بھی مراقبہ کر کے عارضی طور پر دنیا سے رشتہ توڑ شنکر کے انکار اور اس کی سرد مہری پر میرا اشتعال بڑھتا گیا اور میں نے اسے اکسانے کے لیے اس ت پر رکیک حملے کیے۔ وہ میری زبان کے نشتر سہتا رہا اور جب اس نے کٹیا سے باہر جانے کا قصد سانے کھڑے ہو کر اس کا شانہ پکڑ لیا۔ اس نے ایک جھٹکے سے اپنا شانہ تو چھڑا لیا لیکن آگے قدم نہ رکا۔ میں اس کے راستے میں سینہ تان کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنے ہاتھ سے مجھے ہٹاتے ہوئے ہٹانے کا ارادہ کیا۔ میں نے آخری بار درشت لہجے میں اسے تنبیہہ کی۔ وہ برہم ہو گیا۔

"مجھ سے مت الجھو جمیل احمد خان!" آخر وہ جھلا کر بولا۔

"مجھے تمہیں رخصت کر کے افسوس ہو گا۔" میں نے سنگ دلی سے کہا۔

"آہ! یہ استھان، اے بھولے منش، یہاں تم بہت کچھ سیکھ سکتے ہو، تمہاری سمجھ میں اس کے بات نہیں آئے گی۔ تمہیں شانتی کی ضرورت ہے، میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔ میں بھگوان سے مکتی کے لئے پرارتھنا کرنا چاہتا ہوں، میں نالدا گھاٹی پر ڈیرا جماؤں گا اور تمہارے من کی شانتی کے لیے ایک جاپ کروں گا۔"

وہ یہ کہہ کر بڑھنے لگا تو میرا دایاں ہاتھ پوری قوت کے ساتھ خود بخود اٹھ گیا۔ سادھو شنکر کسی طرح دھڑام سے زمین پر جا گرا۔ میں نے اس وقفے میں، اس سے پہلے کہ وہ کوئی عمل کرتا، اپنی قوت میں استقامت پیدا کی۔ میں نے اس پر سوار ہو کر اس کا گلا دبوچنا چاہا۔ کسی طویل جنگ کے بجائے میں نے اسے ایک ہی حملے میں ہلاک کر دینے کی ٹھان لی۔ اپنی انگلی اٹھا کر جب میں نے اس کے جسم سے مس کی تو وہ سادھو کے جسم میں گڑ کر رہ گئی اور مجھے اچانک احساس ہوا کہ وہ اتنی دیر تک میری ہرزہ سرائی اتنے سکون سے کیسے برداشت کرتا رہا۔ اگر میں اس کی اور اپنی تپسیا کا مقابلہ کرتا تو اس کا پلڑا بھاری تھا لیکن مجھے بھی کچھ غیر معمولی حالات میں سخت آزمائشوں سے گزرنا پڑا تھا؟ میرا استاد نندا تھا۔ وہ کالی کے تہ خانے میں قید نہیں ہوا تھا۔ میں نے کسی مشقت اور اذیت کے بغیر اپنی خفیہ قوتیں پیدا کی تھیں۔ پتھریلی زمین پر گرنے کی وجہ سے سادھو شنکر کے ماتھے پر خراش آ گئی تھی۔ اس نے دوبارہ اٹھنے کی کوشش کی تو میں نے وحشیانہ طریقے سے ایک لات اس کے منہ پر رسید کی۔ سادھو شنکر کا چہرہ لہولہان ہو گیا۔ اس کے منہ سے ایک ہلکی سی کراہ، کوئی معمولی سی چیخ بھی بلند نہیں ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ اس کا ہاتھ زمین پکڑنے کی کوشش کر رہا ہے اور وہ زمین کرید کر اپنی مٹھی میں کچھ مٹی اٹھانے کی فکر میں ہے۔ میں نے اس کے ہاتھ پر پاؤں رکھ دیا۔ "سادھو شنکر!" میں نے سخت طیش کے عالم میں کہا۔ "تم نے مجھے کیا سمجھا ہے۔ میں کوئی منش نہیں ہوں، میں جمیل احمد خان ہوں۔"

سادھو شنکر نے ایک ناقابل فہم، حسرت ناک نظر سے، ایک ایسی نظر سے مجھے دیکھا جسے میں فراموش نہیں کر سکتا۔ اس نے اپنے رکتے ہوئے سانس کے درمیان کہا۔ "جمیل احمد خان! مجھے افسوس ہے۔ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ بھگوان تمہارا ہردے شانت کرے۔"

"تمہاری کوئی بات میرے ارادے میں مانع نہیں ہو سکتی۔"

میں نے اپنے جسم کا پورا زور ڈالتے ہوئے کہا۔ "اب کچھ بھی ہو، جو میرے آگے آنے کی کوشش کرے گا، اس کا حشر تم جیسا ہو گا۔ تم نے اچھا کیا کہ اپنے لیے ایک شریفانہ موت منتخب کر لی۔ اگر تم ہاتھ پاؤں چلاتے تو تمہارا جسم اب تک راکھ میں تبدیل ہو گیا ہوتا اور تمہاری آخری رسوم بھی انجام نہ دی جا سکتیں۔"

مجھے معلوم نہیں کہ سادھو شنکر نے دوسرے ہاتھ سے کس طرح زمین کی مٹھی اٹھائی اور اسے اپنے

منہ تک لے جا کے پھونک مار کر میری طرف اڑا دیا۔ مٹی کا زمین پر اڑنا تھا کہ کٹیا میں چاروں طرف ریت کے ذرے رقص کرنے لگے اور ان کی رفتار لمحوں میں ایسی تیز اور شدید ہو گئی کہ ریت اڑ کر جسم اور آنکھوں میں گھسنے لگی۔ ساری کٹیا ریت میں اٹ گئی۔ قریب کی چیز بھی نظر آنی مشکل ہو گئی۔ دھول اور خاک کی وہ یلغار روکنے کے لئے سادھو کے جسم پر ایک شدید ضرب لگائی۔ وہ پہلے ہی نڈھال تھا۔ میری ضرب سے رہے سہے اوسان بھی کھو بیٹھا۔ میں اسے کوئی اور وار کرنے کا موقع دینا نہیں چاہتا تھا۔ میں اس کے چہرے کی کیفیت نہیں دیکھ سکا اس لیے کہ ریت نے ہر چیز دھندلی کر دی تھی۔ اندھیرا سا پھیل گیا تھا۔ آنکھیں کھولنا دشوار ہو گیا تھا۔ خاک نتھنوں میں گھسی جاتی تھی، سانس لینا دشوار ہو گیا تھا۔ اس ناگہانی آفت کا تدارک کرنے کے لئے میں نے کیا کیا ہو گا؟ میں نے کیا نہیں کیا؟ میں نے پھونکیں مار کر دھول اڑانے کی کوشش کی، اپنی انگلی سے اسے کاٹنے اور سادھو کے خون میں جذب کرنے کی کوشش کی، پھر خیال آیا کہ مجھے فوراً کٹیا چھوڑ کر باہر چلے جانا چاہیے لیکن اس طرح بھاگنا میرا شیوہ نہیں ہے۔ میں نے سادھو شنکر کے جسم پر زور زور سے پیر مارنے شروع کر دیے، ریت جسم کے عریاں حصوں میں چیونٹیوں کی طرح چمٹ رہی تھی۔ میں نے اپنی جاتی ہوئی توانائی یکجا کر کے سادھو کو اتنی لاتیں ماریں کہ میرا پیر خون میں لتھڑ گیا۔ جھک کر میں نے اس کی ناک پر ہاتھ رکھا، اس کا سانس بند ہو چکا تھا لیکن یہ سادھو لوگ حبس دم کے ماہر ہوتے ہیں۔ ممکن تھا کہ اس سخت جان نے سانس روک لیا ہو۔ میں نے اس کے منہ پر پے در پے ضربیں لگا کر سانس آنے کا راستہ ہی مسمار کر دیا پھر میں نے اس کا ہلکا جسم اپنے ایک ہاتھ کے سہارے سے بمشکل اٹھایا اور اسے کاندھے پر ڈال کر آنکھیں اور منہ بند کر کے کٹیا سے باہر جانے والے راستے کی طرف دوڑ پڑا۔ دھول سے سارا راستہ اٹ گیا تھا۔ میں دیواروں سے ٹکرایا لیکن میں اپنی چوٹوں کی پروا کیے بغیر کٹیا سے باہر نکل آیا۔ جب میں باہر آیا تو خنک ہوا نے مجھے گویا دوبارہ زندہ کر دیا۔ میں نے زور زور سے سانسیں لیں اور سادھو کی لاش زمین پر ڈال دی، میری آنکھوں میں خاک اور دھول سے شدید چبھن ہو رہی تھی۔ آستین سے آنکھوں کے نم گوشے صاف کر کے میں نے چاروں طرف دیکھنے کی کوشش کی۔ کئی بوڑھے سادھو میری طرف تیزی سے آ رہے تھے۔ ان کے پیچھے دیوداسیاں تھیں۔ میں چوکنا ہو کر کھڑا ہو گیا۔ میرا لباس اور میرے ہاتھ خون میں رنگے ہوئے تھے، لمبے بال، داڑھی اور وحشت زدہ چہرہ لیے میں اس طرح کھڑا ہو گیا جیسے کسی کے آنے کا انتظار ہو۔ سادھو شنکر اور دیوداسی نے آنند لال کا استھان بتانے کے بجائے موت کو ترجیح دی تھی۔

دو بوڑھے اور دوسرے سادھو تیز رفتاری سے قریب آ گئے اور دیوداسیاں ان کے پیچھے ہاتھ باندھ کر کھڑی ہو گئیں۔ انہوں نے ایک فاصلے پر رک کر مجھے دیکھا اور پھر ان کی نظر سادھو شنکر کی لاش پر پڑی۔

میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اتنے بڑے سادھوؤں کی موجودگی اور اس نازک صورت حال کے میں مستعد اور بے خوف کھڑا تھا۔ یہ خود اعتمادی کی انتہا تھی، ایسی خود اعتمادی خود فریبی کی حد ہے۔ سادھو شنکر کے قریب جا کر ایک معمر سادھو نے اس کا اوندھا جسم سیدھا کیا اور ایک دیوداسی کو اشارہ کیا جس نے جھجکتے جھجکتے اپنی زرد ساڑی اتار کر سادھو کے جسم پر ڈال دی۔ دیوداسی اپنے عریاں سراپے کے ساتھ شرماتی اور سکڑتی ہوئی پیچھے کی طرف چلی گئی اور وہاں سے نہ جانے کہاں غائب ہوگئی۔ سادھوؤں نے سادھو شنکر کی لاش اور میرا خون آلود ہاتھ دیکھنے کے بعد بھی مجھ سے باز پُرس نہیں کی۔ مجھے حیرت ہوئی۔ وہ چند لمحے گردن جھکائے کھڑے رہے۔ میں ان کے ہر امکانی ردِ عمل کے لئے تیار تھا۔

ان میں سے ایک بوڑھا سادھو لکڑی ٹیک کر آگے بڑھا اور میرے قریب آ کر فخریہ لہجے میں کہنے لگا۔ "یہ استھان اہنسا کے لئے ہے۔ ہم یہاں اس لیے اکٹھا نہیں ہوئے ہیں کہ ایک دوسرے کو مار لیں۔ ہم یہاں بھگتی اور تپسیا کے لئے آئے ہیں۔ تم نے ہمارے ایک بڑے ساتھی کو مار دیا ہے۔ سادھو شنکر کا سمے آ گیا تھا۔ مہاراج جمیل احمد خان! تمہاری شکتی کے بارے میں ہمیں معلوم ہے، پرنتو یہاں دیوتاؤں کے پریمی رہتے ہیں، وہ پجاری جنہوں نے دیوتاؤں کے پاس رہنے کے کارن جگ تیاگ دیا ہے۔ ہمیں اہنسا کی شکشا دی گئی ہے۔"

"اہنسا۔" میں نے زہر خند سے کہا۔ "اہنسا کا پرچار کرنے والو! آنندلال پر اتیاچار، نندا کا نم بگڑ کر لوٹ جانا۔ تمہارے سادھوؤں پنڈتوں کے بستی بستی ظلم کے افسانے، یہ تمہارا اہنسا کا فلسفہ، ایک شخص کو قید خانے میں ڈال کر زندہ مار دینا۔ اس کی بے قصور عورتوں کو مارنا۔ میں تمہیں کتنی لمبی فہرست سناؤں، تم اہنسا کی بات کرتے ہو، مجھے مارو۔ مجھے ختم کیوں نہیں کر دیتے؟ لیکن یہ خیال کر کے ہاتھ اٹھانا کہ میں تنہا نہیں جاؤں گا، یہاں کے کئی سادھو اور دیوداسیاں میرے ساتھ جائیں گی۔"

"جمیل احمد خان مہاراج! تم اس سنسار کی بات کر رہے ہو جسے ہم نے چھوڑ دیا ہے۔ اگر سنسار ہی اچھا ہوتا تو ہمیں یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔" بوڑھے سادھو نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔ "کسی دن انہیں اس کی سزا ملے گی۔"

"لیکن میں اپنے جھگڑے یہیں نمٹا کر جاؤں گا مجھے ابھی دو چار دشٹ لوگوں سے نمٹنا ہے۔ اس بیچ میں جو بھی آیا، اس کا حشر سادھو شنکر کا سا ہوگا۔" میں نے انہیں خبردار کیا۔

"تم مرتیو (موت) کی بات کرتے ہو جو ہمارے وچار میں جیون کی ایک بدلی ہوئی دشا (حالت) ہے۔" بوڑھے نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "موت کا غم انہیں ہوتا ہے جنہیں جیون سے پیار ہوتا ہے۔ جمیل احمد خان! کیا تم ابھی تک یہ سمجھ رہے ہو کہ تم نالکھ آشرم میں نہیں آئے ہو؟ کیا تم ابھی تک بدری نرائن اس جیسے پنڈتوں کے استھان پر ہو؟"

"بدری نرائن۔ اس کا نام لے کر کیوں تم میرے زخم تازہ کرتے ہو۔ اے اہنسا کے پرچار، بتاؤ کیا تم بدری نرائن کے کرتوتوں سے واقف نہیں ہو؟ وہ تمہارے سائے میں ہے۔ آنندلال جیسے ... کو سزا ملتی ہے، بدری نرائن کو ہر جگہ شرن حاصل ہے۔ مندروں میں اسے چھپنے کی آسانی میسر ہے۔ ہمارے پنڈت پجاری اس بالک کی ہٹ کا مان کرتے ہیں۔ تم کیا چھل کپٹ کی باتیں کر رہے ہو؟ ... نے تمہیں خوب سمجھا اور دیکھا ہے۔ میری بات کا جواب دو، اس استھان پر خون بہتا ہوا اچھا نہیں ...۔" میں نے ترشی سے کہا۔

"میں تمہیں آنندلال کے استھان کا پتا بتا دوں گا۔" بوڑھا سادھو گردن جھکا کر بولا۔ "پر میری ... بنتی ہے، تم یہاں اگلی پورن ماشی تک ٹھہرو ہمیں اور ہماری دیوداسیوں کو اپنی سیوا کرنے کا موقع دو۔"

... کے پیچھے کھڑے ہوئے سادھوؤں میں سرگوشیاں ہونے لگیں۔ وہ اپنے بزرگ ساتھی کی یقین دہانی ... حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے۔ میرے مخاطب نے اپنا ہاتھ اٹھا کر وہ بھنبھناتی ہوئی سرگوشیاں روک دیں۔

"اگلی پورن ماشی کب ہے؟" میں نے مفاہمت کے لہجے میں کہا۔

"آج سے بائیس روز بعد۔" اس نے تیزی سے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں خود بھی خون بہانا پسند نہیں کرتا۔ تمہارے وعدے پر میں بائیس روز تک یہاں ... رہوں گا۔"

"تم ہمارے مہمان ہو مہاراج!" بوڑھے نے خوش خلقی سے کہا۔

"مہمان تو میں سادھو شنکر کا بھی تھا۔" میں نے طنز کیا۔ "اور سنو، میں صرف اس جگہ جانا چاہتا ہوں۔ جہاں آنندلال اس وقت موجود ہوگا۔"

"یہ ایک سادھو کا وچن ہے۔" وہ اعتماد سے بولا۔ "یہاں کچھ زیادہ چیزیں تو نہیں ہیں لیکن ... داسیاں تمہارے آرام کا پورا خیال رکھیں گی۔ یہ ایک کھلی جگہ ہے، تم کھلے دل سے یہاں رہو۔ کیا ... کسی خاص چیز کی ضرورت ہے؟"

"نہیں...... میں سکون سے یہ بائیس روز گزارنا چاہتا ہوں۔"

انہوں نے سادھو شنکر کی لاش کے نیچے چند لکڑیاں رکھ کر اسے اٹھا لیا اور وہ اسے اپنے کاندھوں پر ... لے گئے۔ میں تنہا رہ گیا۔ انہوں نے اس شخص کے ساتھ عزت و احترام کا سلوک کیا تھا جس نے ... ایک ساتھی اور دیوداسی کو جہنم رسید کر دیا تھا۔ انہوں نے ایسا کیوں کیا؟ میں اس امر پر غور کر کے ... پریشان ہونا نہیں چاہتا تھا۔ سادھو شنکر کی موت کے بعد میرے ارادوں کی پختگی کا انہیں یقین آ گیا ... میں کوئی بھی جواز پیش کروں لیکن سب سے بڑا جواز تو یہ ہے جو میرے اس طویل سفر کے نشیب و

فراز کا حامل ہے۔ میں نالکھ آشرم جیسے تیرتھ استھان میں اپنی وحشتوں کے اظہار کے باوجود ان کا معزز مہمان تھا۔ سادھو بلرام زیادہ معاملہ فہم شخص معلوم ہوتا تھا۔ وہ شنکر کا جانشین بن کر سامنے آیا تھا۔ اس نے شاید اپنے ساتھیوں کو آمادہ کرنے کے لئے بائیس روز کی مدت مانگی تھی یا پھر اسے پوجا اور تپسیا اور ایثار کر کے دیوتاؤں کو راضی کرنے کے لئے مدت درکار تھی۔ کوئی شخص بھی ایسے غیر معمولی واقعے کے بعد یہ سوچنے میں حق بجانب ہوتا کہ وہ اس مطلوبہ مدت میں کسی ریاکاری کا مظاہرہ کریں گے مگر میرے ذہن میں ایسا کوئی خیال نہیں کوندا۔ نہ جانے کیوں میں اپنی جگہ مطمئن تھا کہ وہ میرے ساتھ فریب نہیں کریں گے چنانچہ میں نے اس جگہ ٹھہرنے پر آمادگی کا اظہار کر دیا تھا۔

رات کو سادھو بلرام اور اس کے چند ساتھی خوان سجائے میرے پاس آئے اور انہوں نے اپنے سامنے مجھے کھانا کھلایا۔ دیوداسیوں نے میرے ہاتھ دھلائے۔ ہمارے درمیان مکمل خاموشی طاری رہی۔ کھانا کھلا کر وہ چلے گئے اور دیوداسیاں مکان میں رہ گئیں۔ طاقوں میں رکھے ہوئے سارے چراغ روشن تھے۔ میں اپنے کمرے سے باہر کا نظارہ دیکھنے کے لئے اٹھا۔ اندھیرا گہرا نہیں ہوا تھا۔ برابر کے کمرے میں دو داسیاں دراز تھیں۔ میں دروازے پر پہنچا تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ میں نے انہیں غور سے دیکھا۔ چراغ کی مدھم روشنی میں وہ بے عیب لڑکیاں اِدھر اُدھر سمٹی بیٹھی تھیں۔ میں نے بے اختیار ہو کر ان سے کہا۔ ''سندریو! آؤ میرے پاس آؤ۔''

وہ مشینی انداز میں اٹھ گئیں اور میرے پیچھے پیچھے میرے کمرے میں چلی آئیں۔ ''بیٹھ جاؤ۔'' میں نے کہا۔ وہ بیٹھ گئیں۔ ''تمہارے نام؟'' میں نے پوچھا۔

انہوں نے یکے بعد دیگرے شیریں آوازوں میں اپنے اپنے نام بتائے پھر میری نگاہ انتخاب ایک لڑکی پر جا کر ٹھہر گئی۔ وہ چھریرے بدن کی ایک دراز قد، بے حد معصوم اور دلکش چہرے کی لڑکی تھی۔ اس کی آنکھیں، اس کے قد کی طرح بڑی تھیں، بال پشت اور کاندھوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس نے جب اپنا نام مالا بتایا تو میں مضطرب ہو کر اٹھ بیٹھا۔ بے اختیار میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کی ٹھوڑی اوپر اٹھا کر اس کے چہرے کا جائزہ لیا۔ اس کی نم آنکھوں میں بڑی گہرائی تھی۔ وہ میری مالا کی ہم شکل نہیں تھی۔ میں ایک کراہ کے ساتھ دوبارہ لیٹ گیا۔ میرا ہاتھ یوں ہی اس کی طرف اٹھ گیا۔ اس نے میرا سر اپنے زانو پر رکھ لیا۔ اس کے بال میرے چہرے پر لہرانے لگے تو اس نے انہیں ہٹانا چاہا۔ میں نے کہا۔

''انہیں میرے چہرے پر پھیلا دو۔'' اپنی ٹانگیں پھیلا کر میں نے چیختی اور لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''میرا جسم نوچو۔'' میرے اس تازہ حکم پر وہ جھجکیں اور آنکھیں پٹ پٹانے لگیں پھر سہم کر پیچھے ہٹ گئیں۔ میں نے اپنی خواہش کی تکرار کی۔ وہ خوف زدہ نظروں سے جلدی جلدی میرے پیر دبانے لگیں۔ ان کے نرم و نازک ہاتھ میرے بدن سے مس ہوئے تو مجھے احساس ہوا جیسے جوڑ جوڑ دکھ رہا ہو اور تمام

ہو گئے ہوں، ان کے ہاتھ جہاں جہاں میرے پیر پر پڑتے، مجھ پر ایک عجیب اذیت ناک نشہ طاری ہو جاتا۔ میں نے اپنی انگلی اٹھا کر لیٹے لیٹے ایک ایک کر کے تمام چراغ بجھانے شروع کر دیئے، وہ میرے اس کرشمے پر حیران تھیں۔ آخر ایک چراغ روشن رہ گیا جس کی مدھم روشنی میں ایک عجیب خوابناک کیفیت طاری ہو گئی۔ مالا میرے سرہانے بیٹھی میرے سر پر اپنا نازک ہاتھ دھرے ہوئے تھی، باقی لڑکیاں میرے پیر آہستگی سے دبا رہی تھیں۔ یکایک میرے جی میں نہ جانے کیا آئی کہ میں نے اپنے ایک عمل سے دوبارہ چراغ روشن کر دیئے اور دیوداسیوں کو لباس کی قید سے آزاد ہونے کا حکم صادر کیا۔ انہیں میرا حکم ماننے میں تامل ہوا۔ شاید وہ انتظار کر رہی تھیں کہ میں اپنا فیصلہ واپس لے لوں لیکن میں نے دوبارہ جب یہی بات دہرائی تو وہ سمٹی ہوئی اٹھیں، انہوں نے بے بسی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ان کا لباس پہلے ہی مختصر تھا۔ انہوں نے جھجکتے جھجکتے وہ بھی اتار دیا۔ ان کی نظریں جھکی ہوئی تھیں اور اپنے ہاتھوں سے انہوں نے ستر پوشی کی ناکام کوشش شروع کر دی تھی۔ میرے سرہانے بیٹھی ہوئی دوشیزہ مالا نے بھی میری ہدایت پر عمل کیا تھا۔ میں نے ان سب کو غور سے دیکھا۔ میں وہ منظر بیان کر کے اپنی ناقابل فہم کیفیت پر مزید شرمندہ ہونا نہیں چاہتا۔ اس وقت ان کے برہنہ سکڑے ہوئے بدن میری نظروں کو خیرہ کر رہے تھے اور میری حیثیت ایک فاتح کی سی تھی۔ میں فراموشی کے عالم میں تھا لیکن جلد ہی اپنے حال میں واپس آ گیا۔ میں نے انہیں کمرے سے نکل جانے کا حکم دیا۔ وہ سراسیمہ اپنے لباس اٹھاتی اور خوف زدہ نظروں سے مجھے دیکھتی ہوئی وہاں سے چلی گئیں۔ کمرے میں صرف ان کی خوشبوئیں رہ گئیں اور میں رہ گیا اور جلتے ہوئے چراغ رہ گئے اور میرا جلتا ہوا جسم رہ گیا۔ پھر میں نے مالا کو آواز دی۔ وہ اس کمرے میں لباس پہن چکی تھی۔ میں نے اسے اپنے قریب بٹھا لیا۔ میرا ماتھا جل رہا تھا۔ میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اسے سر دبانے کا اشارہ کیا۔ وہ دباتی رہی۔ میں کبھی اس کی آنکھوں میں جھانکتا، کبھی اس کی زلفوں کے لچھے بناتا۔ آخر میں نے اس کا سر اپنے سینے پر رکھ لیا۔ میں نے اس کے لبوں کو چومنا چاہا لیکن میرے ہونٹ اس کی پیشانی پر چپک گئے۔ میں نے اس کا سرخ چہرہ دیکھنے کے بجائے آنکھیں بند کر لیں اور مالا سے کہا کہ وہ اپنے بال دوبارہ میرے چہرے پر بکھرا دے۔ اس کی گھنیری زلفوں میں مجھے نیند نہیں آ سکتی تھی لیکن وہ لمحہ ایسا سکون پرور اور جان فزا تھا جو میرے لیے اجنبی بن گیا تھا۔ مالا اسی طرح بیٹھی رہی اور میں سوچتا رہا، کیا مجھے اپنے نفس کی تشنگی اس کے بدن کے عرق سے بجھانی چاہئے؟ اس کے بدن کا پسینہ جس میں ایک جنگلی خوشبو بسی ہوئی ہے، اس کی سانسوں کا دھواں جس میں نشہ آور کیفیت موجود ہے اس کی بڑی آنکھیں جہاں ایک شخص دراز ہو سکتا ہے۔ میں نے اس کے بارے میں بہت سوچا۔ اتنا سوچا کہ میرا شعور مزاحمت سے عاری ہو گیا۔ میں نے شعور کی ہاتھ سے جاتی ہوئی ڈور پکڑ لی۔ میں اس استھان پر اپنی برتری ہر صورت میں برقرار رکھوں گا۔ میری برتری اس میں مضمر

نہیں کہ میں دیوداسیوں پر غالب آجاؤں یا ان سے مغلوب ہوجاؤں۔ میں نے مالا کی زلفوں کو چھوڑ میں اپنے نفس کی آنکھیں بند کرلیں اور گہری سانس کھینچ کر خود کو اس کش مکش سے باہر لانے میں کامیاب ہوگیا۔ میں مراقبے میں چلا گیا تو اور بے حس و حرکت ہوگیا تھا۔ مالا رات بھر اسی طرح بیٹھی رہی تھی۔ پرندوں کے شور پر میں نے آنکھیں کھولیں۔ مالا کی زلفیں میرے چہرے پر پھیلی ہوئی تھیں، میں نے انہیں ہٹا کر اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ ایک پل بھی نہیں سوئی تھی۔ مجھے اس لڑکی پر بڑا ترس آیا۔ میں نے اسے دوسرے کمرے میں جا کر سونے کی ہدایت کی۔ وہ چلی گئی تو میں انگڑائی لے کر اٹھا۔ آبشار کے تازہ پانی کے چھینٹے میں نے اپنے گالوں پر مارے اور مکان سے باہر کھلی فضا میں آگیا۔

اس پہاڑی مقام پر صبح کا منظر بڑا دلکش تھا۔ سادھو صبح سویرے اٹھ گئے تھے اور ایک مقام پر جمع ہو کر گیتا کا پاٹھ کر رہے تھے۔ میں بھی ان کے درمیان بیٹھ گیا۔ انہوں نے مجھے پرنام کیا۔ گیتا کے مختصر پاٹھ کے بعد سادھوؤں نے مجھے گھیر لیا اور وہ مجھے لیے مندر تک آئے۔ مندر کے بڑے چبوترے پر دیوداسیاں پھولوں کے ہار لیے اِدھر اُدھر پھر رہی تھیں، وہ بہت تر و تازہ نظر آتی تھیں، ان میں وہ لڑکیاں بھی موجود تھیں جو رات کو میرے ساتھ تھیں، مالا بھی سر جھکائے مجھے نظر آئی۔ مالا نے مجھے مندر کے چبوترے پر دیکھا تو پرنام کرتی ہوئی میرے پاس آئی اور میرے ہاتھ میں پھولوں کا گجرا ڈال دیا۔ اس کی نگاہوں میں میرے لیے ایک عجیب چمک تھی۔ میں اس چمک کو بھول گیا تھا۔ اتنے دنوں بعد میں نے اپنے لیے کسی کی آنکھوں میں یہ روشنی دیکھی تو میرا جسم مرتعش ہوگیا۔

میں دن بھر اسی طرح پھرتا رہا۔ ہر جگہ پتھر کاٹ کر بڑے بڑے بت بنائے گئے تھے۔ بدھ بھکشو اونچے استھان پر بیٹھ کر تپسیا کرتے تھے اور ہندو سادھو کسی درخت کے سائے میں بیٹھ کر گیان دھیان میں مگن ہوجاتے تھے۔ دور دور تک درختوں کے نیچے سادھو پھیلے ہوئے تھے۔ ان کے بیٹھنے کا وہی انداز تھا جو عام طور پر ہندو سادھوؤں اور پنڈتوں کے جاپ کے عمل میں ہوتا ہے۔ میں غور سے ان کے انہماک اور استغراق کا جائزہ لیتا ہوا دوبارہ مندر میں پہنچ گیا۔ میں نے وہاں مالا کو تلاش کیا اور اسے ساتھ لیے بستی سے دور نکل گیا۔ چلتے چلتے ہم پہاڑوں اور سبزہ زاروں میں بہت دور چلے گئے۔

آخر پورن ماشی کی شب آگئی۔ میں نے صبح کا انتظار بھی گوارا نہیں کیا۔ چاندنی درختوں پر پھیل گئی اور پہاڑ اس سے روشن ہوگئے تو میں مندر کے سامنے میدان میں گیا اور میں نے سادھو بلرام کو آواز دی۔

"سادھو بلرام۔ چڑھتا ہوا چاند تمہارے وعدے کے ایفا کا منتظر ہے، مجھ سے برداشت ناممکن ہے، جلد میرے پاس آؤ۔"

میری آواز بستی میں گونج گئی اور ہاتھوں میں چراغ لیے دیوداسیاں میدان میں نمودار ہوئیں۔ ان کے پیچھے عام سادھو موجود تھے۔ ساری بستی ایک جگہ اکٹھی ہوگئی۔ وہ چاروں طرف پھیل گئے۔ میں نے

بسم کے گرد حصار قائم کرلیا تھا کیونکہ میں ان مہان سادھوؤں کے درمیان تنہا تھا۔ دیوداسیاں بھجن بولی مندر کے چبوترے پر سر رکھ کر دیوتاؤں کو خراج عقیدت پیش کرنے لگیں۔ میں حیران تھا کہ ندلال کے استھان کا پتا بتانے کے لئے یہ تماشا کیوں کیا جارہا ہے؟ سادھو بلرام دوسرے سادھوؤں درمیان سر جھکائے میرے پاس آیا۔ میں نے اچٹتی نظر سے اسے دیکھا اور پھر چاند کی طرف اشارہ

"ہاں مہاراج! میں تم سے اپنا وچن نبھا رہا ہوں۔" وہ افسردگی سے بولا۔ "یہاں سے چالیس کوس اتر میں نالکھ آشرم جیسا ایک تیرتھ استھان ہے۔" اس کی آواز بھرا گئی۔ "شیوشکر نے وہیں وشرام کیا اس کا نام شیوشنکر پاڑ ہے، آنندلال اسی پوتر استھان پر موجود ہے۔"

"کیا میں یہاں سے کسی کو ساتھ لے جاسکتا ہوں؟" میں نے جرأت سے پوچھا۔

"نہیں۔ تم وہاں تنہا جاؤ گے۔ سادھو آگیہ کے بغیر وہاں نہیں جاتے۔" وہ شکست خوردہ لہجے میں

"سادھو بلرام! تم نے اپنا وچن نبھا دیا میں تمہیں دھنیہ واد کہتا ہوں۔ مجھے دکھ ہے کہ سادھو شنکر ایک نا غلطی سے مارا گیا۔" میں نے وفور مسرت سے کہا لیکن آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ سادھو بلرام کے جسم میں لرزہ سا پیدا ہوا اور وہ دھڑام سے زمین پر گر پڑا۔ میں نے تیزی سے جھک کر دیکھا۔ اس کی آنکھیں ائی تھیں۔ اسے گرتا دیکھ کر دوسرے سادھو چاروں طرف جمع ہوگئے اور انہوں نے کسی تشویش اور تردد بغیر اس پر کپڑا ڈال دیا جو ایک دیوداسی تھال میں رکھے ہوئے تھی، پھر انہوں نے گلاب پاش سے عرق چھڑکا۔ دیوداسیوں نے آگے آکر آرتی اتاری۔ سادھو بلرام کی لاش اٹھالی گئی۔ میں نے ت کی نگاہوں سے انہیں دیکھا لیکن وہ ہر بات سے بے خبر تھے۔ وہ بلرام کی لاش مندر کے چبوترے لے گئے۔ میں انہیں چھوڑ کر آگے آگیا اور میں نے مالا کو آواز دی۔ "میں جارہا ہوں۔" میں نے اس کہا۔

"ابھی مہاراج؟" وہ حسرت سے بولی۔

"ہاں ابھی۔ ممکن ہے میں یہاں پھر واپس آؤں۔"

"مہاراج!" آنسو اس کے رخساروں پر ڈھلکنے لگے۔

میں زیادہ دیر تک اس کا نمناک چہرہ نہ دیکھ سکا اور اسی وقت بلندی پر چڑھنے لگا۔ میں نے خاصی نا گزرنے کے بعد کہیں اپنا سفر ختم کیا۔ دس کوس تک تو میں چلا آیا ہوں گا۔ راستے بھر بلرام کی غیر متوقع موت کا منظر میری آنکھوں میں گردش کرتا رہا۔ ایک جگہ ٹھہر کر اور صبح تک ستا کر میں نے دوبارہ اپنا سفر شروع کیا۔ راستے کی طوالت اور دشواری کا ذکر فضول ہے۔ میں کسی مستی اور جوش میں آگے بڑھ رہا تھا

یا کوئی طاقت مجھے پہاڑ کی چوٹی طے کرا رہی تھی۔ چالیس کوس کا یہ فیصلہ دوسرے دن سہ پہر کے وقت تمام ہوا۔ شیو پاڑ کے آثار دور ہی سے نظر آنے لگے تھے۔ مجھے راستے میں درختوں کے سائے میں بیٹھے ہوئے کئی سادھو نظر آئے لیکن میں نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ شیو پاڑ نالکھ آشرم کی طرح ایک بستی نما تھی۔ یہاں دور دور سادھو آباد تھے۔ ہر طرف پتھروں کی شکستہ ویران عمارتوں کے آثار نظر آتے تھے۔ کہیں کوئی تھم موجود ہے، کہیں کوئی ٹوٹا ہوا تخت ہے۔ کہیں آدھا بت بیٹھا ہوا ہے۔ میں اس پُراسرار علاقے سے گزرتا ہوا شیو شنکر کے مندر کے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت مجھے کلدیپ اور سید کی بے تحاشا یاد آئی۔

مندر کی کالی عمارت میں شیو شنکر کا بت مسکرا رہا تھا۔ میں بہت محتاط انداز سے قدم رکھتا ہوا اندر چلا آیا۔ آنند لال مندر میں نہیں تھا۔ وہ یہاں نہیں ہے تو یہیں کہیں قریب موجود ہوگا۔ باہر آ کے میں نے اِدھر اُدھر دیکھا اور کئی عمل کر کے آنند لال کی موجودگی کے مقام کا تعین کرنے کی کوشش کی۔ مندر کی پشت پر ایک تاریک سا راستہ تھا جو سنگلاخ چٹانیں کاٹ کر بنایا گیا تھا۔ میں اس راستے میں داخل ہو گیا۔ میں پھونک پھونک کر قدم اٹھا رہا تھا اور ہر قدم اٹھانے سے پہلے اپنی حفاظت کا یقین کر لیتا تھا۔ اس مختصر راستے سے گزر کر مجھے پتھر کی ایک ٹوٹی ہوئی عمارت نظر آئی جہاں ایک سادھو بیٹھا ہوا اپنے سر کی جوئیں مار رہا تھا۔ قریب جا کر دیکھا۔ اس کے حلیے اور سید کے حلیے میں بڑی مماثلت تھی۔ میں ایک لمحے کے لئے دنگ رہ گیا لیکن یہ میرا وہم تھا۔ وہ گلبرگہ کا پیرومرشد نہیں تھا، وہ کوئی اور شخص تھا۔ میں نے اسے آواز دی۔

''او بھلے مانس! کیا تم نے آنند لال کو یہیں قید رکھا ہے؟''

اس نے نظر اٹھا کر مجھے دیکھا۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں سرخی اور شرارت تھی۔ وحشت میں اس نے سر کے بال نوچ لیے اور اپنے سر کی جوئیں نکال کر میرے کپڑوں پر پھینک دیں۔ میں نے اس کے خشک بال پکڑ لیے اور انہیں زور سے کھینچ کر کہا۔ ''کیا تجھے میرا انتظار تھا؟'' اس کے بال اکھڑ کر میرے ہاتھوں میں آ گئے اور اس نے ایک قہقہہ لگایا۔ ''لے جا، چل بھاگ یہاں سے۔''

جیسے ہی اس کے بال میرے ہاتھوں میں آئے، جوئیں میرے بازوؤں تک پہنچ گئیں اور میرے جسم میں پیوست ہونے لگیں۔ میں نے اس کے بال پھینک دیئے اور تنگ آ کر اس سے پوچھا۔ ''بوڑھے! زیادہ تیزی نہ دکھا۔ اسے باہر نکال لا۔''

اس نے اپنے نزدیک رکھا ہوا ایک بھاری پتھر آسانی سے اٹھا لیا۔ وہ میری طرف پتھر مارنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ میں نے اس کی گردن کی پشت پر اپنے ہاتھ کی ضرب لگائی۔ مجھے محسوس ہوا جیسے میرا ہاتھ کسی دھات سے ٹکرا گیا ہو۔ اگر میں یہ ضرب کسی عام انسان کے رسید کر دیتا تو اس کی گردن اس کے جسم کا ساتھ چھوڑ دیتی۔ وزنی پتھر اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ میں نے لات مار کر اسے دور کر دیا۔ ''او پاپی

سن بوڑھے! میں اسے لینے جا رہا ہوں۔ اگر تو اس کا محافظ ہے تو سامنے سے ہٹ جا اور تیرے دل میں کچھ اور ہے تو سمجھ لے، تجھے جس شخص کا انتظار تھا وہ آ گیا ہے۔ میں تجھے ذرا سی بھی مہلت نہیں دوں گا۔''

وہ کھل کھلا کر ہنس پڑا۔ ''شیو شنکر۔'' اس نے سنسکرت میں کوئی جملہ ادا کیا اور اس کا ہاتھ میری ٹانگوں پر پڑا۔ میں دھپ سے زمین پر گر گیا۔ اس نے فوراً کھڑے ہو کر کوئی عمل کرنا چاہا لیکن اس سے پہلے ہی میں تیزی سے اچک کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے نندا کے ایک عمل کے ذریعے اسے زمین پر جکڑ دیا۔ وہ اٹھنے کی کوشش میں پہلو بدلنے لگا لیکن اس کا سارا جسم جکڑا ہوا تھا۔ میں نے وہی پتھر جو اس نے مجھ پر اٹھایا تھا اسے مارنے کے لئے اٹھایا تو وہ حیرت انگیز طور پر میری بندش سمیت اپنی جگہ سے ہل گیا۔ مجھے پہلے ہی اندازہ تھا کہ شیو پاڑ میں اگر کوئی معرکہ ہوا تو وہ نہایت سخت ہوگا۔ میری بندش بدستور قائم تھی حالانکہ وہ اپنی جگہ سے کھسک گیا تھا۔ اس نے نہ جانے کس طرح اپنے ہاتھ آزاد کرا لیے۔ میں دوبارہ اس کے ہاتھوں کی بندش کرنے والا تھا کہ اس نے ہاتھ ہلا کر کہا ''ٹھہر جا۔ بس کر، تیرے اندر ہنومان کی شکتی ہے۔ وہ اندر موجود ہے۔ اس پاپی کو یہاں سے لے جا اور نرک میں کود جا۔''

''چپ رہ بوڑھے زبان دراز!'' میں نے اسے ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔ ''میں پہلے تو تجھے نرک میں پہنچاؤں گا۔''

اس نے میرا عمل ناکام کر دیا تھا۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور مجھے خشمگیں نظروں سے گھور کر بولا۔ ''جا چلا جا...... زیادہ باتیں نہ بنا...... جا۔''

اس کی آواز میں اب بھی گرج تھی۔ میں کوئی اور قدم اٹھاتا لیکن میں نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔ اس نے خود ہی مجھے اندر جانے کی اجازت دے دی تھی تو میں اس سے معرکہ آرائی میں وقت ضائع کرنے کی حماقت کیوں کرتا؟ میں نے پتھر کے ایک سوراخ سے اندر جھانک کر دیکھا۔ واقعی وہاں آنند لال موجود تھا۔ اس کی حالت بڑی ناگفتہ بہ نظر آ رہی تھی۔ جسم کے بال بڑھے ہوئے تھے اور وہ ہڈیوں کا کوئی پنجر معلوم ہوتا تھا۔ آنند لال جیسے دوست کو اس حال میں دیکھ کر میرا اشتعال دوچند ہو گیا اور میں نے سوراخ سے نظریں ہٹا کر بوڑھے کی طرف دیکھا۔ وہ ایک پتھر پہ بے نیاز بیٹھا اپنی داڑھی کے بال نوچ رہا تھا۔ وہ بے خبر تھا جیسے ابھی ابھی اس کے ساتھ کوئی حادثہ پیش نہ آیا ہو۔ میں نے وہیں سے آواز دی۔ ''سن بڈھے! تو شاید بڑی عمر لے کر آیا ہے۔ اب کوئی حرکت نہ کرنا ورنہ موت اور زندگی کا فاصلہ ختم ہو جائے گا۔''

اس نے میری آواز پر کوئی دھیان نہیں دیا۔

درختوں سے گھری ہوئی اس عمارت کے دروازے پر میں نے ایک بڑے پتھر سے ضرب لگائی۔

دروازہ کھل گیا۔ میں اندر داخل تو ہو گیا لیکن فوراً مجھے اپنا پیر پیچھے کی طرف ہٹانا پڑا۔ عمارت اندر سے تنور کے مانند دہک رہی تھی۔ زمین سے لپٹیں اٹھتی محسوس ہو رہی تھیں۔ میں نے پیچھے مڑ کر پاگل کی جانب دیکھا۔ اسے کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔ ایک ثانیے کے لئے مجھے واپسی کا خیال آیا مگر دوسرے لمحے، میں نے اس آگ میں کود جانے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ ایک ایسی بھٹی تھی جس کی تپش سے لوہا بھی میں پگھلنے لگے۔ میں نے خود کو یقین دلایا کہ یہ شیوشنکر کا استھان ہے۔ اگر میں اس تپش سے گھبرا کر واپس چلا گیا تو آنند لال کبھی مجھے نہیں مل سکے گا اور یہ میری اعلیٰ طاقتوں اور غیر معمولی باطنی قوتوں کی توہین ہو گی۔ یہ تپش ان لوگوں کا حوصلہ آزمانے کے لیے ہے جن کے پاس کچھ قوتیں ہیں۔ میں نے اپنے قدم مضبوطی سے زمین پر جما دیئے۔ میری آنکھیں گرمی کی شدت سے باہر نکلنے کو تھیں اور جسم میں ایک سنسناہٹ سی ہونے لگی تھی۔

جو کچھ مجھے یاد تھا، اپنے تمام عمل پڑھتا ہوا اس آگ پر سے گزر گیا اور میں نے دھیرے دھیرے آواز دی۔ ”آنند لال...... آنند لال۔“

آنند لال کے بے جان جسم میں خفیف سی حرکت ہوئی۔ اس نے چندھیائی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھنے کی کوشش کی۔ میرا چہرہ سرخ تھا، پاؤں جل رہے تھے، جسم پر شعلے سے سلگتے محسوس ہو رہے تھے۔ جسم کی ہر چیز جل رہی تھی اور میں تیزی سے اپنے دوست کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ”میں آ گیا ہوں میرے دوست!“ میں نے جوشیلے لہجے میں کہا اور اس چوکور حصے میں پاؤں رکھ دیئے جہاں آنند لال موجود تھا۔ اس چوکور پاٹ پر قدم رکھتے ہی آگ کی تپش سرد پڑ گئی۔

”تمہارا دوست جمیل احمد خان تمہارے سامنے موجود ہے آنند لال! میں جمیل احمد خان ہوں۔“

”تم...... جمیل احمد خان تم!“ آنند لال بدحواسی سے بولا۔ ”تم یہاں تک کیسے آ گئے؟ کیا میں کوئی سپنا دیکھ رہا ہوں؟“

”نہیں میرے دوست! یہ حقیقت ہے، میں جمیل احمد خان ہوں۔ اب اٹھ جاؤ، میں تمہیں لینے آیا ہوں۔“

”خان صاحب!“ آنند لال نے میرا جسم ٹٹولتے ہوئے کہا اور مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔ ”کیا یہ سچ ہے؟“

”اب تمہاری کٹھنائیوں کے دن بیت گئے۔ آؤ باہر آؤ۔“ میں نے اسے اٹھاتے ہوئے کہا۔ اس نے اپنے نحیف و لاغر جسے کو حرکت دی۔ ”مگر یہ کس طرح ممکن ہے۔ شیوشنکر کے استھان سے تم مجھے کیسے لے جا سکتے ہو؟“

”میں سمجھتا ہوں، مجھے شیوشنکر کا آشیرباد حاصل ہے۔ میں یہاں تک آ گیا ہوں، تم یہ کیوں نہیں

”تمہاری بات ٹھیک ہے۔ کوئی منش یہاں نہیں آ سکتا۔ تم مہاپرش ہو جمیل احمد خان۔ مجھے خوشی ہے میں نے تمہارے لیے اتنی کٹھنائیاں اٹھائیں۔“ وہ ہذیانی انداز میں بولا۔

میں نے آنند لال کا ہاتھ پکڑ کر اسے اس کی جگہ سے اٹھا لیا۔ چوکور پاٹ سے ہٹ کر پھر کوئی حادثہ نہیں آیا۔

میں جلدی جلدی اسے سہارا دیئے عمارت سے باہر آ جانا چاہتا تھا۔ گو میں نے حفظ ماتقدم کے طور پر احتیاطی تدبیریں اختیار کر لی تھیں۔

پاگل سادھو نے ہم دونوں کو باہر نکلتے دیکھ کر ایک قہقہہ لگایا۔

”ستیہ امر ہے۔“

اس شخص کے لئے میرے دل میں شدید نفرت پیدا ہوئی۔ میں اس کا کام تمام کر دیتا مگر میں نے کہا۔ ”لے دیکھ بوڑھے پیچھے مڑ کر دیکھ۔“

سادھو نے پشت کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھیں بجھ سی گئیں۔ ساری عمارت جل رہی تھی۔

”کیا میں تجھے اس میں پھینک دوں؟“

”جا اب چلا جا۔“ اس نے مجھے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

آنند لال نے میرا ہاتھ دبا کر مجھے پُرسکون رہنے کی تلقین کی۔ ہم دونوں فاتحانہ انداز سے شیوشنکر کی اجاڑ اور شکستہ عمارتوں سے گزرتے ہوئے پگڈنڈیوں پر آ گئے۔ پاڑ سے دور نکل آنے کے بعد آنند لال نے ایک جگہ رک کر اپنے جسم کی کثافتیں دور کیں۔

اسے اب تک یقین نہیں تھا کہ وہ شیوشنکر پاڑ کے محبس سے رہا ہو گیا ہے۔ ہم دونوں ستانے کے لیے ایک غار کی اوٹ میں بیٹھ گئے۔ نہانے سے فارغ ہو کر آنند لال نے عقیدت سے میرا ہاتھ چوم لیا۔ ہم دونوں دنیا جہان کی باتیں کرتے ہوئے نالکھ آشرم کے راستے پر چل پڑے۔ آنند لال نے مجھے اپنی بیتا سنائی۔ اسے کالی کے مندر میں بڑے پنڈتوں، پجاریوں کی سفارش پر رکھا گیا تھا۔ پھر اسے لا کر ایک دن شیوشنکر پاڑ میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ آنند لال کو دوبارہ ہندو دھرم کی سیوا کرنے میں عذر نہیں تھا لیکن وہ بدری نرائن اور دوسرے پنڈتوں، پجاریوں کو سزا دینے کے ارادے سے باز نہیں آیا تھا کیونکہ وہ اس کے دوست جمیل احمد خان کے دشمن تھے۔ اس نے عدالت میں میری حمایت سے دستبرداری بھی نہیں چاہی تھی۔ وہ آخر وقت تک شدید اذیتیں اٹھانے کے باوجود اپنے فیصلے پر ڈٹا رہا۔

وہ نالکھ آشرم میں ٹھہر کر کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ ہم نالکھ آشرم کے قریبی پہاڑوں سے آگے بڑھ سکتے تھے مگر میں مالا کی وجہ سے دوبارہ وہاں جانا چاہتا تھا۔ جب میں آنند لال کے

ساتھ نالکھ آشرم میں داخل ہوا تو سادھوؤں اور دیوداسیوں کے چہروں سے حیرت ہویدا تھی۔ چار دیوداسیوں کے سوا ان کی پذیرائی اور گرم جوشی میں پہلے جیسا جذبہ نہیں تھا تاہم انہوں نے ہمارے قیام وطعام کا بندوبست کر دیا۔ آنندلال کے لئے یہ بڑی عزت کی بات تھی کہ وہ نالکھ آشرم میں مہمان قیام کرے۔ ایک دن قیام کے بعد ہم دوبارہ وہاں سے روانہ ہونے والے تھے۔ میں نے مالا کو اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ وہ شاید اسی بات کی منتظر تھی۔ فوراً تیار ہو گئی مگر مسئلہ یہ تھا کہ مالا کو کس طرح یہاں سے نکالا جائے؟ نالکھ آشرم سے آگے لے جانے کے لئے سادھوؤں سے اجازت لینی ضروری تھی اور وہ آنندلال کا پتا بتانے کے بعد مجھے مزید کوئی رعایت کیوں دیتے؟ مالا کو چھوڑا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ اس کی حسرت ناک نظریں اور اس کا معصوم چہرہ مجھے کرب میں مبتلا رکھتا۔ آخر میں نے اس کے لئے کوئی اور ہنگامہ کرنے پر اپنے آپ کو آمادہ کر لیا۔ میں نے دوسری رات ایک پہاڑی پر کھڑے ہو کر بستی کے مکینوں کو مخاطب کیا۔ میں نے کہا۔

''مہاپُرشو! میں مالا کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔ اگر مجھے اس کی اجازت دے دی گئی تو یہ نالکھ آشرم کے مہمان سادھوؤں کی عنایت ہوگی اور اگر میرے راستے میں رکاوٹ کھڑی کی گئی تو میں انہیں سادھو شنکر کی اذیت ناک موت یاد دلاؤں گا۔ میں آنندلال کو واپس لے آیا ہوں۔ یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے، میں مالا کو بھی یہاں سے لے جا سکتا ہوں۔'' میرے سامنے کوئی شخص نہیں تھا لیکن میری آواز، وہ جہاں جہاں بیٹھے ہوں گے ان کے کانوں تک پہنچ گئی ہوگی۔ اس اعلان سے مطمئن ہو کر آدھی رات کے وقت میں نے آنندلال کو جگایا، مالا کو ساتھ لیا اور نالکھ آشرم کو خیرباد کہا۔ نالکھ آشرم کی حدود تک کسی نے مالا کو روکنے کی جرأت نہیں کی۔ وہ ان پہاڑی راستوں پر بار بار تھک جاتی تھی۔ اسے چاق و چوبند رکھنے کے لئے ہمیں بار بار ٹھہرنا پڑتا تھا۔ آخر ہم تینوں تیسرے دن کسی نہ کسی طرح گنیش دیوتا کے استھان پر پہنچ گئے جہاں نالکھ آشرم جاتے ہوئے پنڈتوں سے میری تلخی ہوگئی تھی۔ اس مرتبہ کسی نے مجھے نہیں روکا، ہم نے وہاں ٹھہر کر پانی پیا اور کچھ چنے کھا کر ناگپور شہر میں داخل ہو گئے۔

☆......☆......☆

ہم تینوں دوبارہ شہری حدود میں داخل ہو گئے تھے۔ ہمارا حلیہ عجیب تھا۔ میرے سر کے بال اور داڑھی بڑھی ہوئی تھی۔ آنندلال کے تمام جسم پر بال اگے ہوئے تھے۔ مالا دیوداسیوں کے مخصوص لباس میں ہمارے ساتھ تھی۔ ناگپور پہنچنے کے بعد میرے سامنے چار راستے تھے۔ میں اب بدری نرائن کے تعاقب میں روانہ ہو جاؤں یا کلدیپ کے استھان پر پہنچ کر تزئین اور کلدیپ کو وہاں سے لے آؤں یا مدراس جا کر ہرچرن سے پریم کا بدلہ لوں اور انکا کو اپنے قبضے میں کروں یا پہلے گلبرگہ میں رکن الدین کی حویلی پہنچوں جہاں پریم، ناہید اور سید غوث میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ آنندلال کا خیال تھا کہ

بدری نرائن کی تلاش میں روانہ ہو جانا چاہئے۔ بدری نرائن کے ذکر پر وہ بہت مشتعل ہو جاتا تھا لیکن میرے ساتھ مالا تھی۔ مالا کو ساتھ ساتھ لیے پھرنا اور بستی بستی بدری نرائن کو تلاش کرنا دشوار ہو تا۔ بدری نرائن آسانی سے قابو میں آنے والا شیطان نہیں تھا۔ وہ محفوظ مقامات کی طرف بھاگ رہا تھا۔ ہم گلبرگہ شہر کی طرف جانے والی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ مسافروں نے ہم تینوں کے عجیب حلیئے سے خوفزدہ ہو کر ہمارے لیے اپنی جگہیں خالی کر دیں۔ گلبرگہ تک کا کرایہ ادا کرنے کے لئے ہمارے پاس پیسے تھے۔ جس ڈبے میں ہم سفر کر رہے تھے، اس میں نوجوانوں کا ایک گروہ بھی موجود تھا۔ یہ لڑکے کسی کالج کے طالب علم تھے اور دکن کے تاریخی مقامات دیکھنے کے لئے دہلی سے آ رہے تھے۔ دو بوڑھے سادھوؤں کے ساتھ ایک حسین نوجوان لڑکی کو دیکھ کر انہوں نے پہلے تو ہم پر طنزیہ فقرے اور شرارتی جملے کسے۔ ہم نے ضبط سے کام لیا۔ ہماری خاموشی پر وہ اور شیر ہو گئے۔ دو چار طلبہ نے ہماری طرف رخ کر کے فحش انداز میں گانا شروع کر دیا۔ مالا کبھی مجھے، کبھی انہیں دیکھتی۔ اس کا چہرہ ان شہدوں کی گستاخی پر زرد ہو گیا تھا۔ آنندلال نے مالا کو اپنے قریب بٹھا لیا۔ اس پر بھی وہ شرارتی لڑکے جملے بازی سے باز نہ آئے۔ وہ سب مستانے پن کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ میں نے ان بچوں کی شرارت درگزر کر دی اور آنندلال کو سمجھایا کہ وہ ان نادانوں کی دل لگی پر منہ نہ بنائے۔ میں کھڑکی سے چہرہ نکال کر سوچنے لگا۔ میں بھی کسی زمانے میں طالب علم تھا۔ اس وقت میری ماں زندہ تھی۔ میں بھی اتنا ہی شریر تھا۔ گاڑی کی رفتار تیز تھی اور میرے خیال کی رفتار اس سے کہیں تیز۔ گلبرگے واپس جانے کی مسرت تھی کیونکہ وہاں مجھ سے محبت کرنے والے لوگ موجود تھے۔ وہ قلندر سید بھی وہیں رہتا تھا جس نے نمودار ہو کر مجھے حوصلہ بخشا تھا اور میرے سرشور جذبے بے لگام ہونے سے روک لیے تھے۔ میرے خیالات کا تانا بانا اس وقت ٹوٹا جب میں نے مڑ کر دیکھا۔ چند سرکش طالب علم آنندلال کے گرد اکٹھے ہو گئے تھے کیونکہ اس کے قریب مالا بیٹھی ہوئی تھی۔ مالا کے بدن پر لباس بہت مختصر تھا۔ وہ آنندلال کو چھیڑ رہے تھے۔ ''گرودیو! کہاں جا رہے ہو؟ کہاں جانے کا ارادہ ہے؟'' آنندلال مختصر جواب دے کر انہیں ٹال رہا تھا۔ میں بھی ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ہماری درگزری سے ان کی جسارت بڑھتی جا رہی تھی۔ چند لڑکوں نے دور کھڑے ہو کر مالا کو اشارے کرنے شروع کر دیئے تھے۔ وہ شعر پڑھتے تھے، گانے گاتے تھے، اداکاری کرتے تھے۔ ایک دوسرے سے بغل گیر ہو کر بوسے لے رہے تھے۔ ایک دوسرے سے مذاق کر کے مالا کو اور ہمیں ہدف بنا رہے تھے۔

''مہاراج! کہاں جا رہے ہو؟'' ایک لڑکا بوڑھے سادھوؤں کی ایکٹنگ کر رہا تھا۔ ڈبے میں چونکہ ان کی تعداد زیادہ تھی اس لیے وہ تمام مسافروں پر حاوی تھے۔ بعض مسافر ان کی حرکتوں پر خوش ہو رہے تھے۔ کچھ ناراض تھے تو انہوں نے انہیں بھی ستانا شروع کر دیا تھا۔ ایک لڑکے نے چلبلے پن کی انتہا کر

دی۔ وہ ہمارے قریب بیٹھا آنند لال سے مخول کر رہا تھا۔ اس نے آنند لال نے کہا۔

"گرودیو! آپ کی داڑھی پر ہاتھ پھیر سکتا ہوں؟" دوسرے لڑکے نے اس کے ساتھ گرہ لگا

"گرودیو! آپ کی داڑھی میں تنکا۔" آنند لال نے بے بسی سے میری طرف دیکھا۔ میں نے گرجدار آواز میں انہیں ڈانٹ دیا کہ وہ اپنی نشستوں پر جا کر بیٹھیں اور ہم سے کلام نہ کریں۔ میں نے یہ بات انگریزی میں کہی تھی۔ وہ چند لمحوں کے لئے تو دنگ رہ گئے اور اپنی نشستوں پر چلے گئے لیکن وہاں سے پھر کچھ دیر سکوت کے بعد ہماری طرف راغب ہوئے۔ اس بار آنند لال سے برداشت نہیں ہو سکا اور اس کا ہاتھ اٹھ گیا۔ جب اس کے ہونٹ متحرک ہوئے تو شریر لڑکوں کی آوازیں آنی بند ہو گئیں۔ ہمارے قریب بیٹھے ہوئے سرکش طلبہ کے گروہ کی آواز اچانک بند ہو گئی تھی۔ وہ بولتے تھے مگر کوئی سن نہیں سکتا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں انہیں احساس ہو گیا کہ ان کی آوازیں بند ہو چکی ہیں۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کچھ کہنا چاہا لیکن ان کی آوازیں ان کے گلوں میں گھٹ کر رہ گئیں۔ آنند لال اور مالا کے چہرے پر مسکراہٹ طاری تھی اور میں غور سے ان بچوں کی تشویش، ہذیانی انداز اور اضطراب دیکھ رہا تھا۔ لمحوں میں حقیقت حال ان پر منکشف ہو گئی اور وہ رو دینے والے انداز میں میرے اور آنند لال کے قدموں میں گر پڑے۔ آنند لال ان کی منتوں پر ٹس سے مس نہ ہوا۔ وہ اپنی جگہ جما بیٹھا رہا۔ لڑکے میرے قدم پکڑ کر رونے لگے۔ ان کے دوسرے تمام ساتھیوں نے آ کر ان کی سفارش کی۔ میں نے ان تمام لڑکوں کو آگے بلایا جن کی آوازیں ان کے گلوں میں منجمد ہو گئی تھیں۔ میں نے ان کے لبوں پر انگلیاں پھیرنی شروع کر دیں۔ جیسے جیسے میں انگلی پھیرتا جاتا تھا، ان کی آوازیں واپس آتی جاتی تھیں۔ ہمارا یہ عمل اور اس کا توڑ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ان کا کیا حال ہوا ہوگا؟ وہ فدوی بن گئے۔ ہمارا ٹکٹ بھی انہوں نے خریدا۔ راستے بھر وہ میرے اور آنند لال کے پاؤں دباتے رہے۔ انہوں نے ہمیں اپنا کھانا بھی دے دیا اور بار بار اپنی گستاخی کی معذرت چاہتے رہے۔ ہمارا باقی سفر بڑے آرام سے گزرا۔ لڑکوں نے ہم سے دوبارہ ملنے کے لئے پتا پوچھنا چاہا تو ہم نے کہہ دیا۔ "مورکھو! سادھوؤں کا بھی کوئی پتا ہوتا ہے؟"

کتنی سچ بات تھی، ایک عرصے سے جمیل احمد خان کا بھی پتا نہیں تھا۔ وہ ادھر ادھر گھومتا پھر رہا تھا۔ اس کا کوئی گھر نہیں تھا۔ کوئی پتا نہیں تھا۔ وہ ایک خانہ بدوش شخص تھا۔ گلبرگہ کے قریب میرے سر پر ایک دھماکا ہوا اور میں نے دیکھا، انکا میرے سر پر وارد ہے۔ ان کا چہرہ سپاٹ تھا۔ میں کسی بھی لمحے اس کی کی توقع کر رہا تھا۔ ہر چرن اور دوسرے پنڈتوں، پجاریوں کو نالکھ آشرم اور شیو شنکر پاڑ سے میری واپسی کا پتا چل گیا ہوگا۔ وہ وحشت اور دہشت میں کوئی اوچھا وار کرنے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔ انکا کو اپنے سر پر محسوس کرنے کے باوجود میں نے اس سے گفتگو میں پہل نہیں کی۔ میں اپنی جگہ بے نیاز بیٹھا رہا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" انکا نے اکتائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"تمہیں اس سے غرض؟" میں نے ہونٹ سیکٹر کر کہا۔

"میں تمہیں یہ بتانے آئی ہوں کہ گلبرگہ ہی تمہارے لیے ایک مناسب جگہ ہے۔ میرا آقا ہر چرن تمہیں شیو شنکر پاڑ سے لانے کے بعد تمہاری شکتی کا دل سے قائل ہو گیا ہے۔ بہتر ہے اب تم کسی بیر کا خیال دل سے نکال دو۔ اب اس کے دل میں تمہارے لیے کوئی بیر نہیں۔"

مجھے ہنسی آ گئی۔ "مگر میرے دل میں بیر ہے، کوئی نئی بات کرو انکا دیوی! مجھے مشورہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ بہر حال تمہارا شکریہ کہ تم نے بروقت آ کر مجھے یاد دلایا۔ گلبرگہ کے بعد سب سے پہلے مجھے اس کے پاس جانا چاہیے۔ گلبرگہ میں میرا قیام زیادہ دنوں تک نہیں رہے گا۔ اس کے بعد تم لکھنؤ میں ہوگی۔"

"جمیل احمد خان! ہر چرن ختم ہو گیا تو یہ میری مرضی پر منحصر ہوگا کہ میں کس کے سر پر جاؤں لیکن میں اپنے آقا ہر چرن کو ختم کیوں ہونے دوں گی۔ انکا اپنے آقا کے تحفظ کے لئے تمہارے راستے کی دیوار بن جائے گی۔" انکا نے تیزی سے کہا۔

"مجھے معلوم ہے اس کے بعد تم کہاں جانا پسند کرو گی۔" میں نے عالم تصور میں اس کی جانب دیکھا۔ "تم میرے راستے کی رکاوٹ بن جاؤ گی لیکن میں تمہیں اپنی مٹھی میں بند کر لوں گا۔"

"تم نے اپنے تمام متعلقین کو گلبرگہ میں محفوظ کر دیا ہے مگر یہ مت بھولو کہ میں ہر چرن کے اشارے پر تمہاری چچا زاد بہنوں کو اس کی آغوش میں پھینک سکتی ہوں۔ وہ لکھنؤ میں ہیں۔ تم انکا سے مقابلہ نہیں کر سکتے اور تم ہندوستان کے ان پنڈتوں، پجاریوں سے تنہا لڑنے کی شکتی بھی نہیں رکھتے جو تمہیں ختم کرنے کے لئے کسی موقع کی تلاش میں ہیں۔"

"تم سے کوئی بحث مناسب نہیں ہے۔ انکا صرف یہ سن لو کہ اگر تم نے میرے چچا جان کے گھر پر کوئی فتنہ برپا کیا تو کوئی پنڈت پجاری میری زد سے محفوظ نہیں رہے گا۔" میں نے غصے سے کہا۔

"میں اسی وقت وہاں جا سکتی ہوں۔" انکا نے ڈھٹائی سے کہا۔

"اور میں اسی وقت ہر چرن کا منہ توڑنے جا سکتا ہوں۔ میں آنند لال کے ذریعے تمہارا جاپ کروا سکتا ہوں۔"

"تم ایک سمجھدار آدمی کی طرح اگر سب کچھ بھول جاؤ اور نئے سرے سے زندگی گزارنے کا ارادہ کرو تو تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔" انکا نے بارعب آواز میں کہا۔

"میں تمہیں اسی وقت اپنے سر سے دفع ہونے کا حکم دیتا ہوں۔ چلی جاؤ۔" میں نے چیخ کر کہا۔

تمام لوگ میری طرف متوجہ ہو گئے۔

"کیا ہے؟" آنند لال نے تشویش سے پوچھا اور پھر میرے سر پر انکا کو دیکھ کر کہنے لگا۔ "تم

ہو......انکا دیوی! ہماری تمہاری جدائی کے چند دن اور ہیں۔"

"آنند لال! تم اپنے دوست کو سمجھاؤ کہ وہ آگ سے کھیلنے کی کوشش نہ کرے۔" انکا نے تمسخر
سے کہا۔

"ارے رے انکا دیوی......" آنند لال تمسخر سے بولا۔ "کیا ہرچرن مہاراج جمیل احمد خان سے
بہت خوف زدہ ہے؟ کتنی دیر بعد عقل آئی ہے اسے۔"

"جاؤ اپنا وقت کیوں برباد کر رہی ہو؟" میں نے جھڑک کر کہا۔

"ارے میرے سر پر آ جاؤ دیوی جی! مجھ سے باتیں کرو۔" آنند لال ترنگ میں بولا۔

"میں لکھنؤ جا سکتی ہوں۔" انکا نے آہستگی سے کہا۔

"تم غلطی کرو گی۔"

"یہ تم پر منحصر ہے جمیل احمد خان!"

"اچھا......تم جہاں جانا چاہتی ہو جاؤ۔" میں نے طیش میں کہا۔ انکا مجھے پریشان کر کے چلی گئی۔ وہ لکھنؤ میں چچا جان کے گھر جا کے یقیناً کوئی نا روا حرکت کرنے پر قادر تھی۔ میں لکھنؤ سے بہت دور تھا۔ یہاں سے اتنی ہی تدابیر اختیار کر سکتا تھا کہ مجھے انکا کے پہنچنے کی اطلاع مل جائے اور میں انکا کی مزاحمت میں کچھ کر سکوں لیکن انکا موقع پر موجود ہونے کی وجہ سے بہت کچھ کر سکتی تھی۔

گلبرگہ میں رکن الدین کی حویلی پہنچ کر میں پریم اور سید غوث سے صرف چند لمحوں کے لئے ملا۔ پھر مالا اور آنند لال کو وہاں چھوڑ کر میں اسٹیشن آ گیا۔ میرے اندازے کے مطابق ہرچرن مدراس میں تھا۔ رکن الدین، ناہید، پریم اور آنند لال مجھے روکتے رہ گئے۔ رکن الدین بڑا اعلیٰ ظرف شخص تھا۔ وہاں اپنے متعلقین کو جمع کر رہا تھا اور وہ فراخ حوصلگی سے ان کی پذیرائی کر رہا تھا۔ پریم اب اچھی ہو رہی تھی۔ رکنے کو بہت جی چاہتا تھا لیکن انکا نے مجھے چند لمحے بھی اطمینان سے سانس نہیں لینے دیا۔ آنند لال بھی میرے ساتھ چلنے پر مصر تھا مگر میں نے مناسب نہیں سمجھا۔ میں نے کسی سے زیادہ بات نہ کی۔ بس چند ہدایتیں دے کر اور رکن الدین کی حویلی کا ٹھنڈا پانی پی کر وہاں سے چلا آیا۔ اسٹیشن پر نہایت غلیظ حالت میں پتھر کی بینچ پر بیٹھا ہوا ایک شخص نظر آیا۔ وہ یقیناً سید تھا۔ میں اپنی پوری طاقت سے اس کی طرف بھاگا اور میں نے اس کی لاٹھی اپنے قبضے میں کر لی۔

سید نے گھور کر مجھے دیکھا اور میرے ہاتھ سے اپنی لاٹھی چھین لی۔ میں نے ہذیانی انداز میں کہا۔

"پیر و مرشد! میں نے زلفیں بڑھا لی ہیں۔"

"ان میں کنگھی کر۔" سید نے اپنا ڈنڈا زمین پر دے مارا۔ "حالات سے کبڈی کھیل۔"

"میں ہدایت کا منتظر ہوں پیر و مرشد! تم چھلاوے کی طرح میرے سامنے مت آیا کرو۔

...شفقت کی نظر سے میں محروم نہیں ہوں۔" میں نے عجز سے کہا۔

...نے اپنے بال کھجاتے ہوئے نعرہ لگایا۔ "الحق۔ روز آئینہ دیکھا کر۔ زمین کا سارا کوڑا اٹھا

"سید۔ اے مرد کامل، یہ کیا تماشا ہے؟" میں نے جز بز ہو کر کہا۔ "آئینے میں مجھے اپنی صورت نظر ...تی۔"

سید نے زمین سے مٹی اٹھائی اور کہا۔ "لے اس کا سرمہ آنکھوں میں لگا لے۔"

میں نے عقیدت سے مٹی اس کے ہاتھوں سے لے کر اپنی آنکھوں میں جھونک لی۔ کنکر اور خاک سے میری آنکھیں تکلیف سے بند ہونے لگیں۔ میں نے آنکھیں بند کر کے مٹی تحلیل کرنے کی ...کی اور جب آنکھیں کھولیں تو سید غائب ہو چکا تھا۔

"پھر چلا گیا۔" میں نے مایوسی سے ہاتھ ملے۔ "ابھی دیر ہے...... ٹھہر جا سید! میں دیکھتا ہوں تو ...ک یہ تماشا کرتا ہے۔" میں خود کلامی کرتا ہوا ٹرین میں بیٹھ گیا۔ آدھے راستے کے بعد مجھ پر ...ہوا کہ ہرچرن مدراس سے بھاگ گیا ہے۔ میں نے بمبئی کا رخ کیا اور اپنے سفر کی سمت او جھل ...کے لئے ایک مراقبے میں ڈوب گیا۔ ہرچرن کوئی بڑا پجاری نہیں تھا۔ اس نے اس زمانے میں ...مالی سے انکا کو قابو کر لیا تھا جب میں تہ خانے میں بند تھا۔ وہ اگر کسی مندر میں چھپتا تو انکا اس کے ...ہوتی جبکہ وہ انکا کے بغیر ایک لمحے بھی نہیں رہ سکتا تھا۔ بمبئی اتر کر میں سیدھا اس ہوٹل میں پہنچا ...خود کو محفوظ سمجھ کر ٹھہرا ہوا تھا۔ اسے میری آمد کی اطلاع نہیں تھی اس لیے کہ میں نے پہلے ہی اس کا ...ر لیا تھا۔ میں بالکل اچانک اس کے سامنے پہنچنا چاہتا تھا تاکہ اسے اپنے تحفظ کے لئے پنڈتوں، ...ں کی فوج جمع کرنے کا موقع نہ مل سکے۔

بمبئی کے اس شاندار ہوٹل کی عمارت میرے لیے اجنبی نہیں تھی۔ میں جب اس کے بڑے ...سے گزر کر لاؤنج میں داخل ہوا تو ہرچرن مجھے ایک میز پر تنہا نظر آ گیا۔ اس نے مجھے دروازے ...ک لیا اور ہڑبڑا کر اپنی میز سے اٹھ گیا اور فوراً لاؤنج سے ملحق باورچی خانے میں گھس گیا۔ اسے ...دیکھ کر مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری نہیں ہوئی کہ اس وقت اس کی مدد کے لئے دوسری کوئی ...جود نہیں ہے۔ میں سیدھا باورچی خانے چلا گیا لیکن دروازہ پار کرتے ہی انکا میرے سر پر آ گئی ...نے اپنے پنجوں کی شدید چبھن سے مجھے آگے بڑھنے سے رکنے پر مجبور کرنا شروع کر دیا۔

تھوڑی دیر میں تمہیں میرے پاس آ جانا ہے۔ ان حرکتوں سے باز آ جاؤ۔ اب تمہارے یہ پنجے ...میں کوئی زخم پیدا نہیں کریں گے۔ مجھے جلد از جلد ہرچرن کے پاس لے چلو۔" میں نے انکا

"میں انکا ہوں جمیل احمد خان! اگر میں تمہارے سر پر ناکام بھی ہوگئی تو دوسروں کے سروں پر ہو کر تمہارے لیے مشکلات پیدا کرسکتی ہوں۔ تم جس راستے سے آئے ہو، اسی سے واپس چلے جاؤ ورنہ کسی بھی شخص کے سر پر جا کر تمہارا راستہ روک دوں گی۔" انکا نے بھناتے ہوئے کہا۔

"سیدھی طرح مجھے اس کمینے کے پاس لے چلو۔" میں باورچی خانے سے پہلی منزل پر واقع کمروں کی سیڑھیوں کی جانب بڑھتا ہوا بولا۔

ہرچرن باورچی خانے سے غائب ہوگیا تھا۔

یکایک انکا میرے سر سے اتر گئی۔ میں سیڑھیاں چڑھ چکا تھا اور پہلی منزل کے کمروں کے دروازے چھو کر ہرچرن کی موجودگی کا یقین کر رہا تھا کہ میرے قریب سے ایک گولی گزر گئی۔ راہداری میں کوئی مسافر شب خوابی کے لباس میں مجھ پر پستول تانے کھڑا تھا۔ انکا اس کے سر پر بیٹھی تھی۔ اس نے دوسری گولی چلائی لیکن اس بار بھی اس کا نشانہ خطا ہوگیا۔ جب وہ تیسری بار نشانہ لے رہا تھا تو میں اس کے سامنے پہنچ گیا۔ پستول اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔ انکا اس کے سر سے غائب ہوچکی تھی۔ پھر جب تک وہ کوئی اور آدمی تلاش کرتی، میں ہرچرن کو تلاش کرنے کے لیے دوسری منزل پر پہنچ چکا تھا۔ دوسری منزل پر ایک عورت نیم عریاں حالت میں چیختی چلاتی ہوئی ایک کمرے سے نکلی اور مجھ سے لپٹ گئی۔ اس کے سر پر بھی انکا تھی۔ میں نے بڑی مشکل سے اس عورت کو دھکا دیا اور انکا سے کہا۔ "کم بخت! یہ کیا مذاق کر رہی ہے؟ اگر ہرچرن کو بچانا ہے تو اپنے آقا کے پاس جا۔ اسے اس وقت تیری ضرورت ہے۔"

چوتھی پانچویں منزل پر بھی ہرچرن نہیں تھا۔ انکا یقیناً اب اس کے پاس واپس چلی گئی تھی مگر وہ کسی وقت بھی میرے لیے کوئی الجھن پیدا کرسکتی تھی۔ کم از کم ایسی الجھن جو پولیس کی نظروں میں دوبارہ مجھے مشکوک بنا دیے۔ وہ کسی بھی آدمی کے سر پر جا کر اسے میرے خلاف اکسا سکتی تھی۔ حالانکہ کوئی عام آدمی مجھے کم ہی نقصان پہنچاتا مگر ہرچرن اس کشمکش سے فائدہ اٹھا کے کہیں نکل کر نچلی سیڑھیوں پر بھاگتا نظر آیا۔ میں اس کے تعاقب میں تیزی سے دوڑا اور میں نے پانچویں منزل کے ایک کمرے میں اسے داخل ہوتے دیکھا۔ میں نے بھاگنا بند کر دیا اور اطمینان سے سانس درست کرتا ہوا ہوٹل کے ملازم بیروں کی نظروں سے بچتا بچاتا ہرچرن کے کمرے کے دروازے پر پہنچ گیا۔ دروازہ بند تھا۔ میں نے آہستہ سے دستک دی تو انکا میرے سر پر آگئی۔ اس نے اپنے نکیلے پنجے تمام تر طاقت سے میرے سر میں چبھو دیے۔ "جمیل احمد خان! اندر مت جاؤ۔ وہاں ایک عورت ہے اور اس کے پاس اسلحہ ہے۔ ہرچرن پوری طرح محفوظ ہے۔ تم اپنی خیریت چاہتے ہو تو یہاں سے بھاگ جاؤ۔"

"تم کسے ڈرا رہی ہو انکا؟ یہ تو ہوٹل کا لحاظ ہے جو ہرچرن کو اتنی رعایت مل گئی۔" یہ کہہ کر میں نے

دروازے پر ہاتھ رکھا۔ دروازہ ایک جھٹکے سے کھل گیا۔ انکا پھر میرے سر سے اتر گئی۔

انکا نے اپنے آقا کی وفاشعاری کا حق ادا کر دیا تھا۔ میں نے دیکھا ایک تیس سالہ صحت مند عورت چلا رہی ہے۔ وہ ہرچرن سے باہر جانے اور کمرا چھوڑنے کے لئے کہہ رہی تھی پھر اچانک وہ خاموش ہوگئی۔ یکایک انکا اس کے سر پر پہنچ گئی تھی۔ اب اس نے مجھے حکم دیا۔ "میرے کمرے سے نکل جاؤ۔"

میں نے پیچھے مڑ کر دروازے پر چٹخنی لگا دی۔ ہرچرن پھٹی پھٹی خوف زدہ نظروں سے مجھے گھور رہا تھا۔ اس کی حالت بڑی مضحکہ خیز تھی۔ میں چاہتا تھا کہ انکا کسی طور عورت کے سر پر رہے اور میں اس دوران میں ہرچرن سے آسانی کے ساتھ نمٹ لوں چنانچہ میں نے انکا کو الجھانے کے لئے، جو عورت کے سر پر تھی، کہا۔ "تم خاموش کھڑی دیکھتی رہو۔ اگر تم نے کوئی حرکت کی یا اس عورت کو ورغلانے کی کوشش کی تو میں اس کمرے کو آگ لگا دوں گا۔"

"مہاراج۔ مجھے شما کر دو۔" ہرچرن گھگیاتے ہوئے بولا۔

"تم چاہو تو اپنی مدد کے لئے انکا کو آواز دے سکتے ہو۔"

"مہاراج! تمہاری شکتی اپرم پار ہے۔" وہ گڑگڑا کر بولا۔ میں اس لمحے میں کوئی وار کرسکتا تھا جب انکا اس کے سر پر نہیں تھی لیکن ایسا کرنے سے پہلے میں اس سے دو باتیں کرنا چاہتا تھا۔ "میں نے تمہارے پیغام سن لیے تھے، ہرچرن مہاراج!"

"مہاراج! مجھے بدری نرائن نے بہکایا تھا۔" ہرچرن کی آواز لرز رہی تھی۔ "مجھے شما کر دو۔ چاہو تو میں تمہیں دان کرسکتا ہوں پر مہاراج مجھے......"

"چپ رہو۔" میں نے اسے ڈانٹ دیا اور عورت کو حکم دیا۔ "تم اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہ کرنا۔"

عورت نے میرا حکم مسترد کر دیا اور ایک بھاری پھول دان اٹھا کر میرے سر پر مارنے کے لئے اٹھائے۔ میں نے پھول دان اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا۔ پھر وہ اپنے لباس کی الماری کی طرف بڑھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا پستول تھا۔ "میں تم پر گولی چلا دوں گی۔" وہ چیخ کر بولی۔

اسی اثنا میں ہرچرن پلنگ سے اٹھ کر دروازے کی طرف بھاگا مگر دروازے پر اوندھے منہ گر گیا۔ میں نے دیکھا، انکا عورت کے سر سے اتر کر اسی وقت ہرچرن کے سر پر آگئی۔ انکا کے جانے کے بعد عورت ہذیانی انداز میں چیخنے لگی۔

"خاموش کھڑی رہو۔" میں نے گرج دار آواز میں عورت سے کہا۔

وہ سہم گئی۔ میرا حلیہ، لمبے بال، داڑھی، ایک ہاتھ، ڈھیلی ڈھالی عبا۔ میری آواز میں اتنا تاثر تھا کہ وہ ایک طرف دیوار سے لگ کر کھڑی ہوگئی۔ "پستول مجھے دے دو۔" میں نے کہا۔ اس نے فوراً پستول

میری طرف اچھال دیا۔ میں نے پستول ایک طرف پھینک دیا۔ ''ہاں ہرچرن! اب تمہارے دیوی ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ جس کے سر پر ہوتی ہے، اس کی شکتی بڑھ جاتی ہے تم میری طرف کیوں نہیں بڑھتے؟''

''مہاراج۔ میں انکا کی موجودگی کے باوجود تم سے شما چاہتا ہوں۔'' ہرچرن کے لہجے میں کوئی کھوٹ نہیں تھا۔ انکا اس کے سر پر تلملا رہی تھی۔

''تم نے پریم کو لوٹا، پریم جیسی پھول لڑکی کو۔'' ہرچرن لڑکھڑانے لگا۔

''وہ تمہارا بدری نرائن اب کہاں ہے؟ کہاں ہے وہ حرام زادہ!'' میں نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

''وہ سورت میں ہے مہاراج!'' ہرچرن تیزی سے بولا۔ امید کی ایک کرن اس کی آنکھوں میں پیدا ہوگئی۔

''بلاؤ اسے۔ آواز دو مگر تم صرف طاقت کی زبان سمجھتے ہو۔ اس وقت میں تمہارے سامنے ہوں تو تمہاری حالت کیا ہو رہی ہے؟'' ہرچرن نے مایوسی سے انکا کی طرف دیکھا۔

''اے عورت! کیا نام ہے تمہارا؟'' میں نے سحر زدہ عورت سے پوچھا۔ وہ ہماری گفتگو سے بُری طرح خوف زدہ ہوگئی تھی۔

''کانتی، مہاراج!'' وہ بے ساختہ بولی۔

''کانتی! تم اس ملیچھ پنڈت ہرچرن کے منہ پر طمانچے مارو۔ اس کے منہ پر تھوکو...... چلو۔''

کانتی کے قدموں میں لرزش پیدا ہوگئی۔ وہ اپنی جگہ سے ہٹی عین اس وقت انکا ہرچرن کے سر سے الگ ہوگئی۔

میں اسی موقع کا منتظر تھا۔ انکا عورت کے سر پر چلی گئی تھی۔ میں نے ایک ثانیے کے لئے اپنی آنکھیں بند کیں اور ہرچرن کی طرف پھونک مار دی۔ وہ ایک چیخ کے ساتھ دروازے سے زمین کی طرف ڈھلک گیا۔ ہرچرن کے تمام اعضا اینٹھ گئے تھے اور وہ کسی جذامی شخص کی شکل میں تڑپ رہا تھا۔ ہرچرن کی یہ بدہیتی دیکھ کر عورت بے ہوش ہوگئی۔ انکا مفلوج ہرچرن کے سر پر آ چکی تھی۔

''کیا اب بھی تم اس کا سر نہیں چھوڑو گی؟''

''نہیں۔ میں آخر دم تک اس کے ساتھ رہوں گی۔''

''میں اسے اسی طرح چھوڑنا چاہتا ہوں۔''

''میں ہمیشہ اسی طرح اس کے ساتھ رہوں گی۔'' انکا بولی۔

''تو پھر مجھے اس کا سانس بند کرنا پڑے گا۔''

''میری موجودگی میں تم اس اقدام سے نقصان اٹھا سکتے ہو۔''

''اوہ...... تمہارا یہ رنگ بھی بہت دلکش ہے۔'' مجھے ہنسی آ گئی۔

''جاؤ، اپنے اس مفلوج آقا کے ساتھ جاؤ۔ کچھ سزا تمہیں بھی ملنی چاہئے۔''

انکا ہرچرن کے سر پر بے رخی سے پہلو بدلنے لگی۔

ہرچرن چلنے پھرنے سے معذور ہو گیا تھا۔ اب انکا کے لئے اسے اٹھائے پھرنا بہت مشکل تھا۔ وہ بری طرح کراہ رہا تھا۔ میں نے بے ہوش کانتی کو اٹھایا اور اسے بستر پر لٹا کر مراقبے کی ایک چھوٹی سی مشق

پھر میں نے اس کے ماتھے پر ہاتھ پھیرا اور اس کا دماغ انگلیوں سے سہلانے لگا۔ اس طرح میں اس کے ذہن سے موجودہ واقعہ محو کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ انکا ہرچرن کے ساتھ بے بسی سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے دروازے کی چٹخنی کھول دی اور انکا سے کہا۔

''اب اس کے ساتھ اپنے کمرے میں چلی جاؤ اور اس کے لئے کوئی نئی لڑکی فراہم کرو تاکہ اس کے بدن میں حرارت پیدا ہو۔''

میں راہداری میں آ گیا اور دیر تک کھڑا بیروں کو اپنی شناخت کراتا رہا۔ مجھے ہرچرن کے باہر نکلنے کا انتظار تھا۔ پھر میری آنکھوں نے یہ دلچسپ منظر دیکھا کہ ہرچرن لڑھکتا ہوا کانتی کے کمرے سے باہر نکلا۔ ایک گٹھڑی کی شکل میں زمین پر لڑھک رہا تھا اور چیخ رہا تھا۔ میں دور کھڑا یہ کھیل دیکھتا رہا۔ مجھے یقین تھا کہ میرے عمل کے توڑ کے لئے ہرچرن کسی بڑے پجاری کے پاس انکا کو بھیجے گا اور یہی ہوا۔ ہوٹل کے بیروں نے مفلوج ہرچرن کو دیکھ کر اسے چادر کے بنائے ہوئے اسٹریچر پر لٹا دیا تو میں نے اس کے قریب جا کر دیکھا۔ انکا اس کے سر پر نہیں تھی۔ میں نے نہایت عجلت میں بیروں کو ہٹا کر ہرچرن کی نبض دیکھی۔ اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں آنے کی دیر تھی۔ اسے بجلی کی طرح ایک جھٹکا لگا اور بیروں نے چادر زمین پر رکھ دی اور اس کے منہ پر ایک اور چادر ڈال دی۔

بیروں کی چہ میگوئیوں اور چیخ پکار سے کمروں میں ٹھہرے ہوئے بعض مسافر باہر نکل آئے اور لاش کے گرد جمع ہوگئے۔ میں سیڑھیوں سے نیچے اترنے لگا۔ مجھے کچھ سکون سا محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے کسی قرض کی ادائیگی کے بعد ہوتا ہے۔ بمبئی کی سڑکوں کی وہی رونق تھی۔ زندگی بھاگ رہی تھی۔ عمارت سے میرے باہر نکلنے کی دیر تھی کہ میرا ہلکا سر بھاری ہو گیا۔ اس کے چہرے پر ندامت تھی۔ نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ وہ بڑی شرم سار نظر آتی تھی۔ میں اس سے نہیں بولا۔ یوں ہی سڑکوں پر چلتا رہا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ پھر اس نے بڑی مشکل سے لب کھولے۔ ''سنو!'' وہ خوابیدہ آواز میں بولی۔ ''اے، کیا بہت ناراض

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے بہت ہلکے سے میرے سر پر چپت لگائی۔ ''اے ... ہے؟''

میں نے ایک ٹیکسی پکڑی اور بمبئی سینٹرل اسٹیشن کی طرف روانہ ہوگیا۔

ہر چرن کی موت نے میرے کاندھے سے ایک وزنی بوجھ اتار دیا تھا۔ اب ہوٹل والے پولیس کو اطلاع دے رہے ہوں گے اور تھوڑی دیر میں پولیس پہنچ جائے گی۔ کانتی کا ذہن پلٹ دینے کے بعد ہر چرن کی موت کا کوئی عینی شاہد باقی نہیں تھا۔ البتہ انکا سب کچھ جانتی تھی لیکن اس وقت وہ میرے سر پر موجود تھی۔ ایک مدت بعد وہ پھر اسی انداز اور شوخی سے وہاں دراز تھی جیسے کوئی عرصے بعد اپنے گھر آیا ہو۔ میرا سر اس کا آشیانہ تھا لیکن خود میرا کوئی آشیانہ نہیں تھا۔ میں ٹیکسی کی نشست سے سر ٹکائے بمبئی کے بازاروں اور شہر کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ میرا خیال تھا ہر چرن مجھ سے مقابلے کی کوشش کرے گا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ میں نے کسی حقیر کیڑے کی طرح اسے مسل دیا تھا۔ پولیس کے بعد بمبئی کے مہان پنڈتوں کو خبر ہوگی کہ ہر چرن اس حالت میں مارا گیا اور اس کے سے سر انکا غائب ہے۔ جب انہیں معلوم ہوگا کہ یہ کام جمیل احمد خان نے کیا ہے تو ان کا اشتعال دیدنی ہوگا۔ گو میں وہاں نہیں ہوں گا۔ پریم کی دوشیزگی کا بدلہ ہر چرن کی موت نہیں تھی۔ مجھے نقصان کے اس سودے کا احساس تھا۔ ''کیا سوچ رہے ہو؟'' انکا نے آہستگی سے کہا۔

میں اپنے خیالوں میں ڈوبا رہا۔ ''کیا بہت خفا ہو؟ معاف نہیں کرو گے؟'' انکا نے خوشامد کی۔

''تم کون ہو؟'' میں نے پوچھا۔ ''میرا سر چھوڑ دو۔''

''تمہارا سر چھوڑ دوں تو کہاں جاؤں؟ تم نے ہر چرن کو مار دیا ہے، اب تمہارے سوا میرا کون ہے؟'' انکا نے شوخی سے کہا۔

''کوئی اور سر تلاش کرو، کسی نئے پنڈت کے سر پر جاؤ۔ انہیں تمہاری بڑی ضرورت ہے۔'' میں نے اکتاہٹ سے کہا۔

''جمیل!'' انکا بسور کر بولی۔ ''تم سب کچھ جانتے ہوئے بھی انجان بن رہے ہو۔ ہر چرن کی مدد کرنا میرا فرض تھا کیونکہ اس وقت وہ میرا آقا تھا۔''

''اسی لیے میں نے تبت میں نندا کے استھان پر سردی گرمی کا خیال کیے بغیر اپنی زندگی کے بہترین دن گزار دیے تھے۔ مجھے اب تمہاری ضرورت نہیں ہے، میں تو ہر چرن سے پریم کا انتقام لینے آیا تھا۔''

''مجھے معلوم ہے، تم میری وجہ سے نہیں آئے تھے مگر مجھے دیکھو، میں سیدھی تمہارے پاس آئی ہوں۔'' انکا کے لہجے میں حسرت شامل ہوگئی تھی۔

''تم اس شخص کے پاس آئی ہو جسے تم نے قدم قدم پر نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ تم نے پریم کو

چھوڑا، تم نے مجھے بہکانے کی کوشش کی، تم نے سید غوث سے مجھ پر حملہ کرایا۔ یہ سب تمہاری وجہ سے ... میرا کوئی گھر نہیں ہے۔ میں برسوں سے مارا مارا پھر رہا ہوں۔ یہ سب کس کی وجہ سے ہوا ہے؟'' میں نے غصے سے کہا۔ ''اور تم شوخیاں کر رہی ہو؟''

''لیکن اس میں میری خطا کیا ہے؟'' انکا رقت بھری آواز میں بولی۔ ''جب میں تمہارے پاس تھی میں نے تمہارے کسی حکم کی تعمیل سے کبھی انکار کیا؟''

''لیکن جب تم چلی گئیں تو تم نے اپنے سابقہ احسانات کے بدلے گن گن کے لئے۔ تم بہت ... عورت ہو۔ امی تم سے دور دور رہے تو بہتر ہے۔ اسے اس اذیت سے تو نجات مل جائے گی کہ ... نے اس کے ساتھ ظلم کیا ہے، اس سے ماضی میں کوئی آشنائی تھی۔''

''تمہاری باتیں درست ہیں اور میرے پاس ان کا کوئی جواب بھی نہیں ہے سوائے اس کے کہ میں ... کے سر سے چمٹی رہوں۔ اگر تم مجھے کوئی حکم دینا نہیں چاہتے اور تمہیں میری ضرورت نہیں رہی تو ... ہے۔ میں تمہارے کسی معاملے میں دخل نہیں دوں گی، خاموش بیٹھی رہوں گی لیکن کہیں اور بھٹکنے ... کے بجائے میں تمہارے سر پر رہنا چاہتی ہوں۔ مجھے اتنی اجازت تو دو۔''

''تاوقتیکہ کوئی اور پنڈت تمہیں حاصل کرنے کی کوشش کرے، میں تو ایک کھلونا ہوگیا۔'' میں نے ... کہا۔

''اب شاید کوئی اور پنڈت عرصے تک یہ حماقت نہ کرے لیکن آنند لال...... آنند لال تو تمہارا ... ہے؟'' انکا کے لبوں پر دوبارہ مسکراہٹ تیرنے لگی۔

''تم کیا کہنا چاہتی ہو؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔ ''کیا آنندلال؟''

''ہاں وہ بے چارہ گلبرگہ میں میرے حصول کے لئے جاپ کرنے بیٹھ گیا ہے۔'' انکا نے تیکھے ... میں کہا۔ ''جب تم گلبرگہ سے چلے تھے تو اس نے سوچا تھا، اپنے دوست کو انکا کا تحفہ کیوں نہ پیش کیا ... اس نے خیال کیا ہوگا اگر ہر چرن تمہارے ہاتھ نہ پڑا تو یوں ہی اس کے پیچھے بھاگتے رہو گے، ... لیے وہ خود جاپ کرنے بیٹھ گیا۔ اب میں انتالیس دن تک تمہارے پاس رہوں گی۔ پھر آنندلال ... پر چلی جاؤں گی اور وہ مجھے طشتری میں سجا کر تمہاری خدمت میں پیش کرے گا۔''

''اوہ۔ وہ بے وقوف پنڈت۔ آنندلال کو معلوم نہیں تھا کہ ہر چرن مجھ سے بچ کر کہاں جائے گا؟ ... نے یہ حماقت کیوں کی؟''

''وہ تمہیں زحمتوں سے بچانا چاہتا ہے۔ اس کے ارادے برے نہیں ہیں۔ وہ تمہارا دوست ...''

''مگر میں اس کا تحفہ واپس کرنے اور ٹھکرانے کی قوت بھی رکھتا ہوں۔'' میں نے نفرت سے کہا۔

"بہت ناراض ہو چکے مجھ پر۔ اب کوئی اچھی بات کرو۔ تم سے خوبصورت باتیں کیے ہوئے عرصہ گزر گیا۔"

"انکا! تم سے بات کرنے کو جی نہیں چاہتا۔"

"کیا کوئی صورت صلح صفائی کی نہیں ہو سکتی؟" انکا نے اداسی سے کہا۔

"بس یہی کہ تم میرے سر سے دفع ہو جاؤ۔"

انکا خاموشی سے میرا سر کریدنے لگی۔ آنند لال کی خبر نے مجھے ایک اور تشویش سے دوچار کر دیا تھا۔ ٹیکسی اسٹیشن کے احاطے میں پہنچ کر رکی۔ میں نے کرایہ ادا کیا اور پلیٹ فارم پر آ گیا لیکن ابھی تک میں کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکا تھا۔ اب صرف بدری نرائن رہ جاتا تھا جس کا ناپاک وجود جلد از جلد ختم کر کے ہی اطمینان کے موسم کی توقع کی جا سکتی تھی۔ کلدیپ ابھی تک جاپ میں مصروف تھی۔ میں چاہتا تھا کہ تزئین کو پریم لال کے استھان سے لا کر رکن الدین کی حویلی میں منتقل کر دوں کیونکہ وہ کلدیپ کے طویل جاپ سے شدید تنہائی اور مایوسی محسوس کر رہی ہو گی۔ ادھر گلبرگے میں رکن الدین کی حویلی میں پریم، ناہید، مالا اور سید غوث میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ انکا بدستور میرے سر پر موجود تھی اور اس کی نظریں میرے چہرے پر ٹکی ہوئی تھیں۔ ایک زمانہ تھا کہ ان نظروں کی چبھن مجھے بوکھلا دیا کرتی تھی لیکن اب میں ان باتوں سے بے نیاز ہو چکا تھا۔

"کیا میں کوئی بات کر سکتی ہوں؟" انکا نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"تم اپنے آپ کو پریشان کر رہی ہو؟"

"میں کلدیپ اور تزئین کے بارے میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

"تمہیں ان دونوں سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہئے۔"

"ارے تم تو پتھر بن گئے ہو۔"

"تمہاری موجودگی میرے اہم فیصلوں میں مخل ہو رہی ہے۔"

"تم کیا فیصلے کر رہے ہو؟" انکا نے حجت کی۔ "کچھ ہمیں بھی بتاؤ۔ ہمیں بھی اپنی پریشانی میں شامل کر لو۔ ہم تمہارے دشمن نہیں ہیں۔"

"ہونہہ!" میں نے مسکرا کر کہا۔ "اب مجھے سہاروں پر اعتماد نہیں رہا۔ یہاں کوئی کسی کا دوست نہیں۔"

پلیٹ فارم پر لوگوں کا ہجوم تھا۔ انکا بے بسی سے تلملانے لگی۔ میں کبھی کبھی عالم تصور میں نظر اٹھا کر دیکھ لیا کرتا تھا۔ اس کی کیفیت مجھ سے ڈھکی چھپی نہ تھی۔ میں اپنے خیالوں میں محو تھا۔ انکا میرے سر پر پہلو بدل رہی تھی۔ اس نے مجھے منانے کی بہت کوشش کی۔ میں تھوڑی دیر تک چہل قدمی کرتا ہوا

ٹکٹ گھر کی جانب بڑھا اور میں نے ٹکٹ بابو سے سورت کا ایک ٹکٹ مانگا۔

"جمیل! کیا واقعی تم اتنے غصے میں ہو کہ تمہاری نظروں نے دور تک دیکھنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ ...نے تم سے بدری نرائن کے بارے میں ٹھیک کہا تھا لیکن اب وہ سورت میں نہ ہے' ہر چرن کا معلوم ہو جانے کے بعد وہ سورت سے چل پڑا ہے' جنوب کی طرف۔"

"میں تمہاری دخل اندازی پسند نہیں کرتا۔"

"میری بات مان لو۔ تم کہاں تک بدری نرائن کا تعاقب کرو گے؟ وہ بھاگتا رہے گا۔ پہلے تمہیں ...اور تزئین کا خیال کرنا چاہیے۔ کلدیپ' بدری نرائن کے سلسلے میں زیادہ سودمند ثابت ہو گی۔ ...کے استھان پر پنڈت' پجاری دھونی رمائے بیٹھے ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ کسی نہ کسی دن تم وہاں پہنچو گے۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ تم بہت تھک چکے ہو۔ تھکن تمہارے چہرے سے عیاں ہے۔ ...خان! میرے پیارے' بدری نرائن فرار ہے تو اسے فرار ہی رہنے دو۔ یہ کتنے لطف کی بات ہے ...وہ تم سے دامن بچاتا پھر رہا ہے۔ کبھی کسی مندر میں' کبھی کسی پہاڑ پر' کبھی کسی مہان پنڈت کے ...میں۔ اس وقت سے فائدہ اٹھا کر تم تزئین' ناہید اور کلدیپ کا ٹھکانہ پیدا کر لو۔ کیا میں غلط کہہ ...ں۔"

"نہیں آپ بہت سچ کہہ رہی ہیں۔ آپ اپنے چہیتے بدری نرائن کو معاف کرنے کا مشورہ دے ...۔" میں نے طنزیہ کہا۔ "آپ کا تو کوئی جواب ہی نہیں۔ اب اپنا منہ بند رکھیے اور شرافت سے اتر ...مجھے آپ کا کوئی مشورہ قبول نہیں۔"

"کیا میں اتنی بری لگتی ہوں، اب میرے لیے تمہارے دل میں کوئی جگہ نہیں رہی؟" انکا میرے ...سے روہانسی ہو گئی۔

"تم تکرار کر رہی ہو اور خواہ مخواہ بات کو طول دے رہی ہو۔"

"مجھے شبہ ہے کہ تم یہ باتیں دل سے نہیں کہہ رہے ہو۔"

"تم تو دلوں کا حال جانتی ہو۔"

"جانتی تو ہوں۔ پر تمہارے دل کا یقین نہیں آتا۔"

"میرا دل بہت صاف ہے۔ پہلے کی طرح گندا نہیں ہے۔"

"تو کیا میں چلی جاؤں؟" انکا نے تلخی سے کہا۔

"...تمہارا یہ آخری احسان ہمیشہ یاد رکھوں گا۔"

"ٹھیک ہے جمیل!" انکا سرد آہ بھر کر بولی۔ "ٹھیک ہے، تم واقعی مجھ سے اکتا چکے ہو، میں جا رہی ...نے جواب نہیں دیا۔ انکا کچھ دیر تک گومگو کی کیفیت میں بیٹھی رہی پھر بہت آہستگی اور خاموشی

کے ساتھ میرے سر سے رینگ گئی۔

وہ چلی گئی اور میں نے اسے نہیں روکا۔ سورت جانے والی گاڑی تیار کھڑی تھی۔ میں ڈبے میں
گیا۔ مجھے بیٹھے ہوئے ابھی چند منٹ ہوئے ہوں گے کہ انکا کا چہرہ میری نظروں کے سامنے گھوم
میں نے اسے دھتکار دیا تھا۔ انکا جا چکی تھی اور میں سوچ رہا تھا، میں نے اسے کیوں جانے دیا؟ وہ
آقا ہرچرن کے اشاروں پر ناچنے کے لئے مجبور تھی۔ وہ جب بھی آزاد ہوتی تھی، کسی جاپ کے
میرے سر پر آجاتی تھی۔ بدری نرائن کے بارے میں اس کی معلومات یقیناً درست ہوں گی۔ اب
سورت جانا بے کار ہے۔ تو کیا میں کلدیپ کے ٹھکانے پر جاؤں اور تزئین کو وہاں سے لے آؤں؟
اس سے پہلے مجھے گلبرگہ جانا چاہئے جہاں رکن الدین کی حویلی میں ٹھہرے ہوئے میرے بہی خواہ
سے دو چار ہوں گے، میں ڈبے سے اٹھ آیا اور میں نے ٹکٹ گھر جا کر اپنا ٹکٹ بدلوا لیا۔

گلبرگہ جاتے وقت مجھے سکون سے ارتکاز کی مشقیں کرنے کا موقع مل گیا۔ اوپر سیٹ پر لیٹ
میں نے اپنے آپ کو تفکرات سے آزاد کر کے کچھ وقت عدم میں گزار دیا۔ مراقبہ عدم ہی کی ایک حالت
ہے جہاں سے واپس آ کر توانائیاں بڑھی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ مراقبہ، برداشت کا سب سے مفید
ہے۔ وہ زندگی میں موت کا ذائقہ چکھنے کا ایک اعلیٰ ذریعہ ہے۔ موت جو عام انسانوں کی نظر میں زندگی
بیخ کنی ہے اور جو ذہن رسا کے لئے زندگی کی ایک دوسری کیفیت سمجھی جاتی ہے۔ موت ایک مکمل انقطاع
ہے لیکن خاتمہ نہیں۔ مراقبہ زندگی سے ایک عارضی انقطاع ہے مگر یہ باتیں چھوڑیئے۔ میں اپنے عجیب
غریب واقعات کا سلسلہ ملاتا ہوں۔

گلبرگہ میں رکن الدین کی حویلی میں اس وقت سید غوث، مالا، پریم اور اس کا باپ موجود تھے
اس گھر میں اتنے افراد کی موجودگی سے بڑی رونق ہو گئی تھی۔ میں جب وہاں پہنچا تو عید سی ہو گئی۔ رکن
الدین اور ناہید نے میری خاطر مدارات کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا۔ دوسرے روز گھر
ہنگاموں سے فارغ ہو کے میں سید غوث کے ہمراہ گلبرگہ کے سنہرے علاقے سے دور آنندلال کی
تک گیا۔ یہیں آنندلال سے میری پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ آنندلال کو منڈل میں بیٹھ کے انکا کے حصول
کا سخت جاپ کرتے دیکھ کر مجھے بڑا تأسف ہوا۔ میں اسے منڈل سے باہر نہیں نکال سکتا تھا۔ وہ جس
کے لئے جاپ کر رہا تھا، اسے میں نے خود دھتکار کر جدا کر دیا تھا۔ آنندلال کے جاپ میں ۲۷ روز
گئے تھے اور یہ ۳۷ روز اسے ہر حالت میں منڈل میں بیٹھ کر گزارنے تھے اور کامیاب واپس آنا تھا۔
اس عرصے میں وہ اپنے جاپ میں ناکام ہو جاتا یا کوئی باہر کی طاقت اس کا استغراق توڑنے میں کامیاب
ہو جاتی تو آنندلال بڑی عبرت ناک موت مارا جاتا۔ مجھے اس بات کا بھی خیال رکھنا تھا کہ کوئی
آنندلال اور مجھ سے انتقام لینے کے لئے منڈل میں رخنہ انداز ہونے کی کوشش نہ کرے۔ آنندلال

مصیبت میں ڈالنے میں عجلت کی۔ اس سے کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی۔ میں اور سید غوث اسے
ئے۔

ات کا کھانا کھانے کے بعد سب لوگ بیٹھک میں اکٹھے ہوئے تو بڑی دلچسپ باتیں چل نکلیں،
ین کی بیوی اور ناہید کی چھوٹی بہن۔ ناہید (مجھے اس کا نام ناہید ہی یاد آتا تھا حالانکہ اس کا اصل
تھا چنانچہ جہاں میں ناہید کہوں تو جمیلہ، جمیلہ کہوں تو ناہید سمجھ لیا جائے) پریم، مالا، ڈاکٹر سکینہ،
اور رکن الدین۔ میں درمیان میں بیٹھا ہوا تھا۔ ہم سب اِدھر اُدھر کی باتوں میں مصروف تھے،
گھر میں مجھے کوئی اجنبیت محسوس نہیں ہوئی تھی، رکن الدین کی بیوی گلوریاں بنا رہی تھی۔ میں

"ذرا، میری سنو، میرے عزیزو! میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ تم سب کو یہاں دیکھ کر مجھے جو
ت ہو رہی ہے، وہ بیان سے باہر ہے۔ یہ ایک بڑا سا خاندان نظر آتا ہے۔ یہ چمکتے ہوئے مسکراتے
پُرامید چہرے میرا خون بڑھا رہے ہیں لیکن اس موقع پر مجھے تزئین اور کلدیپ کی کمی محسوس ہوتی
اب تم سے کچھ چھپانا بے سود ہے۔ میری زندگی کے بعض عجیب واقعات تمہارے علم میں آ گئے
کلدیپ میسور کی پہاڑیوں پر موجود ہے اور اس کے ساتھ وہ لڑکی بھی ہے جو میری بیٹی ہے۔ شاید تم
کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ میں اس وقت اپنے حالات کی تفصیل نہیں بتاؤں گا لیکن اتنا ضرور
گا کہ دنیا میں بہت کم لوگوں کو ان حالات سے سابقہ پڑا ہوگا جو میرے ساتھ تواتر سے پیش
ئے۔"

"خان صاحب!" رکن الدین بڑی عقیدت سے بولا۔ "کیا آپ ہمیں تفصیل سے نہیں بتائیں
اس وقت سب لوگ موجود ہیں۔ رات اپنی ہے، ہم آپ کی عبرت ناک سرگزشت سننے کے منتظر
"

"رکن الدین خان!" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "مجھے معاف کیجئے کہ میں سب کو تم سے
ب کر رہا ہوں لیکن میرے مخاطب سبھی لوگ ہیں۔" پھر میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میری
زشت اتنی عجیب ہے کہ بعض واقعات پر خود مجھے یقین نہیں آتا مگر یہ انہیں سنانے کا موقع نہیں ہے۔
یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا ہے۔ ابھی مجھے کلدیپ کو میسور کی پہاڑیوں سے اتارنا اور بدری نرائن ایک
سے حساب چکانا ہے۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں کلدیپ اور تزئین کو وہاں سے لانے کے لئے
جا رہا ہوں۔ اس محفل میں، جب وہ دونوں یہاں آ جائیں گی تو میرے سینے پر جو ایک غبار ہے، وہ
ہو جائے گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس خاندان کے ایک فرد کی حیثیت سے میں بعض معاملات میں دخل
سکتا ہوں۔ میرا دوست آنندلال، بدقسمتی سے ان دنوں ایک مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہے۔ وہ کوئی

ایک ماہ بعد فارغ ہو جائے گا۔ اس وقت تک میں تم لوگوں سے درخواست کروں گا کہ سب ای جگہ پر
کررہیں اور مجھے اجازت دیں کہ میں یہاں آکر اپنے سانسوں کا بوجھ اتار سکوں۔''

''آپ پھر جارہے ہیں؟'' پریم درمیان میں بول اٹھی۔

''ہاں پریم!'' میں نے شفقت کے انداز میں کہا۔ ''مجھے اب تزئین کو لانا ہوگا چاہے کلدیپ
آسکے لیکن اطمینان رکھو، میں جلد ہی واپس آجاؤں گا۔ میری وجہ سے تم سب نے بڑی پریشانیاں اٹھائی
ہیں۔''

''آپ شرمندہ کررہے ہیں۔ میرے خیال ہے ہم سب بے حد خوش ہیں۔ مجھے دو بیٹیاں اور
گئیں اور ایک بیٹا بھی۔ اتنے اچھے لوگ ایک جگہ اکٹھے ہو جاتے ہیں تو گھر میں بہار آجاتی ہیں۔ جمیلہ
کے آنے سے پہلے یہ گھر بہت اداس تھا۔ آپ نے بڑا احسان کیا ہے۔'' رکن الدین نے سید غوث، پر
اور مالا کی طرف تائیدی نظروں سے دیکھا۔

''ابھی دو بیٹیاں باقی رہ گئی ہیں'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ہم ان کا عمر بھر انتظار کریں گے۔'' رکن الدین نے عزم سے کہا۔

رات گئے تک یہ محفل جمی رہی، کسی کا سونے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ چائے بنتی رہی اور پان تیار
ہوتے رہے۔ مالا کی اجنبیت دور کرنے کے لئے سید غوث اسے چھیڑتا رہا۔ وہ جھینپتی رہی اور ہنستی رہی۔

چار روز تک گلبرگہ میں قیام کے بعد میں نے میسور جانے کا فیصلہ کرلیا۔ اس دوران گھر کی
رونقوں، دعوتوں اور ہنگاموں میں انکا مجھے کئی بار یاد آئی۔ یہی گھر تھا جہاں انکا اِدھر سے اُدھر کودتی پھرا
کرتی تھی۔ مالا میرے پیچھے سائے کی طرح لگی رہتی تھی۔ نالکھ آشرم کی بات اور تھی، یہ رکن الدین کی
حویلی تھی۔ میں اس سے کھنچا کھنچا رہا۔ میری روانگی کی اطلاع سے وہ بڑی مایوس ہوگئی تھی۔ گلبرگہ میں
آخری رات رکن الدین نے نہ جانے کس منشا سے محفل سماع منعقد کرالی۔ میں ایک ایسا شخص جو عرصے
تک ہندو پنڈتوں، پجاریوں، مندروں، دیوداسیوں اور انکا کے ساتھ رہا ہوں، اس کے لئے یہ انوکھی
بات تھی۔ محفل سماع شروع ہوئی تو میرے اندر بہت سے احساسات جاگ اٹھے اور مجھے اپنے اعصاب
پر قابو رکھنا مشکل ہوگیا۔ میرے جسم پر رعشہ سا طاری ہوگیا اور حالت اتنی بگڑی کہ رکن الدین کو مجبوراً
قوالی بند کرانا پڑی۔ میرے جسم پر موجود ململ کا کرتہ پسینے میں شرابور ہوگیا تھا۔ قوالی کے خاتمے کا اعلان ہوا
تو سید لاٹھی ٹیکتا ہوا دیوان خانے میں نمودار ہوا اور اس نے رکن الدین کو ڈانٹنا شروع کردیا کہ محفل سماع
درمیان میں کیوں بند کردی گئی؟ مجھے ہوش نہیں تھا لیکن میں نے سید کو دیکھ لیا، میں اس سے چمٹ گیا۔ اس
مجھے دھکا دے کر دیوان خانے سے چلا گیا۔ دوبارہ جب قوالوں نے اسی طرح کی گردان کی تو میرا حال
دگرگوں ہوگیا۔ قوالی کے اختتام پر رکن الدین اور سید غوث نے مجھے میرے بستر پر ڈال دیا۔ میں رات

...کیفیت میں مبتلا رہا اور جب صبح مجھے ہوش آیا تو میرا سر بھاری تھا اور دل بری طرح دھڑک رہا
...دنوں بعد میری یہ حالت ہوئی تھی کہ میں اپنے قابو سے باہر ہو جاؤں۔ مجھ میں ضبط اور
...کے لئے مثالی جوہر پیدا ہو چکے تھے لیکن رات نہ جانے کیا ہوا۔ جیسے ہی قوال نے تان اٹھائی
...میں اپنے آپ میں نہیں رہا۔ ہفتوں، مہینوں، برسوں ارتکاز اور مراقبے کی مشق کرنے والا
...ہاتھ پاؤں چلاتا رہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قوال کی لے میرے دل پر ضرب لگا رہی ہے اور
...افتادہ خوابیدہ احساسات جھنجوڑ رہی ہے۔ پھر پریشانی کا ایک دورہ پڑا اور میں نے خود کو
...لیکن میں کیوں نادم تھا؟ اور کیوں اپنے آپ سے شکایت کررہا تھا؟ اس کی وجہ خود میرے ذہن
...نہیں تھی۔ بستر سے اٹھ کر میں نے غسل کیا اور ذہن پُرسکون کرنے کے لئے ارتکاز میں ڈوب
...ارتکاز کرنے میں مجھے شروع شروع میں دشواری ہوئی لیکن ہر طرف سے توجہ ہٹا کر اسے ایک
...ال کرنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔

گلبرگہ سے میری روانگی کے وقت مجھے رقت انگیزی، گداز اور جذبہ خیزی کے ایک اور مرحلے سے
...پڑا۔ وہ سب اسٹیشن تک آنا چاہتے تھے لیکن میں نے سید غوث کے سوا کسی کو ساتھ نہیں لیا۔ سید
...میسور تک میرے ساتھ جانے کی ضد کرنے لگا۔ مجھے اسے سمجھانے بجھانے میں خاصی دشواری
...۔ خلاف توقع وہ کچھ خاموش اور سنجیدہ سنجیدہ نظر آرہا تھا۔ میں نے اسے کریدنے کے لئے

''کیا بات ہے سید غوث؟ تم کچھ کہنا چاہتے ہو؟''

''مجھے اپنے ساتھ لے جانے میں آپ کو کیا عذر ہے؟''

''ضدمت کرو۔'' میں نے اسے سمجھایا۔ ''کلدیپ کے استھان پر جانے کے لئے مجھے پنڈتوں کی
...ل سے نبرد آزما ہونا پڑے گا، پتا نہیں کیا حالات پیش آئیں۔ بدری نرائن ابھی تک زندہ ہے اور
...پنڈتوں کی اعانت حاصل ہے، وہ انتہائی کمینہ خصلت ہے۔ مجھے یقین ہے پریتم لال کی پہاڑی پر
...چڑھنا اور کلدیپ سے ملنا وہ برداشت نہیں کرے گا اور میرے راستے میں حائل ہونے کی کوشش
...گا۔ میں خواہ مخواہ تمہیں ساتھ رکھ کر پریشانیوں میں الجھانا نہیں چاہتا، جب کہ رکن الدین کی حویلی
...ارا ٹھہرنا ضروری ہے۔ وہاں صرف ایک مرد ہے، یوں بھی اپنے ساتھ تمہاری موجودگی کی وجہ سے
...تقسیم ہو جائے گا۔''

...کچھ توقف کے بعد دبی زبان میں بولا۔ ''کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ میں ہمیشہ آپ کے ساتھ
...''

''سید غوث!'' میں نے اس کے چہرے پر سرسری نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ''تمہاری رفاقت میرے
...ت کا باعث ہوگی۔ میں تمہارا خلوص کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔''

"میں کچھ اور چاہتا ہوں۔" سید غوث نے آہستگی سے کہا۔

"جو کہنا چاہتے ہو، صاف صاف کہو۔"

"آپ نے ایک بار تزئین کے بارے میں مجھ سے اپنی پریشانی کا ذکر کیا تھا۔" سید غوث نے نظریں جھکا کر کہا۔ "میں نے اس وقت آپ سے کچھ نہیں کہا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں میری جسارت آپ کو ناگوار نہ گزرے۔"

"میں سمجھا نہیں سید غوث؟" میں نے چونکتے ہوئے کہا۔

"میں چاہتا ہوں اب آپ کے ساتھ ہی رہوں۔" وہ اب بھی اشاروں میں عندیہ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اوہ تم تزئین کے سلسلے میں کچھ کہنا چاہتے ہو؟" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "مگر تمہیں تو یہ علم نہیں کہ وہ کون ہے اور تم نے اس کی جھلک بھی نہیں دیکھی۔"

"میرے لیے یہی کافی ہے کہ آپ اسے اپنی بیٹی کہتے ہیں۔" وہ بولا۔ "یہ میری درخواست ہے۔"

رکن الدین کی حویلی میں سید غوث اور پریم کی بے تکلفی اور چھیڑ چھاڑ دیکھ کر میں نے سوچا کہ پریم اور سید غوث کی جوڑی خوب رہے گی حال میں پریم ایک پارسی لڑکے سے محبت کرتی تھی مگر اب اس سے شادی پر آمادہ نہیں تھی۔ ہرچرن کے شرم ناک واقعے کے بعد اس نے اپنے محبوب سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور سمجھتی تھی کہ اب وہ اس کے لائق نہیں ہے، وہ اپنے محبوب کو دھوکا دینا نہیں چاہتی تھی۔ میں پریم کو کئی بار ٹٹولا تھا اور اس نے سرے سے شادی کرنے ہی سے انکار کر دیا تھا۔ سید غوث نے مجھے ایک اور طرح سوچنے پر مائل کر دیا تھا۔ تزئین کے لئے اس سے بہتر انتخاب فی الحال میری نظر میں نہیں تھا۔ اس نے تزئین کا ہاتھ تھامنے کا اظہار کر کے میرے سر سے وزن اتارنے کی پیشکش کی تھی۔ میں نے اس سے کوئی وعدہ نہیں کیا گو مجھے یقین تھا کہ تزئین میرے کسی فیصلے سے انکار نہیں کرے گی لیکن اس کی مرضی اور کلدیپ کا مشورہ میرے لیے ضروری تھا۔

میں نے سید غوث کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "میری جان! تم سے زیادہ قریب میرے لیے کون ہے؟ لیکن میں تمہیں آخری جواب نہیں دے سکتا۔ میری واپسی کا انتظار کرو۔ کلدیپ کا بھی تزئین پر اتنا ہی حق ہے جتنا میرا۔ میں اس سے تمہارے سلسلے میں مشورہ کروں گا۔"

"مجھے اعتماد ہے، آپ کا فیصلہ میرے حق میں ہوگا۔" سید غوث نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

وہ اس وقت تک میرے ساتھ رہا جب تک گاڑی اسٹیشن سے روانہ نہ ہوگئی۔ نظام شاہی پولیس کا ایک جوان العمر انسپکٹر سید غوث جو کبھی مجھے گرفتار کرنے آیا تھا، آج مجھ سے کسی قسم کی رفاقت کا طالب تھا۔ وقت بھی کیسے کیسے چولے بدلتا ہے۔

...کی جانب سے مطمئن ہو جانے کے بعد ریل میں مجھے پریتم لال کے استھان کی رکاوٹوں کا ...موقع مل گیا تھا۔ اب تک متعدد پنڈت پجاری میرے عتاب کا نشانہ بن چکے تھے اور ان کا ہر ...میں بار بار ان کے سامنے سینہ سپر ہو جاتا تھا لیکن وہ اس آنکھ مچولی سے باز نہیں آتے تھے۔ ان ...میں خاصی کمی ہو گئی تھی۔ پولیس کا زور بھی ٹوٹ چکا تھا۔ آنند لال بھی اب ان کے قبضے میں نہیں ...بھی ان کے پاس نہیں تھی۔ میں شیو شنکر پاڑ تک پہنچ گیا تھا اور میں نے ان کے ایک سادھو شنکر کو ...دیا تھا۔ دوسرے پجاری کو شیو شنکر پاڑ کا پتا بتانے کی سزا مل چکی تھی۔ میرے پاس وقت کی کمی نہیں ...نندلال کا جاپ ختم ہونے میں بہت دن باقی تھے۔ پہاڑی پر جانے سے پہلے میں نے میسور کے ...میں دو تین روز تک غیر معمولی مشقیں جاری رکھیں پھر میں دیکھے بھالے راستوں کی طرف ...کلدیپ سے ملاقات کا تصور حوصلے بڑھاتا تھا۔ نندا کی نصیحت کے مطابق میں بدری نرائن سے ...پ کو اپنانے جا رہا تھا۔ مجھ جیسے مضبوط اعصاب کے شخص کے دل میں میٹھی میٹھی کسک پیدا ہو ...میں جب پہاڑی کے نزدیک پہنچ گیا تو مجھے دور سے وہ پجاری نظر آئے جو یکساں فاصلوں پر ...کے اردگرد بیٹھے تھے۔ میں اس وسیع پہاڑ کا چکر کاٹنے کے بعد ایک جگہ رک گیا اور کسی طویل ...سے بچنے کے لئے محفوظ راستے تلاش کرنے لگا۔ اس وقت میرے سر پر دھما کا ہوا وہ پھر آ گئی تھی۔ ...عالم تصور میں نظریں اٹھائیں تو وہ بڑی شکستہ اور اعصاب باختہ نظر آئی۔ "تم! میں نے ناگواری ..."تم پھر آ گئیں؟"

"ہاں۔ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔" اس نے مدھم لہجے میں کہا۔

"مگر مجھے تمہارے بغیر ہی سکون ملتا ہے۔"

"مجبوری کی بات اور ہے لیکن میں تم سے جدا ہونے کا تصور تک نہیں کر سکتی۔ تم ایک بڑے جادوگر

...کوئی نیا تیور اختیار کرو۔"

"تزئین کو دیکھنے کو جی چاہ رہا تھا۔ میں نے سوچا تمہارے سر پر رہوں گی تو اوپر چلی جاؤں گی۔ ...بڑی خوشی ہوئی ہے کہ تم نے سید غوث کو منتخب کر لیا ہے۔"

"...کا" میں نے کچھ سمجھتے ہوئے تیزی سے کہا۔ "اگر تم نے غوث اور تزئین کے درمیان آنے کی ...اچھا نہ ہوگا۔ میری بات......"

"...!" انکا نے میرا جملہ کاٹ کر مغموم آواز میں کہا۔ "میں تمہاری دشمن کبھی نہیں ہو سکتی۔ تزئین ...لگاؤ ہے جتنا تم سے۔"

"تم آزاد ہو۔ اس لیے ایسی باتیں کر رہی ہو لیکن کل...... مجھے پریم کا حشر یاد ہے۔ کون

جانے کل تم سید غوث اور تزئین کے سلسلے میں بھی خطرناک بن جاؤ۔ ہو سکتا ہے کوئی پنڈت پھر تمہ
میں کرے اور تم لیکن یہ بات ذہن نشین رکھنا کہ مجھے تمہارے وجود کے خلاف جنگ کرنی ہوگی اور یہ
کر سکتا ہوں۔ تم میرے ارادوں سے بخوبی واقف ہو۔"

"ہاں جمیل تم درست کہتے ہو۔ لیکن اگر تم نے مجھ سے بہت نفرت کی تو میں خود کو سمندر یا آگ
نذر کر دوں گی۔"

انکا کے لہجے اور اس کی ڈبڈبائی آنکھوں نے مجھے اپنی جانب کھینچنا شروع کر دیا۔ میں نے کہا
نرمی سے کہا۔ "تم بڑی حرافہ ہو، تم کتنی ہو۔"

"میں جو کچھ بھی ہوں، تمہاری ہوں۔"

"کیا تم گلبرگہ گئی تھیں؟"

"ہاں میں وہیں تھی۔ تمہاری نظروں سے دور دور رہتی تھی لیکن میں کئی بار سید غوث اور پریم کے
پر گئی ہوں اور تمہیں معلوم ہے...... میری ان سے خوب باتیں ہوئیں۔"

"لیکن انہوں نے مجھے نہیں بتایا۔"

"وہ تمہیں بتا کر تمہاری ناراضی مول لیتے۔"

"او وہ جبھی پریم اور سید غوث نے تمہارا ذکر دلچسپی سے نہیں کیا۔"

"وہ کیسے بتاتے، میں نے انہیں منع کر دیا تھا۔"

"تم نے سید غوث سے کیا بات کی؟" میں نے تجسس سے پوچھا۔

"میں نے سید غوث کو تزئین کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ وہ تو اسی دن تم سے بات کرنا
تھا جب تم نے تفصیل بتائی تھی، مجھے اسے ہموار کرنے میں زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی۔ وہ تم سے
مخلص ہے۔ وہ خود ہی آمادہ ہو گیا۔ تم نے خود دیکھا ہوگا، جب وہ تم سے بات کر رہا تھا، میں اس کے
نہیں تھی۔"

"گویا تمہی نے اسے منہ کھولنے پر اکسایا؟"

"کیوں کیا تزئین پر میرا حق نہیں ہے؟" وہ بسورتے ہوئے بولی۔ "کیا اسے گندے ماحول
نکالنے میں، میں نے تمہاری مدد نہیں کی تھی؟"

انکا بہت جذباتی باتیں کرنے لگی۔ میری خاموشی دیکھ کر اسے اور شہ ملی، پھر وہ تزئین کا سارا
دہرانے لگی جیسے میں تو اس میں شامل ہی نہیں تھا۔ انکا نے مجھے موم کرنے کے لئے ماضی کے کئی
دیے۔ جب وہ خاموش ہوئی تو میں نے کہا۔ "اچھا اچھا۔ اب چپ رہو۔ سیدھی طرح بیٹھی رہو۔"

"یعنی یہ کہ...... میں تمہارے پاس...... میں......"

"ہاں ہاں، مجھے معلوم ہے تم کہیں نہیں ٹلو گی۔"

کا نے میرے سر پر ناچنا شروع کر دیا۔ اس کے زرد چہرے پر بہار آ گئی پھر وہ کہنے لگی۔ "تمہیں
ے کیا ہوا؟"

"کیا ہوا؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"کیا نہیں ہوا؟ ارے میں پنڈتوں، پجاریوں کے ساتھ تھی نا۔ میرے سامنے انہوں نے تمہیں
ے گھاٹ اتارنے کے لئے بڑے بڑے منصوبے بنائے تھے۔ ہر چرن ان کا آلہ کار تھا لیکن مجھے
رنے کے بعد وہ آرام و آسائش میں پڑ گیا۔ اسے لڑکیوں اور گانجے کی ایسی عادت پڑی کہ مجھے
لئے روز ایک لڑکی فراہم کرنا پڑتی تھی۔ وہ اپنے محسن پنڈتوں، پجاریوں سے کترانے لگا تھا اور
لئے آوارہ گردی کرتا رہتا تھا۔ جب وہ مر گیا تو پولیس آئی۔ کانتی کو چونکہ تم نے مفلوج کر دیا اس
ہیں بتا سکی مگر پولیس نے اسے گرفتار کر ہی لیا اس لیے کہ ہر چرن کی لاش اس کے کمرے سے
لی تھی۔"

"کیا کانتی قید میں ہے؟" مجھے اس خبر سے صدمہ پہنچا۔

"ہاں۔ حالانکہ وہ انہیں قسمیں کھا کر یقین دلاتی رہی ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔" انکا نے افسوس

"تم نے اس غریب کے لئے کچھ نہیں کیا۔"

"میں تمہارے چکر میں پھنسی رہی، مجھے فرصت ہی کہاں ملی؟ لیکن وہ کانتی کو آخر چھوڑ دیں گے۔"

"اگر نہ چھوڑا تو مجھے پھر بمبئی جانا پڑے گا۔"

"اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ ہاں جمیل! یہ تو بتاؤ کہ تم نے مالا کو کہاں سے حاصل کیا؟ کتنی
اس کے بارے میں تمہارا ذہن خراب معلوم ہوتا ہے۔" وہ شوخی سے بولی۔

"بکواس کرتی ہو۔ عجیب احمق چیز ہو۔" میں نے جھنجھلا کر کہا۔

"مگر اس کے بارے میں کیا سوچا ہے تم نے؟" انکا شرارت سے بولی۔

"اندلال کا جاپ ختم ہونے کا انتظار ہے۔"

"میں خود تم سے یہی کہنے والی تھی۔"

"اچھا آگے بڑھو۔ آگے مجھے کوئی اچھی صورت نظر نہیں آتی۔"

وقت جب میں کلدیپ کی پہاڑی پر چڑھنے کی جستجو میں لگا ہوا تھا، انکا کی دوبارہ آمد نے مجھے
بخشی تھی۔ حالانکہ میں کسی طاقت کی حمایت کے بغیر ان کی سرکوبی کے لئے پہنچ گیا تھا۔ بظاہر وہ
صورت دوشیزہ کا چھوٹا سا نمونہ تھی لیکن اس کی دوربین نظریں بڑی حساس تھیں۔ میں نے اس

سے بدری نرائن کے بارے میں پوچھا تو انکا نے مجھے بتایا کہ وہ میرے سائے سے بھاگتا ہے۔ اسے کالی کی شکتی اور بڑے پجاریوں کا تعاون حاصل تھا جو اسے بروقت میرے ارادوں سے آگاہ کر دیتے تھے۔ کلدیپ نے کالی شیوشنکر اور دوسرے دیوتاؤں کے لئے بڑے کٹھن جاپ کیے تھے۔ انکا کا خیال تھا اگر کلدیپ میرے ساتھ مل کر بدری نرائن کی سرکوبی کی سعی کرے تو کالی کی شکتی درمیان سے ہٹ سکتی ہے۔ میں انکا کے ساتھ بدری نرائن کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا کہ اچانک انکا میرے سر سے اُتر کر کھڑی ہوگئی۔ اس کی آنکھیں دور کچھ دیکھ رہی تھیں۔ میں نے اس کے تیور بدلتے ہوئے دیکھے۔

"ادھر کیا دیکھ رہی ہو؟"

"اور انہیں خبر ہوگئی ہے کہ تم یہاں آگئے ہو اور وہ تمہارے آگے بڑھنے پر ایک ساتھ حملہ آور ہوں گے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے؟" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"میں جانتی ہوں، تم کس زور پر یہ بات کہہ رہے ہو لیکن وہ تعداد میں کئی ہیں، تمہاری ذرا سی غفلت بنا بنایا کام بگاڑ دے گی۔ وہ اول و آخر تمہارے دشمن ہیں۔ ان میں گیانی دھیانی لوگ بھی ہیں۔ تم نے نندا کے استھان سے آنے کے بعد انہی پنڈتوں کے ہاتھوں صدمے اٹھائے ہیں۔"

انکا نے جس خطرے کا اظہار کیا تھا، وہ ٹھیک ثابت ہوا۔ ابھی ہم کچھ ہی آگے بڑھے ہوں گے کہ ان پنڈتوں اور پجاریوں کا جتھا صاف نظر آنے لگا جو وہاں تعینات کیے گئے تھے۔ ان کی تعداد غالباً آٹھ تھی اور وہ سب خوف ناک نظروں سے میری سمت دیکھ رہے تھے۔ میں نے اپنی آنکھیں ان پر گاڑ دیں۔ ایک بوڑھے پنڈت کے سوا ان میں کوئی ایسا نہیں تھا جو میرے سامنے قدم جمانے کی ہمت کر سکتا۔ انکا محتاط ہو کر بیٹھ گئی۔ میں اپنی چھاتی پھلا کر ان کی طرف بڑھا۔ میرے ان کے درمیان بہت فاصلہ رہ گیا تھا۔

"جمیل! سنو، میں اس بوڑھے کے سر پر جا رہی ہوں جو سب سے آگے کھڑا ہے۔ اس کا نام وشنو داس ہے۔ اس نے اپنا وقت فضول باتوں میں نہیں گنوایا ہے۔ بدری نرائن نے سوچ سمجھ کر اسے یہاں بٹھایا ہے۔ کہو تو میں اس کے سر پر چلی جاؤں، کم از کم کچھ توجہ ہٹانے میں تو کامیاب ہو ہی جاؤں گی۔"

"تم زحمت نہ کرو انکا رانی!" میں نے اسے روکتے ہوئے کہا۔ "بس خاموشی سے میرے سر پر بیٹھی شعبدے دیکھتی رہو۔ میری آنکھیں وشنو داس کے جسم کے اندر ہیں۔ یہ بوڑھا شخص مجھے برا نہیں لگا۔ میں کوشش کروں گا کہ یہ زندہ رہے لیکن اگر اس نے میرا راستہ آسانی سے نہ چھوڑا تو مجھے مجبوراً اسے موت کا جام پلانا ہوگا۔ اس کے باقی ساتھی تو مجھے مشکل نظر نہیں آتے۔"

"میں یوں ہی بیکار بیٹھے بیٹھے اکتا جاؤں گی۔ اس کے باقی ساتھیوں کے سروں پر تو مجھے جانے دو" انکا نے اصرار کیا۔

"ابھی ٹھہری رہو، دیکھتی رہو کہ آگے کیا ہوتا ہے؟"

"تمہاری مرضی۔" انکا ناراضی سے بولی۔ اس کی سرخ، شعلہ بار نظریں گھوم رہی تھیں۔ میں ...ے گھورتا رہا۔ پھر میں کچھ آگے جا کر ایک لمحاتی مراقبے میں ڈوب گیا۔ ہر طرف شیطانی قوتیں موجود تھیں۔ دوسری طرف وشنو داس اور اس کے ساتھی خندہ پیشانی سے مجھے تہ تیغ کرنے کی فکر میں سرگرداں نظر آتے تھے۔ جس دن کا انہیں انتظار تھا، وہ آگیا تھا۔ ان کے تیوروں میں نفرت اور غضب کے دریا موجزن تھے۔ ان سب کے جسموں پر بھبھوت ملا ہوا تھا۔ خاص طور پر 'وشنو داس' کی پیشانی پر مجھے بالائی قوتوں کا جال سا نظر آ رہا تھا۔ میں اس کے قریب ہو کر اس سے متاثر ہو رہا تھا۔ وہ اپنے گیان دھیان میں یکتا معلوم ہوتا تھا۔ ہمارے درمیان فاصلہ بہت مختصر رہ گیا۔ میں دیدہ دانستہ رک گیا۔ وہ پہل کرنے سے گریز کر رہا تھا۔

"رک کیوں گئے جمیل احمد خان!" وشنو داس سرد آواز میں بولا۔

"تم پر ترس آتا ہے۔" میں نے بے ساختہ کہا۔

"ہاں میں نے بدری نرائن سے تمہارے بارے میں بہت کچھ سن رکھا ہے۔ ہر مہا پُرش کچھ نہ کچھ ...تا ہے۔" وشنو داس نے طنزاً کہا۔

"تم مجھے گیانی دھیانی دکھائی دیتے ہوئے وشنو داس، میرے بارے میں تمہارا کیا وچار ہے؟"

"بالک ہو۔" وہ بڑے ٹھوس لہجے میں بولا۔ "دو چار جنتر منتر آتے ہیں، ابھی کٹھن تپسیا کی ضرورت ہے۔"

"اسی کارن دور سے چل کر تمہارے پاس آیا ہوں مہاراج! کیا مجھے ایک چیلے کی طرح سویکار نہیں کرو گے؟"

"مورکھ!" وہ حقارت سے بولا۔ "کیا تم اتنا بھی نہیں جانتے کہ ہم کس کارن بیٹھک لگائے بیٹھے ہیں؟"

"پہاڑوں کی گپھاؤں میں دیوی دیوتاؤں کی اور (طرف) لو لگانے اور جاپ کرنے سے منش دنیا کے جھمیلوں سے دور رہتا ہے۔ تم کس چکر میں پڑ گئے وشنو داس مہاراج!" میں نے سادگی سے ...

"اگر تم جاننا چاہتے ہو تو الٹے قدموں لوٹ جاؤ۔" وشنو داس نے سخت لہجے میں کہا۔ "میں نے بدری نرائن کو وچن دیا ہے کہ جب تک میرے شریر میں آتما موجود ہے، تم یہاں سے آگے نہیں جا سکتے۔"

''دھرماتماؤں کو سنسار کے ان وچاروں میں دیکھ کے مجھے دکھ ہوتا ہے۔ کیا تمہارے لیے یہ بات کافی ہے کہ تم نے بدری نرائن کو وچن دیا ہے۔ تم نے یہ نہیں سوچا کہ بدری نرائن کتنا بڑا پاپی ہے؟ کوئی وچن ہمیں بھی دو...... میں بھی اس سے کم پاپی نہیں ہوں۔''

''تو کیول پاپی نہیں، تیرے اندر راون کی آتما موجود ہے تو دشٹ ہے۔ مہاپُرشوں سے مسخری کرتا ہے؟'' وہ تیز لہجے میں بولا۔ ''ناریوں سے لو لگانا بالکوں کا کام ہے مورکھ! اس ناری کے پریم نے تجھے دیوانہ کر رکھا ہے جو اوپر دھونی رمائے بیٹھی ہے، پر تیرا اس کا سنگم نہیں ہو سکتا۔''

''وشنو داس مہاراج! تم سب کچھ جانتے ہو۔ وہی سندر نار فساد کی جڑ ہے۔ تم نے اسے کیوں چھوڑ دیا ہے؟ جاؤ اسے نرک میں جھونک دو۔ میں وچن دیتا ہوں۔ اگر تم اسے راستے سے ہٹا دو تو سارا جیون تمہارے چرنوں میں بتا دوں گا۔''

''اپرادھی......'' وشنو داس غصے سے کانپتے ہوئے بولا۔ ''کیا تو یہ کہنا چاہتا ہے کہ میں اپنے دھرم کی ایک مہان نار کو مار ڈالوں؟''

''تو پھر مجھے مار ڈالو۔ مجھے اس ناری کے بغیر چین نہیں۔ مہاراج! مجھے اوپر جانے دو۔'' میں نے خوشامدانہ انداز میں کہا۔

''جا تو یہاں سے چلا جا۔ دھرماتماؤں کا کام یہ نہیں ہے کہ خون بہاتے پھریں۔ میں تجھے شما کرتا ہوں۔ اپنا راستہ لے اور پھر کبھی ادھر آنے کا وچار نہ کرنا۔''

''جان پڑتا ہے، میرے بارے میں تم نے بہت کم سنا ہے مہاراج!''

''تو اس بات پر گھمنڈ کرتا ہے کہ کالی کے تہ خانے سے کیسے واپس آ گیا؟ نالکھ آشرم اور شیو شنکر پر کس طرح چلا گیا؟ تو نے ہر چرن کو مار دیا ہے، پر دیوی دیوتا تجھے کب تک چھوٹ دیتے رہیں گے؟''

وہ کہنا چاہتا تھا کہ میری نجات میں یقیناً دیوی دیوتاؤں کی کوئی مصلحت ہوگی۔ میں اس کا مفہوم سمجھ گیا۔ ''ممکن ہے وہ اس بار پھر چھوٹ دے دیں اور میں اپنی نار کے پاس چلا جاؤں۔ سچے پریم سے تو بھگوان بھی پرسن ہوتا ہے مہاراج!'' میں نے چٹکی لی۔

''تو اس طرح جاتا دکھائی نہیں پڑتا۔'' وشنو داس کرخت لہجے میں بولا۔ ''میری نظریں اس چھوکری کو دیکھ رہی ہیں جو تیرے سر پر آلتی پالتی مارے بیٹھی ہے۔ پرنتو یہ بھی تیرے کسی کام نہیں آئے گی۔''

''وشنو داس! تم نے اپنی شکتی کے بل پر انکا کو دیکھ لیا لیکن ابھی تک تم نے میرے بارے میں جو رائے قائم کی ہے، وہ غلط ہے۔ تمہارے مہان پنڈتوں، پجاریوں کے اندازے ہمیشہ غلط ثابت ہوئے ہیں۔ وہ بھی اپنے پریے (بدری نرائن) کے اکسانے پر میرے راستے میں حائل ہوئے تھے۔ اسی جگہ

...ل کے استھان پر، اسی جگہ پہلے بھی ایک گھمسان کا رن پڑ چکا ہے۔''

''...ے برباد مت کر۔ جیون سے زیادہ سندر کوئی چیز نہیں ہے، میری مان اور الٹے قدموں واپس چلا ...نیا کا دھیان من سے نکال دے۔''

''تم اتنے دیالو (مہربان) کیسے بن گئے مہاراج!''

''تو بڑا ہٹی ہے۔ کیا میں اپنے کسی پجاری کو اشارہ کروں کہ وہ تیری بُدھی (عقل) ٹھکانے پر ...ے''

''تم کیا کرو گے؟''

''میں تجھے بتاؤں کہ میں کیا کروں گا؟'' یہ کہہ کر وشنو داس نے اپنے قریب کھڑے ہوئے ...یوں میں سے ایک کو اشارہ کیا۔ ''اس سے نمٹ لے۔'' وہ بے پروائی سے مخاطب ہوا۔

...شنو داس کا ساتھی جھجکتے ہوئے تن کر کھڑا ہوا۔ اس نے ایک بار ڈنڈوت کیا۔ اس کے سارے ...کپکپی طاری ہوگئی اور اس نے گمبھیر انداز میں کوئی چٹکی سی میری طرف پھینکی۔ میں اپنی جگہ جما رہا۔ ...دیر تک وہ اسی طرح چٹکیاں بجاتا اور میری طرف پھینکتا رہا۔

''یہ کیا کر رہا ہے؟'' میں نے حیرانی سے پوچھا۔

''یہ تیرے دن کم کر رہا ہے۔'' وشنو داس نے حقارت سے جواب دیا۔

''بڑا نٹ کھٹ ہے۔ یہ کوئی مداری معلوم ہوتا ہے۔ سمے برباد کر رہا ہے۔'' میں نے وشنو داس کا ...ہرایا۔ وہ کچھ پریشان سا ہو گیا تھا۔

''یہ لوگ کئی ہیں جمیل صاحب!'' انکا نے مجھے ٹہوکا دیا۔

...پجاری اب تک چٹکیاں بجا رہا تھا۔ وشنو داس غصے سے اس پر دہاڑا اور اس کے ہاتھ پر تھوک دیا۔ ...سہم کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ وشنو داس نے قہر کی ایک نگاہ میرے جسم پر ڈالی۔

''کیا اب بھی تم مجھے روکو گے؟'' میں نے سنجیدگی اختیار کی۔

وشنو داس نے بے زاری سے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''کیا میں اسے اوپر جانے ...؟''

''نہیں وشنو داس مہاراج!'' وہ ایک ساتھ بولے۔ ''ہم جیون دان کر دیں گے۔ پہاڑی سے ...پجاریوں کا ایک جتھا موجود ہے۔ تم نے اسے شما کرنا چاہا، پر یہ پاپی شما کے یوگ نہیں ہے۔'' ...لہجے سے کمزوری اور خوف عیاں تھا۔

''جمیل! مذاق چھوڑو، جلدی کرو۔ اگر انہیں موقع مل گیا تو یہ کھیل خطرناک ہو سکتا ہے۔''

وشنو داس کے بوڑھے جسم میں کوئی بجلی سی کوندی۔ میں اس گیان دھیانی پجاری کی شکتیاں تول چکا

تھا لیکن وشنوداس اب اپنا عمل شروع کر چکا تھا۔ اس کا جسم پارے کی طرح لرز رہا تھا۔ میں نے آنکھیں موند کر اپنے آپ کو سمیٹا اور وشنوداس کو تنبیہہ کی کہ وہ میرے راستے کا پتھر بننے کی کوشش نہ کرے۔ وشنوداس کا چہرہ آگ بنا ہوا تھا۔ اسے میری شکتی کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ نندا کی بخشی ہوئی مہان شکتیاں ابھی تک اس کی نظروں سے اوجھل تھیں۔ یہی ان پجاریوں کی غلطی تھی کہ وہ میری تبت میں گزاری ہوئی مدت سے بے خبر تھے۔ وشنوداس کے تمام ساتھی مجھے سفاکی سے کچل ڈالنے پر آمادہ نظر آتے تھے لیکن کوئی بات انہیں روکے ہوئے تھی۔ وہ بات میرا احصار تھی، وہ بات میری شکتی کی چکا چوند تھی۔ استقامت کے ساتھ میرے کھڑے ہونے کا انداز تھا اور یہاں تک بے دھڑک چلے آنے اور اوپر جانے کا اصرار کرنے کی جرأت تھی۔ میں نے درمیان کے اشتعال انگیز جملے حذف کر دیے ہیں۔ وشنوداس میری بصارت چھیننے کا کوئی مہلک جاپ کر چکا تھا۔ بظاہر اس کے لئے یہ بڑا آسان کام تھا۔ انکا اضطراب سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ پریتم لال کے استھان پر پنڈتوں، پجاریوں سے ایک معرکہ قرض تھا۔ کئی پنڈت تو میرے انتظار سے تھک کر اپنے اپنے استھان لوٹ چکے تھے۔ اب وشنوداس اور اس کے چیلوں اور ساتھیوں کی ٹولی رہ گئی تھی۔ نالکھ آشرم میں سادھوشنکر کی تباہی کے بعد مجھے اپنی شکتی پر کچھ اور اعتماد ہو گیا تھا۔ اچانک وشنوداس نے "ہری اوم" کئی بار تیزی سے دہرایا اور گلے میں پڑی ہوئی جنیو کی ڈوری کو چکر دے کر میرے پیروں میں ڈال دیا۔ میں نے اپنے پیر آزاد کرنے کی کوشش کی لیکن مجھے محسوس ہوا جیسے وہ سوت کی ڈور نہ ہو بلکہ کوئی مضبوط تار ہو جس نے میرے پیر جکڑ لیے ہیں پھر بھی میں مطمئن کھڑا رہا۔ یہ کھیل تماشے میرے لیے پرانے ہو چکے تھے۔ میرے پیر ایک سوتی ڈوری سے الجھے ہوئے تھے۔ میرے بندھے پیروں سے وشنوداس کے ساتھ کھڑے ہوئے پجاریوں کے چہروں پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ انہوں نے ستائش کی نظروں سے اسے دیکھا۔ وشنوداس گھبرایا ہوا تھا، اپنے عمل کا تماشا دیکھنے کے بجائے اس نے اپنے سینے پر ہاتھ مارا اور بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی پر اتنی زور سے اپنا ناخن مارا کہ اس سے خون رسنے لگا۔ وہ چند لمحوں تک اس کے قطرے زمین پر ٹپکاتا رہا۔ خون کے قطرے زمین پر گرنے کے پہلے اور دوسرے لمحے کے درمیان کوڑیالے ناگ کی سرسراہٹ مجھے اپنے گرد و پیش محسوس ہوئی۔ انکا نے میرے سر پر ہاتھ مارا۔ میں نے اپنی پشت پر دیکھا، آگے دیکھا، بائیں دیکھا۔ میری مستعدی اور ہٹ دھرمی سے وشنوداس کسی قدر سنبھل چکا تھا۔ اس نے پہلے بہت ہلکا سا وار کیا تھا لیکن میں اپنی جگہ کھڑا رہا اور میں نے پیروں کی بندش پر کسی تردد کا اظہار نہیں کیا تو وہ چھوٹے موٹے منتروں کے بجائے ایک بڑا منتر پڑھنے پر مجبور ہو گیا۔ اس کا خیال تھا، اس طرح مجھے کوئی ردِ عمل ظاہر کرنے کی مہلت نہیں ملے گی۔ مجھے ان منتروں کی تفصیل کہاں تک یاد ہو گی؟ نہ جانے ایسے کتنے مرحلے گزر چکے تھے۔ کوڑیالے ناگوں نے میرے اردگرد لہرانا شروع کر دیا تھا، میں نے انہیں ایک فاصلے پر

ٹھہرا دیا تھا۔

شنوداس نے ناگ میرے جسم سے ایک فاصلے پر ٹھہرے دیکھ کر اپنی رستی ہوئی انگلی کا خون نے کے جھٹکے سے میرے جسم پر پھینکنا شروع کیا۔ مجھے پہلے قطرے پر یہ محسوس ہوا جیسے کسی نے تیزاب ہینٹے پھینک دیے ہوں یا کانٹا چبھو دیا ہو۔ خون کے چھینٹے میرے لباس پر پڑے تو وہ سلگنے لگا۔ تھا کہ میرے جسم میں آگ لگ جاتی۔ وشنوداس ...... غصے سے سرتاپا لرز رہا تھا اور کیے بعد کوئی سانس لیے بغیر اپنے پہلے منتر کا اثر دیکھے بغیر منتر پر منتر پڑھ رہا تھا اور وار پر وار کر رہا تھا۔

"تم یہ کیا کر رہے ہو؟" انکا نے متوحش نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

میرا لباس جلنے لگا تھا اور میرے چہرے، ہاتھوں اور پیروں کے کھلے حصوں پر داغ پڑ گئے تھے، نے کچھ نہیں کہا۔ میں کسی معمول کی طرح، خود کو تختۂ مشق بنائے وشنوداس کے تمام ستم، تمام ستم یاں سہتا اور دیکھتا رہا۔ میں کوئی نیا منتر دیکھنا چاہتا تھا، جیسے سادھوشنکر نے نالکھ آشرم میں کیا تھا۔ اطمینان کا سبب یہی تھا کہ اب تک کیے جانے والے منتر میری رسائی کی حد میں تھے اور میں نے ای اذیت برداشت کر کے انہیں کارگر رکھا تھا تاکہ پنڈت اور پجاری مجھ سے مڈھ بھیڑ کی دوبارہ کریں اور مجھ سے بخوبی واقف ہو سکیں۔ میں انہیں زندہ رکھنا چاہتا تھا۔ وشنوداس کسی نوجوان کی ھرتی سے اپنی تمام شکتیاں آزماتا رہا۔ وہ کبھی اپنی مالا زمین پر پھینکتا کبھی اپنے جسم کی میلی تہ اٹھا کر سم پر پھینکتا۔ خاصی دیر بعد میں نے وشنوداس کو گھورتے ہوئے کہا۔ "مہاراج! اب بھی میرے میں کوئی وچار کیا؟ یہ چمتکار میں پہلے بھی کئی بار دیکھ چکا ہوں، کوئی ایسا وار کرو جو یہ پاپی بھی جانے وشنوداس مہاراج کی شکتی ان کی عمر کے مطابق ہے اور وشنوداس نے بیتے دنوں میں کسی دوسری ں لگایا، سوائے تپسیا کے۔"

نوداس کی آنکھیں باہر نکل آئی تھیں۔ وہ سکتے کی حالت سے دوچار تھا۔ اس نے جھلاہٹ میں در پے وار کیے اور اپنی کئی انگلیاں ناخن سے زخمی کر لیں۔ جب وشنوداس کی پیشانی پر پسینہ نمودار گا تو اس کے ساتھی اور چیلے بھی آگے بڑھے۔ یہ میرے لیے کوئی اچھی صورت نہیں تھی۔ انہوں منتر کے بیروں کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ ان کی کثیر تعداد کے سبب بیروں کی یلغار بھی خاصی تی تھی۔ ماورائی شکتی والوں کا بڑا دارومدار بیروں کے زیادہ سے زیادہ تصرف پر ہوتا ہے۔ یہ عجب طرح شور مچاتی، قہقہے لگاتی اور چیختی پھنکارتی، دھماکے کرتی اور دل دہلاتی ہوئی نشانہ بناتی وں کے مختلف روپ ہوتے ہیں اور وہ روپ بدلنے پر قادر بھی ہوتے ہیں۔ میں نے اپنے طرف بیر دیکھے، کوڑیالے ناگ ایک سمت لہرا رہے تھے، ادھر میرے چہرے کے داغوں میں ادھر میرے کپڑے جل کر راکھ بن چکے تھے۔ میں برہنہ ان کے سامنے کھڑا تھا۔ انکا کی

استقامت کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا اور وہ مجھے بار بار ٹھوکے دے رہی تھی۔ میں نے اسے روکے رکھا تھا اور خود ساکت وصامت کھڑا تھا۔ خطرناک معرکہ توقع کے مطابق تھا۔ وہ سب ایک ساتھ منہ ہی منہ میں اور منتر کا جاپ کررہے تھے۔ جب وہ اپنے کسی حربے سے مجھے نقصان نہ پہنچا سکے تو دست بدست لڑائی پر اتر آئے۔ ان کی نیت بھانپ کر مجھے مجبوراً اپنی قوتیں یکجا کرنی پڑیں اور میں نے اپنی انگلی کو جنبش دی۔ میری نگاہ، وہ شعلہ بار تیز نگاہ، جو دیواروں کے آر پار ہو جائے، جو نیزے کی انی کی طرح چبھے اور شعلے کی طرح لپکے۔ ایک ثانیے میں وہ کسی جھٹکے کے ساتھ پیچھے ہٹے اور ایک پجاری زمین پر گر گیا۔ اس کے دوسرے ساتھی سہم کر اور پیچھے ہٹ گئے۔ میں اپنی نگاہوں اور انگلیوں سے انہیں اور پیچھے ہٹاتا رہا۔ جس نے آگے بڑھنے کی کوشش کی وہ وہ میری نگاہ کی زد میں آ گیا۔ اس سے پیشتر کہ وہ سنبھلتے ان پر فضا سے خس وخاشاک اور پتھروں کی بارش ہوئی۔ انہوں نے بھاگنا چاہا لیکن کچھ دور جا کر وشنوداس کی دھمکی نے ان کے قدم پکڑ لیے۔ وشنوداس تیزی سے پلٹا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو للکارا مگر کئی لہولہان ہو چکے تھے اور وہ ایک لمحے کے لئے وشنوداس کی دھمکی سے خوف زدہ ہوئے پھر منتشر ہو گئے۔ ان میں سے تین کا کام وہیں تمام ہو گیا تھا۔ اب میرے مقابلے میں صرف وشنوداس باقی رہ گیا تھا۔ مجھ پر دیوانگی طاری تھی۔ ایک بار پھر میرا وحشی گھوڑا میرے جسم میں طیش سے ہنہنانے لگا۔ میں ان سب کو جہنم رسید کرنے کی فکر میں تھا کہ وشنوداس اپنے ساتھیوں کی طرف تھوک کر میری طرف بڑھا۔ مجھے جلال غضب کی اس کیفیت میں بھی وشنوداس کی ضعیفی پر ترس آ رہا تھا۔ میں نے اسے سخت لہجے میں مخاطب کیا۔

"سنو مہاراج! بہتر ہے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔"

"نہیں۔" اس کی آواز میں پہلے جیسا دبدبہ نہیں رہا تھا۔ "نہیں۔ میں نے بدری نرائن کو کالی کے سامنے وچن دیا تھا کہ تجھے کلدیپ کے استھان جانے سے اوش روک لوں گا۔"

"پاگل مت بنو مہاراج!" میں نے نرمی سے کہا۔ "میں تم پر ہاتھ اٹھانا نہیں چاہتا۔ میں کوئی آدمی نہیں ہوں۔ میرے اندر دیکھنے کی کوشش کرو۔"

میرا خیال تھا کہ وشنوداس اپنے ساتھیوں کا بھیانک انجام دیکھ کر یہاں سے فرار ہو جائے گا لیکن وہ اپنی دھن کا پکا اور ارادے کا سچا تھا۔ میری بات کے جواب میں اس نے دیوتاؤں کے نام کے ساتھ ایک بار پھر حملے شروع کیے، میں نے خود کو بچا لیا اور ہر ممکن کوشش کی کہ اس کے ساتھ کوئی افسوس ناک واقعہ پیش نہ آئے۔ وہ باز نہ آیا۔ وشنوداس کے منتر کے بیروں نے میرا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ میں اس کے حملوں کا توڑ کرتا ہوا تیزی سے اس کے قریب آ گیا اور میں نے اس کی نحیف کلائی تھام لی۔ اس کی کلائی کا میری گرفت میں آنا تھا کہ اس کے جسم کو شدید جھٹکے لگنے شروع ہو گئے جیسے بجلی کے ننگے تاروں نے اسے جکڑ لیا ہو۔ اس نے زبان سے ایک لفظ نہیں کہا بلکہ غیر معمولی قوت برداشت کا ثبوت دیا۔ میں

دو چار جھٹکے دیے، پھر ایک طرف دھکیل دیا۔ اس کا جسم سیاہ پڑ گیا تھا۔ میرے پاس اسے دوبارہ دیکھنے کی فرصت نہیں تھی اور یہ کوئی پُر لطف منظر بھی نہیں تھا۔ مجھے بہت افسوس تھا مگر میں کیا کرتا؟ وہ پہلے بھی استھان پر میرے آڑے آئے تھے اور میں اوپر چلا گیا تھا۔ ان پر جنون طاری ہو گیا تھا۔ انہوں نے ٹولی وہاں بٹھا دی تھی کہ کلدیپ نیچے نہ اتر سکے اور میں اوپر نہ جا سکوں۔ یہ پریتم لال کے استھان کا آخری معرکہ تھا۔ اس کے بعد نہ انہیں جرأت ہوگی۔ نہ مجھے فرصت ہوگی۔ اب جتنے پجاری روز مر رہے ہیں میرے لیے آزادی اور سکون کا سانس لینے کے مواقع بڑھ رہے تھے۔ میں پہلے ہی یہاں آ کر انہیں اس کے اطراف سے ہٹا سکتا تھا مگر شاید وہ وقت نہیں آیا تھا۔

انکا میرے سر پر بیٹھی مسکرا رہی تھی۔ میں نے اوپر کی جانب دیکھا۔ پہاڑی سبزے سے ڈھکی ہوئی اور پگڈنڈیاں نظر آ رہی تھیں۔ ایک پگڈنڈی پر مستانہ انداز سے چلا۔ رگوں میں خون تیزی سے دوڑنے لگا تھا۔ کلدیپ کا استھان قریب تھا اور کوئی رکاوٹ سامنے نہیں تھی۔ میں لمبے لمبے قدم بڑھاتا اوپر چڑھتا گیا۔ انکا نے حسب عادت میرے سر پر اچھل کود شروع کر دی تھی۔ کلدیپ کی کٹیا آئی تو میرا سانس چڑھ گیا تھا لیکن دم مارنے کا یارا کسے تھا؟ انکا میرے سر سے اتر گئی۔ وہ کلدیپ کی کٹیا میں جانے سے گریز کرتی تھی۔

☆......☆......☆

میں اپنے اس لمحے کے جذبات کا حال محفوظ رکھتا ہوں۔ یہ کلدیپ کی کٹیا تھی اور کلدیپ کون تھی؟ میں نے دھڑکتے دل سے کلدیپ کی کٹیا کے اندر قدم رکھا۔ میری نظر سب سے پہلے تزئین پر پڑی اور دل سے ایک آہ نکل گئی۔ اس حسین لڑکی کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ چکے تھے اور گردش زمانہ کی پرچھائیاں اس کے چہرے پر لرز رہی تھیں۔ میرا گلاب مرجھا چکا تھا۔ میرے آنگن میں خزاں آ گئی تھی۔ جلد کی رنگت جھلسی ہوئی تھی، چہرہ زرد، بال بکھرے ہوئے، لباس بے ترتیب۔ وہ کسی زندہ لاش کے مانند چٹائی پر بے حس وحرکت پڑی ہوئی تھی۔ میں نے کانپتی آواز میں اسے پکارا۔ وہ سہم کر ایک جھٹکے سے پلٹی۔ خلاف توقع مجھے دیکھ کر وہ حیرت سے چیخ پڑی۔ پھر تیزی سے اٹھی اور دوڑ کر میرے سینے سے لگ گئی۔ اس کی دھڑکنیں مجھے ایسی داستان سنا رہی تھیں جسے سننے کی مجھ میں تاب نہیں تھی۔ میری آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ میں نے اس کے خشک بالوں پر ہاتھ پھیرا اور اسے اپنے سینے میں بھینچ لیا۔ آنسو اس کے بالوں میں گر رہے تھے جیسے بارش ہو رہی ہو۔ وہ میرے سینے سے لپٹی رہی۔ پھر اس نے ڈبڈبائی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ میرا دل پاش پاش ہو گیا۔ "تزئین! میری گڑیا!" میرا گلا رندھ گیا۔ "کچھ مت کہنا۔ مجھ میں کچھ اور سننے کی سکت نہیں ہے لیکن اب دکھ کے بادل چھٹ چکے ہیں۔ تو نے میری خاطر بڑے مصائب جھیلے ہیں، تیرا گناہ گار ہوں۔ مجھے معاف کر دے میری بچی! میری

جان! میں اب تجھے اس ویرانے میں نہیں چھوڑوں گا۔ تجھے ساتھ لے جانے کے لئے آیا ہوں، تجھی اِک بار میں تنہا واپس جانے کے لئے نہیں آیا۔ تیرے تمام دکھوں کی تلافی ہو جائے گی۔''

تزئین کی ہچکی بندھ گئی۔ وہ میرے سینے پر سر رکھ کے پھٹ پڑی۔ ہم دونوں دیر تک زار و قطار روتے رہے۔ ''تو بڑی بہادر ہے تزئین!'' میں نے کہا۔

وہ بڑی بہادر تھی۔ پریتم لال کی پہاڑی پر نیچے کا کوئی شخص اوپر آنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ یہاں نہ روشنی تھی، نہ زندگی کی کوئی چہل پہل۔ کلدیپ ایک عرصے سے جاپ میں مصروف تھی۔ تزئین تنہا ان پہاڑوں پر گھومتی رہتی، راتوں میں سیاہ راتوں میں، دوپہروں میں، دھوپ میں، برسات میں۔ وہ خود اپنا کھانا تلاش کرتی، جھرنے پر مالا کی طرح نہاتی اور درختوں سے پھل توڑتی۔ جن چیزوں کی اسے ضرورت ہوتی وہ کٹیا میں مل جاتی تھیں۔

کلدیپ کٹیا میں اپنے جاپ میں مستغرق تھی۔ میں نے تزئین کو گیارہ روز تک اپنی آنکھوں کے سامنے رکھا، اپنے سینے سے قریب رکھا اور ہم دونوں انکا کے ساتھ پہاڑی پر روزانہ سیر سپاٹے کرتے رہے۔ میری رفاقت اور نگہداشت سے تزئین کی صحت پر خوشگوار اثر پڑا تھا۔

پہاڑی پر تزئین کی اداس آنکھیں اور کلدیپ کی مشقت دیکھ کر میرے دل میں پنڈتوں پجاریوں کے خلاف نفرت کے شعلے بھڑکنے لگے تھے۔ مجھے افسوس ہوا کہ وشنو داس کی ٹولی سے، چند سیاہ دل افراد موت کے منہ میں جاتے جاتے رہ گئے۔ گیارہویں روز میں اور تزئین کٹیا سے باہر ایک درخت کے نیچے چٹائی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں تزئین کو لندن کے واقعات سنا رہا تھا کہ تزئین ایک دم مسرت سے چیخ اٹھی۔ میں نے مڑ کر دیکھا، کٹیا کے دروازے سے زرد ساڑھی میں ملبوس کلدیپ ایک طویل جاپ سے فارغ ہو کر ہماری طرف آ رہی تھی۔ اتنی کڑی تپسیا کے بعد بھی اس کے چہرے پر تھکن کے آثار نہیں تھے۔ وہ شاداب اور شگفتہ نظر آ رہی تھی۔ امتدادِ زمانہ نے اس کی رعنائی چھیننے کے بجائے اسے برقرار رکھا تھا بلکہ اس میں کچھ اور اضافہ کر دیا تھا۔ وہی حسین چاند سا چہرہ۔ مگر پونا کے کلب میں ملنے والی اس فیشن ایبل لڑکی کی نظروں میں شوخی نہیں تھی، وقار تھا، سنجیدگی تھی، ایک معنی خیز پُراسرار مسکراہٹ تھی۔ ہم دونوں کی نظریں چار ہوئیں اور ایک دوسرے سے نہ جانے کتنے کرب کہہ گئیں۔ میرے سامنے میرا مستقبل تھا۔ میرے سامنے میرا ماضی تھا، کلدیپ سے میری زندگی کے کتنے عجیب واقعات وابستہ تھے۔ میں اس کے ایثار کا قرض کبھی اتار نہیں سکتا تھا۔ تزئین چٹائی سے اٹھ کر بے تحاشا اس سے لپٹ گئی اور ایک بار پھر اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیل رواں ہو گیا۔ تزئین اسے چمٹائے ہوئے میرے پاس آئی۔ میری حالت بھی متغیر تھی مگر میں تزئین کے سامنے اس طرح کا بے تابانہ رویہ اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے اسے ان نگاہوں سے دیکھا جن میں کرب، ندامت، مجبوری اور امید کی جھلک تھی۔ ہمارے پاس ایک

کے سامنے کچھ کہنے کے لئے الفاظ بھی نہیں تھے، بات الفاظ کی دسترس سے نکل گئی تھی۔ مجھے یہ وہ میرے اندر رسائی ہوئی ہے اور میں اس میں جاگزیں ہوں۔ ''میں آگیا ہوں۔'' میں نے ہوئے کہا۔

''ہاں۔'' اس نے دردناک لہجے میں کہا۔ ''تم آ ہی گئے۔''

''اور میں کیوں آیا ہوں؟'' میں نے کہا اور کچھ توقف کے بعد بولا۔ ''مجھ سے اب تنہا چلا نہیں

کلدیپ نے اداسی سے میری طرف دیکھا مگر کوئی جواب نہیں دیا۔

''میں بہت دور سے آیا ہوں۔ تمہاری نظر سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ میرا خیال ہے، کچھ کہنے کی ت نہیں۔''

''ہاں، میں دیکھ رہی ہوں'' اس نے غیر جذباتی انداز میں کہا۔ تزئین ہم دونوں کے درمیان کھڑی اور مسرت سے کھلی جا رہی تھی۔ مجھے صرف ایک لمحے میں کلدیپ کے رویے کی تبدیلی محسوس ہو گئی میں نے اِدھر اُدھر کے تذکرے شروع کر دیے۔ کلدیپ خاموشی سے سنتی رہی اور ہمارے ساتھ ں کا ایک لمبا چکر کاٹ کر واپس آئی۔ بار بار اس کے چہرے کی طرف دیکھتا تھا اور اس کی نگاہوں کچھ تلاش کرنے کی کوشش کرتا تھا مگر ان آنکھوں میں بڑی گہرائی تھی۔ دو روز تک تخلیئے کا موقع نہیں مل یوں کہ تزئین ہر وقت سائے کی طرح ساتھ لگی رہتی تھی۔ تزئین کی شوخیوں نے کئی بار کلدیپ کے چہرہ کو مسکرانے اور ہنسنے پر مجبور کر دیا۔ وہ کلدیپ سے بے پناہ محبت کرتی تھی۔ میں اس وقت ایک ی محسوس کر رہا تھا۔ آخر دو روز بعد جب تزئین آبشار پر نہانے گئی تو میں کلدیپ کی کٹیا میں جا گھسا نے جاتے ہی تیزی سے کہا۔ ''کلدیپ! کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے مجھے اب اپنا تعارف نے کی ضرورت پڑے گی، میں جمیل ہوں۔''

کلدیپ چند لمحے خالی خالی نظروں سے مجھے تکتی رہی۔ ''ہاں میں دیکھ رہی ہوں، یہ تمہی ہو۔''

''اور تم کلدیپ ہو، وہ کلدیپ جو جمیل احمد خان کے لئے پیدا کی گئی تھی، تمہیں کچھ یاد ہے؟'' میں یکھے لہجے میں کہا۔

''یاد؟'' وہ کھوئی کھوئی سی بولی۔ ''سے بہت گزر گیا ہے۔''

''میں تمہیں لینے آیا ہوں۔'' میں نے بے چینی سے کہا۔

''کیا مجھے یہاں سے جانا چاہئے؟'' اس نے اداسی سے پوچھا۔

''نہیں جاؤں گی تو میں ادھورا ہی رہوں گا، تم نے اب تک ایثار ہی کیا ہے، اب تم یہ ظلم کیوں ہی؟''

''جمیل!'' کلدیپ نے ڈوبتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''مجھے یہیں رہنے دو۔ میرے جانے پر پریتم

لال مہاراج کی آتما بیاکل ہوگی۔ میں یہاں رہ کر تمہارے من کی شانتی کے لئے برابر پرارتھنا کرتی رہوں گی۔''

میں ایک آتش فشاں تھا جو ابل پڑا۔ میں نے قریب جا کے اس کا بازو پکڑ لیا اور اسے جب اپنی طرف کھینچا تو سوتے پھوٹ پڑے۔ اس کا سینہ تر ہو گیا تھا، میں کسی بچے، کسی یتیم بچے کی طرح اسے اپنے وہ ہولناک واقعات سنا رہا تھا جو پہلے سے اس کے علم میں تھے۔ میں نے اپنے آپ کو اس کے سامنے انڈیل دیا اور اس کے سینے سے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ چھت کی طرف تک رہی تھی۔ اس کی آنکھیں پتھرائی تھیں۔ ''میں کہاں کہاں ہوتا ہوا آخر تمہارے پاس آ گیا ہوں۔ میرے عظیم گرو نندا نے تبت کے استھان پر مجھے ہدایت کی تھی کہ میں تمہیں پریتم لال کے استھان سے نیچے اتار کر اپنے ساتھ لے جاؤں۔ اگر تم نے انکار کیا تو شاید میں زندہ نہیں رہوں گا۔''

''اب تم ایک قد آور شخص ہو۔'' وہ دھیرے دھیرے بولی۔ ''تمہیں نندا نے بہت کچھ دیا ہے۔ تمہارے پاس انکا ہے۔ میں پریتم لال کی اچھا پر جیون تیاگ چکی ہوں۔ میرے بھاگیہ میں جو لکھا تھا وہ پورا ہو چکا ہے۔ یہ کٹی میرا سنسار ہے۔ مجھے یہاں منڈل میں تنہا رہنے اور جاپ کرنے میں سکون ملتا ہے۔''

میں اس کا درد پنہاں محسوس کر سکتا تھا۔ ''تم خود کو فریب دے رہی ہو کلدیپ! تم نے میرے سوا کچھ نہیں سوچا ہے۔ تم میرے بغیر یہاں نہیں رہ سکتیں۔''

''تمہی نے میرے ساتھ یہ حسن سلوک کیا ہے کہ مجھے بھگتی...... تپسیا اور راستی کا راستہ دکھایا۔ اب تم خود مجھے پتھروں اور کانٹوں میں گھسیٹ رہے ہو۔ اصل زندگی کیا ہے، یہاں آ کر مجھے پتا چلا۔ کیا تم ایک احسان نہیں کر سکتے کہ مجھے یہاں چھوڑ جاؤ؟'' کلدیپ نے ہیجانی انداز میں کہا۔

''میں تمہارے ساتھ کچھ دن زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ زندگی کا جو فلسفہ تم مجھے سمجھا رہی ہو، اسے میں بھی جانتا ہوں۔ مجھے تپسیا، مراقبے اور ارتکاز کا لطف معلوم ہے لیکن اس لطف کے باوجود میں تمہیں یہاں سے لے جانا چاہتا ہوں کیونکہ تزئین اور دوسرے بہت سے لوگ، ہم سے متعلق ہیں اور میں جب تمہاری صورت دیکھتا ہوں تو میرے دل میں زندگی کی تمنا کروٹیں لینے لگتی ہے اور میرا جی چاہتا ہے کہ ہم کسی پُرسکون جگہ ایک ساتھ ایک دوسرے کی بانہوں میں رہیں۔ زندگی صرف علیحدہ رہ کر، ساری دنیا سے کنارہ کشی کر کے، اپنی ذات میں گم ہو جانے کو نہیں کہتے۔ یہ خود غرضی ہے، یہ فرار ہے۔ میں جب تمہاری صورت دیکھتا ہوں تو مجھے احساس ہوتا ہے کہ میں نے تمہارے ساتھ کتنا بڑا ظلم کیا ہے۔ تم نے مجھے میری خامیوں اور لغزشوں کے باوجود قبول کیا لیکن میں نے تمہیں کیا دیا؟ یہ ویرانہ، یہ بھیانک خاموشی، یہ کرب ناک تنہائی۔ تمہارے سہانے دن میری تیرہ بختیوں کی نذر ہو گئے۔ میں ان دنوں کا حساب دینا چاہتا

میرے دل و دماغ پر بوجھ سوار ہے۔''

میری باتوں نے اسے مضطرب کر دیا لیکن میرے پیہم اصرار اور منتوں کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ میں نے اس کے دونوں شانے پکڑ کر جھنجوڑ دیا۔ ''تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم تو بالکل سرد ہو گئی ہو۔''

اس نے خود کو چھڑانے کی کوشش کی۔ ''جمیل! بھگوان کے لئے زیادہ باتیں نہ کرو۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔''

''میں تمہارا بھگوان ہوں۔'' میں نے اس کے رخسار چومتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہارا شوہر ہوں، تمہارا محبوب ہوں، میں جمیل ہوں۔ میری طرف دیکھو۔''

اس نے ایک جھٹکے سے اپنی گردن چھڑا لی۔ ''نہیں۔ میں تو خود کو سونپ چکی ہوں۔'' وہ اضطراب سے بولی۔

میں نے اسے چھوڑ دیا اور تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''تزئین کے سلسلے میں ایک پیام ہے، تمہاری رائے ہے؟''

وہ دل گرفتہ سی ایک طرف سمٹ گئی۔ ''وہ ایک اچھا لڑکا ہے۔ تزئین اس کے ساتھ خوش رہے گی۔''

''اور تم اپنی بیٹی کی شادی میں نہیں جاؤ گی؟ اسے چوڑیاں نہیں پہناؤ گی؟ اس کی مانگ میں افشاں بھرو گی؟ تم اسے رخصت بھی نہیں کرو گی؟'' میں نے جذباتی ہو کے کہا۔

''میں یہاں بیٹھ کر اس کے ساتھ رہوں گی۔'' کلدیپ نے حسرت سے کہا۔

میں مزید ایک ہفتے تک کلدیپ کو ساتھ لے جانے اور اس کی ضد توڑنے کی کوششوں میں لگا رہا۔ میں نے اسے بہت حوالے دیے۔ میں ایک رات تزئین کی موجودگی میں اس کی کٹیا میں گھس گیا۔ مجھے تزئین کا ذہن معطل کرنا پڑا تاکہ وہ ہماری گفتگو نہ سن سکے۔ میں نے کلدیپ کے سرد خانے میں حرارت پیدا کرنے کی بڑی جدوجہد کی۔ بدری نرائن اور پنڈتوں، پجاریوں کی ایذا رسانی کا ذکر کیا۔ اسے دنیا کا ایک مثبت نقطہ نظر پیش کیا اور زور بیان سے گلیوں، بازاروں، عمارتوں اور کلبوں کے رنگین نظارے دکھائے۔ میں نے اسے سوز و گداز کے قصے سنائے لیکن وہ اپنی جگہ جمی رہی۔ اس نے میرے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کی لیکن اس کا سرد رویہ اور اجنبی انداز ہی میرے لیے سوہان روح تھا۔ کبھی اس کی ...راہٹ سے گمان ہوتا تھا کہ اس نے اپنے فیصلے پر نظرثانی کر لی ہے۔ میں اسے جھنجوڑ جھنجوڑ دیتا۔ ...اسے ساتھ لے چلنے کے لئے مصر تھی اور اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر بار بار اسے آمادہ کرتی ...میں جب کٹیا سے باہر آ جاتا تو انکا میرے سر پر آ جاتی اور مایوسی سے سر ہلانے لگتی۔

ایک ایک دن وحشت میں گزر رہا تھا۔ میں کلدیپ کی رائے نہیں بدل سکتا تھا۔ وہ اب ایک ایسے ...پہنچ گئی تھی جہاں سے اس کی واپسی ناممکن تھی۔ اس کے قلب میں انقلاب آ چکا تھا۔ میں پہلی مرتبہ

ہی مایوس ہو جاتا لیکن نیچے اترنے سے انکار کے باوجود اس نے میری پذیرائی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ یوں وہ وہی تھی، جسے میں پہلے چھوڑ گیا تھا۔ وہی انداز، وہی وارفتگی، وہی میرا خیال، وہی میرا تذکرہ۔ اگر وہ میرے ساتھ جانے پر رضامند ہو جاتی تو یہ تمام محبتیں اس وقت اپنا اثر کھو دیتیں۔ میری بے تابی پر وہ مسکرا کے خاموش ہو جاتی یا مجھے دوش دینے لگتی۔ ایک دن میں قطعی مایوس ہو گیا۔ آخری بار میں نے اس سے کہا۔ ”میرا خیال ہے، اب مجھے یہاں سے واپس جانا چاہئے۔“

”نہیں تم یہاں ٹھہرو۔“ اس نے سادگی سے جواب دیا۔

”کیا فائدہ! مجھے بدری نرائن کو تلاش کرنا ہے اور اس کی موت کے بعد خود کہیں منہ چھپانا ہے۔ تزئین کی شادی ہو جائے گی پھر میرا پُرسان حال کون ہوگا؟“

”میں تمہاری خبر رکھوں گی۔“

”تم!“ میں نے ایک بار اور کوشش کی۔ ”کلدیپ! چلو نا، ذرا نیچے اتر کے تو دیکھو۔“

”جمیل...... اس وقت تم یہاں سے چلے جاؤ اور تزئین کی شادی کے فرض سے جلد از جلد سبکدوش ہو جاؤ پھر تم سکون قلب سے کوئی فیصلہ کر سکو گے۔ تزئین کی شادی سے پہلے بدری نرائن کے تعاقب میں مت روانہ ہونا۔“

”پتا نہیں کیا ہو؟“ میں نے مایوسی سے کہا۔

میں نے کلدیپ کے ساتھ بہت سر پھوڑا پھر تھک کر اپنے ہونٹ سی لیے اور کچھ کہنا ہی چھوڑ دیا۔ میرے اس رویے پر اس نے کسی جذبے کا اظہار نہیں کیا۔ وہ اسی طرح میری پرستش کرتی رہی۔ پھر میں نے طے کر لیا کہ میں تزئین کا پہاڑ سر سے اتار دوں اور کلدیپ کی جدائی کا پہاڑ دل پر رکھوں۔ میں نے تزئین کو ساتھ لے کر واپس جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔

رخصت ہوتے وقت تزئین، کلدیپ سے لپٹ لپٹ کے رو رہی تھی۔ میں دور کھڑا رہا۔ میری کیفیت صرف انکا محسوس کر رہی تھی۔ وہ میرے شانوں پر بیٹھی رخصتی کے اس منظر سے بری طرح متاثر تھی۔ میں نے پہلی بار مہان شکتی کی مالک، پریتم لال کے استھان کی جانشین کلدیپ کی آنکھوں میں آنسو لرزتے دیکھے، مجھے معلوم نہیں کہ اس کا پیمانہ، صبر تزئین کی جدائی پر چھلک پڑا تھا یا اسے مجھ سے کسی ربط کا خیال آ گیا تھا۔

میں نے آخری وقت اسے نظر بھر کے دیکھا بھی نہیں۔ اب دیکھنے کو کیا رہ گیا تھا؟

☆......☆......☆......☆

گلبرگے میں رکن الدین کی حویلی تزئین کے اضافے کے بعد اور پُر رونق بن گئی۔ تزئین نے تہذیب و شائستگی کی تعلیم وہاں سیکھی تھی جہاں ایک زمانے میں شرفا اپنی اولاد کو نشست و برخاست کے

سکھانے کے لئے بھیجا کرتے تھے۔ سید غوث کو تزئین کے حسن و جمال کا اندازہ نہیں تھا۔ وہ رکن الدین کی حویلی کی تمام لڑکیوں میں یکتا تھی۔ جب اس نے غرارہ پہنا، جب اس نے چھوٹی موری کا پاجامہ پہنا اور گلے میں دوبل کا دوپٹہ ڈالا تو دیکھنے والے دیکھتے رہ گئے۔ ناہید، پریم، مالا اور تزئین ایک جگہ بیٹھی ہوتیں تو ان کی شوخیاں، شرارتیں دیکھنے کے لائق ہوتیں۔ سید غوث، تزئین کی وجہ سے مردانے میں رہتا تھا۔ رکن الدین کے سوا میں نے کسی کو یہ نہیں بتایا کہ سید غوث اور تزئین کا رشتہ ذہن میں ہے۔

آنندلال کا جاپ ختم ہونے میں چند دن رہ گئے تھے، ادھر میں نے چچا جان کو تار دے دیا تھا کہ بہن بھائیوں کے ساتھ گلبرگہ آ جائیں۔ میں نے رکن الدین سے اجازت لے لی تھی کہ میں جہاں رشتہ طے کروں گا اسے اعتراض نہیں ہوگا۔ پھر میں نے انکا کو بمبئی میں مقیم پارسی نوجوان سہراب کے پاس بھیجا کہ وہ پریم کے بارے میں اس کا عندیہ لے اور اگر ممکن ہو تو اسے پریم کے لئے ہموار کرے۔ انکا کا وجود فاصلوں سے بے نیاز تھا، وہ چھلاوا تھی چنانچہ ایک ہی دن میں سہراب کے دل میں پریم کے آ گئی۔ پریم اس سے ایک عرصے سے نہیں ملی تھی۔ گلبرگے آتے وقت بھی اس نے سہراب کو مطلع نہیں کیا تھا۔ اسے انکا کی کرشمہ سازی کہئے کہ دوسرے دن سہراب رکن الدین کی حویلی کا پتا پوچھتا آیا اور پریم کو وہاں دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ میں نے اس نوجوان سے بات کی۔ وہ ایک مہذب اور آسودہ گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ ڈاکٹر سکینہ اور رکن الدین میری کوئی بات مسترد نہیں کر سکتے تھے۔ ڈاکٹر سہراب سے پریم کی شادی کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ تیسرے دن چچا جان بھی اپنے مختصر خاندان سمیت آ گئے اور میں نے اپنے چچا زاد بھائی کے لئے ناہید کا رشتہ مانگ لیا۔ چچا جان نے ذرا تذبذب کا اظہار کیا لیکن وہ بھی ناہید کی صورت، عادت اور رکن الدین کی حویلی کا تزک و احتشام دیکھ کر تیار ہو گئے۔

پانچویں دن آنندلال کا جاپ ختم ہو رہا تھا۔ میں اور سید غوث اس کے استقبال کو گلبرگہ شہر سے دور اس ویران جگہ پہنچے۔ آنند دم سادھے بیٹھا تھا۔ میں سورج غروب ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ سورج غروب ہوتے وقت انکا بیزاری اور اکتاہٹ کے ساتھ میرے سر سے یہ کہتی ہوئی رینگ گئی۔ ”جمیل!! وقت آ گیا، مجھے یقین ہے، آنندلال مجھے فوراً تمہارے حوالے کر دے گا۔ ذرا سی دیر کی جدائی ہے۔“

”جاؤ، جاؤ۔“ میں نے اعتماد سے کہا۔ ”وہ بھی اپنا ہی سر ہے۔“

سورج کی آخری کرن کے بعد میں نے منڈل کے اندر جھانک کر دیکھا۔ آنندلال جاپ کے آخری مرحلے میں لرز کر اٹھا اور اپنا سر ٹٹولتے ہوئے چلایا۔ ”یہ تم ہو انکا دیوی! جمیل احمد خان مہاراج

کیسے ہیں؟"

انکا نے میرے بارے میں بتایا ہوگا۔ آنندلال نے دفعتاً مڑ کر دیکھا اور وہیں سے سرپٹ بھاگتا ہوا میرے پاس آیا۔ "میں نے انکا حاصل کر لی ہے۔" وہ اچھل کر بولا۔ "بھگوان جانتا ہے کہ میں نے یہ جاپ تمہارے لیے کیا ہے۔"

میں اس وقت آنندلال کو یہ بتانا نہیں چاہتا تھا کہ انکا چالیس دن پہلے ہی میرے پاس آ چکی تھی جب میں نے ہرچرن کو مار دیا تھا۔ میں نے احسان مندی کے جذبے سے اس کی پشت تھپتھپائی۔ پھر ہم تینوں گلبرگہ شہر کی حدود میں داخل ہو گئے۔

"میرے سر پر ایک بوجھ ہے مہاراج! آپ اس بوجھ کے عادی ہیں۔ اسے میری طرف سے اپنے سیوک کا دان سمجھئے۔ میں انکا کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں۔" آنندلال نے چلتے چلتے نیازمندی سے کہا۔

"رہنے دو آنندلال! انکا تمہارے پاس ہے تو گویا میرے پاس ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"مہاراج! اسے میری طرف سے سویکار کیجئے۔ میں انکا سے دستبردار ہوتا ہوں۔" پھر اس نے انکا سے کہا۔ "میں نے تمہیں آزاد کیا اور جمیل احمد خان کو دان کیا۔ تم آج سے ان کے اشاروں پر چلا کرو گی۔"

انکا فوراً میرے سر پر آ گئی۔ میں نے اسے سید غوث کے پاس بھیج دیا کیوں کہ وہ انکا سے بہت لطف لیتا تھا۔ میں آنندلال کو بھی رکن الدین کی حویلی میں لے آیا اور وہ اس شب ہماری محفل میں اس طرح شریک ہوا جیسے وہ کوئی گیانی دھیانی پنڈت نہیں ہے بلکہ ایک عام آدمی ہے۔ آنندلال کے جسم پر صرف ایک لنگوٹی تھی۔ میں نے رکن الدین سے کہہ کے اس کے لئے لباس منگوایا۔ رات کا کھانا ہم سب نے ساتھ کھایا۔ پارسی نوجوان سہراب بھی ہمارے ساتھ تھا۔ رکن الدین کی حویلی کسی جشن کا منظر پیش کر رہی تھی۔ جب اتنے بہت سے لوگ فرش پر کھانے کے لئے بیٹھے تو رکن الدین کے پُرمسرت چہرے کی حالت دیدنی تھی۔ وہ میرے مہمانوں کی گراں باری خندہ پیشانی سے جھیل رہا تھا۔ مجھے فکر اور تردد کی لکیر اس کے ماتھے پر نظر نہیں آئی۔ چچا جان، میری بہنیں اور بھائی، پریم کے والد، پریم، سہراب، سید غوث، مالا، آنندلال، رکن الدین کا خاندان، اچھی خاصی بستی آباد ہو گئی تھی۔ صرف میرا دل آباد نہیں تھا۔

میں اپنی داستان اور مختصر کرتا ہوں۔ وہ فروری کا مہینہ تھا، گلابی جاڑوں کا موسم۔ یوں بھی جنوب کے موسموں میں شدت نہیں ہوتی۔ فروری کے وسط میں، میں نے ایک ساتھ چار شادیوں کا اعلان کیا۔ یہ مہلت صرف ایک ہفتے کی تھی۔ آنندلال میرے اعلان پر ہکا بکا رہ گیا۔ میں نے کہا کہ مالا، آنندلال

یم، سہراب سے۔ تزئین، سید غوث اور جمیلہ (ناہید) میرے چچازاد بھائی سے منسوب کر دی گئی
ان کی شادیاں چودھویں کی رات ۱۵ فروری کو رکن الدین کی حویلی میں ہوں گی اور شادی کے بعد
اپنی بہو جمیلہ کو لکھنو لے جائیں گے، پریم سہراب کے ساتھ بمبئی چلی جائے گی۔ سید غوث کی
منحصر ہے کہ وہ گلبرگہ میں رہے یا حیدر آباد میں یا پریم کے گھر میں یا پھر آنندلال اور مالا کے گھر،
گھر موجود ہیں۔

میرا اعلان سن کے انکا نے میرے سر پر اچھل کے تالیاں بجائیں۔ میں نے تخلیے میں رکن الدین
دی کے اخراجات کے معاملے میں بات کرنی چاہی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ رکن الدین نے یہ بات
ھنے ہی نہیں دی۔ صاف صاف انکار کر دیا۔ اس نے ناگواری سے کہا۔ "خان صاحب! چاروں
بچیاں ہیں، میں ہی ان کے جہیز کا انتظام کروں گا۔"

میں شادیوں میں سادگی کا قائل تھا لیکن رکن الدین دھوم دھام سے انہیں رخصت کرنے کی فکر
۔ رکن الدین کے اس احسان عظیم کا بدلہ میں نے کسی اور طرح اتارنے کا فیصلہ کر لیا اور تنگ آ کر
ے کہا۔ "بھائی جس طرح چاہو کرو۔"

دوسری صبح زور و شور سے شادیوں کی تیاریاں ہونے لگیں۔ سہراب اپنی برات لانے کے لئے بمبئی
۔ سنار بلوائے گئے اور ایک ساتھ تمام زیورات کے چار چار سیٹ تیار کرائے گئے، ملبوسات، فرنیچر
نہ داری کی ہر چیز میں رکن الدین نے یکسانی کا خیال رکھا تھا۔ لڑکیاں اب زنان خانے میں بند
تھا۔ روزانہ کوئی نہ کوئی رسم ادا ہوتی تھی، باجے، گاجے، گیت۔ میں ان رسوم اور شادی کی تیاریوں
ری طرح اپنا اشتیاق ظاہر کر رہا تھا لیکن کسی کو معلوم نہیں تھا کہ میرے جسم میں کیسی آگ لگ رہی
البتہ سید غوث کچھ کچھ جانتا تھا اور کرید کرید کر میرے زخم بھرنے کی کوشش کرتا تھا۔ ادھر کلدیپ
میں بیٹھی جاپ کر رہی ہوگی ادھر تزئین کے ہاتھوں پر مہندی لگ رہی ہے۔ وہ پہاڑی پر اکیلی
یہاں ہر سمت، ہر جہت ایک دنیا آباد ہے۔

آنندلال کا بھی دنیا میں کوئی نہیں تھا۔ اس کی طرف سے تمام انتظامات رکن الدین اور سید غوث کر
تے، عجیب چہل پہل تھی۔ شادی کی تیاریوں میں روز و شب اڑے جا رہے تھے۔ معلوم ہی نہیں
ا کہ کب صبح ہوئی، کب شام بس وہ سعد ساعتیں چپکے سے آ گئیں جب رکن الدین کی حویلی
میں نہا گئی اور گیتوں کی لَے میں سوز کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ مجھے اپنی زندگی کا ایک باب بند ہوتا
انکا کے لئے یہ تمام ہنگامے بے پناہ دلچسپی کا باعث تھے، بار بار میرے سر سے اتر جاتی تھی اور
پھدکتی پھرتی تھی۔ کبھی گیت سن رہی ہے، کبھی ملبوسات پر نظریں جمائے ہوئے ہے اور کبھی
پر جھکی ہوئی ہے۔ پریم کے سر پر جا کر اس سے شوخیاں کرنا اور سید غوث کے سر پر ناچنا اس کا کام

رہ گیا تھا۔ انکا کا پُراسرار وجود جو ہر ماہ انسانی خون کی غذا طلب کرتا تھا، انسانوں کی خوشیوں میں اس طرح شریک تھا جیسے وہ انہی میں سے ایک ہو۔

میں بھی ان دنوں خود کو بدلا بدلا محسوس کرتا تھا۔ میں نے سید کی تلاش میں گلی کوچوں کا رخ بھی نہیں کیا۔ نہ میں نے ارتکاز میں کوئی لمحہ کھپایا۔ میں ان دنوں مسلسل جاگتا رہا اور زندگی کو قریب سے دیکھتا زندگی جو مجھ سے روٹھ گئی تھی اور جسے بدری نرائن نے مجھ سے چھین لیا تھا۔ بس ایک ہی بوجھ اتار رہا تھا۔

اس دن رکن الدین کی حویلی میں چار دولہا اور چار دلہنیں سجیں۔ پریم کی شادی دو طریقوں سے انجام پائی۔ پہلے ہندو طریقے سے، پھر بمبئی پہنچ کے پارسی طریقے سے۔ آنند لال اور مالا کو منڈپ میں بٹھایا گیا اور ہندو پنڈتوں نے ان کے پھیرے لگوائے، پھر ناہید کا نکاح ہوا اور سب سے بعد میں تزئین کا نکاح پڑھایا گیا اسی شب رکن الدین نے ایک شاندار ضیافت کا اہتمام کیا اور میں نے پریم، مالا تزئین اور جمیلہ کو گلے لگا لگا کر رخصت کیا۔ رکن الدین کی حویلی کے مختلف کمرے حجلہ ہائے عروسی کے طور پر سجا دیے گئے تھے۔ یہ ایک دلخراش اور جاں کاہ منظر تھا۔ میں اس رات حویلی میں نہیں سویا۔ باہر نکل اور گلبرگہ کی گلیوں میں بے مقصد گھومتا رہا۔ حضرت گیسو درازؒ کی درگاہ قریب ہی تھی۔ دل چاہا وہاں جاؤں۔ پھر سوچا کسی کا ہاتھ تھامے بغیر کیسے جاؤں؟ ستانے کے لئے ایک جگہ بیٹھ گیا، آج تھکن احساس کچھ سوا ہو گیا تھا۔

میں بیٹھے بیٹھے ماضی میں پہنچ گیا اور اس وقت چونکا جب کسی نے میری پشت پر لاٹھی سے ضرب لگائی۔ میں کراہ کر اٹھا۔ میرے سامنے سید مجذوب کھڑا تھا۔ میں نے اس بار کسی تجسس اور تڑپ کا اظہار نہیں کیا۔ صرف سر جھکا لیا۔

''کیا سوچتا ہے دیوانے؟'' سید نے ہنکاری بھری۔

''کچھ نہیں سوچتا ہوں، اب کیا رہ گیا ہے؟'' میں نے آہستگی سے کہا۔

''ورزش کر اور دوبارہ دوڑ لگا۔'' سید نے قہقہہ لگایا۔

''اب پیروں میں دم نہیں رہا، برف جم گئی ہے۔''

''انگیٹھی جلا اور شعلوں کے سامنے ناچا کر۔''

''مجھے پریشان کیوں کرتے ہو؟'' میں نے سرد مہری سے کہا۔ ''منزلیں کھو گئی ہیں، تم ملتے ہو تو تنگ کر دیتے ہو، یہ کیا مذاق ہے؟''

''ڈگڈگی بجا، جنتر منتر، چھو منتر، کوٹھے پر چڑھ جا۔ نیچے طغیانی ہے، مسخرے اس وقت اور مزہ آئے گا۔'' سید نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''جاؤ۔ اپنا راستہ سنبھالو۔ میرا کھیل ختم ہونے کو ہے۔''

''ابھی تو شروع ہوا ہے گندم کے محتاج! جسم کا برتن مانجھ۔''

''برتن ٹوٹ گیا ہے۔'' میں نے بے دلی سے کہا۔

''قلابازی کھا۔ ڈال ڈال، پات پات۔'' سید مجذوب اس طرح کے معنی خیز جملے ادا کرتا رہا۔ آخر نے کچھ پوچھنا ہی بند کر دیا۔ میں سر جھکائے سید کے جانے کا منتظر رہا۔ آج سید کی باتیں بھی مجھے ی رہی تھیں۔ رات ڈھل رہی تھی۔ سید میرے خاموش ہوتے ہی چلا گیا۔ وہ چلتے چلتے کہہ گیا تھا۔ میں سردے کے الٹا کھڑا ہو جا، یا ہو، یا حق۔''

اس کے جانے کے بعد میں ڈگمگاتا ہوا اٹھا اور زمین پر گرتے گرتے بچا۔ میری ساری توانائی جیسے ہو گئی تھی۔ میں نے بہ مشکل خود کو چلایا اور لڑھکتا ہوا رکن الدین کی حویلی میں داخل ہو گیا۔ حویلی کی یاں بجھ چکی تھیں۔ میں اپنے کمرے میں جا کر بے سدھ پڑ گیا۔ انکا شام ہی سے میرے سر پر نہیں

تیسرے دن رکن الدین کی بھری پُری حویلی اجاڑ ہو گئی۔ تزئین، سید غوث، پریم، سہراب، آنند ر مالا بمبئی روانہ ہو گئے اور چچا جان اپنی بہو اور بیٹے کے ساتھ لکھنؤ چلے گئے۔ سب نے مجھے ساتھ کے لئے مجبور کیا لیکن میں رکن الدین کی حویلی ہی میں ٹھہرا رہا۔ حویلی کے در و بام رو رہے تھے۔ رکن ن کا ہمیشہ مسکراتا ہوا چہرہ بھی اداس ہو گیا تھا۔ یہ لوگ چلے گئے تو میں اپنے کمرے میں گوشہ نشین اب رکن الدین کی حویلی کی طرح میرا دل بھی ویران تھا۔ انکا موجود تھی لیکن میری حالت دیکھ کر وہ خاموش تھی۔

میں کوئی ایک ہفتے تک کسمپرسی کے عالم میں گرفتار رہا اور پھر ایک رات رکن الدین سے کچھ کہے رگہ سے روانہ ہو گیا۔ میں اگر رکن الدین سے کہتا تو وہ مجھے کبھی اجازت نہ دیتا۔ کسی نہ کسی طرح ال لیتا۔

میری منزل کہاں تھی، میری کوئی منزل نہیں تھی۔ میرے سر پر انکا تھی۔ میرے اردگرد زندگی تھی۔ ری تربیت اور اپنی ریاضت اور اپنے ارتکاز کے سبب ایک غیر معمولی آدمی تھا۔ میں نے انکا سے

''کچھ بتاؤ تو بدری نرائن کہاں ہے؟''

''الہ آباد میں ہے۔'' اس نے کہا۔

میں الہ آباد کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں انکا نے مجھ سے کہا۔ ''اب اس طرف جانا بے کار بنارس چلا گیا ہے۔''

میں بنارس کی طرف چل پڑا۔ بنارس پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ وہ پٹنے کی طرف فرار ہو گیا۔ میں پٹنہ

کی طرف چلا گیا۔ پھر لکھنؤ آ گیا اور لکھنؤ آیا تو میری نظر نواب بن علی کی بڑی حویلی کی طرف اٹھ گئی جہاں زرافشاں اور درخشاں رہتی تھیں۔

نواب بن علی کی حویلی اجڑ چکی تھی۔

اب وہاں نہ دربانوں کی بھیڑ تھی اور نہ امارت وحشمت کے نظارے۔ وہ ایک اداس حویلی تھی۔ دیواروں کا پلاستر جگہ جگہ سے ادھڑ چکا تھا اور برجیوں کے کلس زنگ آلود ہو چکے تھے۔ سارا باغ خشک ہو چکا تھا۔ ہر طرف ویرانی تھی۔ میرے قدم خود بخود حویلی کی جانب اٹھ گئے۔

انکا نے میرے سر پر کسمسانا شروع کر دیا۔ وہ کچھ بے چین سی نظر آ رہی تھی۔ ''تم کہاں جانا چاہتے ہو؟'' اس نے اضطراب سے پوچھا۔

''یہ جگہ پہچانتی ہو، یہ بن علی کی جاگیر ہے۔ اسے دیکھ کر گزرے ہوئے دن یاد آ رہے ہیں۔ تم نے ایک بار بتایا تھا کہ بن علی کی بہنیں زرافشاں اور درخشاں بے حد حسین ہیں۔''

''مجھے سب کچھ یاد ہے لیکن تمہارا مقصد محض گزرے ہوئے دن یاد کرنا ہے تو ٹھیک ہے لیکن اگر اندر جانے کا ارادہ ہے تو اپنا ارادہ بدل دو۔ اندر وہی لوگ موجود ہیں جنہوں نے پہلے بھی تمہارا راستہ روکا تھا۔''

''کون؟'' میں نے کچھ یاد کرتے ہوئے کہا۔ ''ارے وہ جن! ہاں یاد آیا۔ اس نے میرا راستہ روک دیا تھا اور تم نے بھی منع کیا تھا کہ آگے جانے کے بجائے واپسی بہتر ہے۔''

''وہ اب بھی وہیں ہے اور اب بھی صورت حال میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔'' انکا نے تشویش سے کہا۔ ''اب بات دوسری ہے، جب جھگڑے چکانے کا وقت آیا ہے تو یہ معاملہ ادھورا کیوں چھوڑا جائے ہمیشہ سینے پر بار رہے گا۔ اس عاشق سے، جن سے ملاقات ہو جائے گی اور زرافشاں اور درخشاں کو دیکھنے کا موقع بھی مل جائے گا۔''

''میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گی۔''

''کیوں؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟''

''تمہارے لیے اس میں خطرے نظر آتے ہیں۔ آخر تم دوبارہ ان چکروں میں کہاں پڑ گئے؟ بن علی نے اپنے کیے کی سزا پا لی ہے، تم اشارہ کرو تو میں دنیا بھر کی حسین ترین لڑکیاں تمہارے قدموں میں ڈال دوں۔ زرافشاں اور درخشاں کا خیال چھوڑ دو تو بہتر ہے۔''

''تم مجھے منع کر کے اور زیادہ اکسا رہی ہو۔''

''بدری نرائن لکھنؤ سے فرار ہو کر پونا پہنچ گیا ہے۔ تمہیں اس کا تعاقب کرنا ہے۔ جب تک تم ان سے نمٹ نہیں لوگے، کوئی فیصلہ صحیح نہیں کر سکو گے۔ کبھی میرا کہنا بھی مان لیا کرو، آگے بڑھنے کا خیال چھوڑ

''کیا تم سمجھتی وہ شہزادہ اب بھی مجھ پر حاوی آ جائے گا؟''

''تم میری نظر میں خود ایک شہزادے ہو لیکن جمیل! جھگڑے کا ایک لمبا سلسلہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہیں مزید الجھنے کے بجائے سکون کی ضرورت ہے۔'' انکا نے میرے سر پر اپنے پنجے چبھوتے کہا۔ ''وہ لڑکیاں مظلوم ہیں، انہوں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟''

''اخلاق کا درس تم دے رہی ہو؟'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''انسانوں کے خون پر زندہ رہنے والا ایک بلا۔''

''میں تمہیں اندر جانے سے روکنا چاہتی ہوں۔''

''میں اندر جانا چاہتا ہوں مجھے کسی کا خوف نہیں ہے۔ خوف میری ضد ہے۔'' میں نے حویلی کے دروازے کی جانب جاتے ہوئے کہا۔

''میرا مشورہ یہی ہے، آگے تمہاری مرضی۔''

''تم کیوں گھبراتی ہو؟ ایسے کھیل تماشے تو تمہارے لیے دلچسپی کا سبب رہے ہیں، تم خاموش بیٹھی ''

''آگے کا راستہ بند ملے گا۔''

میں حویلی میں داخل ہو گیا۔ اب وہاں ملازموں کی وہ فوج نہیں تھی جو ایک زمانے میں نظر آتی حویلی اندر سے اور بھی شکستہ ہو گئی تھی۔ مجھے دور تک کسی نے نہیں روکا حالانکہ دو چار ملازموں نے ت سے دیکھا۔ انکا کی نظریں در و بام پر پھسل رہی تھیں۔ میں حویلی کا احاطہ عبور کر کے بے جھجک ت میں داخل ہو گیا بڑے ہال میں بھی ویرانی تھی۔ کبھی یہ کمرا جھاڑ فانوس اور قالین سے مرصع تھا۔ ل پر کوئی نہیں رہتا تھا۔ تمام کمروں کے تالے بند تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ ان کی کھڑکیاں، عرصے نہیں۔ سیڑھیاں چڑھنے سے پہلے مجھے دو ایک ملازموں نے ٹوکا ضرور لیکن وہ مجھے روکنے میں ب نہ ہو سکے۔ انہیں ہموار کرنا میرے لیے کوئی مشکل مرحلہ نہیں تھا۔ میں ان چھوٹے موٹے سے گریز کرتا ہوں۔ سیڑھیاں عبور کر کے میں غلام گردش میں آ گیا۔ یہاں کی سجاوٹ زندگی کے نشاندہی کر رہی تھی۔ میں نے ایک ایسے کمرے میں جھانکنا شروع کیا، ایک کمرا اوپر واقع تھا سے نسوانی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں نے اوپر چڑھنا شروع کیا لیکن حسب سابق کسی نے میرا ک لیا اور اپنا سرد ہاتھ میرے کاندھے پر رکھ دیا۔ مجھے جیسے مجہول شخص نے بجلی کی سی تیزی سے پنا توازن برقرار کیا اور پلٹ کے دیکھا لیکن غلام گردش بدستور سنسان تھی۔ ابھی میں اپنی خفیہ زمانے کا ارادہ کر رہا تھا کہ ایک مانوس آواز میرے کانوں میں گونجی۔ ''آپ پھر آ گئے۔''

"کون ہے؟ سامنے تو آیئے، کیا وہی محافظ خاص ہیں؟" میں نے طنزاً پوچھا۔ "اس بار میرا خیال ہے نظر ثانی کرنا پڑے گی۔"

"جس راستے سے آپ اوپر تشریف لائے ہیں، ازراہ کرم اسی راستے سے خاموشی کے ساتھ واپس چلے جایئے۔" آواز میرے نزدیک ہی تھی۔

"جمیل!" انکا نے سرگوشی کی۔ "واپس چلو، خواہ مخواہ مت الجھو۔"

"میں واپس بھی جاؤں گا لیکن اس طرح نہیں جیسے پہلے گیا تھا۔" میں نے نادیدہ آواز کو مخاطب کیا۔ "بہتر ہے تم ہی راستہ چھوڑ دو۔"

"آپ کو ندامت ہوگی۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ آپ میں خاصا فرق ہو گیا ہے لیکن ہم یہاں کے محافظ ہیں۔" اس نے شائستگی سے کہا۔ "ہماری درخواست ہے آپ واپس چلے جایئے۔"

"سامنے تو آیئے۔ یہ پردہ داری کیوں؟"

میں نے بائیں جانب گھوم کر دیکھا۔ مجھے وہاں ایک سایہ نظر آیا۔ ایک مرد کا سایہ جو دیکھتے دیکھتے ایک حسین و جمیل مرد کی صورت میں واضح ہو گیا۔ اس کے انداز میں شاہانہ جلال تھا۔ قدیم طرز کے لباس میں وہ بڑا پُروقار معلوم ہو رہا تھا۔ میں اسے ایک بار پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ وہ جن تھا، وہ جن جو بن علی کی بہنوں پر سایہ کیے ہوئے تھا۔ میرے اندر کا خوابیدہ شخص بیدار ہو گیا جو بڑا سرکش اور ضدی ہے۔ میں نے نوجوان جن کا بہ نظر غائر جائزہ لیا۔

"ہماری ملاقات پہلے بھی ہو چکی ہے۔" وہ تمکنت سے بولا۔ "اس وقت بھی ہم نے آپ سے درخواست کی تھی کہ ہمیں بن علی سے کوئی سروکار نہیں۔ اس نے آپ کے ساتھ ظلم کیا تھا۔ آپ نے اس کا بدلہ لے لیا لیکن زرافشاں، درخشاں آپ کے کسی معاملے میں ملوث نہیں ہیں۔ آپ ان سے دور رہیں تو مناسب ہوگا۔"

"مجھے ان سے صرف ملنے کی آرزو ہے۔ مجھے مہمان سمجھو۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "مہمانوں کے ساتھ بدسلوکی گناہ ہے۔"

"ہمیں افسوس ہے آپ زنان خانے میں تشریف نہ لے جاسکیں گے۔ نچلی منزل خالی ہے۔ اگر آپ کا مقصد قیام کرنا ہے تو بسر و چشم، بے تکلف نچلی منزل استعمال کیجیے۔ ہم آپ کی خاطر مدارات میں کوئی کمی نہیں کریں گے۔"

"جمیل!" انکا نے مجھے ٹہوکا دیا۔ "تم بات بڑھا رہے ہو۔ جن اپنی برادری کے ساتھ رہتے ہیں، اسے تنہا نہ سمجھنا۔"

"آپ کو صحیح مشورہ دیا جا رہا ہے۔" نوجوان جن نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ صاحب کمال

یہ آپ کا منصب نہیں ہے۔"

"میں تمہارا نام پوچھ سکتا ہوں، تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"بصد شوق۔ رحیق۔" اس نے مہذب لہجے میں جواب دیا۔

"رحیق! مجھے نہیں معلوم تم جنوں کی کون سی برادری سے تعلق رکھتے ہو مگر تم کوئی پارسا جن نہیں ہو ... جوان لڑکیوں کے لیے اتنے بے چین نہ ہوتے۔" پھر میں نے پینترا بدل کر کہا۔ "میرا خیال ہے ... ن ہونے کی حیثیت سے تم میرے بارے میں بہت سی باتیں جانتے ہوگے کیونکہ تمہارا ادراک ... کی فہم سے قوی ہوتا ہے۔ میں بظاہر ایک انسان ہوں مگر میرے ساتھ کچھ اور خصوصیات بھی ہیں، مجھے غور سے دیکھو۔"

"ہمیں افسوس ہے، ہم آخر وقت تک مزاحم ہوتے رہیں گے۔"

"اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر لو۔ میرے اندر شدت پیدا مت کرو۔"

"خواہ کچھ ہو، ہم مجبور ہیں۔"

"زرافشاں اور درخشاں کا تعلق ہم انسانوں سے ہے۔ تم کیوں درمیان میں ٹانگ اڑاتے ہو؟" ... اس بار درشتی سے کہا۔

"ہمارا ان کا تعلق بہت پرانا ہے، آپ یہ بات سمجھنے کی کوشش کیجیے اور ازراہ کرم سوال و جواب سے ... کیجیے۔ جو درخواست کی جا رہی ہے، اس پر توجہ دیجیے۔" جن کے لہجے میں بھی سختی آ گئی۔

"تمہیں یاد ہوگا، میں نے اپنی ابتدائی ملاقات میں کہا تھا کہ ہماری ملاقات دوبارہ ہوگی، سو میں ... ال۔ میرے عزائم اتنے سخت نہیں تھے لیکن تم نے مجھے مشتعل کر دیا۔" میں نے غصے سے کہا۔

"آپ ماحول ناخوش گوار بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں مجبوراً آپ کے ساتھ الجھنا پڑے گا۔" رحیق ... ے پر تناؤ پیدا ہو گیا۔

"مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔" میں نے بے پروائی سے کہا پھر کمرے کا بند دروازہ ہاتھ کے اشارے ... چاہا لیکن اسی لمحے رحیق نے دور کھڑے کھڑے اپنا ہاتھ دراز کر کے میری کلائی پر اپنی گرفت ... ئے کہا۔ "ہم آپ کو آخری بار تنبیہہ کرتے ہیں۔ یہاں سے چپ چاپ واپس چلے جایئے۔"

... تا ہے رحیق کی شائستہ باتوں سے میں کوئی اور فیصلہ کر لیتا لیکن جب اس نے میری کلائی پر ... مجھے اپنا ہوش نہ رہا۔ مجھے شدید توہین کا احساس ہوا۔ میں نے جسم کی تمام قوت سمیٹ کر ... کھینچ لی اور شعلہ بار نظروں سے اسے دیکھا۔ رحیق نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، جیسے ... جھٹکا لگ گیا ہو۔ اس کی آنکھوں میں چنگاریاں سی ابھریں۔ "رحیق! وہ زمانہ اور تھا۔ گرتی ... کے نیچے مت آؤ ورنہ کچلے جاؤ گے۔" میں نے کرخت لہجے میں کہا۔

انکا خاموش تماشائی کی حیثیت سے میرے سر پر کروٹیں بدل رہی تھی۔ رحیق اپنا ہاتھ مسل رہا تھا۔ میں نے اس کا جسم اپنے بازوؤں میں لینا چاہا تو وہ اچانک میری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ پھر دوسرے ہی لمحے میں نے دو نادیدہ ہاتھ اپنی گردن پر محسوس کیے جو میرا گلا دبانے کے لئے اپنا حلقہ تنگ کر رہے تھے۔ میں نے فوری طور پر حرکت کی، ایک کراہ کے ساتھ مجھے نادیدہ ہاتھوں سے نجات مل گئی۔ لیکن اب میرا غصہ شباب پر تھا۔ میں کافی دنوں سے بدری نرائن کا تعاقب کرتے کرتے جھنجلایا ہوا تھا۔ آگے بڑھ کر میں نے بند دروازے پر لات رسید کی اور تیزی سے دروازہ دوبارہ بند کرلیا۔ اندر کمرے میں دو حسین اور سہمے ہوئے چہرے تھے جن کے بدن سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے، وہ حسن کے عجیب پیکر تھے۔ یہ زرافشاں اور درخشاں تھیں۔ خوف زدگی میں وہ اور حسین لگ رہی تھیں۔ ایک نامحرم کو اپنے کمرے میں دیکھ کر وہ سسک پڑیں۔

میری آنکھیں ان کے حسن و جمال کی ضیا پاشی سے خیرہ ہوگئی تھیں۔ انکا بھی انہیں پرکھ رہی تھی۔ دفعتاً رحیق نے میرے منہ پر ایک زور کا طمانچہ رسید کیا۔ ساتھ ہی اس کی سخت آواز گونجی۔ ''یہ گستاخ نظریں نیچی کر لیجئے جمیل احمد خان صاحب! دیکھئے ہم آپ سے کہے دیتے ہیں، مان جائیے۔ ہم یہ آنکھیں پھوڑ دیں گے۔''

''بزدل!'' میں نے تلملا کر کہا۔ ''مجھے کچھ زیادہ ہی تیرا خیال رکھنا پڑے گا۔ سامنے آ اور اگر نہیں آتا تو یہ مت سمجھ کہ میری آنکھیں صرف اس کمرے کی مادی چیزیں دیکھ سکتی ہیں۔ میں اپنی تمام تر باطنی صفات سے کام نہیں لے رہا ہوں۔''

رحیق از خود سامنے آ گیا۔ اس کا چہرہ کرب اور رنج میں ڈوبا ہوا تھا اور وہ متضاد کیفیتوں میں مبتلا نظر آتا تھا۔ اس نے بنت علی کی ہراساں بہنوں کو ہاتھ کے اشارے سے تسلی دی پھر میری طرف متوجہ ہوکر اس نے اتنی سرعت سے ہاتھ گھمایا کہ میں دھوکا کھا گیا۔ وہ مجھ سے چار گز دور تھا لیکن اس کا ہاتھ اچانک دراز ہوکر اتنی شدت سے میری کنپٹی پر پڑا کہ میں تیورا کر الٹ گیا۔ اس کے سرد ہاتھوں میں فولاد کی سی سختی تھی۔ اس بار مجھے خیال آیا۔ ''جمیل احمد خان! تمہارا مقابلہ ایک جن سے ہے، کسی سادھو یا پنڈت سے نہیں۔'' اتنا مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ اس نوجوان کو اجنہ میں کوئی خاص درجہ یا بڑائی حاصل نہیں ہے تاہم!! ایک جن تھا۔ جنہیں بعض اعتبارات سے فوقیت حاصل ہوتی ہے اور پہلی بار میرا مقابلہ ایک جن سے ہورہا تھا۔ ایک جن جو حسن کے آنگن میں پھن پھیلائے بیٹھا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو جمع کیا۔ میں نے خود کو صرف اس کی طرف مرکوز کر دیا۔ اب میں ایک دیوار تھا، لوہے کی دیوار۔ میں نے خود کو حصار میں لے لیا تھا۔ رحیق نے پھر ہاتھ گھمایا لیکن اس بار اس کا ہاتھ آگے نہ بڑھ سکا، رک گیا۔ میں سنبھل کر تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ رحیق نے حصار کی بندش مضبوط دیکھ کر زور سے میری طرف پھونک ماری۔ وہ پہاڑی تند

...والی پھونک بھی حصار سے ٹکرا کر فضا میں تحلیل ہوگئی۔

''تم نے مدافعت شروع کر دی ہے۔'' وہ شدت سے بولا۔ ''حصار سے باہر نکل کر دیکھو۔ تم یہاں ...کھو کر واپس جاؤ گے۔''

''جمیل! خبردار!'' انکا نے میرے بال پکڑ لیے۔ ''حصار مت توڑنا۔ اس کی باتوں میں مت ...''

''بہتر ہے کہ تو خاموش بیٹھی رہے۔'' رحیق میرے سر کی جانب دیکھ کر چلایا۔ ''جمیل احمد خان! ہم ...پکڑ لیں گے۔''

میں نے احتیاط کے طور پر یہی مناسب سمجھا کہ حصار ہی میں رہوں۔ زرافشاں اور درخشاں ایک ...ے سے لپٹی تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ میں نے وہیں کھڑے کھڑے رحیق کو کمرے سے بے دخل ...نے اور قابو میں کرنے کا عمل شروع کر دیا۔ میں رحیق کو بند کر دینا چاہتا تھا۔ انکا مجھے بتا چکی تھی کہ ...میں اس کے کچھ ساتھی موجود ہیں۔ رحیق کے بچ نکلنے کی صورت میں میرے لیے پریشانی بڑھ سکتی ...اسے زچ کرنے کی صورت میں اس کی پوری برداری کے دوسرے جن بھی محتاط ہو جاتے۔ ایک ...زیر کرنا مشکل کام ہوتا ہے، اس کا اندازہ مجھے پہلے نہیں تھا۔ میں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اسے ...نے کا فیصلہ کیا لیکن ناکامی ہوئی۔ رحیق انکا سے الجھ گیا تھا۔ اچانک وہ فرش پر لرزنے لگا۔ میرا دوسرا ...کارگر ہوا تھا۔ میں نے اس کے گرد بھی حصار قائم کر دیا تھا۔ اب وہ اپنی جگہ سے آگے نہیں بڑھ سکتا ...ہ بے بس ہوگیا تھا، جیسے اسے کسی نے جکڑ لیا ہو۔ غیظ و غضب میں وہ چیخنے لگا۔ ''جمیل احمد خان!'' ...نے غصے سے کہا۔ ''اگر تم نے کسی بے ہودگی کا مظاہرہ کیا تو ہم تمہیں زندگی بھر نہیں چھوڑیں گے۔''

میں نے رحیق کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میں اپنے حصار سے باہر نکل آیا۔ مجھے یقین تھا۔ ...ا نے اپنے عمل کا سلسلہ ختم کیا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ پھر شاید میں اسے اتنی آسانی سے دوبارہ ایک ...بر نہیں رکھ سکتا تھا چنانچہ میں اپنا عمل پڑھتا ہوا آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ سامنے آتش دان پر شیشے کی ...بصورت صراحی میں کوئی شربت رکھا ہوا تھا۔ میں نے سوچا جن کو بوتل میں بند کرنے کا قصہ بہت ...آج اس مشتعل مزاج نوجوان جن کو بند کر دیا جائے لیکن قصے کہانی کی بات آزمانے کا موقع نہیں ...کمرے کا جائزہ لینے لگا، اس بڑے کمرے سے ملحق ایک چھوٹی سی کوٹھری تھی جو اسٹور کے طور پر ...ہوتی تھی۔ اس میں کوئی کھڑکی، کوئی روزن نہیں تھا۔ میں نے انکا کو اشارہ کیا کہ وہ کوٹھری کا جائزہ ...ئے۔ انکا لمحوں میں آ گئی اور اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ میں آہستہ آہستہ رحیق کے حصار کے ...پہنچ گیا اور اچک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ دیدنی سے نادیدنی ہوگیا، البتہ وہ اپنا ...گرفت سے چھڑا نہیں سکا۔ ایک ثانیے میں اس کا ہاتھ سکڑ کر کسی دھاگے کے برابر ہوگیا لیکن

میں نے اسے نہیں چھوڑا میں اسے کھینچ کر کوٹھری کے قریب لے آیا۔ وہ چلا رہا تھا اور متواتر مجھے دھمکیاں دے رہا تھا۔ میں اپنے عمل میں اتنا مصروف تھا کہ میں نے اس کے ہذیان پر کوئی توجہ نہیں دی۔ کوٹھری کے کھلے دروازے سے اسے گزار کر میں خود بھی اندر پہنچ گیا اور اسے وہاں مقید کرنے کے لئے اپنی ساری خفتہ صلاحیتیں بروئے کار لا لایا۔ وہ ابھی تک اپنا ہاتھ چھڑانے کی جدوجہد کر رہا تھا لیکن وہ جمیل احمد خان سے معرکہ آرا تھا۔ پھر اس کی کوشش میں ضعف آنے لگا اور میں مطمئن ہو کر باہر آ گیا۔ میں نے کوٹھری بند کر دی اور باہر سے اس پر اپنی انگلیاں پھیر کر جکڑ دیا۔ مجھے یقین تھا کہ اب وہ باہر نہیں آ سکتا۔

پھر میں نے بڑے کمرے میں آ کر سارے روشن دان، کھڑکیاں اور دروازے بند کر دیے اور کمرا آسانی کے ساتھ اپنے قبضے میں کر لیا۔ اب میں بے فکر تھا، یہ کمرا میری دست برد میں تھا اور دو حسین لڑکیاں جمیل احمد خان جیسے وحشی شخص کو درندگی پر اکسا رہی تھیں۔ یہ بن علی کی بہنیں تھیں، جس نے میری بہن رخسانہ کو اغوا کیا تھا۔ وہ دیوار سے چپکی کھڑی تھیں۔ انکا حیرت اور دلچسپی سے کبھی میری طرف نظر کرتی اور کبھی ان کے بسمل سراپا دیکھتی تھی۔ رحیق کو زچ کرنے کے باوجود میرے خون کی گردش میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ ایک زمانے بعد، ایک طویل مدت بعد، اس وقت جب انکا کے سوا کوئی چارہ گر نہ تھا۔ مجھ پر میرے نفس کا غلبہ ہونے لگا۔ نالکھ آشرم میں مالا کی قربت میں ایسے ہی جذبے ابھرے تھے۔ ان کی تڑپ، ان کا خوف۔ ان کا لرزہ مجھے انہیں اذیت دینے پر مائل کر رہا تھا۔ میں تبت کا نندا کے استھان کا کوئی شخص نہیں رہا۔

"تم زرافشاں کے سر پر جاؤ انکا!" میں نے نشے کی کیفیت میں کہا۔ "میں درخشاں کو دیکھتا ہوں۔" مجھے معلوم نہیں تھا ان میں کوئی درخشاں ہے اور کوئی زرافشاں؟ دونوں کے انتخاب کا مرحلہ در پیش ہوتا تو انتخاب مشکل ہو جاتا لیکن جب انکا زرافشاں کے سر پر پہنچی تو مجھے ان کے نام معلوم ہو گئے۔ مجھے کلدیپ یاد آ گئی اور میں نے کسی سے کہا۔ 'لو دیکھ لو۔ میری نئی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ میں اپنا زوال خود کر رہا ہوں، یہ میری شکست کی ابتدا ہے۔' میں چاہتا تو ان دونوں لڑکیوں کو پکڑ کر بازار حسن لے جاتا اور کسی صاحب نظر طوائف کی نذر کر دیتا۔ میں درخشاں کی طرف مستانہ وار آگے بڑھا تو وہ لرزہ براندام ہو گئی۔

"ہم بے قصور ہیں جمیل احمد خان صاحب! ہمیں معاف کر دیجئے۔ نواب بھائی نے آپ کے ساتھ جو ظلم کیے ہیں، انہیں اب تک ان کی سزا مل رہی ہے۔ وہ عرصے تک جیل میں رہے اور اب پاگلوں کی طرح نہ جانے کہاں کہاں مارے مارے پھرتے ہیں۔ ہمارے تمام اعزا بھی ہم سے ترک تعلق کر چکے ہیں۔ ہم آپ کی پناہ چاہتے ہیں۔ یقین کیجئے ہم نے گزشتہ کئی سال بڑی اذیت میں گزارے ہیں۔ ہمارے پاس کچھ نہیں رہا۔ اب آپ ہم سے ہماری متاع عزیز بھی چھین لینا چاہتے ہیں؟

فریاد کرنے لگی۔

"آپ تو بڑی دلکش باتیں کرتی ہیں، یہ نفیس گفتگو، یہ خوب صورت انداز، یہ حسین چہرہ، آپ نے ائی کی کوئی تربیت نہیں کی۔ اس حویلی کے تہ خانے میں وہ لکھنؤ کے شرفا کی بیٹیوں کی عصمتیں اپنے ے ذریعے لوٹتا رہا ہے۔"

"ہم اپنے بڑے بھائی کے معاملات میں کس طرح دخل اندازی کر سکتے تھے؟ ہم تو ان کے رم سے بول بھی نہیں سکتے تھے۔" درخشاں نے رقت انگیز انداز میں کہا۔

"آپ جانتی ہیں، میں کیوں یہاں آیا ہوں؟" میں نے اسے تیکھی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "ازراہ کرم مجھ سے تعاون کیجئے۔ آپ نے دیکھ لیا ہے کہ میں نے آپ کے شہزادے رحیق کو اندر میں بند کر دیا ہے۔ ممکن ہے اس دوران میں تم نے میرے بارے میں کچھ سنا بھی ہو۔ میں جس عہد کر لیتا ہوں، اسے ضرور پورا کرتا ہوں، میں نے اپنی بہن رخسانہ کے اغوا پر جو عہد کیا تھا، اس م کر دی ہے۔ اسے آپ رعایت سمجھئے۔ اب میں آپ کو بالا خانے نہیں لے جا رہا ہوں۔ میں آپ کی خوشبو سونگھنا چاہتا ہوں۔ میں آپ کے قریب آنا چاہتا ہوں۔ یقیناً میں اس شہزادے جن ں بہتر ہوں جسے آپ کا التفات حاصل ہے۔ آپ نے اس کے ساتھ بڑی فیاضی کی ہے۔ کچھ نظر عنایت ہو جائے۔ اب تک آپ کسی نواب کی حویلی میں سج جانا چاہیے تھا لیکن آپ کو معلوم ای جن نے آپ کو اداس، تنہا اور ویران رکھا۔ شاید میرے لیے۔"

وہ زار و قطار رونے لگی۔ "وہ ہمارے محسن ہیں۔ نواب بھائی کا ستارہ جب سے گردش میں آیا ہے انے ہی تو سہارا دیا ہے، آپ ہماری ناکردہ خطائیں معاف کر دیجئے۔ ہم آپ کے پیر پکڑتے ہم آپ کے آگے ہاتھ جوڑتے ہیں۔ ہم بے قصور ہیں، ہمیں برباد نہ کیجئے۔" اس نے ہاتھ جوڑتے کہا۔

"دیوانی مت بنئے آپی جان!" زرافشاں، درخشاں سے بولی۔ زرافشاں اس وقت انکا کے زیر ا۔ "جمیل احمد خان صاحب بہت پہنچے ہوئے آدمی ہیں۔ ان کی چشم کرم ہو گی تو ہم زندگی بھر عیش ں گے، آپ کو اپنی قسمت پر رشک کرنا چاہئے۔"

"زری!" درخشاں ہکا بکا ہو کر تیزی سے بولی۔ "کیسی بے غیرتی کی باتیں کرتی ہو، تمہارا دماغ ہے؟ ہم موت کو ترجیح دیں گے، ہم مر جائیں گے مگر اپنی آبرو کی آخری دم تک حفاظت کریں ہیں یقین ہے کہ جمیل احمد خان صاحب اپنا ارادہ بدل دیں گے۔ وہ دو نہتی لڑکیوں پر ہاتھ نہیں گے، انہیں غصہ ہے مگر وہ ہماری مظلومیت پر ضرور ترس کھائیں گے۔"

"آپ کی آبرو!" میں نے قہقہہ لگایا۔ "آپ کی آبرو۔ ایک نامحرم جن کی موجودگی میں؟ میں آپ

کو بتاؤں کہ آپ کی باتیں، آپ کی فریادیں میرا شوق اور فزوں کر رہی ہیں۔"

"ہم کیا کریں؟" وہ ہکلا کر بولی۔ "ہم کہاں جائیں؟"

"آپ ہماری آغوش میں آجائیں۔"

وہ تیزی سے میرے پیروں پر گر گئی۔ اس نے اپنا سرخ و سفید چہرہ میرے قدموں پر مارنا شروع کر دیا۔ میں نے اسے بڑی نفاست سے اٹھایا۔ اس کا چہرہ بھیگا ہوا تھا۔ وہ ماہ جبین تھی، وہ ایک شہزادی تھی۔ شہزادی رو رہی تھی۔ یہ سوگوار حسن، یہ دل فریب بدن، اس کا دوپٹا ڈھلک گیا تھا۔ دریائے حسن ایک ایسے شخص کے سامنے تھا جو مدت سے پیاسا تھا۔ میں نے اس کی ٹھوڑی پر ہاتھ رکھا۔

"آپ اس قدر کیوں رو رہی ہیں؟"

وہ تڑپ کر مجھ سے دور چلی گئی اور وہاں اس نے اپنا سر دیواروں سے پھوڑتے ہوئے کہا۔ "ہمیں مت چھوئیے، ہم مر جائیں گے۔ ہم مر جائیں گے۔ ہم اپنی جان لے لیں گے، ہم سے دور رہئے۔"

میں اسے سمجھانے کے لئے آگے بڑھا اور اسی عرصے میں زرافشاں نے ایک بار پھر اسے آمادہ کرنا چاہا۔ میں ایک کتا تھا، میں اس پر جھپٹا۔ وہ پھر بھاگ گئی۔ اس نے اپنی مسہری کے قریب رکھا ہوا گل دان پوری طاقت سے میرے سر پر دے مارا۔ میں اس اچانک حملے کے لئے تیار نہیں تھا۔ گلدان میرے ماتھے پر لگا اور خون پھوٹ پڑا۔ خون سے میری آنکھیں اور میرا چہرہ تر ہو گیا۔ اس نے مجھے زخمی کر دیا تھا اور فرش اور دیواریں بھی خون آلود ہو گئیں۔ پھر مجھے کیا ہوا؟ میں اندھا ہو گیا اور میں نے سارے کمرے میں اس پر جھپٹنا شروع کر دیا۔ دیوانگی کے اس دورے پر انکا بھی انگشت بدنداں تھی۔ وہ زرافشاں کے سر پر بیٹھی ہوئی تھی۔ درخشاں نے دیواروں میں، گوشوں میں، مسہری کے نیچے چھپنا چاہا لیکن آخر میں نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔ میں یہ ناگفتی واقعہ مزید بیان نہیں کر سکتا۔ درخشاں کی آنکھیں، اس کے ہونٹ، اس کی رنگت۔ پھر میں نے انکا کو آواز دے کر زرافشاں کو بھی قریب بلا لیا۔ پھر جب اس کی سسکیاں اور آہیں بھی ختم ہو گئیں اور جب کچھ نہ رہا تو مجھے ہوش آیا۔ وہ دونوں سکتے کی حالت میں مسہری پر پڑی تھیں۔ میں نے کمرے پر حقارت کی نظر ڈالی اور دروازہ کھول دیا۔

جیسے ہی میں نے دروازہ کھولا، اوندھے منہ راہداری میں گرا۔ بہت سے لوگوں نے مجھ پر ایک ساتھ وار کیا تھا مگر میں نے اِدھر اُدھر دیکھا تو وہاں کوئی نہیں تھا لیکن وہاں کوئی ایک ہاتھ نہیں تھا، متعدد ہاتھ تھے۔ دروازے سے باہر نکلتے ہی انہوں نے مجھ پر پے در پے حملے کیے اور مجھے کسی لمحے سوچنے کا موقع نہیں دیا۔ میرے ماتھے سے ابھی تک خون بہہ رہا تھا، میرے سارے کپڑے تار تار ہونے لگے اور بدن پر جگہ جگہ خراشیں پڑ گئیں۔ میں نے اس یلغار میں کسی نہ کسی طرح اپنے حواس جمع کیے اور خود حفاظتی کا ایک آزمودہ عمل پڑھا۔ ضربیں اچانک بند ہو گئیں۔ میرے اشتعال کا عالم عجیب تھا۔ میں نے ایک لمحاتی

ے انہیں دیکھنے کی قوت پیدا کی یا وہ خود ہی اپنے خط و خال کے ساتھ مجھ پر آشکار ہو گئے۔ وہ ں پہنے ہوئے کئی نوجوان جن تھے۔ میں نے انہیں ڈانٹا۔ "کم بختو! تم نے کس شخص پر ہاتھ اٹھایا یرے سامنے سے ہٹ جاؤ ورنہ میں تمہارے لیے عذاب بن جاؤں گا۔" یہ کہہ کر میں نے اپنی ش دی۔ وہ گھبرا کر پیچھے ہٹے اور ایک ثانیے میں غائب ہو گئے۔

یرا لباس اور چہرہ خون میں لت پت تھا لیکن میں حویلی سے فوراً باہر نکل جانا چاہتا تھا، عمارت عبور ے میں باغ میں آ گیا۔ وہاں صرف چند ملازم رہ گئے تھے۔ ایک ملازم کے سر پر انکا کو بھیج کر میں نے تو تبدیل کر ہی لیا اور کسی نہ کسی طرح حویلی سے باہر آ گیا۔ سڑک پر دور تک پیدل چلتا رہا۔ انکا بیٹھی تھی۔ میں چچا جان کے گھر جانے کے بجائے ہوٹل میں ٹھہر گیا تھا اور جب بازار میں نکلا تھا تو ں کی حویلی کی طرف نظر اٹھ گئی تھی۔ درخشاں اور زرافشاں ایسی لڑکیاں تھیں کہ لوگ ان کے خواب کرتے تھے مگر مجھ پر سرشاری کی کیفیت تھوڑی دیر ہی قائم رہی۔ رحیق کے ساتھی نوجوان جنوں نے انداز سے مجھ پر یلغار کی تھی اسے میں زندگی بھر فراموش نہیں کر سکتا تھا۔ میں یہی سوچتا ہوا جا رہا تھا کا بہت دیر بعد مخل ہوئی۔ "ماتھے کی چوٹ کیسی ہے جمیل؟"

"ٹھیک ہے انکا!" میں نے بے نیازی سے جواب دیا۔

"یہ تمہیں کیا ہو گیا تھا؟ میں نے آج تک تمہیں اتنا سخت دل نہیں دیکھا تھا۔" انکا نے جھجکتے ہوئے

"کیوں کیا تمہیں برا لگا؟" میں نے چڑ کر کہا۔

"نہیں، اچھا برا لگنے کی حس تو مجھ میں تمہاری وجہ سے ہے۔ تمہیں اچھا لگا تو مجھے بھی ٹھیک ہی لگا۔"

"درخشاں، زرافشاں ایسی لڑکیاں تھیں کہ ان کے ساتھ عمر بھر رہا جا سکتا تھا۔ ایک بار میرے دل یا کہ میں ان میں سے کسی ایک کو عمر بھر کے لئے کیوں نہ ساتھ رکھ لیا جائے لیکن پھر سوچا، جب پ ہی نے چھوڑ دیا تو اب دوبارہ یہ خیال ہی دل میں لانا بے سود ہے کہ اپنا گھر کبھی بس جائے گا۔ وس کر رہا ہوں کہ میرے دن بہت تھوڑے رہ گئے ہیں۔ مجھے جلد ہی مر جانا چاہیے" میں نے مایوس ہا۔

"زندگی بہت رنگین ہے بشرطیکہ تم اسے مراقبے، ارتکاز اور ضبطِ نفس کے زاویوں سے نہ دیکھو۔ ہارا کوئی دشمن نہیں ہے۔ بدری نرائن تم سے بھاگا بھاگا پھر رہا ہے اور پنڈت پجاری بھی مسلسل سے تنگ آ گئے ہیں۔ تم چاہو تو بہت سلیقے سے دوبارہ زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ کہو تو میں تمہارے لڑکی ڈھونڈ دوں، کہو تو درخشاں ہی کو گھر میں لے آیا جائے؟"

"بے وقوف! تم مجھے مشورے دے رہی ہو؟ میں درخشاں کو تمہارے ذریعے آسانی سے زیر کر سکتا

تھا اور میں ان دونوں کو اپنی طاقت سے بے بس کر سکتا تھا، وہ زبان تک نہیں ہلا سکتی تھیں۔ میں ان ساتھ بھی لا سکتا تھا مگر میں نے یہ کیوں نہیں کیا؟ مجھے اب آنے والے دنوں کا یقین نہیں رہا ہے۔ میں انہیں

''تم نے جنوں کو بھی اپنا دشمن بنا لیا اور آتے وقت تم اتنے مدہوش تھے کہ تمہیں اس کوٹھری کا بھی خیال نہیں رہا جس میں تم نے رحیق کو بند کیا تھا۔''

''جن بھی اپنے حوصلے آزما کر دیکھ لیں۔ میں نے انہیں پرکھ لیا تھا۔ ان میں کوئی معزز جن نہیں ہے۔ سب لونڈے لپاڑے ہیں۔ وہ رحیق تو نمبر ایک شہدا ہے۔'' میں نے تنک کر کہا۔

''پھر بھی ان سے کسی ردِ عمل کی توقع نہ کرنا حماقت ہوگی۔''

''ردِ عمل تو میں بھی ظاہر کر سکتا ہوں۔''

انکا کی عادت ہی حجت اور تکرار کی ہوگئی تھی۔ میں اس کی باتوں کا ہوں ہاں میں جواب دیتا رہا۔ اصل میں مجھے بن علی کی حویلی کے جنوں کی کوئی فکر نہیں تھی، مجھے تو یہ فکر تھی کہ اب کیا کیا جائے؟ پونا چلا جائے جہاں انکا کی اطلاع کے مطابق بدری نرائن پہنچ گیا ہے اور اگر وہ پونا سے بھی فرار ہو گیا تو پھر میں کہاں کہاں جاؤں گا؟ وہ کبھی کسی مندر میں چھپ جاتا ہے، کبھی کسی بڑے پجاری کی پناہ میں چلا جاتا ہے۔ وہ مجھ سے ہمیشہ اتنی دور رہتا ہے کہ میں اس پر اپنی پُراسرار طاقتوں کا جال پھیلانے میں کامیاب نہ ہوسکوں۔ زندگی کا واحد مقصد بدری نرائن کی بیخ کنی کرنا رہ گیا تھا۔ تقریباً تمام قرضے چکا دیئے گئے۔ کبھی کبھی میں سوچتا، بدری نرائن کا دم غنیمت ہے کہ زندگی میں یہ تھوڑی بہت حرارت باقی ہے، یہ قصہ ختم ہو گیا تو اس کے بعد کیا رہ جائے گا؟ ہاں آسانی سے موت آجائے گی۔ انکا نے مجھ سے چچا جان کے گھر چلنے کے لئے اصرار کیا۔ ناہید بھی اب وہاں تھی۔ میں نے انکار کر دیا۔ اس دن درخشاں اور زرافشاں میرے ذہن سے نہیں اترتی تھیں۔ ان سے سیراب ہو جانے کے باوجود ایک طرح کی تشنگی محسوس ہوتی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کسی نے بادشاہ کے تخت پر کسی شخص کو بٹھانے کی حسرت پوری کی ہو اور اسے فوراً وہاں سے اٹھا لیا ہو۔ ہوٹل میں آکر میں نے احتیاطاً امکانی خطرے کے پیش نظر اپنا کمرا محصور کر لیا اور اپنے ماتھے کا کوئی علاج نہیں کیا۔ زخم یوں ہی سوکھتا رہا۔ میں دوسرے دن صبح تک سوتا رہا۔ باہر نکلنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ کئی بار ذہن ایک سمت مرکوز کرنے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ نہ جانے کیا کیا خیال آ جاتے تھے اور مراقبے کا سلسلہ ٹوٹ جاتا تھا۔ شاید میں دوبارہ اپنی خواہشوں کے نرغے میں گھر گیا تھا اور خود کو کھونے لگا تھا۔ ایسے ہی کسی موقع پر ایک عجیب سی خواہش ابھری تھی۔ میں نے اس کا تذکرہ کہیں کیا ہے۔ اب بھی وہی حال تھا، جی چاہتا تھا کہ کوئی مجھے چابک سے مارے اور جسم میں سوئیاں چبھو چبھو کر لہولہان کر دے۔ میرے منہ میں کوئی پانی بھی نہ ڈالے اور میرا جسم سڑکوں پر سڑتا رہے اور کوئی مجھ پر تھوکے بھی نہیں۔ صرف یہی دن نہیں، کئی دن ہوٹل میں پڑے پڑے ہو گئے۔ ایک شام انکا ناراض

ی، اس نے مجھے اٹھایا۔ اسی وقت ہوٹل کا ایک بیرا مؤدب انداز میں ایک شیروانی رکھ گیا۔ انکا غسل کی درخواست کی۔ مجھے کچھ خبر ہی نہیں تھی کہ وہ کیا چاہتی ہے، میں نے غسل کیا اور ہن کر جب آئینے میں اپنی شکل دیکھی تو مجھے احساس ہوا، یہ میں ہوں؟ ہاں یہ میں تھا، یہ جمیل احمد بالباس پہن کر کچھ تازگی کا احساس ہوا۔ میں نے انکا سے پوچھا ''کیا ارادہ ہے؟''

''اب تم خاموش رہو اور چپ چاپ میرے ساتھ چلو، میں تمہیں بتاؤں گی کہ زندگی میں کوئی فرق ہے، اب بھی وہی رونق، وہی چہل پہل ہے۔ تم مجھ پر اعتماد کرتے ہو تو میرے ساتھ چلو'' انکا کر کہا۔ میں نے کسی بچے کی طرح ہوں کی اور اس کے ساتھ ہولیا۔

کا نے ہوٹل سے نکل کر مجھے تانگے میں بٹھایا اور تانگے والے نے پوچھے بغیر مجھے بازار حسن میں طبلے کی تھاپ اور سازوں کی گونج دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ بازار میں واقعی بڑی چہل پہل ں حیرت سے زندگی دیکھنے لگا۔ مجھے یہ سب عجیب سا لگ رہا تھا۔ وہی گلوریاں، گلیوں میں ہوئے بانکے، وہ سواریاں، جھروکے۔ کہیں سے کسی نغمے کی آواز آجاتی ہے۔ جب اشرفی بیگم کی طرف سے گزرا تو میری نسوں میں سردی سی دوڑ گئی۔ اشرفی بیگم کا بالاخانہ اب بھی آباد تھا۔ بازار حسن میں یوں ہی گھماتی رہی اور گویا مجھے آمادہ کرتی رہی لیکن وہاں شاید مجھے کسی نے پہچان ک اس گلی میں سراسیمگی سی پھیل گئی۔ لوگ مجھے گھور گھور کر دیکھنے لگے، میرے ٹوٹے ہوئے ہاتھ بڑا رسوا کیا تھا۔ میں نے دیکھا، جس جس مکان سے میں گزرتا، حسین چہرے دریچوں سے باہر اور دریچے بند ہو جاتے۔ بازار حسن کی اس گلی میں ایک کھلبلی سی مچ گئی تھی۔ تمام بالاخانے کے دیکھتے ہی دیکھتے بند کر دیئے گئے۔ انکا نے یہ صورت حال دیکھی تو مجھے دوسری گلی کے ایک بالا لے گئی۔ زینے پر قدم رکھتے ہی مغنیہ کی دلکش آواز سنائی دی۔ میں تیزی سے اوپر چڑھنے لگا۔ زرین بھی بیٹھے تھے۔ میں چپکے سے ایک کونے میں گاؤ تکیے سے ٹک کر بیٹھ گیا۔ نائکہ نے مجھے اور مسکراہٹ سے میرا استقبال بھی کیا تھا۔ لڑکی جوان اور دلچسپ تھی۔ انداز میں شوخیاں تھیں۔ خاصا گا لیتی تھی۔ البتہ ناچ میں ماہر معلوم ہوتی تھی۔ جب اس نے یہ شعر پڑھا۔

شکن زلفِ عنبریں کیوں ہے
نگہ چشم سرمہ سا کیا ہے

مجھے اپنے ذہن کے تار جھنجھناتے سے محسوس ہوئے، وہ گاتی رہی اور میں خیالوں میں کہاں سے سفر کرتا رہا۔ موسیقی میں بھی کیا کمال ہوتا ہے۔ ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ روشنیاں نظر آنے پردوں کے رنگ اور رقاصہ کے بدن کے پیچ و خم دکھائی دینے لگے۔ اس کے گھنگھرو دل میں ر کرنے لگے۔

''میرے پاس رقم نہیں ہے۔'' میں نے انکا سے کہا۔

''ابھی انتظام ہوا جاتا ہے۔'' انکا نے شوخی سے جواب دیا۔ ''تھوڑی دیر میں اپنے قریب رکھے ہوئے گاؤ تکیے کے پیچھے ہاتھ ڈالنا۔ وہاں تمہیں روپے رکھے ہوئے ملیں گے۔''

انکا اسی وقت میرے سر سے اتر گئی اور میں نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے ادھیڑ شخص کو اپنے انگرکھے میں ہاتھ ڈال کر نوٹوں کی گڈی نکالتے دیکھا۔ اس نے بہت آہستگی سے نوٹ اپنے گدے کے پیچھے رکھ دیئے۔ میں نے انہیں اٹھا لیا۔ ساتھ ہی انکا بھی میرے سر پر آ گئی۔ ادھیڑ عمر شخص کو کوئی خبر نہ تھی۔ روپے خرچ کرنے میں ایک لطف آتا ہے۔ میں نے نوٹوں کی گڈی کھول کر روپے برسانا شروع کیے تو مجھے بہت مزہ آیا۔ طوائف کا بار بار آنا اور میرے سامنے بیٹھ کر گانا، سارے بالا خانے کی توجہ میری طرف مرکوز ہو جانا اور نغمے میں کچھ اور سوز پیدا ہو جانا اور محفل پر کچھ اور شباب آ جانا۔ روپے میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ میں اس پر روپے نچھاور کرتا رہا اور وہ مجھ پر اپنی ادائیں لٹاتی رہی۔ معاً نائکہ کے چہرے پر خوف کے آثار نمودار ہوئے اور اس نے لڑکی کو کوئی مخصوص اشارہ کیا۔ لڑکی نے جیسے تیسے جلدی جلدی غزل ختم کی اور نائکہ نے بصد ادب حاضرین سے معذرت چاہی۔ ''مجھے افسوس ہے یہ محفل جاری نہیں رہ سکتی۔ مجھے ابھی ابھی اپنے ایک عزیز کے سانحے کی خبر ملی ہے۔''

کسی شخص نے باہر سے آ کر نائکہ کو میری موجودگی کے بارے میں آگاہ کر دیا تھا۔ تمام لوگ تاسف کے ساتھ اٹھ کر جانے لگے۔ میں بیٹھا رہا اور میرے سہارے میرے برابر بیٹھا ہوا شخص بھی جما رہا۔ ''چلئے جناب!'' اس نے مجھ سے شائستگی کے ساتھ کہا۔ ''اب یہاں کیا رکھا ہے؟''

میں نے نائکہ کو مخاطب کیا۔ ''گانا جاری رہنا چاہئے۔''

''آپ نے سنا نہیں حضرت' فرماتی ہیں کہ ان کے کسی عزیز کے ساتھ خدانخواستہ کوئی سانحہ ہو گیا ہے۔'' ادھیڑ عمر شخص نے لقمہ دیا۔

''میں معذرت خواہ ہوں۔'' نائکہ نے ادب سے کہا۔

''تم جھوٹ بولتی ہو۔'' میں نے غصے سے کہا۔

''گانا جاری رکھو۔'' نائکہ کانپنے لگی۔ ''میں نے کچھ عرض کیا ہے۔''

''میں نے کوئی حکم دیا ہے۔ جب تم سب کچھ جانتی ہو تو انجان کیوں بن رہی ہو۔ یہاں کون تمہیں کھائے جا رہا ہے؟''

''گاؤ سمن۔ گاؤ اور ناچو بیٹی! اس کا دل خوش کرو۔'' نائکہ نے خوف آمیز تلخی سے کہا۔

ادھیڑ عمر شخص میرے قریب کھسک آیا۔ ''اجی حضرت! کمال کر دیا آپ نے۔ سمن کو دوبارہ گھنگھرو باندھنے پر مجبور کر دیا۔ کیا میں آپ سے متعارف ہو سکتا ہوں؟''

''میرا نام جمیل احمد خان ہے۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔

''خاکسار کو سلامت جان کہتے ہیں۔'' اس نے مجھ سے گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ ''کیا عرض کروں حضرت! اس سانولی لڑکی کے نقش و نگار ایسے دلفریب ہیں اور ایسا کمال گاتی ہے کہ لکھنؤ چھوٹتا ہی نہیں۔ یہاں آئے ہوئے پندرہ دن ہو گئے۔ ویسے میرا تعلق حیدر آباد سے ہے۔ کبھی ادھر تشریف لانا ہو تو غریب خانے پر زحمت کیجئے۔ ویسے اللہ کا شکر ہے، آپ خوش ہوں گے۔ موسیقی، راگ رنگ اور ان ستم گروں کا میں بھی گھائل ہوں۔ آپ وہاں میرا انتخاب دیکھئے۔'' اس نے ایک ہی سانس میں اتنی باتیں کہہ

''شکریہ جناب! کبھی ادھر گزر رہا تو ضرور آؤں گا۔''

''کیا جناب کا تعلق لکھنؤ سے ہے؟''

''میرا تعلق ہر جگہ سے ہے اور کہیں سے بھی نہیں ہے۔ میں ایک آوارہ آدمی ہوں، میرا کوئی گھر ہے۔''

''واہ، کیا حسن ظن ہے۔ واللہ آپ بہت پُر لطف اور بذلہ سنج شخص معلوم ہوتے ہیں۔ اپنی بھی آوارہ گردی میں گزری ہے۔ خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے......''

وہ آگے نہ کہہ سکا کیونکہ سمن نے ایک المیہ گیت شروع کر دیا تھا۔ اب اس کی شوخی رخصت ہو گئی

''وہ کیا بات ہے جو اس لڑکی کو قیامت بنائے ہوئے ہے؟'' سلامت جان نے مجھے ٹوکا۔ ''کیا آپ کے تجربے سے کچھ بتا سکتے ہیں؟''

''وہ اس کی ادائیں ہیں، وہ اس کی آنکھ ہے، آپ اس سے بہت متاثر معلوم ہوتے ہیں؟'' میں نے کہا۔

''اجی، کیا عرض کروں حضرت! بات کچھ ایسی ہی ہے۔ میں اسے حیدر آباد لے جانا چاہتا ہوں مگر وہ راضی ہی نہیں ہوتی۔ گائیکی کا جواب نہیں، نرت اور سُر تال میں بہت فٹ ہے، ادائیگی کا جواب ہائے حسرت......'' وہ سرد آہ بھر کر بولا۔

میں نے نائکہ کو اشارہ کیا۔ وہ آ گئی' میں نے کہا۔ ''سلامت جان صاحب کیا کہتے ہیں، کیا قیمت آپ نے؟''

''جناب والا! اپنی تو یہی بہار ہے۔'' اس نے مہذب انداز میں کہا۔ ''فی الحال ایسا کوئی ارادہ نہیں اگر قیمت مناسب مل جائے تو آپ کو انکار نہیں ہونا چاہیے، لڑکی عیش کرے گی۔'' میں نے

بارعب آواز میں کہا۔

لیکن نائکا خوب صورتی سے بات ٹالتی رہی اور سمن ناچتی رہی۔

''جناب میں ہر طرح کوشش کر چکا ہوں۔'' سلامت جان نے کہا۔

''ہمیں بھی کر لینے دیجئے۔'' میں نے کہا اور نائکا سے مخاطب ہوا۔ ''ٹھیک ہے آپ کی مرضی، ہم جسے پسند کرتے ہیں اسے حاصل کرنا بھی جانتے ہیں۔''

''مجھے معلوم ہے۔ آپ یہاں تشریف لایئے، سمن کا رقص دیکھئے، گانا سنئے۔ یہ بالا خانہ آپ جیسے صاحب ذوق حضرات ہی کے دم سے قائم ہے لیکن خدارا ہمارے بازو ہم سے مت چھینئے۔''

''جمیل میں چلی جاؤں؟'' انکا نے پوچھا۔

''نہیں، ابھی نہیں۔'' میں نے جواب دیا، نائکا اٹھنے کے لئے بے چین تھی۔ وہ کسی بہانے اٹھ گئی۔

سلامت جان نے کہا۔ ''حضت! بڑی چلتا پرزہ ہوتی ہیں۔ پچاس ہزار کہہ دیجئے۔''

اسی دوران میں سمن نے بیزاری سے میری جانب دیکھا۔ وہ اسٹیج کی رقاصہ کی طرح ہم سے بے خبر ہو کر ناچ رہی تھی۔ میں نے زور سے کہا۔ ''یہ کیا طریقہ ہے؟ یہ شرفا کی توہین ہے۔''

''جناب، لکھنؤ میں ایسا کبھی سنا یا دیکھا نہیں تھا۔'' سلامت جان نے کہا۔ ''آیئے کسی اور بالا خانے پر چلتے ہیں۔''

''ابھی بیٹھئے، کچھ دیر توقف کیجئے، مجھے ان لوگوں سے نمٹنا آتا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ہم بھی اس میدان کے پرانے کھلاڑی ہیں۔''

''میرا خیال ہے ایک خوب صورت شام برباد ہو رہی ہے۔ اس نے ناچ میں دلچسپی لینی چھوڑ دی ہے اب ہمارا بیٹھنا بھی انہیں ناگوار ہے۔''

میں نے سلامت جان کی بات سنی ان سنی کر کے سمن کی طرف گھور کر دیکھا۔ وہ اچانک دھڑام سے گری اور فرش پر لوٹنے لگی۔ اس کا منہ بند ہو گیا تھا۔ سازندے، طبلچی اور نائکا اس کی جانب دوڑ پڑے۔ سلامت جان نے آگے بڑھنا چاہا مگر میں نے ہاتھ سے پکڑ کر اسے بٹھا دیا۔ ''یہ کیا ہے حضت؟''

''آپ کے ساتھ جانے کی تیاری ہے، لڑکیاں ماں باپ سے وداع ہوتے وقت اتنی ہی پریشان ہوتی ہیں۔''

''میں سمجھا نہیں، حضت، یہ تو کوئی گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔''

''پھڑک رہی ہے، آپ کو کیسی لگ رہی ہے؟'' میں نے چٹکی لی۔

''جناب مجھے تو ہر حال میں اچھی لگتی ہے مگر اسے اچانک کیا ہو گیا ہے؟ ذرا دریافت حال کرنے

ئکا اور سازندے سمن کو پکڑنے کی کوشش کر رہے تھے، انہوں نے اس کے ہاتھ اور ٹانگیں پکڑ لی وہ پچھاڑیں کھا رہی تھی۔ اس کا منہ اس طرح بند تھا جیسے کسی نے سی دیا ہو۔ ''کسی حکیم، ڈاکٹر کو یک سازندے نے کہا۔

''نہیں۔'' نائکا نے چیخ کر کہا۔ وہ میرے پاس چلی آئی اور عاجزی سے بولی۔ ''جناب، کیا ہم کے لئے انکار کرنے کا حق بھی نہیں رکھتے؟''

''انکار تو آپ جب کریں جب آپ کو قیمت کم مل رہی ہو یا آپ بالا خانے پر نہ بیٹھی ہوں۔ ہم ہیں، آپ دکاندار۔ آپ کا کام بیچنا، ہمارا کام خریدنا ہے۔ آپ نے قیمت تو لگائی ہوئی ہو گی اپنے ؟'' میں نے اس سے صاف صاف کہا۔

''آپ ہمیں مجبور کر رہے ہیں۔'' نائکا نے رقت سے کہا۔

''ہم آپ کو قیمت ادا کر رہے ہیں، پچاس ہزار روپے۔''

''ہم اس سے بھی زائد دے سکتے ہیں، ساٹھ ہزار۔'' سلامت جان بولا۔

''لیجئے انہوں نے اور بڑھا دیا۔ اب تو آپ خوش ہو جایئے۔ ہماری طرف سے آپ کی مٹھائی کے چ ہزار روپے اور.....'' نائکا کسی سوچ میں پڑ گئی، ادھر سمن اپنا سر پٹک رہی تھی۔

''ٹھیک ہے جناب۔ مگر میری بچی.....''

''اسے کیا ہو گیا ہے۔'' میں نے اٹھ کر کہا اور سمن کے پاس جا کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ سمن نے اسی ھیں کھول دیں اور حیرانی سے سب کو دیکھنے لگی۔

''آپ تو مسیحا ہیں۔'' سلامت جان خوشی سے اچھل رہا تھا۔

''آپ کے متعلق غلط نہیں سنا تھا۔'' نائکا حیرت سے بولی۔

''آپ نے بھی ذہانت کا ثبوت دیا۔ اچھا بی بی، ہم چلتے ہیں، کل سلامت جان آئیں گے، آپ تیار رکھیے گا۔ حیدر آباد میں سلامت جان صاحب کی بہت بڑی جاگیر ہے۔ یہ لیجئے بیعانے کے ۔'' میں نے نوٹ اس کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا۔

''کل..... ہاں، سرِ شام..... کل ہم حیدر آباد روانہ ہو جائیں گے۔ کل ہی آپ کو باقی رقم بھی ادا کر ئے گی۔'' سلامت جان نے وفورِ مسرت سے کہا اور میرا ہاتھ تھام لیا۔

میں اور سلامت جان ساتھ ساتھ باہر نکلے۔ وہ بار بار میری صورت دیکھتا تھا اور ایسا وارفتہ و شیدا تھ چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھا۔ اس رات ہم کسی دوسرے بالا خانے پر نہیں گئے۔ واپسی کے وقت لوگوں نے انگلیاں اٹھا اٹھا کر میری طرف اشارے کیے تو سلامت جان دنگ رہ گیا۔ اس نے

میرا سامان اٹھوا دیا اور اپنے ہوٹل لے گیا۔ وہ ہوٹل زیادہ پُرسکون علاقے میں واقع تھا۔ ہوٹل میں اس کے بڑے بڑے سلیپنگ سوٹ میں رات تنہا نہیں گزرتی۔ اس کا انتظام سلامت جان نے شاید پہلے ہی کر رکھا تھا۔ معلوم ہوتا تھا، اس کے شب و روز اسی طرح گزرتے ہیں۔ جیسے ہی وہ ہوٹل میں آیا، اس کے اردگرد کمیشن ایجنٹوں کا جال سا بن گیا۔ میں دلچسپی سے دیکھتا رہا۔ کھانا کھا کر ہم فارغ ہی ہوئے تھے اور ادھر اُدھر کی باتیں کر رہے تھے، بازارِحسن کی باتیں کہ لڑکیاں ہمارے کمرے میں بھیج دی گئیں۔ سلامت جان نے ان کا گرمی جوشی سے استقبال کیا اور قرعہ ڈال کر کہنے لگا۔ ''اب دیکھئے آپ کی قسمت میں کون سی لکھی ہے؟''

جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ سلامت جان ایک خوش باش اور مستانی طبیعت کا شخص ہے۔ وہ سمن کے سودے پر ہر دسویں منٹ اتنا شکریہ ادا کرنے لگتا تھا کہ لکھنؤ کا سارا بازارِحسن اس کی خدمت میں پیش کر دینے کو جی چاہنے لگا۔ نہ جانے اسے سمن کی کون سی ادا بھا گئی تھی؟ رات کو ہم لوگ علیحدہ علیحدہ کمروں میں چلے گئے۔ میں نے اس لڑکی سے گفتگو شروع کر دی جو سلامت جان نے میرے نفس کی اطاعت کے لئے بھیجی تھی۔ وہ ایک سوگوار لڑکی تھی۔ اس کے چہرے پر غم لکھے ہوئے تھے اور آواز میں سوز تھا۔ رات گئے تک وہ مجھے اپنے بارے میں بتاتی رہی۔ صبح جب میرے کمرے سے رخصت ہوئی تو اس کے پاس پندرہ ہزار روپے تھے۔ روپے کا انتظام انکا نے کسی طرح کر دیا تھا۔ میں تو ساری رات اس سے باتیں کرتا اور متاثر ہوتا رہا۔ اسے روپوں کی سخت ضرورت تھی۔ یہی ضرورت اسے ایک شریف محلے سے اس خفیہ کاروبار تک کھینچ لائی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ اس کے بعد وہ کبھی لوگوں کے پہلو گرمانے نہیں آئے گی کیونکہ اس رقم سے اس کے مرحوم باپ کے سارے قرضے اترنے کے بعد اس کے بھائی بھی آسانی سے تعلیم پا سکتے تھے۔ صبح سلامت جان نے مجھ سے پوچھا۔ ''کہئے حضت! رات کیسی گزری؟ قرعہ تو آپ کے نام اچھا ہی نکلا تھا۔''

''میری چھوڑو۔ اپنی سناؤ دوست۔ اپنی بات تو سمجھ میں خود نہیں آئی۔''

''بس حضرت گزر ہی گئی۔ سمن کے تصور میں ایسا کھویا رہا کہ رات گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔ آئیے ناشتا کریں۔'' سلامت جان نے مجھے ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔

میں ابھی کچھ دن اور لکھنؤ میں رہنا چاہتا تھا کیونکہ یہاں کے شب و روز اور پرانی یادوں میں ایک نئی لذت محسوس ہو رہی تھی۔ میں نندا کے تربیت یافتہ شخص جمیل احمد خان کو سمجھانے لگا تھا کہ بس یہ صورت عارضی ہے۔ اصل چیز تو تزکیہ نفس ہے۔ اصل چیز تو وہی ہے۔ تھوڑی دیر اجازت دے۔ پھر تیرے ساتھ چلتا ہوا، ذرا یہ روشنیاں تو دیکھ لینے دے۔ نندا کا تربیت یافتہ جمیل احمد خان ایک مضبوط آدمی تھا۔ اس نے مجھے بڑی سرزنش کی، اس حد تک کہ میں اس سے...... نظریں چرانے لگا۔ شام کو ہم دوبارہ عمدہ لباس میں

عطر لگائے اور گلوریاں چباتے بازارِحسن میں داخل ہوئے۔ سمن کے بالا خانے پر پہنچے تو میرے ...ں کی انتہا نہ رہی۔ معلوم ہوا کہ تسلیم نامی نائکہ آج ہی لکھنؤ سے کہیں دور چلی گئی ہیں اور یہ بالا خانہ کسی اور کو ...ے پردے گئی ہیں۔ سلامت جان بے حد خفیف ہوا۔ میں نے اسے وہیں بیٹھنے کو کہا۔ ''ہمیں کل ہی ...لے جانا چاہیے تھا۔ آہ کیسا نادر ہیرا ہاتھ سے نکل گیا۔'' سلامت جان نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

میں گاؤ تکیے سے لگ کر بیٹھ گیا۔ پھر میں نے نندا کے جمیل احمد خان کو آواز دی جو مجھ سے ناراض ...ے لگا تھا لیکن اسی وقت انکا نے مجھے بتایا کہ وہ یہیں لکھنؤ میں ہے مگر بازارِحسن میں نہیں ہے بلکہ ایک ...ہوکار کی حویلی میں پناہ گزین ہے جس سے اس نے پہلے ہی سمن کو دینے کا وعدہ کر لیا تھا۔

''میں نے آج دوپہر ریل کی نشستیں بھی محفوظ کر لی تھیں۔ گاڑی جانے میں صرف دو گھنٹے ہیں۔ ...ل تھا یہیں سے اسٹیشن چلے جائیں گے۔ میرے دونوں ملازموں نے سامان اسٹیشن پہنچا دیا ہوگا۔'' ...ت جان تلخی سے بولا۔ ''آئیے جناب! ہم تنہا ہی چلتے ہیں۔ لکھنؤ پر لعنت۔''

''میں کہاں جاؤں؟'' میں نے کہا۔

''آپ میرے ساتھ چلیں گے۔ خدا کی قسم میں نے آپ کی نشست بھی محفوظ کرالی ہے۔ چند دن ...غریب خانے پر میرے مہمان رہیں گے۔ دیکھئے آپ انکار نہیں کریں گے۔'' سلامت جان نے ...ماکی سی ضد کی۔

''مگر مجھے پونا جانا ہے اور نہ جانے کہاں کہاں جانا پڑے۔'' میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''نہیں حضت! سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ آپ کو میرے ساتھ چلنا ہے۔'' سلامت جان نے اصرار ...ا۔

''چلے چلو جمیل! کچھ دل بہل جائے گا۔ یہ شخص کچھ اچھا لگتا ہے۔'' انکا نے بھی اس کی تائید کی۔

''مگر ہمیں تو پونا روانہ ہونا ہے انکا! کیا بدری نرائن کا قضیہ اسی طرح چھوڑ دیا جائے؟'' میں نے ...ا سے کہا۔

''بدری نرائن کہاں جائے گا۔ ممکن ہے وہ ہماری عدم توجہی سے کوئی چوک کر بیٹھے اور ہم اسے کسی ...ر لیں۔ میں اس پر ہر وقت نظر رکھے ہوئے ہوں۔'' انکا نے مچل کر کہا۔

انکا اور سلامت جان نے میرے لیے مفر کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ میں نے کہا۔ ''ٹھیک ہے، ...ری مرضی یہی ہے تو میں حیدر آباد چلوں گا لیکن سمن کو ساتھ لے کر۔

''سمن کا تو اب خیال چھوڑ دیجئے حضت!'' سلامت جان نے مایوسی سے کہا۔ ''وہ تو اپنی قسمت ہی ...یز تھی۔''

''ابھی گاڑی میں دو گھنٹے ہیں، کچھ دیر یہیں بیٹھ کر گزارتے ہیں میرے عزیز دوست! کیا مجھے کچھ

دیر خاموش رہنے کی اجازت ہے؟'' میں نے سلامت جان سے کہا۔

''بخوشی حضت!'' سلامت جان چپ ہو گیا۔

میں نے آنکھیں بند کرلیں اور ماحول سے بے نیاز ہو گیا۔ پھر میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''آیئے اسٹیشن چلتے ہیں۔'' ساتھ ہی میں نے انکا کو اپنے سر سے رخصت کر دیا۔

''چلئے حضت ......'' سلامت جان نے بالا خانے کے در و دیوار حسرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''چلئے اس بار لکھنؤ راس نہیں آیا۔''

میں ان دو گھنٹوں میں چچا جان کے ہاں جا سکتا تھا مگر یوں ہی اِدھر اُدھر گھومتا رہا اور ایک بڑے مکان پر پہنچ کر رک گیا۔ اس مکان کی دیوار پر میں نے انگلی سے کچھ خاص نشانات بنائے اور کچھ دیر وہاں رک کر آگے بڑھ گیا۔ سلامت جان نے میرا یہ عجیب رویہ حیرت سے دیکھا لیکن کچھ پوچھا نہیں۔ ہم دونوں وقت سے آدھ گھنٹا پہلے اسٹیشن پہنچ گئے اور اپنے ڈبے میں بیٹھ گئے۔ ملازم پہلے ہی وہاں موجود تھے۔ گاڑی چلنے میں پندرہ منٹ باقی تھے کہ ہمارے ڈبے کی کھڑکیوں میں سے ایک شور سا اندر آیا۔ میں منتظر ہی تھا۔ سلامت جان ہکا بکا ہو کے دیکھنے لگا۔ تسلیم نائکا، ایک موٹا سا ہندو بنیا اور اس کے چند ملازم کھڑکیوں سے آہ و زاری کر رہے تھے سمن بھی تھی مگر وہ سب سے علیحدہ کھڑی تھی۔

''یہ کیا ہے؟'' سلامت جان نے وحشت میں مجھ سے پوچھا۔ میں مسکرانے لگا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ سب اندر آگئے، سب سے پہلے ساہوکار اندر آیا اور آتے ہی میرے پیر چھونے لگا۔

''مہاراج! داس کو شما کر دیجئے۔ مہاراج، میں کچھ نہیں جانتا۔ اس پاپن نے ......'' اس نے تسلیم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''مجھ سے وعدہ کیا تھا اور صبح یہ خود میرے پاس چلی آئی تھی۔ سمن آپ کے حوالے ہے مہاراج! میرا گھر بچا لیجئے میں تباہ ہو جاؤں گا مہاراج! سمن کے روپے بھی نہ دیجئے۔'' ساتھ ہی تسلیم نے بھی اسی انداز میں گڑگڑانا شروع کر دیا۔ سمن بھی ڈبے کے اندر آ گئی تھی اور اداس بیٹھی تھی۔ آہستہ آہستہ ڈبا بہت سے لوگوں سے بھر گیا اور اس کے اردگرد ایک بھیڑ جمع ہو گئی۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میری خاموشی پر ساہوکار نے اور گڑگڑانا شروع کر دیا۔

''قدموں سے ہٹو۔'' سلامت جان نے کچھ سمجھ لیا تھا۔ اس نے ساہوکار کو ڈانٹا۔ ساہوکار لرزتا ہوا پیچھے ہٹا۔ نائکا تسلیم بھی دور ہو گئی۔ وہ بار بار اپنی گستاخی کی معافی مانگ رہی تھی۔ میں نے سلامت جان سے کہا۔ ''اسے روپے دے دو۔''

''نہیں نہیں۔ ہمیں ایک پیسہ نہیں چاہیے، ہمارا مکان جل رہا ہے مہاراج، اسے بچا لیجئے۔''

''نہیں۔'' میں نے ڈانٹ کر کہا۔

ساہوکار نے دم سادھ لیا۔ سلامت جان نے نوٹوں کی ڈھیری نائکا کی جھولی میں ڈالی اور سمن کی

دیکھا۔ گاڑی نے وسل دے دیا۔ میں نے ساہوکار کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''جا جو کچھ بچ گیا
سمیٹ لے۔''

ساہوکار، نائکا تسلیم اور باقی لوگ جلد ہی ڈبے سے اتر گئے۔ انکا گاڑی چلتے ہی میرے سر پر آئی۔
علیحدہ علیحدہ گم صم بیٹھی تھی۔ سلامت جان اس واقعے پر ششدر رہ گیا تھا۔ ''یہ میری خوش قسمتی ہے
کہ مجھے آپ کی رفاقت میسر آئی۔'' سلامت جان نے عقیدت سے کہا۔
''نہیں دوست! دوستی کے لہجے میں باتیں کرو۔ تمہارا یہ احترام کا رویہ مجھے تم سے دور کر دے گا۔''
''تو پھر یوں کہوں کہ آج تک اپنے نصیب میں آنے والی لڑکیاں ایک طرف اور آپ ایک
۔ یہ کتنی بڑی خوشی ہے۔'' سلامت جان نے ہنس کر کہا لیکن اس ہنسی میں خوف شامل تھا۔ میں نے
ت پر پیر پھیلا دیے اور انکا کی جانب دیکھا۔
انکا نے مسکرا کر کہا۔ ''سلامت جان کو سلا دوں؟''
''سمن سلامت جان کی امانت ہے۔'' میں نے درشتی سے کہا۔
''تم اب کچھ اوقات میں آئے ہو۔'' انکا نے شوخی سے کہا۔ میں نے انکا کو پکڑنا چاہا لیکن میرے
ہاتھ بالوں میں الجھ گئے۔ ٹرین تیز رفتاری سے دہلی کی طرف بھاگ رہی تھی۔

☆......☆......☆

حیدر آباد شہر کے کنارے بلکہ کچھ دور...... سلامت جان نے اپنی ایک دنیا بسائی ہوئی تھی۔ اس نے
ٹھہرایا۔ اس عظیم الشان عمارت میں دنیا کی ہر چیز موجود تھی۔ اس بہتر زندگی کا تصور نہیں کیا
۔ سلامت جان نے ادھیڑ عمری کے باوجود باقاعدہ شادی نہیں کی تھی لیکن وہ کسی عرب شیخ کی طرح
رکھتا تھا۔ اس کی آمدنی بے تحاشا تھی، ہر طرف سے روپیہ برستا تھا۔ ملازموں کی ایک کثیر تعداد
۔ اس کا کوئی قریبی عزیز نہیں تھا جو سلامت جان کی اس خوشحال زندگی میں ساجھے دار ہوتا۔ وہ
الدین کا اکلوتا فرزند تھا۔ اس کے والد کا ایک مدت پہلے انتقال ہو چکا تھا۔ اس کی ماں شہر میں رہتی
میں نے بھی انکا کے آنے کے بعد شہزادوں جیسی زندگی بسر کی ہے، پھر اس کے بعد مجھے روپے
رغبت نہیں رہی۔ مال و دولت کی چمک دمک دیکھ کر مجھے روپے حاصل کرنے کا خیال نہیں آتا
روپے کس کے لئے جمع کرتا؟ مکان کس کے لئے بناتا؟ سلامت جان کے محل میں میری حیثیت
شروع میں تو ایک معزز مہمان اور عزیز دوست کی رہی لیکن پھر یہ حجاب بھی ختم ہو گیا۔ ہم دونوں،
ایک بھائی کی طرح رہنے لگے۔ محل پہ میرا حکم بھی اسی طرح چلتا تھا جس طرح سلامت جان کا۔
میں نے ایک سال گزار دیا اور پتا ہی نہیں چلا۔ میں ایک سال میں پوری طرح تو نہیں، کسی حد
اپنے آپ کو فراموش کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ سلامت جان کے محل میں کوئی زندگی سے

منہ نہیں موڑ سکتا تھا۔ وہاں خوب صورت عورتوں کا ازدحام تھا۔ رات کے وقت ہندوستان کی دو ... لڑکیاں جنہیں سلامت کی جوہر شناس نگاہ نے اپنی حویلی کی زینت بنایا تھا، نرت کے بھاؤ بتاتیں اور رقص ونغمہ کا جادو جگاتیں۔ چند خاص معززین بھی رقص وسرود کی اس بزم میں شریک ہوتے۔ ہر روز کوئی نہ کوئی تقریب منعقد ہوتی تھی۔ ان میں سمن بھی تھی جس کے فن میں کمال پیدا ہو چکا تھا۔ وہ بہت خوش تھی کیوں کہ اپنی محبوب عورتوں کو سلامت جان، جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ اس کا یہ عجائب گھر ہندوستان، ایران اور مصر کی حسین عورتوں سے مزین تھا۔

سال میں کئی مرتبہ سلامت جان کو میری باطنی قوتیں آزمانے کی ضرورت پڑی۔ وہ مجھے جادوگر کہتا تھا۔ ہم دونوں شہر کی بڑی تقریبات میں ایک ساتھ شریک ہوتے۔ سلامت جان کا حلقۂ احباب میرا حلقۂ احباب بن چکا تھا۔ اس عرصے میں سلامت جان نے دو چار بار ہی مجھ سے میری پہلی زندگی کے متعلق پوچھا تھا۔ وہ بعض اوقات میرے کرشموں سے حیران ہو جایا کرتا تھا۔ انکا نے بھی اپنا کام خوب نبھایا تھا۔ جب سلامت جان کہیں کسی اچھی دوشیزہ کو دیکھتا تو مچل کر مجھ سے اصرار کرتا۔ ”جمیل! تم نے اسے دیکھا۔ تم نے دیکھا۔“ میں سمجھ جاتا کہ اس کا مقصد کیا ہے۔

میں انکا کو حکم دیتا۔ وہ کسی تاخیر کے بغیر مطلوبہ لڑکی سلامت جان کے محل میں لے آتی۔ ان گنت گھر ہماری ہوس کا نشانہ بن چکے تھے۔ کبھی کبھی جب دل بہت گھبراتا تو میں مراقبے کی مشق کرتا لیکن کچھ ہی دیر میں اکتا کر اسے چھوڑ دیتا، پھر رفتہ رفتہ مجھے یہ محسوس ہوا کہ میں اپنے عمل بھول سا رہا ہوں اور میری طاقتوں میں کمی آنے لگی اور مجھے کچھ خوف سا محسوس ہونے لگا ہے۔

ویسے میں نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ اب سلامت جان کے محل ہی سے اپنا جنازہ اٹھے گا لیکن میرا جنازہ نکلنے سے پہلے بدری نرائن کی ارتھی نکل چکی ہوگی۔ میں جب کبھی باہر جانے کا ارادہ کرتا، انکا کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے، کوئی نہ کوئی ترغیب دے کر مجھے کہیں لے جاتی جہاں کسی کی آغوش میں میرا وجود گم ہو جاتا۔ انکا نے ایک زمانے سے اپنی غذا، انسانی خون کے لئے مجھے پریشان کرنا بند کر دیا تھا۔ اب وہ خود ہی کسی کے سر پر چلی جاتی اور سیراب ہو کر واپس آ جاتی۔ خاصا وقت گزر چکا تھا لیکن ایک دن جب مجھے یہ محسوس ہوا کہ میری انگلیوں اور میری نگاہوں اور میرے باطن میں اب پہلے جیسی قوت اور صلاحیت نہیں رہی ہے تو سلامت جان کے محل سے میرا دل اکتا گیا۔ اسی دن انکا نے مجھے شہر کے ایک رئیس کی لڑکی پیش کی۔ میں نے اسے واپس کرا دیا۔ سلامت جان بھی بجھ گیا تھا۔ اس نے پہلے سے زیادہ اہتمام سے روز ایک نئی بزم سجانی شروع کر دی تھی۔ وہ کہنے لگا۔ ”اگر تم چلے گئے تو میں خودکشی کر لوں گا۔“

”پاگل!“ میں نے کہا۔ ”میں جا کر واپس آ جاؤں گا لیکن اب میرا جانا ضروری ہے۔“

”تمہیں یہاں کیا تکلیف ہے؟“ اس نے ناراضی سے کہا۔

”ایک کانٹا ابھی باقی رہ گیا ہے۔“

”وہ کیا ہے؟“ اس نے تجسس سے پوچھا۔

”میں ایک شخص کا خون پینا چاہتا ہوں۔“

”خون؟ کس کا خون؟ کہو تو میں اس کا انتظام کرا دوں؟ میں نے اپنے آدمیوں سے یہ کام کبھی نہیں ... ان کی صلاحیتوں پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ مجھے بتاؤ کون ہے وہ بدبخت؟“ اس نے غصے سے کہا۔

میں نے اسے سمجھایا۔ ”وہ راون کسی کے بس کا نہیں ہے، وہ ایک پنڈت ہے جس نے میری زندگی ... ئے ہوئے ہیں۔“

”تمہارے لیے کیا مشکل ہے؟“ اس نے تیزی سے کہا۔

”میری جان۔ جو باتیں تم نہیں سمجھتے، نہیں سمجھ سکتے تو پھر اصرار کیوں کرتے ہو؟“ میں نے تلخی ...

سلامت جان ہر وقت مجھ پر نگاہ رکھتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ کسی دن میں واقعی یہاں سے چلا جاؤں ... ایک دن میں وہاں سے بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔ میں نے سلامت جان کو سمجھانے کے لئے ... کے سر پر چھوڑ دیا۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ بدری نرائن ایک ہندو پجاری کے ہاں غازی آباد میں ... ہے۔ غازی آباد دہلی کے قریب ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ اب تک میں نے پنڈتوں، پجاریوں اور ... باؤں سے محفوظ رہنے کے لئے خود کو حصار میں رکھا تھا۔ میں نے سلامت جان کے محل کے گرد ... حصار قائم کر دیا تھا۔

... کا سلامت جان کو مطمئن کر کے اور اس کے دل میں میری واپسی کا خیال ڈال کر میرے سر پر ... تا۔ دہلی سے میں غازی آباد روانہ ہو گیا۔ راستے میں ہی انکا نے مجھے بتا دیا کہ بدری نرائن غازی ... بھی روانہ ہو گیا ہے۔ اس خبر پر میں نے اپنا سفر ملتوی نہیں کیا۔ اسٹیشن سے اتر کر میں سیدھا اس ... گھر پہنچا جہاں بدری نرائن ٹھہرا ہوا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ بدری نرائن کو میری نقل و حرکت کی خبر ... جاتی ہے؟ جب کہ میں اپنے آپ کو اس سے روپوش رکھنے کے لئے ہر ممکن جاپ کرتا ہوں۔ یقیناً ... اسے کسی مہان سادھو کا تعاون حاصل ہے حالانکہ یہ ایک چھوٹی سی بات ہے۔ خیر اس کا ذکر میں ... کروں گا۔

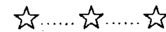
... رام سہائے کے گھر جانے سے پہلے میں نے اس کے گھر کے سامنے پیپل کے ایک درخت ... کے خود کو مراقبے میں غرق کرنے کی کوشش کی۔ مجھے اپنی توجہ ایک سمت مرکوز کرنے میں بڑی ... لیکن میں جما بیٹھا رہا۔ شام تک اسی جگہ بے حس و حرکت بیٹھ کر میں نے مراقبے کا عمل ختم کیا ... ئے کے دروازے پر دستک دی۔ وہ گھر پر موجود تھا۔ اس نے میرے استفسار پر بدری نرائن

کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا۔'' مہاراج بہت دن ہوئے آئے تھے، اب پتا نہیں کہاں ہیں؟'' اس نے ڈرتے کہا۔

''ہاں جی مہاراج کا کیا کہنا۔ بہر حال اب بدری نرائن جی کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کے پیچھے ان کا چیلا بھی یہاں آیا تھا۔ کیا تم ان کے چیلے کو اندر پدھارنے کی آگیہ نہیں دو گے؟''

''آپ مسلمان ہیں۔ میرے گھر میں آج تک کوئی مسلمان نہیں آیا۔ آپ یہیں باہر بیٹھ کر بات کیجئے۔ آپ جانتے ہوں گے کہ ہم لوگ پوترتا کا کتنا خیال رکھتے ہیں۔'' رام سہائے نے خوف زدہ آواز میں کہا۔

میں نے دروازے پر دھکا مارا۔ رام سہائے اور اس کے متعلقین میرا راستہ روکنے کے لئے آگے بڑھے مگر وہ صرف ایک لمحے میں یکے بعد دیگرے زمین پر تڑپنے لگے پھر ان میں سے کوئی نہیں اٹھا۔ میں طنطنے سے اس بڑے گھر کے اندرونی حصے میں داخل ہو گیا۔ میرے پیچھے رام سہائے، اس کے بیٹے اور دوسرے متعلقین چلا رہے تھے مگر میں نے کوئی توجہ نہیں دی۔ اندر گھر میں پانچ چھ عورتیں موجود تھیں۔ ایک جگہ جا کر میری نظر ٹک گئی۔ وہ ایک نوجوان لڑکی تھی اور خاصی دلکش تھی۔ اتنی دلکش ضرور تھی کہ میری نگاہ اس پر دیر تک ٹھہری رہی۔ میں اسے دیکھتا رہا۔ اچانک لڑکی اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر میری طرف آئی اور میرے پہلو سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ انکا اس کے سر پر جا چکی تھی۔ میں نے انکا کو حکم دیا کہ وہ سلامت جان کے عجائب خانے میں ایک اور نازنین کا اضافہ کرنے کے لئے اسے حیدر آباد لے جائے، سلامت جان اسے دیکھ کر خوش ہو گا اور اسے میری مصروفیات کا علم بھی ہو جائے گا کہ میں بے کار نہیں پھر رہا ہوں۔ لڑکی خود بخود گھر سے باہر جانے لگی۔ اس کے بھائیوں اور ماں باپ نے اسے بہت روکا مگر وہ ان سب کو دھکے دیتی ہوئی گھر سے نکل گئی۔ لڑکی کی اس طاقت اور دیدہ دلیری پر سب حیران تھے۔ رام سہائے اور اس کے متعلقین مجھ سے ایک ساتھ چمٹ گئے اور انہوں نے میرا گریبان چاک کرنا چاہا مگر وہ یکایک اس طرح دور جا گرے جیسے کوئی پتنگا شمع کی تپش کی زد میں آ کے زمین پر گرتا ہے۔ میں ان کے لئے آگ تھا۔ میں اس بدقسمت گھر کا پہلے ہی فیصلہ کر چکا تھا۔ میں باہر آ گیا اور میں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا تاکہ رحم اور افسوس کا کوئی جذبہ مجھے تنگ کرنے کی کوشش نہ کرے۔ ہاں میں ان کی چیخیں نہیں روک سکتا تھا، ایسی دردناک آواز میں جو ملبے میں دبے ہوئے آدمیوں کے منہ سے نکلتی ہیں، آخری آوازیں۔



غازی آباد سے میں فوراً دہلی آ گیا۔ یہاں انکا کے انتظار میں چار دن گزر گئے۔ ان چار دنوں میں، میں نے دوبارہ آبادی سے دور سنسان جگہوں پر بیٹھ کر نندا کی بتائی ہوئی کئی مشقوں کا عمل جاری

ایسے عملیات میں بڑی اذیت ہوتی تھی، دل لگتا ہی نہیں تھا۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح میں نے ویران مقام پر آنے کی وجہ بھی یہی تھی کہ میرے ارتکاز میں کوئی مخل نہ ہو سکے۔ ان چار دنوں بیکار رہنا اور بھی تکلیف دہ کام تھا۔ میں عرصے تک کچھ کھائے پیئے بغیر رہ سکتا تھا لیکن اس بار صرف ... میں بھوک اور پیاس نے مجھے ستا ڈالا۔ پانچویں دن انکا آ گئی۔ اس نے مجھے رام سہائے کی لڑکی کو صحیح سلامت، سلامت جان کے محل میں پہنچانے کا مژدہ سنایا۔ انکا بعض اوقات کتنے کام کی ...؟ ''سلامت جان نے اسے دیکھ کر کیا کہا؟'' میں نے پوچھا۔

''اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں رہا۔ میں لڑکی کے سر پر موجود تھی۔ اس کی زبانی میں نے اشارتاً اسے کچھ سمجھا دیا۔ میں اس کے سامنے نہیں آئی نہیں تو وہ خوف زدہ ہو جاتا۔ لڑکی کی زبان سے میں نے ...... مجھے باندھ کر رکھیے۔ میں اپنی مرضی سے نہیں آئی ہوں۔ کسی وقت بھی واپس جا سکتی ہوں کسی وقت بھی جمیل احمد خان کا جادو دم توڑ سکتا ہے۔'' انکا نے شوخی سے کہا۔ ''اور سلامت جان یہ سمجھا کہ لڑکی خود اپنی زبان سے یہ سب کچھ بیان کر رہی ہے۔''

''پھر اس نے کیا جواب دیا؟'' میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

اس نے کہا۔ ''میں تمہیں سینے سے لگا کر رکھوں گا۔ جب تک جمیل بھائی نہیں آ جائیں گے، میں نہیں چھوڑوں گا مگر وہ کب آئیں گے؟''

''بس کسی دن آ ہی جائیں گے۔'' میں نے لڑکی کے سر پر بیٹھے بیٹھے جواب دیا۔

''سلامت جان کو لڑکی پسند آئی؟''

''پسند آئی؟ ارے وہ تو دیوانہ ہو گیا۔ وہ بڑا اندیدہ ہے۔'' انکا نے میرے سر پر دھپ مار کے کہا۔

صرف رام سہائے کی نوجوان اور خوب صورت لڑکی ریکھا ہی نہیں، کچھ اور لڑکیاں بھی میری ...ت کا نشانہ بنیں۔ میں کوئی تین مہینے تک بدری نرائن کی تلاش میں ہندوستان کے مختلف شہروں میں ...تا رہا اور وہ ہر شہر سے بھاگتا رہا۔ جہاں جہاں وہ ٹھہرا تھا، وہاں وہاں سے میں اس کے نشانات مٹاتا ... یہ بھی انتقام کی ایک صورت تھی۔ وہ تمام گھر تباہ ہو گئے جنہوں نے اسے پناہ دی تھی۔ وہ تمام لوگ ... ہو گئے جنہوں نے روپوشی میں بدری نرائن کی معاونت کی تھی۔ ایک کے بعد ایک شہر، گاؤں، قصبہ، ...ت جلتے رہے۔ کبھی ملبے کی شکل میں تبدیل ہوئے اور کبھی آگ کی نذر ہو کے خاکستر ہو گئے۔ ان مکانوں کے مکین کبھی ملبوں میں دب گئے، کبھی انہیں آگ نے نگل لیا۔ جہاں کہیں نوجوان لڑکیاں ... انہیں ریکھا کی طرح سلامت جان کے محل میں پہنچا دیا گیا۔ تقریباً تین لڑکیاں اور حیدر آباد پہنچ گئیں۔ ... مجھے معلوم تھا کہ پولیس دوبارہ مجھ پر ہاتھ رکھ سکتی ہے مگر میں اپنی آمد اور روانگی کا کوئی نشان نہیں ... تھا۔ صرف بدری نرائن اور ہندو پنڈتوں کو معلوم ہو گا کہ کون کون سا گھر میرے عتاب کا نشانہ بن

چکا ہے۔ بدری نرائن اور ہندو پنڈت، پجاری اور کتنے گھر تباہ کرائیں گے؟ میرے یہ سارے دن یا سفر میں، یا پھر مراقبے اور ارتکاز میں گزر گئے لیکن ایک مسلسل تگ و دو کے بعد بھی بدری نرائن ہاتھ نہ آیا۔

پھر ایک دن جب میں ہزارے کی پہاڑیوں میں بیٹھا ہوا تھا، مجھے انکا نے ایک عجیب اطلاع دی۔ اس نے بتایا کہ وہ بدری نرائن کو ایک جگہ نہیں، تین چار جگہوں پر دیکھ رہی ہے۔ ہندوستان کے چار مختلف شہروں میں۔

''یہ کیسے ممکن ہے؟'' میں نے تشویش سے پوچھا۔

''ہاں چار جگہ۔'' انکا نے مجھے شہروں کے نام بتائے۔

''اوہ۔ پنڈت پجاری دوبارہ اس کی مدد کو آ گئے؟'' میں نے غصے میں اٹھ کر کہا۔

''کوئی اور بھی ہو سکتا ہے۔'' انکا نے آہستگی سے جواب دیا۔

''مثلاً؟''

''مثلاً جن بھی ہو سکتے ہیں۔ انہوں نے زرافشاں اور درخشاں کا بدلہ لینے کے لئے یقیناً کئی بار تم پر حملہ کیا ہو گا مگر تم نے چونکہ انہیں کوئی ایسا موقع نہیں دیا اس لیے انہوں نے یہ ترکیب سوچی ہو گی۔'' انکا نے پُرخیال لہجے میں کہا۔

''تو ان میں اصل بدری نرائن کی تلاش کیا مشکل ہے؟''

''جن طاقتوں نے یہ قدم اٹھایا ہے، انہوں نے پہلے ہی یہ انتظام کر لیا ہو گا کہ تمہاری نظر میں اصل بدری نرائن کی شناخت مشکل ہو جائے۔ کم از کم مجھے تو ناکامی ہو رہی ہے۔''

''اچھا۔ میں کوشش کرتا ہوں۔'' میں نے اپنی بصارت وسیع کرنے کے لئے ایک طویل عمل کیا۔ انکا کی طرح مجھے بھی اصل بدری نرائن کو پہچاننے میں ناکامی ہوئی۔ بدری نرائن چار سمتوں میں موجود تھا۔ یہ ایک تشویش ناک بات تھی۔ میں نے ہزارہ چھوڑ دیا اور لاہور ہوتا ہوا مختلف شہروں میں اصل بدری نرائن کو سونگھتا پھرا۔ موجودہ صورت اتنی اشتعال انگیز تھی کہ میں نیم پاگل سا ہو گیا تھا۔ آخر چھ ماہ کی پُرمشقت مسافت کے بعد بھوپال سے حیدر آباد جانے والی گاڑی میں سوار ہو گیا۔ انکا اکثر مجھ سے سلامت جان کا تذکرہ کرتی رہتی تھی۔

میں جس وقت حیدر آباد پہنچا، سلامت جان مجھ سے لپٹ کر رونے لگا۔ میرا حال بڑا ابتر تھا۔ میں عمداً اس کے چمن زار کی طرف نہیں گیا لیکن جب میں نے ریکھا اور بدری نرائن کی بازیافت کے سلسلے میں حاصل ہونے والی لڑکیوں کو دیکھا تو میرا جسم انگڑائیاں لینے لگا۔ ریکھا اور دوسری لڑکیوں کا رنگ نکھر آیا تھا۔ وہ اس ماحول میں خوش معلوم ہوتی تھیں کیونکہ یہاں دنیا کا کوئی غم نہیں تھا۔

چند دنوں تک میں اپنے آپ پر جبر کرتا رہا پھر یہ سلسلہ خود ہی ٹوٹ گیا۔ سلامت جان کے محل کی

...وں میں موسیقی کی لہریں دوبارہ میرے اعصاب پر چھانے لگیں اور ہم دونوں نے زندگی کو ...ھوں سے لوٹنا..... بلکہ یوں کہئے کہ نوچنا کھسوٹنا شروع کر دیا۔

...سی تقریب میں سلامت جان کی نظر ایک ماہ پارہ، ایک سیمیں بدن پر پڑ گئی۔ وہ بے چین ہو گیا۔ ...ر کے ایک بڑے رئیس کی اکلوتی لڑکی تھی۔ میں نے انکا کو بھیج کر اسے اپنی خلوت میں بلانا چاہا۔ ...ہو کر واپس آ گئی۔ جب وہ اس لڑکی کے سر پر گئی تو اس کا کوئی داؤ نہیں چلا۔ نتیجتاً مجھے خود زحمت ...ی۔ میں نے ایک رات اندھیرے میں بڑے مضبوط عزم کے ساتھ رئیس کے محل نما مکان میں ...تھا۔ میں اس مکان میں گھس کر انکا کی ناکامی کی وجہ جاننا چاہتا تھا اور موقع لگنے پر دوشیزہ صبا کو ساتھ ...کے سلامت جان کو دنگ کر دینا چاہتا تھا۔ مجھے وہاں کسی مزاحمت کے آثار نظر نہیں آئے لیکن انکا ...ی کی نامعلوم وجہ مجھے پریشان کر رہی تھی۔ اپنی اور انکا کی طاقتوں کی مدد سے میں عمارت کے اس ...ں پہنچنے میں کامیاب ہو گیا جہاں وہ چنبیلی کا پھول کھلا ہوا تھا۔ میں نے جان بوجھ کر رات گئے کا ...نتخب کیا تھا۔ عمارت خاموش تھی۔ اندر مسہری پر حسن بکھرا پڑا تھا۔ سلامت جان نے یوں ہی بے چینی ...ہر نہیں کیا تھا۔ میں نے انکا کو اس کے سر پر بھیجا۔ وہ چلی گئی مگر تھوڑی دیر بعد مایوس ہو کر واپس

...پھر مجھے اپنے ہاتھوں اور آنکھوں کو جنبش دینا پڑی۔ لڑکی بے خبر سو رہی تھی مگر میرا کوئی عمل کامیاب ...ہوا۔ میں جھنجلا کر اس کی مسہری کے قریب گیا۔ میں نے اس کا بدن چھونا چاہا۔ اچانک پیچھے سے ...غضب ناک آواز سنائی دی۔ میں نے تیزی سے پلٹ کر دیکھا۔ سید مجذوب غیظ و غضب کی حالت ...ٹھی زمین پر ٹیکے کھڑا تھا۔ انکا چپکے سے میرے سر سے رینگ گئی۔

سید مجذوب کو اچانک اپنے سامنے دیکھ کر میرے ذہن کو شدید دھچکا لگا۔ مجھے محسوس ہوا میں اس ...ست قلندر کے سامنے عریاں ہو گیا ہوں۔ میں رئیس کے محل نما مکان میں اس ماہ جبین کے حصول کے ...خل ہوا تھا جو انکا کی پُراسرار قوتوں کے نرغے میں نہیں آئی تھی۔ خود میری ریاضتیں بھی اس سیمیں ...اپنے نشاط کدے میں لانے سے قاصر رہ گئی تھیں۔ وہ لڑکی نیم وا کلی کے مانند کھلنے کے لئے بے ...تاب۔ شباب امڈا امڈ کر آ رہا تھا، سلامت جان کی نظر میں حسین تھا۔ اب تک میرے اس عزیز دوست نے ...کی طرف بھی اشارہ کیا تھا، وہ میں نے اس کے عجائب خانے میں پہنچا دی تھی مگر دوشیزہ صبا کے ...میں میری ہر سعی ناکام ہو گئی تھی۔ نتیجتاً خوشۂ انگور توڑنے کے لئے خود مجھے رئیس کے محل تک آنا ...نے اسے چھونے کے لئے اپنا ہاتھ دراز کیا ہی تھا کہ سید مجذوب کی غضب ناک آواز نے مجھے ...اندام کر دیا۔ اس کے چہرے پر جلال تھا۔ آنکھیں شعلے اگل رہی تھیں، لاٹھی زمین پر ٹیکے وہ مجھے ...ی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی تیز نگاہیں میرے جسم پر سوئیاں چبھو گئیں۔ اس محل کے رئیس کا

تعلق یقیناً کسی نہ کسی طرح سید مجذوب سے تھا۔ میں نے انگاروں میں ہاتھ ڈال دیا تھا۔

''تم پیرومرشد!'' مجھے اپنے لہجے پر قابو نہ رہا۔ سید کا احترام میرے دل میں پیوست تھا۔ تمام تر خفیہ قوتوں کے باوجود اس کے خطرناک تیوروں کے سامنے جم نہیں سکا۔ اس کی خاموشی نے میرا وجود جھنجھنا دیا تھا۔ پہلے میں نے اسے اتنے جلال کے عالم میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں ایک مجرم کی طرح اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ دفعتاً سید کے چہرے کا کھنچاؤ کم ہوا، اس کے ہونٹوں پر ایک گہرا تبسم ابھرا اور اس نے مسہری پر دراز خوابیدہ لڑکی کو دیکھتے ہوئے مجھے مشتعل لہجے میں مخاطب کیا۔

''لٹیرے! آستین کے سانپ، دائیں بائیں دیکھ کر چلا کر۔''

''میں شرمندہ ہوں سید۔'' میں نے ندامت سے کہا۔ ''مجھے علم نہیں تھا کہ یہ گھر اپنا ہے، یہاں تمہارا سایہ ہے۔ میں واپس جا رہا ہوں۔''

''اپنی بیٹی کو ساتھ لیے بغیر جا رہا ہے؟'' وہ دیدے نچاتا ہوا بولا۔

''میں تم سے معافی چاہتا ہوں۔ مجھے جو چاہے سزا دے لو۔'' میں نے لجاجت سے جواب دیا۔

''نہیں نہیں۔'' وہ پھٹی ہوئی آواز میں بولا۔ ''کھیلنے کودنے سے صحت اچھی رہتی ہے، جا اسے لے جا۔''

''مجھے قطعاً اندازہ نہیں تھا پیرومرشد! میں بالکل مفلوج ہو گیا تھا۔ تم سے کتنی بار کہا ہے کہ ہاتھ پکڑ لو۔ یہ لاٹھی مجھے دے دو، مجھے سہارے کی ضرورت ہے۔ تم نے ایک بے سہارا آدمی کو سہارا نہیں دیا اور نتیجہ دیکھ لیا۔''

''بتوڑے! باتیں بتاتا ہے، رنگ جماتا ہے! ابھی اور گھوم پھر کر دیکھ لے مردار! سہارے ڈھونڈتا ہے۔'' سید نے تنک کر کہا۔ ''جا گھر لوٹ جا، وہاں پریاں ناچ رہی ہیں۔ تو بھی ڈوب جا۔ اور اسے بھی ساتھ لیتا جا۔''

''سید پیرومرشد! مجھے اور ذلیل نہ کرو۔ میں یہیں سے تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔'' میں نے عزم سے کہا۔

''مچھلیاں جال میں ڈال اور بھون کر کھا جا۔ ساری دنیا تیری ہے۔ میرے ساتھ جاتا ہے اور مجھے ڈھونڈ رہا ہے۔ سلامت جان، نزاکت جان، بے ایمان!'' سید نے لاٹھی زمین پر مار کر کہا۔

''مجھے میرے گناہ یاد مت دلاؤ سید!'' میں نے چلا کر کہا۔ ''مجھے مارو، مجھے سزائیں دو، مجھے کوڑے لگاؤ۔''

''گرجتا برستا ہے؟ ابھی جسم میں خون ہے، گندا خون۔ جو کپڑے باقی رہ گئے ہیں، انہیں بھی اتار پھینک۔ نقارہ، ننگا ناچ، ننگا گا، سمجھا؟'' سید نے ایک نعرہ قلندرانہ لگایا۔

ہیں خودکشی کر لوں گا۔'' میں نے سید کی تمہید سے عاجز آ کر کہا۔

''نہیں، موسم ابھی رنگین ہے۔ سامنے مہ جبین ہے، بہکی بہکی باتیں کر۔ جو حصہ خشک رہ گیا ہے، تر کر دے۔'' میری منتوں اور عاجزانہ انداز کا سید پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ اسی طرح اپنے مخصوص میرا مضحکہ اڑاتا اور معنی خیز جملے ادا کرتا رہا۔ میں نے سوچ لیا تھا، آج سید سے فیصلہ کن بات دیکھو۔ یہ زلفیں دیکھو!'' میں نے اپنے بال بکھراتے ہوئے کہا۔ ''اب بھی میرے ارادے میں ہے؟''

''بھڑکتے ہوئے شعلوں میں روشنی تلاش کرتا ہے؟''

''میں اور کھیل کھیلوں گا۔ یہ گھر بچ گیا تو کیا ہوا۔ تم کہاں کہاں آؤ گے؟'' میں نے ایک بچے کی ی کر کہا۔

''مچھلیاں...... مچھلیاں پکڑ۔'' سید نے اپنے دونوں ہاتھوں سے مچھلی کی شکل بناتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے، تمہاری مرضی۔ اب شکایت مت کرنا۔ میں یہاں سے تمہارے احترام میں چلا تم مجھے اپنے ہمراہ مت لے چلو۔ پھر یہ چکر ختم نہیں ہو گا۔ یہ تو یوں ہی چلتا رہے گا۔ اب اس کا لہ ہو جانا چاہیے۔'' میں نے کہا۔

''میرا احترام مت کر قسائی! اس زندہ گوشت کو لے جا اور ذبح کر دے۔ یہ تیرے باپ کی جاگیر یہ طیش میں بولا۔ ''بادِ صبا کو مسموم کر دے، تجھے روکنے والا کون ہے؟''

ی کا نام صبا تھا اور سید کا اشارہ اسی کی طرف تھا۔ میں نے دوڑ کر سید کے ہاتھ پکڑ لیے جو اس جھٹکے سے چھڑا لیے۔ اس بوڑھے کے ہاتھوں میں بڑی طاقت تھی۔ میں نے زمین پر بیٹھ کر اس پکڑنا چاہا مگر وہ اور ناراض ہو گیا۔ زور زور سے نعرے لگانے لگا اور ہوحق کرتا ہوا محل سے واپس ۔ میں اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ آگے جا کر میں نے اس کی لاٹھی پکڑ لی۔ وہ اور بھی برافروختہ سید کو دیکھتے ہی میرے سر سے اتر گئی تھی۔ محل کے باہر تک میں اس کے ساتھ چلتا رہا۔ اس کی تیزی تھی کہ مجھے اس کے پیچھے تقریباً بھاگنا پڑا۔ وہ محلے کی گلیوں میں گھومتا ہوا تیزی سے چلنے لگا۔ اب میں بھاگتے بھاگتے میرا سانس پھول گیا۔ ایک بوڑھے شخص کی تیز رفتاری کا مقابلہ طاقت مجھ میں نہیں تھی۔ وہ مجھ سے آگے نکل گیا اور ایک گلی کے موڑ پر نظروں کی حد سے باہر گلیوں گلیوں اسے ڈھونڈتا رہا پھر مجبوراً واپس ہونے لگا۔ سید کے اس طرح پھر غائب ہو جانے نے اپنے بال نوچ لیے اور دیوانگی میں چلتے چلتے شارع عام پر آ گیا۔ یہاں انکا بھی میرے

کیوں، کیا وہ چلا گیا؟ تم اس کے پیچھے اس قدر کیوں بھاگتے ہو، وہ تمہارے ہاتھ نہیں آئے گا۔''

انکا میرے سر میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولی۔ ''جمیل!'' اس نے پیار سے مجھے مخاطب کیا۔ ''شکر کہ اس نے تم سے اس گستاخی کا انتقام نہیں لیا۔ تم سلامتی کے ساتھ اس گھر سے واپس آگئے۔''

''چپ رہو، میں اسے ضرور تلاش کروں گا۔ اسے اپنی لاٹھی مجھے دینا ہوگی۔'' میں نے غصے سے کہا۔

''میں تو کہتی ہوں، تم اس کے پیچھے مت پڑو، وہ من موجی شخص ہے۔ اس سے دور رہنا ہی بہتر ہے۔'' انکا نے مشورہ دیا۔

''ٹھہرو!'' میں نے کچھ سوچ کر کہا۔ ''ہم پھر رئیس کے محل میں چلتے ہیں اور صبا کی خواب گاہ میں داخل ہوتے ہیں۔''

''میں تم سے گھر واپس چلنے پر اصرار کروں گی۔''

''میں تمہیں اپنے سر سے اترنے کا مشورہ دوں گا۔''

''میں تمہاری بھلائی کے لئے کہہ رہی ہوں۔''

''میری بھلائی؟'' میں نے طنزاً کہا۔ ''اے شریر چھوکری۔ اگر تجھے بھلائی اور برائی کی تمیز ہوتی آج یہ دن نہ دیکھنے پڑتے۔ اس طرح کوچہ در کوچہ، گلی در گلی مارے مارے نہ پھرنا پڑتا۔''

''تمہارے سر پر جنون سوار ہے۔ یہ بوڑھا جب بھی تمہیں ملتا ہے، تمہاری نظریں بدل جا ہیں۔'' انکا نے تلخی سے کہا۔

''میں اس بوڑھے کے لئے ایک لفظ بھی تمہاری زبان سے سننا نہیں چاہتا۔ تم اگر خاموش نہیں سکتیں تو میرا سر ہلکا کر دو۔''

''تم طوطا چشم ہو، تمہاری آنکھ میں مروت نہیں۔''

انکا سے تلخی بڑھانے سے ذہن کا تکدر اور بڑھ جاتا۔ میں پھر اس گلی میں پہنچ گیا جہاں رئیس کا تھا اور آسانی کے ساتھ اندر داخل ہوگیا۔ لڑکی اسی طرح سوئی ہوئی تھی۔ اس کا حسین سراپا دیکھ کر میں ٹھٹھ گیا اور تھوڑی دیر تک یوں ہی کھڑا رہا کہ شاید سید دوبارہ نمودار ہو مگر سید کے آنے کے کوئی آثار نظر آئے، دفعتاً دروازے میں کھٹکا ہوا۔ میں ایک گوشے میں چھپ کر کھڑا ہوگیا۔ وہ ایک خادمہ تھی جو صبا دیکھنے آئی تھی۔ انکا میرے کہے بغیر اس کے سر پر چلی گئی۔ وہ صبا پر تو شک ڈال کر اطمینان کے سا کمرے سے نکل گئی۔ میں سوچتا رہا پھر ایک فیصلہ کر کے صبا کے پلنگ تک گیا۔ میں نے اس کے ہونٹ پر انگلی پھیر کر اس کی گویائی سلب کر لی اور کھڑا انتظار کرتا رہا۔ انکا بھی ملازمہ کے سر سے واپس آگئی تھی میں نے اسے حکم دیا کہ وہ صبا کے سر پر چلی جائے اور میرے عقب میں چلتی رہے۔ انکا نے درمیان میں دخل دینے کی جسارت نہیں کی بلکہ اس نے بے چون و چرا میرے حکم کی تعمیل کی۔ صبا ایک انگڑائی لے

اتری اور کمرے میں ٹہلنے لگی۔ اس نے اپنے سر پر دوپٹا ڈالا۔ برقع اوڑھ کر مجھ سے کہنے لگی۔ اب کس کا انتظار کر رہے ہو؟''

''ابھی ٹھہرو......'' میں نے اسے حکم دیا۔ میرا خیال تھا کہ میری اس جسارت پر سید ضرور آجائے بت میں نے انکا سے بھی کہی۔ انکا صبا کے سر پر سوار تھی۔ صبا ٹھہر گئی پھر میں نے کچھ توقف کر کے

''چلو، مگر بہت احتیاط کے ساتھ اور سنو، جب سید نظر آئے تو تم فوراً اس کے سر سے اتر جانا۔''

مکان عبور کر کے ہم گلی میں آگئے۔ مجھے تعجب تھا کہ اب تک سید کیوں نمودار نہیں ہوا۔ میرا ارادہ زی کو سلامت جان کی حویلی میں لے جانے کا نہیں تھا۔ مجھے صرف سید کا جلوہ مطلوب تھا۔ میں لڑکی لے بہت دور چلا آیا۔ گلیاں سنسان پڑی تھیں۔ اِکا دُکا چوکیدار ہانک لگاتا ہوا نظر آجاتا تھا۔ اس کی ے بچنا میرے لیے کوئی مشکل نہیں تھا۔ شارع عام پر مجھے دور سے ایک موٹر آتی نظر آئی۔ میں ے ہاتھ دیا۔ وہ رک گئی شاید اس وجہ سے کہ میرے ساتھ ایک عورت تھی۔ ڈرائیور نے میری ت پر ہم دونوں کو اپنی موٹر میں بٹھالیا۔ میں نے اسے غلط پتا بتایا تھا۔ وہ کچھ ہی دور گیا تھا کہ میں ے گاڑی روکنے کو کہا۔ میں اس کے برابر بیٹھا تھا۔ پچھلی نشست پر صبا بیٹھی تھی۔ ڈرائیور سے میں کمانہ لہجے میں کہا کہ وہ اسٹیئرنگ چھوڑ دے اور میری نشست پر آجائے۔ وہ ایک ہی دھمکی سے گڑ یا۔ میں نے اپنے واحد ہاتھ سے بہت دنوں بعد ڈرائیونگ کی۔ ڈرائیور میری نگاہوں کی تاب نہ لا بلے ہی بے ہوش ہو چکا تھا۔ سلامت جان کی حویلی شہر سے کافی دور تھی۔ وہاں تک پہنچنے میں دیر لگ میں بہت سنبھل سنبھل کر گاڑی چلا رہا تھا۔ مجھے ڈر تھا، سید مجذوب یہ سب کچھ کیسے برداشت کر رہا ار شبہ تھا کہ وہ بیچ سڑک پر کہیں کھڑا ہوا نظر آجائے گا۔ مگر حویلی آگئی، سید نہیں آیا۔ سلامت جان کی یں ابھی تک راگ رنگ کی محفل جمی ہوئی تھی۔ طبلے کی تھاپ کی گونج زور سے سنائی دے رہی تھی۔ روں کی بھیڑ سے چھپتا چھپاتا خاموشی کے ساتھ حویلی میں داخل ہوگیا۔ پھر میں نے اوپر ایک ے میں صبا کو ٹھہرا دیا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ بے ہوش ڈرائیور کو کس طرح حویلی سے دور کیا جائے؟ انکا ر بیٹھی تھی۔ اس مسئلے کا یہی بہترین حل تھا کہ میں انکا کو ڈرائیور کے سر پر بھیجوں اور خود صبا کی کروں۔ صبا کو ایک آرام دہ پلنگ پر لٹا کر میں اس کے سرہانے بیٹھ گیا۔ صبا کے جسم سے خوشبو رہی تھی۔ شباب کی ایک مسحور کن خوشبو...... دوشیزگی کی مہک۔ اگر سلامت جان اسے سونگھ لے تو جائے۔ انکا کے آجانے کے بعد مجھے فوراً بڑے ہال میں جانا چاہیے تھا تاکہ سلامت جان میری ے باخبر ہو کر اوپر نہ آجائے۔ اگرچہ صبا کے لئے سلامت جان ہی نے ضد کی تھی مگر صبا سید کی امانت تھی۔ میں اس کی ایک جھلک بھی سلامت جان کو نہیں دکھا سکتا تھا اور سلامت جان جیسے ے انکار کرنا بھی مشکل ہو جاتا۔ وہ تو پاؤں پڑ جاتا۔ ڈرائیور کو انجانے راستے پر چھوڑ کر انکا جلد ہی

واپس آگئی۔ میں اسے صبا کے سر پر بھیج کر نیچے آیا، جہاں سمن ناچ رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی سلامت جان اٹھ گیا۔ ''تم کہاں تھے جمیل بھائی؟'' وہ نشے میں لہکتا اور لڑکھڑاتا ہوا بولا۔

میں نے اسے بتایا کہ میں اسی کے کسی کام سے گیا تھا مگر ناکامی ہوئی۔ سلامت جان خود بھی بیٹھ گیا اور مجھے بھی اپنے پاس بٹھالیا۔ سازندے، رقاصائیں اور آواز کا جادو جگانے والیاں...... ہر شخص موسیقی اور مستی میں ڈوبا ہوا تھا۔ لکھنؤ کی سمن خوب ناچ رہی تھی۔ وہ رقص میں کافی مشاق تھی۔

سلامت جان نے اپنے طور پر ان کے بڑے دلچسپ نام رکھے تھے۔ مدراس سے آئی ہوئی ایک لڑکی کا نام نیلما تھا۔ سلامت جان نے اس کا نام جوہی رکھا تھا۔ جوہی ایک خوش گلو لڑکی تھی۔ اس کے گلے میں بڑی جان تھی۔ گاتی تھی تو ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے درودیوار بھی اس کے ساتھ رقص کرنے لگیں گے۔ اس وقت وہی گا رہی تھی اور سمن جوانی بکھیر رہی تھی۔ سلامت جان کا دل رکھنے کے لئے میں آ گیا۔ آج اس محفل میں میرا دل نہیں لگا۔ سلامت جان کو اپنا چہرہ دکھا کے اور اس سے سر درد کا بہانہ کر کے میں پھر دوسری منزل پر آ گیا۔ صبا کے سر پر انکا موجود تھی۔ اس دوران میں کوئی قابل ذکر واقعہ رونما نہیں ہوا تھا۔ یعنی سید مجذوب ادھر نہیں پھٹکا تھا۔ مجھے تشویش ہونے لگی۔ سید کی یہ بے نیازی کوئی بڑی مصیبت کھڑی کر سکتی تھی۔ میں ادھر صبا کے کمرے میں آیا۔ ادھر مجھے زینے پر سلامت جان کی آواز سنائی دی۔ وہ مجھے پکار رہا تھا۔ گویا اس نے میری عدم موجودگی کی وجہ سے محفل درہم برہم کر دی تھی۔ سلامت جان میری رفاقت اور صحبت کا اس حد تک عادی ہو چکا تھا کہ میری ذرا سی تکلیف پر پریشان ہو جاتا تھا۔ سید غوث کے بعد وہ دوسرا شخص تھا جو میرا مزاج آشنا اور غم گسار تھا۔ میں نے زینے پر اسے جالیا۔ ''کیا بات ہے سلامت جان؟'' میں نے تشویش سے پوچھا۔ ''تم محفل سے اٹھ کر چلے آئے...... ابھی تو رات باقی ہے۔'' میں نے کہا۔

''تمہارے بغیر مزہ نہیں آیا۔ میں نے سوچا آج تعطیل۔ وہ بھی تھک گئی تھیں، کھیل ختم ہو گیا۔''

سلامت جان نشے میں چور تھا اور اس کی زبان سے الفاظ لڑکھڑاتے ہوئے ادا ہو رہے تھے۔

''چلو ٹھیک ہے، کبھی کبھی ایسا بھی سہی۔ اب تم اپنے کمرے میں جاؤ اور آرام کرو۔ مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔'' میں نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کے کہا۔

''جمیل بھائی! صبا کا خیال دل سے نہیں جاتا۔ جب تک وہ نہیں آئے گی، ایک اداسی سی رہے گی۔ آپ نے اس کے متعلق کیا سوچا ہے؟''

سلامت جان نے صبا کا ذکر چھیڑا تو مجھے احساس ہوا کہ صبا کو یہاں ہرگز نہیں لانا چاہیے تھا۔

''وہ...... وہ بھی...... ہاں وہ بھی۔'' میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ ''پیارے، ضروری نہیں کہ زندگی میں ہر چیز مل جائے۔ ہمارے پاس ایک سے ایک نادر لڑکی موجود ہے۔ اگر وہ سب ایک ساتھ

ہو جائیں تو اہل نظر کے لئے انتخاب دشوار ہو جائے۔''

''یہ سب تو ہیں مگر صبا، آپ یقین کریں تو وہ ایک حور ہے، اسے دیکھنے کے بعد یہ نگار خانہ ادھورا ہوتا ہے۔ آپ ایسا کیجئے، یہ نگار خانہ صبا کے گھر والوں کو اس کے بدلے دے دیجئے۔''

''اچھا اچھا، میں کوشش کروں گا کہ وہ بھی یہاں آ جائے۔'' میں نے سلامت جان کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''نہیں جمیل بھائی! نہیں، وعدہ کیجئے۔''

''وعدہ...... بالکل پکا وعدہ۔ اب جاؤ، جوہی انتظار کر رہی ہوگی۔''

سلامت جان بہت مشکل سے اپنی خواب گاہ میں جانے پر راضی ہوا۔ وہ ابھی اکھڑا اکھڑا سا تھا بہت دل گرفتہ نظر آتا تھا۔ میں اس کے سامنے ہی اپنی خواب گاہ میں داخل ہو گیا اور دروازہ بند کر جلد ہی اندھیرا کر لیا۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ سلامت جان بستر پر لیٹ چکا ہوگا تو میں پھر اوپر کی گیا اور اطمینان کر کے نیچے آ گیا۔ صبا موجود تھی اور انکا بھی اس کے سر پر اونگھ رہی تھی۔ میں اس خیال سے سخت پریشان تھا۔ اس وقت صبا کی واپسی بھی آسان نہیں تھی۔ حویلی کی چھت پر ایک پرسکون جگہ تھی۔ وہاں میں اکثر راتوں کو چلا جاتا تھا اور گھنٹوں کھلا آسمان تکا کرتا تھا۔ سید سے ملاقات کے اس کی معنی خیز باتوں نے مجھ پر گہرا اثر کیا تھا۔ میں چھت پر چلا آیا۔ ابھی مجھے آئے چند ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ انکا سراسیمہ وحواس باختہ میرے سر پر آ گئی۔ میں سمجھ گیا۔ سید آ گیا ہے۔ میں نے اس دہشت میں پوچھا۔ ''کہاں ہے وہ؟''

''کون؟'' انکا جز بز ہو کر بولی۔

''وہی پیرومرشد سید، وہ آ گیا ہے۔ مجھے یقین تھا کہ وہ ضرور آئے گا، گویا اندازہ درست ثابت ہوا۔'' میں نے پُرامید لہجے میں کہا۔

''وہ نہیں۔ سلامت جان اوپر آ گیا ہے۔''

''سلامت جان؟ وہ تو اپنی خواب گاہ میں چلا گیا تھا۔ یہ بہت برا ہوا۔'' میں تیزی سے نیچے اترا اور طوفان کی طرح صبا کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ سلامت جان صبا کو حیرت زدہ نظروں سے دیکھ رہا تھا اس کے خوب صورت ہاتھوں کو بری طرح بوسے دے رہا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ اپنے جامے میں نہیں رہا۔

''سلامت جان۔'' میں پوری قوت سے دہاڑا۔ ''ہٹ جاؤ۔'' وہ حیرت سے ایک دم پلٹا۔

''جمیل بھائی، آپ! آپ نے ہم سے چھپایا اور دیکھئے ہم نے دیکھ لیا۔''

''تم یہاں کیوں آ گئے؟ اس سے دور ہٹ جاؤ۔'' میں نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

"آج خواب گاہ میں دل ہی نہیں لگ رہا تھا۔ میں آپ کی خواب گاہ میں گیا تو وہاں موجود نہیں تھے۔ اوپر آنے کے لئے میں ادھر سے گزرا تو خوش قسمتی سے کھڑکی میں سے مجھے یہ چاند نظر آ گیا اور میں پاگل ہو گیا۔ کیا میں جاگ رہا ہوں؟ سچ بتایئے، کیا میں زندہ ہوں؟" سلامت جان نے بڑی سادگی سے پوچھا اور صبا کی زلفوں کا بوسہ لے لیا۔ "مگر آپ نے مجھ سے کیوں چھپایا؟ کیا...... کیا آپ......" وہ آگے کچھ نہ کہہ سکا۔

"بدگمانی مت کرو۔" میں نے چیخ کر کہا۔ "یہ ایک امانت ہے۔"

"امانت؟" سلامت جان نے مستانہ نظروں سے صبا کو دیکھا۔ صبا اس چیخ پکار سے جاگ گئی تھی اور کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسے جاگتے دیکھ کر سلامت جان نے اسے پلنگ سے اٹھا لیا اور اپنی آغوش میں لے کر اچھلنے لگا۔ صبا نے ایک لرزہ خیز چیخ ماری اور سلامت جان کی آغوش میں بے ہوش ہو گئی۔ "نہیں نہیں، یہ میری ہے۔ یہ میرے لیے ہے۔ آپ یہ کھلونا میرے لیے لائے ہیں۔"

میں نے آگے بڑھ کر اس کے گال پر زور سے طمانچہ مارا اور صبا کو اس سے چھین کر پلنگ پر ڈال دیا۔ زندگی میں شاید یہ پہلا طمانچہ ہوگا جو سلامت جان نے کھایا تھا۔ اس نے بڑے ناز و نعم میں دن گزارے تھے۔

وہ لڑکھڑا گیا اور سکتے کے عالم میں میرا چہرہ دیکھنے لگا۔ ویسے وہ پہلے ہی لڑکھڑا رہا تھا۔ وہ اپنے حواس میں تھا ہی کب؟ شام سے پی رہا تھا۔ اپنی طرف سے اس کے اس طرح دیکھنے سے میں بڑا شرمسار ہوا۔

"آپ......" اس نے صرف اتنا کہا اور اپنا گال سہلانے لگا۔

"سمجھنے کی کوشش کرو سلامت جان! تم اس وقت ہوش میں نہیں ہو۔ صبح تک کے لئے انتظار کرو۔ یہاں سے چلے جاؤ ورنہ مجھے شرمندگی ہوگی۔ مجھ پر اعتماد کرو۔ میں اسے کسی بری نیت سے نہیں لایا۔ میں اس کا پاسبان ہوں۔"

صبا کے متعلق بہت سی باتیں ہو چکی تھیں اس لئے سلامت جان میری موجودہ منطق پر کس طرح یقین کر لیتا؟ اس کے دل میں پھانس سی اٹک گئی۔ "نہیں......" اچانک وہ چیخا۔ "میں اس کے لئے اپنا خون کر سکتا ہوں۔" وہ مسہری پر بے ہوش صبا کے بدن پر گر گیا اور اسے نوچنے لگا۔

میں نے اس کے بال پکڑ کر اسے اٹھایا اور انکا سے کہا۔ "اس بدبخت کو نیچے لے جاؤ۔ یہ صرف تمہارے قابو میں آئے گا۔ میں اس پر اپنی قوت کا اظہار کرنے سے قاصر ہوں۔"

انکا کے جانے کے بعد سلامت جان کی درندگی اور سرکشی ماند پڑ گئی۔ وہ کسی سدھائے ہوئے جانور کی طرح کمرے سے نکلا جیسے ابھی کوئی واقعہ نہیں ہوا تھا۔ میں صبا کے پاس ہی رک گیا۔ سلامت

دست درازی سے صبا کا گریبان چاک ہو گیا تھا۔ میں نے اپنی نظریں پھیر کر اسے درست کیا۔ مجھے عجیب کشمکش و پیچ میں مبتلا کر دیا تھا۔ میں نے دل میں کہا۔ "سید! کب تک پردہ پوشی کرو گے؟ نہیں چھوڑوں گا اور دیکھوں گا کہ تم کب تک بے نیاز رہتے ہو۔"

میں نے مسہری کے قریب ہی آرام کرسی پر دراز ہو کے آنکھیں موند لیں۔ میری آنکھیں اس وقت جب انکا میرے سر پر وارد ہو گئی۔ اس نے بتایا کہ وہ سلامت جان کو سلا کر آ رہی ہے۔ میں رہا۔ میں نے عالم تصور میں انکا کو دیکھا، وہ بار بار کرب سے کروٹیں بدل رہی تھی۔ اس کے انداز و دہشت مترشح تھی۔ اس کے چھوٹے چھوٹے سرخ ہونٹ لرز رہے تھے۔ وہ مجھ سے کچھ کہنا تھی۔

"کیوں......؟" میں نے اسے مخاطب کیا۔ "کچھ بدلی بدلی نظر آتی ہو۔"

"جمیل! میں وہ......" اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی پھر چونک کر مجھے یوں گھورنے لگی جیسے کسی کی بو سونگھ رہی ہو۔ میں اس کی عادتوں سے واقف تھا۔ میں نے وضاحت طلب نظروں سے وہ سخت مضطرب تھی۔

"کیا تلاش کر رہی ہو، انکا؟ میں نے آہستگی سے پوچھا۔

"جمیل! مجھے ہر طرف گرد و غبار نظر آ رہا ہے۔ میری نظر کمزور ہو گئی ہے۔ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا

"سر سے نیچے اتر کے میرے پہلو میں آ جاؤ۔ میرے سینے سے لگ کر آنکھیں موند لو۔ تمہاری بے قرار آ جائے گا۔"

"جمیل!" وہ سہمی ہوئی آواز میں بولی۔ "اس لڑکی کو واپس اس کے گھر پہنچا دو۔"

"یہ یہاں محفوظ ہے، میں اس کا انتظار کر رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"وہ بوڑھا......!" انکا کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"تمہاری نظریں اسے نہیں پہچان سکیں گی، سوچنا چھوڑ دو۔ اور وقت کا انتظار کرو۔"

"کیا تم یہ اندھیرا محسوس نہیں کر رہے ہو جو چاروں طرف پھیل رہا ہے۔" انکا نے سنجیدگی سے کہا۔

"تمہیں کیا ہو رہا ہے؟ مجھے بتاؤ، تمہیں کیا محسوس ہو رہا ہے؟"

"تاریک اور گھپ اندھیرے میں چنگاریاں سی چمک رہی ہیں۔"

انکا کے لہجے نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا۔ میں نے نندا کی تربیت کا سہارا لیا لیکن مایوسی ہوئی۔ بھی حبس اور گھٹن کا احساس ہونے لگا۔ میں تیزی سے اٹھا۔ انکا بار بار پلکیں جھپکا کر کچھ دیکھنے کی کر رہی تھی۔ میں زینے سے نیچے اتر کر فوراً سلامت جان کی خواب گاہ کی طرف لپکا۔ سلامت

جان کی خواب گاہ کا دروازہ خلاف توقع کھلا ہوا تھا۔ میں دوڑتا ہوا اندر داخل ہوا پھر ٹھٹک کر رک گیا۔ سلامت جان کا لباس تار تار تھا۔ شراب کی بلوریں پیالیاں اور بوتلیں ادھر ادھر بکھری پڑی تھیں۔ اس کے چہرے پر دیوانگی برس رہی تھی۔ اسے اس عالم میں دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا۔ وہ ایک بڑا کنستر ہاتھ میں لیے کسی محلول سے فرنیچر تر کر رہا تھا۔

''سلامت جان! یہ کیا دیوانگی ہے؟'' میں نے چیخ کر اسے مخاطب کیا۔

''تم، جمیل احمد خان۔'' وہ تیزی سے میری سمت پلٹا۔ وہ اور غضب ناک لہجے میں بولا ''میرے حجلۂ عروسی سے چلے جاؤ۔ تم نے صبا کی سہاگ رات میں مخل ہونے کی کوشش کی ہے، میں تمہیں گولی مار دوں گا۔''

میں انکا کو سلامت جان کے سر پر بھیجنے کا حکم دے ہی رہا تھا کہ اس نے ایک جھٹکے سے شمع دان گرا دیا۔ ایک چنگاری لپکی، پھر دیکھتے ہی دیکھتے شعلے بھڑک اٹھے۔ انکا سلامت جان کے سر پر جانے کے بجائے میرے سر پر زور سے چیخی۔ ''جمیل! حویلی سے باہر نکلو، سب کچھ ختم ہونے والا ہے، میں یہاں دھواں ہی دھواں دیکھ رہی ہوں۔''

میں نے سلامت جان کو شعلوں سے نکالنا چاہا مگر وہ خود اپنے کپڑوں میں آگ لگا رہا تھا۔ اس پر بھی میں نے اس کی آستین پکڑ لی مگر انکا نے اپنے پنجوں کی شدید چبھن سے مجھے باہر نکلنے پر مجبور کرنا شروع کر دیا۔ میں سلامت جان کو گھسیٹتا ہوا باہر لایا۔ سارا کمرا آگ کی لپیٹ میں آ چکا تھا۔ سلامت جان قہقہے لگاتا ہوا مڑ مڑ کر کمرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ زور سے اپنا ہاتھ چھڑا کر دوبارہ جلتے ہوئے کمرے میں داخل ہو گیا۔ اب اسے باہر نکالنا میرے بس سے باہر تھا۔ میں نے آگ سرد کرنے کے لئے اپنی باطنی صلاحیتیں آزمانے کی کوشش کی۔

اس کوشش میں یہ ہوا کہ آگ اور بڑھ گئی اور بڑھتے بڑھتے اس نے یہ عظیم حویلی اپنی وسیع آغوش میں لے لی۔ ہر طرف چیخ پکار شروع ہو گئی تھی۔ میرا عزیز دوست میرے سامنے جل رہا تھا اور میں اپنی غیر معمولی پُراسرار طاقتوں کے باوجود اسے بچا نہیں سکتا تھا۔ دوسری طرف صبا تھی۔ زینے پر، اوپر نیچے ہر سمت آگ لگ رہی تھی اور صبا تک پہنچنا دشوار تھا لیکن میں سید کے خیال میں پھنکارتے شعلوں کے ہجوم میں راستہ تلاش کرتا اور خود کو بچاتا ہوا اوپر پہنچا۔ صبا کی مسہری خالی پڑی تھی، میں چھت پر گیا، اِدھر اُدھر کے جھلستے کمرے میں دیکھے۔ صبا کا کہیں پتا نہ تھا۔ سلامت جان کی دو منزلہ عالی شان حویلی دھماکوں کے ساتھ منہدم ہو رہی تھی اور خوف ناک چیخیں شعلوں کے ساتھ مل کر ہولناک منظر پیش کر رہی تھیں۔ رنگ و نور کا شبستان جل رہا تھا۔ نفسا نفسی کا عالم تھا۔ مجھے بھاگتے ہوئے ملازم دکھائی دیے اور بھاگتی ہوئی لڑکیاں نظر آئیں۔ ہر شخص کو اپنی زندگی کی فکر تھی۔ میں بھی اِدھر اُدھر بھاگتا پھر رہا تھا۔ کئی لڑکیوں کو میں

کاندھے پر اٹھا کر بچا لے آیا اور انہیں باہر چھوڑ کر پھر اندر آگ میں گھس گیا۔ آخر میں اندر جانا بھی ہو گیا کیونکہ بڑی بڑی دیواریں اپنی بنیادوں سے جدا ہونے لگی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے انہیں دھکیل رہا ہو، کوئی گرا رہا ہو۔

''انکا!'' میں نے اپنا ماتھا پونچھتے ہوئے کہا۔ ''صبا کا پتا لگاؤ، میں ادھر لڑکیوں کو دیکھتا ہوں۔ جلدی ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔''

انکا پھدک کر میرے سر سے اتر گئی۔ اس کی واپسی فوراً ہوئی۔ وہ مایوس لوٹی تھی اور کچھ بتانے سے رہی۔ میں نے پھر آگ میں کودنا چاہا لیکن انکا نے مجھے روک لیا۔ ''اب وہاں کچھ نہیں رہا۔'' وہ اداسی بولی۔

سلامت جان نے حویلی شاید اسی لیے آبادی سے کچھ دور بنائی تھی تاکہ وقت پڑنے پر کوئی مدد کو بھی سکے اور جو کچھ ہونا ہو فوراً ہو جائے، کچھ بھی نہ بچے، کوئی نشان باقی نہ رہے۔ اس نے اپنی موت کا جشن دھوم دھام سے منایا۔ خوب پھلجھڑیاں چھوٹیں۔ میری آنکھوں کے سامنے میرا آشیانہ راکھ ہو رہا حویلی کے کھنڈر سے دور کھردری زمین پر نازک بدن لڑکیاں کراہ رہی تھیں۔ آگ بجھنے کا نام نہیں لیتی صبح سویرے کئی امدادی پارٹیاں آگ بجھانے آ گئیں اور زخمیوں کو ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ میرے زخم ل تھے اور میں زخموں کا عادی بھی ہو گیا تھا۔

میں نے ہسپتال جانے سے انکار کر دیا اور وہ مسخ لاشیں دیکھتا رہا جو حویلی سے برآمد کی جا رہی ں۔ شام تک میں ملبے کے قریب بیٹھا رہا۔ آگ بجھ چکی تھی مگر اس نے سب کچھ نگل لیا تھا۔ ہر سمت بکھرے ہوئے تھے۔ اسی ملبے سے سلامت جان کی لاش نکلی جو پہچانی نہیں جاتی تھی۔ کون کہہ سکتا تھا رات یہی شخص زندگی کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہا تھا۔ میں نے اسے دیکھا۔ میں اسی لیے ٹھہرا ہوا آخری بار اس کی صورت دیکھ سکوں۔ جب لاش چلی گئی تو میں اس کھنڈر سے اٹھا۔ میرے لیے سر نے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ پیدل چلتا ہوا میں شہر تک آ گیا۔ اس حادثے پر انکا کے منہ سے بھی کوئی لفظ نکل رہا تھا۔ بولا ہی نہیں جا رہا تھا، چلا ہی نہ جاتا تھا...... پاؤں من من بھر کے ہو گئے تھے اور جسم میرا اپنا نہیں معلوم ہوتا تھا۔

چیختے ہوئے جسم، جلتی ہوئی عمارتیں، خون، خوف، اندھیرے بلکتے ہوئے چہرے اور سلگتی ہوئی ں۔ میری آنکھیں انہیں دیکھتے دیکھتے بجھنے لگی تھیں اور میرے کان انہیں سنتے سنتے پھٹنے لگے تھے۔ ئی بار شدید نفرت کی تھی مگر دنیا نے اس نفرت کی اجازت نہیں دی۔ کئی بار یہ قصہ میں نے تمام کرنا لکیریں مٹتی ہی نہیں تھیں۔ انکا اور میں چپ، گم صم پھر اَن دیکھی منزل کی طرف جا رہے تھے۔

''اب کہاں چلو گے؟'' انکا نے ٹوٹے پھوٹے لہجے میں کہا۔

"کہاں جائیں؟" میں نے مردہ آواز میں پوچھا۔

"بمبئی چلیں، بزئین اور سید غوث وغیرہ کو دیکھیں، کچھ دل بہل جائے گا۔ یہاں تو سارے چراغ بجھ چکے۔" انکا کی آواز میں بڑی کسک تھی۔

"نہیں وہ لوگ خوش ہیں۔ ہم بڑے منحوس ہیں۔ جدھر جاتے ہیں وہاں تباہی آ جاتی ہے۔ انہیں کیوں پریشان کریں، چلو کسی قبرستان میں چل کر رہتے ہیں۔ کسی قبر میں آشیانہ بناتے ہیں۔" میں نے تقریباً روتے ہوئے کہا۔

"تم تو مر سکتے ہو، مجھے اپنی موت پر بھی اختیار نہیں۔"

چار مینار، حیدر آباد کی مشہور عمارت ہے۔ میں اس کے ایک دروازے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا، جس کا رخ مشہور مکہ مسجد کی طرف تھا۔ عشا کی اذان ہوئی تو میرے دل پر ایک خوف طاری ہو گیا۔ مجھ سے وہاں بیٹھا نہ گیا۔ میں مخالف سمت، چار کمان جانے والی سڑک پر ہولیا۔ چار کمان سے کچھ دور ایک ندی ہے۔ غالباً موسیٰ ندی۔ اس کے اوپر ایک پل بنا ہے جو شہر کا یہ حصہ دوسرے حصے سے ملاتا ہے۔ وہیں جنگلے کے سہارے کھڑا رہا اور جب کھڑا ہونا بھی مشکل ہو گیا تو حیدر آباد کی تاریخی لائبریری کے لان میں لیٹ گیا۔ ہوا خنک تھی۔ لیٹا رہا، صبح ہو گئی۔ پھٹے ہوئے جلے ہوئے اور گندے لباس نے لوگوں کی توجہ جلد ہی مبذول کر دی۔ وہ مجھے پریشان کرنے لگے۔

"کون ہو؟ کیا نام ہے کیا کرتے ہو؟ یہاں کیوں بیٹھے ہو؟" میں نے جھڑک دیا۔ "اپنا کام کرو بھائی!" کوئی پاگل کہتا اور کوئی کہتا کہ پہنچا ہوا شخص ہے۔ انہی خطابات کی گونج میں اور اسی ادھیڑ بن میں مجمع چیرتے ہوئے پولیس کے چند جوان آ گئے اور انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں مجھ سے بازپرس شروع کر دی۔ میرا جلا ہوا لباس چغلی کھا رہا تھا۔ وہ میری تلاش میں تھے اس لیے کہ سلامت جان کے ہاں سے برآمد ہونے والی لڑکیوں نے پولیس کو سلامت جان کے نشاط کدے کا سارا حال بتا دیا تھا۔ اس میں، میرا نام بھی آیا تھا۔ پولیس والے کے تخاطب سے اندازہ ہوا کہ سلامت جان کی حویلی سے متعلق خاصے چرچے ہو رہے تھے۔ انکا نے ایک دن کی خاموشی کے بعد کسمسانا شروع کر دیا تھا۔ پولیس والے مجھے جبراً اٹھا کر تھانے کی طرف لے جانے لگے۔ پیچھے ایک خلقت تھی، لوگ اشارے کر رہے تھے اور عجیب عجیب قصے اس حویلی کے متعلق ایک دوسرے کو سنا رہے تھے۔ تھانے تک بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ میں سر جھکائے تھانے میں داخل ہوا۔ مجھے سوالات کے کمرے میں لے جایا گیا۔ انسپکٹر سوالات کرتا رہا، میں بالکل خاموش رہا۔ میری خاموشی سے انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ حویلی کے حادثے نے میرے دل و دماغ پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ اس وقت تو ان سے چھوٹ مل گئی مگر زیادہ دیر تک تھانے میں قیام کرنا کسی صورت مناسب نہیں تھا۔ پولیس سے میری آشنائی پرانی تھی۔ جلد ہی رہائی کے لئے کوئی قدم

تھا۔ میں تفصیل سے بچوں گا کیونکہ اس سے پہلے کئی مرتبہ اسی قسم کے حالات کا تذکرہ کر چکا ہوں۔
ے موقعوں پر بڑی فعال ہو جاتی تھی۔ دوپہر کے وقت جب زندگی کے ہنگامے عروج پر تھے، میں
ے خاص دروازے سے بے جھجک باہر آ گیا اور جہاں تک بھاگ سکتا تھا، بھاگتا رہا۔ انکا تھانے
لی افسر کے سر پر بیٹھی تھی، جس نے میری رہائی کا حکم صادر کر دیا تھا اور تھانے کے عملے نے بھی مجھے
افسر کے حکم پر حیرت کے ساتھ باہر جانے دیا تھا۔ انکا کو کم از کم اتنی دیر تک ضرور اس اعلیٰ افسر کے سر
تھا، جب تک میں حیدر آباد سے دور نہ نکل جاؤں اور یہی ہوا۔ میں گلبرگہ جانے والی گاڑی میں
ہو گیا اور ٹرین حیدر آباد کی حدود سے نکل گئی تو انکا میرے سر پر آئی۔

سید مجذوب سے میری پہلی ملاقات گلبرگہ میں ہوئی تھی۔ اس کا سلسلہ حضرت خواجہ گیسو درازؒ سے
تھا۔ میں نے آخر کار گلبرگہ ہی میں سید مجذوب کو تلاش کرنے اور حضرت خواجہ کے مزار پر حاضری
کا ارادہ کر لیا تھا لیکن میں تین ماہ تک گلبرگہ کے قریب بھٹکتا رہا اور شہر میں داخل نہیں ہو سکا۔ ہر بار
کوئی حادثہ پیش آ جاتا تھا۔ کبھی پولیس کی وجہ سے مجھے راستہ بدل دینا پڑتا تھا۔ کبھی میرے سینے میں
درد ہونے لگتا تھا۔ کبھی میں غلط گاڑی میں بیٹھ جاتا تھا اور کسی دوسرے اسٹیشن پر اتر جاتا تھا۔ کبھی بس
ثہ ہو جاتا تھا، ایک سے ایک افتاد لیکن کسی حادثے کے بعد میں نے ہمت نہیں ہاری۔ میں گلبرگہ کی
پیدل ہی چلا لیکن گلبرگہ نہ پہنچ سکا۔ راستے میں بہک جاتا اور کسی دوسری بستی میں نکل جاتا۔ آخر تین
مسلسل کوشش کے بعد گلبرگہ شہر میں داخل ہو گیا لیکن شہر میں داخل ہوتے ہی پولیس نے مجھے گھیر لیا
لڑکوں کی ایک ٹولی نے پتھروں سے مجھ پر یلغار کر دی۔ میرا ماتھا کھل گیا اور جسم سے خون اتنا بہا کہ
چلنے پھرنے میں بھی کمزوری محسوس کرنے لگا۔ پولیس سے تو میں نے کئی جگہ چھٹکارا حاصل کر لیا تھا۔
وں کو پکڑ کر میرے پاس لاتی اور تیمارداری کراتی۔ وہ مجھے پولیس سے نجات دلاتی اور اپنی بساط
مطابق جگہ جگہ بچاتی رہی۔ میں ایک بچہ تھا جو انکا کی لاٹھی کے سہارے مقام بہ مقام بدل رہا تھا۔ تنگ
نے گلبرگہ چھوڑ دیا۔ اعصاب جواب دے رہے تھے۔ میں ٹمٹما رہا تھا اور خود کو اِدھر سے اُدھر
لیے پھرتا تھا۔ صبح سفر، شام سفر، رات کو کسی سرائے میں یا پھر یوں ہی کسی دکان کے تھڑے پر۔
میں کسی درخت کے نیچے۔ انکا موجود تھی اور اشارے پر وہ میرے لیے دولت اکٹھی کر سکتی تھی۔
جو مظاہرہ سلامت جان کی حویلی میں دیکھا تھا وہ اور کہاں نظر آتا؟ دولت سے جی بھر گیا تھا۔ دنیا
کون سا غم، کون سی خوشی نہیں دیکھی تھی؟ اب نہ خوشی میں لذت تھی، نہ غم کوئی دکھ پہنچاتا تھا۔ ایسی
گی جہاں ہر رنگ پھیکا نظر آئے اور بُو اور ذائقے کی تمیز ختم ہو جائے۔ دنیا بڑی ظالم شے ہے،
بگڑتی ہے۔ بہت دنوں بعد کہیں طبیعت سنبھلی اور وہ بھی یوں جب متھرا کا اسٹیشن آیا اور وہاں سر
ہوئے پنڈتوں کی ایک ٹولی دیکھی۔ انہیں دیکھ کر مجھے بدری نرائن یاد آ گیا اور احساس ہوا، ابھی

اور زندہ رہنا ہے۔ مرنے سے پہلے ایک فرض انجام دینا ہے۔ اسی لمحے میں نے انکا سے کہا۔ ''کچھ اور نہیں تو اسی کو تلاش کیا جائے۔''

''اس کا خیال چھوڑ دو، میری مانو تو بمبئی چلو۔'' انکا نے مجھے ٹالتے ہوئے کہا اور بمبئی چلنے پر ضد کرنے لگی۔

انکا کا خیال تھا، میں نے ایک عرصے سے مراقبے، تزکیہ نفس ارتکاز اور تنفس وغیرہ کی مشقیں نہیں کی ہیں اس لیے فی الحال میرا بدری نرائن سے ملنا مناسب نہیں ہے۔ گھومتا گھومتا میں بلدوانی تک پہنچ گیا۔ وہاں میں نے ایک سرسبز اور ویران مقام پر کوئی پچاس دن تک سخت سے سخت مشقیں کیں۔ میں ایک ایک ہفتے تک مراقبے میں ڈوبا رہا۔ ان کیفیتوں میں میری ابتر حالت معمول پر آنے لگی اور جسم میں توانائی محسوس ہوئی۔ انکا کے لئے یہ ایک غیر دلچسپ کام تھا مگر وہ بڑی تن دہی سے ساتھ نبھا رہی تھی۔ پچاس دن کی اس محنت شاقہ کے بعد میں ہلدوانی سے چل پڑا۔ مجھے انکا نے بتایا تھا کہ بدری نرائن بنارس میں ہے۔ میں نے انکا کو خود سے دور رہنے کا مشورہ دیا کیونکہ میرے سر پر انکا ہونے کے سبب سے بدری نرائن کو میری سمت کا پتا چل جاتا تھا اور وہ جگہ بدل دیتا تھا۔ خود میری نقل و حرکت سے وہ اس وقت تک لاعلم رہتا جب تک میں اس بستی کے قریب نہ پہنچ جاؤں، جہاں وہ موجود ہے۔ انکا کو یہ جدائی بڑی شاق گزر رہی تھی۔ وہ میرے بنارس جانے پر ناراض تک ہوگئی اور اس نے اپنی سمت بنارس کے مخالف کر دی، یعنی وہ بمبئی چلی گئی اور میں تنہا بنارس روانہ ہوگیا۔

بنارس قریب آ رہا تھا اور میری آنکھیں چہار سمت دیکھنے پر قادر تھیں۔ میں ایک طرح سے مسلسل ارتکاز میں تھا۔ بدری نرائن ابھی تک بنارس میں مقیم تھا۔ میں اپنے اس دشمن کے قریب ہوتا جا رہا تھا اور اس خیال سے میرا دل عجب خوشی اور ولولے سے معمور تھا کہ اس بار وہ میری دست برد سے بچ کر نہیں جائے گا اور میں سکون کے ساتھ مر سکوں گا۔ اس بار بدری نرائن کے تعاقب میں آنکھ مچولی کا کھیل نہیں ہوا۔ بنارس میں داخل ہوتے وقت مجھے معلوم ہوا کہ وہ بنارس ہی میں ہے۔ میں اس کے بہت نزدیک تھا۔ میں نے احتیاطاً انکا کو بلا لیا۔ انکا نے آتے ہی مجھے بمبئی میں تزئین، سید غوث، پریم اور مالا کے قصے سنانے چاہے لیکن سنا نہیں سکی۔ میں اپنی تمام تر توجہ بدری نرائن پر مرکوز رکھنا چاہتا تھا۔ انکا نے مجھے ایک نئی اطلاع فراہم کی تھی۔ بدری نرائن کا قیام ایک مقامی پنڈت امرلال کے ہاں تھا۔ میں تنہا تھا، ساز و سامان کے بکھیڑوں سے آزاد۔ اسٹیشن سے سیدھا بدری نرائن کی طرف روانہ ہوگیا۔ دیر لگانے کی صورت میں اس کے ہاتھ سے نکل جانے کا احتمال تھا۔ مجھے اس بات پر شدید حیرت تھی کہ مجھے اور انکا کو بنارس میں اپنے قریب محسوس کرنے کے باوجود بدری نرائن نے کسی قریبی مندر میں چھپ کر راہِ فرار اختیار نہیں کی تھی۔

''وہ ایک بڑے گشتی مندر کی پناہ میں ہے۔'' انکا نے میرے استفسار پر جواب دیا۔

''کیا مطلب؟''

''امرلال چالیس سال تک ہمالیہ کی برف پوش چوٹیوں اور ویران گپھاؤں میں کٹھن تپسیا کے بعد آیا ہے۔ بدری نرائن نے ہر طرف سے مایوس ہو کر اسی لیے اس کے ہاں پناہ لی ہے اور اس نے تمہارے خلاف پوری طرح تیار کر دیا ہے۔'' انکا نے کہا۔

''تو اس کا مطلب ہے امرلال سے معرکہ دلچسپ اور شان دار رہے گا۔ آخری معرکہ تو اسی دھوم ہونا چاہیے۔''

''جانے سے پہلے کہیں بیٹھ کر کچھ دیر سوچ لو۔''

''کیا تم نہیں چاہتیں کہ وہ کمینہ اپنے انجام کو پہنچے۔ کیا تمہیں اس کا خون پینے کی خواہش نہیں؟''

انکا نے میرے تیور دیکھ کر کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ جب کبھی میرے چہرے پر تلخی دیکھتی، خاموش رہ ... امرلال کا قیام بنارس کے آخری سرے پر واقع ایک پُرسکون مکان میں تھا جو ایک مہاجن کی ... تھا۔ امرلال کے لئے اس نے اپنا مکان خالی کر دیا تھا۔ اس مکان تک پہنچنے میں مجھے کسی رکاوٹ کا ... نہیں کرنا پڑا۔

کلدیپ نے پریتم لال کے استھان سے نیچے اترنے سے انکار کر کے میری زندگی میں جو زہر ... دیا تھا وہ میرے رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا۔ اب کون کم بخت زندہ رہنا چاہتا تھا؟ انکا بے ... نظر آ رہی تھی۔ وہ کہتی تھی۔ مجھے خطرہ لاحق ہے۔ میں کہتا تھا خطرہ تو اسے لاحق ہوتا ہے جو جینے کی ... کرے۔ فیصلہ تو کسی طور ہونا ہی چاہئے۔ میں آسانی کے ساتھ مکان میں داخل ہوگیا۔ اس وقت ... جوش اور غضب کا کیا عالم تھا؟ یہ نا قابل بیان ہے۔ اِدھر اُدھر کمروں سے گزر کر میں اس کمرے ... پہنچ گیا جہاں وہ دونوں موجود تھے۔ بدری نرائن کی شکل نظر آتی تو سارے جسم میں خون دوڑنے لگا۔ ... نے امرلال کو غور سے دیکھا۔ انکا کی اطلاع غلط نہیں تھی۔ امرلال حقیقتاً ایک بڑا گیانی دھیانی شخص ... ہوتا تھا۔ اس کی آنکھوں کی تابانی اس امر کی غمازی کر رہی تھی کہ اس نے اپنی عمر کا بڑا حصہ باطنی علوم ... تحصیل میں صرف کیا ہے۔ اس کے چہرے پر بلا کا اعتماد تھا۔ عمر کے اعتبار سے وہ ساٹھ سال کے لگ ... نظر آ رہا تھا۔ قویٰ خاصے مضبوط تھے۔ سرانڈے کے چھلکے کی طرح بے داغ تھا۔ بدن پر گیروا مل رکھا ... وہ ایک اونچی مسہری پر آنکھیں بند کیے لیٹا تھا اور بدری نرائن پوری عقیدت سے اس کے پائنتی بیٹھا ... دبا رہا تھا۔ نرگس اور مالا کے چہرے، جگہ جگہ کی اذیتیں، کالی کے پرانے مندر کا تہ خانہ، خونخوار ... بدری نرائن کو دیکھ کر مجھے ہر بات ہر اذیت یاد آ گئی۔ میں ہندوستان کے بہت سے پنڈتوں،

پجاریوں کو ختم کرتا ہوا یہاں تک آیا تھا اور اب میرا دشمن میرے سامنے تھا۔

انکا نے میرا سر جھنجوڑ کر کہا۔ ''جمیل! اس پر فوراً حملہ کردو، رعایت سے گریز کرو۔''

''دیکھتی رہو، میں اسے للکارے بغیر نہیں ماروں گا۔''

''وار کرنے میں دیر نہ لگاؤ۔'' انکا ہیجانی انداز میں بولی۔

''تم دخل اندازی کر رہی ہو۔ میں کہتا ہوں چپ رہو۔''

''میری بات مان لو۔'' انکا عاجزی کے ساتھ گویا ہوئی۔

میں دروازے کی آڑ میں کھڑا ہوا تھا۔ جب دروازہ کھول کر میں اندر پہنچا تو بدری نرائن نے میری شکل دیکھی اور اچانک ایک فٹ اوپر اچھل پڑا۔ ''مہاراج! مہاراج!'' اس نے فوراً امرلال کے پیر پکڑ لیے۔ ''مہاراج، آنکھیں کھولو۔ وہ دشٹ آگیا ہے۔'' اس نے گھبرائے لہجے میں امرلال کو متوجہ کرنے کی کوشش کی۔

''ارے آنے دے۔'' امرلال نے آنکھیں بند کیے کیے جواب دیا۔

''مہاراج! اب تمہارے وچن نبھانے کا وقت آگیا ہے۔ آنکھیں کھول کر اس ملیچھ کو دیکھ لو جس نے ہمارے کئی دھرماتماؤں کا خون کیا ہے؟'' بدری نرائن بے تابی سے بولا۔

''کیا ہے؟'' امرلال نے بے دلی سے کہا۔ ''مہمان ہے سواگت کر۔''

بدری نرائن کی آنکھوں میں خوف کی جھلکیاں دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی۔ اس کے چہرے پر دہشت طاری تھی۔ امرلال نے کروٹ بدل کر مجھے بڑی بے پروائی سے دیکھا اور اچانک اس کی نگاہوں میں تجسس کی رمق نمودار ہوئی۔ میں نے پلکیں نہیں جھپکائیں۔ وہ میرے اندر دیکھ رہا تھا مگر میں نے پہلے ہی اپنے گرد ایک مضبوط دائرہ کھینچ لیا تھا۔ انکا کی حالت ہم دونوں سے مختلف تھی۔ وہ میرے سر پر بت بنی بیٹھی تھی۔ بدری نرائن اپنی بوکھلاہٹ پر قابو پانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ ہر شے گنگ نظر آرہی تھی۔ ایک گہرا سکوت طاری تھا۔ جس وقت میں نے پتلیاں حرکت دے کر کھینچیں امرلال کے چہرے پر مسکراہٹ چھا گئی۔ میں نے اس کے بجائے بدری نرائن کو مخاطب کیا۔

''مہاراج امرلال نے کیا کہا، سنا تم نے؟ سواگت کرنے کو کہا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے غور سے دیکھو۔ یہ میں ہوں جمیل احمد خان، تیرا پرانا متر۔ پورے بھارت میں گھمایا اور ہاتھ نہ آیا۔ اب سامنا کرنے سے کیوں کترا رہا ہے۔''

''پاپی!'' بدری نرائن نے مضطرب لہجے میں کہا۔ ''مجھے تیری ہی تلاش تھی، پر سامنے نہیں آیا تھا۔''

''سامنے آگیا۔ خوب بدری نرائن خوب، تجھے تو کسی ناٹک میں ہونا چاہیے۔ تو نے بھارت کے کتنے مہان پنڈتوں پجاریوں کو دھوکا دیا، ان کا خون کرایا اور تو اور، تو نے مہاراج امرلال جیسے مہاپرش کو بھی

ں میں گھسیٹ لیا۔ مجھے تلاش کر رہا تھا؟ لے میں خود تیرے پاس چلا آیا۔'' میں زہرخند سے بولا۔

''اب تجھے کالی کے کشٹ سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔''

''کالی کا نام کیوں درمیان میں لاتا ہے، یہ تجھے شوبھا نہیں دیتا۔'' پھر میں نے امرلال کو مخاطب ''مہاراج! تم تو ایک بلوان اور مہان پجاری ہو۔ تم نے اسے سراپ نہیں دیا؟ تم نے اس کی پیٹھ پر تھا۔''

''بالک!'' امرلال جو ابھی تک خاموشی سے ہماری تلخ گفتگو سن رہا تھا، نہایت ملائم آواز میں ''بالک! تیری جڑیں ابھی کمزور ہیں جا، اپنی جڑیں اور مضبوط کر لے۔ تو اس کا پیچھا چھوڑ دے۔ تو یا کی ہے۔ بھگتی کی ہے۔ میرے آشرم میں آجا، میرے ساتھ رہ۔ من کا میل دور کر۔ سمجھا میں کیا ہاہوں؟ آ میرے پاس بیٹھ جا۔ بدری جا تو جل لا۔ جمیل احمد خان نے بہت سے پنڈتوں پجاریوں اہے، پر وہ دھرم کے بہت کام آسکتا ہے۔ میں اس کا نیا نام رکھوں گا۔ بھگت رام، رام کو بھی یہ نام ئے گا۔''

''مہاراج! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟'' بدری نرائن ناراضی سے بولا۔

''میں ٹھیک ہی کہہ رہا ہوں بدری!'' امرلال نے نرمی سے کہا۔

''میرا نام جمیل احمد خان ہے مہاراج!'' میں نے بھاری آواز میں کہا۔ ''اور نام بدلنا مجھے پسند ''

''پر تیرے ڈانڈے تو کہیں اور سے ملتے ہیں۔ تو کب تک بیاکل رہے گا۔ میرے پاس بیٹھ جا۔ چھاؤں ہی چھاؤں ہے، تجھے بڑا آنند ملے گا۔'' امرلال نے بڑی شیریں اور ٹھنڈی آواز میں کہا۔

''آنند۔ شانتی۔ اس پاپی کی موجودگی میں؟'' میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ''میں جس کارن آیا ہاراج، اس کی بات کرو، میں بھی تمہیں شانتی اور آنند کے مشورے دے سکتا ہوں۔ تم شاید مجھے جانتے۔ تم درمیان میں نہ آؤ مہاراج! میرے اور بدری نرائن کے کچھ پرانے حساب ہیں۔''

امرلال کے چہرے پر ناگواری کی شکنیں ابھریں لیکن وہ نرمی سے بولا۔ ''اب چھوڑو، پرانے ہی ئے۔ یہاں نہیں بیٹھنا تو یہاں سے چلا جا۔''

''تم سے پہلے بدری نرائن کے کچھ اور حمایتی بھی اسی انداز میں میری رکاوٹ بن رہے تھے۔ کیا ان کا انجام معلوم ہے؟'' میں نے تیکھے پن سے کہا۔

امرلال غضب ناک ہوگیا۔ ''ارے تو کیسی باتیں کرتا ہے؟''

''یہ باتیں تم سمجھنا بھی چاہو تو سمجھ نہیں پاؤ گے مہاراج! تم نے بدری نرائن جیسے نیچ جانور کے سر پر ے سمجھے بغیر ہاتھ رکھا ہے۔ اگر ستیہ کی تلاش ہے تو اس بیچ میں مت بولو، خاموش رہو اور اسے

میرے حوالے کردو تاکہ اس کا قیمہ کر کے گدھوں کی دعوت کروں؟'' میں نے طیش میں آ کر کہا۔

''مہاراج!'' بدری نرائن میرے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کے بولا۔ ''مہاراج، یہ مسلا تمہارا اپمان کر رہا ہے۔''

''تو نامرد ہے بدری نرائن۔ تو زنخا ہے، تو بھڑوا ہے۔ آ میرے سامنے آ۔'' میں نے گرج کے کہا۔ ''آج تجھے میرے ہاتھوں سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔''

بدری نرائن کے ہونٹ خودبخود کسی منتر کے لئے جنبش میں آ گئے۔ میں نے انگلی اٹھائی تو وہ بلبلاتا ہوا زمین پر گر پڑا۔ میں نے اپنی تمام باطنی طاقتیں نگاہوں میں سمیٹیں لیکن اس سے قبل کہ میں بدری نرائن پر دوسرا حملہ کرتا، امرلال نے نفرت سے میرے دائرے میں تھوک دیا۔ اس کے تھوکتے ہی میرے قدم زمین پر لڑکھڑانے لگے۔ جیسے زمین میرے قدم جمانے پر ناراض ہو گئی ہے اور مجھے قبول کرنے سے انکار کر رہی ہے۔ میں گڑبڑا کر گر گیا۔ امرلال نے اسی وقت ایک تیز پھونک ماری جیسے گرم کھولتا ہوا پانی میرے چہرے پر ڈال دیا گیا ہو۔

میں چند لمحوں کے لئے بینائی سے محروم ہو گیا۔ امرلال کی چنگھاڑتی ہوئی آواز میرے کانوں میں گونجی۔ ''اپرادھی! میرے سامنے چمتکار دکھا رہا تھا۔''

میں اس اچانک حملے سے بوکھلا گیا تھا۔ بینائی بحال ہوئی تو میں نے دوبارہ خود کو محفوظ کرنے کے لئے دائرے میں کر لیا اور ذرا پیچھے ہٹ گیا تاکہ امرلال کا تھوک وہاں تک نہ پہنچ سکے۔ بدری نرائن کا چہرہ تمتما رہا تھا اور امرلال کے چہرے پر سخت درشتی اور برہمی پیدا ہو گئی تھی۔ انکا میرے سے سرغائب ہو چکی تھی۔ امرلال نے دھمکی دینے والے انداز میں کہا۔ ''بس۔ کیا ابھی تیرا دل نہیں بھرا؟ میں تجھے اور اوسر (موقع) دیتا ہوں۔ جو کچھ میں نے کہا ہے، وہ تیرے ہی بھلے کے لئے ہے۔ بھلی بات کہنے کا سے نکل گیا تو پچھتائے گا، مان لے، بالک مان لے۔''

''امرلال!'' میں نے تحمل سے اسے مخاطب کیا۔ ''تمہاری تپسیا میں کوئی کھوٹ نہیں ہے لیکن تم مجھ سے کیوں الجھ رہے ہو۔ یہ میرے اور بدری نرائن کا معاملہ ہے۔''

''بدری میرے آشرم میں ہے۔ وہ میرا چیلا ہے۔''

''تمہارا چیلا اتنا نیچ نہیں ہو سکتا۔'' میں نے نفرت سے کہا۔

''چپ ہو جا کمینے! چپ ہو جا۔'' امرلال گرج کر بولا۔

میں نے امرلال کو نظرانداز کر کے بدری نرائن کی جانب دیکھا۔ اس کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ میں نے غصے میں اپنا گریبان پھاڑ دیا اور بدری نرائن پر ایک نیا حملہ کیا۔ بدری نرائن اس حملے کی تاب نہ لا سکا۔ اس کے منہ سے خون ابلنے لگا۔ امرلال نے سیدھا ہاتھ اٹھا کر زور سے

بدری نرائن کے کراہتے ہوئے جسم کو قرار آ گیا۔ وہ سہم کر امرلال کے پیچھے ہو گیا لیکن میں نے ننداؤ پر عمل کر کے اسے دوبارہ تڑپنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے حلق سے بڑی کربناک چیخ نکلی۔

''میں کہتا ہوں، یہ نوٹنکی بند کرو۔'' امرلال نے مجھے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ ''تو مجھے غصہ دلا رہا ہے۔''

''نوٹنکی تو ابھی شروع ہوئی ہے مہاراج! ابھی راون چلا کہاں ہے؟ تم روک سکتے ہو تو روک لو۔'' نے تمام اندیشے بالائے طاق رکھ لیے۔ بدری نرائن ابھی تک زمین پر پڑا کراہ رہا تھا۔

امرلال جھنجلا گیا۔ ''بھگوان جانتا ہے، میں نے تیرے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی۔ تو مکتی کے نہیں آنا چاہتا۔ بس اب مجھ سے کچھ مت کہنا، میں تجھے آخری بار سمجھاتا ہوں۔'' امرلال حقیقتاً غصے پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اب تک بدری نرائن کی طرف سے جتنے پنڈتوں، پجاریوں ں سے مقابلہ کیا، ان میں امرلال سب سے اونچا تھا۔ میں اسے الجھا کر بدری نرائن کو ختم کر دینا تھا اور امرلال سے براہ راست کوئی معرکہ کرنے کے حق میں نہ تھا۔ میرا شکار بدری نرائن تھا لیکن ال بدری نرائن کی حمایت پر تلا ہوا تھا۔ میں نے اسے اپنی روداد اور بدری نرائن کے ظلم و ستم کی ان سنانی چاہی۔ اس نے تحمل سے سب کچھ سنا مگر اپنے موقف سے نہ ہٹا۔ اس نے آخری بار وہاں بھاگ جانے یا بدری نرائن سے صلح کر لینے کی تلقین کی۔ اس نے دھمکی دی کہ اگر میں نے اس کا کہنا انا تو وہ کوئی انتہائی اقدام کرنے سے بھی گریز نہیں کرے گا۔

''سنو امرلال!'' میں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ''بدری نرائن نے تمہیں واقعات مسخ کر کے ے ہیں۔ تم مہان شکتی کے مالک ہو۔ کیا تمہاری نظریں تصویر کا دوسرا رخ دیکھنے سے قاصر ہیں۔''

''مجھے اونچ نیچ سمجھا رہا ہے؟ بھسم ہو جائے گا۔''

''وقت کم ہے امرلال، پہلے مجھے بدری نرائن سے دو دو ہاتھ کر لینے دو، پھر اطمینان سے باتیں ں گی۔ ذرا سامنے سے ہٹ جاؤ امرلال مہاراج۔'' میں نے بے باکی سے کہا۔

امرلال کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے گلے میں پڑی ہوئی گیروے رنگ کی ڈوری انگلیوں کے ن پھنسا کر اسے جھٹکا دیا اور اس کے لاتعداد بیروں نے ایک ساتھ مجھ پر حملہ کر دیا۔ وہ میرے جسم کے حصوں کو کاٹنے لگے۔ میں حصار میں محفوظ تھا لیکن بیر اسے توڑ کر اندر آ گئے۔ اب میرے پاس ے سوا کوئی چارہ نہیں رہا تھا کہ میں ان تمام بیروں کو جلانے کا عمل کروں۔ میں نے آنکھیں بند کر کے ہت مشکل لمحاتی مراقبہ کیا۔ وہ میرا جسم نوچ رہے تھے مگر میں چند ثانیوں کے ارتکاز میں کامیاب ۔ اگر میں ہلدوانی میں دوبارہ ارتکاز کی مشقیں جاری نہ رکھتا تو بیروں نے میرا جسم ادھیڑ کر رکھ دینا ے گرد اچانک گہرا دھواں چھا گیا۔ دھواں چھٹا تو میں نے امرلال کو مسکرا کے دیکھا۔ ناکامی نے

اسے اور برانگیختہ کر دیا تھا۔ پھر امرلال پے در پے وار کرنے لگا اور ناکام ہوتا رہا۔ آخر وہ شدید اشتعال میں بولا۔ ”پاپی! منڈل سے باہر آ۔ میں تجھے بتاؤں گا کہ تو کتنے پانی میں ہے۔“

”اتنی جلدی تھک گئے مہاراج! کیا منڈل کی شکتی توڑنا تمہارے بس کی بات نہیں ہے؟“

معاً امرلال نے اپنے قریب رکھی ہوئی لوبان کی طشتری اٹھا کر میری طرف پھینک دی۔ اس کی راکھ میرے دائرے میں پھیل گئی اور میرا حصار ٹوٹ گیا۔ میں نے بدری نرائن کی طرف دیکھا تو چکرا کر رہ گیا۔ وہاں ایک کے بجائے تین تین بدری نرائن موجود تھے اور اصل بدری نرائن کی شناخت نہیں ہو رہی تھی۔ میں اس صورت حال سے گھبرا گیا۔ مجھے معاملے کی تہ تک پہنچنے میں کچھ وقت لگا۔ عجیب حیرت کی بات تھی کہ بدری نرائن اور امرلال کے ساتھ دو جن بھی میرے مقابلے پر آ گئے۔ خود بدری نرائن بھی اپنے ہم شکلوں کو دیکھ کر حواس باختہ ہو گیا تھا۔ ابھی میں موقع کی نزاکت کے مطابق کوئی قدم اٹھانے پر غور کر ہی رہا تھا کہ کمرے میں گڑگڑاہٹ سی ہوئی اور ساتھ ہی میں زمین سے اٹھ کر اتنی شدت سے منہ کے بل گرا کہ میرے اردگرد اندھیرا چھا گیا۔ امرلال میری ذرا سی غفلت سے فائدہ اٹھا چکا تھا۔ میری احتیاطوں کا زور پہلے ہی ٹوٹ چکا تھا۔ میں نے سنبھلنے کی کوشش کی۔ امرلال نے دوسرا حملہ کیا۔ لمحوں کی دیر تھی، وہ کسی ایسے ہی موقع کے انتظار میں تھا۔ اس کے پاس طاقت کی کمی نہیں تھی جس کا تخمینہ میں پہلے ہی لگا چکا تھا۔

کاش میں چاروں طرف دیکھنے کے بجائے صرف اسی کی طرف غور کرتا مگر میں کیا کرتا، بدری نرائن، جن اور امرلال تینوں طاقتیں مجھ سے برسرِ پیکار تھیں۔ امرلال کے ایک اشارے نے مجھے شکنجے میں جکڑ کر بے بس کر دیا۔ میری زبان پر تالے پڑ گئے۔ انہوں نے کوئی لمحہ ضائع نہیں ہونے دیا۔ میں حرکت کرنے سے بھی قاصر ہو گیا۔ دو جن جو بدری نرائن کا روپ دھار کر آئے تھے، شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ اچانک غائب ہو گئے۔ امرلال کے چہرے پر بھی استہزائی تبسم جاگنے لگا۔ مجھے انکا یاد آنے لگی جس نے مجھے بنارس کی سمت کوچ کا ارادہ ملتوی کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ دشمن سے کسی رعایت کی توقع فضول تھی۔ میں بری طرح ان کے دام میں آ گیا تھا۔ کوئی میری مدد کو بھی آنے والا نہیں تھا۔ جگدیو اور پریتم لال مر چکے تھے۔ کلدیپ نے رشتہ توڑ لیا تھا، انکا اس بوڑھے پجاری امرلال کی مہان شکتیوں کا اندازہ کر کے پہلے ہی رخصت ہو گئی تھی۔ اور وہ شفیق کلپنا...... اسے بھی میں نے ایک عرصے سے نہیں دیکھا تھا، صرف ایک خیال تھا کہ شاید سید آ جائے مگر سید کیوں آتا؟ وہ بھی تو مجھ سے ناراض ہو گیا تھا۔ اب میں امرلال کے رحم و کرم پر تھا اور مجھے اپنا انجام صاف نظر آ رہا تھا۔

”اب کیا وچار ہے مورکھ!“ امرلال کمال شفقت سے بولا۔ ”تیری اکڑفوں کہاں گئی پھنے باز خان!“

”مہاراج!“ بدری نرائن، امرلال کے پیر پکڑتے ہوئے بولا۔ ”مجھے آگیہ دو۔ اسے میرے سپرد کر دو۔ میں اس کے گلے میں پٹا ڈال کر اسے اپنے ساتھ رکھوں گا۔ اور میرا وچار یہ ہے مہاراج! بوڑھا بھی نہ جائے، اسے ترنت موت کے گھاٹ اتار دیا جائے!“ بدری نرائن جوشیلے لہجے میں

”نہیں بدری!“ امرلال نے اسے اشارے سے روکتے ہوئے کہا۔ ”تو دور رہ۔ میں اسے ...دوں گا۔“ پھر وہ میری طرف متوجہ ہوا۔ ”دیکھا تو نے؟ میں کیا کہتا تھا۔ ذرا ہونٹ کھول کے دیکھ۔ ...ز بھر کی زبان دیکھ۔ ذرا اپنا شریر دیکھ۔ میں نے تجھے بہرا نہیں کیا ہے تاکہ تو سن سکے۔ اور سن او ...ں۔ تیری یہ سب کٹھنائیاں ابھی دور ہو سکتی ہیں۔ میں تجھے وچن دیتا ہوں۔ تو میرے چرنوں میں ...نیا کر۔ میں تجھے بلوان بناؤں گا اور تو دھرم کا نام اونچا کرنا اور دیوتاؤں کے ہردے میں رہنا۔ ...سنا میں کیا کہہ رہا ہوں؟“ امرلال نے شفیق لہجے میں مجھ سے پوچھا اور میرے ردِعمل کا انتظار ...لگا۔

...میں نے اپنا جسم جھنجوڑنا چاہا اور اس شکنجے سے آزاد ہونے کی کوشش کی جس میں امرلال نے مجھے ...کر دیا تھا۔ میرے جسم میں کچوکے لگنے لگے۔ امرلال کی باتوں میں صداقت تھی۔ وہ مجھے رعایت ...ہا تھا اور بدری نرائن سہما ہوا کھڑا تھا کہ کہیں میں امرلال کی باتوں پر ہاں نہ کر دوں۔ میں نے اپنے ...کے تمام غصے کا آنکھوں سے اظہار کرنے کا ارادہ کیا اور نفرت سے گردن ہلانی چاہی۔ میرا حقارت ...کا امرلال پر منتقل ہو گیا۔ امرلال میرے انکار پر ناراض ہونے کے بجائے مسکرانے لگا۔ ”اسی ...سا کہتا ہوں بدری۔ یہ بڑا جوان ہے۔ یہ تیرے ساتھ بیٹھے گا تو تم دونوں مل کر ہاتھی بن جاؤ گے۔ وہ ...ں پر شیو شنکر مہاراج سوار ہوں گے اور پاربتی سے ملنے جائیں گے۔ یہ بالک ہٹ ہے۔ تو کہتا ہے ...ار دیا جائے۔ میں کہتا ہوں، ہٹی بالکوں کو سزا دینا چاہیے۔ اس نے میری بات نہیں مانی، اب اسے ...کے حال پر چھوڑ دے۔ جا اسے باہر پھینک آ تاکہ یہ گلیوں میں سڑتا رہے اور آنا چاہے تو دور بھی نہ ...“

”پر...... پر مہاراج!“ بدری نرائن کچھ کہنا چاہتا تھا مگر وہ امرلال کی نگاہوں سے خوف کھا گیا۔

”سنتا ہے۔ میں کیا کہہ رہا ہوں؟“ امرلال نے تلخی سے کہا۔

”جی...... جی مہاراج!“ بدری نرائن جھجک کر میرے قریب آیا اور میرے پاس آ کر ٹھہر گیا۔ وہ ...یں ملاتا، کبھی چرا لیتا پھر اچانک اس نے سختی سے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے گھسیٹنے لگا۔ میں زمین پر گر ...رے سارے جسم پر زخم پڑے ہوئے تھے۔ بدری نرائن مجھے کسی لاش کی طرح گھسیٹتا ہوا دروازے ...یا اور کوڑے کی طرح گلی میں پھینک دیا۔ اس نے میرے منہ پر پوری طاقت سے اپنا پاؤں مارا اور

متلی کے سے انداز میں میرے منہ پر تھوک دیا۔

"جمیل احمد خان!" بدری نرائن لرزتے ہوئے بولا۔ "مہاراج کا خیال ہے ورنہ میں تجھے چھوڑ
نہیں۔ مہاراج نے جو سوچا ہے، سچ ہی سوچا ہوگا۔ تیری یہ حالت انکا رانی سے بھی نہیں سنبھلے گی۔ وہ ا
آشرم سے پہلے ہی بھاگ گئی تھی۔ مہاراج کی شکتی کا کیا ٹھکانا۔ رام رام، نارائن نارائن!" بدری نرائ
اندر کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

بدری نرائن کا بس چلتا تو وہ میرے جسم پر اور ٹھوکریں لگاتا اور منہ پر تھوک تھوک کر اپنا سینہ ٹھنڈا کر لیتا مگر پیچھے سے امرلال آگیا اور اس نے بدری نرائن سے ڈانٹ کے کہا۔ "اب یہاں کیوں کھ
ہے رے؟ اسے چھوڑ دے۔ اب کچھ مت کہنا، شاید یہ واپس آجائے۔ بس بھئی جمیل احمد خان۔ اگ
تیرے من میں میری باتوں کے لئے کوئی جگہ پیدا ہو جائے تو مجھے یاد کر لینا۔ شما سے بھگوان پرسن ہو
ہے۔ پھر تیرے لیے سکھ ہی سکھ ہے۔"

میں نے اپنی گردن زمین پر ڈال دی اور لڑھکنے کی کوشش کی، ایک قدم بھی نہیں رینگا جاتا تھا۔

میں امرلال کے مکان کے دروازے پر بے یار و مددگار پڑا ہوا تھا اور میرے ہاتھ پیروں میں بالکل طاقت نہیں تھی۔ میں کوئی بوڑھا شخص تھا جو اپنی عمر گزار کر بستر مرگ پر پڑا آہیں کھینچ رہا تھا اور مو
اسے نہ آتی تھی۔ اپنا گلا گھونٹ لینے کا یارا بھی نہیں تھا، اپنے ہاتھ سے منہ میں زہر انڈیلنے کی سکت بھی نہیں تھی۔ زندگی میں بڑے اذیت ناک دن آئے تھے۔ تربینی داس نے بھی ایک بار مجھے ایسی ہی حالت سے دوچار کر دیا تھا مگر یہ اذیت اس سے کہیں سوا تھی۔ جسم پر نشتر چبھ رہے تھے اور ہاتھ پیر اینٹھے ہوئے معلو
ہوتے تھے۔ جلن، ٹیس، درد۔ اس کا کوئی نام بھی نہیں تھا۔ آخر فیصلہ ہو ہی گیا تھا۔ اور میں خود سے شرمند
نہیں تھا۔ وہ منزل گزر گئی تھی جب ندامت اور پچھتاوے کا خیال آجائے۔ میں بدری نرائن سے شاکی
نہ امرلال سے، نہ ان جنوں پر مجھے کوئی غصہ آتا تھا جو مجھ سے درخشاں اور زرافشاں کا انتقام لینے کے ل
یہاں تک پہنچ گئے تھے۔ مجھے افسوس تھا تو یہی کہ میری آنکھیں کھلی ہوئی کیوں ہیں اور میرے ہاتھ پیرو
میں زندگی کی یہ رمق کیوں ہے؟ انہوں نے مجھے ختم کیوں نہیں کر دیا؟

میں نے گھسٹنے کا ارادہ کیا اور مجھے اندازہ ہوا کہ میرا جسم میرے ارادوں کے تابع نہیں رہا ہے۔ می
نے کوشش ترک کر دی اور امرلال کی چوکھٹ پر ہی پڑا رہا۔ بہت دیر بعد مجھے اپنے قریب سرگوشیوں
گونج سنائی دی۔ کچھ لوگ مجھے اٹھا رہے تھے اور رام رام کا نام لے رہے تھے۔ میں نے آنکھیں کھول
دیکھا۔ چند خاکروبوں نے میری زندہ لاش تھام رکھی تھی اور کچھ پنڈت دور کھڑے انہیں ہدایت د
رہے تھے کہ مجھے جلد سے جلد کہیں دور پھینک دیا جائے۔ میری ارتھی اٹھ گئی تھی اور مجھے کسی ایسی جگہ پھینک
دیا گیا تھا جہاں ہر طرف غلاظت ہی غلاظت تھی۔ خاکروب نفرت سے منہ سکیڑ کر جا چکے تھے۔ نہ جا

ب تک پڑا رہا۔ پھر اسی وقت میرے سر پر انکا وارد ہو گئی۔ اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے مجھے دیکھا
نہیں بولی۔ مجھے اس کے خاموش رہنے سے ایک سکون سا محسوس ہوا اور میرا جی چاہا کہ وہ سر سے
میرے سینے سے لگ جائے۔ انکا تھوڑی دیر بعد رخصت ہو گئی اور میں پھر غنودہ ہو گیا۔ مجھے اس
کچھ ہوش آیا جب میں نے اپنا جسم چند اور لوگوں کے درمیان دیکھا۔ وہ مجھے اٹھائے ہوئے تھے۔
ص حکم دے رہا تھا۔ مجھے انہوں نے ایک سرسبز جگہ ڈال دیا۔ میں پھر تنہا رہ گیا۔ انکا کچھ دیر بعد
سر پر آگئی۔ شاید اس نے مجھے غلاظت کے ڈھیر سے اٹھوالیا تھا۔ میرے لیے جگہ کی منتقلی کی کوئی
نہیں تھی، اس لیے کہ میرے حواس ان کی تمیز کرنے سے قاصر تھے۔ انکا میرے سر میں محبت سے
ں پھیرتی رہی۔

"جمیل!" وہ بہت آہستگی سے بولی۔ "تمہاری حالت ایسی نہیں ہے کہ میں تمہیں بار بار چھوڑ کر
ؤں لیکن تم سے جدائی اختیار کرنا بھی ضروری ہے۔"

میں خاموش رہا۔

"امرلال تمہیں مارنا نہیں چاہتا تھا۔" انکا نے دھیمے لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "وہ ایک دھرماتما
ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ تم اس کے ساتھ رہو۔ اگر تم عارضی طور پر ہاں کر دیتے تو یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔"

میں نے چڑ کر اور کراہ کر اپنے ہونٹ سکیڑ لیے۔

"بہرحال جو کچھ ہوا، وہ تو ہو گیا۔" انکا نے نرمی سے کہا۔ "امرلال نے تمہیں ایک خاص مدت
لئے مفلوج کر دیا ہے۔ کوئی بڑا دھرماتما ہی تمہیں اس تکلیف سے نجات دلا سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ امر
ناراض کرنے کا حوصلہ بھی رکھتا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بدری نرائن پھر سے میرے حصول کا جاپ
کر دے اور میں تمہاری معذوری ہی کے دنوں میں اس کے پاس چلی جاؤں۔" انکا رقت بھرے
یں بولی۔

میں نے کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا۔

"اب اگر میں آنند لال کے پاس جاتی ہوں تو امرلال اسے بھی کشٹ دے سکتا ہے۔ تمہاری
ہو تو میں......" انکا کہتے کہتے رک گئی۔ "میں کلدیپ کے پاس چلی جاؤں اور اسے تمہارا حال
لیکن اس سے پہلے میں تمہیں کسی محفوظ جگہ ضرور پہنچوا دوں گی۔"

میں نے دل ہی دل میں انکا کو مخاطب کیا اور کلدیپ کے پاس جانے سے سختی سے منع کیا۔ "ایک
کتی ہو؟" میں نے اشاروں میں کہا۔

"کیا! بولو؟"

"کسی ایسے شخص کو لے آؤ جو میری اذیتوں کا خاتمہ کر دے، وہ مجھے زہر دے دے۔ میں درد و

کرب کی شدید کیفیت میں مبتلا ہوں اور مرنا چاہتا ہوں۔ تمہارے مجھ پر بڑے احسانات ہیں۔ ایک آخری احسان اور کر دو۔ میں نے اپنی شکست تسلیم کر لی ہے۔"

انکا کچھ نہیں بولی، ٹک مجھے دیکھا کی۔

میں اسی کرب سے دوچار رہا اور جسم گلنے لگا۔ آنے والے دنوں میں یہ تکلیف اور بڑھ گئی۔ لوگ میرے پاس آتے اور مجھے اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ ڈال دیتے اور پھر ایک دن میں نے دیکھا کہ میں ریل گاڑی کے فرش پر بیٹھا ہوں اور میرے زخموں پر مکھیاں بھنبھنا رہی ہیں۔ انکا میرے سر پر خاموش بیٹھی ہے۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"کسی اور محفوظ جگہ۔" انکا نے اداسی سے جواب دیا۔

"قبر سے محفوظ جگہ اور کون سی ہو سکتی ہے؟ آخر اسی جگہ جانا ہے، پہلے یا دیر سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

انکا جواب دینے کے بجائے میرے سر سے اتر گئی۔ جب وہ جواب دینا نہیں چاہتی تھی تو یہی کرتی تھی۔

مجھے یاد نہیں کہ میری لاش کہاں کہاں گھومتی رہی۔ زخموں نے رسنا شروع کر دیا تھا اور مجھے خوشی ہوتی تھی کہ میں موت سے قریب ہو رہا ہوں۔ اب اسٹیشن پر جب مجھے ایک گاڑی سے اٹھا کر دوسری گاڑی میں ڈال دیا گیا اور انکا واپس میرے سر پر آئی تو میں نے کہا۔ "تم میرے سر سے اتر جاؤ اور مجھے یہیں چھوڑ دو۔"

"کیوں؟" انکا معصومیت سے بولی۔

"تم بار بار لوگوں کے سروں پر جا کر اور مجھے امر لال سے دور پہنچانے کی کوشش میں میری موت مجھ سے دور کر رہی ہو اور میری تکلیفوں میں اضافہ کر رہی ہو۔"

"میں تمہاری تکلیفوں میں کمی کرنے کی غرض سے ایسا کر رہی ہوں۔" انکا روتے ہوئے بولی۔

"میں اپنی نجات کا ذریعہ جانتا ہوں۔ امر لال نے کہا تھا کہ اگر میں اس کے پاس واپس آنا چاہوں تو کسی وقت بھی آ سکتا ہوں مگر میں اس کے پاس جانا نہیں چاہتا۔"

"تو پھر تم خاموش رہو۔" انکا نے تحکم کے لہجے میں کہا۔

"میں تمہیں حکم دیتا ہوں۔"

"تم ایک مفلوج آدمی ہو۔" انکا نے سختی سے کہا۔

"میں کہتا ہوں، میرے سر سے چلی جاؤ، میرا پیچھا چھوڑ دو۔"

انکا میرے سر سے اتر گئی اور مجھے پھر اجنبی لوگوں نے اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر

کر دیا تھا۔ ساتھ ہی انکا بھی میرے سر پر آتی رہی۔ میں نے اس سے کچھ کہنا چھوڑ دیا اور آخر وہ جگہ جہاں انکا مجھے لانا چاہتی تھی۔ میں نے دیکھنا اور سننا بند کر دیا تھا مگر جب میرا جسم ایک جگہ رکھ دیا گیا تو میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ وہ ایک سرسبز پہاڑی مقام تھا، میں اس جگہ سے مانوس تھا۔ اور وہ پہاڑی نظر آتی تھی جہاں پریتم لال گیان دھیان کرتا تھا اور اب جہاں کلدیپ رہتی تھی۔

میرے پاس جتنے آنسو تھے، شاید وہ خشک ہو چکے تھے۔ آنکھیں خشک ہو جائیں تو پھر کوئی کیا غم آنکھوں کے ذریعے بہہ جاتا ہے اور کبھی آنکھوں ہی میں مر جاتا ہے لیکن جب انکا میری لاش لئے ہوئی میسور کے پہاڑی مقام، سادھو پریتم لال کے دھارمک استھان پر لے آئی تو نہ جانے کہاں میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میری آب دیدہ نظریں اوپر کی جانب مرکوز تھیں، جہاں اب کلدیپ تھی۔ ایک خوب صورت راہبہ۔ پریتم لال جیسے مہان سادھو کی جانشین۔ دنیا میں سب سے زیادہ پیشہ عورت۔ میرے جسم میں اگر ذرا بھی طاقت ہوتی اور میرے ارادے میرے تابع ہوتے تو میں کلدیپ کے استھان کا رخ نہ کرتا جبکہ میں اس حقیقت سے آگاہ تھا کہ کلدیپ جیسی بڑی طاقت ہی امر لال کے سراپ سے نجات دلا سکتی ہے۔ انکا میرے منع کرنے اور ناراض ہونے کے باوجود مجھے جگہ لے آئی تھی جو میرے لیے ممنوعہ علاقے کی حیثیت رکھتی تھی۔ میں یہاں سے ہمیشہ کے لیے کر دیا گیا تھا۔ نئی زندگی میں رچی بسی، ریس اور کلب کی شوقین، پونا کے ایک سیٹھ کی حسین ترین لڑکی نے تپسیا میں ایسا دھیان لگا لیا تھا اور خود کو اتنا منقلب کر لیا تھا کہ اس میں اپنے محبوب کو ٹھکرانے کا پیدا ہو گیا تھا۔ اس نے نیچے اترنے سے انکار کر دیا تھا اور میں نے کبھی دوبارہ اوپر نہ جانے کا تہیہ تھا۔ بے بسی اور مجبوری میری پلکوں پر تھرتھرا رہی تھی۔ سینے پر ایک بوجھ سا محسوس ہوتا تھا، میرے کیا؟ میرے عہد و پیمان کیا؟ سوچتا کچھ تھا، ہو کچھ جاتا تھا، ایک معذور شخص اپنے مسیحا کے پاس گری کے لئے لایا گیا تھا۔ شاید اس کے سرد دل میں کوئی حرارت پیدا ہوا اور اسے میری حالت پر ترس ئے؟ میں خود کسی رحم کا طالب نہیں تھا، میں انکا کے رحم و کرم پر تھا۔ خاکروب اور قلی میرے جسم کی ت کا ڈھیر ادھر سے اُدھر منتقل کرتے رہے تھے۔ جو شخص بولنے اور حرکت کرنے سے معذور ہو، جس م پر زخم رس رہے ہوں اور جو اپنے آپ کو پہچاننے سے بھی قاصر ہو، وہ کیا چاہے گا؟ انکا نے یہاں لا مجھے اذیت میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ مجھے کہیں چھوڑ دیتی تو بڑا احسان کرتی۔ میں پڑے پڑے سڑ جاتا۔ ت تھا کہ پریتم لال کے استھان پر جست لگاتا ہوا پہنچ جاتا تھا۔ اب مجھے اٹھانے کے لئے چار درکار تھے۔ میں انکا سے فریاد ہی کر سکتا تھا اور وہ بھی خاموش فریاد کیونکہ مجھے قوت گویائی سے محروم کر یا تھا۔ انکا میرے دل کی بات پڑھ لینے کی قدرت رکھتی تھی۔ اس جگہ پہنچ کر میں نے اسے بے بسی کی سے دیکھا اور رقت انگیز حالت میں اپنی فریاد اسے منتقل کرنی چاہی۔ میں نے اس سے کہا۔ "انکا!

اب اور ذلیل کرنا کیوں چاہتی ہو؟''

وہ ہمدردی اور مایوسی سے بولی۔ ''اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔''

''مجھے واپس لے چلو انکا۔ میں اس کے پاس جانا نہیں چاہتا۔ میں تم سے درخواست کرتا ہوں۔'' میں نے اس کی منت کی۔

''کلدیپ اگر چاہے تو تمہیں اس مصیبت سے نجات دلا سکتی ہے۔ میں نے جو کچھ کیا ہے۔ وہ تمہاری بھلائی کے لئے کیا ہے۔''

''میں زندہ رہنا نہیں چاہتا۔ تم میری بات کیوں نہیں سنتیں؟''

''میں تمہیں زندہ دیکھنا چاہتی ہوں۔'' انکا کے لہجے میں عزم تھا۔

''میں تمہیں حکم دیتا ہوں، مجھے یہاں سے واپس لے چلو۔'' میں نے تنگ آ کر کہا۔ ''تم میرا حکم مان کر مجھ پر کوئی احسان نہیں کرو گی۔''

''میں تمہارا حکم ماننے سے انکار کرتی ہوں۔'' انکا تلملا کر بولی۔ ''جو کچھ ہو رہا ہے، وہ تمہاری حماقتوں کی سزا ہے۔ میں نے ہر موقع پر تمہیں خبردار کیا تھا مگر تمہارے تو مزاج ہی نہیں ملتے تھے۔ تم نے امر لال کو کھلونا سمجھ لیا تھا۔''

''میں سب کچھ بھول جانا چاہتا ہوں۔ اب کچھ یاد دلا کر زخموں پر نمک نہ چھڑکو۔ بس ایک آخری بات مان لو۔ مجھ سے یہ کوڑھی جسم سنبھالا نہیں جاتا، اب میری موت ہی میری نجات ہے۔''

''چپ رہو۔'' انکا تنک کر بولی۔ ''مجھے کچھ سوچنے دو۔''

''کیا تم میری درخواست پر غور کر رہی ہو؟'' میں نے کراہتے ہوئے کہا۔

''نہیں۔ میں اوپر جانے کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔ کلدیپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ تم یہاں تک آ گئے ہو۔ پھر وہ نیچے کیوں نہیں آئی؟ میں اس کے استھان پر جھانک نہیں سکتی کیونکہ اس کی کٹیا خاک اور دھول میں گم ہے۔ مجھے اندر کا منظر نظر نہیں آ رہا ہے۔'' انکا تشویش ناک انداز میں بولی۔ ''دیکھو جمیل! تم اطمینان سے یہاں لیٹے رہو۔ میں اوپر جا کر دیکھتی ہوں۔ شاید کلدیپ کسی جاپ میں مصروف ہے۔ اس کی زندگی میں جاپ، تپسیا اور گیان دھیان کے سوا کیا رہ گیا ہے، تم یہیں لیٹے رہو۔''

''وہ نیچے آنا چاہتی تو اب تک آ جاتی۔'' میں نے کہا۔ ''دیکھ لینا تم اوپر سے مایوس لوٹو گی۔ کلدیپ اگر جاپ میں مصروف نہ ہوئی تو بھی نیچے آنے سے انکار کر دے گی۔ وہ بڑی سنگ دل ہو گئی ہے۔''

''تم اسے مجھ سے زیادہ نہیں جانتے۔'' انکا نے جارحانہ انداز میں کہا۔

''انکا! میں جمیل احمد خان ہوں۔ مجھے پہچانو۔'' میں نے غصے سے کہا۔

''اور میں بھی انکا ہوں۔ مجھے غلط مت سمجھو، میں تمہاری بہی خواہ ہوں۔'' انکا نے تیزی سے کہا پھر

رفتاری سے میرے سر سے پھدک کر اتر گئی۔ میں کراہتا اور فریاد کرتا رہ گیا۔ میری سرد آہیں ہی ے ساتھ رہ گئی تھیں۔ معاً ایک خیال تیزی سے میرے ذہن میں ابھرا۔ میں جس مقام پر پڑا تھا، ایک خطرناک ڈھلان موجود تھی۔ بہ مشکل ایک گز کا فاصلہ ہوگا۔ تمام مصائب سے چھٹکارا پانے لئے میرے پاس یہ آخری موقع تھا، میں نے حسرت بھری نظروں سے کلدیپ کے استھان پر نظر لمحوں میں قصہ تمام ہو سکتا تھا، کسی کو دفنانے کی زحمت بھی نہ ہوتی۔ گو میں اپنے جسم کو حرکت دینے قاصر تھا لیکن موت اتنے قریب دیکھ کر میرے معطل جسم میں ایک حرکت پیدا ہوئی۔ میں نے اپنے ئی رہی سہی قوتیں آزمائیں لیکن خاصی دیر میں مشکل سے ایک انچ سرک سکا اور اس کے بعد میری ی جواب دے گئی۔ مرنا آسان کام نہیں ہے۔ میں نے کوشش جاری رکھی۔ ہمت جواب دینے کا ب بھی موت سے قریب ہے۔ کاش موت اسی کشمکش میں آ جاتی۔ میری نظروں کے سامنے اندھیرا نے لگا۔ میں نے وہ اندھیرا بڑھانے کے لئے پھر اپنا ناتواں جسم اکٹھا کیا۔ اچانک دھم سے انکا میرے آ گئی۔ ''تم میری موجودگی میں اس طرح نہیں مر سکتے۔'' وہ ناراضی سے بولی۔

میں نے بڑے ضبط سے کام لیا۔ انکا تنہا آئی تھی۔ میں نے اس سے یہ پوچھنا تک مناسب نہیں ا کہ کلدیپ اس کے ساتھ نیچے کیوں نہیں آئی۔ مجھے اس کے نہ آنے سے ایک خاص قسم کا سکون ں ہوا۔ انکا خود ہی بولی۔ ''وہ شاید یہاں نہیں ہے۔ اس کی کٹیا کے گرد منڈل بنا ہوا ہے۔ کچھ نظر نہیں وہ یہاں نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر وہ یہاں ہوتی تو ضرور آتی۔ ممکن ہے وہ کسی تیرتھ استھان پر ہے۔''

''وہ تمہاری نظروں سے اوجھل ہو گئی ہو گی کیونکہ اس میں بڑی شکتی ہے۔ ایک بار اس نے تزئین کو یہاں لا کر تمہاری نگاہوں سے دور کر دیا تھا اور یاد ہے، اسی استھان پر پریتم لال کے کہنے سے تم نے خون بھی پیا تھا؟ یہاں پریتم لال کی آتما منڈلاتی رہتی ہے۔'' میں نے کہا۔

''تم کئی بار مجھے یہ طعنہ دے چکے ہو۔'' انکا ناکامی سے بوکھلائی ہوئی تھی۔ ''اب کیا، کیا جائے؟''

''مجھے چھوڑ کر کسی اور کے سر پر چلی جاؤ۔''

انکا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خلاؤں میں کچھ تلاش کر رہی تھی اور مایوسی سے سر ہلا رہی تھی۔ بات کہوں؟''

میں خاموش رہا تو وہ بولی۔ ''امر لال کے پاس چلتے ہیں۔ وہ تمہارے واپس پہنچنے سے خوش ہوگا۔ کے چیلے بن جانا، جیسا کہ اس نے پیش کش کی تھی۔'' وہ خوابیدہ انداز میں بولتی رہی۔ ''پھر جب وہ شکتیاں واپس کر دے تو تم اسے اعتماد میں لینے کی کوشش کرنا اور موقع کی تلاش میں رہنا۔ تمہاری ذرا سی غفلت سے یہ حالت ہو گئی ہے۔ اگر اب بھی تم محتاط ہو جاؤ تو بدری اور امر لال دونوں کا قصہ

پاک کرکے اپنا انتقام لے سکتے ہو۔ کیا خیال ہے؟'' انکا نے میری آنکھوں میں جھانک کر پوچھا۔

''تم پاگل ہوگئی ہو۔ امرلال کو اتنا بے وقوف سمجھ لیا ہے؟ اب میں کسی سے انتقام لینا نہیں چاہتا۔ فیصلہ ہو چکا ہے۔''

''فیصلہ ابھی کہاں ہوا ہے جمیل!'' انکا طیش میں بولی ''مگر...... مگر یہ کلدیپ کہاں گئی؟''

''ممکن ہے مرگئی ہو؟'' میں نے تلخی سے کہا۔

انکا کلدیپ کے نہ ملنے سے بڑی جز بز نظر آتی تھی۔ مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ میں کلدیپ کے سامنے ذلیل ہونے سے بچ گیا۔ حالانکہ اس حالت میں عزت و دولت کا احساس ہی نہیں رہتا۔

انکا کچھ دیر تک تلملاتی اور مجھ سے اذیت ناک بحث کرتی رہی۔ پھر کچھ کہے بغیر میرے سر سے اتر گئی۔ میں تکلیف سے سسک رہا تھا۔ یکا یک مجھے اپنے قریب کوئی ہیولا نظر آیا۔ میں سمجھا، کلدیپ آگئی ہے۔ میرا دل دھڑ کنے لگا مگر وہ کلدیپ نہیں تھی۔ کلدیپ کیوں ہوتی؟ وہ چند آدمی تھے جو انکا کے زیر اثر آئے تھے۔ انہوں نے ناک بند کرکے مجھے اٹھالیا۔ اب وہ مجھے پریتم لال کے استھان سے دور لے جا رہے تھے، شہر کی طرف۔

انہوں نے مجھے ایک جگہ لے جا کر رکھ دیا اور چلے گئے۔ وہاں سے کچھ اور آدمیوں نے مجھے اٹھا کر بس میں ڈال دیا۔ پھر بس سے اتار کر مجھے اسٹیشن پہنچا کر ایک گاڑی میں منتقل کر دیا گیا۔ میں نے انکا سے کچھ نہیں پوچھا کہ وہ مجھے کہاں لے جارہی ہے؟ اب ایسا کون سا مقام رہ گیا تھا جہاں وہ مجھے لے جاتی؟ راستوں پر راستے گزرتے رہے۔ ایک ٹرین سے دوسری ٹرین۔ ایک مقام سے دوسرا مقام۔ اس کشمکش میں میرے زخم دکھنے لگے تھے۔ ان میں پیپ پڑ گئی تھی۔ میں کئی جگہ بے ہوش ہوا۔ لوگ میرا تعفن برداشت نہیں کر پاتے تھے۔ میں نے سفر کے دوران میں انکا سے بڑی منت سماجت کی۔ اس بے حس نے اپنے دکھوں کا احساس دلایا مگر وہ مسلسل چار دن تک مجھے نہ جانے کہاں کہاں پھراتی رہی؟ کئی مقام جانے پہچانے تھے۔ میں اتنا اندازہ لگا سکتا تھا کہ انکا کا رخ جنوب سے مشرق کی طرف ہے۔

اور مشرق کا وہ شہر آ گیا۔ میں جب اسٹیشن سے شہر میں لایا گیا تو شہر کے نقوش مانوس لگے۔ پھر میں نے بدھوں کی عظیم بستی بدھ گیا کے پگوڈا اور اسٹوپا دیکھے تو مزاحمت شروع کر دی۔ انکا نے میری ان سنی کر دی۔ بدھ گیا کی بستی میری دیکھی بھالی تھی۔ مجھے دو مزدور اٹھائے ہوئے تھے۔ میرا جسم ایک شکستہ چارپائی پر بلک رہا تھا۔ وہ مجھے بدھ گیا کہ بستی کی طرف لے جارہے تھے۔ بستی سے چند قدم کے فاصلے انکا میرے سر پر آ گئی اور بڑے کرب کے ساتھ مجھ سے مخاطب ہوئی ''جمیل! میں تمہیں یہاں چھوڑے جا رہی ہوں۔ کلدیپ کے استھان کے بعد یہی ایک محفوظ استھان تھا جہاں تمہیں سکون مل سکتا ہے۔'' کے لہجے سے غم ٹپک رہا تھا۔ وہ بہت سنجیدہ تھی، کہنے لگی۔ ''بدھ بھکشو یقیناً تم پر ترس کھائیں گے اور

صحت یاب ہو جاؤ گے۔ میں بدھ گیا کے باہر ٹھہر کر تمہارا انتظار کروں گی کیونکہ میں اندر نہیں جا سکتی۔ تم واپس آؤ گے تو مجھے دوبارہ اپنے سر پر پاؤ گے بشرطیکہ کوئی بدمعاش پنڈت میرے حصول کا جاپ کرنے سے باز رہے۔ میری جان! اندر دل لگا کے رہنا۔ لوگوں کو دوست بنانے کی کوشش کرنا۔ چاہے تم نرائن اور امرلال سے انتقام نہ لو مگر میں تمہیں صحت مند دیکھنا چاہتی ہوں۔ مجھ پر کبھی شک نہ کرنا۔ میں تمہیں بہت تکلیف ہوئی ہے، مجھے معاف کر دینا، اپنا خیال رکھنا، اچھے ہو جاؤ گے تو تمہیں میری گی پھر تمہیں اندازہ ہوگا کہ میں نے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی ہے۔ میں تم سے قریب رہوں گی۔'' انکا دردبھرے انداز میں کہتی رہی۔ چلتے وقت اس نے میری پیشانی کو بوسہ دیا۔

میں اس سے کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اس نے کچھ کہنے کا موقع نہیں دیا۔ مزدور بدھ گیا کی بستی میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے میری چارپائی ایک کھلی جگہ ڈال دی اور حیرانی سے ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے۔ میں ابھی بڑے مندر کے باہر ہی تھا۔ بدھ بھکشو ایک خستہ حال اور کوڑھی اجنبی کو اپنی بستی میں دیکھ کر سرگوشیاں کرنے لگے۔ تھوڑی دیر میں میرے گرد بھکشوؤں کا ٹھٹ لگ گیا۔ میرا چہرہ ہی بدل گیا تھا۔ حالانکہ ان میں سے کئی مجھ سے واقف تھے مگر وہ مجھے پہچانتے کیسے؟ وہ مجھ سے طرح طرح کے سوال کر رہے تھے، میں زبان سے جواب دینے سے قاصر تھا۔ چنانچہ آنکھوں سے جواب دینے کی کوشش کرتا۔ پتلیاں حرکت کرتیں اور پھر بے بسی سے ٹھہر جاتیں۔

''یہ شاکیہ منی کی امان میں آیا ہے۔ اسے کسی محفوظ جگہ منتقل کر دینا چاہئے اور اس کا علاج کرنا چاہئے۔'' ان میں سے ایک بھکشو بولا۔

''شاکیہ منی اسے معاف کریں۔ آؤ ہم اسے اٹھاتے ہیں۔''

بھکشوؤں نے میری چارپائی اٹھا کر ٹین کے ایک سائبان میں ڈال دی پھر مجھے دیکھنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ میں اپنی اس حالت سے بہت پریشان تھا۔ کبھی آنکھیں بند کر لیتا، کبھی آنکھیں کھول لیتا۔ دیر تک یہی سلسلہ جاری رہا، آخر ایک شناسا چہرہ نظر آیا۔ اسے دیکھ کے میری آنکھیں روشن ہوگئیں۔ وہ ناگرا تھا۔ میرا جوان دوست جس نے پہلے بدھ گیا میں مجھے اپنی کٹیا میں رکھا تھا اور میرے ساتھ بڑی محبت کا برتاؤ کیا تھا۔ ناگرا غور سے میرا چہرہ دیکھتا رہا اور میرے رستے ہوئے زخموں کی پروا کیے بغیر میرے سرہانے بیٹھ گیا ''جمیل احمد خان!'' وہ جذباتی انداز میں بولا ''یہ تم ہو میرے دوست؟''

میں نے آنکھیں میچ لیں۔

''ہاں تم ہی ہو۔ تمہیں یہ ہو کیا گیا ہے؟ اف تمہاری کیسی بری حالت ہے۔ تم یہاں تک کیسے آ گئے؟ شاکیہ منی۔ میرے دوست پر رحم کر۔'' ناگرا بے تابی سے بولتا رہا۔ اس نے میرے بڑھے ہوئے بال اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیے ''اٹھاؤ، اسے اٹھاؤ'' وہ بھکشوؤں سے مخاطب ہوا ''اسے میری کٹیا میں رکھ

دو۔ یہ نندا کا چیلا ہے۔ کمپالا نے اسے نندا کے پاس بھیجا تھا۔ سنا ہے اس نے گیان دھیان میں کمال کر دیا تھا...... اٹھاؤ...... اٹھاؤ۔''

بھکشوؤں نے میری چارپائی اٹھالی اور مجھے ناگرا کی کٹیا میں پہنچا دیا۔ دوسرے بھکشوؤں نے میرے لیے جلد از جلد ایک آرام دہ بستر تیار کیا اور میرے ہاتھ پاؤں پکڑ کر مجھے اس پر منتقل کر دیا گیا۔

''تم تو بول بھی نہیں سکتے۔'' ناگرا بے چینی سے بولا۔

میں نے سکون کا ایک سانس لیا اور دیر تک اپنی آنکھیں بند کیے رکھیں لیکن اس وقت میری چیخیں نکل گئیں جب ناگرا نے میرے زخم اپنے ہاتھوں سے دھونے شروع کیے اور ران پر مرہم لگایا۔ کراہوں، سرد آہوں اور چیخوں کے سوا میں ناگرا کو کیا بتا سکتا تھا؟ ناگرا نے اپنا لباس مجھے پہنایا اور میرے حلق میں دوا ٹپکائی۔ وہ بے چارہ یہی سمجھتا رہا کہ میری یہ حالت طبعی ہے۔ رات گئے چراغ کی ٹمٹماتی روشنی میں اس نے مجھ پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی اور میں آنکھیں کھول کے اور بند کر کے سوالات کے ایسے جوابات دیتا رہا جو ہاں یا نہیں میں دیے جا سکتے تھے۔ خاصی جدوجہد کے بعد اسے میری حالت کا صحیح اندازہ لگانے میں کامیابی ہوئی۔ میری آنکھیں اپنے دکھ وضاحت سے بیان نہیں کر سکتی تھیں۔ میں اس کے سوالوں پر جھنجلا گیا۔ یہ بات ناگرا نے محسوس کر لی۔ اس نے پوچھا۔ ''کیا تم سونا چاہتے ہو؟''

میں کہنا چاہتا تھا کہ نیند کی میری آنکھوں میں کہاں؟ اس تکلیف میں کیسے نیند آ سکتی ہے؟ میں تو بے ہوش ہی ہو سکتا ہوں لیکن میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا تھا۔ ناگرا خاموشی کے ساتھ میرے پاس سے ہٹ گیا پھر اس نے میرے جسم پر چادر ڈال دی۔ میں ابھی نہیں سویا کیونکہ وہ گوتم بدھ کی مورتی کے سامنے میری سلامتی کے لیے بھکشا مانگ رہا تھا۔ وہ شاکیہ منی سے مخاطب تھا، مجھے معلوم تھا کہ مورتی کٹیا کے کس کونے میں رکھی ہے۔ ناگرا کب تک جاگتا رہا، یہ مجھے پتا نہیں، میں آخر شب بے ہوش ہو گیا تھا۔

مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ کتنے دن بیت گئے۔ میں آنکھیں کھولتا تو کبھی دن ہوتا، کبھی رات، کبھی کمرے میں تنہا ہوتا، کبھی ناگرا کو اپنے سرہانے بیٹھا دیکھتا۔ کٹیا کی چھت ہی میری نگاہ کا مرکز تھی۔ ہاں جب ناگرا اپنا چہرہ میرے سامنے کرتا تو میں اسے دیکھ لیتا یا اپنے بارے میں گوتم سے اس کی فریاد سن لیتا۔

شروع شروع میں ناگرا خود ہی یہ کوشش کرتا رہا کہ اس کی عبادتوں سے میری حالت ٹھیک ہو جائے مگر میری اذیت اور اس کی پریشانی بڑھتی رہی۔ آخر اسے مندر کے بڑے بھکشوؤں کو میری دست گیری کے لئے لانا پڑا۔ یہ چادر پوش راہب اِدھر سے اُدھر گوتم کی تعلیمات عام کرتے رہتے تھے اور ہمیشہ سفر میں رہتے تھے۔ وہ ایک ہی لمحے میں میرا حال جان گئے۔ انہوں نے ناگرا کو تفصیل سے بتایا کہ میں ان حالوں کو کیوں پہنچا ہوں؟ میں نے ضبطِ نفس، ترکِ لذت اور عفو و درگزر کی تعلیم بھلا دی تھی اور دنیوی آلائشوں میں پڑ گیا تھا۔ ناگرا نے نندا اور کمپالا جیسے مہان بھکشوؤں سے میرے تعلق کا حوالہ دے کر ان

سے مدد کی درخواست کی۔ بدھ بھکشو کھڑے ہوئے کچھ سوچتے رہے پھر انہوں نے نظروں ہی نظروں میں ایک دوسرے سے کچھ کہا اور کٹیا سے رخصت ہو گئے۔ ناگرا بھی ان کے پیچھے پیچھے چلا گیا۔

واپس آ کر ناگرا نے مجھے دلاسا دیا کہ انہوں نے اس کی درخواست قبول کر لی ہے۔ اس نے بتایا کہ ان سب کو شاکیہ منی کا قرب حاصل ہے اور وہ غیر معمولی قوتیں رکھتے ہیں۔ انہوں نے صرف محبت کرنا سیکھی ہے۔ وہ معاف کرنے اور بھلائی کا موقع دینے کے ہمیشہ خواہاں رہتے ہیں، جلد ہی وہ میرے دکھوں کا مداوا کر دیں گے۔ جس دن بدھ بھکشوؤں کا یہ گروہ ناگرا کی کٹیا میں مجھے دیکھنے آیا تھا اور ناگرا کو میری صحت مندی کا یقین دلایا تھا اسی دن تبت سے بدھوں کی درس گاہ کا عالم کمپالا بھی گیا، میں آ گیا۔ یہ خبر مجھے ناگرا نے بہت جذبات میں سنائی۔ مجھے صدمہ ہوا کہ اب کمپالا کے سامنے میری ندامت سے بھری آنکھیں اٹھیں گی۔ کمپالا نے تبت میں مجھے نصیحتیں کی تھیں اور اپنے دوست نندا کے پاس تربیت کے لیے بھیج دیا تھا۔ وہ میرا محسن تھا۔ میں کمپالا سے نظریں نہیں ملا سکتا تھا۔ میری باطنی صفائی صرف اس کی وجہ سے ہوئی تھی۔ میں نے اس کا کہا نہیں مانا اور اپنا قلب گندا کر لیا۔

کچھ ہی دیر بعد کمپالا اس کے ساتھ کٹیا میں آ گیا۔ کمپالا اب بہت بوڑھا ہو چکا تھا۔ اس کی آواز میں لرزش تھی۔ میں نے یہ تبدیلی محسوس کر کے آنکھیں بند کر لیں۔ ندامت سے بچنے کا اس سے بہتر طریقہ اور کوئی نہیں تھا۔

''آنکھیں کھولو جمیل احمد خان! دیکھو، کٹیا میں کون مہاپُرش آیا ہے۔ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ کمپالا خود آئے ہیں۔'' ناگرا نے عقیدت سے کہا۔

''نہیں، یہ آنکھیں بند رہنے دو۔'' کمپالا کی آواز گونجی۔

''کمپالا جی!'' ناگرا نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ ''کمپالا جی۔ میں اپنے دوست کی کوئی خدمت نہیں کر سکا۔ میں ناکام ہو گیا۔ میں نے صبح بڑے مندر کے بھکشوؤں سے پرارتھنا کی تھی۔ وہ یہاں پدھارے تھے۔ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اس کے لئے شاکیہ منی سے سفارش کر دیں گے۔ اب تم آ گئے ہو، تمہی کوئی اپائے کرو۔'' ناگرا مجھ سے پھر بولا۔ ''جمیل احمد خان! کمپالا جی آئے ہیں۔''

میں نے اپنے چہرے پر کسی کی سانسیں محسوس کیں اور مجبوراً آنکھیں کھول دیں۔ کمپالا مجھ پر جھکا ہوا تھا۔ میری پلکیں تھرتھرانے لگیں۔ دل امڈ آیا پھر آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ کمپالا دیر تک ہر زاویے سے میرا جسم دیکھتا رہا پھر اس نے شفقت سے میرے سر پر ہاتھ رکھا۔ میرے لیے آنسو روکنا مشکل ہو گیا۔

کمپالا نے ایک گہری سانس لی۔ ناگرا میرے سلسلے میں اسے ہموار کرنے میں پیش پیش تھا۔ کمپالا نے انگلی کے اشارے سے روک دیا۔ وہ چپ ہو گیا۔ کمپالا مجھ سے مخاطب ہوا۔ اس کی آواز بڑی گمبھیر تھی

''یہ تجھے بار بار کیا ہو جاتا ہے؟ تُو تو وہیں ہے جہاں پہلے تھا بلکہ کچھ اور پیچھے چلا گیا۔ تو نے مجھے بھی

شرمندہ کیا۔ تو نے نندا کی آتما کو بے چین کیا ہے۔ اس نے تجھے اپنے خون میں نہلایا تھا۔'' میں جواب میں کیا کہہ سکتا تھا؟ کمپالا ہی بولتا رہا۔ ''تیری آنکھیں زیادہ روشنی میں چندھیا گئیں۔ تو نے یہ خیال بھی نہیں کیا کہ تو کتنا بلوان ہے؟ تیری شکتی دکھی لوگوں کے کام آنی چاہیے تھی۔ اب تیرے سارے جسم پر میل ہی میل ہے۔ سچ اور حق کا فیصلہ کرنے کا اختیار تجھے کب ہے؟ تیرا کام تو معاف کرنا ہونا چاہیے تھا۔'' کمپالا نے کہا۔ میں نے سختی سے آنکھیں میچ لیں۔ اس نے کہا۔ ''جانتا ہے نندا کہاں سے آیا تھا؟ نندا خود ان سے ناراض ہو کر ہی تو شاکیہ منی کی شرن میں آیا تھا جہاں ایک ابدی سکون ہے، جہاں ٹھنڈک ہے، جہاں کوئی راون نہیں۔ ہم سب گائیں ہیں جو شاکیہ منی کے تھان سے بندھ گئی ہیں۔ نندا نے تو تجھے سب کچھ بتا دیا تھا۔'' کمپالا افسوس کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔ ''جو کسی کا ہاتھ نہیں پکڑتے، تنہا رہتے ہیں۔ اگر تو شاکیہ منی کے ہاتھوں میں ہاتھ دے دیتا تو کبھی راستہ نہ بھولتا، تجھے تو انہوں نے چل دیا ہے۔ اگر شاکیہ منی کا نہیں تو کسی اور کا...... اپنے کسی دھرماتما کا ہاتھ پکڑ لیتا۔ پر تیرا من اشانت ہی رہا، تو کسی جگہ تو ٹھہرتا۔''

میں نے اضطراب میں آنکھیں پٹ پٹائیں۔ میں اس سے کہنا چاہتا تھا۔ ''بس کرو کمپالا، بس کرو۔ اور زہر نہ انڈیلو۔ میں تم سے شرمندہ ہوں۔ مجھے اتنی سزا اور دے دو کہ میرے حواس فنا ہو جائیں۔ میرا گلا دبا دو، میرے جسم پر چڑھ کر اچھلو کودو، ان آنکھوں سے روشنی چھین لو جو بہک جاتی ہیں۔ ان کانوں میں سیسہ بھر دو جو ابھی سن سکتے ہیں۔ ہر آواز، ہر روشنی کا دروازہ بند کر دو۔ مجھے مار ڈالو۔''

کمپالا شاید میری کیفیت سے آگاہ ہو گیا کیونکہ وہ ایک بڑا بھکشو تھا۔ وہ پیار سے میرے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ میں سمجھا جیسے گوتم کی مورتی زندہ ہو گئی ہے اور اپنا دست شفقت میرے جسم پر دراز کیے ہوئے ہے۔ وہ کمپالا تھا جو سکون، سکوت، قناعت، عفو اور رحم کا پیکر تھا۔ کمپالا کی ذات سے کسی کو نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا۔ وہ تبت کی اس خانقاہ سے تعلق رکھتا تھا جہاں انسان کو اس کے اندر سے پہچاننے کی تربیت دی جاتی ہے۔ وہ ایک بت تھا جو چپ چاپ سب کچھ دیکھتا رہتا ہے اور ٹوٹ بھی جاتا ہے اور کسی سے کچھ نہیں کہتا۔ وہ امرلال نہیں تھا جو بدری نرائن جیسے نیچ اور ذلیل شخص کی پشت پر کھڑا ہو گیا تھا۔ کمپالا نے مجھے بدری نرائن کو معاف کر دینے کی نصیحت کی تھی مگر امرلال نے بدری نرائن کی بدطینتی کو اور ہوا دی تھی۔

کمپالا دکھ بھرے لہجے میں مجھ سے مخاطب تھا، وہ مسکراتا ہوا کٹیا سے نکل گیا اور ناگرا کو بھی ساتھ لے گیا۔ اسے کچھ دور تک پہنچا کر ناگرا میرے پاس آ گیا اور رات بھر شاکیہ منی کی تعلیمات کی تلقین کرتا رہا۔ وہ رات بھر نہیں سویا بلکہ گوتم بدھ کی مورت کے سامنے پرارتھنا میں مصروف رہا۔ میں سمجھا شاید میرا آخری وقت آ گیا ہے اور ناگرا اپنی دانست میں میری نجات کے لئے دعائیں پڑھ رہا ہے۔

سورج روشن ہونے سے بہت پہلے کمپالا نے کٹیا کے دروازے پر دستک دی۔ ناگرا نے اپنی ہنا ختم کر کے دروازہ کھول دیا۔ کمپالا نے ناگرا سے کچھ کہا جسے میں سن نہیں سکا پھر ناگرا کے باہر نے اور کمپالا کے مورتی کے سامنے بیٹھنے کی آواز آئی پھر ایک گہرا سکوت چھا گیا۔ کمپالا مراقبے میں ب گیا تھا۔ اس کی سانسوں کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ ایسی خاموشی کا میں عادی تھا پھر بھی اس وقت مجھ پر طرابی کیفیت طاری ہو گئی۔

سورج چڑھنے کے بعد ناگرا واپس آ گیا۔ اس نے مسکرا کے میری طرف دیکھا اور میرے ماتھے پر ں مل دی۔ اس کے آتے ہی کمپالا نے اپنا مراقبہ ختم کر دیا۔ ''تم نے اپنا کام کر لیا؟'' اس نے بھاری ہرکم آواز میں کہا۔

''ہاں کمپالا جی! میں اس گھڑے میں یہ پوتر جل لے آیا ہوں۔'' ناگرا نے جوش میں کہا۔

''اس کے کپڑے اتار دو۔'' کمپالا نے میرے متعلق حکم دیا۔

ناگرا نے مشکل سے مجھے اپنے ہاتھوں پر اٹھایا۔ زخموں میں حرکت ہوئی تو میری سسکیاں نکل گئیں۔ ''بس جمیل احمد خان! ہمت سے کام لو۔'' ناگرا نے کہا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے یہ جملہ مجھ سے کا کہہ رہی ہو۔ ناگرا نے مجھے ایک طرف سے اٹھایا تو کمپالا نے لباس اتارنے میں اس کی مدد کی۔ اب برا جسم کھری چارپائی پر سمٹا پڑا تھا۔ ناگرا نے میری ٹانگیں سیدھی کرنی چاہیں۔ کمپالا نے منع کر دیا۔ ناگرا اپنا کام نمٹانے کے بعد سامنے کھڑا ہو گیا پھر کمپالا نے اپنے ہاتھ سے میرے جسم پر پانی ڈالنا شروع کیا۔ پانی برف کی طرح میرے جسم پر لگا۔ ساتھ ہی کمپالا کے ہاتھ بھی میرے جسم سے مس ہونے لگے تھے۔ وہ زور زور سے کوئی عمل پڑھ رہا تھا جس میں بار بار شاکیہ منی کا ذکر آتا تھا۔ کمپالا اپنے کام میں پوری طرح محو تھا۔ اس نے سر سے پیر تک میرے جسم کا ہر حصہ پانی سے تر کر دیا۔ وہ میرے زخم اس طرح پھوڑتا رہا جیسے معمولی چھالے ہوں۔ میں درد و کرب سے چیختا رہا۔ کٹیا میں اتنا شدید تعفن پھیل گیا کہ معمولی حس شامہ کا شخص بھی ہوتا تو بے ہوش ہو جاتا۔

میرے جسم پر بے شمار زخم تھے۔ کمپالا کے ناخن نشتر کا کام کر رہے تھے۔ وہ پہلے پانی ڈالتا پھر پھوڑے پھوڑتا، پھر ان کی پیپ پانی میں بہا دیتا۔ میرے حلق سے عجیب و غریب قسم کی خوف ناک آوازیں نکل رہی تھیں۔ جب وہ میرے اگلے حصے کے زخم پھوڑ چکا تو اس نے ناگرا کو میری [illegible] سامنے کرنے کا اشارہ کیا۔ اس عمل کے درمیان میں اس نے اور ناگرا نے کوئی بات نہیں کی تھی، نہ ہی میری چیخوں پر کمپالا نے مجھے تسلی دی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے عمل کا تسلسل توڑنا نہیں چاہتا تھا۔ ناگرا نے خاموشی کے ساتھ مجھے اٹھا کر سینے کے بل لٹا دیا۔ کھلے ہوئے زخموں پر جب چارپائی کی بان چبھی تو یہ اذیت دو چند ہو گئی۔ کمپالا نے پشت پر بھی اسی جراحت سے کام لیا۔ رفتہ رفتہ اس نے میرے سارے زخم

کھول دیئے۔ وہ بڑی احتیاط سے پانی خرچ کر رہا تھا۔ جب تک اسے یقین نہیں ہو جاتا تھا کہ زخم پھوٹ گیا ہے، وہ پانی نہیں ڈالتا تھا۔ اس نے مجھے ایک چادر میں لپیٹ دیا۔ مجھے کچھ ٹھنڈک سی محسوس ہوئی۔ پھر کپالا نے سر سے پیر تک میرے جسم کے درمیانی حصے پر اپنی انگلی سے ایک لکیر کھینچی اور اسے میری ناف پر قطع کر دیا۔ ناگرا نے سعادت مندی سے ایک اور برتن پیش کیا۔ اس میں خاک تھی۔ چادر ہٹا کر کپالا نے وہ خاک میرے جسم پر مل دی۔ وہ خاک ڈالنے کے ساتھ ساتھ پھونکتا بھی جا رہا تھا۔ مجھے ایسا سکون محسوس ہوا جیسے میرے جسم پر کسی نے نرم نرم ریشم ڈال دیا ہو۔ پہلی بار میں نے اپنی ٹانگ کو حرکت دی۔ میری ٹانگ کھل گئی تھی۔ پھر میں نے ہاتھ کو حرکت دی۔ میں اپنا ہاتھ بھی ہلا سکتا تھا۔ میں نے جوش مسرت میں کپالا کے ہاتھ پکڑے اور بولنا چاہا لیکن الفاظ میرے حلق میں اٹک گئے۔ کپالا نے اپنی انگلی میرے ہونٹوں پر رکھ دی اور ہونٹ سہلاتا رہا۔ میری آنکھیں بھر آئیں۔ کپالا کی تیز نظروں میں کوئی ایسی کشش تھی کہ وہ مجھے اپنے جسم کے پار ہوتی محسوس ہوئیں۔ اس نے میرے حلق میں کوئی محلول ٹپکایا۔ محلول میرے سینے کی نالی میں تیزاب کی سی کاٹ کرتا ہوا خون میں مدغم ہو گیا۔

میں نے چیخنا چاہا۔ میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ ''کپالا! کپالا میرے حلق سے آواز آ رہی ہے۔ میں بول سکتا ہوں، میں بول سکتا ہوں۔''

ناگرا بھی میرے قریب آ گیا۔ ''میرے دوست جمیل احمد خان! کپالا جی نے تمہارے جسم سے پُراسرار شکتیوں کا میل اتار دیا ہے۔ اٹھنے کی کوشش کرو، تم اب صحت یاب ہو گئے ہو۔'' ناگرا نے میرے بازو جھنجوڑتے ہوئے کہا۔

''کپالا، کپالا!'' میں نے ہذیانی عالم میں کہا۔ ''تم نے مجھے دوبارہ زندگی دی ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اسے آسانی سے ضائع نہیں کروں گا۔''

کپالا کے ہونٹوں پر ایک لطیف تبسم ابھرا۔ اس نے شادمانی کے انداز میں میرے گال پر تھپکیاں لگائیں۔ ''زندگی کون کسے دے سکتا ہے پاگل لڑکے۔ اب تو اچھا ہو گیا ہے۔ نیکی ایک چھت ہے، جو اس کے نیچے ہے، وہ محفوظ رہتا ہے۔''

میں نے اپنے ہاتھوں پیروں کو جنبش دینی چاہی۔ میرے تمام اعضا میرے ارادوں کے تابع ہو گئے تھے۔ مجھے شدید ناتوانی اور کمزوری محسوس ہو رہی تھی مگر میں اٹھ بیٹھ سکتا تھا۔ میں نے اٹھ کر کپالا کے جسم سے لپٹ جانا چاہا مگر اس نے میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر مجھے لیٹے رہنے کا حکم دیا۔ ''تمہیں آرام کی ضرورت ہے، آرام کرو اور سوچتے رہو۔''

میں نے کہا ''کپالا جی، میں نے خود کو مردہ تصور کر لیا تھا، تم نے دوبارہ میرے تن مردہ میں روح پھونک دی ہے پر......'' میں کہتے کہتے اداسی سے خاموش ہو گیا۔

''یہ سب کچھ تیرے اوپر منحصر ہے۔'' کپالا نے ٹھہراؤ کے ساتھ کہا۔

''ہاں۔ مگر تم باہر کے لوگوں کو کیا کہو گے۔ ناانصافی اور ظلم تو تم دیکھ نہیں سکتے۔ میں نے بھی گناہ ... مگر میری نیکیوں کا پلڑا بھاری ہے۔ میں نے انہیں معاف کرنا چاہا مگر وہ خود میرے راستے کی ... بن گئے۔'' میں نے مچل کر کہا۔

''تو دیوار کے اس طرف ہی رہتا پگلے! اب تو آرام کر۔ میں چلتا ہوں۔ ناگرا، اس کا خیال رکھنا، ٹھیک ہو جائے تو اسے چلا جانے دینا۔'' کپالا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''نہیں۔ میں تمہارے ساتھ تبت چلوں گا۔ اب میں یہاں رہنا نہیں چاہتا۔ کپالا، اب''...... میں ... صدق دل سے کہنا چاہا مگر کپالا اٹھ کر مسکراتا ہوا کٹیا سے باہر چلا گیا۔ شاید اسے میری بات کا یقین ... تھا۔ میں اس کی نظروں میں ایک بے اعتبار شخص تھا۔

☆......☆......☆

کپالا کے اس حیران کن عمل کے بعد رفتہ رفتہ میری حالت سدھرتی گئی۔ ناگرا نے میری توانائی ... کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ میں اس کی دیکھ بھال، محبت اور خلوص سے اٹھنے کے قابل ہو گیا۔ ... بھی دو ایک بار مجھے پوچھنے آیا۔ وہ بھکشوؤں کے ایک گروہ کو جاپان لے جانے کے لئے تبت سے آیا ... لیے دو ہفتے گیا میں ٹھہر کر روانہ ہو گیا۔ کپالا کو بڑے مندر سے رخصت کرتے وقت میں پہلی بار کٹیا ... باہر نکلا۔ کپالا کی نظروں میں میرے لیے ایک پیغام تھا۔ میں نے پُرامید اور احترام کی نظروں سے ... یقین دلایا۔ وہ معنی خیز انداز میں سر ہلاتا ہوا رخصت ہو گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں ایک ... سے ناگرا کی کٹیا میں آیا اور میں نے اسے بدھ گیا کہ کسی نسبتاً اجاڑ اور خاموش پگوڈا میں چلنے کو ... بدھ گیا کے بستی کی نوعیت میں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔ ناگرا مجھے ایک تنہا مقام پر لے آیا۔ یہاں میں ... اس نے مراقبوں کی مشق شروع کی۔ ناگرا کو طویل مراقبوں کی عادت نہیں تھی۔ میرا استغراق دیکھ ... نگ رہ گیا اور اس نے میری تقلید کی۔ پھر ایسا ہونے لگا کہ ہم دونوں بڑے مندر میں صرف گاہے ... جاتے عموماً یہیں بیٹھ کر طویل مراقبے کرتے رہتے۔ میں کپالا کی روانگی کے کوئی ایک ماہ بعد پوری ... چاق و چوبند ہو گیا تھا اور میں نے بدھ گیا کے بعض بھکشوؤں میں اپنی مشقوں کی وجہ سے خاصی ... حاصل کر لی۔

شاید کئی چاند نکلے، کئی موسم بیت گئے، کپالا جاپان سے واپس آیا اور مجھے اور ناگرا کو چند نکتے بتا ... تا چلا گیا۔

☆......☆......☆

... ردی کا زمانہ تھا۔ ناگرا اور میں بدھ گیا کی ایک کٹیا میں سکون سے زندگی گزار رہے تھے۔ میرا اشمار

بدھ بھکشوؤں کی فہرست میں نہیں ہوا تھا کیونکہ میں بڑے مندر میں صرف ایک وقت جاتا تھا جب کسی شناسا بھکشو سے ملنا ہو۔ ناگرا اور عظیم بدھ راہبوں کی خانقاہوں میں درس سننے کے باوجود میں نے شاکیہ منی کے سامنے کبھی پرارتھنا نہیں کی، میں اسے ایک مصنوعی عمل سمجھتا تھا۔ ناگرا اپنے حال میں مست تھا اور میں اپنی کھال میں۔ میں نے شاکیہ منی کی تعلیمات دلچسپی سے سنیں مگر کبھی ان پر تنقید نہیں کی اور ناگرا نے کبھی مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ میں گوتم کی مورتی کے سامنے مراقبہ کیوں نہیں کرتا؟ البتہ ان مسلسل روحانی اعمال کے درمیان مجھے سید مجذوب کا چہرہ یاد آ جاتا تھا جس کا باطن بہت طاقتور تھا۔ وہ گندے غلیظ کپڑوں میں گلیوں میں گھومتا رہتا تھا۔ اس کے اندر غیر معمولی کشش تھی۔

پھر ناگرا نے اپنی روحانی رفعتیں محسوس کر کے زیادہ تر بڑے مندر میں رہنا شروع کر دیا جہاں بدھ کی عظیم مورتیاں نصب تھیں۔ یہ کوئی محسوس کرنے والی بات نہیں تھی۔ مجھے اس بات سے مسرت ہوئی تھی کہ ناگرا میں اب اعتماد پیدا ہو گیا ہے۔ میری زندگی کے باقی دن بدھ گیا میں کٹ جاتے یا کسی ویران پہاڑی مقام پر بسر ہو جاتے مگر قسمت کو یہ منظور نہیں تھا۔

میں ایک ہفتے کے طویل مراقبے میں ڈوبا ہوا تھا۔ جب فارغ ہوا تو میں نے خلاف توقع آنند لال کو اپنے قریب دیکھا۔ وہ ایک تھم سے سر ٹکائے اداس بیٹھا تھا۔

''تم...... تم؟'' میں نے گھبراہٹ سے پوچھا۔

''ہاں میں، جمیل بھائی! آنند لال۔'' آنند لال نے بہت دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

''تم یہاں کیسے آ گئے؟ خیریت تو ہے، کہو کیا بات ہے؟'' آنند لال کے چہرے پر تشویش کے آثار دیکھ کر میں نے تردد سے پوچھا۔

''آپ نے تو پلٹ کے خبر بھی نہ لی۔'' آنند لال گلوگیر آواز میں بولا۔

''میری چھوڑو، اپنی سناؤ۔ تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں یہاں ہوں؟'' میں نے فکرمندی سے پوچھا۔

''مجھے کبھی پتا نہ چلتا کہ آپ بدھ گیا میں ہیں۔ اگر پتا چلتا تو میں کبھی کا آپ کے پاس پہنچ چکا ہوتا۔ مجھے انکا نے بتایا تھا۔'' آنند لال نے رقت سے کہا۔

''انکا نے بتایا تھا، کیا انکا ابھی تک آزاد ہے؟''

''وہ بدھ گیا کے دروازے سے باہر عرصے سے آپ کی منتظر ہے۔ آپ کے ساتھ ساتھ وہ ہماری خبر بھی رکھتی ہے۔ جب اسے معلوم ہوا......'' آنند لال کچھ کہتے کہتے رو پڑا۔

''کہو آنند لال! تم رک کیوں گئے؟ کیا کوئی سانحہ ہو گیا؟ تم یقیناً کوئی بری خبر لائے ہو۔ بتاؤ آنند لال؟'' میں نے اس کے بازو جھنجوڑتے ہوئے پوچھا۔

''میں اور سید غوث، رکن الدین کی بیماری کی خبر سن کر گلبرگہ گئے ہوئے تھے۔'' آنند لال کی آواز

ہوئی تھی۔

''پھر......؟'' میں نے تیزی سے پوچھا۔

''واپس آئے تو پتا چلا تزئین گھر میں نہیں ہے۔ ہر طرف ڈھونڈا مگر کہیں نہیں ملی۔ معلوم ہوا کہ بن ...ی کوئی بدمعاش اسے اپنے ساتھ لے گیا ہے، میں مالا کے ساتھ شادی کے بعد سے عملی زندگی بسر کر ...ا اور اس زندگی سے خوش بھی تھا۔ چنانچہ میں کوشش کے باوجود یہ نہ جان سکا کہ تزئین کہاں ہے اور ...س طرح حاصل کیا جا سکتا ہے؟ انکا کو یہ خبر ہوئی تو وہ بھاگی بھاگی میرے پاس آئی اور اس نے بتایا ...یہ ذلیل کام بن علی نے کیا ہے جو لکھنؤ کا کوئی نواب تھا۔''

آنند لال کا باقی بیان میں نہیں سن سکا۔ مجھے سکتہ سا ہو گیا تھا۔ تزئین، میری بیٹی...... بن علی کے ...ے میں تھی۔ بن علی تنہا یہ جرات نہیں کر سکتا تھا۔ یقیناً زرافشاں اور درخشاں کے عاشق جنوں نے ...ام لینے کے لئے یہ حرکت کی ہے۔

''آپ کہاں گم ہو گئے جمیل بھائی!'' آنند لال نے مجھے ٹوکا۔

''آنند لال!'' میں نے لرزتے ہوئے کہا۔ ''وہ پھر مجھے گھسیٹ رہے ہیں۔''

''کون؟'' آنند لال حیرت سے بولا۔

''کوئی نہیں، کوئی نہیں۔'' میری زبان لڑکھڑا رہی تھی۔ ''کمپالا، مجھے معاف کر دو۔ مجھے یہاں سے ...ہی ہو گا۔ اب میں کس طرح یہاں رک سکتا ہوں۔'' میں نے بڑے مندر کی طرف دیکھ کر سرگوشی کی۔ ''چلو آنند لال، اٹھو۔''

آنند لال میری صورت اور ہذیانی حالت دیکھتا رہا پھر مجھ سے وہاں بیٹھا نہیں گیا۔ میں نے اندر ...ناگرا سے بھی اجازت لینے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ جسم کی برف جیسے کسی نے آگ پر رکھ دی تھی۔ ...ں پیروں میں ایک تناؤ سا پیدا ہو گیا۔ میں کوئی خوں خوار درندہ تھا جو شکار پر جھپٹنے کے لئے پر تول رہا ...سینہ جلنے لگا تھا۔ میری خفقانی حالت سے راستے میں ملنے والے بھکشو بھی متحیر ہوئے، بے شمار ...وں کی نگاہیں میری طرف تھیں۔ مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے پورا بدھ گیا مجھے روک رہا ہے اور میں ...ے نظریں بچا کر بھاگ رہا ہوں۔ میں بھاگ کر بدھ گیا کی بستی سے باہر آ گیا۔ انکا میرے سر پر ...۔ اس کا چہرہ چمک رہا تھا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی بے قابو ہو کر تحیر اور خوشی سے بولی۔ ''تم تو بالکل ...ست ہو گئے جمیل!''

''مجھے واقعات بتاؤ انکا! بن علی نے یہ گستاخی کیسے کی؟'' میں نے انکا کی بات نظر انداز کر کے

''بن علی تو نیم پاگل ہو گیا ہے۔'' مجھے سنجیدہ دیکھ کر انکا کے چہرے پر چھائی ہوئی مسرت کافور

ہو گئی۔ وہ آہستگی سے بولی۔ ’’آنندلال اور سید غوث کی عدم موجودگی میں ان شیطان جنوں نے بین علی کے ذریعے تزئین کو غائب کرا دیا۔ وہ جن عرصے سے تمہارے منتظر ہوں گے۔ جب تم بدری نرائن کو تلاش کر رہے تھے۔ اس وقت بھی انہوں نے تمہیں پریشان کیا تھا، امر لال کے ہاں بھی۔ انہوں نے زرافشاں، درخشاں کی بات بھلائی نہیں ہے۔ جب تم انہیں نہیں ملے تو انہوں نے تزئین کو اٹھا کر اپنا بدلہ لے لیا اور اب نہ جانے......‘‘

’’چپ رہو انکا! زبان سنبھال کر بات کرو۔‘‘ میں نے گرج کے کہا۔ ’’تزئین کے جسم پر خراش بھی آئی تو ہر طرف خون بہے گا۔ میں اس کمینے کی حویلی راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کر دوں گا۔ میں اس کی نسلوں کا خون پی جاؤں گا۔‘‘ مجھے اپنے لہجے پر قابو نہیں رہا تھا اور میری آواز ابھرنے لگی تھی۔ میرے جسم کے سرد خانے میں کوئی آتش فشاں چھپا بیٹھا تھا جو فشار کرنے لگا تھا۔ میں جو منہ میں آیا کہتا چلا گیا۔

’’میں نے وہاں جانے کی کوشش کی تھی لیکن وہاں بہت سے جنوں کا قبضہ ہے۔ پھر میں نے آنند لال کو پکڑا۔ یہ گیان دھیان اور تپسیا سب کچھ چھوڑے بیٹھا تھا اس لیے تزئین کے سلسلے میں کوئی مدد نہیں کر سکا اور میں اسے فوراً تمہارے پاس لے آئی۔ مجھے یقین تھا کہ تم صحت مند ہو گئے ہو گے مگر تم باہر کیوں نہیں آئے؟ تم نے بڑا انتظار کرایا۔‘‘ انکا روہانسی ہو کر بولی۔

’’آہ انکا۔ سوچتا تھا، چلو جو ہو گیا، سو ہو گیا۔ بدھ گیا میں بڑا سکون ہے، یہیں مر جاؤ۔ مجھے معلوم تھا کہ تم دروازے پر کھڑی میرا انتظار کر رہی ہو گی لیکن میں جان بوجھ کر باہر نہیں آیا۔‘‘ میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

’’تم مجھے اپنی صورت تو دکھا جاتے۔ میں تمہارے لیے بہت پریشان تھی۔ میں اندر کے حال سے ناواقف تھی۔ تم نے بہت ستایا ہے۔‘‘

’’میں نے کمپالا سے خود ہی وعدہ کیا تھا حالانکہ اس نے ایسی کوئی شرط نہیں رکھی تھی۔ وہ مشروط معافی نہیں دیتے، نہ مشروط ترس کھاتے ہیں۔ میں نے وعدہ کیا تھا کہ........لیکن انکا، اگر ایسا وقت کمپالا پر پڑتا تو وہ کیا کرتا؟‘‘

’’میں آنندلال کو تمہارے پاس بھیج کر تمہارے سکون میں مخل نہ ہوتی۔ خود ہی انتظار کرتی رہتی مگر یہ بات ہی ایسی تھی کہ تمہیں پھر اس جہنم میں لانا پڑا۔ اس بار کوئی رعایت مت کرنا جمیل!‘‘ انکا نے میری چنگاریوں کو ہوا دی۔

آنندلال میرے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ اسے علم تھا کہ میں انکا سے گفتگو کر رہا ہوں، میری رفتار تیز تھی۔

’’وہ بدبخت کہاں ہے؟‘‘ میں نے آنندلال سے پوچھا۔

’’سنا ہے دلی کی کسی شکستہ حویلی میں موجود ہے۔ اس جگہ پر بے شمار جنوں کا سایہ ہے۔ انہوں نے وہیں رکھا ہے۔‘‘ آنندلال نے افسردگی سے جواب دیا۔

’’وہ سب نانہجار اور نابکار جن ہیں۔ ان میں کوئی معزز جن نہیں ہے۔ میں انہیں پہلے دیکھ چکا ہوں۔ ان سے نمٹ لیا جائے گا۔ ہمیں پہلی گاڑی سے دہلی روانہ ہو جانا چاہیے۔‘‘ میری مٹھیاں بھنچنے اور کنپٹیاں جلنے لگیں۔ ’’آنند لال۔ تزئین کی طرف غلط نظروں سے دیکھنے والے کی آنکھیں نکال لی جائیں گی، ابھی تو میں زندہ ہوں۔‘‘

’’سوچ لو بھیا، کوئی ایک جن ہوتا تو میں بھی دیکھ لیتا۔ کئی جنوں سے سابقہ ہے۔ انہوں نے اسے یونہی کچھ سوچ سمجھ کر ہی رکھا ہوگا۔ سنجیدگی سے غور کر لو، پہلے ہمیں کہیں بیٹھ کر کوئی اپائے ڈھونڈنا ہے۔‘‘ آنندلال نرمی سے بولا۔

’’سوچنا کیا ہے آنندلال! اپنی ناموس پر آنچ ہوئی ہے۔‘‘ میں نے اسے سرزنش کی۔ ’’ہمیں فوراً ان کی سرکوبی کے لئے روانہ ہو جانا چاہیے۔ ہمیں وہاں تک جانا ہوگا جہاں تک وہ فرار ہو سکیں۔‘‘

’’میں تو خود اسی لیے آیا ہوں۔ سید غوث کی حالت بہت نازک ہے۔ وہ پاگل ہو گیا ہے۔ مجھے اس کی لڑکھائے جا رہی ہے، جمیل بھائی! تمہاری بدولت ہم لوگ بہت محبت اور سکھ سے رہ رہے تھے۔ کہ یک یہ افتاد آ پڑی۔‘‘ آنندلال تاسف سے بولا۔

’’انکا! تم سید غوث کے سر پر جاؤ۔‘‘ میں نے بلند آواز میں انکا کو حکم دیا۔ ’’اور اسے دلا سا دو کہ میں گیا سے باہر آ گیا ہوں۔ ادھر ہم دلی کی طرف کوچ کرتے ہیں۔‘‘

’’میں چلی جاتی ہوں لیکن میری مانو تو مجھے اپنے ساتھ ہی رکھو۔ تمہیں شاید میری ضرورت پڑے۔ ایک آدھ جگہ کام آ سکتی ہوں۔‘‘

’’نہیں، تمہاری ضرورت پڑی تو تمہیں بلا لیا جائے گا اور تم لمحوں میں آ جاؤ گی۔ سید غوث کو سنبھالنا ضروری ہے۔‘‘

’’ٹھیک ہے، تم کہتے ہو تو چلی جاتی ہوں مگر تم عقل و ہوش سے کام لینا۔ اب بہت وقت گزر گیا ہے۔ بچوں کی سی جلدی اور بوڑھوں کا سا تامل کرنا۔‘‘ انکا نے کہا۔

انکا مجھے مشورے دیتی ہوئی میرے سر سے اتر گئی۔ آنند لال اور میں تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے گیا سے دور ہو گئے، پھر دلی جانے والی گاڑی میں بیٹھ گئے۔

☆......☆......☆

بدھ گیا میں مجھے ایک سال سے زیادہ مدت گزر چکی تھی حالانکہ یہ دن بڑی یکسانی، خاموشی کے لیکن ان کے گزرنے کا پتا ہی نہیں چلتا تھا۔ زندگی کی گاڑی بہت آگے کھنچ گئی تھی، گیا میں رہنے کے

بعد وقت کچھ پیچھے کھسک گیا تھا اور میں خود کو زیادہ توانا اور تازہ محسوس کر رہا تھا۔ آنند لال کا بھی یہی خیال تھا کہ میرے چہرے سے گزرے وقت کا احساس نہیں ہوتا۔ یہ سب سکون وقناعت کی زندگی کا ثمر تھا۔ اگر آنند لال نہ آتا تو شاید میں کبھی باہر نہ نکلتا۔ اس نے آ کے میرے خانۂ سکوں میں نقب لگائی تھی، تزئین میری نرگس کی ہم شکل تھی اور وہ میری بیٹی تھی جس کے لئے میں نے نہ جانے کتنے دکھ اٹھائے تھے، اسے کہاں کہاں سے بچایا تھا؟ اس کے لئے لکھنؤ میں خون بہایا، سزائیں کاٹیں، اس کے لئے زندگی کے عذاب جھیلتا رہا۔ خود وہ میری خاطر پریتم لال کے استھان کی تنہائیوں میں انتظار کی مشقت سہتی رہی۔ مجھے حیرت تھی کہ کلدیپ کتنی خود غرض ہوگئی ہے۔ آخر تزئین اس کی بیٹی بھی تو تھی کیونکہ اس نے اسے اپنے استھان پر پناہ دی تھی اور بیٹیوں کی طرح اس کی حفاظت کی تھی۔ اس نے تزئین کی خبر بھی نہیں لی؟ کلدیپ تو ایک خواب ہوگئی تھی۔ اس سے شکوہ بے کا تھا، ساری غلطی میری تھی کہ میں دوبارہ بجن علی کی حویلی میں کیوں گیا اور میں نے اپنی بہن رخسانہ کا شرم ناک واقعہ بھلا کیوں نہیں دیا؟ میرے نفس کی آوارگیوں کی سزا تزئین کو ملی تھی۔ نہ جانے اس کا پھول سا چہرہ کیسا ہوگا؟ نہ جانے اس پر کیا بیت رہی ہوگی؟ میں گاڑی میں بیٹھا اس کا چہرہ اپنے سامنے دیکھ رہا تھا۔ پہلی بار وہ مجھے ٹرین ہی میں ملی تھی۔ اس کا لہجہ شائستہ، اس کے اطوار شستہ تھے، اتنی ذہین، اتنی حسین، اتنی نازک اندام۔ آہ میری بیٹی، میری جان! میری آبرو۔ میری آنکھیں نم ہوگئیں۔ گھبراؤ مت، میں آ رہا ہوں۔ میں آ رہا ہوں۔ ایک ذرا انتظار کرلو۔ میں بے خبری میں خود کلامی کر رہا تھا اور آنند لال خاموشی سے ایک طرف بیٹھا تھا، ڈبے میں اور بھی کئی مسافر تھے۔ مجھے گاڑی کی رفتار پر غصہ آ رہا تھا، کہیں بھی ٹھہر جاتی تھی۔ کسی ویران جگہ، کسی اسٹیشن یا سگنل پر۔

جب میری بے چینی حد سے تجاوز کرگئی تو آنند لال نے اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے میرا دھیان بٹانا چاہا۔ راستے میں بہت سے مسافر اتر گئے تھے۔ فرسٹ کلاس کے اس کمپارٹمنٹ میں اب میں اور آنند لال تنہا رہ گئے تھے۔ آنند لال نے مجھے کاندھے سے پکڑ کر لٹانا چاہا اور کہنے لگا۔ ''جمیل بھائی! ہمیں آپ سے بڑی شکایت ہے۔ آپ نے ہمیں اپنا شریک غم نہیں سمجھا۔''

''آنند لال! شکایتوں کے لئے بہت وقت پڑا ہے۔ میں ایک بدقسمت آدمی ہوں۔ میں کبھی کسی کا نہیں ہوسکا۔ اس وقت میرے ذہن پر تزئین سوار ہے۔ کچھ اور مت کہو، میں تم سے تمام خطاؤں کی معافی مانگتا ہوں۔'' میں نے جزبز ہو کے کہا۔

آنند لال پھر نشست سے چپک کر بیٹھ گیا۔ رات ہوگئی تھی اور گاڑی کی رفتار میں تیزی پیدا ہوگئی تھی۔ میں گھٹنوں میں سر دیے بیٹھا تھا کہ کسی اسٹیشن پر گاڑی رک گئی۔ میں نے آنند لال سے پوچھا۔ ''کون سا اسٹیشن ہے؟''

آنند لال نے اٹھ کر کھڑکی سے باہر جھانکا۔ ''لکھنؤ ہے۔''

''لکھنؤ! میں نے اچھل کر کہا۔ ''لکھنؤ یہاں گاڑی دیر تک رکتی ہے۔ آنند لال! ٹھہرو، ہم یہیں اترتے ہیں۔''

''مگر ہمیں تو دلی جانا ہے؟'' آنند لال نے تشویش سے پوچھا۔

''نہیں، پہلے ہم لکھنؤ اتریں گے۔ میں نے ارادہ بدل دیا ہے۔ تم اپنے گرد حصار قائم کرلو۔ کچھ یاد رہ گیا ہے یا سب بھول گئے؟''

''اتنی باتیں تو خیر یاد ہیں۔'' آنند لال نے جواب دیا۔ ''مگر میری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ آپ نے ارادہ کیوں بدل دیا ہے؟''

''میرا ہاتھ پکڑ لو اور خاموشی کے ساتھ اسٹیشن سے باہر چلے چلو۔ میرا ہاتھ مت چھوڑنا اور چھوٹ جائے تو قریب رہنے کی کوشش کرنا۔'' میں نے سرگوشی میں کہا۔

آنند لال نے مزید کوئی استفسار کیے بغیر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ لکھنؤ کا اسٹیشن روشنیوں میں نہا رہا تھا۔ ہم گیٹ سے باہر آ گئے اور ایک تانگے میں بیٹھ گئے۔ لکھنؤ کے بازار اور کوچے سامنے تھے۔ میں نے یادوں کے دریچے بند کر دیے اور ایک جگہ تانگا رکوا دیا۔

تانگے سے اتر کر کچھ فاصلے تک پیدل چلنے کے بعد ہم ایک شکستہ حویلی کے سامنے تھے۔ بڑے دروازے پر سناٹا تھا۔ صرف ایک دربان سو رہا تھا۔ میں نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیر دیا اور دروازے کو آہستہ سے دھکا دیا، دروازہ چرمرا کر کھل گیا۔ گلیاں سنسان پڑی تھیں۔ اس لیے سناٹے میں دروازہ کھلنے کی آواز دور تک گونج گئی۔ اندر داخل ہو کر میں نے دروازہ بند کر دیا۔ بجن علی کی حویلی اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میں نے باہر رک کے آنند لال سے پوچھا۔ ''تمہیں کچھ نظر آ رہا ہے؟''

''نہیں، میں صرف یہ عمارت دیکھ رہا ہوں۔''

''یہ بجن علی کی حویلی ہے جو تمہاری ناموس تزئین کو لے گیا ہے۔ آؤ اندر چلتے ہیں۔ حصار مت توڑنا، اندر جنوں سے ملاقات ہوگی۔ ممکن ہے انہیں پہلے کی سزا یاد ہو اور وہ دوبارہ سامنے آنے سے گریز کریں پھر ہمارا کام آسان ہو جائے گا۔'' میں نے کہا۔

آنند لال نے آگے بڑھنا چاہا مگر میں اپنی جگہ کھڑا تھا۔ ''ٹھہرو!'' یہ کہہ کے میں نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور اپنے اندر ڈوب گیا۔ چند لمحوں کے ارتکاز کے بعد میں نے آنکھیں کھولیں اور آگے بڑھنے لگا۔ نچلی منزل کا حصہ مقفل تھا۔ باقی حصے میں چند ملازمین سوئے ہوئے تھے۔ وہ سوتے ہی رہ گئے۔ ہم دونوں آسانی سے اوپر کی منزل پر پہنچ گئے۔ اوپر کی منزل سے ایک چھوٹا زینہ زرافشاں درخشاں کے کمرے تک جاتا تھا۔ میں زینے ہی پر رک گیا پھر میں نے کسی قدر بھاری آواز میں کہا۔ ''بدمعاشو! میں

آ گیا ہوں اور اس بار میرا کام دوسرا ہے، میں انہیں اپنے ساتھ لے جانے کے لئے آیا ہوں۔ اگر تم مزاحمت کی کوشش کرو گے تو نقصان اٹھاؤ گے۔''

میں ابھی یہ کہہ رہا تھا کہ انکا دھم سے میرے سر پر آ گئی۔ ''شاید تمہیں میری ضرورت پڑے۔'' انکا نے کہا۔

''سید غوث کیسا ہے؟''

''میں اسے بمشکل سلا کے آئی ہوں۔''

''تمہیں اس کے پاس رہنا چاہیے تھا، تم یہاں کیوں آ گئیں؟''

''میں جلد ہی واپس چلی جاؤں گی۔ واقعی مجھے اس کے پاس رہنا چاہیے۔'' انکا نے سادگی سے کہا۔

''کیا اس کی حالت بہت نازک ہے؟''

''میرے جانے کے بعد کچھ سنبھلا ہے۔ تم اپنا کام جاری رکھو۔ آج وہ سامنے نہیں آ رہے ہیں، کیا بات ہے؟''

''وہ ضرور کوئی مزاحمت کریں گے۔ ممکن ہے وہ تزئین کے پاس ہوں۔ میں چونکہ حصار میں ہوں اس لیے انہیں میرے آنے کی خبر نہیں ہوئی ہوگی۔''

''میں خاموش ہوتی ہوں، تم ایک بار پھر انہیں آواز دو۔''

''مجھے دیکھ رہے ہو شیطانو! میں آ گیا ہوں۔ سنتے ہو؟ میں دروازہ کھول رہا ہوں۔'' میں نے آواز لگائی لیکن کوئی ردِ عمل ظاہر نہیں ہوا۔ ہاں زینے میں سے کسی کے اوپر آنے کی آہٹ ہوئی اور ''کون ہے، کون ہے؟'' کی صدائیں آنے لگیں۔

وہ ایک ملازم تھا۔ وہ مزید سیڑھیاں نہیں چڑھ سکا۔ وہیں ٹھٹک کے رہ گیا۔ میں نے زرافشاں اور درخشاں کے کمرے کا دروازہ کھولنے کے لئے ٹٹولا۔ مجھے کچھ فاصلے پر سرسراہٹ سی سنائی دی۔ آنندلال بھی چوکنا ہو گیا۔ ''لڑکیاں تنہا نہیں ہیں۔'' انکا بولی۔

''آنندلال، دروازہ کھولو۔'' میں نے حکم دیا۔

آنندلال نے دروازے پر ایڑ لگائی۔ ''دروازہ کھلنا مشکل ہے، انہوں نے اسے دیوار سے ملا دیا ہے۔''

''انکا! تم اندر جانے کی کوشش کرو۔''

انکا میرے سر سے تھوڑی دیر کے لئے اتری پھر ناکام واپس آ گئی۔ ''اندر جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔''

''راستہ کیوں نہیں ہے؟'' میں نے دروازے کے درمیانی حصے پر اپنی انگلی سے مختلف اشکال بنائیں اور ایک لمحے تک پوری طرح ساکت رہا پھر میں نے آنندلال سے کہا کہ وہ اب دروازے پر زور کرے۔ دروازے پر آنندلال کے جسم کا بوجھ پڑا ہی تھا کہ وہ مختلف جگہوں سے ٹوٹ گیا۔ کمرے کے اندر سے چیخیں سنائی دیں۔ ہولناک نسوانی چیخیں لیکن سارے کمرے میں اندھیرا تھا۔ ''وہ لڑکیوں کے اردگرد کھڑے ہیں۔'' انکا نے کہا۔

''ہٹ جاؤ۔ لڑکیوں کے سامنے سے ہٹ جاؤ۔'' میں نے چیخ کر کہا۔ ''اور رحیق، انہیں میرے حوالے کر دے۔''

''رحیق یہاں نہیں ہے۔'' کسی نے بارعب آواز میں کہا۔

''سامنے آؤ کم بختو۔ یہ اندھیرا کیوں کر رکھا ہے؟''

''ہم نے ان کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔''

''میں تمہاری اوقات جانتا ہوں۔'' میں بہت احتیاط سے آواز کی سمت آگے بڑھ رہا تھا۔ اتنا گہرا اندھیرا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ ''کیا روشنی کے لئے مجھے یہ ساری حویلی نذرِ آتش کرنی پڑے گی؟'' وہ میرے حصار کے اردگرد کھڑے تھے۔

''تمہیں اس کی مہلت نہیں ملے گی۔'' کسی نے جواب دیا۔

''میں کہتا ہوں، مان جاؤ۔'' میں نے انہیں للکارا۔

''تم ٹھیک سمت میں جا رہے ہو۔'' انکا نے مجھے ٹہوکا دیا۔

''اندھی! کیا میں ان تک پہنچ بھی نہیں سکتا۔ کیا یہاں میں جھک مارنے آیا ہوں؟'' اندھیرے میں سہمے ہوئے دو سائے مجھے نظر آئے۔ وہ زرافشاں اور درخشاں تھیں۔ ان کی سسکیاں روکنے کی کوشش میں جن بھی ناکام ہو گئے تھے۔ جب ہم ان کے قریب پہنچے تو ہمارا حصار ٹوٹ گیا کیونکہ یہاں انہوں نے خود ایک دائرہ کھینچا ہوا تھا۔ اسی وقت افراتفری مچ گئی۔ مجھے ان گنت ہاتھ اپنی گردن، سینے اور ٹانگوں سے لپٹے ہوئے محسوس ہوئے۔ آنندلال بھی چیخنے لگا پھر وہ نمودار ہو گئے۔ وہ تعداد میں کئی تھے۔ ان میں رحیق نہیں تھا۔ انہوں نے چاروں طرف سے ہمیں گھیر لیا۔ مجھے کچھ وقفہ درکار تھا اس لیے میں نے ان کی یلغار روکی نہیں۔ میں خاموش کھڑا رہا کسی پتھر کی طرح منجمد۔ انہوں نے عجلت کے ساتھ مجھے رسی سے باندھ دیا۔ میں پڑھتا رہا۔ اسی وقت انکا میرے سر سے اتر گئی اور درخشاں چیختی ہوئی میرے پاس آ گئی۔ جنوں نے اسے دیکھنا چاہا مگر وہ مجھ سے چمٹ گئی۔ میں نے چپکے سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کے سر پہ انکا موجود تھی۔ جنوں نے اس کا ہاتھ چھڑانے کی بے حد کوشش کی مگر ناکام رہے۔ دوسرے ہی لمحے انکا زرافشاں کو بھی میرے قریب لے آئی۔ اسے آنندلال نے پکڑ لیا۔ درخشاں کے سر سے چونکہ انکا اتر گئی

تھی اس لئے اس نے بری طرح دہاڑیں مارنی شروع کر دی تھیں۔ میں اسے عرصے میں اپنا کام کر چکا تھا۔ میرے ایک ہی بل سے رسیاں ٹوٹ گئیں اور میرا ہاتھ مکمل طور پر آزاد ہو گیا۔ میں نے درخشاں کو اپنے بازو سے لگالیا اور پھر سے اس تمام شور و شغب میں ایک لمحاتی نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

جن بار بار مجھ پر اور آنندلال پر حملہ کر رہے تھے، آنندلال مجھ سے چمٹا کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں زرافشاں کا ہاتھ تھا۔ ہم سب ایک دوسرے سے گتھے ہوئے تھے۔ اچانک حویلی میں کوئی چنگاری سی لپکی اور اس نے کمرے کے ایک کونے میں آگ کی شکل اختیار کر لی۔ ''چلو''، میں نے آنندلال کو اشارہ کیا۔ ''اب کوئی ہمیں پریشان نہیں کر سکتا۔ جن ہولناک چیخوں کے ساتھ ہم سے اچانک دور ہو گئے اور ان کی گرجتی برستی دیواریں ہم سے کچھ فاصلے پر ہو گئیں۔ وہ اب ہمارے قریب آنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ اگر وہ ہمیں دوبارہ ہاتھ لگانے کی جسارت کرتے تو میرے ہاتھ میں آجاتے۔ میں یہی چاہتا تھا کہ ان میں سے کوئی ایک میرے قابو میں آجائے۔ میں نے بہت پھرتی سے جنوں کی توجہ آگ کی جانب مبذول کر کے ایک موقع حاصل کر لیا تھا کہ میں اور آنندلال اور لڑکیاں ان کی زد سے محفوظ رہیں۔ وہ مجھ سے کچھ فاصلے ہی پر رہے اور مختلف چیزیں اٹھا اٹھا کر ہماری جانب پھینکنے لگے۔ ان میں سے کوئی میری دسترس میں نہیں آیا۔ واپسی کے وقت میری رفتار تیز نہیں تھی۔ میری خواہش تھی کہ کوئی ایک ہاتھ لگ جائے تو میں اسے رحیق کی طرح باندھ کر لے جاؤں لیکن آگ پھیلتی جارہی تھی، انکا نے عجلت کا مطالبہ کیا۔ آنندلال بھی گھبرا گیا تھا۔ درخشاں کی وحشت نے اور الجھا رکھا تھا۔ کمرے میں آگ تھی اور شور تھا۔ سلامت جان کی حویلی کا منظر مجھے یاد آ گیا۔ یہ قیمتی ساز و سامان، یہ فانوس، یہ منقش دیواریں۔ یہ محرابیں، سب کچھ صبح تک ملبے میں تبدیل ہو جائے گا۔ کمرے کے دروازے سے ہم سیڑھیوں پر آگئے۔ سیڑھیوں پر ایک قیامت سی مچ گئی۔ درخشاں بین کر رہی تھی۔

میں بڑے دروازے کے بجائے عقبی دروازے سے باہر آ گیا۔ جن ابھی تک ہمارے تعاقب میں تھے اور کسی موقع کی تاک میں تھے۔ اس بدقسمت حویلی میں مزید زور آزمائی کی ضرورت نہیں تھی۔ ایسے صدہا مواقع پر عدم احتیاط سے میں نے شدید ترین نقصانات اٹھائے تھے۔ بن علی کے آباء کی شاندار اور وسیع حویلی کا نام و نشان مٹ رہا تھا۔ میں نے حویلی سے باہر آنے میں عجلت کی اور باہر آ کے بلند آواز میں انہیں مخاطب کیا، میں نے کہا۔ ''تم نے دیکھ لیا کہ تم اپنی کثرت تعداد کے باوجود کچھ نہیں کر سکے۔ میں ان دونوں لڑکیوں کو لے جا رہا ہوں۔ رحیق سے کہہ دینا وہ میری بیٹی کو صحیح و سلامت اس کے گھر پہنچا دے ورنہ یہ دونوں لڑکیاں بخیر نہیں ملیں گی اور خود اسے بھی کسی جگہ امان نصیب نہ ہوگی۔ سمجھے؟ اسے بتا دینا اور زیادہ شور و شغب اور شعبدے بازی سے بچنا۔''

حویلی پر ایک الوداعی نظر ڈال کر میں درخشاں کا ہاتھ پکڑے پکڑے تیزی سے چلنے لگا۔ میرے قریب آنندلال زرافشاں کے ساتھ تھا۔ انکا زرافشاں کے سر پر تھی اور سامنے لکھنؤ کی گلیاں تھیں، ...ان، خاموش، اندھیری گلیاں مگر ایسا بھی نہیں تھا کہ ہمیں کوئی نہ دیکھ پاتا۔ درخشاں کسی وقت بھی شور مچا ...تی تھی، یوں بھی ہم بڑی مشکوک حالت میں سفر کر رہے تھے۔ درخشاں اور زرافشاں کے سر پر برقع بھی ...تھا۔ لکھنؤ کی دو حسین لڑکیوں کے ساتھ اتنی رات گئے گھومنے کا مطلب بڑی آسانی سے لوگ نکال ...تے تھے۔ آنندلال بار بار میرے چہرے کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتا تھا۔ اس کی زندگی میں پہلا ...تھا مگر میں ایسے بے شمار واقعات میں گھر چکا تھا۔ میں نے درخشاں کا ذہن معطل کر دیا۔ اب وہ ...سدھائے ہوئے جانور کی طرح میری انگلی کے سہارے چل رہی تھی۔

اب ہم کہاں جائیں؟ چچا جان کے گھر؟ نہیں چچا جان سے تمام امور کی وضاحت کون کرتا پھرے ...پھر کسی ہوٹل میں؟ صبح تک پولیس ہمارے تعاقب میں فعال ہو چکی ہوگی۔ اس لیے لکھنؤ کے کسی ...ان مقام پر قیام کرنا چاہیے یا جلد سے جلد لکھنؤ چھوڑ دینا چاہیے۔ سوچتے سوچتے اور اپنے آپ کو ...تے ہوئے میں نے انکا سے مدد لی اور اسے جلد سے جلد کوئی گاڑی فراہم کرنے کا حکم دیا۔ انکا چند ...زر کرتی رہی، مجبوراً مجھے ایک چھوٹے سے منتر کے ذریعے زرافشاں کو بھی درخشاں کی طرح معطل ...پڑا کیونکہ انکا اب اس کے سر پر مقیم نہیں رہ سکتی تھی۔ ویسے میری سحر کار آنکھیں ہی کافی تھیں۔ لڑکیاں ...اپنے ہوش و حواس میں کہاں تھیں جو اب مزاحمت کرتیں؟ میں اور آنندلال ایک دیوار کی آڑ میں ...پ کر بیٹھ گئے۔ انکا زرافشاں کے سرے سے جا چکی تھی۔ آنندلال بھی گم صم تھا۔ کوئی آدھے گھنٹے تک ...اس گندے مقام پر بیٹھنا پڑا۔ پھر یکایک گلی میں ایک کار نمودار ہوئی۔ میں سمجھ گیا کہ انکا آگئی ہے، ...نے آنندلال کو اشارہ کیا۔ ڈرائیور رات کے لباس میں تھا، اس نے بڑے ادب سے دروازہ کھولا۔ ...گلی نشست پر اور آنندلال اور لڑکیاں پچھلی نشست پر اطمینان سے بیٹھ گئے۔

''کیا سوچا ہے؟'' ڈرائیور نے پوچھا۔

''گاڑی کتنی دور تک چل سکتی ہے؟''

''نئی گاڑی ہے، سو ڈیڑھ سو میل تو آرام سے چلی جائے گی۔''

ڈرائیور نے سعادت مندی سے کہا، وہ انکا کے زیر اثر تھا۔

''نہیں، ہم یہ خطرہ مول نہیں لے سکتے۔'' میں نے کہا۔

''تو پھر کیا رائے ہے؟'' ڈرائیور نے پوچھا۔

''اس وقت کیا بجا ہے؟''

''ڈیڑھ بج رہا ہے۔'' ڈرائیور نے گھڑی دیکھ کر کہا۔

"ٹھیک ہے، گاڑی گرانڈ ٹرنک روڈ پر ڈال دو۔"

"بہتر ہے۔" ڈرائیور نے گردن ہلائی اور رفتار تیز کر دی۔

"تم آرام کر سکتے ہو آنندلال!"

"کمال ہے جمیل بھائی! کیا آپ مذاق کر رہے ہیں؟"

"نہیں۔ مگر اب ہم جلد ہی اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے۔"

"آپ ساتھ ہیں تو خطرے کی کوئی بات نہیں ہے، ویسے ہم دہلی ہی جا رہے ہیں؟" آنندلال نے پوچھا۔

"یقیناً۔ اب زیادہ حجت کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی، یہ لڑکیاں بن علی کی بہنیں ہیں۔"

"میں سمجھ گیا ہوں۔" آنندلال سر ہلانے لگا۔

☆......☆......☆

موٹر لکھنؤ سے بہت دور ویرانے میں نکل آئی تو میں نے انکا سے کہا۔ "ڈرائیور کو اتار دو۔"

ڈرائیور نے موٹر روک لی اور خاموشی سے اتر گیا۔ یہ ڈرائیور لکھنؤ کا کوئی نواب تھا۔ میں نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا اور موٹر پر پوری طرح قابو پالیا۔ انکا کی واپسی بھی چند لمحوں میں ہو گئی۔

"آپ کمال کی ڈرائیونگ کرتے ہیں۔" آنندلال بولا۔

"کرتا تھا۔ ہاتھ ٹوٹ جانے سے چلانے میں تکلیف ہوتی ہے۔"

☆......☆......☆

راستے میں ایک جگہ رک کر ہم نے پٹرول ڈلوایا اور مسلسل چلتے رہے۔ تقریباً ڈیڑھ سو میل کا سفر ہم نے چھ گھنٹے میں طے کر لیا اور بریلی پہنچ گئے۔ بریلی میں ہم نے موٹر چھوڑ دی اور دہلی جانے والی گاڑی میں سوار ہو گئے۔ بریلی سے دہلی کا فاصلہ بھی ڈیڑھ سو میل کے قریب ہے۔ ٹکٹ لینے کا وقت ہی نہیں ملا تھا۔ جس ڈبے میں ہمیں جگہ ملی اس میں اتفاق سے ایک جوڑا بیٹھا ہوا تھا۔ انکا کی وجہ سے انہیں رامپور میں اترنا پڑا۔ ڈبے میں تنہائی ہو گئی تو میں نے نشست سے سر ٹکا دیا۔

آنندلال بھی پاؤں پھیلا کر بیٹھ گیا تھا۔ درخشاں، زرافشاں ابھی تک سہمی ہوئی بیٹھی تھیں۔ میں نے پہلی بار ان کی طرف غور سے دیکھا۔ میں ان کے بارے میں بیان کر چکا ہوں کہ وہ حسن و شباب کا کیسی بے نظیر لڑکیاں تھیں۔ اب بھی ان کے شباب کا وہی عالم تھا۔ تاہم بہت اداس اور ملول تھیں، جیسے کوئی ان سے زندگی کا رنگ چھین کر لے گیا ہو۔ میں ان کا غاصب تھا اور وہ مجھ سے نظریں ملاتے ہوئے کترا رہی تھیں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان سے گفتگو کی ابتدا کس طرح کروں؟ مجھے ان پر کبھی ترس آتا تھا، کبھی غصہ، کبھی جی چاہتا تھا کہ انہیں کچا چبا لیا جائے۔ کبھی طبیعت ان سے ہمدردی کرنے پر مائل

ہوتی تھی۔ آنندلال بھی ان کے حسن سے متاثر معلوم ہوتا تھا۔ خاموشی کے کئی لمحے بیت گئے پھر میں نے نرم آواز میں پہل کی۔ "زرافشاں، درخشاں! آرام سے بیٹھ جاؤ، تم سوچ رہی ہو گی کہ تم نے کون سا قصور کیا ہے جس کی سزا تمہیں دی جا رہی ہے؟ ہاں تمہاری کوئی خطا نہیں ہے تم تو بہت معصوم لڑکیاں ہو، میں تم سے شرمندہ ہوں لیکن جو ہو گیا ہے، اسے بھول جاؤ اور جو ہو رہا ہے اسے برداشت کرنے کی کوشش کرو۔"

پھر میں نے تزئین کے بارے میں انہیں تمام واقعے سے آگاہ کر دیا۔ وہ کسمپرسی سے ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگیں۔ "تم میرے بارے میں کوئی اچھی رائے نہیں رکھتی ہو۔" میں نے معذرت طلب انداز میں کہا۔ "میں جانتا ہوں مگر وہ ایک غبار تھا۔ یقین کرو، وہ ایک غبار تھا۔ میں بہت برا آدمی ہوں لیکن اتنا برا بھی نہیں ہوں کہ تم میری بات تک نہ سنو۔ تمہارا پورا گھر تباہ ہو گیا ہے اور بن علی اس کے ذمے دار ہیں۔ تمہاری حفاظت، آبرو اور پاکیزگی کا میں پاسبان ہوں۔ تم ان جنوں کا خیال چھوڑ دو۔"

زرافشاں اور درخشاں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" خود میری آواز لرزنے لگی۔ "تمام معذرتیں بے کار ہیں۔ میں تم سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بس اب یہ تم پر منحصر ہے کہ تم ماضی بھول جاؤ۔ میرا گزشتہ چہرہ بھلا دو۔ آؤ ہم ایک نیا معاہدہ کریں۔"

"ہم کیا کہیں۔" زرافشاں روتے ہوئے بولی۔ "ہم آپ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ آپ جو چاہے، ہم سے کہہ لیجئے۔ انکار کی مجال کسے ہے؟"

"تم پر میرا جبر نہیں ہے زرافشاں۔ شاید میں بے کار باتیں کہہ رہا ہوں۔ بہرحال میری درخواست ہے کہ تم میری بیٹی کی بازیابی تک میرے ساتھ تعاون کرو۔ شاید بعد میں تم میرے متعلق اپنی رائے بدل دو۔ میں بس یہی کہنا چاہتا ہوں۔"

میں ان سے کیا کہتا؟ وہ کیا جواب دیتیں؟ اس گفتگو سے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ حبس و تکدر کی جو ایک فضا تھی۔ وہ ختم ہو گئی۔ مراد آباد کے اسٹیشن پر ہم نے کھانا کھایا۔ میں کسی نہ کسی بہانے ان سے گفتگو کا موقع نکال لیتا تھا، اب وہ کچھ سہمی ہوئی تھیں۔ ان کا انداز بڑا لطیف تھا۔ روتی تھیں تو ان کے آنسو پی جانے کو جی کرتا تھا، بولتی تھیں تو ان کے سفید موتیوں جیسے دانت چمکتے تھے اور ان کا ہار بنانے کی خواہش ابھرتی تھی۔ گڑھ مکتیشر تک ان کا خوف خاصی حد تک دور ہو گیا تھا۔ آنندلال بھی ہماری گفتگو میں شریک ہو جاتا تھا مگر وہ میری ذات کے گوناگوں پہلوؤں پر دم بخود سا تھا۔ انکا بھی ڈبے سے باہر بیرونی طاقتوں پر نظر رکھے ہوئے تھی، میں نے ڈبے میں آ کر پہلا کام اپنی حفاظت کا کیا تھا، سفر میں ایسے کتنے ہی شہر گزرے، جہاں کی بستیوں میں میری کہانیاں بکھری پڑی تھیں۔ دہلی کے قریب میں نے ارتکاز کی ایک مشق کی۔ میں پتھر بن گیا، بے حس و حرکت منجمد، جیسے کوئی مجسمہ۔

دہلی اسٹیشن پر میں نے مشق ختم کی۔ زرافشاں اور درخشاں کی طرف سے مجھے کچھ سکون ہو گیا تھا، ہمارے پاس کوئی سامان نہیں تھا۔ ہم مقامی مسافروں کی طرح اترے۔ انکا نے دروازے پر ٹکٹ چیکر کے سر پر جا کر ٹکٹ کی مشکل بھی آسان کر دی۔ دہلی اسٹیشن پر لوگ زرافشاں اور درخشاں کو دیکھ کر چونک گئے تھے۔ وہ خالص گھریلو لباس میں تھیں۔ ان کا بے مثال حسن دہلی اسٹیشن کی رونق میں زبردست اضافہ کر رہا تھا۔ ہر طرف حریص نظروں کا جال بچھ گیا تھا۔ میری اور آنند لال کی حالت یقیناً درخشاں اور زرافشاں جیسی حسین لڑکیوں سے مطابقت نہیں رکھتی تھی۔ مسافر چونکنا تھے، میرے تو بال ہی بڑھے ہوئے تھے۔ عجب اول جلول سا شخص نظر آتا تھا۔ جسم پر بدھوں کا لباس تھا۔ ساتھ میں اودھ کی لڑکیاں اور آنند لال۔ میں نے محسوس کیا کہ دلی کے چند من چلوں نے ہمارا تعاقب شروع کر دیا ہے۔ ان میں ایک شورہ پشت جوان عمر کا غنڈا آوازے تک کسنے لگا۔ یہ نوجوان غنڈا انکا کے ایک اشارے سے زیر ہو سکتا تھا مگر میں نے انکا کو منع کر دیا۔ سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ درخشاں، زرافشاں کو کہاں روپوش کیا جائے؟

انکا ٹیکسی کی تلاش میں نکل گئی تھی اور ہم اسٹیشن کے باہر اس کے منتظر تھے کہ غنڈے نے ہمارے قریب آ کر درخشاں اور زرافشاں کے متعلق کچھ نازیبا فقرے کسے، میں اسے پی گیا۔ بھرے اسٹیشن پر کوئی ہنگامہ کرنا اچھی بات نہیں تھی لیکن میری خاموشی سے اس کا حوصلہ بڑھ گیا۔ وہ میرے قریب آ کر کہنے لگا۔ ”کہاں سے اٹھا لائے یہ نگینے؟“

میں نے پہلی بار اسے سر سے پاؤں تک گھور کے دیکھا۔ ”جاؤ اپنا کام کرو۔“ میں نے ڈانٹ کر کہا۔

”میں کوئی مدد کر سکتا ہوں؟“ غنڈا ڈھٹائی سے بولا۔

یہ میرے تحمل کی انتہا تھی، میں نے ضبط کیا اور طنز سے بولا۔ ”تم کیا مدد کر سکتے ہو؟“

”شبن خان کیا نہیں کر سکتا؟“ اس نے جرأت سے کہا اور اپنا لمبا چاقو کھر رسے کھول دیا۔

”کوئی محفوظ مکان چاہیے۔“ میں نے رازداری سے کہا۔

”خدا کی قسم، ایک سے ایک جگہ حاضر ہے۔ ہاتھ لاؤ استاد۔“

میں نے اس کے ہاتھ میں ہاتھ رکھ دیا۔ ”شبن میاں! ہم سے دھوکے بازی نہیں چلے گی۔“

”کیسی دھوکے بازی؟“ شبن خان اترا کے بولا۔ ”پر اپنا حصہ پکا ہے۔“

”پکا!“ میں نے پیشہ وروں کی طرح دہرایا۔

”تو آؤ میرے ساتھ۔“ شبن خان ترنگ میں بولا۔

”ٹھہرو۔ ٹیکسی آ رہی ہے۔“ میں نے اشارہ کیا۔ مجھے یقین تھا یہ ٹیکسی انکا لے کے آئی ہے۔

ہم سب اس میں بیٹھ گئے۔ شبن خان ندیدوں کی طرح زرافشاں اور درخشاں کو دیکھ رہا تھا۔

لڑکیوں کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ راستہ شبن خان بتا رہا تھا۔ قدیم طرز کی ایک عمارت کے قریب اس نے ٹیکسی رکوا دی۔ یہ دو منزلہ عمارت تھی، زینہ علیحدہ تھا۔ شبن خان ہمیں اوپر لے گیا۔ نیچے میں اس کا کاروبار پھیلا ہوا تھا۔ قمار خانہ اور شراب خانہ۔ دیسی شراب کی بو اور بے ہنگم آوازیں آ رہی تھیں۔ اوپر کچھ سکون تھا اور کئی کمرے تھے جو سلیقے سے بنے ہوئے تھے۔ سارا مکان خالی لیکن دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ اسے استعمال کیا جاتا رہتا ہے۔

درخشاں زرافشاں کو ایک علیحدہ کمرے میں ٹھہرا کے اور آنند لال کو کمرے کے باہر متعین کر کے نے پورے مکان کا جائزہ لیا۔ ایک کمرے میں اسلحہ کا بڑا ذخیرہ بھی موجود تھا۔ شبن خان کوئی معمولی اش معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اس کی نوک دار مونچھیں اور شہدوں کا مخصوص انداز ہی شریف آدمی کا جینا کر دے۔ شبن خان نے سب سے پہلے ہمارے لیے کھانے کا انتظام کیا۔ ہم نے جیسے تیسے ساتھ انا کھایا۔ پھر میں شبن خان کے ساتھ نیچے قمار خانے میں آ گیا جہاں ایک سے ایک چھٹا ہوا بدمعاش تھا۔ یہاں اس نے مجھ سے لڑکیوں کے بارے میں تفصیل پوچھنی چاہی۔ میں نے اسے منع کر دیا کہ کیوں کے بارے میں کسی سے کوئی ذکر نہ کرے۔ میں اس کی ہر بات ٹالتا رہا اور اسے معقول معاوضہ ی پیش کش کی۔ شبن خان نے مجھے دلی کے کئی با اثر افراد، امرا اور صاحب ذوق اشخاص سے نے کا ذکر کیا کہ وہ ان حسین لڑکیوں کی قدر کریں گے مگر میں نے سختی اور درشتی سے اسے خاموش رہنے م دیا۔ وہ اس لہجے کا عادی نہیں تھا، برہم ہو گیا اور اس نے مجھے دھمکیاں دینی شروع کر دیں۔ وہ اس ک صورت حال سے پورا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ ہماری تلخ گفتگو سے اِدھر اُدھر بیٹھے ہوئے بدمعاش متوجہ ہو گئے اور شبن خان کی پشت کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ ”لڑکیاں ہمارے قبضے، ہمارے مکان ہیں۔ مت بھولو کہ ہم تمہیں کسی بھی وقت پولیس کے حوالے کر سکتے ہیں، سمجھے؟“ شبن خان نے مجھے دی۔ میں شبن خان کی باتیں اڑاتا رہا، یہ تلخی میں خود بڑھانا چاہتا تھا، لہٰذا میں نے ترکی بہ ترکی ابات دے کر شبن خان اور اس کے گروہ کو اتنا مشتعل کر دیا کہ انہوں نے میری داڑھی پر ہاتھ ڈال نڈوں سے نمٹنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان سے اپنی طاقت اور برتری کا لوہا منوایا جائے بشرطیکہ حوصلہ اقت موجود ہو۔ میں نے اس شخص کی گردن اپنے واحد ہاتھ سے پکڑ لی جس نے میری داڑھی پر ہاتھ ا اور اس کے کلے پر اتنا بھرپور ہاتھ مارا کہ وہ چاروں شانے چت گر گیا۔

شبن خان نے تیزی سے اپنا رامپوری چاقو لہرا کر کھول لیا اور گالیاں دیتا ہوا میری طرف بڑھنے ام بدمعاش اس کا حوصلہ بڑھانے لگے۔ میرے سر پر انکا تھی۔ شبن خان نے دو تین وار کرنے ہے۔ میں اِدھر اُدھر پھدک کر کسی نہ کسی طرح اس کے وار سے بچ گیا۔ غلیظ گالیوں کا ایک سیلاب ے منہ سے اُمڈ رہا تھا۔ میں یہ قصہ مختصر کرتا ہوں۔ شبن خان کا کوئی داؤ مجھ پر کارگر نہ ہو سکا۔ میں نے

اسے کھل کھیلنے کا پورا موقع دیا تھا۔ میرا اطمینان قابل دید تھا۔ ''ابھی بچے ہو۔ کھیلنے کودنے کے دن ہیں شبن خان۔'' یہ کہہ کے میں نے ایک ہی جست میں شبن خان کا چاقو والا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے اتنی زور سے دبایا کہ چاقو دو گز دور جا گرا، پھر میں نے لاتوں اور گھونسوں سے شبن خان کی اچھی خاصی تواضع کر دی۔ شبن خان زمین پر گر کے زور زور سے ہانپنے لگا۔ میں اسے ایک لمحے میں جہنم رسید کر سکتا تھا مگر یہ تماشا اسے ختم کرنے کے لئے نہیں بلکہ شبن خان پر اپنی برتری قائم کرنے کے لئے کیا گیا تھا۔ شبن خان منہ سے خون صاف کرتا ہوا اٹھا۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

''خدا کی قسم استاد! تم تو چھپے رستم نکلے۔ شبن خان سے تو آج تک کوئی مائی کا لال نظر بھی نہیں ملا سکا تھا۔'' وہ میرے گلے میں لگ گیا اور اس نے فوراً چائے اور شیرینی لانے کا حکم دیا۔ میں بہ ظاہر غصے میں بھرا بیٹھا تھا۔

اس کے بعد کیا ہوا؟ کہا جائے تو بہت کچھ ہے مگر کس کس واقعے کی یاد تازہ کیجئے گا؟ شبن خان ریشہ خطمی ہو چکا تھا اور میرے اشاروں پر ناچنے کے لئے تیار تھا۔ میں نے مختصر لفظوں میں اسے ان دونوں لڑکیوں کی بابت بتایا۔ پُراسرار باتوں کا تذکرہ میں نے دانستہ چھوڑ دیا۔ شبن خان نے وعدہ کیا کہ اب زرافشاں اور درخشاں میری طرح اس کی بھی عزت و آبرو ہیں۔ اس کے ساتھ ہی دوسرے غنڈوں نے تائید کی۔ میں نے شبن خان کا زمین پر پڑا چاقو اٹھالیا اور کمرے کی مغربی دیوار پر لگی ہوئی اس کی تصویر کا نشانہ لیا۔ شیشہ چھن چھنا کر ٹوٹ گیا اور عین شبن خان کے چہرے پر چاقو گڑ گیا۔

بین علی کی بہنوں کی حفاظت اس سے بہتر طریقے سے ممکن نہیں تھی۔ غنڈے میری خاطر تواضع میں بچھے جا رہے تھے۔ میں نیچے کے لوگوں سے مطمئن ہو کے اوپر آگیا اور آنند لال سے اجازت طلب کر کے دوسرے کمرے میں جا کے مراقبے میں ڈوب گیا کہ اب مجھے اصل کام انجام دینا تھا۔ انکا آنند لال کے سر پر چلی گئی تھی۔

جنوں نے زرافشاں اور درخشاں کے واقعے کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ تزئین ابھی تک بین علی کے پاس تھی اور بین علی کے سر پر کئی جن سوار تھے۔ انہیں کل رات بین علی کی حویلی جلنے کی اطلاع مل گئی ہوگی اور میرے دہلی آنے کی خبر بھی ہوگئی ہوگی مگر انہوں نے تزئین کو واپس نہیں کیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ انہیں زرافشاں اور درخشاں کے بدلے میں تزئین کا سودا منظور نہیں ہے۔ میں نے انکا کو روک کے آنند لال کو سید غوث کے پاس واپس بمبئی بھیجنا چاہا مگر وہ مجھے چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوا۔

میں رات بھر جاگتا رہا اور میں نے کامل استغراق کیا۔ صبح اٹھ کے زرافشاں اور درخشاں کی خیریت پوچھی اور انہیں اس وقت تک کمرے میں بند رہنے کا حکم دیا جب تک میری واپسی نہ ہو جائے۔ باہر سے دروازہ بند کر کے میں نے اسے پوری طرح محصور کر دیا اور شبن خان کو ہدایت کر دی کہ وہ لڑکیوں کا خیال

شبن خان نے وعدہ کیا کہ وہ جان پر کھیل جائے گا۔ شبن خان بھی میرے ساتھ جانا چاہتا تھا۔ میں نے اسے ڈانٹ دیا۔

''تمہارا کام یہ ہے کہ تم یہیں موجود رہو اور سنو جب تم کوئی خطرہ محسوس کرو تو انکا انکا آوازیں دینا۔ میں جہاں کہیں ہوں گا، مجھے خبر ہو جائے گی۔''

شبن خان کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ ''کیا مطلب استاد؟''

''زیادہ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے خفگی سے کہا۔ ''تم سے جو کہا گیا ہے اس پر عمل کرو۔'' یہی ہدایت میں نے زرافشاں اور درخشاں کو بھی دی۔

☆......☆......☆

ہمارے تیز قدم اس شکستہ حویلی کی طرف اٹھ رہے تھے جہاں تزئین...... میری بیٹی موجود تھی۔ دلی میں یہ حویلی کسی جاگیردار نے بنائی تھی۔ یہاں اب کوئی آباد نہیں تھا کیونکہ اس کے متعلق مشہور تھا کہ یہ جنوں کا مسکن ہے۔ دوپہر تک ہم وہاں پہنچ گئے۔ عمارت کیا تھی، ایک کھنڈر تھا۔ کسی زمانے میں یقیناً یہ آثار دلی کی شان دار عمارتوں میں ہوتا ہوگا مگر اب وہاں خاک اڑ رہی تھی۔ وہاں جانے سے قبل میں نے آنند لال کو محتاط رہنے کا مشورہ دیا۔ خود انکا مجھے یہ مشورہ دے رہی تھی۔ عمارت ایک شکستہ احاطے کے اندر تھی۔ میں نے کچھ دور رک کر اس کا مکمل جائزہ لیا۔ انکا بار بار مجھے ٹوک رہی تھی۔ مجھے اس کی یہ دخل اندازی بری معلوم ہوئی۔ میں نے اسے سید غوث کے سر پر جانے کا حکم دے دیا۔ وہ ناراض ہو کر چلی گئی اور چند لمحوں میں واپس آگئی۔ ''سید غوث بمبئی میں نہیں ہے۔'' اس نے منہ بسور کے کہا۔

''پھر کہاں ہے؟'' میں نے تشویش سے پوچھا۔

''وہ میسور میں کلدیپ کے استھان پر چڑھ رہا ہے۔'' انکا نے ناراضی سے جواب دیا۔

''وہاں کیوں گیا ہے وہ؟''

''اور کہاں جاتا؟'' انکا کے بجائے آنند لال نے جواب دیا۔

''بے وقوف ہے۔ کیا کلدیپ اس کی کوئی مدد کرے گی۔ ہنہ۔''

''مصیبت زدہ شخص تو ہر طرف دوڑتا ہے۔''

''پاگل ہو گیا ہے۔ کلدیپ تو مر چکی ہے۔''

حویلی کے ایک حصے سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ میں نے اس کی دیوار پر ہاتھ رکھ دیا اور ہم سیدھے راستے اندر داخل ہونے کے بجائے ٹوٹی ہوئی دیوار کے راستے اندر قدم رکھنے لگے۔ اندر قدم رکھتے ہی مجھے اور آنند لال کو ایک بوڑھا شخص نظر آیا جو ہماری طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ ایک جن تھا۔ ہم اپنی جگہ ساکت سا رہے۔ اس نے ذرا فاصلے پر رک کے کہا۔ ''بھاگ جاؤ۔ یہاں سے بھاگ جاؤ۔''

آنندلال نے میرا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ میں نے اپنی جگہ سے آواز لگائی۔ ''اسے واپس کردو۔ مجھے اسے واپس کردو۔''

''جمیل! آگے مت بڑھنا۔'' انکا نے مجھے ٹہوکا دیا۔ ''تمہیں یاد ہوگا کہ امرلال کے ہاں بھی جن موجود تھے۔ جن میں سے کئی نے ہمیں بہکانے کے لئے بدری نرائن کی شکلیں اختیار کر لی تھیں۔ ایک خطے میں تم دھوکا کھا گئے تھے۔ ممکن ہے جنوں کو یہاں بھی امرلال کا تعاون حاصل ہو۔ یہیں سے آواز لگاؤ۔''

میں نے اس کا مشورہ مان لیا اور بوڑھے شخص سے گرج کر کہا۔ ''میری چیز مجھے واپس کردو ورنہ ایک فیصلہ کن جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ بہتر ہوگا پہلے میرے بارے میں خوب غور کرلو کہ میں کیا ہوں؟''

دلی سے دور اس پُراسرار حویلی میں کبھی انسانوں کا قیام ہوگا مگر اب وہ جگہ جنوں کا مسکن تھی۔ عام آدمی حویلی کی شکستگی ہی دیکھ کر وہاں قدم رکھتے ہوئے گھبراتا ہوگا۔ ماحول پر وحشت طاری تھی۔ یہاں اندر کسی کمرے میں میری بیٹی جنوں کے قبضے میں تھی اور میرے دل پر آریاں سی چل رہی تھیں۔ میں اسے دیکھنے کے لئے بے تاب تھا لیکن اس تک پہنچنے میں نادیدہ دیواریں حائل تھیں۔ تزئین کے لئے میں سب کچھ لٹا سکتا تھا، تزئین میری نیکی تھی۔ وہ میری عبرت ناک زندگی کے اندھیرے دنوں کا ایک سویرا تھی۔ وہ میرے جرائم اور میری کثافت و غلاظت کے ڈھیر میں ایک پاک اور لطیف نگینہ تھی۔

میری آواز حویلی کے ٹوٹے پھوٹے در و دیوار میں بازگشت کرتی ہوئی گونجی۔ ''سنتے ہو اور اگر یہ صاف بات بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آرہی ہے تو مجھے دوسرے طریقوں سے سمجھانا بھی آتا ہے۔'' میں نے تلخی میں اس بوڑھے جن سے کہا جو حویلی سے برآمد ہوا تھا۔ ''تم میری بیٹی، تزئین میرے حوالے کردو اور اس حویلی کی تنہائیوں میں ڈوب جاؤ۔ کون تمہارے معاملے میں رخنہ اندازی کرتا ہے۔''

بوڑھا جن اپنی جگہ جما رہا اور استہزائی انداز میں بولا۔ ''زندگی چاہتے ہو تو خاموشی سے لوٹ جاؤ ورنہ پھر انہیں روکنا میرے بس میں نہیں رہے گا۔ وہ تمہارے وجود سے نفرت کرتے ہیں اسی لیے تمہاری بیٹی کو یہاں لے آئے ہیں۔ جاؤ فی الحال اپنی بیٹی کا خیال دل سے نکال دو۔ جب ان کا جی چاہے گا وہ اسے واپس کر دیں گے۔ میں سمجھتا ہوں تمہارے لیے یہ سزا ہی بہت ہے کہ تمہاری آبرو اجنبی بازوؤں کی گرفت میں ہے۔''

بوڑھے جن کا اشتعال انگیز رویہ میری برداشت سے باہر تھا۔ میں نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ''تم تو دیکھ چکے ہو کہ میں نے تمہارے لاڈلوں کو کہاں کہاں شرمندہ کیا ہے، میں کسی برتے ہی پر یہاں آیا ہوں اور اپنی بیٹی کو ساتھ لیے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔ مجھے تمہاری شرافت اور خباثت کا پورا

علم ہے۔ تم چاہے تعداد میں کتنے ہی کیوں نہ ہو مگر میں تنہا تم لوگوں کے لئے قہر بن سکتا ہوں۔ شاید تمہیں خبر ہوگئی ہوگی کہ میں لکھنؤ سے گزرتے ہوئے زرافشاں اور درخشاں کو بھی ساتھ لیتا آیا تھا۔ تم سے نمٹنے کے لئے میں کسی زحمت میں پڑنا نہیں چاہتا تھا۔ میری بیٹی میری زندگی ہے، میں اپنی زندگی کے لئے یہاں آیا ہوں۔''

''دفع ہوجاؤ۔'' اس نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

آنندلال کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا اور انکا میرے سر پر کلبلا رہی تھی۔ میں نے آگے بڑھنے کے بجائے اپنی جگہ سے آواز لگائی۔ ''جلد از جلد کوئی فیصلہ کرلو اور تمہیں فیصلے کا اختیار نہ ہو تو رحیق کو بلاؤ۔ میں اس سے دوٹوک باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

''میں رحیق ہی کی طرف سے تمہارے پاس آیا ہوں۔'' بوڑھے جن نے سنجیدگی سے کہا۔ ''اور بات کرنا ہی کیا؟ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، اس پر عمل کرو۔ تم ایک تنہا شخص کس کس سے لڑو گے، وہ بھڑوں کی طرح تم پر ٹوٹ پڑیں گے۔ تمہارے لیے سانس لینا تک دشوار ہوجائے گا۔ تم نے کتنی بار زک اٹھائی ہے، پھر بھی باز نہیں آئے؟ ایک چھوٹی سی عورت پر ناز کرتے ہو؟''

بوڑھے جن کا اشارہ انکا کی طرف تھا، میں نے انکا کی طرف دیکھا۔ وہ طیش میں میرے سر پر کھڑی ہوگئی تھی اور ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے بدزبان بوڑھے کا نشانہ لے رہی ہو۔ خود میرا بھی یہی عالم تھا لیکن میں نے بوڑھے کی ہرزہ سرائی کا جواب بڑے تحمل سے دیا۔ میں نے اسے ملائمت سے دوبارہ مخاطب کیا۔ ''اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میرے ساتھ صرف ایک چھوٹی سی عورت ہے تو یہ تمہاری بڑی نادانی ہے، میں اسے تمہارے سر پر بھیجے دیتا ہوں۔ تمہیں میرے بارے میں اس بے وقوف رحیق نے سب کچھ تو بتایا لیکن یہ بتانا بھول گیا کہ میں شدید ترین صدمے اٹھانے کے بعد بھی زندہ ہوں۔ پچھلی دفعہ بھی اس نے مجھے دھوکا دیا تھا۔ وہ میرا تعاقب کرتا ہوا امرلال کے ہاں پہنچ گیا تھا۔ اب اس نے دیکھ لیا ہوگا کہ میں دوبارہ زندہ ہوگیا ہوں۔ میں نے بن علی کی حویلی میں تمہارے کئی ساتھیوں کی موجودگی کے باوجود زرافشاں اور درخشاں کو حاصل کرلیا ہے۔ تم لوگوں کی اوقات سے میں پوری طرح واقف ہوں۔ تم لوگ بھڑوں کا چھتا ہو تو میں بھی جوالا مکھی ہوں۔ مجھے ہاتھ لگاؤ گے تو ہاتھ جل جائے گا۔''

''جمیل!'' انکا نے سرگوشی کی۔ ''میں اندر کی سن گن لینے کی کوشش کرتی ہوں، جب تک واپس نہ آؤں، آگے بڑھنے کی حماقت نہ کرنا اور اس بوڑھے کو باتوں میں الجھائے رکھنا۔''

''سنا؟ میں نے سوچنے سمجھنے کا بہت وقت دے دیا ہے۔'' میں نے دوبارہ بوڑھے کو مخاطب کیا۔

''اتفاقات بار بار رونما نہیں ہوتے جمیل احمد خان!'' اس نے گرج کر کہا۔ ''یہاں سے تم کبھی زندہ نہیں جاسکو گے۔''

"مجھے میری لڑکی دے دو۔" میں نے ڈانٹ کر کہا۔

"وہ تمہیں واپس نہیں مل سکتی۔"

اسی لمحے انکا میرے سر پر واپس آگئی۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ اندر جانے میں ناکام رہی ہے۔ "وہ ہر طرف پوری طرح مستعد بیٹھے ہیں اور انہوں نے کئی دیواریں حائل کر دی ہے۔ بہرحال اندر تزئین اور بن علی دونوں موجود ہیں۔ امر لال اور بدری نرائن نظر نہیں آئے۔ یہی ایک خدشہ تھا۔" میں نے ایک عمل کر کے اپنے آپ کو اور محفوظ کر لیا۔ آنند لال کی زبان بھی مسلسل بدبدا رہی تھی۔ بوڑھے جن کے ساتھ مزید گفت و شنید کا کچھ حاصل نہ تھا۔ آنند لال نے اشارہ پاتے ہی میرے ساتھ قدم بڑھایا۔ بوڑھا جن برانگیختہ ہو گیا۔ "رک جاؤ۔ آگے بڑھے تو پیچھے نہیں جا سکو گے۔"

"جمیل!" انکا نے تیزی سے کہا۔ "آگے بڑھنے سے پہلے وہ دیواریں ڈھانے کی کوشش کرو جنہیں عبور کیے بغیر تم اندر داخل نہیں ہو سکتے۔ یہ بوڑھا دیوار کے اس پار سے بول رہا ہے۔ درمیان میں ان گنت پردے موجود ہیں، حویلی کے باہر ہر طرف حصار قائم کر لو تا کہ رحیق تزئین اور بن علی کو لے کر کسی اور طرف نہ نکل جائے۔ اس کے ساتھی تمہیں الجھائے رکھیں گے، وہ خود یہاں سے نکل جائے گا۔"

انکا کا مشورہ اس جذباتی کشمکش کے باوجود مناسب معلوم ہوتا تھا۔ میں نے بوڑھے کو بولنے دیا مگر اس کی دھمکیاں سننے کے بجائے اپنے آپ کو مصروف رکھا۔ حویلی کے گرد میری طاقت کی بھی ایک مضبوط دیوار قائم ہو چکی تھی۔ بوڑھے نے اچانک کسمسا کر پہلو بدلنا شروع کر دیا۔ میری دیوار کم از کم بن علی اور تزئین عبور نہیں کر سکتے تھے۔ بوڑھے جن نے بوکھلا کر چاروں طرف نظر دوڑائی اور مجھے رکتے دیکھ کر دوبارہ اپنی طاقت کے بارے میں لاف و گزاف کرنے لگا۔ میں نے تیزی سے آگے بڑھنے کا ارادہ کیا اور آنند لال کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔ "کیا تم تیار ہو آنند لال؟" میں نے پوچھا۔

"میں آپ کے ساتھ جہنم میں بھی جا سکتا ہوں۔"

"تو چلو۔ بظاہر راستہ صاف نظر آتا ہے؟ حوصلہ مت کھونا۔" میں نے نرمی سے کہا اور دفعتاً ہمیں ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی ہمیں پیچھے کی طرف دھکیل رہا۔ ایک لمحے تو میرے قدم اکھڑ گئے۔ آنند لال نے میرا ہاتھ نہیں چھوڑا، میں کوئی چٹان تھا جس پر کسی طوفانی لہر یا ہوا کے ریلے نے حملہ کر دیا تھا۔ چٹان پر جس تیزی سے پانی آیا تھا اسی تیزی سے گزر گیا اور ہوا خس و خاشاک اڑاتی ہوئی چٹان کو برہنہ کر گئی۔ میرے قدم زمین پر گڑ گئے تھے۔ میں نے احتیاط سے انہیں اٹھا کر آگے بڑھایا۔ چند قدم چل کر فاصلہ کسی قدر کم ہو گیا۔ ابھی ہم کچھ ہی دور آگے بڑھے ہوں گے کہ آنند لال بے تحاشا پیر پٹخنے لگا۔ خود میرے قدموں میں جلن ہونے لگی۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے ہمارے پیروں پر کھولتا ہوا پانی ڈال دیا ہو۔ اس بارے میں نے خود آنند لال کا ہاتھ زور سے پکڑ لیا اور چند لمحوں کے لئے اسے گھسیٹنے لگا۔ "یہ ایک سراب ہے آنند

ایسے چلتروں کا حوصلے سے جواب دیا کرو۔"

"میں جانتا ہوں۔" آنند لال کراہ کر بولا اور ایک دم سیدھا کھڑا ہو گیا۔ "میں نے بہت کچھ کھو دیا آج مجھے اس کا رنج ہو رہا ہے۔"

"تم نے مالا کو حاصل کر لیا ہے۔" میں نے اس کی توجہ منعطف کرنا چاہی۔

"ہاں۔ اور آپ کو بھی۔" آنند لال نے برجستہ کہا۔

"ممکن ہے آگے اس سے کہیں زیادہ رکاوٹیں پیش آئیں۔ آنند لال، اپنی آنکھیں بند مت کرنا۔" نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

ہمارا اور بوڑھے جن کا فاصلہ کم ہو گیا تھا۔ وہ جھلاہٹ میں پے در پے حملے کر رہا تھا لیکن ہمیں کوئی زند پہنچانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ انکا میرے سر پر کسی بت کی طرح بیٹھی تھی۔ ان رکاوٹوں کی تصیل بیان کرنا فضول ہے۔ ایسے معرکوں کا تذکرہ میں کئی بار کر چکا ہوں۔ پریتم لال کے استھان پر کئی ہندو پنڈتوں، پجاریوں نے میرا راستہ روکا تھا اور بدری نرائن نے ان کی ایک فوج وہاں جمع کر دی ی۔ میں نے وہ پتھر راستے سے ہٹا دیئے تھے تو یہ جن کیا چیز تھے؟ ویسے بھی ان کا مرتبہ بلند نہیں تھا، البتہ ن کی تعداد کے پیش نظر احتیاط ضروری تھی اور پھر میری ایک عزیز ہستی ان کے قبضے میں تھی۔ یہ انتہائی طراب کا وقت تھا۔ ہم ابھی تک سدراہ کے باہر تھے اور بوڑھا جن ابھی تک سدراہ بنا ہوا تھا۔ گو اس کا مردرا چہرہ اب صاف نظر آ رہا تھا، ہم آہستگی سے راستے کی رکاوٹوں کا مقابلہ کرتے ہوئے عمارت کے یب پہنچ رہے تھے کہ بوڑھے جن کی جگہ ہمیں ایک دیو قامت شخص نظر آیا۔ اس کی ہیبت ناک آنکھیں چے کی طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ مضحکہ خیز انداز میں بری طرح ہاتھ چلا رہا تھا اور ہمیں پیچھے جانے کا شارہ کر رہا تھا۔ بوڑھے جن نے مجھے کوئی نو آموز سمجھ لیا تھا۔ مجھ پر اس کی دیو قامتی اور ہیبت ناکی کا کوئی نہیں ہوا۔ میں نے آنند لال سے کہا۔ "دیکھا، کیسے سوانگ بھر رہا ہے۔" میں یہ کہہ ہی رہا تھا کہ آنند ل ایک چیخ کے ساتھ میرے جسم سے لپٹ گیا۔ ایک طویل ہاتھ آنند لال کی گردن دبوچنے کے لئے ھ رہا تھا۔ ایک کھردرا، سخت اور کانٹوں دار ہاتھ۔ وہ عظیم الجثہ جن دور کھڑا بڑے بڑے دانت کچکچا رہا ر ابھی تک ہم مدافعت کر رہے تھے۔ اچانک انکا نے میرے بازو پر زور ڈالا۔ میں نے آنند لال کو ہوڑ دیا اور نہایت پھرتی سے اس کی کلائی پکڑ لی۔ میرا کلائی پکڑنا تھا کہ بوڑھا جن دوبارہ اصل روپ ں سامنے آ گیا لیکن اس کا طویل ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا اور آنند لال کی گردن اس کے پنجے میں دبی تھی۔ میں نے کلائی اتنی زور سے پکڑی کہ بوڑھا تلملانے لگا اور آنند لال نے ایک جھٹکے سے اپنی دن چھڑا لی۔ میں جن کا ہاتھ کھینچنے لگا۔ آنند لال بھی میری مدد کرنے لگا۔

اس کا ہاتھ طویل ہوتا جا رہا تھا۔ جیسے وہ ایک لمبی رسی ہو۔ جیسے وہ ایک ربڑ ہو۔ ہمارے درمیان

جو فاصلہ تھا، وہ قائم رہا، پھر ہم نے اس کا ہاتھ کھینچنے کے بجائے اس کے سہارے آگے بڑھنا جاری رکھا، بوڑھے نے اپنا ہاتھ چھڑانے کے لئے بہت داؤ پیچ آزمائے لیکن اسے میری گرفت سے آزاد نہیں کرا سکا۔ کاش میرا دوسرا ہاتھ سلامت ہوتا۔ آنندلال یہ بات جانتا تھا کہ جن کے ہاتھ میں کسی ایک کی گرفت رہنی چاہیے۔ چنانچہ جب میں اسے چھوڑ کر آگے بڑھتا تو آنندلال کے ہاتھ اس پر قبضہ کر رہتے اور جب آنندلال ہاتھ ہٹاتا تو میں اسے پکڑ لیتا۔ ہم دونوں یہ مشکل کام بڑی پھرتی سے انجام دیتے ہوئے اس کے بالکل سامنے پہنچ گئے۔ بوڑھے جن کا چہرہ تمتما رہا تھا، وہ اب روپوش بھی نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا۔

''میں تمہیں کیا سزا دوں؟'' میں نے اس کی کلائی مروڑتے ہوئے کہا۔ ''تم میری آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کرو اور اپنی حماقتوں سے کنارہ کش ہو جاؤ۔'' اس نے اپنی آنکھیں میری آنکھوں پر مرکوز کر دیں پھر اس نے ایک جھرجھری سی لی اور سکون سے کہا۔ ''ٹھہرو، ذرا ٹھہرو، میں اندر جا کر انہیں ہٹاتا ہوں تاکہ وہ تمہاری بیٹی کو چھوڑ دیں۔ میں نے تمہارے اندر جھانک لیا ہے۔''

''اسے ہرگز مت چھوڑنا جمیل! ہو سکے تو اس کا کام تمام کر دو۔'' انکا نے جوشیلے لہجے میں کہا۔

میں نے انکا کی تجویز نظر انداز کرتے ہوئے بوڑھے سے کہا۔ ''میں تمہیں چھوڑے دیتا ہوں مگر یاد رکھو اگر تم نے کوئی فریب کیا تو میری یہ آنکھیں تمہیں تہ خانوں میں بھی ڈھونڈ لیں گی۔'' اس کے خوف میں بھی ایک وقار تھا۔ ''ٹھیک ہے۔ میں اندر جا کر انہیں سمجھاتا ہوں۔'' بوڑھے نے گردن ہلا کر مفاہمت کے انداز سے کہا۔

''جاؤ۔'' میں نے ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ ''اور لڑکی کو لے آؤ۔ دیر نہ کرنا ورنہ میں آرہا ہوں۔''

''یہ تم نے کیا، کیا؟'' انکا نے بے چینی سے کہا۔

''تم خاموش بیٹھی رہو۔''

''میں خاموش بیٹھی رہوں؟'' انکا نے چڑ کر کہا۔ ''تم پھر کوئی گڑبڑ کرو گے۔ یہ بڑے بدمعاش ہیں۔''

''میں چند منٹ انتظار کروں گا۔''

''وہ اندر اپنا حصار مضبوط کر رہے ہوں گے۔'' انکا نے غصے میں کہا۔

''میں یہ حویلی جلا دوں گا۔''

''تمہیں اور آتا ہی کیا ہے؟ یہ جلا دوں گا، یہ کر دوں گا، وہ کر دوں گا۔ میں کہتی ہوں تمہاری لڑکی اندر ہے اور تم حویلی جلانے کی سوچ رہے ہو۔'' انکا نے زہریلے لہجے میں کہا۔

''چپ رہو انکا!'' آنندلال درمیان میں بولا۔ ''تم تو لڑ رہی ہو۔''

''اب تم دیکھنا آنندلال!'' انکا ہاتھ نچا کر بولی۔

چند لمحے گزر گئے، اندر سے کوئی واپس نہیں آیا۔ انکا بھنائی بیٹھی تھی۔ جیسے ہی میں نے عمارت کی ہز پر قدم رکھا، ہم دونوں زمین پر کئی فٹ لڑھکتے ہوئے چلے گئے۔ میں نے آنندلال کو اٹھایا، سامنے بڈ جن نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں اب تک برداشت کا بہت ثبوت دیتا آیا تھا، اس بار میرا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا، میں آنندلال کو لے کر بجلی کی طرح چبوترے کے قریب گیا اور میں نے اسے ایک ٹھوکر ماری۔ وہ ستون جو چبوترے پر ایستادہ اور اٹکا ہوا تھا، اڑا اڑا دھم گر گیا۔ میں اس کے ملبے سے بچتا ہوا آگے بڑھا کسی خطرے کی پروا کیے بغیر اوپر چڑھ گیا۔ ایک عمارت میں کتنے فاصلے تھے۔ اوپر چڑھ کر میں نے ب تانے کے لئے آنکھیں بند کیں اور اپنی تمام طاقتیں ایک نقطے پر مجتمع کر لیں۔ وہ ایک نقطہ جس کے سوا کچھ اور نظر نہیں آتا۔ وہ ایک آسودہ نقطہ، جہاں تک پہنچنا ارتکاز کا کمال ہے، اس ایک لمحے میں، مجھے جسم میں ایک نئی توانائی آتی محسوس ہوئی اور میں نے ستونوں پر ہاتھ رکھ کر انہیں گرانا شروع کر دیا۔ میری مٹھیوں میں جیسے کوئی برق تھی اور میری آنکھوں میں جیسے کوئی کاٹ تھی۔ میں راستے کی تمام پیش بندیاں ڈھاتا ہوا، اجڑی ہوئی راہداریاں عبور کرتا ہوا اس کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔ ان کا حصار میرے ہر قدم پر ٹوٹ رہا تھا۔ جیسے ہی میں ایک جگہ سے گزرا، مجھے ایک شور سنائی دیا۔ متعدد آوازوں کا بے ہنگم شور، ہوائی چیخیں اور دنگا فساد۔

''وہ یہاں نہیں ہے۔'' انکا خاصی دیر بعد مچل کر بولی۔ ''یہ شور تمہارے کانوں کے امتحان کے لئے ہے۔''

''میں اپنی لڑکی کی خوشبو سونگھ سکتا ہوں۔''

''تم اسے نہیں دیکھ سکتے جمیل! وہ کئی پردوں کے اندر ہے۔ محتاط رہنا۔ جس تیزی سے تم اندر آ گئے ہو اس آسانی سے واپس نہیں جا سکتے۔''

''وہ حرام زادہ بن علی کہاں ہے؟''

''تزئین اس کے پاس ہے، جلدی کرو۔ باتیں نہ بناؤ۔ بائیں طرف کی راہداری عبور کر کے کمرے کے اندر جانے کی کوشش کرو اور جہاں تک جاتے رہو، اپنے حصار سے راستے مسدود کرتے جاؤ تاکہ ان کے فرار کی راہیں بند ہو جائیں اور ان کے دل پر تمہاری دہشت بیٹھی رہے۔''

''میں یہ شور ختم کر دیتا ہوں۔'' میں نے بند کمرے کی دیواروں پر ایک ضرب لگائی۔

''بے کار ہے۔ میں جو کہتی ہوں وہی تمہارے لیے فائدہ مند ہے۔ بائیں طرف چلو۔'' انکا نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ میں نے انکا کے کہنے پر عمل کیا اور بائیں طرف مڑ گیا۔ یہ ایک تاریک راہداری

تھی۔ یہاں جگہ جگہ مکڑی کے جالے بنے ہوئے تھے اور پرندوں نے گھونسلے تیار کر رکھے تھے۔ یہ جن طبعاً گندے تھے۔ انہوں نے اپنی مرغوب جگہ یہ گندگی گوارا کر لی تھی۔ راہداری کے ایک سرے پر ایک بڑے کمرے کے آثار نظر آ رہے تھے۔ سامنے لکڑی کا ایک مضبوط دروازہ تھا جو بند تھا۔ اس کے موٹے کنڈوں پر زنگ لگا ہوا تھا۔ انکا نے اشارہ کیا کہ یہی وہ کوٹھری ہے جہاں تزئین موجود ہے۔ میرا دل دھڑکنے لگا۔ کلیجے میں عجیب سی ہوک اٹھی۔ میں نے وہیں کھڑے ہو کر اندازہ لگایا۔ دروازے پر یقیناً متعدد جن تعینات ہوں گے جو اتنی آسانی سے اندر جانے کی اجازت نہیں دیں گے۔ جتنی آسانی سے میں یہاں تک پہنچ گیا ہوں۔ میں چند ثانیوں تک کھڑا ہوا سوچتا رہا۔ ایک ذرا سی لغزش سارا کام بگاڑ سکتی تھی۔ دروازہ نذرِ آتش کیا جا سکتا تھا مگر اس طرح وہ مشتعل ہو کر تزئین کے ساتھ کوئی زیادتی کر دیتے۔ مجھے ایک معتدل راہ اختیار کرنی تھی اور انہیں اپنے بارے میں بے خبر رکھنا تھا۔ میں پہلے ہی ایک محفوظ فصیل میں تھا لیکن احتیاط کے طور پر میں نے اپنے گرد حفاظت کا ایک اور ہالہ بنا لیا۔ میں نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی اور نہایت آرام کے ساتھ ان سے تزئین کی واپسی کی درخواست کی۔ میں نے ان سے یہ وعدہ بھی کیا کہ میں زرافشاں اور درخشاں کو ان کے حوالے کر دوں گا۔ اب میں ہر وعدہ کر سکتا تھا کیونکہ بوڑھے جن نے اپنے عہد کا پاس نہیں کیا تھا۔ اندر مکمل خاموشی طاری رہی۔ حویلی میں صرف میری ہی آواز کی بازگشت سنائی دیتی رہی۔ میں نے بار بار انہیں متوجہ کیا۔ رحیق اور بوڑھے جن کو آوازیں دیں۔ میں نے عاجزی کے ساتھ ان سے کہا اور آہستہ آہستہ کمرے کی دیواریں چھوتا ہوا واپس دروازے کی طرف آ گیا۔ مجبوراً مجھے ایک ایسا راستہ اختیار کرنا پڑا جس کے لئے میں تیار نہیں تھا۔

میری آنکھیں دروازے پر گڑی ہوئی تھیں اور میں بالکل خاموش کھڑا تھا۔ اندر جنوں کا ایک پرا موجود تھا اور باہر جمیل احمد خان۔ انہوں نے بھی اپنا سارا زور دروازے پر لگا دیا تھا اور میں نے بھی مگر انہوں نے ارتکاز اور مراقبے میں ڈوب کر اپنی آنکھیں اتنی تیز اور اپنا باطن اتنا توانا نہیں کیا تھا جتنا میں نے کیا تھا۔ آنند لال میری ہدایت کے مطابق دروازے پر نشانات بناتا رہا اور میں کچھ فاصلے پر مبہوت کھڑا رہا۔ آخر وہ لمحہ آ گیا، میں نے آنند لال کو اپنے پیچھے کھڑے ہونے کی ہدایت کی اور انکا کو ہر طرف نظر رکھنے کی تلقین کی۔ میری ایک جنبشِ نگاہ سے دروازہ جلنے لگا۔ میں نے ان کا طلسم توڑ دیا تھا۔ مجھے معلوم تھا وہ جلتے ہوئے دروازے سے گھبرا کر تیزی سے باہر نکلیں گے۔ میں انہیں کوئی مہلت دینے کی غلطی کا ارتکاب کرنا نہیں چاہتا تھا۔ صدیوں کی خشک لکڑی تیزی سے بھڑک اٹھی، اس کی لپٹیں ہمارا جسم چھو رہی تھیں لیکن ہمیں دروازے ہی پر تعینات رہنا تھا۔ میں نے آنند لال کا ہاتھ دبا کر صبر و ضبط کی درخواست کی۔ جب دروازہ پوری طرح آگ کی لپیٹ میں آ گیا تو میں نے آنند لال کا ہاتھ پکڑا، اسے آنکھیں بند کرنے کا حکم دیا اور انکا کو اشارہ کیا۔ پھر ہم دونوں نے ایک جست لگائی، ہم چشم زدن میں

بازے کے اس پار کمرے کے اندر تھے۔ اندر کوئی نظر نہیں آ رہا تھا لیکن یہ ایک بڑا کمرا معلوم ہوتا تھا۔
ے سارا کمرا روشن تھا۔ میں آنکھیں پھاڑے اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔ دوسری جانب سے مکمل
ہوشی تھی۔ میں نے غصے کی کیفیت میں اپنا ہاتھ اٹھا کر دائرے کی صورت میں گھمایا۔ جنوں نے روپوشی
چادر اٹھا دی تھی۔ وہ کمرے میں ہر طرف بکھرے ہوئے تھے۔ ان میں وہ بوڑھا جن بھی نظریں
ے کھڑا تھا۔ آنند لال ان کی کثیر تعداد دیکھ کر گھبرا گیا۔ میں نے تزئین کو دیکھا اور میرا خون جلنے لگا۔
علی کے ناپاک ہاتھ اسے اپنے حلقوں میں لیے ہوئے تھے۔ رحیق ان کی پشت پر کھڑا مجھے شعلہ بار
ں سے گھور رہا تھا۔ جنوں کے تیور بتا رہے تھے کہ انہوں نے ایک آخری اور فیصلہ کن معرکے کی ٹھان
ہے۔ اپنی دیواریں گرتے ہی وہ خوں خوار آواز میں بولا۔ ''جمیل احمد خان! اگر ہم آدم خور ہوتے تو
تو یہاں ایک شاندار جشن منایا جاتا۔ آخر ہم تمہیں اس حویلی میں کھینچ ہی لائے؟ صدیوں سے یہ دستور
ہے کہ کوئی انسان اس حویلی سے سلامت واپس نہیں گیا، ہاں جسے ہم نے چاہا، اسے واپس کر دیا۔''

''اگر ایسا ہی تھا تو راستے میں پتھر اور کانٹے بچھانے کی کیا ضرورت تھی؟'' میں نے سرد لہجے میں
کہا۔ ''میں سیدھا اسی طرف آ رہا تھا، سنو رحیق! بات بڑھانے کی حماقت نہ کرو۔ لڑکی میرے حوالے کر
دو۔ بات یہیں ختم ہو سکتی ہے۔''

''بات تو تم نے بڑھائی ہے خان صاحب! جب اپنے دامن پر آنچ آئی تو گھبرا گئے۔ درخشاں اور
زرافشاں کی عصمتیں ایسی ارزاں نہیں تھیں۔ تمہاری درندگی کا زخم صرف اسی طرح مندمل ہو سکتا تھا۔''

''زبان قابو میں رکھو!'' میں حلق کے بل چلایا۔ ''تم درخشاں اور زرافشاں کی حفاظت نہیں کر سکے
لیکن میں اپنی لڑکی کی حفاظت کرنا خوب جانتا ہوں۔''

''تم دیکھ رہے ہو کہ تمہاری لڑکی بین علی کے ہاتھوں میں ہے۔ بَن علی اس پری پیکر کے پیچھے تباہ
تھا۔ اب اس کی ایک تشنہ خواہش پوری ہو گئی ہے۔ تزئین اس کے بازوؤں کے حصار میں ہے اور اس
نے اسے دنیا کا ہوش نہیں ہے۔ دیکھو، وہ کیسے مست پڑے ہیں، یہ منظر دیدنی ہے جمیل احمد خان! اس
کا تمہیں لطف لینا چاہیے۔'' رحیق نے میرے سینے پر نشتر چلایا۔

رحیق کے جملے ایسے شخص کے لئے ناقابل برداشت تھے جس کا نام جمیل احمد خان ہو اور جسے اپنے
پر اختیار نہ ہو۔ آنند لال کی موجودگی میں یہ جملے اور گراں گزرے۔ مجھے کمرے کے در و دیوار گھومتے
ہوئے ہوئے۔ تزئین کے چہرے پر زردی پھیلی ہوئی تھی۔ اسے اپنے تن بدن کا ہوش نہیں تھا۔ وہ
نڈھال ایک طرف گردن ڈھلکائے بن علی کی آغوش میں پڑی تھی۔ خود بن علی کی حالت بھی اس سے
مختلف نہیں تھی۔ وہ دونوں گم صم مجھے اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہے ہوں۔ میں
نے تیزی سے آگے بڑھنے کی جدوجہد کی لیکن یکلخت رک گیا۔ مجھے بن علی کی حویلی کا واقعہ یاد آ گیا

جہاں جنوں نے اپنے بچاؤ کے لئے دائرہ بنا رکھا تھا پھر ایک ٹکراؤ کے بعد ہمارے حصار ٹوٹ گئے تھے۔ وہاں میرے ان دشمنوں کی تعداد کم تھی لیکن یہاں صورت حال اس کے برعکس تھی اور حصار ٹوٹ جانے کی صورت میں آنند لال پر کوئی افتاد پڑ جانے کا امکان تھا۔ چنانچہ میں نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے حالات پر قابو پانے کا فیصلہ کیا۔ انکا نے بھی مجھے ٹھوکا دے کر ٹھہرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ میری کوشش یہ تھی کہ کسی طرح مجھے چند لمحوں کی مہلت مل جائے اور میں جنوں کے تمام دفاعی دائرے ختم کر دوں۔ میں ان کی پناہ گاہ میں تھا اور مجھے اس بات کا بھی خیال تھا کہ اگر میری جانب سے کوئی اوچھا وار کیا گیا تو کھیل بگڑ جائے گا۔ دوسری صورت میں یہ بھی ممکن تھا کہ جن زچ ہو کر تزئین کو نشانہ بنا ڈالیں۔ یہی ایک مجبوری تھی جو ہر مرحلے پر میرے پاؤں پکڑ رہی تھی۔

رحیق میرے قدم رکتے دیکھ کر بکواس کرنے لگا۔ میں نے اسے بکواس کا موقع دیا اور نندا اور کرپالا کے سکھائے ہوئے چند آزمودہ عمل پڑھنے شروع کر دیئے۔ پھر میرے ہاتھ ہیبت ناک انداز میں اٹھ گئے اور کمرے میں ایک بھونچال سا آ گیا۔ ''ہٹ جاؤ۔ بھاگ جاؤ کم بختو!'' میں بری طرح دہاڑنے لگا۔ جنوں میں ایک کھلبلی سی مچ گئی۔ میں جنون کی حالت میں بڑبڑا رہا تھا۔

وہ میرے قریب آنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ میری انگلیاں تیزی سے حرکت کر رہی تھیں اور ان میں انتشار پیدا ہو گیا تھا۔ میں چاہتا یہی تھا کہ وہ کسی طرح وحشت میں میرے دائرے کے قریب آ جائیں اور میں انہیں بتاؤں کہ ان کا واسطہ کس شخص سے ہے؟ میری ہذیانی حالت سے وہ خاصے متاثر معلوم ہوتے تھے۔ میں اول جلول انداز میں سر پٹختا ہوا زمین پر لیٹ گیا اور میں نے اپنا جسم لٹو کی طرح گھمانا شروع کر دیا۔ آنند لال اچک اچک کر پیچھے راستہ دیتا جاتا تھا۔ میں اسی طرح بڑھتے بڑھتے تزئین اور بن علی کے قریب پہنچ گیا۔ جب میں ان کے نزدیک ہونے لگا تو انہوں نے ایک غضب ناک چیخ، پکار کے ذریعے میری اور آنند لال کی توجہ ہٹانی چاہی۔ ان کی آوازیں جانوروں کی آوازوں سے مشابہ تھیں۔ میں نے کوئی پروا نہیں کی اور اپنا عمل جاری رکھا۔ یہ ایک مشکل ترین اور ہول ناک عمل تھا۔ جب انہیں یقین ہونے لگا کہ میں اسی طرح گھومتے گھومتے اپنے جسم سے دائرہ بڑھاتے بڑھاتے تزئین کے پاس پہنچ جاؤں گا اور ان کا دائرہ میری ہذیانی مشق سے یوں ہی ختم ہو جائے گا تو انہوں نے میرے گرد دائرہ تنگ کر لیا۔ مگر جوش غضب میں جو بھی آگے آیا، وہ چیختا ہوا دائرے سے باہر اچھلنے لگا۔ دو تین جنوں نے یہ کوشش کی اور چیخ مار کر پیچھے ہٹے جیسے ان کا جسم ننگے برقی تاروں سے مس ہو گیا ہو۔ اس ناکامی سے ان میں افراتفری پھیلنے لگی اور وہ ایک دوسرے کی طرف سوال طلب نظروں سے دیکھنے لگے۔ میں اسی افراتفری میں تزئین کے پاس پہنچ گیا لیکن میں نے اس کا ہاتھ پکڑنے کے بجائے تزئین اور بن علی کے گرد لیٹے لیٹے گھومنا شروع کر دیا اور بہت پھرتی سے چکر لگا کر کھڑا ہو گیا، میرے سارے کپڑے

...ی وجہ سے پھٹ گئے تھے اور کہنیوں ٹخنوں سے خون بہنے لگا تھا۔ آنند لال بھی ہانپ رہا تھا۔

کچھ جنوں نے پھر سے یلغار کرنے کا ارادہ کیا مگر دوسرے جنوں نے انہیں روک لیا۔ میں بن علی ...زئین کی پشت پر کھڑا تھا۔ میں نے اپنا کرتا اتار کر تزئین کے شانوں پر ڈال دیا تاکہ اس کے پھٹے ...ے لباس میں سے جھانکتے ہوئے حصے میری نظروں سے دور ہو سکیں۔ پھر میں نے خوش اسلوبی سے ...ل بن علی کو اٹھایا اور اس کے رخسار پر ڈھیلے ہاتھ کا ایک بھرپور چانٹا رسید کیا۔ وہ ہکا بکا ہو کر دیکھنے لگا۔ ...رپے کئی طمانچے کھانے سے اس کا دہانہ اپنی جگہ چھوڑ بیٹھا۔ منہ سے خون کا فوارہ ابل پڑا۔ وہ درد ...ب سے تڑپنے لگا۔ ''جمیل! اب یہاں سے بھاگنے کی کوشش کرو۔ بن علی پر وقت ضائع نہ کرو۔'' انکا نے میرے بال پکڑتے ہوئے کہا۔ ''کسی وقت بھی وہ کچھ کر سکتے ہیں۔ میں نے تمہیں ...ہاں میں بتانا مناسب نہیں سمجھا تھا لیکن زرافشاں اور درخشاں خطرے میں ہیں۔ شبن خان کا قمار ...بگھرا جا چکا ہے اور وہ مجھے آوازیں دے رہا ہے۔''

''کیا کہہ رہی ہو؟'' میں نے تشویش سے پوچھا۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں۔ تم اب یہاں سے آسانی کے ساتھ نکل سکتے ہو۔ وہ خاموش ہیں۔ اب ...ں زیادہ نہ چھیڑو۔'' انکا نے مشورہ دیا۔

''میں بن علی کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے بوکھلاتے ہوئے کہا۔

''ایک پاگل شخص زندہ کہاں ہوتا ہے؟ وہ تو جنوں کا آلۂ کار ہے۔ اصل مجرم تو رحیق ہے۔''

''تو پھر میں رحیق کو ٹھکانے لگاتا چلوں۔ رحیق کہاں ہے؟'' میں نے نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔ ...ظر نہیں آ رہا ہے۔''

''وہ بھاگ چکا ہے۔''

''مگر کس طرح؟''

''اس روشن دان سے۔'' انکا نے اشارہ کیا۔

''رحیق کہاں ہے مردود!'' میں نے چلّا کر کہا۔ ''اسے سامنے لاؤ تاکہ میں اسے بتا سکوں کہ اس ...شخص کی آبرو پر ہاتھ ڈالا تھا؟''

تمام جن مجھے حیرت سے گھور رہے تھے۔ تزئین اور بن علی اب میرے قبضے میں تھے۔ میں نے ...ے خاموش چہرے گھور کے انہیں دوبارہ مخاطب کیا۔ ''رحیق کو پیش کرو۔ انکار کی صورت میں تم ...قہر سے نہ بچ سکو گے۔''

میری شعلہ گفتاری اور رحیق کے اچانک فرار ہو جانے سے وہ ششدر تھے۔ ان کی نظریں خلا میں ...لاش کر رہی تھیں۔ ''بولتے کیوں نہیں، جواب دو! رحیق کہاں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

"تم اپنی بیٹی کو لے جاسکتے ہو۔" بوڑھا جن آگے بڑھ کر بولا۔

"مگر میں رحیق کے بارے میں پوچھ رہا ہوں، اسے تو میں ساتھ لینے ہی آیا تھا۔ میں نے تم سے معاملے کی بات کرنا چاہی تھی۔ اس بدمعاش رحیق نے تم سب کو ذلیل کرایا۔" میں نے للکار کر کہا۔

"ہمیں نہیں معلوم کہ وہ کہاں چلا گیا؟" بوڑھے جن نے ٹھہراؤ سے کہا۔ "تم ضد کررہے ہو۔"

"میری ضد کا انجام میرے سامنے ہے۔" میں نے کرخت لہجے میں کہا۔ "میرے فیصلے اٹل ہوتے ہیں۔ میں رحیق کو قید کرنا چاہتا ہوں۔"

"تم خوامخواہ الجھ رہے ہو۔" انکا نے پیچ و تاب کھا کے کہا۔ "اب چلے چلو، انہیں اچھا خاصا سبق مل گیا ہے۔"

"انکا ٹھیک کہتی ہے جمیل بھائی! اب چلے چلو۔" آنند لال نے کہا۔

یہ کوئی اچھی واپسی نہیں تھی۔ میں ان سب کو ٹھکانے لگانا چاہتا تھا مگر تزئین کی حالت، شبن خان کی خبر، رحیق کے فرار اور انکا اور آنند لال کے اصرار کے پیش نظر میں نے باہر نکلنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس وقت وہ پوری طرح مغلوب تھے۔ "ٹھیک ہے، میں جاتا ہوں۔" میں نے خشونت سے کہا۔ "مگر کان کھول کر سن لو۔ اگر اب تم نے کوئی اوچھا قدم اٹھایا تو میں سب کی تباہی کا سبب بن جاؤں گا۔ یہ ایک آخری تنبیہ ہے۔ اب میرے راستے سے ہٹ جاؤ اور ہمیں خوش دلی سے رخصت کرو۔"

بن علی پر ایک آخری بھرپور ضرب لگا کے میں نے تزئین کو اپنے کاندھے پر ڈالا۔ بن علی بلبلا کر زمین پر ڈھیر ہوگیا۔ "اسے سنبھالو مردارو! اس کا انجام میرے حسب منشا نہیں ہوا ہے۔" یہ کہہ کے میں نے آنند لال کو آنکھ کا اشارہ کیا۔ "کوئی حرکت نہ کر بیٹھنا۔" میں نے بپھرے ہوئے جنوں سے کہا۔

دروازے پر میری روشن کی ہوئی آگ اب کمزور پڑ چکی تھی۔ میں نے وہ آگ عبور کی اور پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہاں کوئی نہیں تھا۔ میں ایک لمحے کے لئے ٹھٹکا۔ پھر سنسان راہداری میں آگیا جہاں لکڑی چٹخنے کی آواز موت کا سکوت توڑ رہی تھی اور روشنی دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ انکا اطراف میں کوئی خطرہ محسوس کرنے کے لئے بار بار اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ آنند لال کا چہرہ دھواں ہورہا تھا۔ میں پرانی حویلی کے کھنڈروں سے گزرتا ہوا کھلی فضا میں آگیا۔ حویلی سنسان پڑی تھی۔ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ یہاں کتنا زبردست معرکہ برپا ہوا ہے۔ راستے میں ایک جگہ درخت کے نیچے رک کر میں نے تزئین کو لٹایا۔ اس کے چہرے پر پانی چھڑکا اور اس کا منہ اپنے کرتے کے دامن سے صاف کیا۔ اس نے آنکھیں پٹ پٹائیں لیکن درندوں نے اس کے ساتھ بڑا ظلم کیا تھا۔ وہ کتا بن علی اس کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا۔

"آپ فکرمند کیوں ہوتے ہیں جمیل بھائی! یہ ٹھیک ہوجائیں گی۔" آنند لال میری پشت پر ہاتھ رکھ کے بولا۔

"فکرمند کیسے نہ ہوں آنند لال! اسے اس حال میں دیکھ کر میرا کلیجا پگھل رہا ہے۔" میں نے کہا۔

"سب ٹھیک ہوجائے گا۔ کچھ دور چلتے ہی پھر کسی گاڑی میں بیٹھ کر شبن علی کے ٹھکانے پر پہنچتے ہیں۔ شبن خان پر نہ معلوم کیا گزر رہی ہوگی؟"

کچھ فاصلے پر جا کے انکا کے ذریعے ہمیں ایک گاڑی فراہم ہوگئی۔ گاڑی میں بیٹھ کر ہم سب نے اطمینان کا سانس لیا۔ اب کوئی احتیاطی تدبیر مناسب نہیں تھی۔ مجھے یقین تھا کہ رحیق اور اس کے ساتھی روپوش ہوگئے ہوں گے۔ رحیق کو اپنے انجام کے ڈر سے فرار ہونے ہی میں مصلحت نظر آئی ہوگی۔ رحیق کے چھوڑنے کا مجھے بے حد صدمہ تھا۔ میں نے طے کرلیا تھا کہ درخشاں اور زرافشاں کو شبن خان کی قیام گاہ سے نکالنے کے بعد کسی محفوظ مقام پر پہنچا دوں گا مگر بھول ہوگئی۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ اتنے بہت سے جنوں میں صرف رحیق پر نظر رکھنا اور خود حصار مضبوط بنانا، دونوں کام بیک وقت کرنے مشکل تھے۔ ہماری گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی شبن خان کے قمار خانے کی طرف گامزن تھی کہ تزئین کا مضمحل جسم جھرجھریاں لے کر بیدار ہوا۔ میں اس کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا۔ یکایک میرا ہاتھ ایک شدید جھٹکے سے چھڑا لیا گیا۔ میں نے حیرت سے تزئین کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں چند لمحے پہلے خوابیدہ تھیں مگر اب بڑی سرخ اور خوں خوار نظر آرہی تھیں۔

"جمیل احمد خان!" تزئین نفرت انگیز لہجے میں بولی۔ "اب تم میرے رحم و کرم پر ہو۔"

میرے علاوہ انکا اور آنند لال کے کان بھی کھڑے ہوگئے۔ اب دیر ہوچکی تھی۔ مجھے یہ سمجھنے میں مشکل ایک لمحہ صرف ہوا کہ رحیق نے حویلی سے باہر ہمارا حصار ٹوٹتے ہی تزئین کے جسم پر قبضہ کرلیا ہے۔ میں اپنی حماقت پر خود کو کاٹ کھاتا، اگر میں کاٹ سکتا۔

"میں باہر کھڑا تمہارا انتظار کررہا تھا۔" رحیق تزئین کی زبانی زہرخند سے بولا۔ "اب مجھے اپنی بیٹی کے جسم سے نکالنے کے لئے کوئی منتر پڑھو۔"

"رحیق! تزئین کا جسم چھوڑ دو ورنہ میں تمہیں کہیں کا نہ رکھوں گا۔ میں تمہیں کھینچ کر باہر نکال لوں گا۔"

"یہ بات اتنی آسان نہیں ہے جمیل احمد خان!" تزئین نے کہا۔ "تم اپنی لڑکی پر ظلم نہیں کرسکتے اور جب تم اس پر ظلم نہیں کرسکتے، اس وقت تک میں بڑے آرام سے ہوں۔ اٹھاؤ ہاتھ اور اس کے نازک بدن پر ضربیں لگاؤ۔"

"تمہارا مقصد کیا ہے؟"

"مجھے تمہاری لڑکی پسند آگئی ہے۔ بہت دلکش ہے۔"

"تم بڑے کمینے ہو۔ میں تمہیں...... میں تمہیں......" میرے منہ سے جھاگ نکلنے لگا۔

"تم بھی کچھ کم کمینے نہیں ہو۔ کمینے پن کی ابتدا تمہاری طرف سے ہوئی تھی۔ تم نے زرافشاں اور درخشاں جیسے پھول روندے تھے۔" تزئین نے ڈھٹائی سے کہا۔

میرا ہاتھ اٹھتے اٹھتے اور میرا منہ کھلتے کھلتے رہ گیا۔ میں اپنی بیٹی پر کس طرح ہاتھ اٹھا سکتا تھا؟ میں تزئین کو کس طرح اذیت دے سکتا تھا۔ میں نے ڈرائیور کو حکم دیا کہ وہ گاڑی کا رخ موڑ دے۔ ڈرائیور کے سر پر انکا موجود تھی۔

"کہاں لے چلنے کا ارادہ ہے؟" رحیق نے بے خوفی سے پوچھا۔

"تمہیں جہنم رسید کرنے۔" میں نے جھنجلا کر جواب دیا۔

"اتنی جلدی کیوں ہے خان صاحب! میں بھاگ تو نہیں رہا ہوں۔ مجھے اس گداز بدن کا لطف تو لے لینے دو۔"

"جمیل!" ڈرائیور بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "کچھ کرتے کیوں نہیں؟"

"اب یہ کیا کریں گے؟" رحیق نے تزئین کی زبانی کہا۔

یہ میرے لیے بڑے صبر آزما لمحے تھے۔ رحیق نے میری شہ رگ دبا رکھی تھی۔ شاید میں پاگل ہو جاتا۔ جمیل احمد خان بندھ گیا۔ میں ایک عرصہ گزارنے کے باوجود بے بسی محسوس کر رہا تھا حالانکہ انکا بھی ساتھ تھی، آنندلال بھی تھا اور خود میں بھی موجود تھا۔ میں جنوں کے غول میں درانہ گھس گیا تھا۔ میں اس کم بخت کی زندگی حرام کر دیتا۔ آنندلال بھی اس صورت حال سے پریشان تھا۔ رحیق کو نکالنے کے لئے تزئین کے جسم کو اذیت دینی لازمی تھی۔ میں نے اسے تسخیر کرنے کے لئے مجبوراً خاموشی سے ایک عمل شروع کیا۔ اسی لمحے تزئین کا جسم سرتاپا لرزنے لگا اور اس کے منہ سے جھاگ نکلنے لگا۔ وہ گاڑی میں سر پٹخنے لگی جیسے اس پر مرگی کا دورہ پڑ رہا ہو۔ میں اس صورت سے گھبرا گیا۔ اسی وقت تزئین قہقہہ لگاتے ہوئے بولی۔ "کیا ہوگیا؟"

"جمیل بھائی! سوچ سمجھ کر۔" آنندلال درمیان میں بولا۔

"تمہارا دوست صحیح مشورہ دے رہا ہے۔"

کوئی بھی عمل کیا جاسکتا تھا کیونکہ رحیق ایک معمولی اور بدکردار جن تھا۔ کوئی اور لڑکی ہوتی تو میں اسے آسانی سے بھگا دیتا مگر یہ تو تزئین تھی۔ مجھے تزئین کی ایک چیخ بھی گوارا نہیں تھی۔ رحیق تشدد پر اتر آیا تھا۔ گاڑی کا رخ اب پھر دلی کی ویران بستیوں کی طرف تھا۔ میں نے گاڑی رکوا دی اور ہم ایک جگہ اتر گئے۔ اترتے ہی میں نے دوبارہ عمل شروع کر دیا۔ تزئین نے اپنے بال اور لباس نوچنا شروع کر دیا۔ ایک بار پھر اس کا وجود شدید جھٹکوں کی لپیٹ میں تھا۔ مجھ میں تاب نہیں تھی۔ میں نے عمل ادھورا چھوڑ دیا۔

"جمیل بھائی! آپ عمل جاری رکھیں۔" آنندلال بولا۔

میں نے بے چارگی سے آنندلال کی طرف دیکھا۔ تزئین کی نظروں میں شیطنت پھر عود کر آئی تھی۔ میں ان نظروں سے سراسیمہ ہوگیا۔ میرے ہونٹ خودبخود ہلنے لگے۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں تو تزئین ایک کربناک چیخ مار کر زمین پر گری اور اس کے جسم میں رعشہ آگیا۔ میں ایک بار پھر اپنا عمل روک دیتا لیکن میں نے دل پر جبر کر کے اور آنکھیں بند کیے کیے اسے اور تیز کر دیا۔ تزئین کی چیخوں نے کئی بار مجھے منتشر کیا پھر اچانک جو کچھ ہوا، اسے دیکھ کر میرا عمل درمیان ہی میں رہ گیا۔ تزئین نے ایک آہ کے ساتھ تڑپنا بند کر دیا۔ میری سانس رک رہی تھی۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ تزئین کا جسم زمین پر ساکت پڑا تھا۔ میں بے تابانہ اس کے جسم سے لپٹنے کو دوڑنا چاہتا تھا کہ ایک کھنکدار آواز سنائی دی۔ کلپنا کی آواز تھی۔ کلپنا تزئین کا جسم حقارت کی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ کلپنا کو دیکھ کر مجھے ایک ثانیے کے لئے خوشی ہوئی۔ پھر یہ خوشی رنج اور غصے میں بدل گئی۔ میں سرد آواز میں چلایا۔ "اب کیا لینے آئی ہو؟ اب کچھ لٹا جا رہا ہے۔"

"تم اپنی زبان بند رکھو جمیل احمد خان!" کلپنا نے بدستور تزئین کے جسم پر نظریں جمائے ہوئے کہا۔ پھر بگڑے ہوئے تیور سے بولی۔ "میں نے تجھے اشاروں اشاروں میں منع کیا تھا، بول اب کیا ارادہ ہے؟"

"تم کون ہو؟" تزئین کے ساکت جسم میں حرکت ہوئی اور اس کی زبان سے بمشکل یہ الفاظ ادا ہوئے۔

"تم نے مجھے بیاکل کیا ہے اور جو مجھے بیاکل کرتا ہے وہ کبھی چین سے نہیں بیٹھتا۔ میں تمہاری موت ہوں۔"

"تم ہمارے درمیان کیوں آرہی ہو؟ جمیل احمد خان پاپی ہے۔" تزئین بولی۔ "یہ میرا اور جمیل احمد خان کا معاملہ ہے۔"

"تو جمیل احمد خان کا مقابلہ کرسکتا ہے پلید؟ تو نے دوبارہ ٹانگ اڑا کر اب فرار ہونے کا موقع بھی کھو دیا ہے" کلپنا نے تیز آواز میں کہا۔ "سن! اگر تیرے دل میں کوئی حسرت ہے تو جمیل احمد خان سے دو ہاتھ کرلے۔ میں بیچ میں نہیں آؤں گی، پر مکتی چاہتا ہے تو اس لڑکی کو ترنت چھوڑ دے۔"

"میں انکار کرتا ہوں۔" تزئین نے بے پروائی سے کہا۔

"انکار کرتا ہے۔" کلپنا کا چہرہ دہکتے انگاروں کے مانند سرخ ہوگیا۔ "پھر سوچ لے مورکھ! ابھی سمے ہے۔"

چند لمحوں تک مکمل سکوت طاری رہا پھر میں نے دیکھا کہ تزئین کا جسم جھٹکے لے رہا ہے۔ میں نے

اسے پکڑنا چاہا مگر کلپنا نے مجھے روک دیا۔ ''تو نے مہان شکتیوں کے آڑے آنے کی کوشش کی ہے۔'' کلپنا غرا کر بولی۔ ''اب جب تک تو وچن نہیں دے گا، میں تجھے اپنے منڈل سے باہر آنے کی آگیا نہیں دوں گی۔''

''ٹھیک ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔'' تزئین کے منہ سے ایک تھکی ہوئی آواز آئی۔

''یوں نہیں۔'' پھر کلپنا نے دوسری جانب کسی جواب کا انتظار کئے بغیر اچانک آگے بڑھ کر تزئین کی بائیں کلائی پر اپنی ایک انگلی رکھ دی۔ تزئین کسی غیر معمولی دکھ سے اوپر اچھل گئی اور اس نے اپنی پھٹی پھٹی آنکھیں چاروں طرف پھرنا شروع کر دیں۔ نقاہت سے اس کی گردن ٹھہرتی نہیں تھی۔ میں دیوانہ وار اس کی طرف بڑھا اور میں نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ ''تزئین...... میری بچی۔''

''بابا آپ!'' اس نے مجھے حیرت سے تکتے ہوئے کہا پھر اطراف کا جائزہ لے کر تیزی سے اٹھتے ہوئے بولی۔ ''میں کہاں ہوں؟''

''اپنے ذہن پر زور مت ڈالو میری جان!'' میں نے اسے دلاسا دینے کی کوشش کی۔ معاً میری نگاہ اس کی بائیں کلائی پر پڑی۔ عین اس جگہ ایک چھوٹا سا سیاہ داغ نظر آرہا تھا جہاں کلپنا نے انگلی رکھی تھی۔ میں نے کلپنا کی جانب وضاحتی نظروں سے دیکھا۔

''اب کوئی شکتی اسے پریشان نہیں کر سکتی۔'' وہ مسرت سے بولی۔

''کیا وہ کم بخت تمہارا منڈل توڑ کر نکل گیا؟'' میں نے طنزاً دریافت کیا۔

تزئین کے علاوہ آنند لال بھی چونکے بغیر نہ رہ سکا اور چاروں طرف حیرت سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''کس سے باتیں کر رہے ہیں جمیل بھائی؟''

تزئین سہم کر میرے سینے سے لپٹ گئی۔ کلپنا شاید میرے سوا کسی کو نظر نہیں آرہی تھی۔ صرف انکا نے اسے دیکھا تھا اس لیے وہ اسے دیکھ کر میرے سر سے سرک گئی تھی۔ کلپنا اب بھی میری نظروں کے سامنے تھی۔

''تمہارے من میں دیوی کی طرف سے جو میل آگیا ہے، اسے دور کرو۔ وہ نراش ہے۔ اس نے جو کچھ کیا ہے۔ کیول تمہارے کارن کیا ہے۔''

''تم اس کی داسی ہو کلپنا۔'' میں نے اداسی سے کہا۔ ''دیوی کے گن گانا اور اس کی بھگتی کرنا تمہارا دھرم ہے۔ میرا کوئی داس نہیں۔'' میری آواز صرف اسی تک منتقل ہو سکتی تھی۔

''ایسا مت سوچو مہاراج۔'' کلپنا جذبات زدہ عالم میں مخاطب ہوئی۔ ''دیوی نے اپنا تن من سب کچھ تیاگ دیا ہے۔''

''اسے اب بھی گاہے گاہے میرا خیال آجاتا ہے؟'' میں نے طنزاً کہا۔ ''آہ اس سے کہنا، جمیل احمد

مر چکا ہے، اب کس کا خیال؟'' میں نے خاموش زبان سے کلپنا کو اپنا پیغام دیا اور تزئین کو ساتھ لے کر آگے بڑھ گیا۔ میں کلپنا سے زیادہ دیر تک نظریں نہیں ملا سکتا تھا ورنہ جذبات کے نہ جانے کتنے سیلاب آتے۔ ہم دونوں کی آنکھیں نم ناک تھیں۔ یہی بہتر تھا کہ ہم جدا ہو جائیں۔

کلپنا کے جدا ہونے کے بعد انکا میرے سر پر آگئی۔ اس نے کچھ پوچھنا چاہا مگر جواب دینے کا موڈ نہیں تھا۔ میں خاموشی ہی رہا۔ انکا، تزئین کے سر پر چلی گئی۔ اس کے جانے سے تزئین کی نقاہت بڑی حد تک کم ہو گئی اور وہ سب کچھ بھول کر انکا سے باتیں کرنے لگی۔ وہ حالات کی سنگین نوعیت، اپنی ابتر حالت، میری اور آنند لال کی موجودگی اور محل وقوع کی تبدیلی سے صورت حال سمجھ چکی تھی۔ وہ بڑی ذہین تھی۔ انکا نے اشارتاً بھی اسے بتایا۔ وہ سید غوث کے لئے بے چین ہونے لگی۔ آنند لال میرے ہمراہ گم صم چل رہا تھا۔ شبن خان کے مکان پر نہ جانے کیا قیامت آگئی ہو۔ میں تزئین کو جلد سے جلد بمبئی بھجوا دینا چاہتا تھا۔ میں نے آنند لال سے بمبئی جانے کو کہا۔ وہ ہچر مچر کرنے لگا مگر میرے اصرار پر اسے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ انکا نے دلی کی آبادی کے قریب ہی تزئین کے لیے دو چار جوڑی کپڑے فراہم کر لیے۔ انکا کے لئے یہ ایک آسان کام تھا۔ تزئین نے ایک اجنبی مکان میں آرام سے غسل کیا۔ لباس بدلا۔ مجھے اسٹیشن جانے کی فرصت نہیں تھی۔ میں نے انکا کو تزئین کے سر پر ہی رہنے دیا اور اپنی بیٹی کو گلے لگا کر جلد آنے کا وعدہ کر کے رخصت کر دیا۔

جب میں واپس شبن خان کے اڈے پر پہنچا تو وہاں پورا نقشہ بدلا ہوا تھا۔ باہر پولیس کے آدمی کھڑے ہوئے تھے اور سڑک پر تماشائیوں کا میلا لگا ہوا تھا۔ میرا لباس پھٹا ہوا تھا اور جگہ جگہ خون کے دھبے لگے ہوئے تھے۔ میں نے دور کھڑے رہ کر معاملے کی نوعیت سمجھنا چاہی اور مجھے معلوم ہوا کہ شبن خان کی حالت سخت پریشانی میں ہے۔ اس کا اڈا گھیرے میں لیا جا چکا ہے۔ میرا وہاں پہنچنا ضروری تھا۔ میں بڑی مشکل سے راستہ بناتا ہوا اندر داخل ہونے لگا تو ایک پولیس والے نے مجھے روک لیا۔

''کدھر جاتے ہو بابا! وہاں اب بھنگ چرس کچھ نہیں ملے گی۔'' سپاہی نے مزاحیہ لہجے میں کہا۔ ''کوئی اور ٹھکانا ڈھونڈو۔''

میں نے اسے ایک نظر گھور کر دیکھا۔ دروازے پر کھڑے ہوئے تماشائیوں نے میرا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ سپاہی میری آنکھوں کی مقناطیسی کشش کی تاب نہ لاسکا۔ ''اندر پولیس ہے بابا!'' وہ ٹوٹے ہوئے لفظوں میں بولا۔

''اسے میری ضرورت ہے۔'' میں نے دبنگ آواز میں کہا۔ ''مجھے جانے دے، سمجھا؟ مجھے جانے دے۔'' اس نے بے چارگی سے کاندھے اچکائے۔ میں نے بے نیازی سے اس کا ہاتھ پکڑا، اس کی لاٹھی ہٹائی اور اندر داخل ہو گیا۔ وہ میری صورت دیکھتا رہ گیا اور باہر شور مچتا رہا۔

میں سیدھا نچلے حصے میں گیا۔ کانسٹیبل اور افسران بکھرے ہوئے تھے، شبن خان درمیان میں مجہول سا بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے اردگرد اس کے تمام ساتھی مغموم کھڑے تھے۔

''کیا ہے؟'' میں نے جاتے ہی پکارا۔

سب میری طرف متوجہ ہو گئے۔ شبن خان کی آنکھوں میں روشنی کا ایک شعلہ لپکا۔ وہ اپنی نشست سے اٹھ گیا۔ ''استاد! تم واپس آ گئے، کہو خیریت ہے؟''

''اپنی طرف تو سب خیریت ہے، پر یہ کیا دنگا ہو رہا ہے؟'' میں نے پولیس والوں کو دیکھ کر کہا۔

''یہ اب تک موجود ہیں۔ ان کا خیال ہے، لڑکیاں اس مکان میں ہیں۔ میں نے انہیں لاکھ سمجھایا پر یہ مانتے ہی نہیں۔ اب اور کچھ نہیں تو انہوں نے شراب، چرس اور بھنگ پر ہی ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا۔ شبن خان کے لئے کھیل تماشے پرانے ہیں۔ تین چار اوزار جو اوپر کمرے میں دشمنوں سے نمٹنے کے لئے رکھے تھے، انہوں نے وہ بھی قبضے میں کر لئے، اس کے باوجود ان کی ہٹ ہے کہ لڑکیاں یہیں موجود ہیں۔ اب انہیں کون سمجھائے یہ وقت ضائع کر رہے ہیں۔ صرف دیواریں اور زمین کھودنا باقی رہ گیا ہے۔ یہ بھی کر دیکھیں۔'' شبن خاں پولیس کے نرغے میں تھا مگر بڑی روانی سے بول رہا تھا۔

میں کشمکش میں پڑ گیا۔ شبن خان نے لڑکیاں کہاں چھپائی ہوں گی؟ کسی حرام زادے نے مخبری کر دی ہو گی کہ شبن خاں کے اڈے میں دونو جوان لڑکیاں موجود ہیں۔ میرا ذہن کام نہیں کر رہا تھا۔ انکا بھی موجود نہیں تھی۔ پولیس سے مڈھ بھیڑ کا سوال نہیں تھا کیونکہ باہر تماش بینوں کا ٹھٹ لگا ہوا تھا۔

''تم میری فکر چھوڑ و استاد! میری ان کی یاری پرانی ہے۔ اپنی سناؤ نگینے خیریت سے پہنچ گئے؟'' شبن خان نے آنکھ مار کر پوچھا۔

میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا پوچھ رہا ہے؟ کون سے نگینوں کے بارے میں کہہ رہا ہے؟ میں نے تشویش سے کہا۔ ''شبن خان! ذرا ادھر تو آؤ۔''

ایک پولیس افسر ہماری باتیں سن رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ''یہ کون ہے؟''

''اپنا استاد۔ اپنا یار۔'' شبن خان اٹھتے ہوئے بولا۔ ''اس کے ہاتھ میں بجلی بھری ہوئی ہے۔''

''یہ اپنے علاقے کا تو نہیں ہے؟'' پولیس افسر نے پوچھا۔

''ارے انسپکٹر صاحب، اس سے تمہارا واسطہ نہیں پڑا۔ ذرا دور دور رہو۔ شبن خان جب کسی کو استاد کہتا ہے تو کچھ سوچ سمجھ کر ہی کہتا ہے۔'' شبن خان نے میری طرف آتے ہوئے کہا۔ ''ہاں استاد! کیا بات ہے؟'' اس نے مجھ سے پوچھا۔

میں اسے لے کر ایک کونے میں ہو گیا۔ پولیس افسر نے ہمارے قریب آنا چاہا مگر وہ میری آنکھوں کی سرخی سے مرعوب ہو گیا۔ میں نے اسے شدید غصے سے دیکھا۔ ''دور ہٹو۔ بات کرنے دو۔''

''اطمینان سے بات کرو۔'' پولیس افسر جھینپ کر بولا۔ ''آج شبن خان بچ نہیں سکتا۔''

''کیا معاملہ ہے شبن خان! لڑکیاں کہاں چھپا رکھی ہیں؟'' میں نے اس سے راز داری سے پوچھا۔ شبن خان دنگ رہ گیا۔

''کیا مطلب استاد! یہ بھی خوب رہی۔ ایسے وقت میں تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے۔'' شبن خان ہنستے ہوئے بولا۔

''شبن خان!'' میں نے ڈپٹ کر کہا۔ ''لڑکیاں کہاں ہیں؟''

''ہائیں؟ یعنی خوب!'' شبن خان سٹ پٹا گیا۔ ''تم نے بھنگ چڑھا رکھی ہے استاد؟''

''میں ہوش و حواس میں ہوں کیا، کیا......'' میں کہتے کہتے رک گیا۔

''ہاں کیا کہنا چاہتے ہو تم...... تم۔'' شبن خان بھی کچھ نہ بول سکا۔

''جلدی بتاؤ کہ کیا واقعہ پیش آیا؟''

''شبن خان کی آنکھیں دھوکا کھا گئیں۔ خدا کی قسم استاد! میں کیسے یقین کروں کہ وہ تم نہیں تھے۔ تم تو انہیں لے گئے ہو۔'' شبن خان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

میں نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔ ''سچ سچ بتاؤ شبن خان۔''

''میں اپنی ماں کی قسم کھاتا ہوں کہ سچ کہہ رہا ہوں۔ لڑکیاں......''

میں نے اس کا گریبان چھوڑ دیا۔ ''اوہ، وہ پھر باز نہیں آیا۔''

''کون؟ وہ تمہارا ہم شکل تھا۔ اس کا ہاتھ بھی ٹوٹا ہوا تھا۔ میں نے پوری تسلی کر لی تھی۔''

''کب؟ وہ کب آیا تھا؟''

''ابھی کچھ دیر پہلے۔ میں نے پہلے تو نیچے ہی روکے رکھا۔ پولیس اوپر جاتی تو لڑکیاں اسے نظر آ گئیں۔ پھر مجھے خبر دی گئی کہ تم اوپر موجود ہو۔ پولیس کو جل دے کر اوپر گیا اور میں نے اوپر جا کر دیکھا تو دروازہ کھول رہے تھے۔ میں نے تہ خانے کا راستہ دکھایا اور وہاں سے باہر نکلنے کا خفیہ راستہ بھی۔ جب چلے گئے تو میں انہیں اوپر لے آیا۔ وہ تہ خانے تک پہنچ گئے۔ وہاں سے انہیں کچھ نہیں ملا۔ مجھے بتاؤ، استاد، یہ کیسا لفڑا ہے؟''

''کچھ نہیں شبن خان۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''مجھے معاف کر دو۔ تم ان کے ساتھ تھانے چلے جاؤ۔ تمہیں کچھ دن یقیناً جیل میں رہنا پڑے گا لیکن میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ میں تمہیں جلد ہی چھڑا کر لے آؤں گا۔''

''میری بات چھوڑو۔ جیل تو اپنا دوسرا گھر ہے۔ ادھر نہ رہے، ادھر رہ لیے۔ جیل میں اپنے ٹھاٹ ہیں۔ کاروبار چلتا رہے گا۔ سب دھندا پانی اسی طرح چلتا ہے بابا۔ پولیس والوں کو خانہ پُری کرنے

دو۔ان کی روزی بھی ہمارے دم سے ہے۔"

"نہیں شبن خان! میں تمہارے پاس جلد واپس آؤں گا۔"

"جیل میں؟" شبن خان نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اب مجھے جانا ہوگا۔" میں نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ "مجھے ان لڑکیوں کی تلاش میں جانا ہے۔"

"جانے سے پہلے کچھ تسلی تو کرتے جاؤ کہ یہ کیا گورکھ دھندا ہے؟" شبن خان نے میرا ہاتھ پکڑ کے کہا۔

"یہ وقت کچھ بتانے کا نہیں ہے شبن خان! اس وقت مجھے جانے دو۔" میں نے اپنا ہاتھ چھڑا کے اضطراب سے کہا۔

"میں تمہارا انتظار کروں گا استاد! قسمت یاوری نہیں کر رہی ہے ورنہ شبن خان تمہارے ساتھ ہی چلتا۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے شبن خان!" میں تھپ تھپاتا اسے پولیس کے درمیان چھوڑ کے باہر آ گیا۔ پولیس والوں نے مجھے روکنا چاہا لیکن روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ شبن خان کی وجہ سے پولیس کی آنکھ میں کچھ مروت باقی تھی۔ انہوں نے مجھے زیادہ پریشان نہیں کیا۔ میں پھر دلی کی گنجان سڑکوں پر آ گیا۔

☆......☆......☆

بدھ گیا سے چلنے کے بعد یہ چند روز سفر یا مصیبتوں ہی میں گزرے تھے۔ زرافشاں اور درخشاں کو پھر رحیق لے گیا تھا۔ میں چاہتا تو ان کا تعاقب چھوڑ دیتا لیکن زرافشاں، درخشاں سے اس طرح دست بردار ہونے میں ذلت محسوس ہوتی تھی۔ ان سے دورانِ سفر میں ایک طرح کی وابستگی ہو چلی تھی اور ابھی جب انہوں نے میری ذات پر اعتماد کرنا شروع ہی کیا تھا کہ انہیں رحیق لے گیا۔ بن علی نیم پاگل تھا۔ ان کی حویلی راکھ ہو گئی تھی۔ اب ان کے پاس کچھ نہیں رہا تھا۔ ہر چند کہ ان کی تباہی کا سب سے بڑا سبب میں تھا لیکن انہی سے مجھے ہمدردی تھی۔ رحیق نے پھر میرے جسم و جاں میں آگ پھونک دی تھی۔ میں شبن خان کے اڈے سے نزدیک ایک قبرستان میں بیٹھ گیا۔ یہ ایک جگہ تنہائی اور سکون کی تھی۔ لوگ قبروں کے پاس آتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ انہیں پتا نہیں کہ مردے اس بات سے کتنے خوش ہوتے ہوں گے، قبرستان کے ایک کنوئیں سے پانی نکال کر میں نے اپنا چہرہ صاف کیا اور ایک قبر کے سرہانے ارتکاز میں ڈوب گیا۔ میری نظریں درخشاں، زرافشاں کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ وہ بھی تزئین کے مانند معصوم اور مظلوم لڑکیاں تھیں۔ رحیق انہیں دلی کی سڑکوں پر آسانی سے نہیں گھما پھرا سکتا تھا۔ وہ انہیں شکستہ حویلی

بھی نہیں لے جا سکتا تھا۔ لکھنؤ میں بن علی کی حویلی کے کھنڈر بھی باقی نہیں رہے تھے۔ میرا بہروپ بھر ...وہ درخشاں، زرافشاں کو زیادہ دیر تک لوگوں کے سامنے بھی نہیں رکھ سکتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ دلی ...میں ہے۔ اسے گئے ابھی زیادہ وقت بھی نہیں ہوا تھا۔ میں نے اپنے باطن کے دروازے کھولے اور وہ ...ہی آئینہ جس پر ریاضت کی مشقت کے بعد جلا آتی ہے۔ میرے استغراق سے چمکنے لگا۔ یہ آئینہ انہی ...ں کو نظر آتا ہے جو اسے دیکھنے کے خواہاں ہیں یا جنہیں قسمت بخش دیتی ہے۔ میں دونوں طرح اس ...دگی سے بہرہ ور ہوا۔ مجھے نندا نے بہت کچھ دیا تھا اور میں نے خود بھی بہت کچھ حاصل کیا تھا۔ میرے ...ی نے مجھے راستہ دکھایا اور میں نے جب اچھی طرح اپنا ذہن مطمئن کر لیا تو قبر پر الوداعی نظر ڈالی۔ ...جانے کون خوش نصیب اس قبر میں سو رہا ہوگا؟ وہ مسلسل استغراق میں ہے، ایسا مراقبہ جس میں باہر کی ...ذہن کثیف نہ کر سکے۔ موت مجھ سے ناراض تھی اور زندگی بھی خوش نہیں تھی۔ میں نہ زندگی کے پیچھے ...تا تھا اور نہ اس میں شامل تھا مگر زندگی میرے پیچھے رواں تھی۔ قبریں دیکھ کر مجھے رشک آیا۔ یہاں ...ے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔ میں اپنی تیرہ نصیبیوں پر روتے روتے اٹھا اور چلتے چلتے لال قلعے کے اس ...جمنا کے کنارے تک پہنچ گیا۔ جمنا کا پانی پُرسکون تھا۔ سکون و سکوت کا ایسا نظارہ دیکھ کر آنکھوں کی ...ت پر شبہ ہوتا تھا۔

رحیق دونوں لڑکیوں کو دلی کے نواح میں لے گیا تھا۔ وہ سادہ لوح دیہاتیوں کے سامنے ہی انہیں ...ے ساتھ رکھنے کا جواز پیش کر سکتا تھا۔ انکا ہوتی تو وہ لمحوں میں کسی ایک لڑکی کے سر پر پہنچ جاتی اور انہیں ...قت حال سے آگاہ کر دیتی۔ میں انکا کو بلا سکتا تھا مگر جب تک تزئین اور آنند لال خیریت سے بمبئی نہ ...جاتے، اسے بلاتے ہوئے جھجک ہوتی تھی۔ میں خود ہی چل پڑا۔ جب میں گاؤں میں داخل ہوا تو ...وں نے آسمان خالی کر دیا تھا اور رات کا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ دن بھر عجیب و غریب ہنگاموں میں گزر ...ا تھا۔ پاؤں بوجھل ہو رہے تھے پھر بھی میرے تیز قدم آبادی کی جانب اٹھ رہے تھے اور میں نے ...ن سے آخری بار نمٹنے کے لئے کچھ فیصلے کر لیے تھے۔ میں اس چھوٹے سے گاؤں کی چار پانچ گلیوں ...گزرنے کے بعد اس مکان پر پہنچ گیا جہاں میرے اندازے کے مطابق لکھنؤ کے معزز گھرانے کی ...ن لڑکیاں زرافشاں، درخشاں موجود تھیں۔ میں نے اندھیرے میں آہستہ سے دروازے پر دستک ...اور اطمینان کر لیا کہ میرے ہاتھ صحیح جگہ پڑے ہیں۔ پہلی دستک کے بعد میں خود خاموش ہو گیا کہ مجھے ...ن کا محاصرہ کرنے کے لئے ذرا سی مہلت کی ضرورت تھی۔ دروازے سے ہٹ کر میں دیوار کی آڑ میں ...ہو گیا اور دیواریں ٹھونکتا ہوا دوبارہ دروازے پر آ گیا۔ چند ثانیوں کے توقف کے بعد جب میں نے ...دوبارہ دستک دی تو اندر سے "کون، کون......" کی آوازوں کے ساتھ کھانستی ہوئی ایک بوڑھی عورت ...ار ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں چراغ تھا۔ مجھے دیکھتے ہی چراغ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اس کی

سسکاری نکل گئی "تم.....؟ تم تو ابھی.....اندر تھے۔" وہ گھگیا کر بولی۔

"ہاں میں!" میں نے کچھ سمجھ کر کہا۔ "میں تم سے کہے بغیر باہر چلا گیا تھا، بعد میں معلوم ہوا کہ کسی نے اندر سے دروازہ بند کر دیا ہے۔"

"مگر.....مگر....." بوڑھی عورت کانپنے لگی۔

"ارے تم تو ڈر گئیں؟" میں نے ہنس کر کہا۔ "مجھے اندر تو آنے دو۔ گاؤں والے شہر والوں کی پھرتی دیکھ کر ڈر جاتے ہیں۔" میں اسے ہٹاتا ہوا اس چھوٹے سے مٹی کے مکان میں داخل ہو گیا اور تیزی سے سامنے والی کوٹھری کی طرف بڑھا۔ وہاں چراغ کی مدھم لو میں صرف درخشاں اور زرافشاں بیٹھی تھیں۔

"آپ یہاں سے اچانک کہاں چلے گئے تھے؟" زرافشاں غم زدہ لہجے میں بولی۔

"یوں ہی۔" میں نے کوٹھری میں چاروں طرف جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"بوڑھی بے چاری تو حیران تھی۔" "آپ بیٹھے بیٹھے کہاں غائب ہو گئے تھے۔" درخشاں نے کہا۔ "ہماری تو خیر کوئی بات نہیں، اس بے چاری نے ایسے دو تین واقعات اور دیکھ لیے تو اس کا دم نکل جائے گا۔"

"میں کتنی دیر پہلے گیا تھا؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"کیا؟ کیا آپ کو خود علم نہیں ہے؟" زرافشاں نے حیرت سے پوچھا۔

"میں ڈوب گیا تھا۔ ایسی صورت میں وقت کا کوئی پتا نہیں رہتا۔"

"آپ ابھی ابھی غائب ہوئے تھے۔"

"اوہ!" میری آواز بیٹھنے لگی اور میرے منہ سے نکل گیا۔ "وہ بھاگ گیا۔"

"کون؟ کون بھاگ گیا؟" زرافشاں نے اضطراب سے پوچھا۔

"کوئی نہیں۔ کوئی نہیں۔ تم آرام کرو۔ ہمیں علی الصباح یہاں سے چلنا ہوگا۔" میں نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ ابھی تو آپ کہہ رہے تھے کہ ہمیں کچھ دن یہاں رہنا ہوگا پھر ہم پھر ہم....."

"نہیں۔ اب ہم صبح سویرے یہاں سے چل پڑیں گے۔ تم اطمینان سے سو جاؤ۔" میں نے مزید کوئی بات کرنے میں دقت محسوس کی۔

حواس باختہ بوڑھی عورت دزدیدہ نظروں سے دیکھتی اور کھانستی ہوئی کوٹھری میں واپس آئی تو میں نے اسے کوئی اور سوال کرنے کی مہلت نہیں دی۔ اسے چپ سی لگ گئی اور تھوڑی ہی دیر میں وہ غافل

ئی۔ میں نے اس کے صندوق ٹٹولنے شروع کر دیے۔ صندوق میں کسی سپاہی کی دھلی ہوئی وردی اور کپڑے رکھے تھے۔ میں نے سادہ لباس میں سے ایک جوڑا اپنے لیے منتخب کیا اور اس کے عوض زر ں کے ہاتھ سے سونے کی ایک چوڑی اتار کر اس میں ڈال دی۔ پھر میں نے غسل کیا۔ خون کے تمام صاف کیے۔ بوڑھی عورت کی کنگھی سے بالوں میں کنگھی کی۔ زرافشاں، درخشاں ایک ہی چارپائی ہوئی تھیں۔ میں کوٹھری سے باہر چھوٹے سے صحن میں آ گیا اور مٹی کے ایک چبوترے پر بیٹھ کر خود کو گم دیا۔ میرا جسم چبوترے پر موجود رہا لیکن جسم کا جوہر۔ وہ جوہر جس کی شناخت لوگ نہیں کر پاتے۔ میں اس صفتِ اعلیٰ کو محوِ پرواز کر دیا۔ اس سے بہتر نیند اور کیا ہوتی؟ رات بیت گئی۔ سورج نکلنے اور بوڑھی رت کے بیدار ہونے سے پہلے میں نے زرافشاں، درخشاں کو اٹھایا اور صبح ہوتے ہوتے ہم پیدل ہی ہاں سے دور نکل گئے۔ درخشاں، زرافشاں نے میرے ایما پر بوسیدہ چادروں سے اپنے بدن ڈھانپ ے تھے، اب ان کا لباس چھپ گیا تھا۔ میری حالت بھی ابتر نہیں رہی تھی۔ شہر میں زندگی کی چہل پہل روع ہونے کو تھی۔ سورج چڑھنے تک ہم اسٹیشن پہنچ گئے۔

☆.....☆.....☆

میں نے اس بار فرسٹ کلاس ویٹنگ روم میں جنوب کی طرف جانے والی گاڑی کا انتظار کیا۔ یہ بات جیسے سادہ اور معمولی لباس والوں کی اوقات سے بڑھ کر تھی اس لیے کئی چہرے اٹھے اور دلچسپی سے ہمیں کھنے لگے۔ زرافشاں، درخشاں بات کرنے کے لیے مضطرب تھیں۔ وہ مجھ سے پوچھنا چاہتی ہوں گی کہ ب میرے ارادے کیا ہیں؟ میری بیٹی تزئین کا کیا حشر ہوا؟ میں نے اچانک ارادہ کیوں بدل دیا؟ میں انہیں ہاں سے کیوں لے آیا؟ ان کے چہروں پر سوال رقم تھے اور میرے لبوں پر سکوت تھا۔ میری گہری خاموشی ے انہیں کچھ پوچھنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔ انہوں نے حالات کی ستم ظریفی کے سامنے سپر ڈال دی۔ گاڑی کے لیے زیادہ طویل انتظار نہیں کرنا پڑا۔ پہلے میرا ارادہ انہیں بمبئی لے جانے کا تھا مگر پھر گلبرگہ کا خیال آ گیا۔ الدین ایسے کئی موقعوں پر میرے کام آ چکا تھا۔ اس محفوظ ٹھکانے میں ان لڑکیوں کے سامنے میں پوری ح شرمندہ ہو سکتا تھا اور ان کے زخموں کے اندمال کی کوشش کر سکتا تھا۔ میری جیب میں کوئی پیسہ نہیں تھا۔ آنندلال کی وجہ سے پیسوں کی اب تک ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی تھی پھر بھی میں فرسٹ کلاس کے میں بیٹھ گیا اور بیٹھنے کے بعد میں نے کھڑکیاں بند کر لیں۔ گاڑی دلی اسٹیشن سے چلی تو میں نے پاؤں دیے اور لڑکیوں کو بھی آرام کرنے کا مشورہ دیا۔

"کہاں کا ارادہ ہے؟ کیا ہم پوچھ سکتے ہیں؟" زرافشاں نے بے چارگی سے پوچھا۔

"ہاں آں، کیوں نہیں۔" میں نے ندامت سے کہا۔ "کیوں نہیں، میں تو تم سے خوب باتیں کرنا چاہتا مگر سوچتا ہوں کس منہ سے تم سے باتیں کروں؟"

''نہیں، آپ کچھ کہئے تو سہی۔ اس تنہائی اور خاموشی سے ہم اکتا گئے ہیں۔ اب آپ ہمیں کہاں لے جا رہے ہیں؟'' درخشاں نے جرأت سے پوچھا۔

میں نے سرسری طور پر انہیں تزئین کی بازیابی کا قصہ سنایا۔ پھر شبن خان کا واقعہ سنایا۔ میں نے یہ بتایا کہ انہیں شبن خان کی حویلی سے لے جانے والا شخص میں نہیں تھا، رحیق تھا تو ان کی آنکھیں پھٹ گئیں، ''پھر ہوا یہ......'' میں نے انہیں تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ ''مجھے رحیق کا پیچھا کرنا پڑا کیونکہ وہ تمہیں بدنام کرتا رہتا جب کہ شاید میرے پاس تمہارے لیے کوئی اچھا منصوبہ ہو۔''

''یہ بڑی عجیب اور خوفناک روداد ہے۔'' زرافشاں دانتوں میں انگلیاں دیتے ہوئے بولی۔

''مگر ہم اب بھی کس طرح یقین کریں کہ آپ رحیق نہیں ہیں؟'' درخشاں معصومیت سے بولی۔

''ہاں دلچسپ سوال ہے۔'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''میں جمیل احمد خان ہی ہوں کیونکہ تمہیں میرے چہرے پر جو ندامت نظر آتی ہے، وہ رحیق کے جمیل احمد خان میں نہیں ہوگی۔''

''آپ ندامت کا بار بار ذکر کر کے ہمیں دکھ دیتے ہیں اور شرمندہ بھی کرتے ہیں۔''

''میں تمہارا گناہ گار ہوں۔''

''للہ یہ ذکر بند کیجئے، کوئی اور بات کیجئے۔''

''کاش میں اس کا تدارک کر سکتا۔''

''خدا کو یہی منظور تھا، ہماری قسمت میں یہی لکھا تھا کہ ہم اسی طرح در بدر ہوتے۔'' وہ دونوں کرب سے بولیں۔

''آہ زری، رخشی! میں تمہیں اپنا دل چیر کر دکھاؤں؟ اس میں زخم ہی زخم ہیں۔'' میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ''تم مجھے معاف کر دو۔ تم مجھے معاف کر دو۔'' میں نے گڑگڑا کر کہا۔

زرافشاں اور درخشاں بھی میرے ساتھ رونے لگیں۔ پھر آنسوؤں کی یہ جھڑی تھمے نہ تھمی۔ کتنے غم تھے جو بہنے لگے۔ وہ خوب روئیں۔ میں بھی خوب رویا۔ جب آنسو بھی باقی نہ رہے تو میں نے ان سے کہا۔ ''زری، رخشی! مجھے یہ اعتماد بخشو کہ تم مجھ پر اعتبار کرتی ہو اور مجھے موقع دو کہ میں تمہاری بگڑی ہوئی دنیا سنوار سکوں۔''

''پہلے آپ یہ وعدہ کیجئے کہ دوبارہ کوئی پرانا ذکر نہیں کریں گے۔'' درخشاں بولی۔

''میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔''

''پھر آپ خود سوچئے کہ ہمارا کون رہ گیا ہے؟ اب تو جو بھی ہمیں قریب سمجھنے کی عزت بخشے گا، وہی ہمارے لیے سب کچھ ہوگا۔ آپ ہی نے ......'' وہ کہتے کہتے رک گئی۔ ''چھوڑیئے پھر پرانی بات یاد آ جائے گی۔ آپ کے سوا اس زمین پر کوئی شناسا چہرہ نظر نہیں آتا۔''

''میں تمہارا اعتماد پر پورا اتروں گا۔ میں تمہارے لیے زندہ رہوں گا۔'' میں نے جوش سے کہا۔ ''زری، رخشی! قریب آ جاؤ۔ میرے غم سنو، میرے آنسو سنو، سنو میں کون ہوں۔ میں کیا تھا اور کیا سے کیا ہو گیا۔ شاید تمہیں یقین نہ آئے مگر میں تمہیں سب کچھ بتا دینا چاہتا ہوں۔''

وہ میری برتھ پر آ گئیں اور میں نے آنکھیں موند لیں۔ ''اپنا ہاتھ لاؤ۔'' انہوں نے اپنے ہاتھ آگے کر دیئے، میں نے انہیں اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ''میرے دل میں تمہارے لیے صرف محبتیں ہیں۔ میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں، شاید تم میرے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکو۔'' وہ ہمہ تن گوش ہو گئیں اور میں نے شروع سے آخر تک اپنی عجیب و غریب سرگزشت انہیں سنانی شروع کی۔ ان کی دلچسپی اور انہماک کا یہ عالم تھا کہ دوپٹے ان کے سروں سے ڈھلک گئے تھے۔ انہیں کچھ خبر نہیں تھی۔ وہ سراپا استعجاب اور مجسم حیرت بنی ہوئی تھیں۔

''قسمت بھی خوب مذاق کرتی ہے۔'' زرافشاں بہت دیر بعد خوابیدہ لہجے میں بولی۔ ''خدا آپ کی روح کو سکون بخشے۔''

گاڑی رتلام کے اسٹیشن پر رکی تو ایک ٹکٹ چیکر آ گیا۔ اب کے درخشاں، زرافشاں ذرا بھی خوف زدہ نہ ہوئیں۔ ٹکٹ چیکر جس طرح آیا تھا۔ اسی طرح واپس چلا گیا۔ اسے کچھ پوچھنے کا حوصلہ ہی نہ ہوا۔ سفر میں انہیں بھوک بھی لگی۔ میں تو ان باتوں کا عادی تھا۔ مشکل یہ تھی کہ ہم تینوں میں سے کسی کے پاس دھیلا نہیں تھا۔ اتنی لمبی سرگزشت سنانے کے بعد یہ عجیب سا معلوم ہوتا تھا کہ میں کسی اسٹیشن پر ان کے لئے کھانے کی فراہمی کا بندوبست بھی اٹھائی گیروں اور اچکوں کے انداز میں کروں۔ مجبوراً میں نے زری سے اس کے ہاتھ کی دوسری چوڑی مانگی۔ زری نے کسی تامل کے بغیر اسے میرے حوالے کر دیا۔ ایک اسٹیشن پر ہم نے کھانا منگوایا اور میں نے چپکے سے بیرے کے ہاتھ میں چوڑی تھما دی۔ وہ کوئی بھلا آدمی تھا۔ انکار کرنے لگا۔ میں نے اسے ڈپٹ دیا۔ اس نے خاموشی سے چوڑی جیب میں رکھ لی۔ بعد میں وہ ایسا ہمدرد ہو گیا کہ ہر اسٹیشن پر خیریت معلوم کرنے آنے لگا۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں کیسی دلچسپ ہیں؟ میں نے بہت کم ان کا تذکرہ کیا ہے مگر جب گفتگو چھڑتی ہے تو تمام تفصیل خود بخود یاد آنے لگتی ہے۔ گلبرگہ تک زرافشاں، درخشاں کھل کر باتیں کرنے لگی تھیں اور اب ان کا رویہ اور لہجہ بالکل بدل گیا تھا۔ ان کے چہروں کی زردی رخصت ہونے لگی تھی۔ مسکراتے وقت ان کے خوب صورت دانت نظر آنے لگے تھے۔ ایک رات اور دو دن کے اس سفر میں ہم بالکل نہیں سوئے، باتیں ہی ہوتی رہیں۔ وہ لڑکیاں اتنی شائستہ، اتنی دلچسپ اور اتنی خوش گوار گفتگو کرتی تھیں کہ سفر محسوس ہی نہیں ہوا۔ وہ اپنے بچپن اور اپنے اعزا کے بارے میں بتاتی رہیں کہ انہوں نے ان کے حالات دیکھ کر کیسا منہ موڑ لیا۔

میں جب گلبرگہ اترا تو میرا سینہ مسرت کے جذبے سے معمور تھا۔ اس بار مجھے گلبرگہ جانے میں کوئی

دشواری پیش نہیں آئی۔ رکن الدین سے ایک مدت بعد ملاقات ہو رہی تھی۔ جیسی مجھے توقع تھی، اپنی پیرانہ سالی کے باوجود رکن الدین اور اس کے مختصر خاندان نے میری آمد پر آنکھیں بچھا دیں۔ میں نے رکن الدین سے کہا۔ ''تمہارے لیے دو بیٹیاں۔''

اس نے خوش دلی سے جواب دیا۔ ''یہ میرے لیے سعادت ہے۔'' زرافشاں، درخشاں کو نابید کی چھوٹی بہن طلعت نے عمدہ لباس دیا اور وہ سب ایسی گھل مل گئیں جیسے برسوں سے ایک دوسرے کو جانتی ہوں۔ میرے لیے اوپر کا کمرا مخصوص تھا۔ بدھ گیا کے حضر سے ہنگامی سفر کے بعد تک اب کہیں سکون ملا تھا۔ میں اپنے کمرے میں چلا گیا اور ماہ و سال میری نگاہوں میں گردش کرنے لگے۔ میں نے محسوس کیا کہ چھت کے نقش و نگار گھوم رہے ہیں اور یہ کمرا گھوم رہا ہے۔ ہر چیز حرکت کر رہی ہے۔ مجھے اس حرکت سے چڑ ہونے لگی اور میرے دل میں حرکت سے بغاوت کا جذبہ ابھرا۔ میں پلنگ سے اٹھ گیا اور فرش پر آ گیا پھر میں نے اپنی دونوں ٹانگیں ایک دوسرے پر پھیلا دیں اور نگاہیں ساکت کر لیں اور اس طرح حرکت پر فتح حاصل کر لی۔ میں نے زندگی کے دوران میں زندگی کو شکست دے دی۔ میرے کان سماعت سے محروم ہو گئے اور میری آنکھیں میرے اندر کھلنے لگیں۔

☆......☆......☆

گلبرگہ چند روز قیام کے بعد میرا ارادہ یہ تھا کہ میں شبن خان کی مدد کے لئے دوبارہ دلی جاؤں۔ شبن خان جیل جانے کا عادی تو تھا ہی مگر خصوصاً اس بار اس پر یہ افتاد میری وجہ سے پڑی تھی پھر بھی زری اور رخشی کی خاطر میں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ تین چار روز بعد انکا میرے سر پر وارد ہو گئی اور اس نے تزئین کی صحت مندی اور سید غوث کی واپسی کا مژدہ سنایا۔ آنند لال انکا کو واپس بھیجنا نہیں چاہتا تھا۔ انکا اس سے ایک مختصر وقفے کی مہلت لے کر میرے پاس آ گئی تھی۔

انکا کی آمد کے بعد میں نے اپنی صداقت کے مدلل اظہار کے لیے ایک دن رخشی اور زری کو اپنے کمرے میں بلایا اور انکا کو باری باری ان کے سروں پر بھیج دیا۔ ''یہ انکا ہے، تزئین کے پاس سے واپس آئی ہے۔ کہتی ہے وہ سب بے حد خوش ہیں۔ کسی دن تمہیں بھی تزئین سے ملواؤں گا۔''

انکا یکے بعد دیگرے زری اور رخشی کے سروں پر گئی۔ وہ اچھل اچھل پڑیں۔ ''ارے واقعی! یہ ایک چھوٹی سی پیاری سی حسین لڑکی ہے۔'' ان کی آنکھوں میں حیرت و استعجاب کی جھلکیاں نمایاں تھیں۔

''ہاں یہی ہے وہ۔'' میں نے خفت سے کہا۔ ''یہی ہے وہ۔ یہ کسی کی دوست بن جائے تو بھی مشکل ہے اور دشمن بن جائے تو بھی مشکل۔ اس چھوٹی سی لڑکی میں حیرت انگیز طاقتیں ہیں۔ میری داستان میں انکا کے بغیر کچھ نہیں ہے۔''

''انکا!'' انہوں نے حیرت سے زیر لب دہرایا۔ ''واقعی یہ کتنی عجیب بات ہے۔'' وہ آنکھیں پٹ پٹانے

''یہ بولتی بھی ہے؟''

''بولتی ہے، یہ بڑی قطامہ ہے، اس کی زبان قینچی کی طرح چلتی ہے، دل اس کا کوئلے کی طرح سیاہ، آنکھیں اس کی طوطے کی طرح بے مروت ہیں۔'' میں نے انکا کے اوصاف بتاتے ہوئے کہا۔

''اچ...... چھا۔ تو ہم سے بھی بات کرائیے نا۔''

''بولو انکا۔ زری اور رخشی سے باتیں کرو۔ بہت دلکش باتیں۔'' میں نے انکا کو اشارہ کیا۔ وہ رخشی کے سر پر بیٹھی تھی۔

''اب کیا بولوں؟ تم نے پہلے ہی میری تعریفوں کے پل باندھ دیئے ہیں۔'' انکا نے چٹک کر کہا۔ ''میں تمہاری نظروں میں گر گئی ہوں۔''

زری اور رخشی کا حیرت سے برا حال تھا۔ ''آپ انکا ہیں؟'' زری نے ادب سے کہا۔

''ہاں جی، میرا نام انکا ہے۔'' انکا نے ٹھنک کے جواب دیا۔

''آپ ایسی کیسے ہیں؟ آپ کسی کو نظر بھی نہیں آتیں؟''

''بس زری! ایسی باتیں نہ پوچھو۔'' انکا نے شوخی سے کہا۔ ''جو تمہاری راتوں کی نیند اڑا دیں۔ نہ جانے میں ایسی کیوں ہوں؟ سچ پوچھو تو مجھے خود نہیں معلوم۔''

''ہم تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔'' رخشی بھی مبہوت تھی۔

''انہوں نے مجھے بڑا بدنام کیا ہے۔'' انکا نے ٹھمک کے میری طرف اشارہ کیا اور زری کے سر پر ناچنے لگی۔

''ارے ارے، آپ نے ہمارا سر دکھا دیا۔'' زری خوف زدہ آواز میں بولی۔ ''کیا آپ ہم سے ناراض ہیں؟''

انکا کو میں نے اس ابتدائی تعارف کے بعد زری اور رخشی ہی کے پاس چھوڑ دیا۔ مجھے بس ان کی خوشی عزیز تھی۔ میں چاہتا تھا کہ وہ کسی طرح اپنا غم بھول جائیں اور خود کو اس گھر میں شامل سمجھیں، میرے مزید رکنے کی یہی وجہ تھی۔ میری موجودگی میں وہ بہتر طریقے سے مفاہمت کر سکتی تھیں۔ رکن الدین نے حسب وعدہ ان کے لئے عمدہ ملبوسات سلوائے اور زیوروں سے ان کا جسم لاد دیا۔ ان ملبوسات اور زیورات میں وہ کھلنے لگی تھیں۔ زمانے کے حوادث نے ان کے چہروں سے جو شادابی چھین لی تھی وہ رفتہ رفتہ واپس آنے لگی تھی۔ طلعت انہیں ایک لمحے کے لئے بھی نہیں چھوڑتی تھی۔ انکا بھی دلچسپ حرکتیں کر کے ان کا دل بہلانے میں مصروف رہتی۔ خود زری اور رخشی اتنی شائستہ اور خوش اطوار تھیں کہ اپنی شستہ اور دلکش باتوں سے جلد ہی گھل مل گئی تھیں۔ ان کا رنگ نکھرنے لگا تھا اور اداسی کی پرچھائیاں دور ہونے لگی تھیں۔ میں نے انہیں رکن الدین کے گھر میں شہزادیوں کی طرح جگمگاتے دیکھا۔ دو چار دن مزید ان کی خاطر رہ کے اور جلد آنے کا

دلا سادے کے میں وہاں سے رخصت ہوگیا۔ انکا بھی میرے ساتھ تھی۔

☆......☆......☆

رکن الدین کے مکان سے کھلے آسمان کے نیچے آنے کے بعد میرا ذہن تذبذب کا شکار ہوگیا۔ میرے سامنے کئی راستے تھے، ایک طرف تزئین کا گھر تھا جہاں سید غوث جیسے شریف اور غیرت مند نوجوان کو میں نے مڑ کر نہیں پوچھا تھا۔ دوسری طرف شبن خان کو جیل سے چھڑانے کا مسئلہ درپیش تھا جو میری خاطر ایک بڑے نقصان سے دوچار ہوا تھا۔

انکا بھی میرے تذبذب سے آگاہ ہوگئی تھی۔ اس نے مجھے بمبئی جانے والی گاڑی میں بٹھا دیا۔ تزئین اور سید غوث، مالا اور آنند لال۔ پریم اور سہراب نے جب اچانک مجھے بمبئی میں اپنے ساتھ دیکھا تو وہ سب خوشی کے ساتھ مجھ سے لپٹ گئے۔ ان سب کے چہرے آنسوؤں سے تربتر ہوگئے۔ میں اپنے اس گھر سے دور تھا، یہاں آ کے مجھے احساس ہوا کہ تنہائی کے تمام احساسات خود ساختہ ہیں۔ یہ میری تزئین ہے، یہ غوث ہے، یہ مالا ہے جو میرے بازو سے چپکی ہوئی ہے، یہ آنند لال ہے جو میرے حکم کا منتظر ہے۔ یہ سہراب ہے جو صرف اشارے پر ایثار کے لئے تیار رہتا ہے اور یہ پریم ہے جو مینا کی طرح بول رہی ہے۔ یہ سب میرے چہرے ہیں، یہ سب میرا جسم ہیں۔ میں ان سب سے دور رہا۔ آنند لال نے اسی وجہ سے دھیان گیان ترک کر دیا تھا کہ اسے ایسا دلکش ماحول مل گیا تھا۔ ان سب میں آپس میں اتنی محبت تھی کہ مجھے رشک آتا تھا، میرے آنے پر وہ سب پریم کے میکے میں منتقل ہوگئے اور پھر وہاں انہوں نے خوب دھما چوکڑی مچائی۔ خوب پکوان پکوائے، زری اور رخشی بہت یاد آئیں۔ کاش میں انہیں ساتھ لے آتا۔ انکا مختلف سروں پر پھدکتی رہتی تھی۔ رحیق جن کی کمینگی کے اثرات تزئین پر ابھی تک قائم تھے۔ کبھی کبھی وہ گم ہو جایا کرتی تھی۔ ان مسرتوں میں کلدیپ کا چہرہ مجھے بار بار ستانے لگتا۔ آخر میں نے فیصلہ کرلیا۔ مجھے کسی کو بتائے بغیر کلدیپ کے استھان پر آخری بار ضرور جانا چاہیے۔

بمبئی سے نکلنا محال تھا، کوئی نکلنے ہی نہیں دیتا تھا۔ میرے اصرار پر انکا نے میری سفارش کی اور میں میسور میں کلدیپ کے استھان ہوتا ہوا دلی پہنچنے اور شبن خان کو رہائی دلانے کے بعد ناگرا سے معذرت کرنے کے ارادے سے طویل سفر کے لئے روانہ ہوگیا۔ ابھی میں کلدیپ کے استھان پر جانے کے لئے گاڑی میں سوار ہوا ہی تھا اور ابھی گاڑی چند ہی اسٹیشن آگے آئی تھی کہ انکا نے مجھے ایک ایسی خبر سنائی جو میں سننا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے مجھ سے سرگوشی سے کہا۔ ''جمیل! تمہارے راستے کا کانٹا کچھ دن کے لئے صاف ہوگیا ہے۔''

''کون؟'' میں نے بے خیالی میں پوچھا۔

''امرا لال!'' انکا نے جذباتی انداز میں کہا۔ ''امرا لال وندھیا چل کی برف پوش پہاڑیوں پر بیٹھ کالی کا

چپ کررہا ہے۔ بدری نرائن آج کل بے یار و مددگار ہے اور کلکتے میں ایک پنڈت کے گھر چھپا بیٹھا ہے، تم سنہرے موقع سے فائدہ اٹھا سکتے ہو۔''

''ختم کرو انکا!'' میں نے جھنجلا کر کہا۔ ''اب مجھے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ کیوں پرانے زخم کریدتی ہو؟''

''میں تمہیں کبھی کوئی غلط مشورہ دے سکتی ہوں؟'' انکا نے ناراضی سے کہا۔

''تم مجھے پھر پریشان کررہی ہو۔ مجھے خاموشی سے زندہ رہنے دو۔''

''کیا تم ڈر رہے ہو؟ میں کہہ رہی ہوں بدری نرائن تنہا ہے۔ میری بات غور سے سنو، میں کیا کہہ رہی ہوں؟''

''تم بڑی حرافہ ہو۔''

''میں صرف تمہیں خوش دیکھنا چاہتی ہوں، بدری نرائن کی زندگی میں تم کبھی خوش نہیں رہ سکتے۔''

''میں اب اس کا ذکر بھی سننا نہیں چاہتا۔''

''تم بوڑھے ہوگئے ہو۔'' وہ تلخی سے بولی اور پھر خوشامد کے انداز میں کہنے لگی۔ ''میری بات مان لو۔''

گاڑی میں راستے بھر وہ یہی کہتی رہی اور میں اسے سرزنش کرتا رہا۔ وہ میرے تمام زخموں سے آگاہ تھی۔ اس نے میری دکھتی رگوں پر ہاتھ رکھ دیا اور ایسی باتیں یاد دلادیں جنہیں برداشت کرنا میرے بس سے باہر تھا۔ ''کہاں ہے وہ؟'' میں نے غصے میں پوچھا۔

''وہ کلکتے میں ہے۔'' انکا کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوگئی۔

''ٹھہرو۔'' میں نے آنکھیں میچ لیں اور میرے اندر ان گنت دریچے کھل گئے۔ جب میں نے آنکھیں کھولیں تو سینے میں جلن ہو رہی تھی۔

''گاڑی اب کب رکے گی؟'' میں نے اضطراب سے پوچھا۔

''چھوٹے اسٹیشنوں پر یہ گاڑی نہیں رکتی اور بڑا اسٹیشن خاصی دیر بعد آئے گا، بہرحال ایسی جلدی بھی کیا ہے؟''

''تم نے ذکر ہی ایسا کردیا، اب یہاں بیٹھا نہیں جاتا۔ کسی قریبی اسٹیشن پر گاڑی رک جانی چاہئے۔'' میں نے حکماً کہا۔

زنجیر کھینچنے میں خواہ مخواہ طوالت ہوتی۔ میں ڈبے میں تنہا بھی نہیں تھا۔ میں نے انکا کو حکم دیا کہ وہ انجن ڈرائیور کے سر پر چلی جائے۔ انکا کسی چون و چرا کے بغیر اتر گئی۔

تھوڑی دیر میں ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر گاڑی کے فولادی پہیوں نے چیخنا شروع کر دیا اور ایک جھٹکے کے ساتھ گاڑی رک گئی۔ میں نے دروازے سے باہر جھانک کر دیکھا۔ اسٹیشن کی عمارت اندھیرے

میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میں خاموشی سے اتر گیا اور ایک لمحے بعد ہی گاڑی کے پہیے حرکت میں آ گئے۔

دوسرے لمحے انکا میرے سر پر آ گئی تھی۔ میں اسٹیشن پر اتر گیا جہاں گاڑی ٹھہری تھی۔

دور سے مجھے روشنی کا ایک نقطہ ٹمٹماتا نظر آیا۔ اسٹیشن کا کوئی عہدے دار لالٹین سنبھالے تفتیش حال کے لئے اِدھر اُدھر دوڑ رہا تھا، پھر وہ روشنی بھی معدوم ہوگئی اور رات کو ٹرٹرانے اور رونے والی آوازوں کی سوگواری بھی تاریکی میں شامل ہوگئی۔ کوئی رات ان کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ میرا بس چلتا تو ان آوازوں کا گلا دبا دیتا۔ یوں بھی درون جسم کچھ کم شور نہیں ہو رہا تھا، یہ آوازیں اس پر مستزاد تھیں۔ بدھ گیا میں سکون اور قناعت کا جو خول میرے جسم پر چڑھ گیا تھا، انکا نے بدری نرائن کا ذکر کر کے اسے پھر کھرچ دیا تھا۔ غصے نے میرا سارا وجود لرزا دیا تھا۔ میں اندھیرے میں اسٹیشن کے کچے پلیٹ فارم کی ایک بینچ پر دراز ہوگیا۔

''اب گاڑی کب آئے گی؟'' میں نے انکا سے پوچھا۔

انکا میرے اشتعال سے سہمی ہوئی تھی۔ بجھے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''گاڑی آنے میں خاصی دیر ہے لیکن مال گاڑیاں یہاں سے گزرتی رہتی ہیں۔''

''ٹھیک ہے جو گاڑی بھی پہلے آ جائے گی، ہم اسی میں سوار ہو جائیں گے۔ چاہے وہ مال گاڑی ہی کیوں نہ ہو۔''

''مال گاڑی میں تمہیں تکلیف ہوگی۔ اچھا ہے تم سو جاؤ، جب سواری کی گاڑی آئے گی، میں تمہیں جگا دوں گی۔'' انکا نے شفقت کے انداز میں مشورہ دیا۔

''تکلیف؟'' میں نے زہر خند سے کہا۔ ''کیا اب تک تکلیف اور راحت کا کوئی احساس باقی رہنا چاہئے؟ کیا میں کوئی انسان رہا ہوں؟''

''تم جو کہتے ہو، سچ ہے، مال گاڑی آئے گی تو تم مویشوں کے ساتھ بیٹھ جانا۔'' انکا نے تنک کے جواب دیا اور خاموش ہوگئی۔

میں نے ٹوٹی ہوئی بینچ پر اپنے جسم کا تناؤ دور کرنے کی کوشش کی لیکن غصے میں ایک منزل ایسی بھی آتی ہے جہاں اسے کم کرنے کے بجائے فزوں کرنے کو دل چاہا ہے۔ میں اٹھ کر بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ رات خاموشی سے بہہ رہی تھی۔ نہ معلوم یہ کون سا اسٹیشن تھا؟ میں اپنے اندر پیچ و تاب کھاتا ہوا اس کنارے سے اس کنارے تک چل رہا تھا۔ آخر تھک کر پھر بینچ پر دراز ہوگیا۔ اس خنک رات میں آنکھوں میں سوزش سی ہونے لگی تھی۔ مچھروں کے ایک غول نے میرے سر اور چہرے پر منڈلانا شروع کر دیا۔ انکا سر پر بیٹھی پھونکیں مار رہی تھی۔ میں نے ہاتھ نہیں ہلایا کیونکہ چھوٹے موٹے کیڑے جسم پر اثر انداز نہیں ہوتے تھے۔ جسم زہر کا عادی ہوگیا تھا۔ کچھ دیر بعد انکا نے مال گاڑی آنے کی خبر دی اور میرے سر سے اتر گئی۔ اسٹیشن پر یہ لمبی ٹرین میری ہی وجہ سے ٹھہری تھی۔ تمام ڈبوں پر سیل لگی ہوئی تھی اور جو ڈبے کھلے ہوئے تھے، ان میں

ے کی سلاخیں دھری تھیں۔ میں نے ایک ڈبے کی سیل توڑ دی اور اندر داخل ہوگیا۔ اس میں لکڑی کی پیوں میں مال بھرا تھا لیکن میرے ٹھہرنے کے لئے گنجائش کافی تھی۔ میرے بیٹھتے ہی گاڑی روانہ ہوگئی اور ہے ہی گاڑی چلی، انکا میرے سر پر وارد ہوگئی۔

''گاڑی واپس بمبئی جا رہی ہے۔'' انکا نے محبت سے میرے بال کھینچتے ہوئے کہا۔

''اب تم مجھے بمبئی اسٹیشن پر ہی جگانا، میں یہاں سمادھی لگائے بیٹھتا ہوں، تم چاہو تو سو جاؤ۔''

''میں ویسے بھی خاموش رہوں گی، اطمینان رکھو۔''

انکا کی باتوں کا سچ جاننے کے لئے میں گاڑی میں ارتکاز میں مستغرق ہوگیا۔ میرے باہر ہر طرف ھیرا تھا لیکن اندر روشنی ہی روشنی تھی۔ مجھے وہ مکان صاف نظر آ رہا تھا جہاں بدری نرائن مقیم تھا۔ اس کی رف جانے والے تمام راستے بھی روشن نظر آ رہے تھے۔ درمیان میں کوئی دیوار حائل نہیں تھی۔ انکا کی طلاع کے مطابق امر لال وندھیا چل کی پہاڑیوں پر گیان دھیان کرنے چلا گیا تھا اور بدری نرائن، امر لال کے ایک چیلے بھگوان داس کے ہاں مقیم تھا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ وہ کہیں میری آمد سے باخبر نہ ہو جائے چنانچہ ں نے اپنی سمتوں سے اسے لاعلم رکھنے کے لئے احتیاطی تدابیر اختیار کرلیں۔ ڈبے میں صابن، اگربتی اور رہ لکڑی کی بو پھیلی ہوئی تھی اور میں اپنے آپ میں ضم ہوگیا تھا۔ جب میرا الحاق میرے باطن سے ہوتا تھا تو ھے باہر کی خوشبوؤں اور آوازوں کا ہوش نہیں رہتا تھا۔ بمبئی کے قریب انکا نے میرے سر میں اپنے پنجے بھوئے تو میں حواس میں آیا۔ مال گاڑی اسٹیشن سے دور ٹھہر گئی تھی۔ میں لائنوں پر اتر گیا۔ رات پر نزع کا الم طاری تھا۔ میں لائنوں کے درمیان سے گزرتا ہوا اسٹیشن پہنچ گیا۔ اسٹیشن صبح کاذب کے وقت بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ سید غوث اور تزئین اسی شہر میں رہتے تھے اور میں چند گھنٹے پیشتر ہی ان سے جدا ہوا تھا۔ اس وقت یری طبیعت میں کسی جھیل کا سا ٹھہراؤ تھا مگر اب میرے سینے میں ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر موجزن تھا۔ ری بھی کیا چیز ہے؟ وہ ہمیشہ اپنے دنوں، خود سے متعلق اشیا اور اپنے رشتوں اور ابطوں ہی کا پابند رہتا ہے۔ یہ تمام سلسلے آدمی کی مشین کے بٹن ہیں، اسے جس طرح دبایئے اسی طرح کا ردِ عمل ظاہر ہوگا۔ انکا نے یری نفرت اور غضب کا بٹن دبا دیا تھا۔

صبح آٹھ بجے تک میں بمبئی سینٹرل اسٹیشن کی انتظار گاہ میں کلکتے جانے والی گاڑی کا انتظار کرتا رہا۔ ین وقت پر انکا نے میرے سر پر ٹہوکا دیا۔ میں فرسٹ کلاس کے ایک ڈبے میں جا کے بیٹھ گیا۔ یہاں پہلے ایک جوڑا بیٹھا ہوا تھا۔ اس جوڑے نے میری آمد پر کسی قدر خفگی اور گھبراہٹ کا اظہار کیا۔ میں خود وہاں سے واپس ہونا چاہتا تھا لیکن گاڑی چل پڑی تھی۔ میں نے مہذب لہجے میں ان سے معذرت چاہی۔ لڑکی بے حد حسین تھی اور نرم دل معلوم ہوتی تھی۔ وہ میری معذرت اور بھاری بھرکم لہجے سے متاثر ہوگئی۔

تزئین نے چلتے وقت ایک سوٹ کیس تیار کر دیا تھا جس میں میرے لیے چند کرتے پاجامے تھے اور

شیروانیاں رکھی تھیں۔اس وقت میرا لباس خاصا معقول تھا۔پاؤں میں جوتے بھی اچھے تھے۔شیو بھی بنا ہوا تھا لیکن سر کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے۔شکل وصورت سے میں کوئی غیر معمولی شخص نظر آتا تھا۔میں نے محسوس کیا کہ میرے ہم سفر میری موجودگی سے ہراساں ہیں۔کبھی لڑکی لڑکے کی طرف دیکھتی تھی کبھی لڑکا لڑکی کی طرف دیکھتا تھا۔تھوڑی دیر میں ساری بات میری سمجھ میں آ گئی تھی۔لڑکی اپنے والدین سے جدا ہو کر اپنے محبوب کے ساتھ بھاگ رہی تھی۔لڑکا اس بات سے پریشان تھا کہ اسے راستے میں پکڑ نہ لیا جائے۔انہوں نے چوری چھپے شادی بھی کر لی تھی۔جب والدین اس شادی پر رضامند نہ ہوئے تو انہوں نے بمبئی چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔انکا مجھے چپکے چپکے لڑکی اور لڑکے کے بارے میں بتاتی رہی۔ان کے عشق میں فریب کی کوئی آمیزش نظر نہیں آتی تھی۔مجھے ان پر پیار آنے لگا۔میں وہ ڈبا چھوڑ دیتا مگر میں نے ان کی حفاظت کے لئے وہیں ٹھہرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔میں نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

''میرے بچو! میں یہاں سے چلا جاتا۔تمہیں تنہائی کی ضرورت ہے لیکن تمہیں شاید میری ضرورت پیش آئے اس لیے میں یہاں ٹھہر گیا ہوں۔''

میرے شفیق لہجے پر لڑکی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے،وہ ادب سے بولی۔''بابا۔آ......آپ،ہمارے بارے میں کیا جانتے ہیں؟''

''میں کیا جانتا ہوں۔''میں نے مسکرا کر کہا۔''ارے بچو! میں کیا نہیں جانتا؟ میں جانتا ہوں کہ تم دونوں پریمی ہو،تمہیں اپنا من اور گھر بسانے کی اجازت نہیں ملی تو تم نے اپنے اپنے گھر چھوڑ دیئے۔تمہارے ماتا پتا بہت بیاکل ہیں۔''

''بابا......''ان دونوں کی آنکھیں پھٹ گئیں۔انہوں نے دوڑ کر میرے پیر پکڑ لیے۔''بابا ہمیں شرن دیجئے۔''

میں نے ان دونوں کو اپنے پیروں سے اٹھایا۔وہ میری برتھ پر میرے دائیں بائیں بیٹھ گئے۔میں ان کے درمیان بیٹھا ہوا تھا۔''ہم مجبور ہو گئے تھے،اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔''

''میں تمہیں برا نہیں کہہ رہا ہوں مگر بچو! زندگی بڑی بری چیز ہے،تمہیں اس کا تجربہ نہیں ہے۔آخر تم کہاں جا رہے ہو؟''میں نے ان دونوں کے شانوں پر ہاتھ رکھ کے پوچھا۔

''ہم اپنے ماتا پتا سے بہت دور کلکتے جا رہے ہیں۔''لڑکی نے معصومیت سے جواب دیا۔''سریش انگلینڈ سے پڑھ کر آئے ہیں۔کلکتے میں ان کے کئی دوست ہیں۔میں بھی گریجویٹ ہوں۔میں کسی اسکول میں پڑھانے لگوں گی۔''

مجھے اس کی معصوم باتیں بہت اچھی لگیں اور میں نے انہیں زمانے کے نرم وگرم کے بارے میں سنجیدگی سے سمجھانا شروع کر دیا۔لڑکی کا نام انوپا تھا۔بات چیت سے بھی وہ کسی اچھے خاندان کی لڑکی معلوم

ہی تھی۔''تمہارے پاس روپے بھی بہت کم ہیں۔یہی کوئی ڈیڑھ ہزار روپے۔''میں نے گمبھیر انداز میں ''اور کلکتہ بہت بڑا شہر ہے۔اگر کسی نے وہاں تمہارا ساتھ نہ دیا تو تم کیا کرو گے؟''

وہ دونوں چونک کر میری طرف دیکھنے لگے۔''بابا،آپ سب کچھ جانتے ہیں؟''

''ہاں،کیوں نہیں۔''میں نے اعتماد سے جواب دیا۔

''تو پھر ہمیں مشورہ دیجئے،ہم کیا کریں؟''نوجوان سریش نے مچل کے پوچھا۔اس کے چہرے سے یت ہویدا تھی۔

''کاش میرا کوئی گھر ہوتا تو میں تمہیں اپنے ساتھ لے چلتا مگر میں ایک بے گھر شخص ہوں۔تمہیں رف مشورہ دے سکتا ہوں۔''میں نے اداسی سے کہا۔

''آپ کو گھر کی کیا ضرورت ہے،بھگوان کے لئے ہماری مشکلیں حل کیجئے۔''انوپا نے اس طرح کہا ے مجھ پر اس کا حق ہے۔وہ میری منتیں کرنے لگی۔

''ٹھہرو،ٹھہرو۔''میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔''مجھے سوچنے کا موقع دو۔پیارے سریش اور پیاری پا! میں اوپر کی برتھ پر جاتا ہوں تم [illegible] موجودگی سے بے خبر ہو کے یہاں ایک دوسرے کے بارے میں تیں کرو۔''

''مگر آ......آپ......''انوپا نے سہمے ہوئے انداز میں کہا۔

''میں یہیں موجود ہوں۔''میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کے اسے اطمینان دلایا اور اوپر کی برتھ پر ٹھ گیا۔دیر تک مجھے ان کی آواز نہیں آئی پھر ان کی دبی دبی سرگوشیاں ابھریں۔وہ میرے متعلق باتیں کر ہے تھے اور انکا مجھ سے گفتگو کرنے میں محو تھی۔انکا کو خاموش کر کے میں بے سدھ ہو گیا تھا۔اوپر کی برتھ پر ے میری لاش پڑی تھی اور گاڑی تیزی سے کلکتے کی جانب رواں تھی۔

☆......☆......☆

دوپہر کے قریب گاڑی ٹھہری ہوئی تھی کہ دروازے پر دھپ دھپ کی آوازیں آنے لگیں۔ابھی تک ی مسافر نے اس ڈبے میں آنے کی جرأت نہیں کی تھی۔انکا نے مجھے جگایا۔''باہر پولیس تمہارے ان سفری تھیوں کی منتظر ہے۔''

''پولیس؟''میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

''ہاں۔انوپا کے پتا نے تمام بڑے اسٹیشنوں پر اطلاع کرا دی ہے۔''انکا نے ٹھنک کے کہا۔

میں چند لمحے سوچتا رہا پھر میں نے انوپا سے کہا۔''دروازہ کھول دو انوپا!''

انوپا نے جھجک کے ساتھ چٹخنی گرا دی۔دروازہ کھلا تو ایک انسپکٹر دو سپاہیوں کے ساتھ نظر آیا۔سریش اور و دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر رعونت کی ایک لہر گزر گئی۔''معاف کیجئے۔''اس نے مصنوعی شائستگی سے کہا۔

''کیا آپ ہماری مدد کریں گے؟''

''کس قسم کی مدد؟'' سریش نے گھبرا کے پوچھا۔

''کچھ معلومات درکار ہیں۔'' انسپکٹر نے ڈبے کے اندر گھس کے ایک طائرانہ نظر ڈالی اور مجھے بطور خاص گھور کے دیکھا۔

''فرمایئے، ہم آپ کی کیا مدد کر سکتے ہیں؟'' سریش نے مہذب لہجے میں دریافت کیا۔

''آپ کا نام؟'' انسپکٹر نے خشونت سے پوچھا۔

''میں، میرا نام رام چند ہے۔''

''یہ آپ کی دھرم پتنی ہیں؟''

''آہاں۔'' سریش کے لہجے میں اضطراب تھا۔

انسپکٹر نے کچھ اور معلومات کر کے ان سے سامان کی تلاشی کے لئے کہا۔ سامان میں میرج سرٹیفکیٹ رکھا ہوا تھا۔ میں اب تک خاموش رہا تھا۔ انسپکٹر سریش اور انوپا کے جوابات سے لطف لینے لگا تھا مگر اسے اب تک یقین نہیں تھا کہ یہی وہ جوڑا ہے جس کی اسے تلاش ہے۔ عموماً فرسٹ کلاس کے مسافروں کے ساتھ پولیس کا رویہ ایسا نہیں ہوتا۔ انسپکٹر بتدریج سختی اختیار کرتا جا رہا تھا۔ جب سامان کی تلاشی کی بات آئی تو میں نے کروٹ لی اور ایک انگڑائی لے کر اپنی نشست پر کسمسانے لگا۔

''بچو! اسے بتاؤ کہ تمہارے بزرگ اوپر بیٹھے ہیں اور اس سے کہو کہ وہ تہذیب کے دائرے میں رہ کے بات کرے۔'' میں نے اوپر لیٹے لیٹے کہا۔

''یہ کون بدزبان ہے؟'' انسپکٹر ایک دم بھڑک اٹھا۔

''یہ ہمارے بابا ہیں۔'' اس بار انوپا نے ہمت سے جواب دیا۔

''بابا۔ کیا یہ تمہارے پتا جی ہیں؟''

''ہاں۔'' انوپا جھجک کر بولی۔

انسپکٹر یقین کرنے نہ کرنے کی حالت میں مبتلا رہا۔ انکا میرے سر پر مضطرب تھی۔ میں نے اسے روکے رکھا تھا۔ ''میں تمہارے سامان کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔'' انسپکٹر نے جھلا کر کہا۔ ''میرے ساتھ تعاون کرو۔''

''ہم اپنی چیزیں غیروں کو نہیں دکھاتے۔'' میں نے اوپر کی برتھ سے جواب دیا۔ ''تمہیں معزز لوگوں سے بات کرنے کی تمیز آنی چاہیے۔''

''بڑے میاں نیچے اترو، یہ کیا اوپر سے بکواس لگا رکھی ہے۔'' انسپکٹر نے گرج کر کہا۔ ''میں تم سب کو عدم تعاون کی بنا پر گرفتار کر سکتا ہوں۔''

میں اتر کر نیچے آ گیا۔ انوپا اور سریش صورت حال کے بگڑ جانے کے خدشے سے سہمے ہوئے تھے۔ ''یہ سامان ہے۔'' میں نے ان دونوں کے سوٹ کیس اس کے سامنے ڈال دیے۔ ''لے کھول لے۔'' میں نے جلال کے عالم میں کہا۔

انسپکٹر میری قہر آلود نظروں اور پُر جلال لہجے کی تاب نہ لا سکا۔ ایک لمحے کے لئے اس کا جسم جھرجھرا گیا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔ ''چلو، یہاں سے واپس چلو، یہاں کچھ نہیں ہے۔''

اس کے جانے کے بعد میں نے انوپا سے کہا۔ ''دروازہ بند کر لو، میں اسی لیے تمہارے ساتھ ٹھہرا تھا۔''

''آپ تو کوئی اوتار ہیں، آپ نہ ہوتے تو ہماری بڑی رسوائی ہوتی۔'' سریش نے پھر میرے پیر پکڑ لیے۔

''سریش! قسمت نے عجب انداز میں مجھے تم سے ملایا ہے۔ میں میسور جا رہا تھا کہ میں نے راستے میں ارادہ بدل دیا اور واپس بمبئی چلا آیا۔ اتفاق سے میرے قدم تمہارے ہی ڈبے کی طرف اٹھے۔ یہ تمہارے پریم کی سچائی تھی کہ اس نے مجھے کہاں سے کہاں کھینچ لیا، سچا پریم اسے کہتے ہیں۔ وعدہ کرو کہ تم انوپا کو ہمیشہ خوش رکھو گے۔''

سریش کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''میں وچن دیتا ہوں۔''

گاڑی چل پڑی۔ انوپا میرے سرہانے بیٹھی تھی اور اس کے دل میں یہ شدید خواہش مچل رہی تھی کہ وہ میرا سر دبائے۔ میں نے اس کے ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لیے۔ آہ اس کی نازک انگلیوں میں کیسی ٹھنڈک تھی۔ میں نے اسی وقت ایک فیصلہ کیا اور انکا سے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ انکا میرے سر سے رخصت ہو گئی اور انوپا میرے بالوں میں عقیدت سے انگلیاں پھیرتی رہی۔ سریش میرے پائنتی بیٹھا تھا اور میں برتھ پر لیٹا ہوا تھا۔ میری آنکھیں بند تھیں۔ دل جذبات سے لبریز تھا۔ انکا خاصی دیر بعد واپس آئی۔ اس نے مجھے جو کچھ سنایا، میں اس سے مطمئن ہو گیا۔ کئی وقت ہم نے کھانا ایک ساتھ ہی کھایا۔ میں نے بمبئی میں تزئین اور سید ثروت اور گلبرگے میں رکن الدین کا پتا سریش کو دیا کہ وہ انہیں اپنا گھر سمجھ کے جب چاہے وہاں جائے اور جب تک چاہے ٹھہرے۔ وہ میرے بارے میں پوچھتے رہے۔ اس جوڑے کی ہم سفری میں وقت کا پتا نہیں چلا۔ میں زیادہ تر انہی میں منہمک رہا۔ کلکتے سے کچھ اسٹیشن پہلے جب انکا میرے سر پر نہیں تھی اور سریش اور انوپا اونگھ رہے تھے، گاڑی ایک جگہ ٹھہری۔ میں نے دروازہ کھول دیا۔ ایک شخص سراسیمہ سا بھاگتا ہوا میرے ڈبے میں آیا اور ایک وزنی تھیلا چھوڑ کر کہیں غائب ہو گیا۔ میں نے سریش اور انوپا کی نظریں بچا کر تھیلا اوپر کی برتھ پر الٹ دیا۔ نوٹوں کی گڈیاں برتھ پر بچھ گئیں۔ یہ نوٹ ایک لاکھ سے کم کیا ہوں گے۔ میں نے گڈیاں جلدی جلدی برتھ کے اندر کی طرف دھکیل دیں اور گاڑی چلتے ہی خالی تھیلا کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔

کلکتے کے قریب سریش اور انوپا اداس ہونے لگے تھے۔ میں رخصت ہونے والا تھا اور ان پر نئی زندگی کے خوف مسلط تھے۔ وہ میری برتھ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی آنکھیں نم تھیں۔ انکا بھی واپس آ گئی تھی۔ میں نے انہیں گلوگیر لہجے میں مخاطب کیا۔ ''سریش اور انوپا! اب میں تم سے رخصت ہو رہا ہوں۔ تم جہاں رہو گے مجھے علم رہے گا۔ تمہاری شادی پر تمہارے گھر والوں نے خوشی نہیں منائی لیکن تم نے مجھے بابا کہا ہے۔ تم سدا سکھی رہو۔ میں نے تمہارے لیے اپنی طرف سے جہیز کا انتظام کیا ہے۔'' یہ کہہ کے میں اٹھ کھڑا ہوا اور میں نے اوپری برتھ سے نوٹوں کی گڈیاں نکال کر ان کے حوالے کرنا چاہیں۔ ان کے چہرے پر حیرت اور مسرت سے ایک رنگ آتا تھا، ایک جاتا تھا۔ ان کی زبانیں ان کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔ کبھی وہ منع کرتے تھے، کبھی میرا ہاتھ چومتے تھے۔ میں اس کیفیت کا حال بیان نہیں کر سکتا۔ خود میری آنکھوں میں خوشی ہی خوشی بھری ہوئی تھی۔

''آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟'' انوپا اور سریش نے ایک ساتھ کہا۔

''میں اپنا فرض ادا کر رہا ہوں۔'' میں نے انوپا کے سر پر دھپ مارتے ہوئے کہا۔ ''کیا تمہیں کوئی اعتراض ہے؟''

''نہیں۔ مگر یہ بہت ہیں بابا، ہم ان کا کیا کریں گے؟''

''تم پہلے ایک بڑے ہوٹل میں ٹھہرو گے۔ پھر عمدہ سا مکان تلاش کرو گے۔ پھر سریش چاہے گا تو کوئی کاروبار کرے گا یا مزے سے انہیں اڑائے گا اور ملازمت کرے گا۔ تم راج کرو گی۔'' میں نے سرشاری سے کہا۔

''او وہ بابا، آپ بڑے دیالو ہیں، بابا! آپ بھی ہمارے ساتھ رہیں۔'' انوپا نے بچوں کی طرح مچل کے کہا۔

''تم پگلی ہو۔ کبھی بابا بھی اپنی بیٹیوں کے ساتھ رہتے ہیں؟'' میں نے اس کے رخسار پر ہلکی سی چپت لگائی۔

انہوں نے میرے اصرار پر نوٹ جلدی جلدی اپنے سوٹ کیسوں میں ٹھونسے اور عقیدت سے میرے قریب بیٹھ گئے۔ کلکتہ اسٹیشن پر ان سے وداع کا منظر بڑا رقت انگیز تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے برسوں کے رفیق چھوٹ رہے ہوں۔ وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گئے تو مجھ پر بھی یاسیت اور نامرادی نے غلبہ پالیا اور میں انہیں دور تک جاتے دیکھتا رہا۔ انکا بھی مرجھا گئی تھی۔ کلکتہ اسٹیشن پر تنہا کھڑے ہوئے مجھے اکیلے پن کا شدید احساس ہوا۔ میں جیسے گہری نیند سے چونک گیا۔ بدری نرائن، ہاں وہی موذی بدری نرائن! مجھے اس کمینے کے استھان پر روانہ ہونا تھا۔ میں اسٹیشن سے باہر آ گیا اور شہر سے دور ایک نواحی آبادی میں داخل ہوا۔ یہ ایک نیم شہری علاقہ تھا۔ جھونپڑیوں اور کچے مکانوں کی اس بستی میں داخل ہوتے ہی میرے اعصاب میں

...تی ہونے لگی۔ میں محتاط انداز میں اپنا محاصرہ کرتا ہوا اس مکان کے قریب ہو رہا تھا جہاں وہ شیطان ...نرائن ٹھہرا ہوا تھا۔ شیطان نے اپنے تعاقب میں میرے اوسان خطا کر دیے تھے۔

بستی میں کسی نے میری طرف مشکوک نظروں سے نہیں دیکھا، اب تک تمام راستہ بخیر و خوبی گزر گیا ...بستی کے ایک سرے پر چھوٹے چھوٹے مندروں کا سلسلہ تھا جن کے کلس ایک دوسرے سے سبقت لے ...نے کی فکر میں سرگرداں معلوم ہوتے تھے۔ اسی کے قریب بھگوان داس کا دو منزلہ پختہ مکان دور سے نظر آ رہا ...میں نے ایک درخت کے نیچے بنے ہوئے مٹی کے صاف چبوترے پر دھرنا جما دیا۔ انکا بھی خلاف ...معمول تم صم بیٹھی تھی۔ میرے لیے آگے جانے سے پہلے احتیاطاً اپنے سامنے کے علاقے کا جائزہ لینا ...ضروری تھا۔ میں آنکھیں نہیں بند کر سکا کیونکہ جب میں نے استغراق کے لئے انہیں بند کرنا چاہا تو وہ حیرت ...سے خود بخود کھل گئیں۔ جو کچھ میں نے دیکھا تھا، وہ حقیقت تھی۔ میں نے پریشانی کے عالم میں انکا کی سمت ...سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اس کی حالت بھی مجھ سے مختلف نہیں تھی۔ وہ بے قراری سے میرے سر پر پہلو بدل ...رہی تھی۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ میری باطنی آنکھوں نے جس حیرت انگیز مظہر کا نظارہ کیا ہے، انکا کی سحر کار نظر ...نے بھی اسے دیکھ لیا ہے مگر انکا اب اسے بیان کرنے سے کترا رہی ہے، اس کے انداز میں ندامت تھی۔ ...آنکھوں میں شرمندگی اور حقیقت کا یہ تاثر مجھ پر ترس کھانے کے سوا کسی اور سبب سے نہیں تھا۔ انکا کی کوئی ...غلطی نہیں تھی، خود میں نے میسور اور بمبئی کے راستے میں اطمینان کر لیا تھا۔ راستہ بالکل صاف نظر آ رہا تھا۔ ...یہ کیا ہوا؟ بدری نرائن کو کیسے خبر ہو گئی کہ میرا رخ اس طرف ہے اور کس نے یہ فصیل تعمیر کر دی ہے؟ یہ جو ...ایک پُراسرار چادر تنی ہوئی ہے، یہ کسی مہان سادھو کی شکتی کا کرشمہ ہے؟ امرلال کے سوا اور کون ہو سکتا ہے؟ مگر ...امرلال کی موجودگی کے یہاں کوئی آثار نظر نہیں آتے، وہ خود ڈھونڈھیا چل میں ہے۔ پھر کس نے یہ سنگلاخ ...دیوار کھڑی کر دی ہے؟ کس نے میری بو سونگھ لی اور پیش قدمی کی؟ کیا میں پھر ناکام واپس چلا جاؤں؟

''تم کچھ دیکھ رہی ہو؟'' میں نے بے بسی سے انکا کی طرف دیکھا۔

''ہاں، اندر بدری نرائن موجود ہے۔ بھگوان داس بھی ہے اور اس کی نوجوان لڑکی شاردا بھی۔ اس کا ...تمہارا فاصلہ بہت کم ہے مگر تم اندر نہیں جا سکتے۔ درمیان میں تم دیکھ رہے ہو، کیا ہے؟'' انکا نے پژمردگی سے ...اپنے لب کھولے۔

''میں یہ جال جلا دوں گا، یہ دیوار ڈھا دوں گا۔ میں قیامت تک یہیں بیٹھا رہوں گا۔''

''تم ایک حماقت کے بعد دوسری حماقت کرو گے۔''

''میں ایک آخری حماقت ضرور کروں گا۔ میں یہیں بیٹھ کر بدری نرائن کا حوصلہ آزماؤں گا اور جب ...تک اسے باہر نہیں کھینچ لاؤں گا، یہیں پڑا رہوں گا۔''

''اس وقت تک امرلال آ چکا ہو گا اور دوسرے پنڈت پجاری بھی بدری نرائن کی مدد کو پہنچ جائیں

گئے۔"

"تم کیا مذاق کراتی ہو؟" میں نے جھنجلا کر کہا۔ "میں یہاں آنا نہیں چاہتا تھا، تم نے خود ہی ذکر چھیڑا اور اب منزل پر آ گئے کہہ رہی ہو کہ واپس چلا جاؤں۔ میں کہیں اور جا کے سکون سے رہ سکوں گا؟"

"مجھے معلوم ہے لیکن یہاں بیٹھے رہنے سے بھی کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ ادھر تم اپنی طاقتوں کا کھیل دکھاؤ گے، ادھر وہ تمہیں ہٹانے پر اپنا پورا زور لگا دیں گے، اب تو بدری نرائن کا خیال کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھو۔ چلو شبن خان کی طرف چلتے ہیں، وہ جیل میں کسمپرسی کے دن گزار رہا ہے۔ ادھر زر افشاں، درخشاں کے لیے تمہیں بر تلاش کرنے ہیں۔ تمہیں ابھی بہت سے کام ہیں، کہیں اور نہیں چلتے تو کلدیپ ہی کے ہاں چلو، وہیں سمادھی لگا دینا۔" انکا نے آہستگی سے کہا۔

"اب سب باتیں بعد میں دیکھی جائیں گی۔ میں تو یہاں سے کہیں اور نہیں جاؤں گا۔ اگر موت یہیں لکھی ہے تو اسی مٹی میں دفن ہو جاؤں گا۔" میں نے بپھرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"یہ پچھتاوا ہے لیکن بعد از وقت پچھتانے سے کیا ہوتا ہے۔ میسور جاتے ہوئے جب میں نے بدری نرائن کا ذکر چھیڑا تھا تو تم بری طرح بے چین ہو گئے تھے۔ اگر تمہارے اضطراب کا یہی حال رہتا تو بدری نرائن تمہاری آمد سے کبھی آگاہ نہ ہوتا لیکن تم اس معمولی جوڑے کی خاطر تواضع میں سب کچھ بھول گئے۔ سنو جمیل احمد خان!" انکا نے لہجہ بدل کے ترشی سے کہا۔ "یہ عمارت امر لال کی شرن میں ہے۔ اس نے بدری نرائن کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا تو اپنی عدم موجودگی میں اسے تنہا کیسے چھوڑ دیتا؟ اس نے بدری نرائن کو اپنے چیلے بھگوان داس کے پاس بھیج دیا اور اسے کوئی ایسا منتر بتا دیا کہ جب تم ادھر کا رخ کرو، ایسا ایک جال تمہارے آنے سے پہلے یہاں بن جائے۔ ممکن ہے انہوں نے تمہیں گھیرنے کے لیے کوئی چال چلی ہو۔ تم یہاں بیٹھ کے اپنا وقت ضائع کرو گے۔ کچھ سمجھ میں آیا میں نے کیا بکواس کی ہے؟"

"میں تمہاری بکواس سن رہا ہوں انکا!" میں نے مایوسی سے کہا۔ "اب تک کیا، کیا ہے؟ وقت ہی ضائع کیا ہے۔ کچھ اور وقت ضائع کرنے دو۔ میں نے اپنا آخری ٹھکانا ڈھونڈ لیا ہے۔ یہ درخت ہے۔ یہ چبوترا ہے اور میں ہوں۔ میں آنکھیں بند کرتا ہوں، تمہارے اندر برداشت کا حوصلہ ہے تو میرے سر پر ٹھہری رہو، نہیں تو اتر جاؤ۔"

"یہاں تم پر کوئی اور مصیبت آ سکتی ہے۔" انکا نے تلملا کے کہا۔

میں نے انکا کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور عمارت کی جانب نظر کی۔ کھڑکی میں مجھے بدری نرائن کا چہرہ نظر آیا۔ وہ میری طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے زمین سے ایک پتھر اٹھایا اور شدید نفرت سے اسے چار بار گھما کے عمارت کی جانب اچھال دیا۔ پتھر کسی آواز کے بغیر درمیان ہی میں ٹکرا کے واپس آ گیا۔ اتنی دور سے میں بدری نرائن کے چہرے کے تاثرات دیکھ سکتا تھا۔ اس کی رعونت میری برداشت سے باہر

تھی۔ میں نے اپنی انگلیوں کو حرکت دی اور زور زور سے پھونکیں ماریں۔ میرے کسی عمل سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ بدری نرائن نے رعونت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کھڑکی کے پٹ بند کر دیے اور میں اپنی جگہ تلملا کے رہ گیا۔ پہلے شاید میں انکا کے اصرار پر اس جگہ سے اٹھ جاتا مگر بدری نرائن کو اپنے سامنے دیکھ کر مجھ سے نہ رہا گیا۔ انکا اسی شد و مد سے واپسی کے لئے اصرار کر رہی تھی۔ میرا عزم اور پختہ ہوتا جاتا تھا۔ آخر انکا نے ہار مان لی۔ اسے چپ سی لگ گئی اور میں نے چبوترے کو اپنا مسکن بنا لیا۔ میرا جسم ساکت ہو گیا اور آنکھیں پتھرا گئیں۔ وہ اسی سمت مرکوز تھیں جہاں بدری نرائن کھڑا ہوا نظر آیا تھا۔ میں تین دن تک یوں ہی بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ یہ برداشت کی انتہا تھی۔ اس دوران میں کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ تین دن بعد میں نے اپنے اندر کے دروازے بند کر کے باہر کی طرف جھانکنا چاہا تو مجھے شدید مایوسی ہوئی۔ میں نے بدری نرائن تک پہنچنے اور درمیان کا پردہ ہٹانے کی ایک اور کوشش کی۔ مکان کے گرد قائم حصار میں سر مو کوئی فرق نہیں آیا۔ البتہ میرے لیے ایک اور مشکل پیدا ہو گئی۔ یہ کوئی غیر آباد علاقہ نہیں تھا۔ میری موجودگی اور میری مشکل تپسیا کی خبر سارے علاقے میں پھیل گئی۔ میں نے دھول جھاڑنے کے انداز میں اپنے جسم کو حرکت دی تو مجھے اپنے گرد پروانوں کی طرح منڈلاتے ہوئے لوگ دکھائی دیے۔ یہ غریب لوگوں کی بستی تھی مگر میرے چبوترے پر انواع و اقسام کے کھانوں کے تھال رکھے تھے۔ میں نے انہیں چھوا تک نہیں۔ پھر میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر بھگوان داس کے مکان کا چکر لگایا۔ بھگوان داس کے مکان میں گزشتہ تین روز سے کوئی شخص داخل نہیں ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ مکان عام انسانی آنکھ سے اوجھل ہو گیا ہو۔ اس کی جانب کسی کی توجہ مبذول نہیں ہوئی تھی۔ میں نے ان لوگوں کی طرف سے نگاہیں پھیر لیں جو میری توجہ کے منتظر تھے۔ ان سب پر میری ہیبت اور بے نیازی کا اثر ہوا۔ رات کو مجھے سکون مل گیا اور میں نے دو چار لقمے زہر مار کیے، پھر سورج نکلنے سے پہلے میں اپنے عمل میں مصروف ہو گیا۔ میرے اور بدری نرائن کے درمیان قوت برداشت کی ایک جنگ جاری تھی۔ اگر میں اندر داخل نہیں ہو سکتا تھا تو وہ بھی تو باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ اس کی دیوار کے ساتھ میری بھی کئی دیواریں تھیں اور سب سے بڑی چٹان تو میں خود تھا۔

میں تیز تیز سانس لے کے اور پھیپھڑوں میں تازہ ہوا بھر کے چبوترے پر بیٹھ گیا۔ میرے بیٹھتے ہی عقیدت مند ہاتھ جوڑے چبوترے کے نزدیک ہونے لگے۔ میری نظریں ابھی تک بھگوان داس کے مکان کی کھڑکی پر جمی ہوئی تھیں جس کے پٹ بند تھے، میری آنکھیں شعلے اگل رہی تھیں۔ میری یہ کیفیت ان لوگوں سے پوشیدہ نہیں رہی جو کسی معجزے کی تمنا میں میرے قریب اکٹھے ہو گئے تھے، جنہوں نے دیکھ لیا تھا کہ یہ شخص ساکت و جامد کچھ کھائے پیے بغیر دنوں اور ہفتوں بیٹھا رہتا ہے۔ میرے بارے میں انہوں نے صحیح اندازہ لگایا تھا، انہوں نے مجھے پہچان لیا تھا لیکن خود میں اپنے آپ پر شبہ کر رہا تھا۔ میں گیارہ روز کی تپسیا کے بعد بھی بھگوان داس کے مکان میں داخل ہونے کے لئے کوئی چھوٹا سا راستہ تلاش نہیں کر سکا تھا، اچانک

کھڑکی کے پٹ کھلے۔ میری پوری طاقت سمٹ کے نگاہوں میں مرکوز ہوگئی۔ وہاں بدری نرائن کی جگہ ایک نہایت حسین اور نازک اندام لڑکی کھڑی تھی۔ انکا بھی میری طرح کھڑکی کی طرف متوجہ تھی۔ اس نے مجھے اسی وقت بتایا کہ یہ بھگوان داس کی لڑکی شاردا ہے۔ اسے حسن کی سند دینے میں کسی کو کوئی تعرض نہ ہوتا۔ اسے دیکھ کر میری نگاہوں میں ایک بجلی سی چمکی، شاردا صرف ایک لمحے میری مقناطیسی نگاہ کے سامنے ٹھہر سکی۔ پھر اس نے گھبرا کر نگاہیں نیچی کر لیں اور کھڑکی کے پٹ اسی طرح بند ہوگئے جس طرح میرے اچھے دنوں کے پٹ بند ہوگئے تھے۔ شاردا، یہ نام کئی بار میرے ذہن میں گونجا اور میرے جلے ہوئے اعصاب پر تیل کا اثر کر گیا۔

اس موقع پر مجھے اپنے قریب بیٹھے ہوئے لوگوں کی موجودگی بری محسوس ہوئی۔ میں نے انہیں پھٹکار کر کہا۔ "کیوں بیٹھے ہو؟ جاؤ اپنا راستہ لو۔ یہاں میٹھا تقسیم نہیں ہو رہا ہے۔"

"مہاراج! دیا کرو۔" ایک ساتھ کئی آوازیں گونجیں۔ "ہمیں اپنی سیوا کا اوسر دو۔"

"مجھے کسی سیوا کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے حقارت سے کہا۔ "جاؤ اپنا کام کرو، میری تپسیا میں کیوں خلل ڈالتے ہو؟"

"تم گیانی دھیانی ہو مہاراج! کالی نے تمہیں ہمارے پاس بھیجا ہے، یہاں سب کالی مائی کے اشارے پر اپنا جیون تیاگ دینے کے لیے بیاکل ہیں۔ ہمارے بڑے بھاگیہ جو تم یہاں پدھارے۔ بتاؤ مہاراج! تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟" ان میں سے ایک عاجزی سے بولا۔

"نہیں، بس اتنی سیوا کرو کہ میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔" میں نے ڈپٹ کر کہا۔

آخر وہ میرے حکم پر سہمے ہوئے پیچھے ہٹ گئے اور انکا انہیں ہنکا کے بستی میں لے گئی۔

ان لوگوں سے نجات حاصل کرنے کے بعد میری نظریں پھر کھڑکی کی جانب ٹک گئیں۔ بھگوان داس کی عمارت کی ہر اینٹ میری نظروں کے احاطے میں تھی۔ ایک بار پھر شاردا کھڑکی پر نمودار ہوئی اور جلد ہی وہاں سے غائب ہوگئی۔ وہ دن اسی آنکھ مچولی میں گزر گیا، شام کو انکا میرے سر پر آگئی۔

"آخر تم نے کیا سوچا ہے؟" انکا نے تھکے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"تم نے شاردا کو دیکھا ہے؟ بھگوان داس کی یہ لڑکی کچھ عجب تیکھے نقوش رکھتی ہے۔"

"تم مجھے بہلا رہے ہو۔ شاردا اس گھر سے کبھی باہر نہیں آسکتی، یہ بات تم بھی جانتے ہو۔"

"بھگوان داس اور بدری نرائن کیا کر رہے ہیں؟"

"وہ تمہاری تپسیا کا جواب دینے کے لئے جاپ میں مگن ہوں گے۔ انہوں نے وندھیا چل میں امر لال سے پرارتھنا کی ہوگی۔ تم نے یہ عمارت ڈھانے کے لئے کون سی کسر اٹھا رکھی ہے۔"

"تو پھر شاردا اس بھرے گھر میں ویران، اداس پھر رہی ہوگی؟ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"لیکن وہ اپنی اداسی مٹانے کے لئے تمہارے پاس نہیں آئے گی۔"

"میں یہاں سے خالی ہاتھ نہیں جاؤں گا۔"

"تم پاگل ہو جاتے ہو۔" انکا جز بز ہو کے بولی۔

شاردا کا ذکر میں نے اس سے دانستہ کیا تھا حالانکہ میرا مقصد صرف یہ تھا کہ میں انکا کو یہاں بیٹھنے کے لئے آمادہ کرنا چاہتا تھا۔ رات کو میں نے ایک اور کوشش کی اور صبح جب سورج کی کرنوں نے اندھیرے پر غالب آنا شروع کیا تو انکا نے میرے سر پر بیٹھ کے پنجے مار مار کے پریشان کر دیا۔ کل میرے عقیدت مندوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی، آج میں انہیں گننے سے قاصر تھا۔

میں آگے کی تفصیل کیا بیان کروں۔ انکا کی موجودگی میں روز لگنے والی اس نوٹنکی میں کیا کیا تماشا نہ ہوا ہوگا۔ اور میں نے خالی وقت میں ارتکاز، مراقبے، تزکیہ نفس اور استغراق کا کون سا عمل نہ کیا ہوگا۔ کئی ہفتے بیت گئے اور میں وہ فاصلہ عبور کرنے میں ناکام رہا جو میرے اور بدری نرائن کے درمیان حائل تھا۔ اردگرد کے دیہات کے لوگ بھی اب اس طرف آنے لگے تھے۔ کئی نوجوان پنڈت پجاریوں نے میرے قریب ہی سادھی لگا دی تھی۔ اس صورت حال سے میں بہت پریشان تھا۔ میں یہاں سے ہٹ بھی نہیں سکتا تھا اور آنے والے لوگوں کو منع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ان کی تعداد روز بہ روز بڑھتی جا رہی تھی۔ میری طبیعت میں چڑچڑاپن پیدا ہوگیا۔ میں آنے والے لوگوں کو بری طرح دھتکار دیا کرتا لیکن میں جتنا انہیں دھتکارتا، اتنا ہی وہ میرے پیروں پڑ جاتے۔ صرف ایک امید نے مجھے یہاں روک کے رکھا تھا ورنہ میں طویل ارتکاز میں ڈوب کر یہ قصہ ہی تمام کر دیتا۔ شاردا کی آنکھوں میں میرے لیے ایک کیفیت پیدا ہو رہی تھی اور میں صرف اسی قدر کامیاب ہوا تھا کہ اسے کھڑکی پر دیر تک کھڑا رکھوں اور اس کے دل میں اپنا خیال منتقل کر سکوں۔ اگر یہ پُراسرار دیوار حائل نہ ہوتی تو شاردا بندھی چلی آتی۔ یہ ایک صبر آزما کام تھا۔ میری ریاضت اور عقیدت، ہندوؤں کی مجھ سے ارادات دیکھ کے شاردا نے میرے بارے میں بہت سی مثبت رائیں قائم کر لی ہوں گی جن کا ثبوت یہ تھا کہ اب وہ رات کو بھی کھڑکی میں کھڑی ہونے لگی تھی۔ میں سنگلاخ چٹان پر تنکے مار رہا تھا اور مجھے یقین تھا کہ ایک دن یہ چٹان انہی تنکوں سے توڑ دوں گا۔ روز میرے روحانی اعمال میں شدت پیدا ہو جاتی تھی۔

میں نے انہی دنوں اچانک ایک رات اپنے قریب کوئی سایہ سا گزرتا محسوس کیا۔ انکا فوراً میرے سر سے اتر گئی۔ میں نے پلٹ کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ کلدیپ کا پرتو، اس کی نمائندہ کلپنا تھی۔ اس کی خلاف توقع آمد سے میرا انہماک ٹوٹ گیا اور میں خشمگیں نظروں سے اسے گھورنے لگا۔ وہ جب بھی میرے پاس آتی تھی، میں سمجھتا تھا کہ کلدیپ آگئی۔ اس وقت مجھے کوئی ہمدردی قبول نہیں تھی، کوئی مشورہ یا دخل پسند نہیں تھا۔ کلپنا نے نرم لہجے میں مجھے مخاطب کیا۔ "جمیل احمد خان! میں کلپنا ہوں۔"

"ہاں ہاں، میں دیکھ رہا ہوں۔ تم کلپنا ہو، کلدیپ ہی کا کوئی جلوہ۔ تم شاید مجھ سے ہمدردی کا اظہار

کرنے آئی ہو مگر میں اپنے معاملے میں کسی کی دخل اندازی پسند نہیں کرتا۔'' میں نے تیزی سے کہا۔''اب تمہاری دیوی سے میرا کیا واسطہ؟ میری یہ حالت اسی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ وہ بار بار مجھے کیوں تنگ کرتی ہے؟ میں مر جاؤں گا تو کیا ہوگا؟ میں ناکام ہو جاؤں گا تو اس کے گیان دھیان میں کیا فرق پڑے گا؟''

''تم دیوی سے بہت ناراض ہو؟ میں تم سے اس وقت کچھ نہیں کہوں گی۔ میں تمہیں یہ مشورہ دینے آئی ہوں کہ تم یہاں بیٹھے اپنا وقت ضائع کر رہے ہو۔''

''میں یہاں سے ہٹ کے بھی اپنا وقت ضائع ہی کروں گا۔ اب مجھے دنیا میں کون سا کام رہ گیا ہے؟ پنڈتوں، پجاریوں سے لڑنا، مشکلوں میں پڑنا اور ان سے نکلنا۔''

''تمہاری ایک لڑکی، داماد اور تم سے متعلق اور لوگ بھی اس دنیا میں موجود ہیں۔ تم یہاں تنہا نہیں ہو۔'' کلپنا نے سنجیدگی سے کہا۔''تمہیں اپنے خیر خواہوں کے مشورے قبول کرنا چاہئیں۔ میں نے کبھی تمہارے ساتھ کوئی غیر ہمدردانہ سلوک نہیں کیا ہے۔''

''میں تمہارا احسان مند ہوں۔'' میں نے طنزاً کہا۔''میری زندگی پر نہ جانے کس کس کے احسانات ہیں؟ میں ان کے بوجھ تلے دب گیا ہوں۔ اب یہ وتیرہ ترک کر دو اور مجھے میری حالت پر چھوڑ دو۔ زندہ رہا تو ایک بار تمہاری دیوی کے درشن ضرور کروں گا۔ میں اسے دیکھنے کے لئے جا رہا تھا کہ راستے ہی سے واپس آ گیا۔''

''چلو دیوی کے استھان چلو۔ یہاں بیٹھے ہوئے تم......'' کلپنا کی بات ادھوری رہ گئی۔

میں نے ناراضی اور غصے سے کہا۔''مجھے یہاں سکون مل رہا ہے۔''

''تمہاری مرضی، لیکن تم میری بات پر غور کرنا۔ وقت سے پہلے یہاں سے اٹھ جانا۔ اس بات کا بھی خیال رکھنا جمیل احمد خان کہ تمہارے کچھ اور بہی خواہ بھی اس دنیا میں موجود ہیں۔'' کلپنا نے تیکھے لہجے میں کہا اور رات کی سیاہی میں مدغم ہو گئی۔ اس کے جانے سے مجھے سکون ہوا۔

☆......☆......☆

کلپنا نے انکا سے کوئی الگ بات نہیں کہی تھی۔ وہی تکرار تھی جسے سنتے سنتے میں تنگ آ گیا تھا۔ یہاں رہتے ہوئے رفتہ رفتہ پندرہ دن اور گزر گئے۔ ڈھائی ماہ کے عرصے میں کوئی شخص مکان میں داخل نہیں ہوا تھا۔ نہ ہی گاؤں کے کسی آدمی نے نظر گھما کے مکان کی طرف دیکھنے کی جسارت کی تھی۔ ان سب کی نظریں یہ عمارت دیکھنے سے قاصر تھیں۔ میں اپنے انہماک میں حسب معمول غرق تھا۔ دوپہر تک میرے اطراف دیہاتیوں کا بڑا ہجوم شہد کی مکھیوں کی طرح بھنبھناتا رہتا اور انکا میرے حکم پر ہر شخص کی مشکل حل کرتی رہتی۔ جب اتنے دنوں کی صبر آزما تگ و دو کے بعد بھی کوئی روزن نہ کھلا، دیوار میں کوئی شگاف نہ پڑا اور شیشے میں کوئی بال نہ آیا تو کلپنا اور انکا کی باتیں میرے ذہن میں رینگتی ہوئی داخل ہونے لگیں۔ میں اپنے ہر عمل میں

ام ہو چکا تھا میرا اعتماد مجروح ہونے لگا تھا۔ اب مجھے اپنی آگ بجھانے کے لئے کسی اور ہی ذریعے کی ؛تھی۔ شاردا؟ ہاں شاردا بس ایک ہی چارہ تھا کہ کسی طور شاردا مکان سے باہر آ جائے۔ میری جانب سے ی آمادگی کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ دیوار پھاند کر چلی آئے گی۔ اندر سے کسی شخص کے آنے میں کوئی ہٹ نہیں تھی۔ قید صرف جانے والوں کے لئے ہونی چاہیے۔ میں نے اپنی پوری توجہ شاردا پر صرف کر دی ی۔ شاردا میرے اشارے سمجھنے لگی تھی۔ وہ میرے چمتکار حیرت سے دیکھتی رہتی تھی۔ آخر ایک رات میں اسے آواز دی اور اشارے سے اپنے پاس بلانا چاہا۔ میری آواز دور دور تک گونج گئی۔ شاردا نہیں آئی، سمجھا میرے کلام میں اثر نہیں رہا اور میری نگاہ اپنی کشش کھو بیٹھی ہے۔ شاردا نہیں آئی، جنون بڑھا اور فزوں لیا۔ اسے بلانے اور پکارنے میں اور شدت پیدا ہو گئی۔

لیکن دوسرے دن ہجوم میں ایک ملنگ شخص بانسری بجاتا ہوا میری طرف نکل آیا۔ انکا کے مشورے پر نے اس سے بانسری طلب کر لی۔ اس نے بے پروائی سے اسے میری جانب پھینک دیا۔ انکا نے مجھے افسانوی ترکیب بتائی تھی کہ ممکن ہے اس میں کوئی منفعت ہو۔ خود میں نے قدیم کہانیوں پر پڑھا تھا کہ محبوب اپنی محبوبہ کو بلانے کیلئے رات کو جنگل میں بانسری بجایا کرتا تھا۔ محبوبہ کھنچ کر اس کے پاس پہنچ جاتی اور اسے اپنی سدھ بدھ نہیں رہتی تھی۔ اسے آنے میں دیر ہو گئی تو محبوب نے اس رات فراق یار میں ایسی ری بجائی کہ اس کی سانس نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ رات کو میں نے یہی افسانہ دہرایا۔ مجھے بانسری الی نہیں آتی تھی لیکن انکا میرا ساتھ دے رہی تھی۔ انکا نے اس میں عجب سوز پیدا کر دیا تھا۔ کوئی شبہ نہیں کہ ری دردناک لے نے پرندوں کی نیند اڑا دی ہوگی۔ بانسری میرے ہونٹوں سے لگی ہوئی تھی اور اس سے لیاں پھوٹ رہی تھیں۔ میں خود مدہوش ہوا جا رہا تا۔ موسیقی بھی جادو ہے۔ انکا اسے بجا رہی تھی۔ مجھے ارت کے دروازے تیزی سے کھلنے کی آوازیں آئیں۔ شاردا بھاگتی ہوئی میری سمت آ رہی تھی۔ وہ جب وازے سے نکل آئی تو تیزی سے فاصلہ عبور کرنے لگی۔ اس کے پیچھے بھگوان داس چلایا اور دوڑتا نظر آیا مگر اردا کو ہوش نہیں تھا۔ وہ تڑپتی ہوئی آئی اور میرے قریب آ کے گنگ سی کھڑی ہو گئی۔ انکا اسی وقت اس کے پہنچ گئی۔ بانسری میرے ہونٹوں سے الگ ہو چکی تھی۔ موسیقی کے سحر نے اپنا کام کر دیا تھا۔ میں حیرت ے شاردا کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ اپنا سینہ چھپائے ہوئے تھے۔ ساڑھی جسم پر ٹھیک طرح نہیں ری تھی، وہ ہانپ رہی تھی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ اس کا جسم گلاب کی کوئی شاخ جس پر گلاب جیسا اس کا چہرہ لگا ہوا تھا۔ بھگوان داس دہشت میں شاردا شاردا پکارتا ہوا میرے پاس پہنچ یا۔ اس نے آتے ہی شاردا کا ہاتھ پکڑ لیا۔ شاردا نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ میں خاموش کھڑا کچھ دیر تک بچی کی نوک جھوک سے لطف لیتا رہا۔ شاردا نے بھگوان داس کے ساتھ واپس جانے سے انکار کر دیا تھا۔ گوان داس سراسیمہ اور حواس باختہ تھا۔ اس نے ابھی تک مجھ سے نظریں ملانے کی جرأت نہیں کی تھی۔ خوف

سے اس کا جسم لرز رہا تھا۔ آواز بھی تھرا گئی تھی۔ میں نے بڑھ کے شاردا کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ میرے سینے سے لگ گئی۔ میں نے بھگوان داس سے تلخی کے ساتھ کہا۔ ''صرف ایک شرط پر تم شاردا کو لے جاسکتے ہو کہ بدری نرائن کو میرے حوالے کردو۔''

''میں بدری نرائن کو تمہارے حوالے نہیں کرسکتا۔ میں نے گرو امرلال کو وچن دیا ہے کہ میں اس کی حفاظت کروں گا۔'' بھگوان داس نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

''مجھے شاردا سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اسے میں نے صرف بدری نرائن کو حاصل کرنے کے لئے بلایا ہے۔ اگر تمہیں یہ سودا منظور نہیں ہے تو میں شاردا کو ساتھ لے جاؤں گا۔'' میں نے سیدھے سادے الفاظ میں کہا۔

''تم اسے نہیں لے جاسکتے۔ گرودیو کی شکتی امر ہے۔ تم نے پہلے ہی بہت تکلیف اٹھائی ہے۔ گرودیو تمہیں اس بار بڑا کشٹ دیں گے۔''

''مجھے گرودیو سے خوف ہوتا تو میں کبھی یہاں نہ آتا۔ تم نے ایک کمینے شخص بدری نرائن کو شرن دی ہے۔ وہ میرا مجرم ہے۔ شاردا کے عوض تم اسے میرے حوالے کرسکتے ہو۔''

''مجھے مجبور نہ کرو مہاراج جمیل احمد خان! میں ایسا نہیں کرسکتا۔'' بھگوان داس نے خوشامد کرتے ہوئے کہا۔

''تو پھر تم شاردا سے سدا کے لئے ہاتھ دھولو۔ میرا مشورہ ہے بھگوان داس کہ تم بدری نرائن کے پاس جا کے اسے صورت حال سے آگاہ کرو۔ اگر وہ تمہارا دوست ہے اور بڑا پنڈت ہے تو تمہاری بیٹی کی زندگی کے لئے باہر آجائے گا۔'' میں نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

''میں جانتا ہوں، وہ باہر نہیں آئے گا۔'' وہ بے بسی سے بولا۔

''تو پھر تم نے ایسے نیچ شخص کو شرن کیوں دی ہے؟''

''میں نے گرودیو امرلال کو دیے ہوئے وچن کا پالن کیا ہے۔''

''وچن؟'' میں نے قہقہہ لگایا۔ ''میں نے بھی اپنے آپ سے کوئی وچن کیا ہے بھگوان داس! تم میری شکتی کے بارے میں کچھ جانتے ہو؟''

''میں جانتا ہوں۔'' وہ خوشامدانہ لہجے میں بولا۔ ''پر مہاراج! میں مجبور ہوں۔ جب تک گرودیو نہیں آجاتے، میں اسے تمہارے حوالے نہیں کرسکتا۔ میری بیٹی مجھے واپس کردو۔''

''میں بھی مجبور ہوں بھگوان داس! میں نے بہت کوشش کی کہ بدری نرائن خود بخود میرے پاس آجائے مگر وہ نہ آیا۔ مجھے یہ قدم مجبوراً اٹھانا پڑا۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ شاردا یا بدری نرائن۔ بیٹی یا وچن کا پالن، ان میں سے ایک چیز اپنے لیے چن لو، سمجھے۔''

''مہاراج! اسے معلوم ہے شاردا چلی گئی ہے۔ اگر وہ آنا چاہتا تو کب کا آچکا ہوتا۔ میں نے اسے جھنجوڑ جھنجوڑ کر بتایا تھا مگر وہ اپنے جاپ میں لگا رہا۔ اس نے میری بات نہیں سنی۔ میں نے ہی اپنا جاپ توڑ دیا۔'' بھگوان داس عاجزی سے بولا۔

''جب تم امرلال کو یہ سب بتاؤ گے تو وہ تمہیں کوئی کشٹ نہیں دے گا۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ فیصلہ تمہیں کرنا ہے۔ جلد سے جلد کوئی فیصلہ کرو۔ میں شاردا کو لیے جا رہا ہوں۔ جب تمہارے گرودیو ندھیا چل سے ادھر پدھاریں گے تو ان سے معاملہ نمٹ لیا جائے گا۔''

شاردا چپ چاپ میرے اور بھگوان داس کے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہی تھی۔ بھگوان داس عاجزی کے ساتھ مجھ سے فریادیں کرتا رہا لیکن میں نے ایک قدم بھی پیچھے ہٹنے سے انکار کردیا۔ بھگوان داس کی فریاد حد سے تجاوز کرگئی اور اسے سننا میری برداشت سے باہر ہوگیا تو میں نے عمارت کی جانب منہ کر کے چیخ چیخ کر بدری نرائن کو مخاطب کیا۔ عمارت کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ میں نے غصے سے شاردا کو اپنی طرف کھینچا اور اندھیرے میں ایک سمت چل پڑا۔ بھگوان داس لجاجت سے درخواست کرتا رہا۔ اس نے میرے پیر پکڑ لیے۔ میں نے اسے حقارت سے ٹھوکر مار دی۔ اچانک بھگوان داس کی عاجزی، درشتی میں تبدیل ہوگئی۔ اس نے سخت لہجے میں مجھ سے مطالبہ کیا کہ میں شاردا کو چھوڑ دوں پھر وہ مجھے امرلال کا خوف دلانے لگا۔ میں نے اس کی بات پر کان نہیں دھرے، بس چلتا رہا۔ پھر رفتہ رفتہ مجھے محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے سر پر کوئی وزنی پتھر کھینچ مارا ہو۔ غصے میں میری آنکھیں باہر نکل آئیں۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ بھگوان داس میرے پیر جکڑنے کے لئے منتر کا جاپ کر رہا تھا۔ بدری نرائن کے نہ ملنے سے میرے رگ و پے میں زہر دوڑ گیا تھا۔ میں نے شاردا کا ہاتھ چھوڑا اور بھاگ کر بھگوان داس کے زمین بوس جثے پر ایک ٹھوکر مار دی۔ وہ لڑھکتا ہوا دور تک چلا گیا اور کرب سے چیختا رہا۔ دفعتاً مجھے خیال آیا کہ بھگوان داس کو مارنے سے ممکن ہے، شیشے کی وہ دیوار ٹوٹ جائے جو میرے اور بدری نرائن کے درمیان حائل ہے۔ میں نے اپنی انگلیوں کو حرکت دی۔ بھگوان داس ایک معمولی درجے کا پنڈت تھا۔ وہ زمین پر مچھلی کی طرح تڑپنے لگا۔ میں نے چند لمحے توقف بھی کیا کہ شاید بدری نرائن اپنے دوست کو موت وزیست کی کشمکش میں محسوس کر کے باہر آجائے مگر وہ نہ آیا۔ بھگوان داس زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکا، ہولناک چیخوں کے ساتھ تڑپتا ہوا دنیا سے اپنے رشتے توڑ بیٹھا۔ اس کا جسم جگہ جگہ سے جل گیا تھا، یوں بھی اگر میرا اس کا جسمانی مقابلہ ہوتا تو اسے زیر کرنے میں مجھے زیادہ زحمت نہ کرنی پڑتی۔ بہر حال بھگوان داس نے اپنے عہد کی اور میں نے اپنے فیصلے کی پاس داری کی۔ میں اپنے اس جارحانہ فعل پر قطعاً نادم نہیں تھا۔ بھگوان داس کو تو مجھ سے گفتگو کرنے کی مہلت بھی مل گئی۔ اس عمارت میں رینگنے والے حقیر کیڑوں تک سے مجھے نفرت ہوگئی تھی۔ شاردا نے اپنے باپ بھگوان داس کی عبرت ناک موت اپنی آنکھوں سے دیکھی مگر وہ کچھ بھی نہیں دیکھ سکی۔ اس کے سر پر انکا تھی۔ انکا نے اس کے حواس اپنے قابو میں

کر لیے تھے۔اس کی آنکھیں اس کے چہرے پر نصب تھی مگر اسے ان پر اختیار نہیں رہا تھا۔

میں شاردا کے ساتھ دوبارہ اپنے چبوترے کی طرف آگیا اور میں نے مکان کے گرد چکر لگا کے کئی عمل آزما لیے، دیوار جوں کی توں موجود تھی اور اس کے اندر بدری نرائن بہت معمولی فاصلے پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں بھگوان داس کو مارنے اور شاردا کو اپنی تحویل میں لینے کے بعد بھی اسے باہر نکالنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ انکا نے مجھے صبح سے پہلے یہ جگہ چھوڑ دینے کی ہدایت کی۔ میں انتظار کرتا رہا مگر انتظار بے سود ثابت ہوا۔ اندھیرا چھٹنے کو تھا۔ عمارت کی طرف تھوک کر میں نے کہا۔ "بدری نرائن! تجھ پر لعنت......" آگے کے الفاظ میرے حلق میں اٹک گئے۔ میں انہیں تلخ گھونٹ کے مانند پی گیا۔

شاردا ہمارے ساتھ تھی۔ بھگوان داس کے مکان میں اب صرف بدری نرائن رہ گیا تھا۔ اس کے باہر نکلنے کی اب ہر امید ختم ہوگئی تھی۔ وہ اس وقت تک باہر نہیں آتا جب تک امر لال واپس نہ آجاتا یا جب تک اس کے سر سے میرا خطرہ نہ نکل جاتا۔ میں نے بھگوان داس کو ختم کر کے اور شاردا پر قبضہ کر کے امر لال سے ایک بڑی مڈھ بھیڑ کے لئے میدان ہموار کر لیا تھا۔ امر لال اپنے اطاعت شعار چیلے بھگوان داس کی موت پر خاموش بیٹھنے والا شخص نہیں تھا۔ ہم اندھیرے اندھیرے میں بستی سے نکل گئے اور ایک بس میں بیٹھ کر شہر میں داخل ہو گئے۔

☆......☆......☆

ٹرین میں انکا شاردا کے سر سے اتر کے میرے پاس آگئی۔ شاردا اس کے ہٹتے ہی چونک کر کھڑی ہوگئی۔ وہ خوف زدہ نظروں سے گرد و پیش تک رہی تھی۔ جب دوسرے ثانئے اس نے مجھے دیکھا تو اس کے چہرے پر زردی چھا گئی۔ میں نے اسے سنبھالا ورنہ وہ بے ہوش ہو جاتی۔ "تم میرے پاس ہو شاردا۔" میں نے محبت سے کہا۔ "کیا تم میرے پاس آنا نہیں چاہتی تھیں؟"

"میں کہاں ہوں؟" وہ سہم کر بولی۔

"تم ریل گاڑی میں ہو اور میرے ساتھ جا رہی ہو۔ تم نے کئی بار میرے قریب آنے کا ارادہ کیا مگر کوئی تمہارے پاؤں پکڑ لیتا تھا، آخر ایک رات میں نے بانسری بجائی اور تمہیں زنجیریں توڑنے پر مجبور کر دیا پھر تمہیں کچھ ہوش نہیں رہا۔ تمہارے باپ نے بدری نرائن کو اپنے ہاں پناہ دینے کے جرم میں سزا پائی اور وہ پرلوک سدھار گیا۔ تمہارا کوئی نہیں رہ گیا تھا، اس لیے میں تمہیں اپنے ساتھ لے آیا۔"

"میرے پتا جی کو کیا ہوا؟" وہ میری نرم، ٹھنڈی گفتگو سے متاثر نظر آتی تھی لیکن اپنے باپ کا ذکر سن کے بے چین ہوگئی۔

"مجھے افسوس ہے، وہ پُر اسرار شکتیوں کی بھینٹ چڑھ گئے۔ بدری نرائن ان کی مدد کو نہیں آیا۔"

اس کے چہرے پر تذبذب اور کشمکش کے آثار نمودار ہوئے اور اس کی سسکیاں نکل پڑیں۔ میں نے

ہ مل کر رونے دیا اور اس کا سر اپنے سینے پر رکھ لیا۔ میں اسے تسلیاں دیتا رہا۔ اتنے بڑے حادثے اور اپنے ُرے اچانک دور ہو جانے کا صدمہ معمولی نہیں تھا۔ میں تمام سفر میں اپنے حسنِ سلوک اور شفیق رویے ےاس کا سینہ ہلکا کرنے میں مصروف رہا۔ اس میں پہلے ہی از خود وارفتگی پیدا ہوگئی تھی۔ جو کچھ جھجک تھی، وہ ٰانے ہموار کر دی۔

☆......☆......☆

دلی تک کے سفر میں مجھے خاصا وقت مل گیا تھا۔ میں نے اسے دلی پہنچنے تک پوری طرح منقلب کر لیا ٰااور اب میں اطمینان سے اس کے رخ زیبا کا نظارہ کر سکتا تھا۔ میں نے اس کے حسن جہاں تاب کا خوب ٰارہ کیا اور میں، جس کے جذبات کہیں سو گئے تھے، اس کے حسن کی گرمی سے پگھلنے لگا۔ اس کے سامنے یب و غریب شخص بیٹھا تھا، جس کا مشاہدہ کرنے اور جس کے بارے میں کوئی اچھی رائے قائم کرنے کے لئے اسے کافی وقت مل گیا تھا۔ میری شخصیت کی گوناگوں خوبیوں، میرے اسرار اور بات چیت سے وہ بہت ٰاثر تھی۔ اب اس کے لبوں پر ایک سپردگی تھی کیونکہ وہ پھڑکتے تھے جیسے میں ہی اس کا سب کچھ ہوں۔ اس ٰی جانب میری توجہ دیکھ کے انکا کو شرارتیں سوجھیں۔ وہ مجھے چھیڑنے لگی اور ایک عرصے بعد اپنی روایتی ٰوخیوں پر اتر آئی ہے۔ کہنے لگی۔ "اے جمیل! اس کے لبوں میں کس بلا کا رس ہے؟"

میں نے کہا "ہاں ہے تو۔"

"تو پھر اس تنہائی میں اپنی تھکن دور کیوں نہیں کر لیتے؟ تمہیں یہ خشک زندگی بسر کرتے ہوئے کتنے ان ہو گئے؟"

"اسے صرف دیکھتے رہنا بھی کسی لذت سے کم نہیں ہے۔"

"مگر اس کے اصل جوہر تو اس وقت کھلیں گے جب اسے برتو گے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا، میں اسے کس طرح برتوں؟"

"ایک بہترین لڑکی کی طرح ...... یہ تو مال غنیمت ہے۔ اس پر تمہیں پورا اختیار ہے بلکہ تمہارا حق ہے۔"

"اب مجھے کچھ بھی نہیں کرنا، اس کی مظلومیت پر ترس آرہا ہے۔"

"واقعی تم سے بڑا مظلوم کون ہوگا؟"

"ہاں...... خاصا وقت گزر گیا۔ اب میں شاید بوڑھا ہو چکا ہوں۔"

"تم بے وقوف ہو گئے ہو۔ سنو! امر لال شاردا کا اغوا اور بھگوان داس کی موت آسانی سے در گزر نہیں کرے گا۔ شاردا آئی ہے تو جا بھی سکتی ہے۔ پہلی فرصت میں اس پر محبت کی مہر ثبت کر دو ورنہ بعد میں پچھتاؤ گے۔"

"ابھی نہیں۔اور کل کا ذکر مت کرو۔جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

میں انکا کی باقی باتیں نہیں سن سکا۔ شاردا کے چہرے میں مجھے کئی چہرے نظر آنے لگے تھے۔ نرگس، مالا کلدیپ، سارا، جبین، درخشاں، زرافشاں کے چہرے۔ انکا نہ جانے کیا کیا کہتی رہی اور میں آنے والے وقت کے بارے میں سوچتا رہا۔ کاش اور بہت سی طاقتوں کی طرح مجھ میں آنے والے وقت کو گرفت میں لینے کی طاقت بھی ہوتی۔

میری سوچوں کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ دلی اسٹیشن آ گیا تھا۔ شاردا کا دلکش سراپا سنبھالتے ہوئے میں نے دلی کی سرزمین پر قدم رکھے۔ زرافشاں، درخشاں کو کسی محفوظ جگہ رکھنے کے لئے پہلے تو شبن خان کا قمار خانہ مل گیا تھا۔ اب شبن خان جیل میں تھا اور اس کا قمار خانہ اس کے بدقماش ساتھی چلا رہے تھے۔ شبن خان کی رہائی کے لئے مجھے انکا کو ساتھ رکھنے کی ضرورت تھی۔ اس طرح شاردا تنہا رہ جاتی۔ اسے ساتھ لے کر جیل جانے کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔ دلی میں اور کوئی جان، پہچان بھی نہیں تھی۔ ہوٹل میں بھی قیام نہیں کیا جاسکتا تھا۔ میں مخمصے میں پڑ گیا۔ شبن خان کی قیام گاہ میں پھر کسی سے ربط ضبط قائم کرنا اور وہاں شاردا کو محفوظ کرنے کا مرحلہ طوالت طلب تھا۔ شاردا کو ریلوے کے لاک اپ یا سرد خانے میں بھی نہیں رکھا جاسکتا تھا۔ میری سمجھ میں ایک ہی بات آئی۔

اسٹیشن سے ہم ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئے اور جیل خانے کے نزدیک اتر گئے۔ ہم جیل کے گردونواح میں چل رہے تھے کہ دفعتاً شاردا ایک چیخ مار کے زمین پر گر گئی۔ میری مدد کو کئی راہ گیر آ گئے۔ شاردا بے ہوش ہوگئی تھی، راہ گیروں نے جلدی سے ایک ٹیکسی فراہم کی اور مجھے ڈاکٹر بھٹناگر کے اسپیشل کلینک کا پتا دیا۔ میں نے لشتم پشتم شاردا کو ٹیکسی میں دھکیلا اور ہسپتال پہنچ گیا۔ تفصیل فضول ہے۔ ڈاکٹر بھٹناگر کو معقول معاوضہ دے کر میں نے ایک خاص کمرا شاردا کے لئے محفوظ کرا لیا اور دو نرسیں اس کی خدمت پر مامور کرا دیں۔ کمرا محصور کر کے اپنے گھر والوں کو اطلاع دینے اور مزید روپے فراہم کرنے کے بہانے میں وہاں سے چلا آیا۔ ڈاکٹر نے اسے میرے سامنے ہوش میں لانے کی کوشش کی لیکن شاردا کو کوئی مرض ہوتا تو وہ ڈاکٹر کے علاج سے ہوش میں آ جاتی۔ یہ مرض ڈاکٹر کی سمجھ میں نہیں آ سکتا تھا۔ پیسہ سب کچھ کرا دیتا ہے۔ اس میں ماورائی طاقتوں سے کہیں زیادہ طاقت ہے۔ مجھے یقین تھا کہ میں جلد ہی واپس آ جاؤں گا اور اس وقت تک ڈاکٹر بھٹناگر اور اس کی نرسیں شاردا کو ہوش میں لانے میں کامیاب نہیں ہوسکیں گی۔ شاردا کی طرف سے مطمئن ہو کے میں ہسپتال سے باہر آیا اور پیدل ہی جیل کی طرف روانہ ہوگیا۔

جیل میں قیدیوں سے ملاقات کا ایک وقت مقرر ہے۔ انکا نے مجھے بتایا تھا کہ اس بار شبن خان کو پولیس نے بری طرح پھانس لیا ہے اور شبن خان کے ساتھی ایک دوسرے بدمعاش راحت گینڈا سے مل گئے ہیں اور انہوں نے شبن خان کی سزا بڑھوانے اور اس کے اڈے پر قبضہ جمانے کے لئے پولیس کا منہ بھر دیا

بہر حال اب شبن خان کا دوست جمیل احمد خان جیل کے دروازے پر موجود تھا۔ میں نے وہاں جاتے غیر معمولی حرکتیں شروع کر دی تھیں جس سے تمام پہرے داروں کی توجہ میری جانب مبذول ہوگئی تھی۔ نے دھمکی کے انداز میں جیلر سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی جسے حسب توقع مسترد کر دیا گیا مگر پھر انکار نے والا پہرے دار اپنے پیروں پر کھڑا نہ ہوسکا بلکہ دھم سے زمین پر گر گیا اور میں نے حلق سے ایک نعرہ میرے حلیے اور ناقابل فہم رویے سے دوسرے پہرے دار سراسیمہ ہوگئے۔ میں جیل میں لمبے ڑے اور خون خرابے کے ارادے سے نہیں آیا تھا جب میں نے باقی پہرے داروں کی ذات کے بارے حیرت انگیز انکشافات کیے تو وہ تمام کام چھوڑ کر میرے پیچھے لگ گئے۔ یہ ایک آزمودہ اور تیر بہدف نسخہ نتیجتاً وہ تمام لوگ ریشہ خطمی ہوگئے جنہوں نے پہلے مجھے کرختگی سے مخاطب کیا تھا۔ مجھے مزید کسی تاویل حجت کے بغیر جیلر کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ انکا میرے سر پر پوری طرح مستعدی سے کھڑی تھی۔ جیلر خوش دلی سے میرا استقبال نہیں کیا لیکن میں نے جیلر کی ویران اور خشک آنکھوں میں اپنی آنکھیں جما اس سے میرا تعارف ایک پہنچے ہوئے بزرگ کی حیثیت سے کرایا گیا۔ وہ ٹپٹا سا گیا اور گھبراہٹ میں سے مخاطب ہوا۔ "تم کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو؟"

"میں تیرے کان پکڑنے آیا ہوں۔ تو نے میرا ایک آدمی روک رکھا ہے۔" میں نے سختی سے کہا۔

"کون ہے وہ؟" اس بار اس نے سنبھل کر تلخی سے کہا۔

"شبن خان۔ میرا آدمی۔" میں نے خشونت سے کہا۔

"اوہ!" وہ زہریلی مسکراہٹ سے بولا۔ "شبن خان، بدمعاش؟ تم اس نکّے سے ملنے آئے ہو؟"

"ہاں۔ تو صحیح سمجھا ہے۔" میں نے کہا۔

اس نے جواب دینے کے بجائے پہرے داروں کو ڈانٹا کہ وہ ایک پاگل آدمی کو کیوں اس کے کمرے لے آئے ہیں۔ پہرے داروں نے کچھ کہنا چاہا لیکن ان کی جگہ میں بول پڑا۔ "ان سے کیا پوچھتا ہے؟ خود آیا ہوں۔ چل، بلا شبن خان کو۔ مجھے اس سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔"

"جانتے ہو اس طرح جیل میں گھسنے کی سزا کیا ہے؟ میں تمہیں بھی اس کے ساتھ بند کردوں گا۔" جیلر نے غصے میں کہا۔

"چڑی مار" میں نے ڈانٹ کر کہا۔ "تو مجھے بند کرے گا؟"

"لے جاؤ اسے۔" جیلر نے پہرے داروں کو حکم دیا۔

پہرے دار میری طرف بڑھے۔ میں نے تساہل سے کام لیا۔ جیلر نے گرج کے انہیں دوبارہ حکم دینا ین میرے ایک اشارے پر جیلر کی تلخ و تند آواز حلق میں اٹک گئی۔ وہ اپنا گلا پکڑ کے رہ گیا۔ ایک لمحے اس کا عجیب حال ہوگیا۔ وہ میری سمت خوف سے بڑھا اور کرب سے اپنے گلے پر ہاتھ رکھ کے اچھلنے

کودنے لگا۔

"تیری آواز کہاں گئی؟ بولتا کیوں نہیں؟" میں نے چیختے ہوئے پوچھا اور اپنی انگلی کا اشارہ کیا۔ جیلر کی سہمی سہمی آواز نکلی۔ اس نے فوراً مجھے کرسی پیش کی اور پہرے داروں کو باہر جانے کا حکم دیا۔

"میں آپ کو غلط سمجھا بڑے صاحب، مجھے معاف کر دیجئے، مجھ سے پہچاننے میں کوتاہی ہوگئی۔" وہ فدویانہ انداز میں بولا۔

"چل اب زیادہ باتیں نہ بنا۔ شبن خان کو بلا۔"

"ابھی حاضر کرتا ہوں۔ اس کا مقدمہ عدالت میں چل رہا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔ یاد رکھ وہ میرا آدمی ہے۔"

"میں شرمندہ ہوں۔" اس نے فوراً شبن خان کو کمرے میں لانے کا حکم دیا اور مجھ سے معذرت چاہنے لگا۔ شبن خان کے آنے تک میں نے جیلر کے بارے میں چند حقائق بیان کیے تو وہ اور فدوی بن گیا۔ اس نے میرے لیے ناشتا اور چائے منگوائی۔ تھوڑی دیر میں شبن خان اندر آگیا اور مجھے دیکھتے ہی مچل گیا۔ "واہ استاد، تم یہاں؟ میں تو سمجھا تھا بھول گئے۔"

"میں نے تم سے وعدہ کیا تھا شبن خان! سناؤ کیس کہاں تک پہنچا؟" میں نے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔

شبن خان نے جیلر کی طرف دیکھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ جیلر کی موجودگی سے گھٹ رہا ہے۔ "اس کا خیال کر رہے ہو۔" میں نے جیلر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس کی طرف سے بے فکر رہو، یہ ہماری باتیں نہیں سن رہا ہے۔"

"کیسے نہیں سن رہا ہے؟ وہ ہماری طرف دیکھ رہا ہے۔"

"یہ مت پوچھو کہ وہ کیسے نہیں سن رہا۔ وہ اپنے ہوش میں نہیں ہے شبن خان! کام کی بات کرو۔"

"وہ بالکل ٹھیک تو بیٹھا ہے۔" شبن خان ڈرتے ہوئے بولا۔

"وہ بہرا ہوگیا ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے میں نے اسے بہرا کر دیا ہے، وہ ہماری باتیں نہیں سن سکتا۔" میں اسے تفصیل کیا بتاتا کہ انکا اس کے سر پر پہنچ چکی ہے۔

شبن خان نے تصدیق کے لئے جیل کے انتظام پر ایک غلیظ گالی دی، جیلر خاموش رہا۔ اس پر شبن خان کی آنکھوں میں حیرت سمٹ آئی اور وہ جھجکتے ہوئے بولا۔ "تم کیا آدمی ہو خان صاحب! تم کوئی جادوگر ہو۔"

"میں تمہارا دوست ہوں شبن خان! اس وقت بس یہی بات ذہن نشین رکھو۔ میں تمہیں یہاں سے لے جا سکتا تھا۔ میرے لیے یہ کچھ مشکل نہیں ہے۔ ابھی اس وقت جیلر تمہاری رہائی کے احکام صادر کر سکتا

ہے مگر میں چاہتا ہوں، تم عدالت سے باعزت بری ہو جاؤ اور نئے سرے سے زندگی شروع کرو۔"

"مجھے یہاں کوئی تکلیف نہیں ہے۔ شبن خان جیل کا پرانا آدمی ہے۔ یہاں اپنے بڑے ٹھاٹ ہیں۔ یوں تو کسی دن چھوٹ ہی جاؤں گا، تم بتاؤ استاد! نگینے ملے یا نہیں؟"

شبن خان کا اشارہ زرافشاں اور درخشاں کی طرف تھا۔ میں نے اسے مختصراً بتایا کہ دونوں لڑکیاں نہ صرف مجھے مل گئی ہیں بلکہ خیریت سے محفوظ جگہ پہنچ گئی ہیں۔ میں خاموش ہوا تو شبن خان نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔ "کہاں سے اڑا لائے تھے انہیں؟"

"فضول باتیں مت کرو۔ سنو، راحت گینڈا تمہارا دشمن ہے، وہ کھل کر تمہاری مخالفت کر رہا ہے۔ تمہارے چند ساتھی بھی اس سے مل گئے ہیں، کہو تو میں ان سب کو ٹھکانے لگا دوں؟"

"وہ ولد الحرام؟" شبن خان کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ "استاد، میں جیل کے اندر ہوں لیکن باہر کی ایک ایک خبر مجھے اپنے مخبروں کے ذریعے ملتی رہتی ہے۔ مجھے یہاں سے باہر نکلنے دو، راحت گینڈے کی لاش کے ٹکڑے پولیس چوکیوں کے آگے بکھرے نظر آئیں گے۔"

"اس کی نوبت نہیں آئے گی شبن خان!" میں بڑے وثوق سے بولا۔ "تم جب چاہو، باہر جا سکتے ہو۔"

"سچ بتاؤ استاد! تم ہو کیا بلا؟" وہ بائیں آنکھ جھپکا کے معنی خیز لہجے میں بولا۔ "تم کوئی عجیب شے ہو۔"

"تمہاری اگلی پیشی کب ہے؟"

"یہ بھی پولیس والے جانیں، کون تاریخیں یاد رکھے۔"

"ٹھیک ہے، میں پہلے تم سے ملنا چاہتا تھا۔ اب تم بے فکر رہو، میں دلی آگیا ہوں۔ ممکن ہے کل یا پرسوں تمہاری پیشی ہو جائے۔ ایک دو پیشیوں میں تمہارا کام ہو جائے گا۔"

"تم جانو۔ میں تم پر اعتماد کرتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے شبن خان! اب ذرا توجہ سے ایک بات سنو، عدالت میں اگر تمہیں کوئی دقت پیش آئے تو انکا کا نام لینا۔ ویسے وہ وہیں موجود ہوگی اور تمہارے سامنے حیرت انگیز باتیں پیش آئیں گی، تم خاموشی سے انہیں دیکھتے رہنا۔ زیادہ تیزی دکھانے کی کوشش نہ کرنا۔"

"یہ انکا کون ہے؟"

"تمہیں سب پتا چل جائے گا۔ میں اب جا رہا ہوں۔"

"ارے، یہ جیلر کیسا خاموش بیٹھا ہے خان صاحب! خدا کی قسم کمال کر دیا۔"

"یہ ابھی ہوش میں آتا ہے۔" میں نے انکا کو اشارہ کیا۔

اچانک جیلر ششدر نگاہوں سے ہم دونوں کو دیکھنے لگا۔

شبن خان نے اسے سلام کیا اور کمرے سے چلا گیا۔ میں نے جیلر کے ساتھ چائے پی اور اسے چند نصیحتیں کر کے چلا آیا۔

شاردا ہسپتال کے کمرے میں ابھی تک بے ہوش پڑی تھی۔ وہ میرے جاتے ہی ہوش میں آ گئی اور میں اسے وہاں سے لے آیا، اب میں کسی بھی ہوٹل میں ٹھہر سکتا تھا اور شاردا کے ساتھ اطمینان سے چند روز گزار سکتا تھا کیونکہ اب باقی کام انکا کا رہ گیا تھا۔ ہم جب ہوٹل کے ایک شاندار کمرے میں داخل ہوئے تو ماحول بدلنے کی وجہ سے شاردا کی طبیعت کسی قدر بہتر لگنے لگی۔

پولیس کی فائل شبن خان کے خلاف ثبوتوں سے بھری ہوئی تھی۔ انکا اس دن بہت مصروف رہی۔

تیسرے دن شبن خان کو عدالت میں پیش کیا گیا۔ اس پر بہت معمولی جرح ہوئی اور اسے باعزت بری کر دیا گیا۔ نہ عدالت میں فائل پیش کی جا سکی نہ سرکاری وکیل کے منہ سے شبن خان کے خلاف کوئی لفظ نکل سکا نہ جج نے فیصلہ لکھنے میں کوئی تامل کیا۔ انکا مختلف سروں پر کودتی اور شرانگیزیاں کرتی رہی۔ میں اسی طرح شبن خان کو رہا کرانا چاہتا تھا ورنہ انکا کو جیلر سے رہائی کا حکم صادر کرانے میں دیر نہیں لگتی اور ان کاموں میں ذہن اتنا مشاق ہو گیا تا کہ شبن خان کا معاملہ تو بہت آسان نظر آتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ شبن خان کب رہا ہو گا۔ چنانچہ میں ہوٹل کا کرایہ ادا کر کے اور شاردا کو ایک نفیس ساڑی میں ملبوس کرا کے اسٹیشن پر پہنچ گیا۔ میں فرسٹ کلاس کی انتظار گاہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ شبن خان آموجود ہوا۔ انکا اسے وہیں لے آئی تھی۔ راحت گینڈے کے اڈے پر چھاپا پڑ چکا تھا اور اس کے تمام ساتھی گرفتار کر لیے گئے تھے۔ شبن خان نے انتظار گاہ میں قدم رکھا تو انکا اس کے سر سے اتر گئی اور شبن خان ہوش و حواس میں آ گیا۔ وہ اپنے چاروں طرف حیرانی سے دیکھنے لگا۔ میں اس کے سامنے بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ وہ دوڑ کر میرے گلے لگ گیا۔ ''خان صاحب! یہ سب کیا ہو گیا؟'' وہ خوشی سے کھلا جا رہا تھا۔

''میں نے جو وعدہ کیا تھا شبن خان، وہ پورا ہو گیا۔''

''تم وہ نہیں ہو جو مجھے نظر آتے ہو۔'' وہ آب دیدہ ہو کر بولا۔ ''مجھے بتاؤ تم کون ہو؟''

''شبن خان!'' میں نے ایک سرد آہ بھر کے کہا۔ ''ہاں، میں وہ نہیں ہوں۔''

''پھر تم کیا ہو؟''

''چھوڑو بھئی، یہ بتاؤ اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟''

''میں اب تمہارے ساتھ ہی رہنا چاہتا ہوں۔ تم نے ساتھ نبھایا ہے تو اب مجھے اپنے ساتھ ہی رکھو۔''

''سوچ لو۔ تمہارا اڈا، وہ قمار خانہ؟''

''میں اسے جلا دوں گا، تم نے مجھ میں سویا ہوا آدمی بیدار کر دیا ہے۔ مجھے اپنے قدموں میں رہنے کی اجازت دے دو خان صاحب!'' شبن خان رقت انگیز حالت میں گویا ہوا۔

میں نے اس کے لئے نیا نام تجویز کیا۔ ''آج سے تمہارا نام شہر علی خان ہے لیکن میں تمہیں شبن میاں ہی کہوں گا۔''

''آپ جو چاہیں کہیں۔'' شبن خان مارے احترام کے تم سے آپ پر آ گیا تھا۔ ''آپ میرے بڑے بھائی ہیں۔''

''تمہیں نئی زندگی مبارک ہو شبن خان، کامیابیاں تمہارے قدم چومیں۔ میں نے بھی تمہیں اپنا بھائی کہا ہے۔ میں تمہیں اپنے گھر کے لوگوں میں شامل سمجھتا ہوں اور وہیں تمہیں لے جا رہا ہوں۔'' میں نے حسرت سے کہا۔

''آپ جہاں چاہیں لے جائیں، اب میری ڈوری آپ سے بندھی ہوئی ہے۔'' شبن خان نے سر جھکا کر کہا۔

''آؤ چلیں۔'' میں نے شاردا کو اشارہ کیا۔

☆......☆......☆

میں پہلے شاردا کو گلبرگے میں چھوڑنا چاہتا تھا۔ ایک وہی دار الامان ان بدنصیب لڑکیوں کے لئے رہ گیا تھا۔ رکن الدین کے ہاں جاتے ہوئے مجھے جھینپ سی ہو رہی تھی لیکن اس کے گھر کے سوا اور کون سا گھر تھا؟ شبن خان اور شاردا کی تطہیر قلب کے لئے رکن الدین کے گھر سے اچھی جگہ اور کوئی نہیں تھی۔ میں نے پورا ڈبا ہی اپنے لیے محفوظ کرا لیا تھا۔ ڈبے کے باہر ''ریزرو'' کا کارڈ لگا ہوا تھا۔

میں شبن خان اور شاردا کو اپنی زندگی کے بعض واقعات سنا کر ان کے دلوں سے اپنا خوف دور کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سفر بہت پُر لطف طریقے سے کٹ رہا تھا۔ انکا بھی مزے سے سو رہی تھی۔ میں نے شاردا کی حفاظت کے خیال سے ڈبا اپنے ایک عمل سے جکڑ دیا تھا۔ ناگپور کے اسٹیشن پر شبن خان نے دروازہ کھول دیا اور نیچے اتر کے کچھ خریدنے چلا گیا۔ جب وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں کئی پتے تھے۔ اس کے پیچھے ہی ایک دراز ریش سادھو اندر داخل ہو گیا۔ میں اپنی برتھ سے چیخا۔ ''چلے جاؤ...... یہاں کیوں آئے ہو؟''

سادھو مسکرانے لگا اور اس کی ہیبت ناک آنکھوں میں نفرت سمٹ آئی۔ شبن خان اور شاردا دونوں سہم گئے تھے۔ میں نے شبن خان کے ہاتھ سے تمام پتے لے کر کھڑکی سے باہر پھینک دیے۔ سادھو نے شبن خان کی نظروں کے سامنے پتوں پر ایک جلتا ہوا کوئلہ رکھ دیا تھا۔ شبن خان کو پتا نہیں چلا اور وہ ڈبے میں داخل ہو گیا۔ اسی وقت ڈبے سے میری جکڑ بندیاں ختم ہو گئیں اور سادھو کو اندر آنے کا موقع مل گیا۔

''جمیل احمد خان! لڑکی مجھے دے دو۔'' سادھو نے گرج دار آواز میں مجھے حکم دیا۔

میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ مجھے اس کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو گیا۔ وہ ایک بڑا سادھو تھا۔ میں نے محتاط لہجے میں کہا۔ ''یہ لڑکی مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔''

"میں کہتا ہوں، اسے واپس کر دو۔" سادھو نے برہمی سے کہا۔

"تم بدری نرائن کو میرے حوالے کر دو۔"

"میں یہ لڑکی ابھی لے جا سکتا ہوں۔"

"تم یقیناً لے جا سکتے ہو مگر اس سے پہلے تمہیں جمیل احمد خان کی لاش پر سے گزرنا ہوگا اور جمیل احمد خان کو ختم کرنے کے لئے ابھی تمہیں پچاس سال نالکھ آشرم میں گزارنے پڑیں گے۔"

"میں تمہاری لاش سے گزر سکتا ہوں مگر تمہیں مارنا نہیں چاہتا۔" سادھو نے بے نیازی سے کہا۔

"پھر تم اس لڑکی کو نہیں لے جا سکتے۔"

"مجھے مجبور نہ کر، مورکھ!"

"یہ لڑکی میری ہے۔ تم اپنی شکتیاں آزما لو، میں اسے نہیں جانے دوں گا۔"

"یہ ایک ہندو پنڈت کی لڑکی ہے۔ اس پر تمہارا کوئی ادھیکار نہیں ہے۔" سادھو نے بھڑک کر کہا۔

"بدری نرائن کمینہ بھی تو ہندو ہے؟ تم ایک طرف جرم اور ظلم کی پشت پناہی کرتے ہو اور دوسری طرف ادھیکار کی بات کرتے ہو؟ تم ایک بڑے سادھو ہو۔ یہ لڑکی تمہارے ساتھ نہیں جا سکتی۔"

"مورکھ! یہ لڑکی تمہارے ساتھ خوش نہیں ہے۔ تم اسے اس کی مرضی کے بغیر اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتے۔"

"اگر یہ فیصلہ ہو جائے کہ یہ کس کے ساتھ جانے پر آمادہ ہے تو میں اس سے دست بردار ہونے کو تیار ہوں۔ سوچ لو تمہیں یہ شرط منظور ہے۔"

سادھو چند لمحے سوچتا رہا، پھر شاردا سے بولا۔ "لڑکی! تو ایک ہندو پنڈت کی لڑکی ہے۔ کیا تو نے خوب سوچ سمجھ لیا ہے کہ تو اس کے ساتھ جانا چاہتی ہے یا میرے ساتھ؟ خوب وچار کر لے۔ یہ مسلمان ہے اور اس نے کئی ہندو پنڈتوں، پجاریوں کو مار ڈالا ہے۔ میرے ساتھ پُن اور شانتی کے راستے پر چلنا چاہتی ہے یا اس کی طرف؟ بتا، اگر تو اس سے خوف زدہ ہے تو یقین رکھ۔ میں تجھے لے جانے کی شکتی رکھتا ہوں۔"

"ہاں شاردا! بتا دو...... تم فیصلہ کر دو۔" میں نے شاردا سے کہا۔

میں اس سادھو سے کوئی لڑائی مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ انکا نے بھی مجھے یہی مشورہ دیا تھا۔

شاردا دیر تک تذبذب میں مبتلا رہی۔ سادھو اور میں اس سے بار بار پوچھتے رہے۔ شبن خان اس کی طرف حسرت ناک نظروں سے دیکھتا رہا۔ آخر بڑی مشکل سے شاردا کے لب کھلے، سادھو نے انکا کو بھی اس کے سر پر جانے کی اجازت نہیں دی تھی۔ وہ انکا پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ آخر شاردا نے ہمت کی۔ اس نے میری طرف اشارہ کیا۔ "میں ان کے ساتھ جاؤں گی۔" یہ کہہ کر اس نے گردن جھکا لی۔

"تو نے...... تو نے فیصلہ دے دیا ہے۔" سادھو چونک کر بولا پھر آہستگی سے کہنے لگا۔ "ٹھیک ہے،

ی مرضی۔ بھگوان تجھے خوش رکھے۔" وہ بدبدانے لگا اور مجھ سے مخاطب ہوا۔ "جمیل احمد خان! تو جیت گیا، جا رہا ہوں۔"

میں نے اسے بٹھانا چاہا مگر وہ فوراً پلیٹ فارم پر اتر گیا اور بھیڑ میں گم ہو گیا۔ میں نے شاردا کے سر پر رکھ کے عہد کیا۔ "شاردا، میں تمہیں مایوس نہیں کروں گا۔"

ناگپور سے گاڑی چلی تو میں نے ڈبا دوبارہ محصور کر لیا۔ گلبرگے تک ہر طرف خطرہ ہی خطرہ تھا۔ گاڑی رفتاری سے چل رہی تھی کہ اچانک ایک گم نام اسٹیشن پر ٹھہر گئی اور کسی نے زور سے میرے دروازے پر ب لگائی۔ چٹخنی ٹوٹ کر گر گئی اور دروازہ ایک دھماکے کے ساتھ کھل گیا۔ میں چوکنا ہو گیا لیکن دوسرے ہی ے میری آنکھیں پھیل گئیں۔ سید مجذوب لاٹھی پٹکتا اوپر کی سمت آ رہا تھا۔ میں دروازے کی طرف دوڑ پڑا۔ میں نے اسے سہارا دے کر اندر لے جانا چاہا تو اس نے مجھے دھکا دے دیا۔

"پیرومرشد! تم؟" میں نے اس کے جلال سے مبہوت ہو کے کہا۔ "تم ہی یہاں آ سکتے تھے۔"

سید پر کھانسی کا شدید دورہ پڑا۔ شاردا نے اس کی خدمت میں پانی پیش کیا۔ سید نے اس کے سر پر اپنا نپتا ہوا ہاتھ رکھا اور آدھا پانی پیتے ہوئے اور آدھا گراتے ہوئے کہنے لگا۔ "یہ میری ہے، اسے مجھے دے ے اور اس کے بدلے یہ لاٹھی لے لے۔"

میں سید مجذوب کی اچانک آمد اور اس کے خلاف توقع مطالبے پر ششدر رہ گیا۔ وہ پھر عجیب و یب حالات میں میرے سامنے آ گیا تھا۔ ایک ثانیے کے لئے میں نے اس مرد قلندر کی آنکھوں میں ھانکنے کی کوشش کی لیکن اپنے تمام طنطنے کے باوجود اس سے نظریں نہیں ملا سکا۔ وہ سید ہی تھا۔ کوئی سادھو وپ بھر کر ڈبے میں داخل نہیں ہوا تھا۔ سید کی آمد اور روانگی کے بعد میں نے ڈبا پوری طرح محصور کر لیا۔ یہ پیر کامل اور صاحب کرامت تھا۔ اگر کوئی اور ہوتا تو اتنی آسانی اور بے باکی سے ڈبے میں قدم رکھنے کی ات نہ کرتا۔ ممکن تھا کہ جل کر خاک ہو جاتا۔

انکا میرے بالوں میں چھپ گئی تھی اور شبن خان برتھ پر بیٹھا سہمی سہمی نظروں سے سید کو گھور رہا تھا۔ بے میں جیسے کوئی زلزلہ سا آ گیا تھا۔ سید کے ہاتھ میں شاردا کا ہاتھ تھا۔ وہ اس سے خائف نظر نہیں آتی تھی۔ ڑی نے آہستہ آہستہ رینگنا شروع کر دیا۔ اس نامعلوم اسٹیشن پر وہ سید کے لئے ٹھہری ہوگی۔ میں گم صم کھڑا ھی سید کے چہرے کا جلال دیکھتا، کبھی اس کا نحیف و نزار ہڈیوں پر لٹکے ہوئے گوشت کا جثہ دیکھتا۔ میرے سے کوئی لفظ نہیں نکل رہا تھا۔

"بیٹھ جا، میرے سر پہ کیوں کھڑا ہے؟" سید نے گرج کر کہا۔ "کانوں میں سیسہ بھر لیا ہے۔ سنتا ہے، نے کیا کہا ہے؟ تاجر! میں کاروبار کرنے آیا ہوں، لے یہ لاٹھی لے لے اور لڑکی دے دے۔"

"پیرومرشد!" میں نے تڑپ کے کہا۔ "پیرومرشد! مجھے بھی خرید لو یا کہیں میرا سودا کرا دو۔"

''سودائی! بولی لگنے والی ہے۔'' اس نے نفرت سے کہا۔

''کب؟'' میں نے اضطراب سے پوچھا۔

''ابھی پیڑوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھا رہ اور اپنی کھال خشک کرتا رہا۔''

''عجب نا قابل بیان حالت ہے پیرومرشد۔''

''عشق کرنے سے پہلے شاعری کرتا ہے۔''

''میرے قدم زمین پر ٹھہر گئے ہیں۔ میں نے اپنے دل سے ہر چیز کھرچ کے پھینک دینے کی کوشش کی ہے۔''

''دل پر برما چلا خانماں برباد۔''

''سید، اے مردِ حق!'' میں نے عاجزی سے کہا۔ ''مجھے اپنے نزدیک بٹھالو۔ کیا اب بھی میں تمہارے قریب بیٹھنے کی سعادت حاصل نہیں کرسکتا؟ کیا ابھی تک میرے جسم سے بدبو آرہی ہے؟''

سید نے ناک سکیڑلی اور نفرت سے منہ بنا کے کہا۔ ''کھڑکیاں کھول دے، کھڑکیاں کھول دے۔''

میرے بجائے شبن خان نے جھٹ پٹ کھڑکیاں کھول دیں۔ ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا اور سید کے بال اس کے چہرے پر اڑنے لگے۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور بے نیازی سے کہنے لگا۔ ''بتا یہ کوہ نور مجھے دیتا ہے یا اپنے گلے میں ڈالے رہے گا۔ اسے میری جھول میں ڈال دے۔''

''پھر مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔'' میں نے مچل کے کہا۔ ''انکار نہ کرو، تم بہت عرصے بعد ملے ہو، میں بار بار بہک جاتا ہوں۔''

''لڑکی!'' اچانک سید نے شاردا کا ہاتھ چھوڑ کے اپنی لاٹھی کا رخ اس کی جانب کرتے ہوئے کہا۔ ''تو فیصلہ کردے، میں تجھے لینے آیا ہوں۔ بول کس کے ساتھ رہنا پسند کرے گی؟''

شاردا اس کی آواز سے لرزنے لگی اور اس نے میری طرف بدلی ہوئی نگاہوں سے دیکھا۔ شبن خان میرے قریب کھڑا تھا۔ میری نظریں شاردا پر مرکوز تھیں۔ میں ایک لمحے کے لئے بھول گیا کہ شاردا سے یہ سوال سید نے کیا ہے، اس سادھو نے نہیں جو ابھی تھوڑی دیر پہلے آیا تھا اور شاردا نے جس کے ساتھ جانے سے انکار کردیا تھا اور دوسرے ہی لمحے میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''بابا! میں اپنا جیون تمہارے چرنوں میں بتانا پسند کروں گی۔''

شاردا کی آواز میں کوئی کھوٹ نہیں تھی۔ وہ اپنا فیصلہ سنا چکی تھی۔ سید فاتحانہ انداز میں مسکرانے لگا۔ پھر لاٹھی میری جانب اچھالتے ہوئے بولا۔ ''سودا منظور ہے۔ اسے سنبھال کے رکھ لڑکی میری ہوگئی۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور بے اختیار سید کی لاٹھی اٹھا کر عقیدت سے چومنے لگا۔ یہ دیکھتے ہی شبن خان نے تیزی سے لپک کے سید کے پیر تھام لیے اور گلوگیر آواز میں بولا۔ ''بابا! مجھے بھی اپنے ساتھ

چلو بابا مان جاؤ۔ ہم سب تمہارے ساتھ چلتے ہیں، ہم سب کو تمہاری ہدایت کی ضرورت ہے۔''

''چل پرے ہٹ۔'' سید نے شبن خان کو دھتکار دیا۔

''پیر مت چھوڑنا شبن خان، سید کے پیر مت چھوڑنا۔'' میں نے شبن خان سے کہا۔

شبن خان نے اور مضبوطی سے سید کے پیر پکڑ لیے۔ سید نے انہیں چھڑانا چاہا مگر شبن خان اڑا رہا۔

''اسے بہکاتا ہے، اسے بھی اپنے ساتھ لیتا جا، خوب گزرے گی، دونوں کتے جب ایک ساتھ بھونکیں گے۔''

''میں اب تمہارے ساتھ ہی جاؤں گا۔'' شبن خان نے گستاخی کی حد تک سید سے اصرار کیا۔

میں سمجھا سید غضب میں آجائے گا لیکن سید کے چہرے پر فرشتوں کی سی معصومیت چھا گئی اور وہ شبن خان کے بال پکڑ کے بولا۔ ''استاد کو تنہا چھوڑ رہا ہے پگلے!''

''پیرومرشد۔ بس کرو، میں پہلے ہی بہت ٹوٹا ہوا ہوں۔'' میں نے ہذیانی انداز میں کہا۔

''سیڑھی کے بغیر آسمان پر چلا جا، چلا جا۔ ٹوٹے ہوئے آدمی!'' سید نے ہاتھ نچاتے ہوئے حقارت سے کہا۔

''خدا کے لئے سید!'' میں نے کرب سے کہا۔ ''خدا کے لئے بس کرو۔ میں سب کچھ بھول جانا چاہتا ہوں۔''

''نا...... نا...... نا!'' سید نے ہاتھ ہوا میں لہرائے۔ ''پیشانی زمین پر رکھی تو گرد آلود ہو جائے گی، زخم پڑ جائے گا۔ سلامت جان، نزاکت جان سے آشنائی نہ رہے گی۔''

''ٹھیک ہے پیرومرشد۔ ان سب کو لے جاؤ، مجھے تنہا چھوڑ دو۔ ہاں میرے فشار میں کوئی کمی ہے یا ان خانہ کوئی آلودگی ہے؟ میں اپنے ہونٹوں کو تالا لگا لیتا ہوں۔'' میں نے گریہ کیا۔

''لاٹھی سنبھال کے رکھنا ٹھوکر لگ جائے گی۔''

''آپ دعا کریں سید۔'' میں نے اپنے آنسو پیتے ہوئے کہا۔

''پیشانی مٹی پر رگڑ۔''

''کتے بھونکنے لگتے ہیں۔''

''لاٹھی سے انہیں بھگا دینا۔ لاٹھی چلانا سیکھ لے۔'' سید نے مسکرا کے کہا۔ انکا میرے بالوں میں دبکی تھی۔ شبن خان نے ابھی تک سید کے پیر پکڑے ہوئے تھے۔ شاردا نظریں جھکائے کھڑی تھی۔ سیّد نے دروازے سے باہر کی جانب دیکھا۔ گاڑی کی رفتار مدھم پڑ رہی تھی۔ میں سیّد کے چہرے پر نرمی تلاش کر رہا تھا۔ سید نے بال پکڑ کے شبن خان کو اٹھایا اور اس کے گال پر ہلکی سی چپت لگائی۔ ''چل اٹھ!'' اس نے نفرت سے کہا۔ گاڑی اسٹیشن کے بغیر ایک سنسان جگہ پر رک گئی تھی۔ سید نے ہُوحق کا ایک نعرہ لگایا۔ شاردا

اور شبن خان نے پُرامید اور یاس بھری نظروں سے میری طرف دیکھا۔ ہمارے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ وہ تینوں خاموشی سے اتر گئے۔ میں نے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کی۔ گاڑی چند ثانیوں کے بعد حرکت میں آ گئی۔ انکا نے بھی میرے بالوں کی پناہ گاہ سے سر ابھارا۔ اس کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی۔ جب یہ سارا واقعہ گزر گیا تو مجھے ہوش آیا۔ میرے ہاتھوں میں سید کی لاٹھی تھی۔ میں کسی بیمار اور نادار کی طرح برتھ پر گر پڑا۔ انجن کی چنگھاڑتی ہوئی سیٹی کلیجے میں چبھ رہی تھی۔ میری آنکھیں خود بخود بند ہونے لگیں اور میں نے سید کی لاٹھی اپنے سینے سے لگا لی۔

☆......☆......☆

کچھ ہی دیر بعد آنکھ کھل گئی، ذہن پر بوجھ طاری تھا۔ انکا میرے سر پر کھڑی خلاؤں میں گھور رہی تھی۔ سید آیا اور چلا گیا۔ وہ اپنی جھلکی دکھا کے چلا گیا اور میرے سینے میں آگ پھونک گیا۔ سید اچانک کیوں آ گیا اور اس نے شاردا کو لے جانے میں اتنی دلچسپی کیوں لی؟ یقیناً سید نے کوئی مصلحت سمجھی ہوگی۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ میرے حال و اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔

میری سوچوں میں انکا نے خلل ڈالا اور اس کی آواز میں گھبراہٹ تھی جو کسی آنے والے خطرے کی گھنٹی تھی۔

''جمیل! اگلا اسٹیشن آنے میں ابھی تھوڑی دیر باقی ہے۔ میں ڈرائیور کے سر پر جا کے گاڑی رکواتی ہوں۔ تم اسٹیشن آنے سے پہلے اپنا سفر ترک کر دو۔ یہیں آبادی سے دور اتر جاؤ۔''

''کیوں؟'' میں نے چونک کے پوچھا۔ ''تم کیا دیکھ رہی ہو؟''

''وقت کم ہے جمیل خان!'' انکا تشویش ناک آواز میں بولی۔

''شاردا کی بازیابی کے لئے پولیس گارڈ اسٹیشن پر موجود ہے۔ تم ان کے لئے نئے آدمی نہیں ہو۔ بدری نرائن نے شاردا کے اغوا سے تمام پنڈتوں، پجاریوں کو مطلع کر دیا ہے۔ حالات خراب ہو سکتے ہیں۔ کسی بڑے خطرے سے بچنے کے لئے بہتر ہے کہ تم یہیں اتر جاؤ۔''

''اوہ......'' میں نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''یہ بات ہے، ان سے بھی نمٹ لیا جائے گا۔ تم اتنی خوف زدہ کیوں ہو؟''

''میں تنہا کس کس کے سر پر اچھلتی رہوں گی۔ حالات سمجھنے کی کوشش کرو۔'' انکا نے مضطرب آواز میں کہا۔

''یہ ہندوستان ہے انکا رانی! یہاں قدم قدم پر پنڈت اور پولیس والے موجود ہیں۔ تم ان سے کہاں بچو گی؟ جو کچھ اب تک ہوتا رہا ہے، وہی پھر ہو جائے گا۔'' میں نے پاؤں پسار کے کہا۔

''میں کہتی ہوں میری بات غور سے سنو۔ جس سادھو نے شاردا کو حاصل کرنے کی کوشش کی تھی، اس

کے دو ساتھی اس وقت بھی دائیں بائیں ڈبوں میں موجود ہیں۔ ان دونوں کی گواہی پولیس کے لئے بڑی اہم ہوگی۔''

''کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا ہوگا کہ شاردا اور شبن خان سید کے ساتھ جا چکے ہیں۔''

''ضروری نہیں ہے جمیل!'' انکا تیزی سے بولی۔ ''یہ بوڑھا شخص پُراسرار قوتوں کا مالک ہے۔''

''ہاں، وہ ایک بہت بڑا بزرگ ہے۔'' میں نے فخر سے کہا۔

''تم اس کے سامنے بھیگی بلی بن جاتے ہو۔''

''میں اس کے بارے میں تمہاری رائے سے آگاہ ہوں انکا، بس آگے کچھ نہ کہنا۔ تم اپنی زبان کو لگام دیے رکھو۔'' میں نے بے رخی سے کہا۔

''تم بعض اوقات ایسے لہجے میں بات کرتے ہو جیسے میرا تم سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔'' انکا ناراضی سے بولی۔

''تم مجھ سے التفات کا وعدہ کرنے کے باوجود پوری طرح میرے جذبات و احساسات میں شامل بھی تو نہیں ہو پائیں۔''

اسٹیشن قریب آ رہا تھا۔ انکا روٹھے ہوئے انداز میں آلتی پالتی مار کے میرے سر پر بیٹھ گئی۔ اس کی نظریں چمک رہی تھیں۔ انکا کے اندیشے غلط نہیں ہو سکتے تھے مگر شاردا اور شبن خان کی عدم موجودگی میں پولیس کا سامنا کرتے ہوئے مجھے کوئی جھجک محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ گاڑی کی رفتار بتدریج سست ہو رہی تھی۔ میں نے کھڑکی سے باہر سر نکال کے دیکھا۔ صرف ایک آدمی کو گرفتار کرنے کے لئے پلیٹ فارم پر باوردی اور مسلح سپاہیوں کی بھاری تعداد موجود تھی۔ گاڑی جیسے ہی پلیٹ فارم کی حدود میں داخل ہوئی پولیس نے اسے اپنے نرغے میں لے لیا۔ کسی مسافر کو نیچے اترنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ انکا تشویش ناک انداز میں میرے چہرے پر بکھرے ہوئے اطمینان کا جائزہ لے رہی تھی۔ میں کھڑکی سے ہٹ کے دوسری برتھ پر چلا گیا تھا۔

میری نگاہیں پلیٹ فارم پر تھیں کہ اچانک انکا نے کہا۔ ''جمیل وہ سامنے جو آدمی نسواری دھوتیوں میں کھڑے ہیں، یہی اس سادھو کے چیلے ہیں جس نے شاردا کو تم سے حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔''

میں نے ان دونوں پجاریوں کو غور سے دیکھا۔ وہ دونوں اوسط درجے کے تھے۔ پولیس افسران جلد ہی ان کے قریب پہنچ گئے۔ کچھ دیر تک ان کے درمیان کھسر پھسر ہوتی رہی پھر افسران ان دونوں کے ہمراہ میرے ڈبے کی جانب گھوم گئے۔ آدھے درجن سپاہی رائفلیں لیے افسروں کے ساتھ تھے۔ میں اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ افسران دونوں مخبروں سمیت ڈبے میں گھس آئے۔ میں نے انہیں وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔ ''تمہارا نام کیا ہے؟'' ایک افسر نے کرخت لہجے میں مجھ سے پوچھا۔

"خاکسار کو جمیل احمد خان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ فرمائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟" میں نے شائستگی سے کہا۔ دونوں پجاری ڈبے میں چاروں طرف نظریں دوڑا رہے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے بیت الخلا بھی کھول کر دیکھ لیا۔

"تمہارے ساتھ شاردا نامی لڑکی سفر کر رہی تھی؟" پولیس افسر نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "ہمیں اس لڑکی کی تلاش ہے۔"

"بڑی دلچسپ بات ہے، آپ مجھے دیکھ رہے ہیں کہ میں تنہا سفر کر رہا ہوں۔" میں نے شوخی سے کہا۔

"یہ جھوٹ بولتا ہے مہاشے!" ایک پجاری نے اپنی نسوانی آواز میں کہا۔ "پچھلے اسٹیشن تک ہم نے لڑکی کو اسی ڈبے میں دیکھا تھا۔"

"خوب، کیا اچھا مذاق ہے۔ ایک لڑکی چھو منتر ہو گئی۔ اسٹیشن سے اسٹیشن تک چلتی گاڑی میں سے ایک سموچی لڑکی غائب ہو گئی۔"

"بتاؤ لڑکی کہاں ہے؟" پولیس افسر نے درشت لہجے میں پوچھا۔

"کیا تم نے میری بات پر غور نہیں کیا؟"

"ہم دوسری طرح بھی اگلوانا جانتے ہیں۔"

"مجھے آپ حضرات کے کارناموں کا پورا علم ہے۔"

"شٹ اپ!" وہ تحکمانہ لہجے میں بولا۔ "سیدھی طرح لڑکی کا پتا بتا دو۔ میں ہاں کے سوا کوئی لفظ سننا پسند نہیں کرتا۔"

"تم نے مجھے چھیڑنے سے پہلے غور کر لیا تھا؟"

"گدھا!" وہ ایک دم دہاڑا۔ "میرا نام سنا ہے؟"

"ہاں نریش کمار جی! آپ کا نام کس نے نہیں سنا؟" میں نے طنزاً کہا اور کچھ توقف کے بعد آنکھیں کھول کر بولا۔ "تم حالات کے جس دوراہے پر کھڑے ہو وہاں ایک جانب ترقی ہے اور عزت بھی۔ اور دوسری جانب رسوائی۔ سمجھے؟ اب تم یہاں سے نو دو گیارہ ہو جاؤ، دفع ہو جاؤ، مجھے مت چھیڑو۔"

"کیا بکتا ہے؟" وہ حقارت سے بولا۔ "تجھے ہمارے ساتھ چوکی تک چلنا ہوگا، چل کھڑا ہو جا۔"

"تمہاری مرضی ہے۔" میں معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے اٹھا۔ "میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں لیکن اتنا یاد رہے کہ مجھے ساتھ لے جا کے تم اپنی رسوائی کو دعوت دے رہے ہو۔"

"بکواس بند کرو ورنہ چمڑی ادھیڑ کر رکھ دوں گا۔" پولیس افسر جو مقامی ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ تھا، انتہائی کرخت آواز میں بولا۔

"زبان کو لگام دو ڈپٹی صاحب!" میں نے بگڑے ہوئے تیوروں سے کہا۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ میں

پس چوکی جانے سے بیشتر اس بنگلے تک پہنچ جاؤں جس کی چوکیداری بلاوجہ نہیں کی جا رہی ہے۔"

"تم ....." ڈپٹی ہکلا کے رہ گیا۔ میرے ایک ہی جملے نے اس کے کس بل ڈھیلے کر دیئے تھے۔ انکا نے مجھے بتایا تھا کہ ڈپٹی ان دنوں ایک لڑکی کے عشق میں گرفتار ہے اور اس نے اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ اٹھا کے اسے اغوا کرا لیا ہے۔ لڑکی ایک بنگلے میں چھپائی گئی ہے اور اس بنگلے پر کئی قابل اعتماد افراد پہرا دے رہے ہیں۔ یہ محض اتفاق کی بات تھی کہ ڈپٹی ان دنوں اس کشمکش میں مبتلا تھا۔ ویسے بھی ڈپٹی کے بہت سے راز میں اس کے سامنے اگل سکتا تھا۔ میں نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ ماتحتوں کی موجودگی میں وہ کھل کے بات کرنے سے گھبرا رہا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں خوف جاگ اٹھا تھا۔ میں نے اسے اور مغلوب کرنے کے لئے کہا۔ "اور سن.....! تفتیش کے کاغذات کس کی مرضی سے مرتب کیے جا رہے ہیں، مجھے معلوم ہے تو سب سے زیادہ اعتماد جس کمینے پر کر رہا ہے، وہی کم اصل نکلے گا۔"

ڈپٹی کے چہرے پر ایک رنگ آ کے گزر گیا۔ وہ پوری طرح میرے قبضے میں تھا لیکن مخبروں اور ماتحتوں کی موجودگی میں کچھ کہنے سے قاصر تھا۔ میں اس کی مجبوری کا اندازہ لگا چکا تھا۔ چنانچہ میں نے ایک پجاری کو مخاطب کیا۔ "مہاشے! اپنا سمے کیوں برباد کر رہے ہو۔ جاؤ جا کر مہابیر کا جیون نشٹ کرو، وہ راون تمہارے وشواش کو دھوکا دے رہا ہے۔ اپنی پتی ورتا دھرم پتنی کو نالکھ آشرم کی یاترا پر لے جاؤ۔ اس کے شریر کا میل دھل جائے گا۔"

"مہاراج!" پجاری نے بڑھ کے میرے چرن چھوتے ہوئے کہا۔ "مجھ سے بھول ہوئی ہے۔ تم مہا پُرش ہو، تمہارے گیان دھیان میں کوئی کھوٹ نہیں، شیو شنکر، شیو شنکر۔"

ڈپٹی چلا گیا۔ میں سید کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اگر شبن خان اور شاردا میرے ساتھ ہوتے تو حالات کچھ اور ہوتے۔

☆......☆......☆

اس واقعے کے بعد میں خود کو خاصا سرد محسوس کر رہا تھا۔ گرد و پیش کچھ ہلکا ہلکا سا لگ رہا تھا۔ ایسے لمحے میرے نصیب میں شاذ ہی آتے ہیں۔ میں نے جب اپنی ذات کے بکھیڑوں پر غور کرنا شروع کیا تو معلوم ہوا میں ایک آزاد شخص کہاں ہوں؟ سکون کی یہ لہر تو کبھی کبھی آتی ہے اور آتے ہی گزر جاتی ہے اور پھر وہی آندھیاں چلنے لگتی ہیں۔ سردی نفس کو تازگی بخشتی ہے لیکن زخموں میں ٹیسیں پیدا کر دیتی ہے۔

گاڑی گلبرگہ کی طرف بھاگ رہی تھی۔ میرے خیالوں کی رفتار اس سے کہیں زیادہ تیز تھی۔ گاڑی کسی اسٹیشن پر ٹھہر جائے گی مگر میرے خیالوں، میری الجھنوں اور فکروں کا سفر ختم نہیں ہوگا۔ کون جانے ہر واقعہ رہنے کے بجائے ایک نئے خطرے کی بنیاد رکھ دیتا ہے۔

گلبرگے میں شریف النفس، خدا ترس رکن الدین نے اپنی وضع داری قائم رکھی۔ اس نے کشادہ قلبی

سے میرا استقبال کیا۔ اس کے مکان میں میرے لیے ایک کمرہ مخصوص تھا جہاں میری عدم موجودگی میں بھی صفائی ستھرائی کی جاتی تھی چونکہ میرے آنے کا کوئی وقت مقرر نہیں تھا۔ رکن الدین کے اصرار پر میں نے غسل کیا اور کپڑے تبدیل کیے۔ تمام گھر والے کسی شادی میں گئے ہوئے تھے۔ شام تک وہ لوگ آ گئے۔ میں اس وقت دیوان خانے میں بیٹھا ہوا تھا۔ میری آمد کی اطلاع سن کے سبھی لوگ دوڑے دوڑے وہاں پہنچ گئے۔ زرافشاں اور درخشاں۔ ناہید کی چھوٹی بہن طلعت، رکن الدین کی بیوی، میں نے ان سب کے ہاتھوں کو بوسے دیے اور انہیں اپنے قریب بٹھالیا۔ زرافشاں، درخشاں یہاں پوری طرح مطمئن معلوم ہوتی تھیں۔ ان کے حسن اور دلکشی میں اب ایک سکون جھلکتا تھا۔ وہ میرے دائیں بائیں بیٹھ گئیں۔ ناہید کی چھوٹی بہن طلعت شوخی پر مائل تھی۔ وہ اشاروں اشاروں میں مجھ سے کچھ کہنا چاہتی تھی۔ میری اس کی نبھنے بھی خوب لگی تھی چنانچہ میں نے اس کی شوخی کا سبب دریافت کیا تو وہ شرارت سے بولی۔ ''ابھی پردہ اٹھنے والا ہے، آپ کے خاندان میں دو نئے چہروں کا اضافہ ہوا ہے۔ ہم نے انہیں آپ کے سامنے پیش نہیں کیا۔ پہلے آپ وعدہ کیجئے کہ اس بار زیادہ دن قیام کریں گے پھر بتائیں گے کہ وہ کون ہیں؟''

''نہیں، پہلے بتاؤ۔'' میں نے اس کے کان پکڑتے ہوئے کہا۔

''نہیں، پہلے وعدہ کیجئے۔'' وہ کان چھڑاتے ہوئے بولی۔

''اچھا بھئی وعدہ کیا۔'' میں ان شوخیوں سے لطف لینے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ دل ڈوب سا گیا تھا لیکن ان کی باتوں میں ایسا خلوص تھا، ایسی چاشنی اور دلچسپی تھی کہ مجھے ردعمل کا اظہار کرنا پڑا۔ میں نے زیادہ دن ٹھہرنے کا وعدہ کرلیا۔

طلعت نے تالی بجائی۔ ''آ جائیے، آ جائیے۔'' اس نے زور زور سے کہا۔ انکا بھی مسکرا رہی تھی۔ دیوان خانے کا ایک پردہ ہلا اور میں نے دیکھا کہ ایک جامہ زیب نوجوان، غرارے میں ملبوس ایک حسین لڑکی کے ساتھ اندر داخل ہو رہا ہے۔ میں پہلی نظر میں نہیں پہچان سکا۔ وہ شبن خان اور شاردا تھے۔ میں انہیں یہاں دیکھ کے دنگ رہ گیا۔ دونوں نے قریب آ کے آداب کیا پھر شبن خان دوڑ کے مجھ سے لپٹ گیا۔ سیاہ شیروانی اور چوڑی دار پائجامے میں وہ کوئی شہزادہ معلوم ہوتا تھا۔ شاردا بھی کوئی شہزادی لگ رہی تھی۔ لڑکیوں نے ان کے لئے جگہ چھوڑ دی۔ وہ دونوں میرے نزدیک بیٹھ گئے۔ شاردا کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔ میں نے اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا۔ ''تم دونوں بھی یہاں آ گئے؟'' میں نے تعجب سے پوچھا۔

''جی ہاں۔'' رکن الدین نے وضاحت کی۔ ''ان دونوں کو یہاں سید بابا لائے تھے۔ بعد میں جو کچھ ہوا، اس میں بھی سید صاحب قبلہ کی مرضی کو دخل تھا حالانکہ میں نے چاہا تھا، آپ کو اطلاع دے کے بلا لیا جائے لیکن بابا نے اس کا موقع نہیں دیا۔''

میں نے شاردا کو حیرت سے دیکھا۔ ''شاردا، تم یہاں خوش ہو؟''

وہ شاخ گل کی طرح لجا گئی۔ طلعت بولی۔ ''شاردا نہیں، انہیں یاسمین کہئے، بیگم یاسمین شبر خان۔''

یاسمین شبر خان شرما گئی اور کمرے سے نکل گئی۔ اس کے پیچھے درخشاں، زرافشاں بھی مسکراتی ہوئی چلی گئیں۔ رکن الدین نے مجھے بتایا کہ شاردا اپنی مرضی سے حضرت خواجہ گیسودرازؒ کے مزار پر مسلمان ہوئی ہے اور سید مجذوب کی مرضی سے شبر خان کے ساتھ منسوب کردی گئی ہے۔ میرے پاس بیٹے کی کمی تھی، سو وہ بھی اللہ نے پوری کردی۔'' رکن الدین خوش دلی سے بولا۔

☆......☆......☆

میں عموماً اپنے کمرے میں بند ہو کے مشقیں کرتا رہتا۔ انکا اکثر کے نیچے چلی جاتی اور زری رخشی کے سروں پر کھیلتی، اودھم مچاتی رہتی تھی۔ ایک روز دوپہر کے وقت جب میں کھانے سے نمٹا ہی تھا کہ انکا میرے سر پر وارد ہوگئی۔ ''کیسے آ گئیں؟'' میں نے اس کی بدلی ہوئی شکل دیکھ کے پوچھا۔

''جمیل! میں تمہیں ایک بہت منحوس خبر سنانے آئی ہوں۔''

میں نے کوئی تجسس ظاہر نہیں کیا۔ انکا تیزی سے بولی۔ ''امرلال بمبئی پہنچ کر اپنا وار کر گیا۔''

''کیا!'' میں اچھل پڑا۔ میرا ذہن فوراً تزئین اور سید غوث کی طرف گیا۔ انکا کی اطلاع کسی بم کی طرح میرے دماغ پر پھٹی۔

''امرلال آج صبح وندھیاچل سے لوٹا ہے، بدری نرائن اس کے ہمراہ ہے اور تمام واقعات سن کے وہ زخمی شیر کی طرح پاگل ہوگیا ہے۔ امرلال تمہارے پتے سے آگاہ ہے لیکن وہ یہ بھی جانتا ہے کہ رکن الدین کی حویلی اس کی دسترس سے باہر ہے چنانچہ اس نے یہ اوچھا ہتھیار تمہیں اس حویلی سے باہر لانے کے لئے استعمال کیا ہے۔''

''تم کہہ رہی تھیں کہ امرلال بمبئی پہنچ کے اپنا وار کر گیا ہے۔'' میں نے غصے سے پوچھا۔ ''مجھے بتاؤ انکا کہ اس نے کس مظلوم کو نشانہ بنایا ہے؟''

''آنند لال کو۔'' انکا نے جواب دیا۔ ''مالا کو ابھی تک اپنے پتی کی موت کی خبر نہیں ہوئی ہے۔ آنند لال کی لاش مسخ کر کے ساحل پر ڈال دی گئی ہے۔''

میرا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا۔ فوراً نیچے اترا اور رکن الدین کو علیحدگی میں لے جا کے حالات سے باخبر کیا۔ وہ بھی سکتے میں آ گیا، اب میرا گلبرگے میں رکنا نامناسب تھا۔ چنانچہ میں نے رکن الدین کو سمجھاتے ہوئے کہا کہ وہ اس سانحے کا گھر کے کسی فرد سے تذکرہ نہ کرے۔ بمبئی پہنچ کے حالات کیا رخ اختیار کریں گے؟ اس کا مجھے خود علم نہیں ہے۔ رخشی اور زری کی منگنی کردی جائے اور کسی کو گلبرگے سے باہر نہ جانے دیا جائے۔

''میں حضرت سید بابا کو تلاش کرتا ہوں۔'' رکن الدین نے غم زدہ لہجے میں کہا۔

"وہ مل جائے تو ٹھیک ہے ورنہ تم دعائیں کرتے رہنا۔"

"مجھے بھی اپنے ہمراہ لے چلئے۔"

"نہیں رکن الدین!" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "زندہ رہا تو ایک بار تم سے ملنے ضرور آؤں گا۔ مر جاؤں تو میری خطائیں معاف کر دینا۔"

رکن الدین میری دل گرفتہ باتیں سن کے آب دیدہ ہو گیا۔ میں نے اسے صبر کی تلقین کی اور سید کی لاٹھی اٹھا کے کسی اور کو اطلاع دیے بغیر گلبرگے سے روانہ ہو گیا۔ روانگی سے پہلے میں نے خود کو بیرونی طاقتوں سے محفوظ رکھنے کے لئے پوری طرح محصور کر لیا۔ انکا بھی میری طرح بے چین نظر آ رہی تھی۔ سفر کا ذکر فضول ہے۔ بمبئی پہنچنے تک ہم دونوں اپنے اپنے خیالوں میں غرق رہے۔ میں بمبئی اسٹیشن پر اترا تو انکا نے مجھے ایک نئی اطلاع دی۔

"جمیل! بدری نرائن اور امر لال مالا کو اغوا کر چکے ہیں۔ تم نے شاردا کو اغوا کر کے جو جال بدری نرائن کے لئے بچھایا تھا۔ وہی طریقہ وہ بھی استعمال کر رہے ہیں۔"

"باقی لوگوں کا کیا حال ہے؟"

"باقی لوگ ابھی تک محفوظ ہیں۔ مالا اور آنند لال کے بارے میں انہیں خبر ہو گئی ہے اور وہ سخت پریشان ہیں۔"

"مالا کہاں ہے؟" میں نے کچھ فیصلے کرتے ہوئے سپاٹ آواز میں دریافت کیا۔

"مالا کی بازیابی کا ارادہ ترک کر دو، امر لال کی طاقت کا کرشمہ تم اس وقت بھی دیکھ چکے ہو جب تم نے بدری نرائن کو بھگوان داس کے گھر سے باہر لانے کی کوشش کی تھی۔" انکا کے لہجے میں مایوسی تھی۔

میں جھلاہٹ میں اس پر برس پڑا۔ "میں تم سے مشورہ نہیں، مالا کا پتا طلب کر رہا ہوں۔"

"جلد بازی میں کوئی قدم مت اٹھانا جمیل! تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ دور اندیشی سے کام لو۔ مالا جہاں قید ہے، وہاں تک تمہاری رسائی مشکل ہے۔" انکا نے کترانے کی کوشش کی۔

میں اور بپھر گیا۔ "دفع ہو جاؤ۔ مجھے تمہاری نصیحتوں کی ضرورت نہیں ہے۔"

"میں تمہاری دشمن نہیں ہوں۔" انکا لجاجت سے بولی۔

"میں مالا کا پتا خود جان سکتا ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تم جان سکتے ہو، تم ہر بات معلوم کر سکتے ہو۔" انکا نے سہم کے کہا۔ "مگر تم نے ہر موقع پر اپنی جلد بازی سے نقصان اٹھایا ہے۔ سنو بدری نرائن نے امر لال کی ہدایت پر مالا کو یہاں سے دس [illegible]ں دور ایک پرانے مندر میں قید کر رکھا ہے۔ امر لال بھی بدری نرائن کے ساتھ وہیں گھات لگائے بیٹھا ہے۔ انہیں یقین ہے کہ تم وہاں ضرور پہنچو گے۔"

"ان کا یقین درست ہے۔ مجھے ان کے پاس جانا ہی ہوگا۔" میں اسی راستے پر چل پڑا جو پرانے مندر کی طرف جاتا تھا۔ انکا کے چہرے پر تشویش کے بھیانک تاثرات نظر آ رہے تھے۔ وہ بے چینی اور کرب کی حالتوں سے دوچار تھی۔ وہ کبھی پُر خیال انداز سے خلاؤں میں گھورنے لگتی، کبھی میرا چہرہ تکنے لگتی۔ میسور جاتے وقت اس نے کچھ سنگین پیش گوئیاں کی تھیں۔

"دو فریقوں کی جنگ کا انجام ہمیشہ ایک فریق کی شکست کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ مجھے زندگی کی کوئی تمنا نہیں رہی ہے۔ میں مر گیا تو تم بھی آزاد ہو جاؤ گی۔" میں نے راستے میں انکا سے کہا۔

"میں نے صرف دور اندیشی سے کام لینے کا مشورہ دیا ہے، جو جیتے گی، ساتھ جیتے گی۔ میں تمہارا ساتھ ہوں۔" انکا نے عزم سے کہا۔

میری رفتار خاصی تیز تھی۔ امر لال نے مجھے مدعو کیا تھا۔ میں اس کی دعوت پر افتاں و خیزاں جا رہا تھا۔ ایک بار پہلے میں ایک ذرا سی غفلت سے اس کے ہاتھوں شکست کھا چکا تھا۔ یہ مردانگی کی توہین تھی۔ یہ جمیل احمد خان کی توہین تھی کہ میں اپنے دوست کی موت پر خاموش بیٹھ جاتا۔ آگے جا کر میں تقریباً بھاگنے لگا۔ پرانے مندر سے میرا فاصلہ پچاس گز کے قریب رہ گیا تو انکا نے مجھے روکتے ہوئے کہا۔ "ذرا ٹھہرو! امر لال نے مندر کے گرد ویسا ہی حصار قائم کر رکھا ہے جیسا بھگوان داس کے گھر کے اطراف میں تھا۔ تمہیں آگے بڑھنے سے پہلے وہ دیوار مسمار کرنی ہوگی۔"

"اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ امر لال مجھے گلبرگے سے یہاں کھینچنا چاہتا تھا۔ میں اس کے مقابلے میں آ گیا ہوں۔ مجھے یقین ہے وہ خود ہی مجھ سے الجھنے کے لئے باہر آ جائے گا۔" میں نے سید کی لاٹھی پر اپنی گرفت جماتے ہوئے کہا۔ میں نے ہر ممکن تدبیر اختیار کر لی تھی اور میری نظریں اس پرانے مندر کے گرد گھوم رہی تھیں جو ویران نظر آ رہا تھا۔ امر لال سے مجھے اس بات کی توقع ہرگز نہ تھی کہ وہ چھپ کر وار کرے گا۔ میں کچھ فاصلے پر ٹھہر گیا اور امر لال کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگا۔ جب کچھ دیر ہو گئی تو میں نے محتاط انداز میں آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ مندر سے بیس گز کے فاصلے پر میں پھر ٹھہر گیا اور میں نے بلند آواز میں بدری نرائن کو للکارا۔ "او بزدل پنڈت! اگر مرد ہے تو باہر نکل کے کھل کے آخری بار مقابلہ کر لے اور اپنے جی کا حوصلہ نکال لے۔"

میری چیخ پکار ضائع نہیں ہوئی۔ میں نے بدری نرائن اور امر لال کو مندر سے باہر نکلتے دیکھا۔ امر لال کے چہرے پر گہرا سکوت تھا لیکن اس کی آنکھیں انگارا اگل رہی تھیں۔ بدری نرائن اس سے تین قدم پیچھے چل رہا تھا۔ امر لال کچھ فاصلے پر رک گیا۔ اس سے قبل کہ وہ کچھ کہے، میں نے پہل کی۔ "امر لال مہاراج!" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ "تم نے مجھے یاد کیا تھا، میں آ گیا ہوں۔"

"میں دیکھ رہا ہوں بالک کہ تو آ گیا ہے۔ پر میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ تیرے کس بل ابھی نہیں نکلے۔"

میرا اصول ہے کہ میں کوئی کشٹ دینے سے پہلے شما کا پورا موقع دیتا ہوں۔'' امرلال نے رعونت سے کہا۔

''یہ مذاق اس موقع پر مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ تم میری طاقتوں کے بارے میں بھی جانتے ہو اور یہ بھی جانتے ہو کہ میں اپنے ارادے کا کتنا مضبوط شخص ہوں۔ اپنے مہمان کا خیال کرو اور اسے عزت سے بیٹھنے کے لئے کہو اور تحفے کے طور پر مالا اور بدری نرائن اسے دے دو۔ سورگ میں تم بڑے شانت رہو گے اور بھگوان بھی خوش ہوگا۔'' میں نے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔

وہ میرے جواب سے جز بز ہوگیا اور گمبھیر آواز میں بولا۔ ''بدری نرائن بھی تیرا دوست ہے، تیرا جھگڑا ختم ہو جائے گا۔ مالا بھی تجھے مل جائے گی۔ تجھے بہت کچھ مل جائے گا پر تو اس طرح کی باتیں کرنا چھوڑ دے اور دھرم کی بات کر۔ تو میرے ساتھ وندھیا چل چلنا۔ میں تجھے جاپ کے کئی کٹھن آسن بتاؤں گا۔ پھر تیری آتما پوتر ہو جائے گی اور تجھے بڑا مان ملے گا۔''

''ان باتوں کا جواب میں پہلی ملاقات میں دے چکا ہوں، اب دوبارہ ان کا ذکر نہ کرنا۔ دھرم کی بات کرتے ہو تو جرم اور ظلم کی پشت پناہی سے باز آجاؤ۔ بدری بڑا نیچ ہے۔ اس کا نامۂ اعمال سیاہ ہے۔ نامہ اعمال سمجھتے ہو؟ اس کا سارا جیون ہی گناہوں میں گزرا ہے۔''

''تو پچھلا کشٹ بھول گیا ہے مورکھ؟'' امرلال کی آواز میں لرزش آگئی۔

''میں پھر کہتا ہوں، جھگڑا میرے اور بدری نرائن کے درمیان ہے، تم درمیان میں کیوں آتے ہو؟ اس جھگڑے میں بھارت کے تمام پنڈت پجاری شامل ہوگئے ہیں اور ان کا کیا ہوا؟ تم جانتے ہو کیا ہوا۔ میں ابھی تک زندہ ہوں۔ جھگڑا اور نہ بڑھاؤ۔ بات یہیں ختم کردو۔ بدری نرائن سے مجھے نمٹنے دو۔'' میں نے مطمئن لہجے میں کہا۔ ''مجھے اپنا سینہ ٹھنڈا کرنے دو۔ پھر کوئی بات تم سے ہو سکے گی۔''

''مجھے سبق نہ پڑھا۔'' امرلال اشتعال میں بولا۔ ''میں نے اس لیے نہیں بلایا ہے کہ تو مجھے دھرم، پاپ اور پُن کا سبق پڑھائے۔ بدری نرائن میرا چیلا ہے، بھگوان داس بھی میرا چیلا تھا۔ اس کے اور اس کی پتری کے ساتھ تو نے جو انیائے کیا ہے، اس کی خبر مجھے مل گئی ہے۔''

''ضد مت کرو امرلال۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''شاید میں تمہیں اور تم مجھے باتوں سے قائل نہ کر سکو گے۔ پچھلی باتیں مجھے خوب یاد ہیں۔ پہلے مجھے بدری نرائن سے دو دو ہاتھ کر لینے دو۔ پھر اگر تم نے ضد کی تو میں تمہارا حساب بھی بے باق کردوں گا۔''

''تو دیوانہ ہوگیا ہے بالک! جا کچھ دیر آرام کرلے۔ اتنی دور سے چل کے آیا ہے۔ پانی پی کے سوچ لے۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کے مجھے دھتکارتے ہوئے کہا۔

''میں خالی ہاتھ جانے کے لئے نہیں آیا ہوں مہاراج!''

''ہٹ مت کر بالک! تجھے شانتی کی ضرورت ہے، مجھے تجھ پر ترس آتا ہے۔ کیوں اپنا جیون نشٹ کرنا

ہتا ہے۔''

''تم بہت کچھ کہہ چکے مہاراج!'' میں نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔ ''تم گیانی دھیانی ہو۔ ُرد ہو کے، چیلوں کی باتوں میں تمہارا بولنا اچھا معلوم نہیں ہوتا۔''

''بدری کے بارے میں تو نے غلط اندازے لگائے ہیں مورکھ!'' امرلال درشت آواز میں بولا۔ ''وہ لی کا پجاری ہے اور میرا چیلا ہے۔ کالی کے پجاری اس کی بھگتی میں جیون تیاگ دیتے ہیں۔ وہ کسی یدھ ے نہیں ڈرتے۔''

''تم جن پجاریوں کی بات کر رہے ہو امرلال! ان کے من میں کھوٹ نہیں ہوتا۔'' ہم یہ تلخ باتیں ر رہے تھے اور ایک دوسرے پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ مجھے احساس تھا کہ میں فضول وقت ضائع کررہا ہوں ن میری جانب سے کسی جارحانہ اقدام کا نتیجہ خطرناک ہوسکتا تھا۔ یہ دور اندیشی کے منافی تھا۔ امرلال بھی قع کا منتظر تھا کہ کب میں اپنے حصار سے باہر نکلوں اور وہ مجھ پر بھرپور وار کرے۔ بدری نرائن بدستور رلال کی پشت پر موجود تھا اور رانکا میرے سر پر مستعد انداز میں بیٹھی تھی۔ اس بار وہ میرے سر سے بھی نہیں ی تھی۔ میں امرلال کی دیوار توڑنے کی فکر میں تھا اور وہ میرا دائرہ ختم کرنے کی جستجو میں۔ میرے سامنے ایک ہڑ دو موذی دشمن تھے۔ احتیاط ہر قدم پر لازم تھی۔

''تو کالی کے مہان پجاریوں کا مذاق اڑا رہا ہے۔'' پھر اس نے مندر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ '' لی مائی، تو گواہ رہنا۔''

''تم بلوان ہو مہاراج اور مہان بھی۔'' میں نے سادگی سے کہا۔ ''تمہاری آگیا ہو تو میں مرنے کے ئے بھی تیار ہوں لیکن تم بدری نرائن کو میری روح قبض کرنے کے لئے حصار سے باہر بھیجو۔ ایک آخری تماشا ہونا ہی ہے، وہ آج کیوں نہ ہو جائے؟ تم بھی وندھیا چل جاکے سکون سے بھگتی میں لگ جاؤ، میں بھی آرام ے رہ سکوں۔''

''تو کالی کے پجاریوں کے منہ آرہا ہے؟'' وہ سلگنے لگا تھا۔

''اور کالی کا ایک پجاری بزدلوں کی طرح تمہاری پشت پر ہے، ذرا پیچھے کی طرف مڑ کے دیکھو، وہ ُپ رہا ہے۔''

''بدری!'' امرلال نے پلٹ کے بدری کو حکم دیا۔ ''بدری، گرو کی آگیہ کا پالن کر اور اسے بتا دے کہ کالی بھگت کیسے ہوتے ہیں۔ کالی کا شبھ نام لے کے اس اپرادھی کو نشٹ کردے۔ یہ تیرے ہی ہاتھوں سے مرنا ہتا ہے۔''

''مہاراج!'' بدری کی زبان میں لکنت آگئی اور چہرے پر زردی پھیل گئی۔

''چنتا مت کر۔ میرا آشیرباد تیرے ساتھ ہے۔''

”تم.....تم نہیں جانتے مہاراج!“ بدری نرائن خوف زدہ آواز میں بولا۔ ”یہ منش نہیں، کسی مردے کی پلید آتما ہے۔“

”سنا مہاراج!“ میں نے تیزی سے امرلال کو مخاطب کیا۔ ”تمہار چیلا کالی کا مہان پجاری ہونے کے باوجود خوف زدہ ہے۔ فیصلہ کب کا ہو چکا ہے مہاراج کہ کون بلوان ہے۔“

امرلال ایک طرف میری باتیں سن کے اور دوسری طرف بدری نرائن کو ہچکچاتے دیکھ کر غصے بھر گیا۔ میری ہر بات جلتی پر تیل کا کام کر رہی تھی۔ میں ان دونوں کو مغلظات سنانا چاہتا تھا لیکن خلاف توقع غیر معمولی تحمل کا ثبوت دے رہا تھا۔ امرلال نے بدری نرائن کو گدی سے پکڑ کے حصار سے باہر پھینک دیا اور کڑک کے بولا۔ ”کالی کا نام لے! میری آگیہ کا پالن کر۔ اس مسلے کو کالی کے چرنوں میں بلیدان کر دے یا اسے جلا کر بھسم کر دے۔“

بدری نرائن منڈل سے باہر تھا۔ میں نے کوئی لمحہ ضائع نہیں کیا اور تیزی سے اپنی تمام باطنی قوتیں نگاہوں میں سمیٹیں اور میری انگلیاں تیزی سے حرکت میں آ گئیں۔ اس وقت میرے جوش کا عجیب عالم تھا۔ ایک مدت بعد بدری نرائن میرا بدترین دشمن اس وقت میرے سامنے تھا۔ میرے دیکھتے اور عمل کرتے ہی بدری نرائن تڑپ کر زمین پر گرا۔ مجھے بہت مزہ آیا۔ میں نے اس اذیت کو طول دینا چاہا۔ وہ زمین پر ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا لیکن اس سے پیشتر کہ میں اسے موت کے گھاٹ اتارتا، بدری ایک قلابازی کھا کے اٹھا اور زمین سے مٹی اٹھا کے مندر کی طرف پھینکنے لگا۔ پلک جھپکتے میں اس نے جوابی حملہ کر دیا۔ اس نے اپنے منتر کے تمام بیروں کو بلا لیا جنھوں نے اچانک نمودار ہو کے مجھ پر تابڑ توڑ حملے کرنے چاہے لیکن میں اپنے دائرے میں محفوظ تھا۔ میں نے بدری نرائن سے لطف لینے کے لئے اسے کھل کھیلنے کا موقع دیا۔ اس نے لمحوں میں جھلا جھلا کر پے در پے کئی وار کیے۔ امرلال اس کی پشت پر خاموشی سے حالات کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کا چہرہ خون کی تمازت سے سرخ ہو رہا تھا۔ انکا نے چپکے سے سرگوشی کی۔

”جمیل! کھیل جلد سے جلد نمٹانے کی کوشش کی۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ امرلال کے تیور خطرناک ہیں۔ اس سے کسی اصول کی توقع مت رکھنا۔“

”اب یہ میرے رحم و کرم پر ہے۔“ میں نے دل ہی دل میں انکا سے رابطہ قائم کیا۔ ”میں اسے بڑی اذیت ناک موت ماروں گا۔ اس بدبخت کا وقت پورا ہو چکا ہے۔“

”دیر مت کرو۔“ انکا نے سہمی سہمی نظروں سے آسمان کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میں آسمان کی طرف دیکھ رہی ہوں۔ خون کے دھبے نظر آ رہے ہیں۔ جو کچھ کرنا ہے، کر گزرو۔ میری بات بھی کبھی مان لیا کرو۔ پھر پچھتانے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔“

”آسمان پر نرگس، مالا کے خون کے دھبے ہیں۔ اب میں یہ قصہ نمٹا ہی رہا ہوں حالانکہ مجھے زندگی بھر

بدری نرائن کے جلد مرنے کا افسوس رہے گا۔“

بدری نرائن کو اتنا خوں خوار میں نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ انکا نے خون کے دھبوں کا تذکرہ کر کے میرے سینے میں دبی ہوئی چنگاریوں کو ہوا دے دی۔ میں نے ایک نتیجہ خیز فیصلہ کن حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ بدری نرائن کا سراپا نظر میں رکھ کے میں نے ایک سخت عمل کیا لیکن ابھی میں اپنے انگلی اٹھا ہی رہا تھا کہ امرلال نے درمیان میں داخل اندازی کر دی۔ اس نے اپنے سینے کا سفید بال توڑ کے ہوا میں اڑا دیا اور میں نے دیکھا کہ بدری نرائن کے گرد ایک نیا منڈل بن چکا ہے اور اس کے چہرے پر نئی زندگی کی رمق چھا گئی ہے۔ اس نے ممنونیت کی نظر سے امرلال کی جانب دیکھا اور مجھے شدید طیش میں للکارا۔ ”کمینے! اگر بلوان ہے تو منڈل سے نکل۔ میں تجھے بتاؤں گا، شکتی کسے کہتے ہیں۔“

”خبردار جمیل!“ انکا نے مجھے ٹوکا۔ ”حصار سے باہر قدم نہ نکالنا۔“

”تو چپ رہ کلنکنی۔“ امرلال میری طرف دیکھ کے گرج دار آواز میں بولا۔ ”دیوتاؤں کا خیال نہ ہوتا تو تجھے ایسا سراپ دیتا کہ تو بھی یاد رکھتی۔“

بدری نرائن کو محفوظ دیکھ کے میرا خون کھول اٹھا۔ میں نے تیزی سے یہ نئی فصیل ڈھانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ معاً مجھے سید کی لاٹھی کا خیال آیا۔ میں نے لاٹھی گھما کے بدری نرائن کی طرف پھینکی۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی کیونکہ بدری نرائن کے گرد امرلال کا قائم کردہ منڈل ٹوٹ چکا تھا۔ لاٹھی بدری نرائن کے سر پر لگی تھی اور وہ کربناک آواز میں چیختا ہوا دھڑام سے گر گیا تھا۔ اسی لمحے میں نے دوسرا حملہ کیا۔ بدری نرائن دہاڑ مار کے اوپر اچھل کے زمین پر آ گرا۔ اس کی ہولناک چیخوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا تھا۔ یہ اذیت میرے لیے باعث راحت تھی۔ نرگس اور مالا کا انتقام پورا ہو رہا تھا۔ اس کی ہر چیخ میرے رگ و پے میں ایک عجب احساس نشاط پیدا کر رہی تھی۔ اسے حاصل کرنے کے لئے مجھے اپنے حصار سے باہر آنا پڑتا۔ اس لیے میں نے اس کی فکر چھوڑ دی اور بدری نرائن کو مزید اذیت سے دوچار کرنے کے لئے میں نے تیسرا وار کرنا چاہا۔ اسی لمحے مجھے اپنے پیروں سے زمین سرکتی محسوس ہوئی اور میں نے امرلال کے قریب بے شمار پنڈت اور سادھو کھڑے دیکھے۔ میں نے جھٹ اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ میں اس دہشت انگیز منظر سے لڑکھڑا گیا۔ انکا نے میرے سر میں زور سے اپنے پنجے چبھونے شروع کر دیے لیکن میں کسی پاگل کی طرح بے اختیار اپنی جگہ سے ہٹ چکا تھا اور امرلال میرا حصار توڑنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ امرلال نے درمیان میں بول کر بددیانتی کی تھی۔ میری ساری توجہ بدری نرائن پر مرکوز تھی۔ بدقسمتی سے میری لاٹھی بھی دور تھی۔ میں گرتا پڑتا اپنی لاٹھی اٹھانے کے لئے دوڑا۔ امرلال کا ایک خوفناک قہقہہ میرے کانوں میں گونجا۔ پھر بھی میں نے اسے اوسان بجا کیے اور ایک جگہ رک کر دوبارہ خود کو محصور کرنا چاہا لیکن امرلال نے اس کا موقع نہیں دیا۔ اس کے قریب کھڑے ہوئے تمام پجاری، سادھو اور پنڈت غائب ہو چکے تھے۔ امرلال نے بیک وقت کئی

حرب استعمال کر کے میرا حصار توڑ دیا تھا۔ اسی وقت اس نے پھڑ پھڑانے کے انداز میں مندر کی طرف دیکھ کے ایک جھرجھری لی اور ہولناک صدا لگائی۔ میرا جسم ہزار ہا رسیوں اور ڈوریوں سے بندھ گیا تھا۔ یہ رسیاں اور ڈوریاں بظاہر نظر نہیں آتی تھیں مگر انہوں نے میری حرکت پر پابندی لگا دی تھی۔ پہلے بھی امرلال نے یہی کیا تھا۔ میرے لیے جنبش کرنا محال تھا۔ اگر سید کی لاٹھی میرے پاس ہوتی تو شاید ایسا نہ ہوتا لیکن اب وہ بھی دور پڑی میرا منہ چڑا رہی تھی۔ بدری نرائن بدستور کرب ناک انداز میں چلا رہا تھا۔ میرے حصار سے باہر آتے ہی انکا میرے سر سے اتر گئی تھی۔ کیا میں نے کوئی حماقت کی تھی؟ نہیں، میں نے کوئی حماقت اور جلدی یا دیر نہیں کی تھی۔ میرا یہ قیاس غلط تھا کہ امرلال جیسا مہان سادھو بدری نرائن کی شکست دیکھ کے کم ظرفی پر اتر آئے گا۔ میری غلطی صرف یہ تھی کہ میں نے امرلال کے متعلق غلط رائے قائم کی تھی۔ مجھے افسوس تھا کہ اگر میں پہلی فرصت میں بدری نرائن کو مار دیتا تو مجھے امرلال کے ہاتھوں مرنے پر کوئی افسوس نہ ہوتا۔ امرلال نے بدری نرائن کی آہ و زاری بند کرنے کے لئے اسے ساکت کر دیا تھا۔ وہ مرا نہیں تھا لیکن سکتے کی سی کیفیت سے دوچار تھا۔ کاش مجھے اک لمحے کی فرصت اور مل جاتی۔ امرلال میرے سامنے فاتحانہ انداز میں کھڑا مجھے حقارت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"اب کیا سوچ رہا ہے مورکھ! میں نے پہلے ہی کہا تھا، میرے منہ نہ آ۔" وہ نفرت سے بولا۔

"تم اگر مرد ہو اور تمہارے اندر ذرا سی بھی غیرت ہے تو تم یقیناً اپنی حرکت پر نادم ہو گے۔ تم کتے ہو۔" میں نے دبنگ لہجے میں کہا۔

"یہ بدھ (جنگ) تھی بالک!" وہ رعونت سے مسکرایا۔ "تو نے بدری کو بھگوان داس کے مکان سے نکالنے کے لئے شاردا پر وار کیا تھا۔ حالانکہ وہ نردوش تھی۔"

"تم نے پشت سے وار کیا ہے، تم ایک عورت ہو۔ اگر میرے بازو آزمانا چاہتے ہو تو مجھے رسیوں سے آزاد کر کے دیکھو۔"

"بالک!" وہ مجھے کھینچتے ہوئے سکون سے بولا۔ "میرا نام امرلال ہے۔ کٹھن تپسیا کے بعد میں نے جو شکتی پراپت کی ہے تو اس کا وچار بھی نہیں کر سکتا۔ دیکھ تو کیسا بے بس ہو گیا ہے۔ اگر شکتی ہے تو خود کو چھڑا لے۔"

"وقت کی بات ہے امرلال! مجھے خوشی ہے کہ میں تمہاری طرح کسی کمینے پن اور عیاری سے فتح مند نہیں ہوا۔ اگر تمہاری اور بدری نرائن کی مڈھ بھیڑ ہوتی تو میں درمیان میں ٹانگ اڑانے کی نیچ حرکت ہرگز نہ کرتا۔"

"تو نے پہلے بھی مجھے دیکھا ہے۔ تو بھول کیوں جاتا ہے؟" امرلال سنگ دلی سے بولا۔ "اب تجھے میرے سراپ سے کوئی شکتی نجات نہیں دلا سکتی۔ تو نے بدری کو کشٹ دے کے، بھگوان داس کو مار کے اور شاردا

کو اغوا کر کے اپنی موت کو آواز دی ہے۔ میں دیوتاؤں کے چرنوں میں تیرا بلیدان کروں گا۔"

میں نے اپنے طور پر ایک کوشش کی اور امرلال کو جواب دینے کے بجائے تمام تر توجہ بندشوں سے آزاد ہونے میں صرف کر دی۔ امرلال کے فلک شگاف قہقہے میرا ارتکاز درہم برہم کر رہے تھے۔ "وہ سندری انکا کہاں گئی؟ تمہارے جنتر منتر کہاں گئے؟"

"بتاتا ہوں......" یہ کہہ کے میں نے آنکھیں بند کر لیں اور زبردست جبر کر کے اور گرد و پیش سے بے نیاز ہو کے کھڑے کھڑے ارتکاز میں ڈوبنا چاہا لیکن امرلال نے طے کر لیا تھا کہ وہ مجھے اس قسم کا کوئی عمل کرنے کا موقع فراہم نہیں کرے گا۔ ہر طرف سے بے ہنگم آوازیں میرا سکون غارت کرنے لگیں۔ ادھر امرلال کے قہقہے، پھر امرلال نے مٹی زمین سے اٹھا کے بدری نرائن کی طرف پھینک دی۔ وہ کسمسایا اور زمین سے اٹھ کے سیدھا امرلال کی طرف دوڑا۔ میں نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لیے۔

"اب تو کشٹ اٹھانے کے لئے تیار ہو جا اپرادھی۔" امرلال نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "کالی کے شبھ نام پر اب بدری اپنی ٹھوکروں سے تجھے نرک میں جھونکے گا۔ تیرے شریر کا ماس چیل کوؤں کے کام آئے گا۔ میں تجھے ایسا سراپ دوں گا کہ تیری آتما تک بیاکل رہے گی۔ جس طرح ان تمام پنڈتوں اور پجاریوں کی آتمائیں بیاکل ہیں جنہیں تو نے ان کے شریر سے جدا کیا تھا۔"

میں نے پھر مراقبے میں جانے کے لئے اپنی توانائیاں صرف کر دیں۔ امرلال کے چہرے پر خون پھیل چکا تھا۔ اس نے بدری نرائن کو نیا حکم دیا۔ "وہ سے آ گیا بدری، جس کا تجھے انتظار تھا۔ میرا اوچن پورا ہوا۔ کالی کے نام کے لئے آگے بڑھ اور اس مُسلے کو ٹھوکریں مار مار کے نرک تک چھوڑ آ۔ مارنا نہیں، اسے کالی کے چرنوں میں لے جا کے بلیدان کرنا ہے، سمجھا۔"

"جو آگیا مہاراج!" بدری نرائن نے ہاتھ جوڑ کے امرلال کے سامنے ڈنڈوت کیا۔ پھر کسی خوں خوار درندے کی طرح میری سمت بڑھنے لگا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ بدری نرائن نے میرے قریب آ کے کہا۔ "چپ کیوں ہو، کچھ بولو، چمتکار دکھاؤ۔ یہ آنکھیں کیا بند کر رکھی ہیں، آنکھیں تو ملاؤ جمیل احمد خان!"

میں نے کوئی جواب نہ دیا اور جب سماعت کا دروازہ بند کرنا چاہا تو بدری نرائن نے کہا۔ "امرلال مہاراج سے ٹکر لینے آیا تھا۔"

میں ارتکاز کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ مجھ سے بدری نرائن نے کیا کہا۔ اب وہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔ میں ڈوریوں اور رسیوں میں جکڑا ہوا کھڑے کھڑے مراقبے میں چلا گیا تھا۔ بدری نرائن نے میرے ساکت جسم پر ایک ضرب لگائی۔ میں کسی بت کی طرح زمین پر گر گیا۔ اسی لمحے میری ایک جنبش سے تمام رسیاں ٹوٹ گئیں اور بدری نرائن کی ہولناک چیخ گونجی۔ اس چیخ سے میرا انہماک ٹوٹ گیا۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ بدری نرائن زمین پر دوبارہ لوٹ رہا تھا۔ میں تیزی سے اٹھ

کھڑا ہوا۔ مجھے حیرت تھی۔ امرلال بھی پیچ وتاب کھا رہا تھا۔ وہ میرے عقب میں کسی کو دیکھ رہا تھا۔ میں نے پیچھے مڑ کے دیکھا۔ وہاں پورے طمطراق اور وقار کے ساتھ کلدیپ کھڑی تھی۔

ایک لمحے کو مجھے شبہ ہوا کہ کلدیپ کیسے نیچے آسکتی ہے؟ میں نے بے تابانہ پلکیں جھپکائیں، حیرت سے میری آنکھیں پھیل گئیں۔ وہ کلدیپ ہی تھی جو میرے عقب میں پورے سکون اور اعتماد سے کھڑی تھی۔

امرلال کی خوں خوار نظریں کلدیپ کے چہرے پر جم کر رہ گئی تھیں۔ میرے ذہن کا حال عجیب تھا۔ اس بے بسی اور لاچاری میں کلدیپ کے اچانک وارد ہونے سے تسلی بھی ہوئی تھی اور سبکی بھی محسوس ہوتی تھی کہ میں ان دو نطفۂ حرام مردودوں کو زیر کرنے میں پھر ناکام رہا لیکن اب وہ میری مدد کے لئے نیچے آ ہی گئی تھی۔ اس نے پریتم لال کے استھان سے نیچے نہ اترنے کا عہدہ توڑ دیا تھا۔ جمیل احمد خان پر کوئی زیادہ سے زیادہ احسان کر سکتا تھا تو وہ یہی تھا۔ کلدیپ کے آنے کے فوراً بعد انکا بھی میرے سر پر آ گئی۔ اس کا چہرہ چمک رہا تھا اور وہ تجسس سے ارد گرد نظریں دوڑا رہی تھی۔ خود میرے جسم میں ایک نئی طاقت عود کر آئی تھی۔

بدری نرائن جو ابھی ابھی امرلال کی شہ پا کر میری کھوپڑی اپنی ٹھوکروں سے پاش پاش کرنے کے ارادے سے فاتحانہ، سینہ تان کے آگے بڑھا تھا، دوبارہ زخمی پرندے کے مانند زمین پر پھڑک رہا تھا۔ اس کے حلقوم سے بھیانک آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ اس کی ہر چیخ مسرت کی ایک لہر بن کے میرے کانوں میں داخل ہوتی تھی اور سارے جسم میں ہلچل مچا دی تھی۔ میری رسیاں پہلے ہی ٹوٹ چکی تھیں۔ میں پُرجوش انداز میں زمین سے اٹھا۔ میں اپنی انگلی کے ایک ہی اشارے سے بدری نرائن اور امرلال کو نذر آتش کر دینا چاہتا تھا لیکن کلدیپ کے پُرسکون چہرے نے مجھے اس ارادے سے باز رکھا۔ میں اس کے برابر کھڑا ہو گیا اور میں نے براہ راست امرلال کو مخاطب کیا۔ ''کس وچار میں کھو گئے مہاراج!'' مجھے اپنے لہجے پر قابو پانے میں بڑی مشکل پیش آئی۔

''ہاں!'' امرلال نے ہاتھ اٹھا کے گہرا سانس لیا۔ ''ہاں، جا تیری مکتی ہو گئی۔ تو نے جو کمایا تھا، وہ تیرے کام آ گیا۔'' وہ سرد لہجے میں بولا لیکن اس کی نظریں کلدیپ ہی پر مرکوز تھیں۔ پھر اچانک اس کا لہجہ سخت ہو گیا ''چلا جا۔ اپرادھی، دشٹ، بھاگ جا۔''

''میں کہتا ہوں، بدری نرائن اور مالا کو میرے حوالے کر دو اور تم اطمینان سے وندھیاچل لوٹ جاؤ۔ کھیل سمجھو ختم ہو گیا۔'' میں نے مفاہمت کے انداز میں کہا۔

جواب میں وہ ایک دم گرج کے بولا۔ ''جا چلا جا اپرادھی! ایسی باتیں نہ کر جو تیرے منہ سے بڑی ہیں۔''

''تمہی نے اس کا اوسر دیا ہے مہاراج! اگر تم کمینے بدری نرائن کا گندا ہاتھ نہ پکڑتے تو اچھا تھا۔ ایک پنڈت کو بچانے کے لیے کتنے لوگ مارے گئے، کتنے گھر اجڑ گئے۔ ناریوں کا سہاگ لٹا، بچے بن باپ کے ہو گئے۔ سبھی نے انیائے کا ساتھ دیا۔ پر سادھو جگدیو، پریت لال، آنند لال، کلدیپ، نالکھ آشرم کے مہان

سادھو۔ ان مہاپُرشوں نے کیوں اس کا ساتھ نہیں دیا؟ کیا ان کے گیان دھیان میں کوئی کمی رہ گئی تھی یا تمہاری تپیا میں کوئی خامی ہے؟ تم نے اس جھوٹے آدمی کے لئے کیا نہیں کیا؟ وہ ایک ہندو پنڈت ہے اور اس کا نام بدری نرائن ہے۔ ہم دونوں ہی دشٹ ہیں، پر تم نے کچھ وچار ہی نہیں کیا، تم بدری نرائن کے نام پر ریجھ گئے کیونکہ اس کے مقابلے میں جمیل احمد خان تھا اور تم نے سب کچھ بھلا دیا۔ میں نے تمہیں بتایا تھا۔''

''بس کر، بس کر۔'' امرلال نے میرا غضب دیکھ کے نفرت سے کہا ''بس کر، میں سب جانتا ہوں۔''

''تم کچھ نہیں جانتے کیونکہ تم ایک بے وقوف پجاری ہو۔'' میں نے اشتعال میں کہا۔

''چپ رہ، بکواس بند کر۔'' امرلال نے چیخ کر کہا۔ ''اپنے برابر کھڑی ہوئی دیوی سے پوچھ کے کچھ کہنے کی جرأت کر، اسے معلوم ہے امرلال نے کتنے ورش کالی کی سیوا میں بتائے ہیں......''

''اور گھاس کاٹی ہے، کالی نے اس کی بھگتی سے خوش ہو کر ایک گدھے کو شکتی دے دی ہے۔'' میں نے تیزی سے کہا۔

امرلال کے جسم میں لرزش ہونے لگی۔ ''تو کالی کا اپمان کر رہا ہے۔''

''کالی جانتی ہے، میں کس کا اپمان کر رہا ہوں۔''

''تو یہاں سے چلا جا۔ دیوی اسے یہاں سے لے جا۔'' اس نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے راستہ دکھاتے ہوئے کہا۔

''میں چلا جاؤں گا لیکن مالا کو اندر سے برآمد کرو اور بدری نرائن کو عزت سے میرے حوالے کر دو۔''

''دیوی!'' وہ کلدیپ سے بولا۔ ''اسے لے جا اور کالی کے سیوکوں کا اتنا اپمان نہ کرا۔''

کلدیپ خاموش کھڑی رہی۔ ''اپنے چیلے کی خبر لو مہاراج!'' میں نے پینترا بدل کے کہا اور بدری نرائن کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس نے ابھی تک تمہاری آگیا کا پالن نہیں کیا۔ اگر اسے ساتھ نہیں لے جانے دیتے تو کوئی چمتکار دکھاؤ اور بدری کو اس دکھ سے چھٹکارا دلاؤ۔ مجھے نرک میں جھونکنے کا کوئی اپائے کرو۔ میرے شریر کا ماس چیل کوؤں کو کھلاؤ یا اسے تبرک کے طور پر ہندوستان کے تمام پنڈتوں، پجاریوں میں تقسیم کر دو کہ یہ جمیل احمد خان کا ماس ہے۔ جس نے ان کی راتوں کی نیندیں حرام کر دی تھیں۔ تم رک گئے امرلال جی! یا تم نے ارادہ بدل دیا ہے؟''

''سن مورکھ! میرے نام امرلال ہے۔'' امرلال لرزیدہ آواز میں حیرت سے بولا۔ ''مجھے مت چھیڑ۔ جا میں نے تجھے چھوڑ دیا کیونکہ تیرے برابر پریتم لال کی مہان پتری کھڑی ہے۔ کالی کے سیوک ایک دوسرے کا خیال کرتے ہیں، تو یہ باتیں نہیں سمجھے گا۔ مجھ سے بات کرنے کے بجائے اس سے پوچھ لے، وہ کیا کہتی ہے؟''

میں نے کلدیپ کی طرف دیکھا۔ وہ وقار کے ساتھ اپنی جگہ کھڑی ہم دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔

اس کی خاموشی نے مجھے اور اکسایا، اس طرف بدری نرائن زمین پر تڑپ رہا تھا۔ "اس سے پوچھ لوں؟" میں نے امرلال سے کہا۔ "خوب۔ عیاری کی بات کرتے ہو؟ تم نے اس کا خیال ہی کب کیا؟ تم نے اس کے پتر استھان کے نیچے پنڈتوں کے غول جمع کرادیے اور میرے راستے بند کرادیے۔ تم لوگوں نے اسے بدنام کیا۔ تمہیں معلوم تھا، میرا اس کا کیا تعلق ہے؟ پر تم نے اس کا خیال نہیں کیا۔ تمہیں اس سمے کالی کے سیوک کی یاد نہیں آئی جب تمہارے اس حرام زادے لاڈلے بدری نرائن نے پریتم لال کی پتری مالا کو اپنے بیروں سے مروادیا۔ امرلال ان باتوں کا ذکر چھوڑو۔ آؤ، ایک فیصلہ کرلو۔ بدری نرائن اور مالا اس طرف یا پھر ایک لڑائی جس میں کوئی ایک کامیاب ہوسکتا ہے۔ چلو پہلے کی طرح اپنے وار کرو۔ میرا سینہ حاضر ہے۔" یہ کہتا ہوا میں بدری نرائن کی طرف گیا۔ اس کے قریب سید کی لاٹھی پڑی تھی، جسے میں نے پھرتی سے اٹھالیا اور بدری نرائن پر ایک زبردست ضرب لگائی۔ وہ زمین سے اوپر اٹھ گیا اور بلبلا کے چاروں طرف ناچنے لگا۔ لاٹھی سنبھال کے میں پھر کلدیپ کے پاس آگیا۔

اچانک امرلال نے اپنا الٹا پاؤں زور سے زمین پر مارا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے زلزلہ آگیا ہو۔ زمین میرے قدموں کے نیچے لرز اٹھی تھی۔ اسی وقت امرلال نے زمین سے مٹی اٹھا کے اپنے بالوں اور سینے سے مس کی اور اس پر کوئی منتر پھونک کے اسے بدری نرائن پر اچھال دیا۔ یہ سب چند لمحوں میں ہوگیا اور بدری نرائن ایک بار پھر اپنی اذیتوں سے نجات حاصل کرکے بڑی پھرتی سے اٹھ گیا۔ وہ اٹھتے ہی آندھی کی سی تیزی سے میری طرف بڑھا مگر جیسے ہی اس کی نظر کلدیپ پر پڑی وہ ایک جھٹکے سے رک گیا اور آنکھیں پٹ پٹانے لگا جیسے اسے پہچاننے کی کوشش کررہا ہو۔ پھر وہ سہم کے جلدی سے امرلال کے پیچھے ہوگیا۔ کلدیپ مہر بہ لب تھی۔ امرلال نے سنجیدگی سے اسے مخاطب کیا۔ "دیوی! تیرے آنے سے میرا اوچن اور کالی کی بھینٹ دونوں چیزیں ادھوری رہ گئیں۔ میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ اپنے استھان کی اور واپس چلی جا۔ پریتم لال مہان تھا۔ تو اس کی داسی ہے تو اسے بھی ساتھ لے جا۔ جا بھگتی کر۔"

"تم کالی کے مہان پجاری ہو امرلال!" کلدیپ نے پُروقار آواز میں جواب دیا۔ "میں تمہاری بھگتی اور شکتی جانتی ہوں اور تمہیں پرنام کرتی ہوں۔ تم انیائے کررہے ہو اور میں تمہیں بتانے آئی ہوں کہ تم ٹھیک نہیں کررہے ہو۔"

"سندر دیوی!" امرلال نے سکون سے کہا۔ "مجھے نیائے اور انیائے کی شکشا دیتے وقت تو بھول رہی ہے کہ تو کس کا ساتھ دینے آئی ہے؟"

"ہاں، اس کا نام جمیل احمد خان ہے اور سب جانتے ہیں کہ میرا اس سے کیا سمبندھ ہے۔ میں اسے بچانے کے لئے آئی ہوں۔ میں نے دیوی کا آشیرباد پراپت کرلیا ہے۔" کلدیپ نے عزم کے ساتھ کہا۔

"میں اسے تمہارے ساتھ بھیج رہا ہوں۔" امرلال نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "تم اس کا جو جی چاہے

کرنا، میں نے تمہارا مان کیا ہے۔"

"میرا مان اور بڑھاؤ اور جمیل احمد خان کی بات مان لو۔ مالا اور بدری نرائن سے دست بردار ہوجاؤ۔"

"یہ ممکن نہیں ہے۔" امرلال نے سخت لہجے میں کہا۔ "دیوی! میں نے تیرا بڑا خیال کیا ہے، اب اور ہٹ نہ کر۔"

"امرلال مہاراج! میں جس ارادے سے نیچے آئی ہوں، وہ تم جانتے ہو۔ تمہارے مان میں کوئی فرق نہیں پڑے گا، اگر تم میری مان لو۔" کلدیپ نے عاجزی سے کہا۔

"نہیں، میں جو کچھ دے سکتا تھا، وہ دے دیا۔ اب اس سے زیادہ مت مانگو۔ مالا میرے چیلے بھگوان داس کی لڑکی شاردا کے بدلے میں ہے اور بدری نرائن اسی طرح میرے ساتھ ہے جس طرح جمیل احمد خان یہ مسلا تمہارے ساتھ۔"

"تو پھر...... تو پھر......" کلدیپ نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "مجھے جمیل احمد خان کو اس کی مرضی پر چھوڑنا ہوگا تاکہ وہ میری موجودگی میں بدری نرائن سے اپنا حساب چکالے۔" کلدیپ کے نرم لہجے میں گرمی آگئی تھی۔

"میں بھی یہاں موجود ہوں۔"

"اور میں بھی کسی کارن یہاں آئی ہوں۔"

"یہ ایک اچھی بات نہیں ہوگی۔" امرلال تاسف سے بولا۔

"یہی بات میں تمہیں سمجھا رہی ہوں۔"

"تمہاری مرضی۔" امرلال نے زچ ہوکر کہا۔

اسی وقت میں نے بدری نرائن کو پکارا۔ "او مردود پنڈت! آ سامنے آجا۔ اگر امرلال اور کلدیپ دیوی میں کوئی سمجھوتا بھی ہوگیا تو میں تجھے نہیں چھوڑوں گا۔ میں تیرے گرو امرلال کو نشٹ کرسکتا ہوں۔" میں نے لاٹھی گھما کے کہا۔ اس تلخ کلامی سے میرا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح امرلال مشتعل ہوجائے اور کلدیپ اور اس کے درمیان ٹھن جائے تاکہ یہ جھگڑا ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے۔ کلدیپ کے آنے سے پہلے میں اپنے بارے میں تمام خوش فہمیاں ختم کرچکا تھا۔ میں نے سمجھ لیا تھا کہ اب میرا وقت آگیا ہے۔ اس یقین کے بعد اس کسی بڑے سے بڑے معرکے سے گھبرانا بے معنی ہے۔

"میں آخری بار تجھ سے کہتا ہوں جمیل احمد خان!" امرلال دہاڑا۔ "یہاں سے بھاگ جا۔"

لیکن میں نے سنی ان سنی کردی اور بدری نرائن کو للکار کے حملہ کیا۔ بدری نرائن چیختا ہوا مندر کی طرف بھاگنے لگا۔ اس کے جسم میں آگ لگ رہی تھی۔ مندر کے دروازے سے وہ یکبارگی مڑا اور امرلال سے چمٹ گیا۔ امرلال نے سخت غصے کے عالم میں اس کا بازو پکڑلیا۔ آگ بجھ گئی۔ "اسے چھوڑ دو امرلال۔ نہیں تو تم بھی آگ کی لپیٹ میں آجاؤ گے۔" میں نے طیش میں کہا۔ "چھوڑ دو اسے۔"

"بدری! اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔" امرلال چیخا۔ "میرا آشیرباد تیرے ساتھ ہے۔"

"مہاراج کی آگیہ کا پالن کرو بدری!" میں نے گرہ لگائی۔

بدری نرائن گھگیانے لگا۔ وہ کبھی امرلال کی سمت دیکھتا، کبھی کلدیپ کی طرف۔ اسے کوئی مزید مہلت عاجزی کی بھی نہیں ملی۔ امرلال نے اس کے جسم پر ہاتھ پھیر کے اور کچھ پڑھ پڑھا کے اسے خود سے جدا کر دیا۔ اچانک بدری نرائن کو موت اور زندگی کا اہم فیصلہ کرنا پڑا اور وہ مقابلے کے لئے خم ٹھونک کے میدان میں آ گیا۔ "جے شیو شنکر کی۔" اس نے ایک فلک شگاف نعرہ بلند کیا اور اس طرح گھوم گیا جیسے کسی نے اس کے قدموں کے نیچے پھرکی لگا دی ہو۔ میں نے تیزی سے اپنے گرد حصار قائم کر لیا حالانکہ کلدیپ کی موجودگی میں یہ اقدام بے کار تھا۔ بدری نرائن ہاتھ پاؤں چلاتا رہا۔ مجھے معلوم تھا، اس کا ہر حربہ ناکام ہوگا۔ امرلال نے اسے خود سے جدا کر کے سخت غلطی کی تھی۔ شاید اس کا خیال ہوگا کہ پھر اسے کمینگی کا موقع مل جائے گا اور کلدیپ دخل اندازی سے باز رہے گی۔ اس کے بیر میرے حصار کی طرف بڑھے۔ میں نے اپنے حصار کے آخری سرے پر پہنچ کے انہیں سید کی لاٹھی سے مارنا شروع کر دیا۔ بیر ایک ایک کر کے ڈھیر ہوتے گئے۔ پھر میں نے کوئی حملہ نہیں کیا۔ انکا مجھے ٹوکنے لگی کہ میں دیر کر رہا ہوں اور بدری نرائن کو خواہ مخواہ موقع دے رہا ہوں۔

"آج دل کی تمام حسرتیں نکال لے حرام کے تخم!" میں نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے کہا۔ "کوئی وار نہ رہ جائے۔"

"منڈل سے باہر نکل کے دیکھ سور کی اولاد!" بدری نرائن نے میرے لہجے کی نقل کی۔

"لے یہ بھی سہی۔" انکا نے مجھے روکا مگر میں نے حصار توڑ دیا۔ جیسے ہی میں باہر آیا، کسی چیز سے ٹکرا کے اوندھے منہ گر گیا۔ بدری نرائن نے فوراً میری پشت پر چڑھ کے ایک زبردست ٹھوکر رسید کی۔ میں اسے لیے لیے زمین سے اس طرح اٹھا کہ بدری نرائن کی ایک ٹانگ میرے ہاتھ میں آ گئی۔ کاش میرے پاس دوسرا ہاتھ ہوتا۔ بدری نرائن نے زور کر کے اپنی ٹانگ چھڑا لی۔ اس گڑبڑ میں دوبارہ میری لاٹھی گر گئی اور بدری نرائن ایک جست لگا کر اسے حاصل کرنے کے لیے دوڑا پڑا۔ میں نے اسے وہیں دبوچ لیا۔ لاٹھی بدری نرائن کے جسم کے نیچے دبی ہوئی تھی اور میں اس پر سوار ہو گیا تھا۔ یہ موقع بڑا اچھا تھا۔ میں اپنی غیر معمولی قوتوں کا سہارا لے کر بدری نرائن کا قصہ تمام کر دیتا مگر اس کا جسم بازوؤں میں آیا تو میری حالت ہی عجیب ہو گئی۔ میں نے اپنے ایک ہاتھ سے اس کی گردن پکڑ کے اسے اٹھانے کی کوشش کی اور اٹھا لیا کیونکہ انکا نے بھی میری مدد کی تھی۔ لاٹھی بدری نرائن کے سینے سے چپکی ہوئی تھی اور وہ کسی چوہے کی طرح میرے ہاتھ کی زد سے بچنے کے لئے تھرک رہا تھا۔ وہ میرا توازن بگاڑنا چاہتا تھا۔ ماورائی طاقتوں کی اس لڑائی نے جسمانی لڑائی کی شکل اختیار کر لی تھی جو میری خواہش کے عین مطابق تھی۔ میں نے اسے زیادہ دیر اپنے ہاتھ میں نہیں

ٹکنے دیا بلکہ ایک جھٹکے سے زمین پر پھینک دیا۔ وہ چرمرا کے گرا۔ اس کے چیخنے کی ہذیانی آواز امرلال نے بھی سنی ہوگی۔ میں نے اس کے گرتے ہی ایک ٹھوکر لگائی۔ وہ بلبلا کے دور جا پڑا لیکن اس نے لاٹھی نہیں چھوڑی۔ میں نے فوراً دوسری ٹھوکر لگائی۔ وہ لڑھکتا ہوا چلا گیا اور دور جا کر تیزی سے کھڑا ہو گیا۔ وہ لاٹھی گھما رہا تھا۔ سید کی متبرک لاٹھی اس کے پلید ہاتھوں میں دیکھ کے میری حالت پاگلوں کی سی ہو گئی تھی۔ میں اس وقت سارے جنتر منتر بھول گیا تھا۔ میں نے اس پر ٹوٹنے کے لئے اس طرح پر تولے جیسے میں ایک درندہ ہوں اور وہ میرا ایک شکار۔ بدری نرائن میرا خوفناک ارادہ دیکھ کے امرلال کی طرف کھسک گیا۔ میں بھی امرلال کے قریب ہو گیا۔ چوہے بلی کے اس کھیل میں امرلال خاموش تماشائی بنا کھڑا رہا۔ بدری نرائن مڑ مڑ کے امرلال کی طرف رحم طلب نظروں سے دیکھتا تھا۔ اس کا سانس پھول گیا تھا۔ مجھے اپنے پیچھے لپکتا دیکھ کے آخر وہ ایک جگہ ٹھہر گیا اور اس نے چاروں طرف لاٹھی گھمانا شروع کر دی۔ میں نے اس کی پروا نہ کی کہ لاٹھی میرے سر پر پڑے گی یا سینے پر۔ میں دیوانہ وار لاٹھی کے دائرے میں داخل ہو گیا۔ لاٹھی کی ایک شدید ضرب میرے کان پر پڑی لیکن دوسرے ہی لمحے میں نے اسے اپنے ہاتھ سے پکڑ لیا تھا۔ بدری نرائن گھبراہٹ میں اسے چھوڑ کے بھاگ کھڑا ہوا! اور میں نے اس کا تعاقب کرنے کے بجائے اس بار وہیں ٹھہر کے انکا کے بار بار مجبور کرنے پر اپنی انگلیاں اٹھائیں۔ بدری نرائن مجھ سے خاصا دور تھا مگر چوپٹ گر گیا۔ میں فوراً دوسرے منتر آزما سکتا تھا مگر میں لاٹھی بلند کیے کیے تڑپتے ہوئے بدری نرائن کے زندہ لاشے پر پہنچ گیا اور میں نے پوری طاقت سے لاٹھی اس کے سر پر دے ماری۔ بدری نرائن کی ایک کربناک چیخ بلند ہوئی۔ اس کا چہرہ خون سے نہا گیا۔ پھر میں نے دوسری بار لاٹھی اٹھائی اور اس کی ٹانگوں پر وار کیا۔ اس کی رہی سہی طاقت بھی جواب دینے لگی۔ میں نے اس کے بال پکڑ کے اٹھایا اور جھنجوڑ کر اسے دوبارہ زمین پر چھوڑ دیا۔ وحشت سے میرا جسم سلگ رہا تھا۔ میں نے اس کے منہ پر لات رسید کی اور اس کا لہولہان سر اپنی ٹانگوں پر رکھ کے بے تحاشا طمانچے رسید کرنے لگا۔ میں نے اس کے منہ پر حقارت سے تھوک دیا۔ وہ جتنا تیز چلاتا اور سر پٹختا تھا اتنا ہی اس کی ٹانگیں توڑنے اور سر کچلنے کے لئے میرا ہاتھ بے تاب ہوا جاتا تھا۔ میرا ہاتھ امرلال کی گونج سے رک گیا۔

"دیوی! دیکھ رہی ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "کالی کا ایک پجاری، ایک سیوک دم توڑ رہا ہے۔"

"میری آنکھیں کھلی ہوئی ہیں امرلال!" کلدیپ سرد آواز میں بولی۔ "میری ان آنکھوں نے اس سے زیادہ بھیانک مناظر دیکھے ہیں۔ اس وقت تم تپسیا میں مگن تھے۔"

"سمے گزر جائے گا، مورکھ!" امرلال تلملا کے بولا۔

"سمے کا کام گزرنا ہے۔" کلدیپ نے کہا۔ "تم اور میں اسے نہیں روک سکتے۔"

"میں اپنے چیلے کو بچاؤں گا۔" امرلال نے چھاتی پر ہاتھ مار کے کہا، پھر وہ تیزی سے بدری نرائن کی

جانب مڑا جسے میری عدم توجہی سے چند لمحوں کی مہلت مل گئی تھی۔ میری لاٹھی نے اس کا جسم خون سے رنگ دیا تھا۔ میری ٹھوکروں نے جگہ جگہ سے اس کی کھال ادھیڑ دی تھی۔ بدری نرائن کی قوت مدافعت جواب دے رہی تھی۔ موت اور زندگی کا فیصلہ بہت کم رہ گیا تھا۔

امرلال کے چہرے پر جلال اور غضب تھا۔ اس نے بدری کی شکستہ اور عبرت ناک حالت دیکھ کے ایک جھرجھری لی پھر اس کا سیدھا ہاتھ فضا میں بلند ہوا لیکن اس سے قبل کہ اس کا بلند ہاتھ نیچے گر کر کوئی ہنگامہ کرتا، کلدیپ چیخ پڑی۔ "امرلال! بدری نرائن اور جمیل احمد خان کے درمیان مت بولنا۔ اس میں تمہاری اور ہماری دونوں کی مکتی ہے۔"

"تم خاموش رہو دیوی! میں نے کالی کی سیوا میں تم سے زیادہ جیون بتایا ہے۔ تم اگر بولو گی تو مجھے ایک ناری پر ہاتھ اٹھانے کا پاپ کرنا پڑے گا۔" امرلال جنونی انداز میں بولا۔

"جمیل!" اسی وقت انکا نے میرے سر میں اپنے پنجے گاڑ کے مجھے متنبہ کیا۔ "بدری نرائن کا کھیل ختم کردو۔"

مصلحت کا تقاضا بھی یہی تھا۔ میں نے اپنی انگلی سے اسے یک لخت ہلاک کرنے کے بجائے اس پر لاٹھیاں برسانی شروع کیں۔

"رک جا، رک جا!" امرلال چیخا۔ "بس کر۔"

میں نے رک کر دیکھا۔ امرلال میری طرف آرہا تھا۔ میں ڈٹ کے کھڑا ہوگیا۔ بدری نرائن آخری سانسیں گن رہا تھا، امرلال نے آ کے اسے غور سے دیکھا اور اس کا چہرہ سیاہ ہوگیا۔ "بدری!" وہ آہستہ سے بولا۔

بدری نرائن نے اس کی بات کا جواب دینے کی کوشش کی مگر میں نے اس کے منہ پر ایک اور لات رسید کردی۔ امرلال نے بڑھ کے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

"اس کا ہاتھ چھوڑ دو امرلال!" کلدیپ نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

بدری کی شکستہ حالت نے امرلال کے ہوش و حواس معطل کردیے تھے۔ وہ کلدیپ کو مخاطب کر کے چلایا۔ "اپرادھن! تیرے کارن میرا سیوک نشٹ ہو رہا ہے، اب تو اور تیرا دلال دونوں یہاں سے زندہ نہ جاسکیں گے۔"

"تم پاگل ہوگئے ہو مہاراج!" کلدیپ نے اطمینان سے جواب دیا۔ "بدری نرائن کا انجام تمہارے سامنے ہے امرلال!"

میں درمیان میں بول پڑا۔ "مکتی چاہتے ہو تو مالا کو ہمارے ساتھ کردو ہم چلے جائیں گے ورنہ پھر پچھتانے کے لئے بھی تمہارے پاس وقت نہ رہے گا۔"

"تو بہت بڑھ گیا ہے پلید!" امرلال نے اچانک اپنی مٹھی کھول کے میری طرف خاک کی سی کوئی چیز

اچھال دی۔ وہ سفید راکھ تھی یا دھواں تھا، وہ مرچیں تھیں یا اس کے ہاتھ میں آگ بند تھی میرے جسم میں سوزش ہونے لگی۔ میں جھلسنے لگا۔ اس کا توڑ کرنے کی مجھے فرصت ہی نہیں ملی۔ چشم زدن میں جہاں راکھ پڑی تھی وہاں آبلے سے ابھرنے لگے اور تکلیف سے برا حال ہوگیا۔ لاٹھی پھر میرے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی۔ میں اپنا جسم نوچنے لگا۔

انکا بھی میرے سر پر سہمی سہمی بیٹھی تھی۔ میں نے کلدیپ کی طرف دیکھا۔ وہ اپنی جگہ کھڑی کسمپرسی کی حالت میں مبتلا تھی۔ اس کا رنگ سفید پڑ گیا تھا۔

"اب کیا وچار ہے تیرا؟" امرلال کلدیپ کو گھورتے ہوئے بولا۔

"دیوتا پر اپنا جیون بلیدان کرنا ہر پجاری کا دھرم ہونا چاہئے امرلال! میں ہر قیمت پر جمیل کی سہائتا کروں گی۔"

"کالی تجھے شما نہیں کرے گی پاپن!"

"میں نے کالی کو وچن دے دیا ہے۔ تم کچھ نہیں جانتے۔"

ان دونوں کی بے وقت تکلیف دہ گفتگو میرے زخموں پر نمک چھڑکنے کے مترادف تھی۔ میں نڈھال ہو کے گرنے کے قریب تھا، میری ساری طاقت رخصت ہوا چاہتی تھی۔

"انکا! تمہی کچھ کرو۔" میں نے شدت کرب میں انکار سے کہا۔

"ذرا ہمت سے کام لو جمیل!" انکا نے اپنے ہاتھوں سے سر سہلاتے ہوئے کہا۔

"سوچ لے کلنکنی!" امرلال نے کلدیپ سے کہا۔

"امرلال! تم دھرماتما نہیں ہو۔ اب مجھے کوئی افسوس نہیں ہوگا کہ میں نے کالی کے ایک مہان سیوک سے جھگڑا مول لیا تھا۔" کلدیپ غصے میں بولی اور پہلی مرتبہ اپنی جگہ سے ہٹی۔ اس نے میری کلائی پکڑ لی اور تین بار جھٹکے دیے۔ مجھے محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے سلگتے ہوئے بدن پر ٹھنڈا پانی ڈال دیا ہو۔ میرے ذموں میں پھر جان آگئی اور آبلے دب گئے۔ امرلال قریب کھڑا ہیبت ناک نظروں سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ "تم میرے پیچھے ہو جاؤ جمیل!" کلدیپ نے مجھے مخاطب کیا۔ "دخل اندازی کی کوشش نہ کرنا ورنہ امرلال مہاراج کو شکایت ہو جائے گی۔"

"نہیں کلدیپ! میں نے بدھ گیا اور نندا کے استھان پر بھاڑ نہیں جھونکا ہے۔ یہ بدبخت پیچھے سے وار کرتا ہے، یہ بڑا عیار ہے، میں اسے سمجھ سکتا ہوں۔" میں نے ضد کی۔

"میری بات مان جاؤ جمیل!" وہ حکمیہ انداز میں بولی۔ "میں نے بھی تمہارا کہا مانا ہے۔ میں پریتم لال کا استھان چھوڑ کے تمہارے پاس آگئی ہوں۔"

"کلدیپ......" میں نے مچل کے کہنا چاہا۔

"تمہیں کلدیپ کی قسم۔ جاؤ آرام سے لیٹ جاؤ۔"

"یہ مجھ سے کیسے ہوگا کہ تمہیں اس موذی سے نمٹنے کے لئے تنہا چھوڑ دوں۔"

"جمیل!" کلدیپ کے لہجے میں محبت سمٹ آئی۔ "کیا میں تمہاری طاقتوں، تمہاری خوبیوں سے ناواقف ہوں؟"

میں مجبور ہو کے اس کے عقب میں کھڑا ہو گیا۔ میں نے کلدیپ کا اور اپنا درمیانی فاصلہ کم سے کم رکھا۔ انکا کو کسی پہلو قرار نہیں تھا۔

"آہ!" کلدیپ نے کہا۔ "امرلال! تم پہل کر سکتے ہو۔"

"تو دیوانی ہو گئی ہے۔" امرلال نے یہ کہہ کے زمین پر تین بار ڈنڈوت کیا اور کالی کا فلک شگاف نعرہ لگایا۔ کلدیپ کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔ اب میں کیا لکھوں کہ امرلال نے کیا، کیا؟ اس نے کون سا وار نہیں آزمایا؟ کون سا تیر نہیں چلایا؟ میں زخنوں کی طرح دیکھتا رہا۔ بار بار میرا جی چاہا تھا کہ کود جاؤں لیکن انکا ہر بار مجھے روک دیتی تھی۔ کلدیپ کسی بت کی طرح خاموش کھڑی تھی۔ سب سے پہلے امرلال نے کلدیپ کی زبان بند کرنا چاہی پھر اس کے جسم پر متعدد سوئیاں سی گھونپ دیں۔ اس کے بیر کلدیپ کے کپڑے کھینچنے لگے۔ یہ اقدام میرے لیے سوہان روح تھا۔ انکا نے شدت سے اس موقع پر مجھے روک دیا۔ اس کی ساڑھی اوپر کے جسم سے کھل گئی تھی۔ میری موجودگی میں امرلال کے سامنے کلدیپ کے بدن کا اوپری حصہ عریاں ہو گیا۔ اس کے صاف وشفاف بدن پر اچانک سیاہ دھبے چھانے لگے۔ میں نے رسی تڑانے کے انداز میں اپنی جگہ سے بھاگنا چاہا مگر انکا نے مجھے روک دیا۔ امرلال کا ہر حملہ ناکام ہو رہا تھا۔ نہ وہ سوئیاں چبھو کے کلدیپ کے قدم ہٹا سکا نہ اس کے بیروں نے کلدیپ کو عریاں کیا۔ کلدیپ میں نہ کسمساہٹ پیدا ہوئی نہ اس نے سیاہ دھبوں کی پروا کی۔ نہ وہ شعلے اس میں جلن پیدا کر سکے جو امرلال کے ہاتھوں سے برس رہے تھے۔ امرلال نے وہی سفید راکھ کلدیپ کے جسم پر اچھال دی جس نے میرے جسم پر آبلے ڈال دیے تھے۔ کلدیپ کی جلد بھدی ہو گئی اور اس کا چہرہ مسخ ہو گیا۔ وہ لمحوں میں کریہہ شکل کی کوئی عورت معلوم ہونے لگی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کلدیپ کا ظاہری جسم اس تمام واردات سے متاثر ہو رہا ہے مگر باطنی طور پر وہ اتنی ہی سرشار اور مطمئن ہے جتنی پہلے تھی۔ اس کا اطمینان میرا دل دہلائے دے رہا تھا۔ ادھر بدری نرائن جان کنی کی کیفیت میں مبتلا تھا۔ انکا نے اس کے سر پر جانے کا ارادہ کیا کہ امرلال، کلدیپ سے معرکہ آرائی میں مصروف تھا مگر میں نے انکا کو اپنے سر پر ہی روک کے رکھا۔ کلدیپ پر امرلال کا ستم بڑھ رہا تھا۔ اب تک میں نے متعدد پنڈتوں اور پجاریوں کی لڑائیاں دیکھی تھیں۔ خود میں ان سے نبرد آزما ہوا تھا مگر یہ سب سے ہولناک لڑائی تھی۔ کلدیپ کا بدن داغ دار ہو چکا تھا۔ وہ شعلوں میں گھری کھڑی تھی۔ امرلال نے پہلے تو وہی چھوٹے موٹے جنتر منتر آزمائے جو عام سادھوؤں، پنڈتوں اور پجاریوں کا طور طریقہ ہوتا ہے پھر وہ رفتہ

رفتہ متشدد ہوتا گیا۔ اس نے کلدیپ کے قدم اکھاڑنے اور اس کا انہماک توڑنے کے لئے ہر خطرناک وار کیا۔ اس کے بہت سے بیر کلدیپ سے دور ہو گئے تھے۔ امرلال وحشیانہ انداز میں، کسی مجنوں، کسی پاگل کی طرح پے در پے صدمے پہنچا رہا تھا' پھر اس نے ایک مذموم حرکت کی۔ اس نے کلدیپ کی زمین سے چھوتی ہوئی ساڑھی کھینچ لی اور اسے اتارنے کے لئے دائرے کی صورت میں گھومنے لگا۔ اب میرے لیے رکنا محال تھا۔ کلدیپ سرتاپا عریاں ہونے کے قریب تھی۔ وہ میری ناموس میری غیرت تھی۔ میں نے چلا کر کہا۔ "او مادر بخطا، اپنے ہاتھ روک لے، نہیں تو......"

انکا نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور میری آواز گھٹ کے رہ گئی۔ امرلال آخری بند کھولتے کھولتے رک گیا اور اس نے غور سے اس سیاہ شکل کی جلی ہوئی مسخ کلدیپ کو دیکھا جسے وہ ایک انچ بھی اس کی جگہ سے نہیں ہلا سکا تھا۔ سید کی لاٹھی بدری نرائن کے قریب پڑی تھی کیونکہ مجھے اسے دوبارہ اٹھانے کا موقع نہیں ملا تھا ۔امرلال نے کسی مردے کی طرح کلدیپ کو مارنے کے لئے اچانک لاٹھی اٹھا لی۔ اس نے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ مجھ سے برداشت نہیں ہوا۔ میں نے اسے نظر بھر کے دیکھا، اس کا ہاتھ رکے کا رکا رہ گیا لیکن وہ ایک بڑا پنڈت، ایک بڑا پجاری تھا۔ اس نے جلد ہی میرے عمل کا توڑ کر لیا اور ایک بھرپور ضرب کلدیپ کے جسم پر لگائی۔ کلدیپ کے منہ سے پہلی بار ایک کراہ نکلی اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔

میں اس عرصے میں امرلال کے جسم پر ٹوٹ پڑا تھا۔ وہ اس امر کی توقع نہیں کر سکتا تھا۔ میں اسے لیے لیے زمین پر گر گیا۔ یکایک کلدیپ کی کھنکھناتی ہوئی آواز آئی۔ "ہٹ جاؤ جمیل!"

"میں اسے چبا ڈالوں گا۔" میں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

امرلال نے اپنے دونوں ہاتھ میرے سینے میں گاڑ کے مجھے دھکا دے دیا۔ میں لڑھکتا ہوا دور ہو گیا۔ کلدیپ نے حیرت انگیز پھرتی سے ستر پوشی کر لی تھی اور یہ دیکھ کے میری آنکھیں چندھیا گئیں کہ اب اس کے جسم پر کوئی دھبا، کوئی داغ نہیں تھا۔ وہ پھر پہلے کی طرح اجلی اور صاف وشفاف نظر آ رہی تھی۔ امرلال نے وحشت انگیز نظر سے اسے دیکھا اور زمین سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"امرلال!" کلدیپ نے مطمئن آواز میں کہا۔ "تم نے کالی کے مہان سیوک کو دیکھ لیا؟"

"ہاں دیکھ لیا۔" وہ شکست خوردہ آواز میں بولا۔

"اب کیا وچار ہے؟" کلدیپ نے کہا۔

"میں تجھے آگیا دیتا ہوں کہ تو بھی اپنے حوصلے نکال لے۔"

"میں تمہیں سوچنے کا ایک موقع دیتی ہوں۔"

"میں تجھے آگے بڑھنے آگیا دیتا ہوں۔"

"مجھے ایک ناپسندیدہ کام کرنا ہوگا۔"

''کلدیپ اسے ختم کردو۔کوئی رعایت مت دینا۔'' میں نے لقمہ دیا۔کلدیپ نے میری طرف اس طرح حسرت بھری نظروں سے دیکھا کہ میں کانپ گیا۔اس کی نگاہیں کہہ رہی تھیں کہ تم بے فکر رہو۔تم جو چاہو گے وہی ہوگا کیونکہ تمہی میرے لیے سب کچھ ہو۔میں ان نگاہوں کا جواب دینے سے قاصر تھا۔میری گردن جھک گئی۔معاً مجھے خیال آیا کہ کلدیپ کہیں امرلال سے شکست نہ کھا جائے؟ لیکن میرے سوچنے میں دیر ہوگئی۔کلدیپ اپنا کام شروع کر چکی تھی۔کلدیپ زمین پر ایک خاص انداز سے بیٹھی ہوئی تھی اور امرلال کلدیپ کی طرح ایک طرف خاموش کھڑا ہوگیا تھا۔کلدیپ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔اس نے آسمان پر نظر ڈالی۔وہ دیر تک زمین سے لپٹی رہی پھر اٹھی۔اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔اس نے اپنے لرزتے ہوئے ہاتھ اٹھائے اور امرلال کی طرف مضحکہ خیز انداز میں گھمائے۔نہ جانے اس کے عمل میں کیا اثر تھا کہ امرلال بے چین سا ہوا اور اس کی بھیانک چیخ بلند ہوئی۔میں اس ایک لمحے کو دیکھ بھی نہ سکا۔امرلال خون میں لت پت جنونی انداز میں مندر کی طرف بھاگ رہا تھا اور اس کے دونوں ہاتھ کٹے ہوئے زمین پر پڑے تھے مگر وہ مندر تک نہ جاسکا۔کلدیپ نے لرزتی ہوئی انگلیوں سے اشارہ کیا۔اس کی انگلیاں غائب برچھے بن کر امرلال کے جسم میں چبھ رہی تھیں اور خون کے لئے سوراخ کر رہی تھیں۔خون کے کئی فوارے امرلال کے جسم سے ابلنے لگے تھے۔وہ مندر کی چوکھٹ پر گیا۔یکلخت کلدیپ نے اپنا ایک ہاتھ زمین سے مس کیا اور تیزی سے دائیں بائیں جانب پھیرا۔امرلال کا سر تن سے جدا ہوگیا تھا۔یہ ایک ہولناک منظر تھا جو میں نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔میں کلدیپ کی طرف حیرانی سے دیکھنے لگا۔عجیب بات تھی کہ اس کی معصومیت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔وہ بڑے تحمل سے یہ تمام کام انجام دے رہی تھی۔ہاں اس کے چہرے پر ایک حزن تھا، ایک سوگواری۔ایک اذیت نمایاں تھی۔امرلال کا لاشہ تڑپ رہا تھا اور اس کا سر مندر کی چوکھٹ رنگ رہا تھا۔پھر کلدیپ نے اس کا جسم سیاہی میں تبدیل کردیا اور اس کا سرخ سراپنی بے نور آنکھوں کے ساتھ مندر کی سیڑھیوں پر پڑا رہا۔میں لپک کر کلدیپ کے قریب گیا اور میں نے اس کے ہاتھوں کو دیوانہ وار بوسے دیے۔اپنی لاٹھی اٹھائی جسے امرلال وحشت میں زمین پر چھوڑ گیا تھا۔کلدیپ بے حال ہو کے میرے سینے سے لگ گئی۔میں نے اسے اپنے بازوؤں میں چھپالیا اور اتنی زور سے اسے اپنے اندر سمونے کی کوشش کی کہ ہماری سانسیں اکھڑنے لگیں۔''کلدیپ، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم نے پریتم لال کے استھان پر اتنی زبردست تپسیا کی ہے؟'' میں نے اپنی سانسیں بحال کرتے ہوئے کہا۔

''جمیل!'' وہ خفت سے مسکراتے ہوئے بولی۔اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں اور وہ کچھ نہ کہہ سکی۔وہ میرے سینے سے چمٹ گئی، میرے دل میں اتر گئی۔میرے جسم وجاں میں سرایت کر گئی۔وہ میرے اندر تحلیل ہوگئی اور انکا خوشی سے ناچنے لگی۔وہ کٹی ہوئی پتنگ کی طرح لہرا رہی تھی۔میں نے اس کا سراپا سنبھال نہ لیا ہوتا تو وہ یقیناً زمین پر گر گئی ہوتی۔ہم دونوں اس طرح دیر تک ایک دوسرے میں ضم رہے۔اس کا چہرہ آنسوؤں

سے تر بتر تھا اور میری آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امڈ آیا تھا۔بدری نرائن ابھی تک زندہ تھا۔اس کی کراہوں نے ہمارا سکون درہم برہم کیا۔وہ زمین پر پڑا سسک رہا تھا۔

''کلدیپ، اس کا کیا کروں؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''جو تمہاری مرضی ہو۔'' وہ منفعل انداز میں بولی۔

''تم یہیں ٹھہرو۔میں اس کے ساتھ ایک آخری احسان کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے اسے خود سے جدا کرتے ہوئے کہا اور بدری کے تڑپتے ہوئے جسم کے پاس پہنچا۔''تو نے مرنے میں بہت دیر کردی بدری نرائن!'' میں نے اسے مخاطب کیا۔''تیری صورت دیکھ کے مجھے نرگس اور مالا کے چہرے یاد آتے ہیں۔ظالم! تو نے بہت ظلم کیے۔کیا میں تجھے تربینی کی طرح زمین پر سسکتا ہوا چھوڑ دوں۔تیرے ہاتھ کاٹ ڈالوں، تیری زبان گدی سے کھینچ لوں، تیری آنکھ پھوڑ دوں؟'' میں نے کہا۔

بدری نرائن کی آنکھیں مرتعش ہوئیں اور اس نے بے بسی سے میری طرف دیکھا۔میں نے ایک بھرپور ٹھوکر مار کے اس کا چہرہ بگاڑ دیا۔پھر میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے زمین پر رگیدتا ہوا دور تک لے گیا۔بدری نرائن دور تک میرا ساتھ نہ دے سکا، راستے ہی میں ہمت ہار بیٹھا۔اس کی سخت جانی نے سپر ڈال دی۔اس کی آہیں بند ہوگئیں۔میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔تب بھی مجھے قرار نہیں آیا اور میں نے اس کی لاش روند ڈالی اور ٹھوکر سے اسے دور پھینک دیا۔کلدیپ نے آ کے میرا بازو نہ پکڑ لیا ہوتا تو میں اس کا قیمہ کردیتا۔

''مالا مندر ہی میں رہی جاتی ہے۔کیا اسے یہیں چھوڑنے کا ارادہ ہے؟'' انکا نے تیکھے انداز میں ٹوکا۔

مجھے احساس ہوا کہ کلدیپ کی غیر متوقع رفاقت اور بدری نرائن کے غیر متوقع انجام سے میں نے ہوش و حواس کھو دیے ہیں۔مالا کو میں بھولے جا رہا ہوں جس کے لئے یہاں آیا تھا۔مالا مندر کے اندر موجود تھی۔میں نے خود پر لعنت بھیجی۔کلدیپ بھی انکا کے ٹوکنے پر خفیف ہوئی۔اس نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔میں اسے باہر چھوڑ کے بھاگا۔بدری نرائن اور امرلال کی خون آلود لاشیں پھلانگتا ہوا مندر میں داخل ہوگیا۔کالی کی مورتی کی پشت پر ایک کمرا موجود تھا۔انکا نے میرے اوسان برقرار رکھے۔میں نے دروازے کی کنڈی تلاش کرنے کی زحمت نہیں کی۔امرلال اور بدری نرائن کے بعد اب کسی مزاحمت کا امکان نہیں تھا۔چنانچہ میں نے ایک بھرپور ٹھوکر سے دروازہ توڑ دیا۔اندر سے بدبو اور سیلن کا ایک بھبکا آیا۔مجھے مالا کے متعلق سخت تشویش ہوئی۔میں راستے میں پتھریلے فرش پر کئی بار گرتے گرتے بچا اور سیاہ کوٹھری میں جو کسی بڑے چوہے دان سے مشابہ تھی، اندر تک چلا گیا۔مالا کے جسم سے میری ٹانگیں ٹکرائیں۔وہ اس اندھیرے اور حبس زدہ ماحول میں بے ہوش پڑی تھی۔میں نے اسے آواز دی۔کوئی جواب نہیں ملا۔میں اسے اپنی پشت پر لاد کے تیزی کے ساتھ مندر سے باہر آگیا۔باہر کلدیپ مندر کے کنوئیں کے من پر اداس بیٹھی تھی اور مندر کی فضا پر ایک عجیب ہیبت طاری تھی۔امرلال کا خون زمین خشک کر رہی تھی اور اس کی کھوپڑی کی پھٹی ہوئی آنکھیں

فسانۂ عبرت بیان کر رہی تھیں۔ میرا جی چاہا کہ میں بدری نرائن کے لاشے پر ایک بار اور تھوک دوں مگر میری یہ حسرت دل ہی میں رہ گئی۔ کنوئیں کے من پر مالا کو ہوش میں لانے کی کوشش کی گئی۔ وہ جیسے ہی ہوش میں آئی، پھٹ پڑی۔ میں نے اس کے رخساروں پر ہلکی ہلکی تھپکیاں دیں۔

''مالا! میری جان ہوش میں آؤ۔ دیکھو، یہ میں ہوں، آنند لال کا دوست!''

''وہ......وہ......'' اس نے ہذیانی انداز میں چیخ کر کہا۔ اس کا اشارہ آنند لال کی طرف تھا۔ اس کے منہ سے باقی الفاظ نہیں نکلے۔ اچھا ہوا، اس سے کچھ بولا نہیں گیا، میں اسے کیا جواب دیتا؟

''صبر کرو مالا! میں ابھی زندہ ہوں۔ خدا کو یہی منظور تھا۔ ہم سب جانے ہی کے لئے ہیں۔ ہمت سے کام لو۔ تم تو ایک باہمت عورت ہو۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی حالانکہ خود مجھے کسی سہارے کی ضرورت تھی۔

مالا کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ وہ دہاڑیں مار مار کے بین کرنے لگی۔ نیتجتاً مجھے انکا کو اس کے سر پر بھیجنا پڑا اور ہم خاموشی سے مندر کے وحشت ناک علاقے سے دور ہوتے گئے۔

آبادی کے قریب آتے ہی ہم لوگ ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔ کلدیپ سے اس دوران میں کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ ہم دونوں پر سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ نہ مجھے اس سے بات کرنے کا سلیقہ آیا، نہ اسے کچھ کہنے کی جرأت ہوئی۔ ہم کبھی کبھی ایک دوسرے سے نظریں ملاتے اور فوراً پلکیں جھکا لیتے۔

سید غوث کے گھر پر بھی یہی سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے۔ جب ہماری ٹیکسی رکی اور ہم اس میں سے برآمد ہوئے تو سب نے ہمیں گھیر لیا۔ وہ ایک غیر یقینی صورت حال کا شکار تھے۔ ہر شخص کی آنکھیں نم تھیں۔ انہیں شاید ہمارا انتظار تھا کہ ہم آئیں تو وہ روئیں۔ کلدیپ کو دیکھ کے تزئین کی عجیب حالت ہو گئی مگر وہ بھی اسی تضاد کا شکار تھی جس ستم ظریفی کا زخمی میں تھا۔ مالا کی وجہ سے میں نے ضبط کیا۔ جلد ہی مالا کو اندر لے جایا گیا اور گھر میں ایک کہرام مچ گیا۔ وہ کھل کے روئے۔ ایسے روئے کہ آسمان کا کلیجا ہل گیا ہو گا۔

ابھی آنند لال کی چتا کی آگ ٹھنڈی بھی نہیں ہوئی تھی کہ کلدیپ نے افسردگی سے یہ سنسنی خیز اعلان کیا کہ وہ جلد از جلد پریتم لال کی پہاڑی پر واپس جانا چاہتی ہے۔ خصوصاً میرے لیے یہ خبر کسی دھماکے سے کم نہیں تھی۔ میں سمجھا تھا کہ اب کلدیپ آ گئی ہے تو مجھے اکیلا چھوڑ کے واپس اپنی دنیا میں نہیں جائے گی۔

آنند لال کی موت کے بعد یہ دوسرا صدمہ تھا۔ میں نے زیر لب آنند لال کی آتما سے کہا۔ ''میری جان، میں بھی آ رہا ہوں تمہاری موت کے صدمے سے تو جان بر ہو گیا لیکن کلدیپ کی جدائی زندہ نہیں رہنے دے گی۔''

''میں تمہیں وہاں ضرور لے جاؤں گا۔'' میں نے مفاہمت کے انداز میں کہا۔ ''لیکن ایک شرط پر کہ تمہیں وہاں سے واپس بھی آنا ہو گا۔''

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ میرے دل سے اور قریب ہو گئی۔ ''بولو! تم میرے ساتھ واپس آ جاؤں گی نا؟''

''ہاں، تم مجھے واپس لے آنا۔'' اس نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔

''سچ!'' میں نے وفور مسرت سے اسے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔

پریتم لال کے استھان پر پہنچ کر کلدیپ یوں مطمئن نظر آنے لگی جیسے کسی نے برسوں بعد اپنی کھوئی ہوئی منزل کا سراغ پا لیا ہو۔ کلدیپ کی غیر موجودگی سے کٹیا اجاڑ اجاڑ نظر آتی تھی۔ اس نے اسے سنوارا۔ اس بار میسور کا یہ پُراسرار پہاڑی مقام بہت دلکش لگ رہا تھا۔ پہلے میں یہاں آتا تو امید و بیم کی کیفیتوں سے دوچار رہتا لیکن اب کلدیپ میرے ساتھ تھی اور اس نے مجھے یقین دلایا تھا کہ چند دن اپنی کٹیا میں گزارنے کے بعد وہ ہمیشہ کے لئے میری ہو جائے گی۔ وہ خود کو میرے حوالے کر دے گی۔ میں جہاں چاہوں گا، اسے لے جاؤں گا۔ اس یقین دہانی کے بعد میری حسرتوں کو قرار آ گیا تھا۔ جس شخص نے اپنی زندگی کا اتنا بڑا عرصہ اچھے وقت کی امید میں گزار دیا ہو اس کے لئے یہ چند دن کیا اہمیت رکھتے تھے؟ کلدیپ جب جھرنے کے پانی میں پاؤں ڈالے بیٹھی ہوتی تو میں اس کی آغوش میں سر رکھ کے لیٹ جاتا اور آنے والے دنوں کے منصوبے بناتا رہتا۔ میں بچہ بن گیا تھا جس کے ہاتھ میں کلدیپ نامی ایک گڑیا دے دی گئی تھی۔ گڑیا اپنی باتوں، اپنی مسکراہٹوں سے مجھے بے خود کر دیتی۔ کبھی وہ میری باتیں سن کے بجھ سی جاتی۔

ایک رات میں نے اس سے پوچھا۔ ''کلدیپ! تم کسی بات سے خوف زدہ معلوم ہوتی ہو۔ تم مجھ سے کچھ چھپا تو نہیں رہی ہو؟''

''نہیں'' وہ گھبرا کے بولی۔ ''ایسی تو کوئی بات نہیں۔''

''ان ویرانیوں اور تنہائیوں میں رہتے رہتے یقیناً تمہاری طبیعت اور مزاج میں فرق آ گیا ہو گا۔ میں تمہیں ایک بار پھر پونا کی حسین و جمیل شوخ و شنگ لڑکی کے روپ میں دیکھنا چاہتا ہوں بس اب ہم کل یہاں سے لوٹ چلیں گے۔''

''صرف دو روز اور رک جاؤ جمیل!'' اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''میرے من کو مہاراج کے اس پوتر استھان پر شانتی ملتی ہے۔ بس دو روز اور...... اس کے بعد تمہیں مجھ پر پورا ادھیکار ہو گا۔ میں تمہارے بس میں ہوں گی، جہاں چاہو لے جانا۔''

پھر ایک دن اور گزر گیا۔ وہ میرے ساتھ ہی رہی۔ پھر جانے میں صرف ایک رات درمیان میں رہ گئی۔ اس رات وہ بہت مضطرب تھی۔ بار بار میری آغوش میں سسکنے لگتی۔ بار بار خوف زدہ ہو کے میرے بازوؤں میں دبک جاتی تھی۔ ''صرف ایک پہاڑ سی رات رہ گئی ہے۔ کل میں تمہیں یہاں سے لے جاؤں گا اور ہم باقاعدہ کسی کے سامنے زندگی بھر ساتھ نبھانے کا رسمی عہد کر لیں گے۔ پھر تم پر مجھے قانونی اختیار ہو گا۔''

میں نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

''ہاں جمیل، ایک ہی رات کی بات اور ہے۔ کل یہ کٹیا ویران ہو جائے گی۔ ایک ہی رات تو باقی ہے۔ میرا من چاہتا ہے ساری رات جاگتی رہوں اور تمہیں دیکھتی رہوں اور یہ کٹیا دیکھتی رہوں۔ یہ سب کچھ بہت سندر لگ رہا ہے۔ آج کی رات سہاگ رات ہے کیونکہ تم میرے پاس ہو۔ میرے پاس ہی رہنا۔''

آخری جملہ کہتے کہتے کلدیپ کی پلکوں کے گوشے نم ناک ہو گئے۔

''کلدیپ!'' میں نے وحشت زدہ ہو کے کہا۔ ''تمہیں مہاراج کی سوگند، یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو؟ تم مجھ سے یقیناً کچھ چھپا رہی ہو۔''

''اب چھپانے کا سمے بیت گیا جمیل!'' اس نے میرے ہاتھ پر اپنے رخسار رگڑتے ہوئے کہا۔ ''جو لمحے بیت رہے ہیں، بس بیت گئے ہیں۔''

''کلدیپ، کلدیپ!'' اس کے دل گرفتہ لہجے کی کسک محسوس کر کے مجھے بیٹھنا دشوار ہو گیا۔

''ہاں جمیل! بے چین مت ہو۔'' اس نے بھیگی پلکیں اٹھا کے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ ''آج تو جنم جنم کی آس پوری ہونے کی رات ہے۔ میں نے اس رات کے انتظار میں ایک ایک پل گن کے گزارا ہے۔ آؤ میرے سینے سے لگ جاؤ۔ آؤ، کوئی دوری نہ رکھو۔ آؤ سارے فاصلے ختم کر دو۔''

کلدیپ کی حالت لحظہ بہ لحظہ متغیر ہوتی گئی۔ میرے دل کی دھڑکنیں قابو میں نہیں رہی تھیں۔ میں نے کچھ کہنا چاہا تو اس نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''وقت کم رہ گیا ہے جمیل! بس مجھے اپنے قریب رکھو۔ میرے لبوں پر اپنے لب رکھ دو اور میری بات دھیان سے سنو۔ تم کہتے تھے کہ میں نیچے اتر آؤں۔ میں نیچے نہیں اتری کیونکہ مجھے یہاں سادھو پریتم لال نے اپنی جگہ دی تھی۔ تم اس درمیان زخم پہ زخم کھاتے رہے اور میں یہاں تمہارے لیے دعائیں مانگتی رہی۔ میں عام زندگی میں آنے سے بچتی رہی اور میں نے اپنا تن من اور دھیان تپسیا میں لگا دیا لیکن میں اس سارے وقت میں تمہارے ساتھ ہی رہی۔ کبھی کلپنا کے روپ میں، کبھی کسی اور طرح اور جب میں چلی جاتی تھی تو مجھے تمہاری خبر بھی نہیں ہوتی تھی۔ بدری نرائن بہت پہلے مر گیا ہوتا مگر اس نے کالی کی شرن حاصل کر لی تھی اور اس کے پیچھے بڑے بڑے سادھو پنڈت تھے۔ تم اس دلدل سے نکلنے کے بجائے اس میں پھنستے ہی گئے اور بدری نرائن نے امر لال کی شرن لے لی جو کالی کا مہان سیوک تھا مگر جس کا دل کالا تھا۔ وہ اگر تمہارے راستے کے درمیان رہتا تو تمہیں کبھی سکھ کا سانس نہ لینے دیتا۔ تم بے چین رہتے تو میرے من کو شانتی نہ ملتی۔ میں نے تمہارے لیے گیان دھیان میں ایسا سر کھپایا کہ دیوی دیوتاؤں کی نظر میں میری بات کا مان ہو گیا۔ میں نیچے اترنا نہیں چاہتی تھی لیکن مجھے نیچے اترنا پڑا۔ آنند لال کے مرنے کے بعد تم امر لال سے بھینٹ کرنے جا رہے تھے۔ مجھے معلوم تھا۔ تمہیں میری ضرورت ہے۔ اس بار امر لال تم سے کوئی رعایت نہیں کرے گا۔ سو میں نے دیوی کو وچن دیا کہ میں کامیابی پر اس کے

لئے اپنا جیون بھینٹ کروں گی۔ دیوی نے میرا بلیدان سوئیکار کر لیا اور امر لال مر گیا۔ تم نے بدری نرائن اور امر لال سے چھٹکارا پا لیا اور میں کامیاب ہو گئی۔ اب وچن پورا ہونے کا سمے آ گیا ہے۔ تمہارے کارن میں نے دیوی سے دس روز کی مہلت مانگ لی تھی۔ آج آخری رات ہے۔ میں بہت خوش ہوں جمیل! آخر میں تمہارے کام آ گئی اور تمہاری نظروں میں سرخ رو ہوئی۔ تم آخری وقت میں میرے پاس ہو اور آزاد ہو۔ میری بات دھیان سے سننا۔ اپنا جیون پاگلوں کی طرح مت بتانا۔ نہیں تو میری آتما بے آرام رہے گی۔ سن رہے ہو، میں کیا کہہ رہی ہوں؟'' وہ نڈھال ہو کے بولی۔

''کلدیپ!'' میرے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی۔ ''کلدیپ، خدا کے لئے خاموش ہو جاؤ۔ جو تم نے کہا ہے، کہو کہ وہ جھوٹ ہے، کہو کہ تم مجھ سے مذاق کر رہی ہو، تم میرا امتحان لے رہی ہو۔ خدا کے لئے ایسا بھیانک مذاق مت کرو۔ میرا دماغ پھٹ جائے گا۔'' میں ہذیان بکنے لگا۔

مجھ پر جنون طاری ہو گیا اور میں نے اس کے ہاتھ پاؤں اپنے ہاتھ میں دبوچ لیے، جیسے میں اس کی روح کو روکے رکھنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ وہ مسکرا دی۔ یہ مذاق نہیں تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے اٹھ کر میری پیشانی کا بوسہ لیا اور میری آغوش میں کسی خزاں رسیدہ پتے کی طرح گر گئی۔ ''کلدیپ! کلدیپ!'' میں جنونی انداز میں چیخ رہا تھا۔ وہ مجھے دلاسا دے رہی تھی۔ وہ ایک رات کی مہمان تھی اور رات گزرتی جا رہی تھی۔ میں پاگل ہو گیا تھا۔ مجھے کچھ یاد نہیں۔ میرے بین سے وہ اداس ہو گئی تھی۔ وہ مجھے خوش دیکھنے کے لئے اصرار کرتی تھی۔ یکایک میرے منہ سے قہقہے ابلنے لگے۔ پہاڑی پر ان قہقہوں کی بازگشت دور دور تک سنی گئی ہو گی۔ میں مسلسل ہنستا رہا اور رات گزرتی رہی۔ صبح ہوئی تو مجھے احساس ہوا کہ میں بہت ہنس چکا ہوں۔ اب مجھے رونا چاہیے۔ اس کی لاش میری آغوش میں جھول رہی تھی۔ میں نے اس کی ویران آنکھیں بند کیں۔ انہیں بوسے دیے اور اس کا چہرہ میرے آنسوؤں سے بھیگ گیا۔ میرے آنسوؤں سے اس نے آخری غسل کیا۔ سامنے پتھریلی دیوار تھی۔ اس کا اکیلا پن دور کرنے کے لئے میں اپنا سر اس سے پھوڑنے کے لئے تیزی سے بڑھا مگر انکا نے اپنے پنجے اتنی شدت سے میرے سر میں چبھوئے کہ میں اس کی لاش پر گر پڑا اور مجھے یاد نہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا؟

☆......☆......☆

میں کسی ٹرین میں بیٹھا ہوا تھا کہ انکا نے مجھ مخبوط الحواس شخص کے سر سے اپنا تسلط دور کیا۔ میں نے ٹرین سے کودنے کی کوشش کی تو وہ پھر برہم ہو گئی اور دوبارہ مجھ پر قبضہ جما کے مجھے سمجھانے لگی۔ ایک پاگل، ایک وحشی کو سمجھانے لگی۔ میری ہر کوشش اس نے ناکام بنا دی اور مجھے موت ہی سے نفرت ہو گئی۔ میں نے انکا کے تسلط سے بغاوت کر دی۔ وہ زمانہ اور تھا جب انکا مجھے عرصہ دراز تک کے لئے معطل کر دیتی تھی۔ ہوش آیا تو مجھے اپنی کسمپرسی، اپنی بے زبانی اور اپنے کم مائیگی کا شدید احساس ہوا۔ یہ میرا حقیر وجود، نفرت انگیز

وجود۔ میں ایک کیڑا، ایک کتا۔ میں ایک پاگل انسان۔ میں نے اپنا گریبان پھاڑ ڈالا۔ سب جا رہے تھے مگر میرے لیے راستے بند تھے۔ نرگس گئی، مالا گئی، آنند لال گیا اور اب کلدیپ بھی چلی گئی۔ میں بے غیرت زندہ رہا۔ انکا مجھے تزئین کے گھر لے جانا چاہتی تھی۔ میں نے راستہ بدل دیا۔ اب دنیا سے میرا کیا علاقہ تھا؟ بدھ گیا جانے کا شعور تھا، نہ گلبرگے کے سید مجذوب کو پکڑنے کی فکر تھی۔ یہ تو ساری شعور کی باتیں ہیں۔ اپنا گھر نہ بن سکا۔ اپنی دیواریں نہ اٹھ سکیں۔ انکا نے بولنا چھوڑ دیا۔ وہ سر پر خاموش بیٹھی تھی۔ اِدھر سے اُدھر منزلوں منزلوں، کوچہ گرد، آوارہ گرد۔ نہ نام کا خیال، نہ زندگی برتنے کا لحاظ۔ میری ٹھوکر پر دنیا تھی یا میں دنیا کی ٹھوکر پر۔ میں وہ پتھر تھا جو ہر ضرب سے اِدھر اُدھر لڑھک رہا تھا۔ کون جانے کہ دل پر کیا گزری؟ بس بہت کہہ دیا۔ جب یہ منزل آئی تو زبان کانپتی ہے، ہاتھ لرزتے ہیں۔

☆......☆......☆

چلا چل مسافر چلا چل۔ دنیا سرائے فانی ہے۔ ہر چیز آنی جانی ہے۔ ہر بشر کو موت نصیب ہوگی۔ موت کا فرشتہ جمیل احمد خان سے کب تک پہلو بچاتا رہے گا۔ کبھی تو آمنا سامنا ہوگا۔ سوچتا رہا، ویرانوں میں، آبادیوں میں، پہاڑوں پر، گھاٹیوں میں، کسی جگہ مڑ گیا، کسی جگہ سو گیا، نہ سونے کا وقت، نہ اٹھنے کا وقت، کسی درخت کے نیچے یا تپتی جلتی دھوپ میں۔ آسمان گرجتا رہا اور میں زمین پر اس کے تمام وار سہتا رہا۔ بس یہی ٹھہرا کہ ساری زمین اپنا مکان ہے۔ ہر گوشہ اپنا ہے۔ اس کا تصور ہے، ہے ہے، نہیں ہے نہیں ہے۔ کسی نے کھانا دے دیا، کھا لیا۔ نہ فکر کی نہ استدعا کی اور نہ ہاتھ ہی پھیلایا۔ بس ایک لاٹھی، سید مجذوب کی نشانی۔ بس ایک تار تار چادر اور چیتھڑے لگا لباس۔ ایک دن میں نے دیکھا کہ انکا میرے سر پر مچل رہی ہے۔ شاید میں گلبرگے آ گیا تھا۔ جسم پر میل کی تہیں جمی ہوئی تھیں۔ کچھ آنکھیں کھلنے لگیں۔ سامنے حضرت گیسو دراز کا مزار تھا۔ جی چاہا کہ دوڑ کر وہیں کسی پتھر سے اپنا سر پھوڑ ڈالوں۔ انکا اسی لمحے اتر گئی۔ میں نے آواز لگائی۔ "کدھر ہے وہ سید مجذوب! ارے سامنے آ، ذرا ساتھ لے کے چل، پردہ پوشی کیوں کرتا ہے؟"

ملنگوں نے مجھے گھیر لیا۔ "یہ سید کو کیا کہتا ہے؟"

"سید سے کہو، اب پردہ داری کیوں کرتا ہے؟" میں نے چیخ کر کہا۔

"کون ہے یہ؟"

"میں بتاتا ہوں۔" درمیان میں بھیڑ چیرتا ہوا ایک بوڑھا آیا۔ وہ سید تھا۔ "مستانے! کھیل تماشے سے جی بھر گیا؟" وہ دور ہی سے چلایا۔

"ہاں، ہو چکا بہت کچھ۔ اب حکم دے کیا کرنا ہے؟" میں نے بے نیازی سے کہا۔ "مجھے حکم دے ورنہ یہ لاٹھی بھی لے لے۔"

"اسے لے جاؤ۔" سید نے کہا۔ "خواجہ کے پاس لے جاؤ اور اس سے کہو کہ درویشی اس کے نصیب

میں نہیں ہے۔ یہ تو شعبدے باز ہے۔ کرتب دکھاتا ہے۔ پر اس کا دل ٹھنڈا کر دو۔ اسے شربت دو ورنہ یہ گرمی سے جل جائے گا۔" سید نے لوگوں سے کہا۔

"تیرے ساتھ جاؤں گا۔" میں نے بچوں کی طرح ضد کی۔

"چل، میرے ساتھ چل۔ میری انگلی پکڑ لے۔ دیکھنا، پھسل نہ جائیو۔" سید نے کہا اور وہ مجھے ساتھ لیے حضور گیسو دراز کی چوکھٹ پر پہنچ گیا۔ مجھ سے اندر نہیں جایا گیا۔ سید نے بھی انگلی چھوڑ دی۔ میں نے وہیں سر رکھ دیا اور میرا سوتا کھل گیا اور سیلاب بہنے لگا۔ نہ جانے کب سید نے گدی سے پکڑ کے مجھے اٹھایا۔ میں بے وزن ہو چکا تھا۔

"بس یہیں رہنے دے۔" میں نے کہا۔ "رہنے دے نا۔"

"نہیں۔" وہ سختی سے بولا۔ "تو یہاں نہیں رہ سکتا۔"

"تو میں کہاں جاؤں؟"

"باڑے میں۔ تیرا ٹھکانا وہیں ہے، کسی کھونٹے سے بندھ جانا۔"

"ٹھیک ہے، نہیں سنتا نہ سن۔" میں نے بپھر کے کہا۔ "اپنی کہے جاتا ہے، میں جا رہا ہوں، بس بابا، خدا حافظ۔"

"جا جا، ہواؤں میں اڑ جا۔ ساحل پر چلا جا۔ کوئی تیری راہ دیکھ رہا ہے۔"

"جا رہا ہوں۔ پر چلتے چلتے ایک بات کہے دیتا ہوں۔ میری کوئی خبر نہیں، اپنے کنبے کا خیال رکھیو۔ تیری بیٹیاں اور بیٹے بے چھت کے نہ رہ جائیں۔ میں سب کو تیرے سپرد کرتا ہوں۔"

"کم بخت۔ محتاج۔ فراری۔" وہ اشتعال میں بولا۔ "او بینا نابینا اوپر کی چھت نظر نہیں آتی؟ اس کے سپرد نہیں کرتا؟ جا نکل جا یہاں سے نانہجار۔"

میں نے مڑ کے دیکھا۔ سید ورد میں مصروف ہو گیا تھا اور بہت سے حلقہ بگوشوں نے اس کی آواز میں آواز ملانی شروع کر دی تھی۔ میرا دل ان میں شامل ہونے کے لئے تڑپنے لگا مگر میرے قدم رک گئے اور میں خواجہ گیسو دراز کے علاقے سے آگے نکل آیا۔ راستے میں رکن الدین کا مکان پڑتا تھا۔ میں نے اس کے مکان پر حسرت کی ایک نظر ڈالی اور پھر وہاں سے بھی آگے بڑھ گیا۔ گلبرگے کی آبادی سے دور پہنچ کر انکا پھر میرے سر پر آ گئی۔ میں نے کچھ نہیں کہا اور میں آگے ہی بڑھتا رہا۔

☆......☆......☆......☆

اور پھر کئی مہینے گزر گئے۔

پہلے وحشت کا عالم تھا، اب وہ بھی رخصت ہو گئی تھی۔ خالی الذہنی تھی، زندہ تھا اور زندگی کا احساس باقی رہ گیا تھا۔ ایک چلتا پھرتا، رینگتا ہوا حقیر کیڑا۔ ایک بے ضرر جانور جو منہ اٹھا کے جگالی کر لیا کرتا تھا اور

چھاؤں میں شور اور ہنگامے کی پروا کیے بغیر سو جاتا تھا۔ یوں ہی بے مقصد بے سروپا گھومتے گھومتے بمبئی پہنچ گیا جہاں کئی لوگ میرے لیے آنکھیں بچھائے ہوئے ہوں گے لیکن کسی کو دیکھنے کی چاہت نہیں تھی، کوئی روشنی بجھ چکی تھی۔ لاٹھی سنبھالے کبھی اس فٹ پاتھ پر، کبھی اس فٹ پاتھ پر زندگی کی چہل پہل دیکھا کرتا۔ غم اور خوشی کا احساس نہیں رہا۔

شاید اسی طرح زندگی گزر جاتی مگر ایک دن جب میں پاؤں پسارے گردن ٹکائے بجلی کے کھمبے کے پاس بیٹھا مکھیاں مار رہا تھا اور گلی کا کتا مجھ سے چھیڑ خانی کر رہا تھا کہ دور سے ایک چیخ سنائی دی۔ میں نے بے نیازی سے مڑ کے دیکھا۔ ایک سفید فام عورت تیزی سے بھاگی میری طرف آ رہی تھی۔ میں نے اسے غور سے دیکھا اور اسے پہچان کے بہت دنوں بعد میرے منجمد جسم میں ارتعاش سا پیدا ہوا۔ وہ قریب آئی تو میرا شک دور ہو گیا اور اس کا بھی کہ میں وہی ہوں۔ وہ ایک چیخ مار کر مجھ سے لپٹ گئی۔ راہ گیر یہ آواز سن کے اکٹھے ہو گئے۔ مجھ جیسے شخص کے لئے کسی حسین و جمیل سفید فام عورت کی یہ شیدائیت یقیناً ایک تماشا تھی۔ میں نے گردن جھکا لی۔ اس نے میرے بال پکڑ کے سر اوپر اٹھایا اور کرب سے چیختے ہوئے بولی۔ ''اوہ۔ یہ تمہی ہو۔ آخر میں نے تمہیں پا لیا۔ اے خدا تیرا شکر ہے۔''

میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ حیرت سے میں نے اس کا اضطراب اور اشتیاق دیکھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کیا رویہ اختیار کروں؟

''جمیل احمد خان! یہ میں ہوں تمہاری جین۔ کیا تم مجھے نہیں پہچانتے؟ میں چھ مہینے سے ہندوستان کے شہر شہر اور گلی گلی میں تمہیں تلاش کر رہی ہوں۔'' وہ جذباتی لہجے میں بولی۔ اس نے راہ گیروں کی پرواہ کیے بغیر میرے بال سنوارنے شروع کر دیئے۔ ''یہ تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے؟ یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟'' اس کی آواز بھرا گئی۔

''تم...... تم......'' میں نے کہنا چاہا مگر آگے کچھ نہ کہہ سکا۔

''ہاں۔ مجھے پہچانو۔ میں ہوں، میں جین...... تمہاری جین!''

''تم میرے لیے لندن سے آئی ہو؟'' میں نے نظریں جھکا کے پوچھا۔

''ہاں۔ کیا تمہیں یقین نہیں؟ کیا تم نے وعدہ نہیں کیا تھا کہ تم دوبارہ آؤ گے۔ کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ اب میں تمہاری ہوں۔ میں نے بہت دن تمہارا انتظار کیا اور پھر خود چلی آئی۔'' وہ تیزی سے بول رہی تھی۔ شرما کے کہنے لگی۔ ''تم نے نقش ہی ایسا چھوڑا تھا کہ مٹائے نہ مٹ سکا۔ تمہارے جانے کے بعد لندن میں سکون نہیں ملا۔ صرف تم یاد آتے رہے اور پھر جب تمہارا کوئی خط نہیں آیا تو میری زندگی اجیرن ہو گئی۔''

''جین! قسمت میں یہی لکھا تھا۔'' میں نے مایوسی سے کہا۔

''جو لکھا تھا وہ پورا ہوا۔ اب تم یہاں سے اٹھو۔ میں تمہیں لینے آئی ہوں۔'' وہ عزم سے میرا ہاتھ پکڑ

کے بولی۔

''تم...... تم مجھے کہاں لے جانا چاہتی ہو؟'' میں نے شکست خوردگی سے کہا۔

''جب تمہیں اپنی زندگی سے کوئی سروکار نہیں تو دوسروں کے لیے زندہ رہو۔ میں تمہیں لندن لے چلوں گی، وہاں ہم نئی زندگی کی ابتدا کریں گے۔ بس یہی میری ایک خواہش ہے۔'' اس نے سرشوری کی۔

وہ مجھے ایک ہوٹل میں لے آئی۔ اس نے میرا لباس تبدیل کیا۔ میں گم صم بیٹھا رہا۔

پھر کئی دن میں نے ہوٹل میں گزارے۔ جین اور انکا مل کے مجھے رنگ اور روشنیاں دکھاتی رہیں۔ انکا یکسر بدل چکی تھی۔ اب اس کی خواہش تھی کہ میں جین کے ساتھ لندن چلا جاؤں۔ جین پر انکا کا وجود آشکار نہیں ہوا تھا۔ میری قوت فیصلہ بہت پہلے ختم ہو چکی تھی۔ میں نے اپنی انگلی اور اپنا ذہن جین کے پاس رکھ دیا تھا۔ مجھے خبر نہیں تھی کہ وہ ان دنوں کیا کرتی رہی۔ وہ ہوٹل سے غائب ہوتی تو انکا میرا دل بہلاتی رہتی۔ جین اس طرح میری خاطر مدارت کر رہی تھی جیسے میں اس کا مہمان ہوں۔

اور پھر بہت جلد کوئی تین چار دن بعد جین نے مجھے جہاز کے عرشے پر لا کھڑا کیا۔ اس وقت میری حالت میں عجیب تلاطم برپا ہوا۔

ادھر میرے سر پر انکا کھڑی تھی۔ وہ شادمانی اور اداسی کی ملی جلی کیفیت سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ میں نے بدقت تمام اپنے آپ کو سنبھالا اور بہت مشکل سے کہا۔ ''انکا! وداع ہونے کا وقت آ گیا ہے۔''

''میں کہاں جاؤں گی۔ کیا تم اپنی انکا کو چھوڑ دو گے؟'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''مجھے اپنے ساتھ نہیں لے چلو گے؟ میں تو تمہارے ساتھ ہی چلوں گی۔''

''تو پھر میں نئی زندگی شروع نہیں کر سکوں گا۔ میں تقسیم رہوں گا اور تمہارا وجود کسی وقت بھی میری زندگی میں پھر الجھنیں پیدا کر دے گا۔''

اس کی آنکھیں نم ناک ہو گئیں۔ وہ دیر تک میرا چہرہ دیکھتی رہی اور خلاؤں میں گھورتی رہی پھر بہت دل گیر لہجے میں اس نے ہامی بھر لی۔

انکا کا ساتھ چھوٹ گیا اور ہندوستان سے ہر رشتہ منقطع ہو گیا۔ میں نے جین کے لئے اپنا وجود بھلا دیا تھا۔ کوئی اور جمیل احمد خان پیدا ہو گیا تھا جس نے جین کے پُرتاثر آنسو پی لیے تھے۔

☆......☆......☆

ختم شد